فسانۂ آزاد

جلد چہارم (حصہ دوم)

رتن ناتھ سرشار

فسانۂ آزاد

جلد چہارم (حصہ دوم)

رتن ناتھ سرشار



ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

FASANA-AZAD VOL. IV (Part II)

By: Rattan Nath Sarshar

سنہ اشاعت: جولائی، ستمبر 1986 شک 1908

پہلا اڈیشن: 1000
قیمت: =/50
سلسلۂ مطبوعات: ترقی اردو بیورو 521
کتابت: تنویر احمد

اس کتاب کی طباعت کے لیے حکومت ہند نے رعایتی قیمت پر کاغذ فراہم کیا

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، محکمہ تعلیم ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 110066
طابع: سپر پرنٹرز ساؤتھ انار کلی دہلی 51

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو

بی ہمسائی آواز سن کر کوٹھے پر آ گئیں۔ کہا آج یہ کیا قہقہے پڑ رہے ہیں۔ نور بولی۔ بی ہمسائی یہاں روز یہی چہچہے اور یہی قہقہے ہیں۔ دن عید رات شب برات۔ اس کے بعد صنم اور نور نے مل کر یہ غزل گانا شروع کی۔

گیا یار آفت پڑی اِس سحر پر / ادا سی برسنے لگی بام و در پر
صبا نے بھری دن کو اک آہ ٹھنڈی / قیامت ہوئی یاں دل نوحہ گر پر
مری بھاویں گلشن کو آتش لگی ہے / نظر کیا پڑے خاک گلہائے تر پر
کوئی دیو تھا یا کہ جن تھا یہ کافر / مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر
پری زاد تھی اک شب وصل اُسکو / اُڑا لے گئی چٹ بٹھا یا اپنے سر پر
مزے خوب لوٹو گے کیوں شیخ صاحب / ملیں گے بہشتِ بریں میں اگر پر
پڑے اُڑتے پھریے گا جوں کالا کوّا / گھڑی اِس شجر پر گھڑی اُس شجر پر

دیا نامۂ سیّد انشا نوا سے
دو بہتر جڑا اک سرِ نامہ بر پر

آزاد :۔ اخاہ۔ انشاء اللہ خان ہیں۔

نور :۔ ماشاء اللہ۔ اے سبحان اللہ۔ سبحان اللہ (قہقہہ)

صنم :۔ (آہستہ۔ آہستہ)

پھبن اکڑ چھب نگاہ سج دھج جمال طرز خرام آٹھوں / نہ ہو دیں اس بت کے گر بچارے تو کیوں ہو میلے کا نام آٹھوں
دہن زنخدان لب و دہان و رخ و جبیں و نمک تبسم / سکھاتے ہیں اس پری کو کافر یہ مل کے سب قتل عام آٹھوں
ادا و ناز و حجاب و غمزہ کرشمہ شوخی حیا تغافل / تمہاری چتون کے آگے آگے یہ کرتے ہیں اہتمام آٹھوں

شکیب و صبر و قرار و طاقت نشاط و آرام عیش و راحت
تمہاری اُلفت میں کھو کے بیٹھا ہوں

یہ مصرع ناتمام ہی رہا تھا کہ کسی شخص نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارا اور کہا کھولو۔ انسپکٹر صاحب دروازے پر کھڑے ہیں۔

بی بی کندن نے دروازے پر جا کر کہا کون صاحب ہیں۔

آواز :۔ انسپکٹر صاحب آئے ہیں۔ دروازہ کھول دو۔

کندن :۔ اے تو یہاں کس کے پاس تشریف لائے ہیں۔

آواز :۔ کندن کٹنی کے یہاں آئے ہیں یہی مکان ہے یا اور۔

دوسری آواز:۔ ہاں ہاں جی یہی ہے ہم سے پوچھو۔

کندن :۔ اچھا کھولتے ہیں۔ عجوبن ذری قفل کھول دینا۔

آواز :۔ یہ! کلیجہ ڈال کے رہت ہے سسری۔ ادھر کندن پولیس والوں سے باتیں کرتی تھیں اُدھر آزاد اور صنم اور ناظورہ اور ہمجولی اور نور جھپٹ کے باغ میں چلے گئے اور وہاں کے مکان کی طرف کا دروازہ بند کر دیا۔

آزاد :۔ خدا را بتاؤ تو یہ ماجرا کیا ہے۔

صنم :۔ دوڑ آئی ہے میاں۔ دروازہ بند کرنے سے کیا ہو گا۔ زنجیر بھی چڑھا دو۔ یا اللہ کوئی ترکیب ایسی ہو کہ اِس گھر سے نکل کر بھاگیں۔

نور :۔ ایک دم یہاں کا رہنا گوارا نہیں ہوتا ہے بہن مگر۔

آزاد :۔ کسی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتیں۔

نور :۔ اے ہے یہ کیا غضب کرتے ہو۔ ذری آہستہ آہستہ بولو۔

آزاد :۔ آخر یہ دوڑ آئی کیوں ہے ہم بھی تو سُنیں۔

صنم :۔ کل ایک بھلے مانس آئے تھے۔ ان کے پاس ایک گھڑی سونے کی۔ زنجیر سونے کی۔ ایک بیگ اور پانچ اشرفیاں اور کچھ روپے تھے یہ بھاپ گئیں۔ انھوں نے اس کو شراب پلائی اور گھڑی اور زنجیر اور روپیے اور اشرفیاں اور کپڑے تک بیہوشی میں اتار لئے اور صبح کو کہا کہ اگر ٹراؤ گے تو پولیس والوں کو بلا لوں گی۔ وہ عزت دار اور سیدھا سادہ آدمی تھا چپ چپاتے چلا گیا اور انسپکٹر سے کہا کہ کل رات کو یہ معاملہ ہوا۔

ہمجولی :۔ انسپکٹر سے اس سے دوستی تھی۔ نہیں تو وہاں بھی نہ جاتا۔

صنم :۔ پس انسپکٹر نے ایک برقنداز بھیجا۔ اُس کو انھوں نے بُرا بھلا کہا تو تکرار کیا۔ اب وہ دوڑ لے کے آئے ہیں۔

آزاد :۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہ ہتھکنڈے ہیں۔

نور :۔ کچھ نہ پوچھیے کہ جان کس عذاب میں ہے۔

آزاد :۔ توبہ توبہ۔ ہوا ہی چاہے۔

نور :۔ اب خدا جانے کس کس کا نام بد کریں گی۔ کیا آگ لگائیں گی۔

صنم :۔ بہن انسپکٹر و نسپکٹر سے تو دبنے والی نہیں ہیں۔

نور :۔ توبہ توبہ وہ نہیں دبیں گی صاحب تک سے انسپکٹر لئے پھرتی ہیں۔ دبے ان کی جوتی۔ بے حیا کی بلا دور۔

صنم :- چپ رہو۔ چپ رہو۔ ذری سنو تو کیا ہو رہا ہے۔

دروازے کے پاس سے سب نے کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ بی کندن پولیس والوں سے .نٹ کر رہی ہیں. تم میرے گھر بھر کی تلاشی لو مگر یاد رکھنا کل ہی تو نالش کروں گی مجھے اکیلی عورت سمجھ کر دھکا لیا ہے میں عدالت چڑھوں گی واہ نہ لینا ایک نہ دینا دو میں صاحب سے کہوں گی کہ اس کی نیت خراب ہے یہ رعایا کو دق کرتا ہے اور پرائی بہو بیٹی کو تاکتا ہے۔

صنم :- سنتی ہو۔ کیسا ڈپٹ رہی ہیں تھانہ دار کو۔

نور :- چپ چپ ایسا نہ ہو۔ ادھر بھڑ بھڑا کے آجائیں۔

اب سنیے کہ بی کندن نے مسافر کو کوسنا شروع کیا اللہ کرے اِس اٹھوارے میں اس کا دم ٹوٹے۔ اِس کا جنازہ نکلے۔ اس کی کھٹیا مچچاتی نکلے موے نے آن کے میری جان عذاب میں کر دی۔ میں نے تو غریب مسافر سمجھ کے ٹکایا وہ مُوا الٹا لئے پڑتا ہے۔

مسافر :- انسپکٹر صاحب اس عورت نے سینکڑوں کا مال مارا ہے۔

کانسٹبل :- اجی حضور یہ پہلے غلام حسین کے پُل پر رہتی تھیں۔ وہاں ایک اہیرن کی لڑکی کو پھسلا کر گھر لائی اور اسی دن مکان بدل دیا۔ اہیر نے تھانے پر رپٹ لکھائی۔ ہم جو جاتے ہیں تو مکان میں قفل پڑا ہوا۔ بہت تلاش کی پتہ نہ ملا۔ پھر دو مہینے کے بعد ہی وہ چھوکری ندارد۔ خدا جانے کسی کے ہاتھ بیچ ڈالی یا مر گئی یا کیا ہوا۔

کندن :- ہاں ہاں بیچ ڈالی ہم بردہ فروش تو ہیں ہی۔

انسپکٹر :- کیوں حضرت جب آپ کو معلوم تھا کہ یہ اس طرح کی بد کردار ہے پھر آپ نے اس کو منہ کیوں لگایا۔ اور اسکے ہاں ٹکے کیوں۔

مسافر :- شامتِ اعمال۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو ڈھائی سو پر پانی پھر گیا۔ اچھے اُلو بنے۔ مگر شکر ہے کہ مار نہیں ڈالا۔

کندن :- جی اور کیا ہزار شکر بھیجیے کہ قتل نہیں ہوئے۔

انسپکٹر :- تو ذرا نہیں شرماتی ہے مردار۔

کندن :- کیا! مردار!! اللہ گواہ ہے کہ۔

انسپکٹر :- کسی اور بھروسے نہ بھولنا خبردار مار ہی ڈالوں گا ہاں اور سنیے۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ یہاں سے اُٹھ جاؤ اور ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔

کندن :- مار ڈالو چاہے گھول کے پی جاؤ۔

کانسٹبل :- ہاں مار ڈالو چاہے کھا جاؤ۔ مگر یہ اپنی عادتیں نہ چھوڑیں گی اور ہم نہیں جانتے کہ جان بوجھ کے

لوگ کیوں پھنس جاتے ہیں۔

انسپکٹر:۔ شامتِ اعمال بقول ان کے۔ اور کیا کہیں۔

کندن:۔ تو اب یہ ٹھائیں ٹھائیں کب تک رہے گی۔

مسافر:۔ خوش ہوئے آپ یہ ٹھائیں ٹھائیں ہے۔

ایک کانسٹبل نے کہا حضور میں نے اسے اب پہچانا۔ یہ بڑی کلاں ہیں اپنے باپ کا نام حلیم اللہ لکھوایا۔ دو مہینے کے بعد فوجداری کی گواہی میں باپ کا نام سلیم اللہ بتایا۔ اب کی شاید فہیم اللہ لکھوائے اس فقرے پر بڑی ہنسی ہوئی اور خوب قہقہے پڑے۔

انسپکٹر:۔ تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔

کندن:۔ جسیم اللہ۔ دادا کا نام رحیم اللہ بھائی کا نام کریم اللہ۔

انسپکٹر:۔ یہ یوں نہ مانے گی۔ اس کو کوتوالی دکھاؤ۔

کندن:۔ مجھے کیا اکیلا سمجھتے ہو۔ ابھی اپنے داماد کو بلاؤں تو آنکھیں کھل جائیں۔

مہری:۔ باغ سے بلا لاؤں ان کو۔

اتنا کہنا تھا کہ میاں آزاد کے ہوش اُڑ گئے اور انھوں نے زنجیر کو پھر دیکھا کہ بند ہے یا نہیں۔ صنم دلفریب اور ناظورۂ طاؤس زیب نے ہنسکر کہا۔ لو دامادی مبارک ہو مگر ساس ایسی پائی ہے کہ شہر بھر میں ان سے زیادہ مشہور عورت نہ ہوگی۔

آزاد:۔ اس مردار کو سوجھی کیا۔ لاحول ولا۔

مہری:۔ (دروازے کے پاس سے) کھولیے۔

آزاد:۔ (آہستہ سے) خدا کی مار تجھ پر اور تیری ہفتاد پشت پر۔

مہری:۔ کھولیے حضور آپ کی ساس بلاتی ہیں۔

کندن:۔ اے بیٹا ذرا ادھر آ۔ مرد کی صورت دیکھ کر شاید یہ لوگ اس قدر کا جبر نہ کریں۔ میں تو کہیں کی نہ رہی

انسپکٹر:۔ اخاہ! مرد کی صورت دیکھ کر شاید اس قدر جبر نہ کریں! کیا توپ ساتھ ہے۔ ہم سرکاری آدمی پولیس کے لوگ اور تمہارے داماد سے دب جائیں اب بتاؤ ان کی جمع ملے گی یا نہیں۔

کندن ایک کانسٹبل کو علیحدہ لے گئی اور کہا میں اسی وقت انسپکٹر صاحب کو ستر روپیہ دیتی ہوں بشرطیکہ وہ معاملے کو طول نہ دیں اور اگر تمہارے ذریعہ سے یہ بات حاصل ہو جائے تو دس روپیہ تم کو بھی دوں گی۔

جب انسپکٹر پولیس نے دیکھا کہ یہ مکارہ مفت میں وقت ضائع کرتی ہے تو ٹھان لی کہ اس کو کوتوالی دکھا دیں آدھ گھنٹے کامل تحقیقات کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ پہلے تو وہ مکارہ بہت رنگ لائی۔ مگر پولیس والوں سے ایک نہ پیش گئی۔

ع زنداں کو چلی مچل مچل کر

چلتے وقت اِن معشوقوں کے کان میں کہا کہ اِس مرد کو جانے نہ دینا اور نہ مہمانی کا کوئی دقیقہ اُٹھا رکھنا۔ یہ کہہ کر وہ تو ادھر پولیس والوں کے ساتھ گئی اور ادھر آزاد اور اُن اصنام گلفام کو آزادی کے ساتھ باتیں کرنے کا موقع ملا۔

آزاد :۔ بڑی بلا اس وقت ٹلی۔ عورت کیا سچ مچ بلا ہے۔

صنم :۔ آپ کو ابھی اِس سے سابقہ کہاں پڑا ہے۔

آزاد :۔ میں تو اتنے ہی عرصے میں گھبرا اُٹھا۔

ناظورہ :۔ ابھی ان کے ہتھکنڈے اچھی طرح آپ نے دیکھے کہاں ہیں

مہری :۔ سونا جانے کسے اور آدمی جانے بسے۔

صنم :۔ ابھی یہ نہ سمجھنا کہ بلا ٹل گئی۔ ہم سب باندھے جائیں گے۔

آزاد :۔ ہاں گواہی ہو گی نہ۔ اور اس شرارت کو دیکھو کہ مجھے انسپکٹر سے مقابلہ کرنے کے لیے بلاتی تھی۔ خدا کی سنوار توبہ توبہ۔

صنم :۔ شکر گزار تو ہوتے نہیں کہ دامادی کا خطاب دیا۔

آزاد :۔ واہ ایسی ساس سے بندہ درگذرا۔

صنم :۔ ان کی گلی سے کوئی بے لٹے نہیں جا سکتا۔

آزاد :۔ ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔

تری گلی میں ہم اس طرح سے ہیں آئے ہوئے
شکار ہو کوئی جس طرح چوٹ کھائے ہوئے

صنم :۔ ایک عورت کو انھوں نے زہر دلوا دیا تھا۔

آزاد :۔ (اپنے دل میں) انشاءاللہ چودہ برس کے لئے بھجوایا ہو تو سہی۔ غضب خدا کا اگر ایسی دو تین اور ہوں تو شہر کا خدا حافظ و نگہبان ہے۔

ناظورہ :۔ پڑوسن سے کوئی جا کے اتنا کہہ دے کہ تم اپنی لڑکی کو کیوں ستیاناس کرتی ہو۔ جو کچھ رو کھا سو کھا اللہ

نے کھلنے کو دیا ہے وہ کھاؤ اور پڑی رہو۔

مہری :۔ہاں اور کیا ایسے پلاؤ سے دال دلیا ہی اچھا۔

صنم :۔تم جا کے بلالاؤ تو یہ سمجھا دیں حیلے سے۔

مہری جا کے پڑوسن کو بلالائی۔ آزاد نے کہا تمہاری ہمسائی کو تو برقنداز لے گئے۔اب یہ مکان ہمارے سپرد کر گئی ہیں۔ پڑوسن نے ہنس کر کہا میاں ان کو برقنداز لے جاکر کیا کریں گے۔ آج گئی ہیں کل چھوٹ آئیں گی اور یہ پہلا ہی مرتبہ تھوڑا ہی ہے۔ اتنے میں ایک آدمی نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ مہری نے دروازہ کھولا تو ایک مرد مسن دمشین نمودار ہوئے۔ پوچھا بی کندن کہاں ہیں مہری نے کہا ان کو تھانے کے لوگ کشاں کشاں لے گئے پوچھا کہ جرم۔ کہا واللہ اعلم۔ پوچھا کتنی دیر ہوئی۔ کہا آدھا گھنٹہ۔ مرد مسن نے کہا۔ یک نہ شد دو شد۔ میں ان کو اطلاع دینے آیا تھا کہ جس امیر کی لڑکی انہوں نے بیچی ہے اس نے اپنی لڑکی کو ڈھونڈھ نکالا اور اب وہ لڑکی صاف صاف بیان کرتی ہے کہ کندن کٹنی نے مجھے نشہ پلادیا تھا اور اس کے سوا ایک اور مقدمہ ابھی ان پر دائر ہونے والا ہے۔

صنم :۔ایک سرے سے اتنے مقدمے۔ ایک دو نہیں۔

پیر :۔فعل بھی تو ایک سرے سے ہزاروں ایسے ہیں۔

ناظورہ :۔ہر روز ایک نیا پنچھی پھانستی ہیں۔ نت نیا۔

پیر :۔بس اب پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اب چھلکے گا۔

صنم :۔واہ۔ روز یہی سنتے ہیں کہ پیمانہ لبریز ہو گیا۔

پیر :۔اب موقع پا کے تم سب کی سب کہیں چل کیوں نہیں دیتی ہو اب اس وقت تو وہ نہیں ہے۔

صنم :۔جائیں تو کہاں جائیں بے سمجھے سوچے کہاں جائیں۔

آزاد :۔اللہ رے رعب حسن اسی اتفاق کو ہم لوگ قسمت کہتے ہیں اور اسی کا نام اقبال ہے۔

پیر :۔جی ہاں حضرت آپ تو نئے آئے ہیں مجھے دو برس ہو گئے یہ عورت خدا جانے کتنے گھر تباہ کر چکی ہے۔ مگر کس نمی پرسد۔ پولیس میں بھی گرفتار ہوئی مجسٹریٹی بھی گئی سب کچھ ہوا۔ سزا پائی نپائی نپائی۔ کچھ عجب حال ہے۔

آزاد :۔اور یہ اس قدر خوب صورت عورتیں ہو کر ادھر اُدھر کسی سے شبہ لڑا کے چل بھی نہیں دیتیں مجھے یہ حیرت ہے۔

مہری :۔اچھا آپ دونوں صاحب اپنا ذمہ کر لیں۔

پیر :۔میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ان میں سے جس کا جی چاہے میرے ساتھ چلی چلے۔ کسی شریف کے ساتھ نکاح پڑھوا دوں گا مزے سے زندگی بسر کرے گی۔

میاں آزاد اُس پیر مرد کو لے کر باغ میں آئے اور تخلیے میں باتیں کرنے لگے تو اس شہر کی اکثر پوشیدہ

باتیں ان کو معلوم ہوئیں جو اکثر آدمیوں کو نہیں معلوم تھیں۔

پیرمرد :۔ حضرت آپ ان باتوں سے نہیں واقف ہیں۔

آزاد :۔ میری کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ یہ کیا اسرار ہے۔

پیرمرد :۔ جناب اس شہر میں دو نامی کٹنیاں ہیں ایک کندن۔ دوسری ظہورن۔ ان دونوں کے سبب سے شہر والوں کی ناک میں دم ہے۔

آزاد :۔ سرکار کی طرف سے اس کا انتظام ہونا چاہیئے۔

پیرمرد :۔ یہی تو خرابی ہے کہ کوئی کہنے والا نہیں ہے۔

آزاد :۔ خاکسار عرض کرے گا اگر یہ سب صاف صاف بیان کریں اور صاحب کی صورت دیکھ کر ان کے دلوں میں خوف پیدا نہ ہو تو اس کا انتظام فوراً ہو سکتا ہے۔

پیرمرد :۔ اِن سب کو بلوا کر سکھا پڑھا دیجیے۔

مہری نے صنم دلفریب اور ناظورہ طاؤس زیب اور سجولی اور رغیدہ مہ لقا کو بلوایا اور آزاد نے سمجھانا شروع کیا۔

آزاد :۔ اگر تم سب صاحب ضلع کے سامنے ہو تو ہم صاحب ضلع سے کہہ کر تم کو اس مکارہ کے پنجے سے رہائی دلوا دیں۔

ناظورہ :۔ ازیں چہ بہتر نیکی اور پوچھ پوچھ۔

صنم :۔ ہم سب پتے بتائیں گے ان کا ایک فعل تھوڑا ہی ہے کئی تو لڑکیاں انھوں نے بیچ ڈالیں اور کئی لڑکیاں چورا چورا لائیں۔

پیرمرد :۔ تم کو کل کارروائی معلوم ہے اور ان کے سامنے بتاؤ گی صاحب کے سامنے۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں کچھ کا کچھ بکو۔

آزاد :۔ نہیں یہ سب ماشاء اللہ برق ہیں۔

مہری :۔ اور ایک بات جو مجھے معلوم ہے وہ کسی کو نہیں معلوم ہے۔ پوچھو وہ کیا۔ پرسوں رات کو ایک برس بھر کی لڑکی خدا جانے کہاں سے لائی تھیں اس کے لیے ایک انا نوکر رکھی ہے اور بیچ والی سرا میں میوے والوں کے پچھواڑے ایک مکان لے دیا ہے۔ یہ حال نہ کھلا کہ وہ کس بیچاری کا بچہ ہے اور کہاں سے ان کے ہاتھ آئی۔

آزاد :۔ پولیس کے ذریعے سے اس کی تحقیقات چٹکیوں میں ہو جائے گی۔

پیرمرد :۔ اس میں کیا شک ہے مگر کچھ ٹھکانا ہے۔ الامان الامان خدا جانے کہاں کہاں پہونچتی ہے اور کس کس کو

چلکے دیتی ہے۔

ناظورہ :۔ ہم اپنا حال جب وقت بیان کریں گے اس وقت ان کے ہتھکنڈے کھل جائیں گے اور ان کو کون نہیں جانتا۔

اتنے میں کسی شخص نے دروازے پر آواز دی۔ مہری نے پوچھا۔ کون۔ کہا ہم ہیں ممن۔ پوچھا اور کون ہے۔ کہا ہم ہیں اور گلباز۔ مہری نے کہا اس وقت تو بیوی یہاں نہیں ہیں۔ اور نہ آپ کے آنے کا موقع ہے۔ باغ کی طرف سے آئیے تو بات چیت ہو۔ آزاد سے مہری نے کہا کہ یہ دونوں اس شہر کے بڑے نامی چور ہیں۔ شاید آج کسی کے ہاں چوری کرنے کا ارادہ ہے آپ لوگ مکان میں آجائیے باغ میں ان سے بات چیت کرلوں گی۔ باغ کا دروازہ کھولا تو وہ دونوں چور ممن اور گلباز ڈھاٹے باندھے ہوئے آئے۔

ممن :۔ کیا کندن آج گھر پر نہیں ہیں کب تک آئیں گی۔

مہری :۔ میاں وہ تو بڑی مصیبت میں ہیں۔ پولیس کے لوگ اُن کو زبردستی ساتھ لے گئے۔

ممن :۔ ارے۔ اخاہ میں سمجھا خیر مگر ہم تو آج اور ہی منصوبے میں آئے تھے وہ جو مہاجن گلی میں نکڑ پر رہتے ہیں ان کی بہو اجمیری سے آئی ہے۔

مہری :۔ جی ہاں میرا جانا ہوا ہے۔ بہت سارو پیہ لائی ہے۔

گلباز :۔ کندن سے ہم نے کہہ دیا تھا کہ آج شب کو یہاں بیٹھک ہوگی مگر وہ خود غائب ہیں اور آج خوب موقع تھا۔

مہری :۔ کل سہی پرسوں سہی جلدی کیا ہے۔

گلباز :۔ واہ کل پرسوں کی ایک ہی کہی۔ کار امروز را بہ فردا بگذار۔

مہری :۔ پھر میں کیوں کر کہوں میں مجبور ہوں۔

گلباز :۔ مہاجن گنگا گیا ہے۔ نہان ہے وہاں۔ پرسوں تک آجائے گا۔

ممن :۔ لاحول ولاقوۃ۔

بہر کجا کہ رسیدیم آسمان پیداست

گلباز :۔ بڑی بُری خبر سنائی۔ مہری اور آج ہم سب سامان سے لیس ہیں،

مہری :۔ اچھا کل پر رکھیے۔ آج تو کچھ نہیں ہو سکتا۔

گلباز :۔ چارپائی پر دراز ہو کر۔

من درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال   کاریکہ خدا کند فلک راچہ مجال

مہری :۔ بیٹھیے حقہ بھر لاؤں۔ ابھی لاتی ہوں۔

گلباز :۔ سناٹا ہو گیا مہری۔

سبحان اللہ خدائے بیچوں

از چون وچرائے عقل بیروں

گلباز نے کہا ہم نے کئی آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ بارہ بجے کے وقت کندن کے مکان پر آنا وہ کہیں گے کہ عجب لغو آدمی ہے مگر آخر اس کا کیا سبب ہے کہ کندن نہ ہوں تو ہم اپنی کارروائی سے غافل رہیں۔

ممن :۔ اچھا آؤ ایک بار چکر تو لگا آئیں۔

گلباز :۔ اجی اس فضول چکر سے کیا فائدہ۔ بیکار ہے۔

ممن :۔ مہری حقہ پلاؤ تو اپنی راہ لیں۔ کل کندن کے مقدمہ میں پیروی کرنا پڑے گی۔ پرسوں تک انشاء اللہ ہاتھ گرمائے گا۔

گلباز :۔ بیٹھک یہیں ہو اور ایک آدمی اس مکان میں پہلے جائے جو مہاجن والے مکان کے پڑوس میں خالی ہے

ممن :۔ ایک مرتبہ اور ہم اسی مہاجن کے ہاں چوری کر چکے ہیں۔ اتنے میں باغ کے دروازے کی طرف سیٹی کی آواز آئی۔ گلباز نے کہا لو وہ آگئے۔ ارے میاں کون ہے دلبر۔ کسی شخص نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ گلباز نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

دلبر :۔ بس اب دیر نہ کرو۔ وقت جاتا ہے بھائی۔

درویش :۔ قدم درویشاں رد بلا۔ مدربے کہاں ہیں۔

مہری :۔ حقہ بھرا رکھا ہے لیجیے۔ ابھی دم بھی نہیں کھایا ہے۔

گلباز :۔ ارے یار آج تو معاملہ ہیچ گیا۔

دلبر :۔ ایں بالاحول ولاقوۃ دو لاکھ روپیہ نقد رکھا ہوا ہے اس میں اگر ایک کم ہو تو کچھ جرمانہ دوں پورا دو لاکھ گنا ہوا۔

ممن :۔ اچھا تو کہیں بھاگا جاتا ہے۔

دلبر :۔ یہ کیا فرض ہے کہ کندن ضرور ہی ہو۔

ممن :۔ بھائی جان ایک کندن کے نہ ہونے سے کہیں یار لوگ چوکتے ہیں اور بھی کئی سبب ہیں۔

دلبر :۔ ایسے معاملے میں اس قدر تساہل۔

ممن :۔ یہ سارا فتور گلباز کا ہے۔ چنڈو خانے میں بڑے چھینٹے اڑایا کئے۔ اور سارا کھیل بگاڑ دیا۔

دلبر :۔ آج تک اس معاملہ میں ایسے لونڈے نہیں بنے تھے۔

درویش:۔ وہ یاد ہے جب ظہورن کی گلی میں چھری چلی تھی۔

دلبر :۔ افوہ۔ اس دن تو مجھے اس قدر غصہ تھا کہ الامان۔ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ہوا یہ سنتے ہو بھائی گلباز ارے میاں تم تو مرشد آباد چلے گئے تھے۔ اور یہاں ظہورن نے ہمیں اطلاع دی کہ سلطان مرزا نے انتقال کیا سلطان مرزا کے محلے میں سب موٹے۔ روپے والے۔ اور سب بودے آدمی اور سلطان مرزا کے وہ سب عاشق اور سلطان مرزا ان کا دم بھرتے تھے۔ اب کسی چور یا ڈاکو کی جرات کیوں کر کہ ان کے محلے میں جائے۔

ممن :۔ اے تو یہ بڑا بانی کار اس فن کا تھا۔

دلبر :۔ بس حضرت ہوا یہ کہ ادھر سلطان مرزا مرے اُدھر ظہورن نے ہمیں اور میاں الماس کو بلوایا۔ وہ تو علیل تھے جا نہ سکے ہم اور ممدو بانکے دو آدمی ظہورن کے ہاں گئے۔ ظہورن نے کہا اب کیا دیکھتے ہو۔ اتنے گھر ہیں گھالو۔ اب سلطان مرزا تو ہیں نہیں۔ جن کا ڈر ہو۔ خیر ایک دن مقرر ہوا اس دن ہم لوگ سب وقت پر ظہورن کے ہاں پہونچے۔

اب سنیئے کہ جس طرف جاتے ہیں۔ جاگ۔ کوئی مناجات پڑھ رہا ہے۔ کوئی گا رہا ہے۔ کوئی کھنکار تا ہے۔ محلے بھر میں جاگ یا الہٰی یہ کیسا محلہ ہے۔ ان نامعقولوں کو نیند بھی نہیں آتی۔ کوئی گھر ایسا نہیں جہاں روشنی اور جاگ نہ ہو۔

ممن :۔ کسی نے پہلے سے محلے والوں کو اطلاع دی ہوگی۔

دلبر :۔ جی ہاں سنتے تو جایئے۔ پیچھے کھُلا نہ۔

ممن :۔ ظہورن سے تو کب یہ امید ہو سکتی تھی۔

دلبر :۔ ظہورن کے ہاں پہونچے تو اُس سے حال بیان کیا اس نے کہا مجھے خود شک ہوا ہے۔ میرے ہاں جو ماما نوکر ہے۔ یہ اُس مردار کے ہتھکنڈے ہیں۔ ہوا یہ کہ جس وقت ہم لوگوں نے ظہورن کے دروازے پر آواز دی ماما جو پہلے ہی سے محلے والوں سے گٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پڑوس کے مکان میں کنکری پھینکی۔ اور اُس پڑوسی نے دوسرے مکان میں۔ اسی طرح محلے بھر میں اطلاع ہو گئی۔

ممن :۔ ہائے ہائے۔ یہ غضب ہو گیا۔ پھر اُس ماما مردار پر جھانچ نکالی ہوگی۔

دلبر :۔ یار وہ ماما تو بڑی نمک حلال تھی۔ وہ سلطان مرزا کی نوکر تھی۔ اس نے محلے والوں سے کہا کہ میاں تو مرتے مرگئے مگر محلے میں کسی کو ضرر نہیں پہنچایا اور میں اب ایسی پاجی ہو گئی کہ جان بوجھ کے اطلاع نہ دوں۔ بس جناب جب وہ قبولی تو ایک شخص نے جھلا کے چھری سے مار ڈالا۔

ممن :- خوب کیا واللہ بہت ہی خوب کیا۔ ایسا ہی کرنا تھا۔
دلبر :- پس پھر اس محلے میں ہم لوگوں نے قصد نہیں کیا۔
درویش :- جس کو رحم آئے وہ ہمارے نزدیک چور نہیں۔
ممن :- ہاں۔ واللہ حق ہے۔ دریں چہ شک۔

پیر مرد نے آزاد پاشا سے پوچھا کہ آپ کا اسم مبارک کیا ہے۔ انھوں نے اس سوال کا جواب ٹال کر کہا اگر آپ از راہِ ہمدردی میرے شریک ہو کر اس قسم کی عورت مکارہ کا پتہ لگائیے تو کمال شاکر و ممنون ہوں گا۔

پیر مرد :- میں نے عرض کیا نہ کہ یہاں دو عورتیں اس قسم کی ہیں کندن اور ظہورن۔ کندن کے ہتھکنڈے یہ ہیں کہ وہ اِدھر اُدھر سے معصومہ چھوکریوں کو ڈھونڈھ کر ان کو بُرا کام سکھاتی ہے اور ظہورن بہو بیٹیوں میں زیادہ گھستی ہے
آزاد :- جن جن لڑکیوں کو انھوں نے ان کے ماں باپ کی چوری سے بیچ لیا ہے اور جن جن کو اپنے ہاں چرا کے لے آئی ہیں ان سب کا پتہ لگائیے۔
مہری :- میاں اور تو اور ان سب ہیں یہ۔ دنا ظورہ کی طرف مخاطب ہو کر ایسی سیدھی اور پاک دامن لڑکی ہوتی کہ جس کا حق ہے مگر بس اب کیا کہوں۔
ناظورہ :- سب سے زیادہ ظلم انھوں نے گھوسی پر کیا ہے اس کی لڑکی بڑی خوب صورت تھی کوئی برس ایک چھ سات کی جب ہوئی تو انھوں نے اس گھوسی سے دودھ لینا شروع کیا۔ صبح شام گھوسن دودھ دے جایا کرتی تھی۔ ان دونوں کو ایسا گانٹھا کہ ان کے بس میں آ گئے ایک مرتبہ گھوسی کو دس روپیہ دیے اور بنارس کسی کام کے لئے بھیجا اور آنے جانے کا خرچہ بھی دیا۔ گھوسن روز آیا کرتی تھی اور اس کی لڑکی بھی ایسی ہل گئی تھی بس جب گھوسی کو کئی دن ہوئے تو ایک دن گھوسن کو کھیر کے ساتھ خدا جانے کیا کھلا دیا اور اس کی لڑکی کو کھیر کھلائی۔ جب دونوں ماں بیٹیاں بیہوش ہوگئیں تو دو آدمی ان کے گھر پر بھیج کر لڑکی کو اسی حالت میں چُرا لیا گھوسن گھر میں اکیلی بے ہوش پڑی رہی سویرے جب اس کے ہاں گاہک دودھ لینے گئے تو سناٹا۔ دس بجے۔ بارہ بجے تب تو محلے والوں کو شک گذرا اور دیوار پھاند کے دیکھتے ہیں تو مری پڑی ہے۔ تھانہ میں خبر ہوئی مگر پتہ نہ ملا اور آج تک پتہ نہیں ملا ہے۔ جب گھوسی باہر سے آیا تو جورو کی نسبت سُنا کہ مر گئی۔ اور لڑکی ندارد۔
آزاد :- افوہ۔ بڑا ظلم کرتی ہے۔ خدا اس سے سمجھے۔
پیر مرد :- اجی جناب ایسے ایسے خدا جانے کس قدر ظلم کیے ہونگے۔
مہری :- مجھ سے ان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔
آزاد :- پھر ایک فہرست تیار کر دوں۔ ہیں سو دو سو۔
مہری :- ایں سو دو سو!! اے حضور روز ایک نئی بات پیدا ہوتی ہے یہ کیا کسی سے ڈرتی ہیں اور ہزار ہا توں کی بات

تو یہ ہے کہ جب خدا سے نہیں ڈرا انسان تو پھر کس سے ڈرے گا۔

پیر مرد :۔ اس کا حال تو ہم کو بھی معلوم ہے۔ اور من و عن۔

مہری :۔ جی ہاں زندہ ہے خاص جیتی جاگتی موجود ہے۔

آزاد :۔ اب وہ گھوسن کی لڑکی کہاں ہے زندہ ہے۔

پیر مرد :۔ اگر آپ دیکھیے تو بس جانیے کہ حور کی بچی ہے۔

مہری :۔ ایک دن خود وہ یہاں آئی تھی۔ میں نے جو دیکھا تو پہچانا اب کوئی سولہ سترہ برس کی ہوگی۔ جوان ہے۔

پیر مرد :۔ گاتی خوب ہے نہایت خوش گلو اور نازک آواز۔

مہری :۔ بس بی بی نے جو دیکھا کہ مہری نے اس کو پہچانا نہیں تو پوچھا کہو ان کو کبھی دیکھا تھا یا نہیں میں نے کہا حضور یاد نہیں آتا اس پر اس سے کہا۔ ہماری مہری کو تو کوئی ٹھمری پٹا دادرا سناؤ۔ بس وہ گانے لگی۔

خم و پیچ آپ کی زلف چلیپا کے نرالے ہیں
نہ نافہ ہیں نہ زنجیریں نہ سُنبل ہیں نہ کالے ہیں

سنہرے لچکے کا موباف وہ زلفوں میں ڈالے ہیں
مگر جکڑے ہوئے سونے کی زنجیروں میں کالے ہیں

تمہاری چشم و مژگاں کے کرشمے دیکھے بھالے ہیں
لیے دو مست ہاتھی بیچ میں یہ برچھے والے ہیں

نہیں پہنے وہ کالی چوڑیاں گوری کلائی میں
مرے ڈسنے کی خاطر آستیں میں سانپ پالے ہیں

کیا ہے قاصدوں کے آتے ہی عشاق کو مدفون
جواب خط ہیں یہ یا گور کے گھر کے قبالے ہیں

بس یہ غزل اس طرح پر گائی کہ میں کیا عرض کروں۔

ناظورہ :۔ میں بھی اس دن تھی جب وہ گائی اور تم نے سنا کہ وہ گھوسن کی چھوکری ہے تو تمہیں بڑا تعجب ہوا ہے بڑی خوب صورت ایسی کہ دید نہ شنید۔

آزاد :۔ غضب کرتی ہے کمبخت۔ افوہ یہ ظلم۔

ناظورہ :۔ ابھی تک آپ سے ان بدعتوں کا حال نہیں بیان کیا۔

مہری :۔ جی ہاں سچ کہتی ہیں۔ اس میں ذرا شک نہ سمجھیے گا۔

صنم :۔ ہماری داستان الگ الگ سُن لیجیئے تو ایک پورا قطعہ ہو جائے بس سننے ہی کے قابل ہے۔

مہری :۔ دیکھئے اب بندوبست ہوا جاتا ہے اور ایسا بندوبست ہو کہ وہ بھی یاد کریں کہ کسی سے سابقہ پڑا تھا

آزاد دپاشا یہ سب امور طے کر کے ناظورۂ دلربا اور ان سب پری زنوں سے رخصت ہو کر صاحب ضلع کی کوٹھی پر آئے تو پہلے اپنے کمرے میں گئے اور منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل کر اس حال میں تشریف لے گئے جہاں صاحب ضلع مع اپنی میم کے اپنے معزز مہمانوں کے ساتھ ڈنر کھانے کے لئے میز کے ارد گرد کرسیاں بچھائے بیٹھ

تھے ہنوز کھانا اچھی طرح چنا بھی نہیں گیا تھا کہ میاں آزاد کمرے میں داخل ہوئے اور ان کو دیکھتے ہی سب نے مل کر قہقہہ لگایا۔

میم صاحب (صاحب ضلع کی)۔ ہیلو! آپ کے ہاں اب شام ہوئی۔

راوی :۔ آزاد پاشا اقرار کر گئے تھے کہ شام کو آجاؤں گا۔

آزاد :۔ (خفیف ہوکر) مجھے اتفاق سے دیر ہو گئی۔

کلیرسا :۔ (گھڑی کھول کر) آپ کے ہاں آٹھ پر دس منٹ جا کے شام ہوتی ہے (گھڑی دکھا کے) ملاحظہ فرمائیے۔

آزاد :۔ ایک تو میں خود ہی منفعل ہوں دوسرے آپ اور شرمندہ کرتی ہیں میں نے کئی بار چاہا کہ اٹھوں مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

مَیڈرا :۔ (مسکرا کر) خیر! کوئی ایسی دلچسپ جگہ تھی۔

صاحب :۔ بڑی دیر سے آپ کا انتظار تھا۔ خدا خدا کر کے اب آپ آئے آنکھیں آپ کو ڈھونڈتی تھیں۔

آزاد :۔ میں آپ سے مفصل حال عرض کروں گا۔

مَیڈرا :۔ اس شہر میں کبھی پہلے بھی آنے کا اتفاق ہوا تھا۔

آزاد :۔ ہاں یوں ہی سرسری طور پر آیا تھا۔

مَیڈرا :۔ کسی سے شادی کا اقرار تو نہیں ہوا تھا۔

راوی :۔ اس سوال پر بڑا قہقہہ پڑا اور آزاد پھر خفیف ہوئے۔

صاحب :۔ ہاں دیر ہونے سے تو ہم سب کو یہی شک ہوا تھا۔

کلیرسا :۔ (مسکرا کر) کچھ پانی تو ضرور مرتا ہے۔

مَیڈرا :۔ ہماری تشخیص بھلا کہیں نکلتی ہے۔

آزاد :۔ جی ہاں سب کے سب مل کے جس کو چاہیں بنا لیں۔

صاحب :۔ جب تک آپ اس قدر دیر کی وجہ کافی نہ بتائیں گے ممکن نہیں کہ صفائی ہو آپ لوگوں میں تو چار شادیاں تک جائز ہیں۔

کلیرسا :۔ ان کے بشرے سے تو پایا جاتا ہے کہ ہے کچھ ایسا ہی۔

میم :۔ کیوں صاحب کچھ تو بیان کیجیے آپ کیوں خاموش ہیں۔

آزاد :۔ اب میں کیا عرض کروں۔ یہاں تو سب قیافہ شناس ہی بیٹھے ہیں کوئی بشرے سے تاڑ جاتا ہے کوئی چہرے سے پہچان لیتا ہے

مَیڈا :۔ مگر معلوم ہوتا ہے وہاں کھانا نہیں ملا۔ کیوں۔

کلیرسا :۔ (ہنس کر) ہاں۔ جبھی کھانے کے وقت آ گئے۔

آزاد :۔ اس وقت میں جہاں تھا وہاں خدا کسی کو نہ لے جائے۔

صاحب :۔ اس کے کیا معنی وہ ایسا کون مقام ہے۔

میم :۔ شاید کسی قبرستان کی طرف سے آتے ہیں۔

آزاد :۔ جی نہیں عرض کروں گا کمال افسوس ہے۔

کلیرسا :۔ کیوں کیوں خیر باشد کوئی بات ایسی تو نہیں ہے۔ جس سے تشویش ہے۔ یا تو ذکر ہی نہ کرنا تھا یا اب کیا ہے تو پھر اچھی طرح کہو۔

میم :۔ اچھا جلدی کیا ہے مگر ہم جانتے ہیں زیادہ تشویش کی بات نہ ہوگی شاید ورنہ تیور ایسے نہ رہتے۔

آزاد :۔ جی نہیں۔ مجھے یا یہاں اتنوں میں کوئی اِس سے تعلق نہیں رکھتا عوام کی نسبت ایک بات دیکھنے میں آئی۔

میم :۔ اگر کوئی کسی پر جبر کرتا تھا تو پولیس والوں کا قصور ہے اور ان کو (شوہر کی طرف اشارہ کر کے) اس کا بندوبست اچھی طرح کرنا چاہیے۔

آزاد :۔ ہاں انھیں سے کہوں گا۔

میم :۔ آپ بڑے ہمدرد آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

آزاد :۔ کھانا کھانے کے بعد قصہ چھیڑوں گا۔

میم :۔ سننے کے قابل ہے یا نہیں اگر سننے کے قابل ہے تو ابھی سہی ورنہ کل سویرے بلکہ اس کے سننے کی ضرورت ہی نہیں۔

صاحب :۔ میں سمجھ گیا اِس شہر میں قمار بازی کی گرم بازاری ہے جواری کسی بازار میں ایک دوسرے کی خواری کر رہے ہوں گے۔

آزاد :۔ نہیں حضرت۔ وہ اور ہی معاملہ ہے۔

کلیرسا :۔ یہ جس شہر میں جاتے ہیں ایک نہ ایک بات کا انتظام ضرور کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے ساتھ اِن کو ہمدردی ہے۔

صاحب :۔ ہمدردی ہی کے جوش میں تو ٹرکی پہنچے تھے۔

کلیرسا :۔ اس میں کیا فرق ہے۔ مگر خدا ہمدردوں کا ہمیشہ دوست رہتا ہے دیکھیے ان کی محنت کیسی ٹھکانے لگائی۔

آزاد پاشا نے کہا مجھے آپ سب کے ساتھ کھانے میں مطلق انکار نہیں ہے مگر بات یہ ہے کہ میں شراب کے استعمال کرنے سے محترز ہوں۔ روم میں اور مسلمانوں کی طرح میں بھی عیسائیوں کے ساتھ کھاتا تھا مگر یہ سامنے والی بوتلیں اٹھوا دیجئے۔ میم صاحب اور صاحب ضلع نے فوراً یہ حکم دیا کہ یہ بوتلیں اٹھوا دو۔ مس کلیرسا نے مسکرا کر کہا اگر شراب پی کر ان برتنوں کو نہ چھوئیں آپ کھائیں تو کیا ہرج ہے۔ آزاد نے کہا اس میں ہمیں عذر نہیں ہے۔ بسم اللہ۔

مئیڈرا :۔ ٹرکی میں لوگ اِس قدر پرہیز نہیں کرتے۔

آزاد :۔ ہاں وہاں ذرا آزادی زیادہ ہے۔

مئیڈرا :۔ وہاں بھی گو اہلِ اسلام شراب نہیں پیتے لیکن اگر ٹیبل پر رکھی ہو تو ان کو اس ٹیبل پر کھانے سے عذر نہ ہوگا

آزاد :۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ سب باتیں مذہب پر زیادہ اور رواج پر کم منحصر ہیں۔ سور اور شراب دونوں سے شرع کے پابند ضرور پرہیز کریں گے اور اگر مسلمان ہیں تو ان کو ضرور پرہیز کرنا چاہیئے۔

صاحب :۔ اچھا شرع میں تو یہ حکم ہے نہ کہ تم شراب نہ پیو اور سور کا گوشت نہ کھاؤ مگر ٹیبل پر رکھنے سے کیوں پرہیز ہے

آزاد :۔ جس میں انتہا سے زیادہ نفرت ظاہر ہو۔

صاحب :۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ اِس کو مزید احتیاط کہتے ہیں۔

جب سب کھانا چنا گیا آزاد پاشا نے پرند جانوروں کے گوشت کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ بکری کے گوشت پر ہم پرندوں کے گوشت کو ترجیح دیتے ہیں۔ صاحب ضلع اور میم صاحب نے عمداً شراب کے استعمال سے پرہیز کیا لیکن مس مئیڈرا نے صرف آزاد کے چھیڑنے کے لئے اصرار کیا کہ آپ تو ان سے علیحدہ بیٹھے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے چنداں قباحت نہیں۔

صاحب :۔ نہیں غرض ہی کیا ہے میں شام کو کسی قدر اسکاچ وہسکی پینے کا عادی ہوں لیکن کھانا کھانے کے بعد ہی۔

میم :۔ بیشک جلدی کیا ہے۔

جب ڈنر سے فراغت پائی تو مہمان اور میزبان ایک خوشنما کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

آزاد :۔ اب آپ میری خاطر سے وہسکی استعمال کیجئے۔

صاحب :۔ ول۔ اب ہم آپ سب کی تندرستی کا جام پئیں گے۔

میم :۔ (خانساماں کو حکم دے کر) وہ دونوں بوتلیں لاؤ۔

صاحب :۔ میں آپ سب کی تندرستی کا جام پیتا ہوں۔ ان نوجوان لیڈیوں میں اگر شامپین کوئی پئیں تو کیا ہرج ہے۔

آزاد :۔ جی ہاں منگوائیے وہ تو غذا کو ہضم کرنے والی شے ہے۔

صاحب :۔ اس میں نشہ نہیں ہوتا۔ اگر آپ بھی پئیں تو۔

آزاد :۔ (ہنس کر) جی بس معاف فرمایئے۔

کردم ز شراب ناب توبہ

کلیرسا :۔ بھلا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے کبھی نہیں پی ہے۔

آزاد :۔ میں آگے اس کا استعمال کرتا تھا مگر اب ترک کر دی۔

میم :۔ اچھا کیا کیونکہ آپ کے ہم مذہب حرف رکھنے اور مرد دانا ایسا فعل کیوں کرے جس سے اپنے اوپر حرف آئے

مَیڈا :۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ رم تک نہیں چھوڑتے۔

آزاد :۔ (مسکرا کر) بجا ہے۔ سُن چکی ہو نہ۔ رم نے تو ایک بار واقعی میری جان بچائی تھی۔ جمیکا رم کو عمر بھر نہ بھولونگا مگر وہ اور موقع تھا یہ اور موقع ہے۔

صاحب :۔ وہ کون موقع تھا اور اب کیا بات ہے۔

کلیرسا :۔ اس وقت اگر جمیکا رم نہ ملتی تو بڑی بُری حالت ہو جاتی۔ سردی کا وقت۔ ہوا سرد۔ اور سمندر کا پیرنا۔

آزاد :۔ جس وقت ہمارا جہاز جنی ڈبیس ڈوبا ہے اور لائیف بوٹ سے ہمارا ایک دوست گرا تو فوراً ساتھ ہی میں بھی کود پڑا پھر وہاں سے مجھے بوٹ نہ ملا۔

میم :۔ اب میں سمجھ گئی جزیرۂ بیرم کے پاس کا ذکر ہے۔

صاحب :۔ اخاہ۔ یاد آیا۔ ملاح نے جمیکا رم دی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میم صاحب نے مس مَیڈا اور مس کلیرسا سے فرمائش کی کہ ہم پیانو بجاتی ہیں تم دونوں ہمارے ساتھ گاؤ۔

یہ میم صاحب علم موسیقی میں اپنی آپ ہی نظیر تھیں۔

مس کلیرسا اور مس مَیڈا نے ان کے ساتھ گانا شروع کیا اور صاحب بھی شریک ہوئے جب آزاد پاشا سے اصرار بلیغ کیا تو بدرجۂ مجبوری انہوں نے بھی شرکت کی مگر انہوں نے صاف صاف بیان کر دیا کہ مجھے اس فن میں مہارت نہیں ہے لیکن آرزو دل دوستاں جہل است اس کے بعد ان سے فرمائش کی گئی کہ اردو کی کوئی غزل گائیں۔ آزاد پاشا نے کہا حضرت مجھے تو کوئی عذر نہیں مگر اس ملک میں متین آدمی اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

صاحب :۔ توبہ توبہ آپ اُس وقت عذر کرتے جس وقت یہاں مولوی لوگ بیٹھے ہوتے یہاں آپ کو ہنسنے والا کون ہے۔

آزاد :۔ مگر آپ کو اس میں لطف کیا حاصل ہوگا۔

میم :- نہیں ہم پسند کرتے ہیں مگر جو سمجھ میں آئے۔
صاحب :- اور سمجھ میں بہت کم آتا ہے آپ گائیں تو۔
آزاد پاشا نے بہت عذر کیا اور کہا کہ اول تو مجھے اس میں چنداں دخل نہیں دوسرے دخل ہوتا بھی تو غزلیں اور ہندی فارسی کی چیزیں کچھ ہندوستانیوں ہی کی صحبت میں خوب لطف دیتی ہیں ورنہ مجھے عذر نہیں۔ لیکن آپ کو لطف حاصل نہ ہوگا اور میری طبیعت کلفت ہو جائے گی۔ صاحب نے ایک عذر نہ مانا اور آزاد کو مجبور ہو کر گانا پڑا۔

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے
جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ بھی دل میں آنا چھوڑ دے
گوش نازک پر کسی کے رحم کر
جوش افغاں غل مچانا چھوڑ دے
داغ ہے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے
پردے کی ہے پردہ نشیں
کھل مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے
ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں
فصل گل گلشن میں آنا چھوڑ دے
آہ میری کب دعائے نوح تھی
چشم تر طوفاں اٹھانا چھوڑ دے
گر ہے مومن روزہ وصل بتاں
تو غم فرقت میں کھانا چھوڑ دے

میم :- اچھا۔
صاحب :- ہم کچھ کچھ سمجھے وہ جہنم کا شعر بہت اچھا ہے۔

آزاد :۔ خوب کہا ہے جناب۔

داغ سے میرے جہنّم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

فرانسیسی میں مطلب سمجھا کر! یعنی میرے دل کے داغ کو واعظ جہنّم سے مثال دیتا ہے اور مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کس سے مقابلہ کیا۔ کجا داغ دل کجا جہنم۔ بھلا جہنم کو میرے داغ دل سے کیا نسبت مطلب یہ ہے کہ میرے دل کا داغ جہنّم کو مات کرتا ہے جہنّم کی کیا اصل وحقیقت ہے۔

میڈا :۔ ہر ملک کی شاعری کا مذاق جدا گانہ ہے۔

صاحب :۔ جیسے ملک کے خیالات ہوں گے ویسی ہی شاعری ہو گی۔

آزاد :۔ عرب کی شاعری میں اونٹوں کا بہت ذکر ہے۔

صاحب :۔ دل اور کچھ آپ کی زبان سے سُننے کو جی چاہتا ہے۔

آزاد :۔ سبحان اللہ اب سوچتا ہوں کہ کیا سُناؤں۔

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے — وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے
ٹھہری ہے کہ ٹھہرائیں گے زنجیر سے دل کو — پر برہمی زلف کا سودا نہ کریں گے
اندیشۂ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش — نشتر سے علاج دل دیوانہ کریں گے
تشبیہ زبس دیتے ہیں لبہائے بتاں سے — مر جائیں گے پر منت عیسیٰ نہ کریں گے
پھر جائے نہ تا چشم صنم آنکھ کے آگے — سیر چمن نرگس شہلا نہ کریں گے

صاحب :۔ اس میں کچھ نہیں سمجھے مگر کانوں کو اچھا معلوم ہوا۔

کلیرسا :۔ کجا روس کجا ہندوستان اور ہم۔

میڈا :۔ کجا کوہ قاف اور جارجیا اور روم کجا ہم اور یہ ملک۔ کبھی خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ اس ملک میں آئیں گے۔

آزاد :۔ اتفاق۔ مگر ان باتوں کا خیال اب دل سے جاتے رہتے، ورنہ مفت میں تکلیف اور پریشانی ہو گی۔

کلیرسا :۔ ہاں اب خیال کرنا ہی بیکار ہے۔

اس کے بعد جو کچھ تقریر ہوئی۔ اس میں ان پریوں کے دل کی افسردگی پائی گئی۔ آزاد نے لاکھ لطیفے کہے فقرہ بازی کی۔ مذاق کی باتیں کیں مگر انقباض خاطر کو دور نہ کر سکے۔ جب دس بجے تو سب اپنے

اپنے کمروں میں گئے۔

دوسرے روز آزاد پاشا صاحب ضلع سے ملے بغیر ہی تڑکے گجر دم روانہ ہوئے تو بی کندن کے مکان پر دم لیا اور مہری سے کہا اگر تمہارے امکان میں ہو تو ثریا بیگم کو دکھلا دو، یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے دو مرشد آبادی اشرفیاں نکالیں اور کہا بی مہری صاحب یہ نذر ہیں۔ از برائے خدا جس طرح ممکن ہو دکھا دو۔

مہری :۔ حضور اب وہ ثریا بیگم تو ہیں نہیں۔

آزاد :۔ خدا گواہ ہے صرف ایک نظر بھر کر دیکھنا چاہتا ہوں۔

مہری :۔ یہ ممکن ہے اور آج ہی انشاء اللہ شام کو۔

آزاد :۔ اچھا مگر ہم کو یہ بتا دو کہ کہاں ملیں، یہاں ہی،

مہری :۔ جی ہاں۔ یہاں سے میں آپ کو لے چلوں گی۔

آزاد :۔ خدا تم کو سلامت رکھے، بڑا کام نکلے گا۔

مہری :۔ اے میاں میں لونڈی ہوں، جیسی تب لونڈی تھی، ویسی اب ہوں، تب ہی تمہارا نمک کھاتی تھی، اب بھی۔

آزاد :۔ اچھا اس قدر بتا دو کہ کس ترکیب سے ملوں گا؟

مہری :۔ دنیا میں کس کو نہیں معلوم بخیر میرے، بات یہ ہے کہ لڑکپن سے وہ ایک فقیر کی معتقد ہیں، اور نواب صاحب ان کے میاں نے اجازت دیدی ہے کہ جب انکا جی چاہے فنس پر سوار ہو کر جلوس کے ساتھ وہاں جائیں۔ شاہ جی کا سن خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی دو سو برس کا ہو گا۔

آزاد :۔ اخاہ۔ تو بڑے مقدس آدمی ہیں۔

مہری :۔ اس میں کیا شک ہے حضور اور جو کہہ دیتی ہیں، وہی ہوتا ہے، کیا مجال جو فرق پڑے۔ یہ خدا نے زبان کو تاثیر دی ہے۔

راوی :۔ آزاد ان باتوں کے کب قائل تھے، مگر مہری کے خوش کرنے اور بنانے کی نظر سے کہا۔ ہاں صاحب فقیر ہیں نہیں تو دنیا کیونکر قائم ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ درویش سے ہم کو کیا واسطہ، ہم ثریا بیگم کو کیونکر دیکھیں گے۔

مہری :۔ میں شاہ جی کو ایک اور جگہ بہانے سے بھیجدونگی۔ آپ شاہ جی کی جگہ جاکے بیٹھ جائیے گا۔ اور آپ کو اس وقت اپنا آقا کہوں گی۔ ثریا بیگم کا قاعدہ ہے، وہ اس درویش سے ملتے ہی نذر دکھاتی ہیں اور شاہ جی پیشانی کا بوسہ لیتے ہیں مگر جب نذر دکھا کر بوسہ نہیں لیا جاتا تب تک آنکھیں

بند رکھتی ہیں۔

آزاد یہ مژدہ سن کر کمال خوش و خرسند ہوئے۔

مہری :۔ اتنے انعام میں حضور میرا پیٹ نہیں بھرتا۔

آزاد :۔ اجی ہم تم کو ایسا خوش کر دیں کہ تم بھی یاد کرو۔

مہری :۔ (سلام کر کے) بندگی حضور ہی کا دیا کھاتے ہیں۔

آزاد :۔ خدا کی قسم وہ ترکیب سوجھی ہے تم کو کہ بادشاید کسی کے فرشتے خان کو بھی نہ سوجھتی۔

مہری :۔ اب آپ یہاں ٹھہریں اور مجھے اجازت دیں تو میں اسی وقت سے جا کے بندوبست کروں اور شام کو ضرور لے چلوں۔

آزاد :۔ بڑا احسان ہوگا، واللہ عمر بھر نہ بھولوں گا۔

مہری :۔ اے حضور یہ آپ کیا کہتے ہیں۔

آزاد :۔ اف۔ مہری بس کیا تم سے کہیں، بس دل ہی جانتا ہے۔ واللہ ایسی پاکدامن عورت نہیں دیکھی اور میرے اوپر تو دل و جان سے عاشق ہے مگر اتفاق۔

مہری :۔ حضور ایک دن آپ کا بہت ذکر کرتی تھیں۔

آزاد :۔ کہا نہ آپ سے کہ ایسی طرحدار، حاضر جواب خوبرو اور عفیفہ عورت بھی نہیں دیکھی، اس کی عفت کی قسم کھانی چاہیے، پاکدامنی ہو تو ایسی، خدا اس کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔

مہری :۔ جو گن ہو گئی تھیں، ہائے ہائے یہ سب عیش و راحت سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ یہ بہت مشکل ہے حضور اور مشکل کیا معنی ہم تو جانتے ہیں کسی کے امکان میں بھی نہیں ہے۔

آزاد :۔ تو اچھا اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔

مہری :۔ آپ بیٹھیں، حقہ پیتے جاتیے، گلوری کھاتیے اور حضور یہ دونوں اشرفیاں لیتے جاتیے میں لونڈی ہوں حضور کی۔

آزاد :۔ قسم خدا کی میں اور انعام دوں گا اور خوش کر دوں گا۔

مہری :۔ اے ہے حضور سمجھے ہی نہیں، انعام تو دیجئے گا ہی، اس میں کیا کچھ شک بھی ہے مگر میں اسی کو پھیرے دیتی ہوں کہ آپ کو شاید دل میں شک ہو کہ کہیں مہری لے کے چل نہ دیں۔

آزاد :۔ این! اے لاحول۔ واہ واہ۔ واہ صاحب واہ لے اب رخصت شام کو ملیں گے۔

اس روز دو گھڑی دن رہے، آزاد فرخ نہاد معشوقہ پریزاد کے شربت دیدار سے شیریں کام

ہونے کے لئے دوستوں کی ملاقات کے بہلانے سے بی کندن کے مکان کی طرف چلے۔ طبیعت بشاش چہرہ گلنار، رگوں میں خون کے عوض شوقِ دیدار دوڑ رہا تھا، کو کبھی کبھی یہ خیال ان کو کسی قدر افسردہ دل کر دیتا تھا کہ مبادا روبراہ تلاتے مطلب اصلی فوت ہو جائے، خوبی تقدیر صنم پری پیکر سے ملنے کی اجازت نہ دے مگر دل یہی گواہی دیتا تھا کہ اس شوخ سیم بدن کو آج نظر بھر ضرور دیکھوں گا جس نے میری بدولت برسوں مصیبتیں جھیلیں اور میرا نام لے کر بنوں میں جا جا کے روپا کی سوچتے تھے کہ یا خدا میری بے اعتنائی، سے کہیں بد دماغ تو نہیں ہو گئی۔ عورت ہے باتکی دھنی اگر ایک مرتبہ بھی عمر بھر میں زبان سے نہیں کا لفظ نکل جائے تو پھر ممکن کیا کہ کوئی ہاں کہوا سکے گو دعا کے چنداں قائل نہ تھے مگر اس وقت وفورِ شوق اور فرطِ جنون اور مسرتِ قلب و فرحت دل اور امید و بیم نے باہم مل کر کایا پلٹ کر دی اور دست بدعا ہوا۔ کہ یا خدا چاہے دیدار جاناں نصیب نہ ہو مگر یہ خبر سنوں کہ ثریا بیگم مجھ سے ناراض ہے۔ اس کے آئینہ دل صفا منزل پر کدورت نہ آئی ہو اور مجھ سے اس سے پھر صفائی نہ ہو یا خدا تو مسبب الاسباب ہے، میری دعا قبول کر۔

حضرت ناظرین یہ وہی آزاد ہیں جو دعا کے کبھی قائل ہی نہیں ہوتے تھے اور یہ وہی آزاد دو آبہ امید و بیم میں جو پڑے تو سارے خیالات دل سے کالعدم ہو گئے اور اب آسمان کی طرف مخاطب ہو کر خدا سے کھڑے دعا مانگ رہے ہیں، طبیعت کا عجب نقشہ ہے، گھڑی میں گھڑی کچھ رنگ بدلتا ہی رہتا ہے مگر ایسے وقت انسان کی طبیعت اور اس کے خیالات کی سند نہیں۔ یا لوی و فورطرب یا فرطِ اشتیاق کے وقت جو خیالات دل میں جگہ پائیں، ان پر بھروسہ کرنا عین خطا ہے۔ خوف اور ڈر وغیرہ سے انسان کچھ کا کچھ کہنے لگتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آزاد کا یہ فعل ان کی تلون طبع پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ ایسے نازک وقتوں میں بدل جاتی ہے۔

الغرض آزاد کے دل میں طرح طرح کے خیالات نے جگہ پائی تھی اور دل ہی دل میں سوچتے، ہوئے چلے جاتے تھے کہ یہ ہو گا اور وہ ہو گا اور یوں ملیں گے اور یہ کہیں گے۔ کبھی خیال آتا تھا کہ اگر وہ کچھ گفتگو کریں گے تو ہم بھی جواب دیں گے ورنہ سکوت اور کبھی کہتے تھے کہ وہ چاہے مخاطب ہوں یا نہ ہوں ہم تو ضرور سجدہ کریں گے چاہے کفر ہی کیوں نہ ہو، ایک مرتبہ ذہن میں یہ بات آئی کہ ایسی ملاقات اور اس دید وادید سے کیا فائدہ وصال تو اچھی طرح دل کھول کر ہو۔ ورنہ برائے نام وصال ہوا تو پھر کیا۔

موت جب نزدیک آئی پھر ملے اس سے تو کیا
فائدہ گو وہ ہوا تو یہ زبان ہو جائے گا

ثریا بیگم کی چھب اور ادا اُن کے دل میں کھب گئی اور پرانی صحبتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ وہ سفید دلائی اور نازک کلائی، وہ گل رخسار اور وہ دست حنائی، وہ شوخی وہ بے باکی، وہ چستی و چالاکی، وہ جوانی کی امنگ اور وہ ترنگ سب باتیں یاد آگئیں، تو آنکھیں اشکبار ہوئیں اور طفل اشک، مچل مچل کر رخسار پر لوٹنے لگے، گو انھوں نے بہت ضبط کیا مگر جب دل بھر آتا ہے پھر کوئی لاکھ سمجھائے ضبط کرنا محال ہو جاتا ہے، ایک گوشے میں جہاں بستی کا نام و نشان بھی نہ تھا، کھنڈل کے قریب جا کے خوب دل کھول کے روئے۔

دامن گل کر دیا ہے دامنِ کہسار کو
ابر سیکھے آ کے ہم سے اشک برسانے کا رنگ

اس حالت و پریشانی و حیرانی میں آزاد اس مکارہ کے گھر پہنچے، دروازے پر ہاتھ مارا، مہری نے دروازہ کھولا، اور یوں مکالمہ کیا۔

مہری :۔ لیجئے مبارک ہو۔ سب معاملہ چوکس ہے۔

آزاد :۔ الحمد اللہ پھر جہاں تم وہاں کس بات کی کمی ہے۔

مہری :۔ یہ سب حضور کے اقبال کی ضرورت ہے، میں کس میں ہوں۔

آزاد :۔ تم سے آج ملاقات ہوئی تھی، ہمارا ذکر تو نہیں آیا۔ ہم سے ان کے دل کا حال کہو کہ ہم سے خلاف تو نہیں ہیں۔

مہری :۔ خلاف! ہونہہ۔ اے حضور اب تک روتی ہیں۔

آزاد :۔ شکر ہے کہ ہماری طرف سے کدورت نہیں ہے۔

مہری :۔ جی نہیں۔ بالکل صاف۔ اللہ جانتا ہے اکثر یہ فرمایا ہے کہ ہائے جب آزاد سنیں گے، کہ اس نے ایک امیر آدمی کے ساتھ نکاح کر لیا تو اپنے دل میں کیا کہیں گے۔

آزاد :۔ (آبدیدہ ہو کر) اللہ ری محبت شدید۔

مہری :۔ اور جہاں آپ کا نام یا آپ کا ذکر یا آپ کا خیال آیا گھنٹوں رویا کرتی ہیں، مگر اس کا حال میرے سوا کسی کو معلوم بھی نہیں ہے یا ان کی ایک ہم جولی ہیں۔ مولائی بیگم۔ ان پر سب روشن ہے بس۔

آزاد :۔ آج ہماری نسبت کیا کیا باتیں ان سے ہوئیں۔

مہری :۔ سرکار بھلا آج میں آپ کا ذکر درمیان میں لاتی۔ خدا جانے آج کی چال پسند آئے نہ آئے

اب ان کو اس بات کا بڑا خیال ہے کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا، وہ ہوا لیکن عفت کے خلاف کوئی شخص ایک کلمہ بھی زبان پر لائے تک موقع پناتے ہیں نے آج عمداً قصداً دیدہ و دانستہ آپ کے ذکر کی چھانٹ ہی نہیں دی۔

آزاد :۔ خوب کیا۔ واللہ بڑی دور اندیش اور دانا ہو

مہری :۔ حضور امیر زادوں اور شہزادوں ہی کے ہاں ہم نے عمر تیر کی ہے۔ بچپنے سے شہزادیوں کی غلامی کی ہے، میں کیا کوئی گنواری ہوں۔

آزاد :۔ مہری خدا کی قسم ایک دن وہ تھا کہ ادھر سے پیام آتے تھے اور ادھر سے صاف جواب۔ قطعی انکار، سنوائی ہی نہیں ہوتی اور ایک دن آج ہے کہ ملاقات کے لئے تڑپ رہے ہیں اور درد فراق مارے ڈالتا ہے۔

کاہش جاں ہے لب پہ ہائے فراق ۔۔۔ کس بلا میں ہے مبتلائے فراق
کوئی دوزخ اسے پہونچتی ہے ۔۔۔ نہ کسی کو خدا دکھائے فراق
کھا گیا غم ترا کلیجے کو ۔۔۔ دل مرا ہو گیا غذائے فراق
سقف گردوں دوں جلائے کہیں ۔۔۔ اے مری آہ شعلہ زائے فراق
دل بھی بیگانہ ہو گیا مجھ سے ۔۔۔ میں ہوا جیسے آشنائے فراق

شام سے آزاد پاشا مہری کے ساتھ ساتھ گئے تو ایک لق ودق میدان میں املی کے درخت کے قریب ایک اونچا چبوترہ نظر آیا، وہاں ان کو بٹھا کر مہری نے کہا، آپ ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آن کر ان کو ایک مکان میں لے گئی، جس کے چاروں طرف سناٹا اور ویرانہ تھا۔

مہری :۔ (آزاد سے) آپ اس مقام پر بیٹھئے، وہ اب آتی ہی ہوں گی۔ جس وقت وہ آنکھ بند کر کے قریب آئیں، آپ فوراً پیشانی پر بوسہ دیجئے گا اور جب وہ تندر دکھائیں تو لے لیجئے گا، پھر آپ میں، ان میں خود ہی باتیں ہوں گی۔

آزاد نے یہ سب امور کان دھر کے سنے اور کہا کہ ان کے مطابق عمل میں لاؤں گا۔ اس کے بعد مہری نے ان کو تہمدانہ بند دی اور انہوں نے پہنی اور جس مقام پر مہری نے بتایا تھا وہاں بیٹھے۔

آزاد :۔ سنو تو ایسا نہ ہو کہ مجھے دیکھ کر ڈر جائیں۔

مہری :۔ اے حضور بھلا کوئی بات بھی ہے۔

آزاد :۔ خیر۔ ع :۔ ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔

مہری :- تو سہی کہ بے اختیار ہو کر ملیں۔ عاشق زار ہیں۔

آزاد :- یہ سچ مگر شاید کسی قسم کا خوف طاری ہو۔

مہری :- یہ ہمارا ذمہ ہے اور خوف کس بات کا ہے۔

آزاد :- یہ نہ کہو۔ برسوں کے بعد دیکھیں گی، شاید ڈر جائیں۔

مہری :- جسے انسان برسوں بعد دیکھتا ہے، اس سے ڈر جاتا ہے۔

آزاد :- تم سمجھیں نہیں مطلب یہ ہے کہ وہ تو دور کشش سے ملنے آتی ہیں اور جب آنکھ کھولیں گی تو شاہ جی کا پتہ بھی نہ پائیں گی۔ ہماری صورت نظر آئے گی، شاید دفعتاً ایک شخص کے دیکھنے سے سہم جائیں۔

مہری :- جی نہیں، دل کی مضبوط ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

آزاد :- یہ نہ کہو مہری۔ مگر خیر اب تو جو ہو سو ہو۔

مہری :- اے حضور وہ بنوں اور جنگلوں میں پھر آتی ہیں۔

آزاد :- لاکھ پھری ہوں۔ پھر عورت ہی تو ہیں آخر۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ مکان کے قریب کسی شخص نے گانا شروع کیا۔

دلیل کاروانِ بانگ جرس ہے — گواہِ دردِ دل ایک نالہ بس ہے
بت ظالم نہیں سنتا کسی کی — غریبوں کا خدا فریاد رس ہے
رکھو تیار توشہ آخرت کا — سفر درپیش وان کا ہر نفس ہے
گلستان علیش باغ بلبلاں ہو — ہمیں تو یار بن کنج قفس ہے

عبث ہے آرزو دنیائے دوں کی
ترا اب اللہ بس باقی ہوس ہے

آزاد :- یہ اس وقت اس ویرانے میں کون آ کے گاتا ہے۔

مہری :- یہ ثریا بیگم کے عاشق ہیں۔ خبر پائی ہوگی کہ آج یہاں آنے والی ہیں۔ ایک سودائی ہے۔ دن بھر یہی بکا کرتا ہے۔ ع غریبوں کا خدا فریاد رس ہے۔ ایک فقیر نے اس سے کہا کہ تیری مغفرت اسی شعر سے ہوگی۔

آزاد :- نواب صاحب کو اس کا حال معلوم ہے یا نہیں۔

مہری :- سارے شہر بھر کو معلوم ہے۔ سڑی آدمی ہے دماغ میں، خلل ہو گیا ہے۔ دن رات یہی بکا کرتا ہے اور کوئی کام ہی نہیں۔

آزاد :۔ اس نے ثریا بیگم کو کس زمانے میں دیکھا تھا۔

مہری :۔ شادی کے بعد۔ اتفاق سے وہ کوٹھے پر کھڑی تھیں، اس نے دیکھ لیا، لوگوں نے یوں ہی مشہور کیا ہے۔

آزاد :۔ اچھے اچھے بے فکرے یہاں بھی جمع ہوئے ہیں۔

مہری :۔ جب یہاں آتی ہیں، یہ دروازے کے سامنے بیٹھ کے گایا کرتا ہے اس کا باپ کمسریٹ کا گماشتہ تھا، مگر یہ سودائی ہو گیا۔

آزاد :۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ ثریا بیگم کے ساتھ کون کون ہو گا؟

مہری :۔ دو ایک مہریاں ہوں گی۔ مولائی بیگم ہوں گی اور شاید کوئی مغلانی ہو اور دس بارہ سپاہی خاص بردار ہوں گے۔ چار پانچ دستنیان روشن ہوں گی۔

آزاد :۔ مہریان اندر ساتھ آئیں گی یا باہر ہی رہیں گی۔

مہری :۔ ساتھ ساتھ ہوں گی مگر اس کمرے میں کوئی نہیں آسکتا۔ پرندہ تک پر نہیں مار سکتا۔ انسان کی کیا مجال ہے

آزاد :۔ نذر دکھانے کے بعد پھر وہ کیا کرتی ہیں؟

مہری :۔ بیٹھتی ہیں۔ شاہ جی دعا دیتے ہیں۔ جو کچھ کہنا سننا ہوتا ہے وہ عرض کرتی ہیں۔ شاہ جی جو کچھ حکم دیتے ہیں۔

اتنے میں کہاروں کی آواز دور سے معلوم ہوتی اور دستیوں کی روشنی نظر آئی۔ مہری نے کہا۔ لے اب مستعد ہو رہیے۔ سواری آن پہنچی۔ یہ کہہ کر شاہ جی کی بوڑھی خادمہ کو بلا لائی اور کہا سواری آتی ہے خبردار رہو۔

اتنے میں اسی عاشق تن بگڑے دل نے یہ شعر گا کر ادا کیا :۔

آتی ہے چمن میں مرے گلرو کی سواری
اے باد صبا خاک اوڑانا نہیں اچھا

آزاد :۔ بیشک سواری آ گئی۔ اچھا شعر پڑھا۔

مہری :۔ حضور یہ بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں۔

آزاد :۔ ہاں میں اتنی ہی دیر میں سمجھ گیا۔

راوی :۔ عاشق تن نے پھر ایک ہانک لگائی۔

آیا جواب نامہ لیں ازم گ تب کھلا تھی دیر اس لیتے مرے خط کی جواب کی
نقشہ بنا کے مانی نے چاہی جو اسکی داد تصویر بول اٹھی مرے حاضر جواب کی

کیا انفصال ہو گا اگر کاتب عمل ــــ
رکھ دیں گے میرے سامنے فرد حساب کی،

مہری :۔ اب جوں جوں سواری آگے بڑھے گی۔ یہ کلبلانے لگیں گے۔

آزاد :۔ طبیعت ہی تو ہے مگر ضرر پہنچانے پر تو نہیں آمادہ ہیں۔

مہری :۔ جی نہیں دعائے دیتا ہے۔ قفس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے مگر دور دور قریب نہیں جاتا۔ الگ ہی الگ پھٹکا ہوا۔

راوی :۔ جب سواری قریب آئی تو وہ غل مچایا کہ الاماں۔

رنگ اڑ جائے سبھی کا تیری رعب حسن سے گر تیری تصویر رکھدیں لاکھ تصویروں کے بیچ
مرضی حق میں کبھی رکھا نہ ثابت اک قدم عمر ساری کٹ گئی اپنی تو تقصیروں کے بیچ

اتنے میں سواری دروازے پر آن پہنچی۔ آزاد کا دل دھک دھک کرتا تھا۔ کچھ تو اس بات کی خوشی کہ یار جانی کا دیدار نصیب ہو گا۔ اور کچھ اس بات کا خیال کہ طبع نازک پر گراں نہ گذرے۔

آزاد :۔ مہری دیکھو قفس سے اتریں یا نہیں۔

مہری :۔ میاں ابھی باغ میں جائیں گی وہاں سب کی سب بیٹھیں گی، ہنسیں گی۔ بولیں گی، سیر کریں گی، پھر کہیں یہاں آئیں گی۔

آزاد :۔ اور جواب کی پہلے یہاں ہی آجائیں۔

خادمہ :۔ نہیں بیٹا۔ یہاں بے اطلاع کیسے آئیں گی۔

آزاد :۔ کیا اطلاع کر کے آتی ہیں۔ بڑی بارگاہ ہے۔

خادمہ :۔ ایں! اس کی عظمت سے تم ابھی تک ناواقف ہی رہے اے یہاں وزیروں بادشاہوں کی اطلاع نہیں ہوتی۔

آزاد :۔ اللہ ری عظمت سچ ہے۔ فقیر کا گھر بڑا ہے۔

خادمہ :۔ اور کوئی شاہ جی سے چار آنکھیں کر کے تھوڑا ہی باتیں کر سکتا ہے۔ اے توبہ اتنی کس کی مجال ہے۔

آزاد :۔ عورتیں بھی آتی ہیں، یا مرد ہی آتے ہیں۔

خادمہ :۔ (مسکراکر) اب جو یہ آئی ہیں۔ یہ عورت ہیں یا مرد ہیں اور اس کا سن تو کوئی دو سو برس سے کم نہ ہوگا۔

آزاد :۔ اللہ اللہ۔ تو میں جانتا ہوں، ان سے زیادہ بوڑھا آدمی اب اس شہر میں کوئی نہ ہوگا۔ دو سو برس۔ !!!

خادمہ :۔ شہر! اے تمام ملک میں تو کوئی ہوگا نہیں۔

اتنے میں مہری نے آکر کہا ــ حضور مولائی بیگم بھی ہیں اور سب کی سب باغ میں ٹہل رہی ہیں۔ چل کے دیوار کے پاس کھڑے ہو کر آڑ میں سے دیکھئے۔ کیسی چہل ہو رہی ہے۔

آزاد :۔ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں دیکھ نہ لیں۔

خادمہ :۔ اے ہاں کیا ضرور ہے۔ خواہی نخواہی بنی بنائی بات بگڑ جائے، اس سے کیا فائدہ اور دیکھنے کو جلدی کیا ہے۔ دو بدو گفتگو ہووے ہی گی۔

آزاد :۔ ہاں یہی ہم بھی سوچتے ہیں۔ جانے دو۔

مہری :۔ خدائے پاک کی قسم حضور جو ذرا کسی کو معلوم بھی ہو مگر آپ خدا جانے کیا سوچتے ہیں۔ ہماری خاطر سے چلے چلئے۔

آزاد :۔ یا الٰہی۔ اول تو خود اشتیاق ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس بت سمن عذار دلنواز کو دیکھوں مگر اس طرح نہیں دیکھنا چاہتا کہ بقول ان کے بنا بنایا معاملہ خراب ہو جائے۔

خادمہ :۔ جانے بھی دیجئے اس سے کیا فائدہ ہے؟

آزاد :۔ فائدہ برائے نام اور نقصان بہت۔

آزاد پاشا سے آخر کار رہا نہ گیا اور مہری کے ساتھ دیوار کے پاس جاکر آڑ میں کھڑے ہوتے تو دیکھا کہ پانچ سات عورتیں سر کھولے ہوئے گلگشت چمن میں مصروف ہیں مگر ثریا بیگم کو انھوں نے نہیں پہچانا۔

آزاد :۔ بی مہری ثریا بیگم کون سی ہیں؟

مہری :۔ ثریا بیگم وہ مولائی بیگم کے داہنے ہاتھ پر ہیں۔

آزاد :۔ بہت ہی خوب۔ مولائی بیگم کو میں جانوں۔

مہری :۔ وہ دیکھئے اس طرف آئیں یہ آئیں۔

آزاد :۔ میں نے ابھی نہیں پہچانا، دور کی شے کم نظر آتی ہے۔

مہری :۔ اے نہیں ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے؟

آزاد :- میں اسی سبب سے تو عینک لگاتا ہوں۔

مہری :- کل کے لڑکے اور عینک۔ اے یہ کیا آئی ہیں۔

آزاد :- یہ (انگلی کے اشارے سے) اب تک ہم نے نہیں پہچانا۔ اتنا دیکھ رہا ہوں کہ پانچ سات عورتیں ہیں بس۔

مہری :- ہم کو تو سب کی صورت صاف نظر آتی ہے۔

آزاد :- ہائے ہائے ہائے! اس ہنسی نے ستم ڈھایا۔ خدا کی قسم یاد آ گئی صورت نہیں دیکھی مگر ہنسی کی آواز آئی۔

مہری :- ہاں ہمیں بھی آئی۔ اے ہی جو ذرا بھی ان کو معلوم ہو جاتے کہ آزاد کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ تو افوہ خدا جانے دل کا کیا حال ہو گا۔

آزاد :- پکاروں۔ بے اختیار جی چاہتا ہے کہ پکاروں۔

مہری :- اتنے تو نہیں ہیں آپ۔

اتنے میں دیوار کے قریب وہ سب کی سب آئیں اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

ثریا بیگم :- اے ممولا! ذری ادھر تو آنا۔

ممولا :- حضور حاضر ہوئی۔ ذری پانی پی لوں۔

مولانی :- ممولا سے کہو ذری گائیں تو۔

ممولا :- حضور آج تو طبیعت ذری سست ہے۔

خواص :- ان کی طبیعت گانے کے وقت روز سست ہو جاتی ہے۔

ممولا :- اچھا ہمیں گاؤ۔ کیا تم نہیں گاتی ہو۔

خواص :- ہم کو گانا آتا تو ضرور گاتے۔

مہری :- (ثریا بیگم کی) ممولا میں یہ بُری عادت ہے۔ جب دیکھو نخرے ہی کیا کرتی ہیں۔ خاصی چاندنی چھٹکی ہے۔

ثریا بیگم :- اگر ممولا اس وقت نخرے کی لیں گی تو سزا پائیں گی۔

مہری :- ضرور حضور یہ اسی قابل ہیں۔

ممولا :- یہ سب کی سب ہماری دشمن ہیں۔

ثریا بیگم :- دریں چہ شک۔ اس میں کیا فرق ہے۔

ممولا :۔ جب ہوتا ہی تب یہ ہماری ہی نخ کسی کی فکر میں رہتی ہے۔

ثریا بیگم :۔ جی ہاں۔ آپ ایسی ہی ہیں۔

ممولا :۔ اچھا پھر آج حضور کی بھی خوشی کر دوں گی۔

مہری :۔ اس طرح پھر ٹیپ دار آواز سے گاؤ کہ محلہ بھر گونج جائے۔

ثریا بیگم :۔ محلہ۔ محلہ یہاں کہاں۔ بس شاہ جی ہیں۔

ممولا :۔ ایسا گاؤں کہ بستی بھر میں آواز جائے۔

اتنے میں عاشق تن نے پیش قدمی کر کے گانا شروع کیا۔

پیمبر میں نہیں عاشق ہوں جانی

رہے موسے سے تیری لن ترانی

ثریا :۔ ارے اس موے کو اب تک موت نہیں آئی۔

ممولا :۔ یہ عاقبت کے بورئیے بٹوریگا۔

ثریا :۔ اس کو کون موا کھدیا کرتا ہے۔ اس کا نام مجھے معلوم ہو جائے تو جہاں کا ہے وہیں پہنچا دوں شاہ جی سے کہوں گی کہ اس کو موت آئے۔

مولائی :۔ اے واہ کاہے کو موت آئے بیچارے کو۔

مہری :۔ مگر آواز اچھی ہے اور گانا بہت خوب ہے۔

ثریا :۔ اے آگ لگے موئے کی آواز کو۔

ممولا :۔ حضور کہتی آپ اس کو ہیں اور چھینٹیں میں ہوں۔

ثریا :۔ (قہقہہ لگا کر) ایں! واہ ہے۔

ممولا :۔ میری زبان پھسل گئی۔ مطلب یہ کہ مجھ کو برا معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی تو سڑی سودائی ہے اور کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا۔

مہری :۔ ہاں اس میں تو شک نہیں ہے۔ ہے تو ایسا ہی۔

آزاد :۔ (مہری سے) خوب گھل گھل کے باتیں ہو رہی ہیں۔

مہری :۔ ذری آہستہ آہستہ کہئے ایسا نہ ہو سن لیں۔

اب سنیئے کہ برق و باران نے اپنا رنگ ایسا جمایا کہ الاماں۔ آزاد اور مہری بھاگ کر دالان میں آئے اور ثریا بیگم مولائی بیگم ممولا مہریاں خواص سب کی سب ادھر ادھر دوڑنے لگیں کہ یا الٰہی اب کہاں،

جائیں۔ اس پر ایک باغبان نے عرض کیا۔ کہ حضور سامنے کا بنگلہ خالی کر دیا گیا ہے، وہاں بیٹھئے اور یہ سب اس بنگلے کی طرف گئیں۔

ثریا بیگم:۔ ہمیں اس وقت مارے گھبراہٹ کے کچھ یاد ہی نہ رہا۔

مولائی:۔ اے۔ میں خود بھول گئی اور ہزار ہی بار اس بنگلہ میں آن کے بیٹھے مگر منہ نے اس وقت ساری چوکڑی بھلا دی۔

مہری:۔ اور میں سمجھتی تھی کہ آپ نہانا چاہتی ہیں۔

ثریا بیگم:۔ لو اور سنو، کیا نہانے کا وقت نکالا ہے۔

مولائی:۔ ان کی تو ہی بے تکی باتیں ہیں۔ رات کا وقت۔ اننی ٹھنڈک، یوں ہی ٹھٹھر رہے ہیں۔ ان کو نہلانے کی سوجھتی ہے۔

مہری:۔ حضور میں سمجھی، شاید اس وقت جی چاہتا ہو۔

ثریا بیگم:۔ اس وقت تو کھانے کو جی چاہتا ہے۔

مہری:۔ شاہ جی کے ہاں سے کچھ لاؤں، مگر فقیروں کے پاس کیا ہو گا۔ دال روٹی بھی نہ ہو گی شاید۔

ثریا بیگم:۔ اچھا کسی کو بھیجو تو۔ کہو جو کچھ ہو بھیج دیں۔

مولائی:۔ ہاں اور کچھ نہ سہی، تبرک ہی سہی۔

ثریا بیگم:۔ واہ ان کا تبرک کوئی پائے کہاں۔

مہری:۔ دیکھئے میں جا کے لئے آتی ہوں، جو کچھ ہو۔

مولائی:۔ دیکھو مہری ایسا نہ ہو کہ تم وہاں کوئی بے تکی بات کہو۔ جو دیں وہ لے آؤ۔ جب فقیر کے پاس جاؤ تو اپنے عقیدے کا چنداں خیال ان خفیف باتوں میں نہ رکھو اور جاؤ نہیں۔

مہری:۔ حضور میں کیا کوئی نادان ہو، جو کوئی بات شاہ صاحب کے خلاف کروں گی۔ جو دیں وہی تبرک ہے۔

یہ کہہ کر مہری نے دوپٹے کو لپیٹ لپوٹ کے اوپر سے ایک ڈولی کا پردہ اوڑھا۔ دوسری مہری نے مشعلچی کو حکم دیا۔ کہ مشعل روشن کرو۔ دستی آگے آگے دونوں مہریاں، پیچھے پیچھے دروازے پر آئیں اور آواز دی۔ یہاں آزاد اور شاہ جی کی خادمہ اور مہری سمجھیں کہ بیگم صاحب آ گئیں۔ آزاد اس مقام پر جا کے بیٹھے، جہاں شاہ صاحب بیٹھتے تھے۔ خادمہ نے چھتری لگا کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مہریاں ہیں۔

خادمہ:۔ آؤ آؤ۔ کیا بیگم صاحب باغ ہی میں ہیں؟

مہری :۔ جی ہاں۔ مگر ایک کام کے لئے شاہ صاحب کے پاس بھیجا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت کچھ کھانے کو بھی ہے۔ ہو تو دو۔

خادمہ :۔ شاہ جی تو اس وقت وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔

مہری :۔ سارے ہی تو ہٹیں دو۔ کچھ ہے کہ نہیں ہے۔

خادمہ :۔ کیسی باتیں کرتی ہو بہن۔ نہ ہونا کیا معنی۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے مگر ہاں جو شاہ جی کی غذا ہی وہ ہے۔

مہری :۔ اور اس وقت پلاؤ اور باقر خانی کی کس کو خواہش ہے؟

خادمہ :۔ چار موٹی روٹیاں ہیں اور ایک پیالہ مسور کی دال کا اور ایک صاحب نے کل شاہ صاحب سے فرمائش کی تھی وہ ایک پیالے میں سالن لاتے ہیں۔ گوشت اور بھنڈی۔ یہ شاہ صاحب کی اکثر فرمائش ہوا کرتی ہے۔

مہری :۔ لاؤ لاؤ جلدی لاؤ۔ ازیں چہ بہتر۔

خادمہ نے چاروں روٹیاں اور مسور کی دال اٹھادی اور گوشت کا پیالہ حوالے کیا اور چھتری دی تاکہ مینہ کے سبب سے خراب نہ ہو جاتے۔ یہ سب لے کر دونوں مہریاں وہاں پہونچیں۔ ثریا بیگم نے کہا کہو بیٹا کہ بیٹی۔

مہری :۔ حضور فقیروں کے ہاں سے بھلا کوئی خالی ہاتھ آتا ہے۔ سب کچھ ہے۔ یہ لیجئے موٹے موٹے ٹکڑا ہیں۔

مولائی :۔ (ہنس کر) اچھا پھر اس وقت تو ہزار غنیمت ہیں۔ فقیر کے ہاں کے نوہیں جو پہونچے ہوتے ہیں۔

مہری :۔ اور یہ مسور کی دال کا پیالہ لیجئے حضور۔

ثریا بیگم :۔ (ہنس کر) خیر کچھ لے تو آتی ہو۔ خالی خولی تو نہیں آئیں۔ اس وقت یہ روٹی دال ہی ہزار غنیمت ہے۔

مہری :۔ اور حضور بھنڈی اور گوشت ہی لیجئے۔

ثریا بیگم :۔ گوشت۔ واہ کیا ہے۔ چنڑی اور دو دو۔

مہری :۔ ہاتھ جوڑ کر۔ بیگم صاحب ایک عرض ہے۔

ثریا بیگم :۔ کیا! کہو کہو۔ تمہاری باتوں سے ہمیں الجھن ہوتی ہے۔

مہری :۔ جب ہم کھانا لے کے آتے تھے تو دیکھا کہ باغ کے دروازے پر ایک بیکس بے گناہ بیچارا دبکا دبکایا

کھڑا بھیگ رہا ہے۔

ثریا بیگم :۔ پھر تم نے وہی پاجی پنے کی لی نہ۔ چلو ہٹو، سامنے سے۔

مولائی :۔ بہن خدارا اتنی اجازت دو کہ جہاں سپاہی بیٹھے ہیں وہاں وہ بدبخت بھی بیٹھنے پائے دیکھو وہ بے چارہ بیشک گناہ ہے۔ واجب الرحم۔

ثریا بیگم :۔ پھر مجھ سے کیا کہتی ہو تم خود حکم کیوں نہیں دیدیتیں۔

مولائی :۔ اچھا۔ ممولا۔ جا کے سپاہیوں سے کہدو کہ اس کو بلا کے بٹھا لیں۔ مینہ موسلا دھار برس رہا ہے اور ہوا بڑی تیز ہے۔

ثریا بیگم :۔ بڑی ہمدرد ہیں۔ ہماری بہن کسی کی بیکسی نہیں دیکھ سکتیں۔ افوہ اور ہم کو ظالم بے رحم کہتی ہیں

ممولا نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اور انھوں نے فوراً اس سودائی کو بلا لیا۔ یہاں آن کر جو محفوظ جگہ جو پائی تو حضرت نے تان لگائی :۔

پس فنا ہمیں گردوں ستلائے گا پھر کیا ۔۔۔ مٹے ہوئے کو یہ ظالم مٹائے گا پھر کیا

ضعیف نالۂ دل اس کا ہلا نہیں سکتا ۔۔۔ یہ جا کے عرش کا پایہ ہلائے گا پھر کیا

شریک جو نہ ہو ایک دم کو پھولوں میں ۔۔۔ وہ پھول آ کے لحد کے اٹھائے گا پھر کیا

خدا کو مانو نہ بسمل کو اپنے ذبح کرو ۔۔۔ تڑپ کے سیر یہ تم کو دکھائے گا پھر کیا

کہو مصوّر تقدیر سے کہ خیر تو ہے
بگاڑ کر مرا چہرہ بنائے گا پھر کیا
پس فنا ہمیں گردوں ستائیگا پھر کیا۔

ثریا بیگم :۔ دیکھا نہ۔ یہ کمبخت بے غل مچائے کبھی نہ رہے گا۔

مولائی :۔ بس یہی تو اس میں سخت غیب ہی۔ واہ رے سڑی۔

ثریا بیگم :۔ سڑی نہیں، اپنے مطلب کا بڑا پکا ہے۔

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند ۔۔۔ واللہ ہوشیاری وہی ہی جو مست ہی

ممولا :۔ بالکل اینٹھ گیا ہو گا مگر خم دم ابھی وہی ہے۔

ثریا بیگم :۔ ہاں، ہاں۔ کوئی نہیں بے حیا کی بلا دور۔

مولائی :۔ مگر غزل بھی ڈھونڈھ کے اپنے ہی مطلب کی کہی ہے۔ انصاف شرط ہے بہن ہاں۔

ثریا بیگم :۔ کیا کہتی ہو۔ کمبخت بدنام کرتا پھرتا ہے۔

مولائی :۔ ہاں ہی تو بُرا۔ مگر کون نہیں جانتا کہ سڑی سودائی ہے۔ تم کو اس سے کیا واسطہ۔

ثریا بیگم :۔ اب یہ مینہ کب تک برسا کریگا۔ نہ شاہ جی سے ملے نہ کوئی کام ہوا۔ اس بنگلے میں پڑے ہوئے ہیں۔

مولائی :۔ حضور یہ مینہ تو عالمگیر ہے۔ دور تک برسا کریگا۔

ثریا بیگم :۔ کچھ پہروں کا حساب ہے کہ اتنے پہر برسے تو سو کوس کے گھیرے میں برسے گا اور اتنے دن برسے تو پچاس کوس تک برسے گا۔

جھولا :۔ اب تو یہ بارہ بجے سے ادھر نہیں کھلتا۔

مولائی :۔ ہاتھ دھونے کو پانی لاؤ تو شاہ جی کے تبرک پرہنے لگائیں۔ اب آنیتیں قل ہو اللہ پڑھتی ہیں

مہری نے پانی دیا۔ دونوں نے ہاتھ دھویا اور کھانے بیٹھیں۔ اس وقت وہاں مسور کی دال اور روٹی پلاؤ اور نرگسی کباب کو مات کرتی تھی اور بھنڈی اور گوشت کا کیا پوچھنا۔ مالی نے انعام لینے کے لئے کیتھے کی چٹنی تیار کرا کے مہری کے ہاتھ بھوائی۔ اس وقت اس چٹنی نے وہ لطف دیا کہ کوئی ثریا بیگم کی زبان سے سنئے۔

مولائی :۔ باغبان نے انعام کا کام کیا ہے، اس وقت کیوں بہن۔

ثریا بیگم :۔ اس میں تو شک نہیں جتبک مدرقہ نہ ہو، کھانے کا لطف کیا ہے؟

مہری :۔ حضور جیسے ہی اس نے خبر پائی کہ شاہ جی کے ہاں سے کھانا آتا ہے، فوراً کیتھا توڑ لایا اور چٹنی بنوا کے پیش کی۔

ثریا بیگم :۔ پانچ روپے انعام کے دیدو۔ کیا کچھ میوہ باغ میں نہیں ہے۔ میوہ ہو تو کھو ڈالی لگاتے۔ اتنا بڑا باغ اور میوہ ندارد۔

مہری :۔ حضور سب کچے ہیں۔ نہیں تو اب تک لے آتا۔ ہوتا بھلا وہ چوکنے والا تھا۔ ایک پھل نہیں پکا ہے۔

اب سنئے کہ ادہر تو یہ چہل پہل تھی۔ اُدھر آزاد پاشا قہقہے لگا رہے تھے۔ دروازے پر جب کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی اور مہریوں نے پکارا اور مشعل والے نے دستی دکھائی تو یہ سمجھے کہ محبوب مطلوب کی آمد آمد ہے مگر وہاں معلوم ہوا کہ بیگم صاحب کے لئے موٹی موٹی روٹیاں اور دال مسور جاتی ہے۔ جب مہریاں چلی گئیں تو آزاد بہت ہنسے اور تھوڑی دیر تک بڑی دل لگی رہی۔

خادمہ :۔ بھوک بھی کیا بری شے ہے۔ اب اس وقت مسور کی دال ان کو قورمے سے زیادہ مزہ دیتی ہوگی

آزاد :- یہ تو بنی بنائی بات ہے' اس میں کیا فرق ہے۔

خادمہ :- اور میں نے گوشت اور اور بھنڈی بھی اٹھا دی تھی۔

مہری :- مولائی بیگم بڑی نفیس کھانوالی ہیں۔

آزاد :- مولائی بیگم ہوں' چاہے بادشاہ بیگم۔ بھوک کے وقت سب یکساں ہیں، اگر بھوک کے وقت کھانا نہ ملے تو توبہ ہی بھلی ہے۔

مہری :- ہاں ہے تو ایسا ہی خدا جانے وہ بچارا سوداتی کہاں بھٹکتا ہوگا۔ اگر آج یہ سامان نہ ہوتا تو ہم ضرور بلوا لیتے۔

خادمہ :- بلوالو۔ پھر جب ان کے آنے کا وقت ہوگا۔ سمجھ لیا جائیگا۔

آزاد :- نہیں ایسی کوئی بات کیوں کرو کہ جس میں ملال ہو۔

ہمارے ان کے بھلا شکوہ وشکایت کیا   خدانخواستہ آپس میں کیوں ملال کریں

اتنے میں اس نے پھر بانگ لگائی اور یہاں تک آواز آئی۔

ویران ہے خانہ جلوۂ حیرت طراز کا

آئینہ دیکھتا ہے منہ آئینہ ساز کا

زندہ ہی دفن کر دو مجھے دوستو کہ اب

محتاج کون ہو اجلِ بے نیاز کا

ہی فکر یہ کہ اب اُن کو کس سے وصال ہے

ہی محرم آہ فائدہ افشائے راز کا

گستاخ نالے فتنۂ محشر جگائیں گے

خوابِ عدم میں چین ہے گر خواب راز کا

گر گلشن جلیل جلا دے تو کیا عجب

شعلہ ہمارے سوز سمندر گداز کا

نادان دل کو مرگ کا اب تک یقین نہیں اللہ کیا گمان تھا عمرِ دراز کا۔

آزاد :- ایک تو خوش گلو ہے۔ دوسرے غزل اعلیٰ درجہ کی۔

مہری :- حضور میں نے عرض کیا نہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔

خادمہ :- مگر پڑھنے لکھنے پر جو پڑ گئے کہ سودائی ہو گیا۔ جب خدا کے مینہ تھا اور چاندنی نکھری تو

ثریا بیگم نے مہری بھیجی کہ شاہ جی صاحب کو اطلاع دو اور دریافت کرو کہ اگر اجازت دیں تو ہم ان سے ملیں۔ مہری نے خادمہ سے دریافت کیا اس نے کہا۔ بسم اللہ تشریف لائیں۔ ثریا بیگم دو مہریوں کو لے کر پردہ کرا کے چلیں۔ مکان کے اندر تشریف لائیں تو خادمہ سے کہا پوچھ لو اگر اجازت ہو آؤں۔ خادمہ نے کہا پوچھنے کی کیا حاجت ہے آئیے۔ آپ ہی کا گھر ہے اور ثریا بیگم بڑھیں۔

حضراتِ ناظرین کیا نازک مقام ہے۔ وہ ثریا بیگم جو آزاد کی عاشقِ زار اور ان کے گلِ رخسار پر مثل بلبل، فریفتہ تھیں۔ ان سے اور آزاد سے بعد مدت اب چار آنکھیں ہونیوالی ہیں۔ مگر کس طرز پر یہ شاہ جی بنے ہوئے ہیں۔ اور وہ اللہ رکھی جو سرا میں رہتی تھی۔ پردہ نشین ثریا بیگم اور نواب نجم سطوت بہادر کی بیوی منکوحہ۔ نہ یہ آزاد نہ وہ اللہ رکھی۔ آزاد دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں کہ یا خدا اب انتظار یا ستم ڈھاتا ہے اے چارۂ گر آ جلد دم چارہ گری ہے۔ میں جان سے جاتا ہوں تجھے بے خبری ہے۔ اور ان کو معلوم ہی نہیں کہ اس وقت کس سے چار آنکھیں ہونیوالی ہیں۔ اتنے میں ثریا بیگم نے آنکھیں بند کیں۔ خادمہ نے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور شاہ جی صاحب کے پاس گئیں۔ آزاد نے جو اس ملائک فریب ہمت ہمہ زیب صبح حسین زن نازنین کو دیکھا تو دل کا عجب حال ہوا۔ جب یہ مہ پارہ رنگین قبا قریب آئی تو آزاد نے اس کی پیشانی نورانی پر ہاتھ رکھ کر بوسہ لیا۔ ثریا بیگم کو سخت حیرت ہوئی کہ اور روز تو شاہ صاحب جبیں پر بوسہ لیتے تھے۔ آج ہاتھ رکھ کر چومنا کیا معنی۔ آنکھ کھولی تو اس امرد زیبا اندام، شیریں کلام فراخ سینہ شیر دل جوان رعنا پر نظر پڑی، جس کے ساتھ مہینوں ایک مقام پر رہی تھیں۔ جس سے چہل اور مذاق ہوا کرتا تھا۔ جس کی اٹنی پر بیٹھ کر ہفتوں تھیٹر کا تماشا دیکھا کی تھیں۔ جس سے زبردستی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ جس کا دل وجان سے عشق تھا۔ جس کی ایک ایک ادا دل میں کھب گئی تھی۔ جس کے عشق نے ان کو رسوا کر دیا تھا اور جس کے ہجر میں جوگن بن بیٹھی تھیں۔ پہلے تو کسی قدر ٹھٹھکیں اور سمجھیں کہ آنکھوں نے دھوکا دیا مگر قریب سے غور کر کے دیکھا تو شک دور ہو گیا۔

فرطِ مسرت سے آزاد کی زبان بند اور آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ لاکھ کوشش کی حرفِ مطلب زبان پر لائیں اور مدعا ہے کہ دلی منائیں مگر زبان کھولنا محال ہو گیا۔

الٰہی نالۂ اخگر فشاں دے
فغانِ شعلہ ریز و خونچکاں دے
عنایت کر مجھے آتش زبانی
کہ لب تک لاکھوں سوزِ نہانی

دے اتنی طرح گرمی طرزِ تکلم
کہ ہو غرق عرقِ برقِ تبسم

دونوں نے تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو پیار اور حسرت کی نظر سے دیکھا مگر جرأت نہ ہوئی، کہ ہمکلام ہوں۔ آخر کار ثریا بیگم کی چشم نرگسی سے اشکِ اضطراب قطرہ قطرہ ٹپ ٹپ گرنے لگے اور قریب تھا کہ آزاد دل کو سنبھال کر آنسو پوچھیں کہ وہ معشوقہ غنچہ دہن وہاں سے بصد یاس و حسرت روانہ ہوئی۔

خادمہ:۔ حضور ذرا ٹھہریں، آنسو تو خشک ہوتے دیں۔

ثریا بیگم:۔ (اشارے سے) ہم سے کوئی بات نہ کرو۔

خادمہ:۔ بیگم صاحب ذرا ٹھہر جاتے۔ از برائے خدا۔

مہری:۔ حضور لونڈی کی ایک عرض سن لیجئے۔

ثریا بیگم کچھ کہنے کو تھیں مگر زبان کو یاکسی نے پکڑ لی تھی۔

ممولا:۔ بیگم صاحب۔ کیوں اس قدر کی جلدی، آج کیوں کی۔

ثریا بیگم:۔ یوں ہی (نہایت آہستہ سے)

ممولا:۔ خیریت تو ہے مجھے تو الجھن سی ہونے لگی۔

خادمہ:۔ نہیں الجھن کی کوئی بات نہیں ہے۔

ممولا:۔ یہ سچ ہے مگر نصیبِ اعدا یہ کا کیا سبب ہے۔

خادمہ:۔ دھونی جل رہی تھی، شاہ جی کو تو دھوئیں کا خیال نہیں اور یہ دھوئیں کو برداشت نہ کر سکیں آنسو آنے لگے۔

الغرض ثریا بیگم باغ میں آئیں تو مولائی بیگم سے اکھڑی اکھڑی باتیں کیں اور بستر پر لیٹیں تو نیند آگئی۔

ثریا بیگم اس درجہ ملول و افسردہ خاطر تھیں کہ اچھی طرح بات کرنا دوبھر ہو گیا تھا۔

مولائی بیگم نے جب یہ کیفیت دیکھی تو سمجھیں کہ شاہ صاحب نے کوئی کلمہ بد ان کے حق کہا ہو گا۔ جس سے یہ اس قدر پریشان حال ہیں پہلے مہریوں سے دریافت کیا۔ انھوں نے کہا حضور ہم کو نہیں معلوم ہم تو زینے پر کھڑے تھے۔ بیگم صاحب تشریف لے گئیں اور خلافِ معمول الٹے پاؤں چلی آئیں۔ راستے میں بولیں نہ چالیں مگر ٹھنڈی سانسیں بھرتی آتی تھیں۔ مولائی بیگم نے یہ حال سن کر ثریا بیگم کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے کمرے میں لے گئیں۔

مولائی :۔ بتاؤ تو بہن یہ ماجرا کیا ہے۔ ہمارے دل میں ہول ہوتا ہے کہیں خوش خوش آئیں نصیب اعدا ملال کا چہرہ بنا کے۔ یہ بے سبب نہیں ہے۔

ثریا :۔ کچھ نہیں بہن بے سبب کیسا طبیعت ہی تو ہے۔

مولائی :۔ یہ سچ مگر خوشی اور رنج کے لئے کوئی سبب بھی تو ہوتا ہے بے سبب ہنسنا بے سبب رونا تو دیوانوں کا کام ہے جس کے دماغ میں خلل ہو۔

ثریا :۔ بہن ہم سے اس وقت کچھ نہ پوچھو کہ سبب کیا ہے۔

مولائی :۔ واہ۔ بھلا ہم سے سبب دریافت کئے بغیر رہا کیونکر جائے گا۔ آخرش کچھ بتاؤ۔ خاتون جنت کی قسم ہمیں الجھن ہوتی ہے۔

ثریا :۔ بہن ایک طویل کہانی ہے۔ شیطان کی آنت سے بھی بڑی۔

مولائی :۔ اچھا کچھ کتر بیونت کر کے مختصر طور پر کہہ دو۔

ثریا :۔ سارا عمر بھر کے جھگڑوں کو کوئی کہاں تک مختصر کرے۔

مولائی :۔ اچھا بہن نہ بتاؤ۔ مفت میں ہماری جان عذاب میں ڈالی۔

ثریا :۔ بہن بات ساری یہ ہے کہ اس وقت شاہ جی تمک نے ہم سے چال کی اور جو کچھ ہم نے اس وقت دیکھا اس کے دیکھنے کی برسوں سے تمنا تھی مگر اب آنکھیں پھیر پھیر کے دیکھنے کے سوا اور کیا ہے خیر اب تو جو ہوا سو ہوا۔

مولائی :۔ کیا آزاد مل گئے کیا؟ (گلے میں ہاتھ ڈال کر)

ثریا :۔ چپ چپ۔ ع۔ دیوار گوش دارد آہستہ لب بجنباں۔

مولائی :۔ اچھا کہو تو یہ آزاد کہاں سے آ گئے ہمیں بھی دکھا دو۔

ثریا :۔ اے بہن میں آنکھیں بند کر کے گئی تو خلاف معمول کے شاہ جی نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر بوسہ لیا۔ میں پہلے ہی کھٹکی کہ یا خدا یہ کیا اسرار ہے۔ آنکھ کھولی تو (آہ سرد بھر کر) کچھ اور ہی دیکھا دونوں کی زبان بند ہوئی بس اس وقت سے اتنے آنسو نکلے کہ آنکھ پر سمندر کا دھوکا ہوتا ہے۔

کہو ابر بہار سے آئے   دیکھ لے جوش دیدۂ تر کا

مولائی :۔ ہم کس طرح سے دیکھیں بہت جی بھر بھر آتا ہے۔

ثریا :۔ ممولا کو بھیج کے اس مہری کو بلوا لو۔

ممولا کو حکم ہوا کہ جا کے مہری کو شاہ جی کے ہاں سے بلا لاؤ۔

ممولا نے چھتری لگائی یا رانی اوڑھی اور شاہ صاحب کے ہاں جا کر مہری سے کہا چلو تم کو بیگم صاحب بلاتی ہیں۔

آزاد سمجھے کہ شاید دل میں کوئی بات آگئی ہو کیا عجب کہ نقش مراد کرسی نشیں ہو۔ مہری سے کہا، خدارا ایسی سفارش کرنا جو تیر بہدف ہو۔ مہری مسکرا کر بولی حضور دیکھئے تو سہی، یہ طلبی کچھ نتیجہ ضرور دیگی۔ یہ کہہ کر مہری مولا کے ساتھ بیگم صاحب کے پاس گئی، تو مولائی بیگم نے تخلیے میں اس سے کہا کہ جس طرح بن پڑے ہمیں آزاد کی صورت دکھاؤ۔ مہری نے کہا ابھی فوراً اسی دم چلئے۔ جب مولائی بیگم نے جانے کا قصد کیا تو ثریا بیگم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تم وہاں جاتی ہو اور ہمیں حسد ہوتا ہے مگر خبردار خبردار میری طرف سے کوئی پیغام نہ کہنا۔ مہری نے آزاد کو معاً اطلاع دی کہ مولائی بیگم بکمال اشتیاق تم سے ملنے آئی ہیں۔ مگر بیگم صاحب نے کہہ دیا ہے کہ خبردار میرا ذکر نہ آنے دینا۔ جب مولائی بیگم مہ وش برق دم چھم چھم کرتی ہوئی آزاد کے سامنے آئیں اور چار آنکھیں ہوئیں تو اس جوان رعنا شمائل کی صورت زیبا دیکھ کر ہزار جان سے عاشق ہو گئیں اور چونکہ یہ بھی کم عمر اور نہ جبیں اور نہایت نازنین تھیں آزاد نے بھی غور سے ان پر نظر ڈالی۔

مولائی:۔ شاہ جی ہم غریبوں کی وطن کی طرف کہاں سے آنا ہوا۔

آزاد:۔ عیاحوں کے قیام کا کیا ٹھکانا۔ ہم لوگ تو پچھے ہیں۔

مولائی:۔ بھلا کبھی اور بھی بیشتر اس طرف آئے تھے۔

آزاد:۔ آنا جانا کیسا ہم تو کبھی اپنے آپے ہی میں نہیں آئے۔

نہ آئے آپ میں ہم یار بھر گیا آ کر
مزاج اپنا یہ خود رفتگی پسند ہوا

ہم فقیر دل کو کہیں آنے جانے سے کیا سروکار۔ اٹھ کھڑے ہوئے جدھر موج ہوئی چلے۔ ان کو سفر رات کو یاد الٰہی۔ کھانا مل گیا کھا لیا نہ ملا پرواہ نہ کی ہاں غم ہے تو ایک وہ یہ کہ یار کو پائیں۔

آتش غم سے ترے اے شعلہ رو
شمع ساں اب تو جلے جاتے ہیں ہم

مر گئے تھے آہ کس خوش چشم پر
آہوؤں کی ٹھوکر بن کھاتے ہیں ہم

اپنا غمخوار اب تو تم سمجھو ہمیں
مدتوں سے یار غم کھاتے ہیں ہم

جب تو آئے لائیں اس عیسیٰ کا دھیان
اے اجل کیا تجھ کو ترساتے ہیں ہم

اور کچھ حاصل نہیں پر نام کو
عاشقوں میں تیرے کہلاتے ہیں ہم

ایک خوش آتی نہیں تیرے بغیر
لاکھ شکلیں دل کو دکھلاتے ہم

مولائی:۔ شاہ جی برا مانیئے گا کہیں چوٹ کھائی ہے۔

آزاد:۔ جس دل میں عشق نہیں وہ دل ہی نہیں۔ ہماری آہ گرم ترجمان دل ہے۔ اک آگ سی لگی ہوئی ہے پھنک

رہا ہوں۔

جلتی ہے نالوں سے برق اشکوں سے بادل کو قرار رعد کی چھاتی پھٹے وہ آہ بے ٹھانا نہ ہے

مولائی:۔ سنو شاہ جی، آپ کی فقیری کو ہم خوب جانتے ہیں۔

آزاد:۔ ہم اپنے کو خود ہی نہیں جانتے کہ کون ہیں اور کہاں سے آئے اور کہاں جائیں گے اتنا البتہ آتنا جانتے ہیں کہ فراق یار نے اس قدر ناتواں کر دیا کہ اب وصل میں زبان تک سے اظہار مطلب محال ہے۔

چلتی نہیں زبان بھی اب اس کی کیا کرے آتا ہے ہر سخن پہ ترے ناتواں کو غش

گو دل سے یاد جانان کا بھلا دینا امر محال ہے مگر اس وقت تو دل کا عجب حال ہے۔ پھر خون سر پر سوار ہوا پھر وحشت نے مہمانی کی۔

ہاتھ پھر وحشت نے دوڑائے گریباں کیطرف پھر مجھے جانا پڑا کوہ و بیاباں کی طرف
پھر بہار آئی گل رخسار یاد آنے لگے قتل بلبل اڑ چلا دل پھر گلستاں کی طرف
پھر کسی کا چاند سا مکھڑا مجھے یاد آگیا دیکھتا ہوں رات بھر پھر ماہ تاباں کی طرف

اے جنوں پھر ہم کو وہ خوش چشم یاد آنے لگا
روتے ہیں پھر دیکھکر چشم غزالاں کی طرف

مولائی:۔ آپ کے سبب سے جو جو انھوں نے کیا اور جدائی کا جسقدر رنج سہا وہ دوسرے سے نہ ہو سکتا مگر تم مرد بے مروت ہوتے ہو۔

مولائی بیگم توان بنے ہوئے شاہ جی سے خوب واقف بنفس تھوڑی دیر کے بعد مسکرا کر کہا، شاہ صاحب یہ سب کانٹے آپ ہی کے بوئے ہوئے ہیں اگر خدا مجھے دو گھڑی کے لئے بادشاہت دے دے تو میں آپ کو سیر دکھادوں اور اب آپ درویش بن کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ فقیر کے معنی کیا۔

فاقہ قناعت۔ یاری خدا اور ریاضت ان چاروں میں آپنے کیا حاصل کیا۔ فاقہ کشی کی کیفیت آپ کے ہاتھ پاؤں سے ظاہر ہے۔ قناعت ہوتی تو روم کیوں جاتے یاری خدا بجز۔ ریاضت کا حال معلوم۔ آپ فقیر کاہے سے ہو گئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص تھوڑی دیر کے لئے کسی کے بہکانے کو فقیر بن بیٹھا ہے۔

آزاد:۔ (مسکرا کر) اور کوئی تو خیر اس پھندے میں پھنسے یا نہ پھنسے مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس جال سے نہ بچیں گی بے ادبی معاف۔

مولائی:۔ (تنک کر) وہ کوئی اور ہی ہوتی ہوں گی آپ کو ایسی ہی عورتوں سے سابقہ پڑا ہو گا۔

آزاد:۔ اچھا پھر آپ پردۂ عصمت سے باہر کیوں آئیں۔

مولائی :۔ پردۂ عصمت کے باہر ہمارا دشمن نکلے۔

آزاد :۔ اللہ رے میرے حسنِ گلوروز۔

من از آن حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخارا

مولائی :۔ اللہ اللہ۔ اُف رے غرورِ حسن اور حسین ہوتے تو شاید زمین پر قدم نہ رکھتے۔ اس شکل وصورت پر یہ ناز ہے۔ شانِ خدا میاں جن کو خدا نے حسن کی دولت دی ہے وہ زبان سے نہیں نکالتے ہیں اتنی دیر سے ہم یہاں آئے ہیں کبھی ہماری زبان سے بھی حسن کی تعریف سنی ہے۔ (ہنس کر)

آزاد :۔ (مسکرا کر) بجا ارشاد ہوا۔ حسین جو ہوتے ہیں وہ ایک جگہ آسن جما کے بیٹھ جاتے ہیں پھر ساری خدائی ان کی زیارت کو آتی ہے اور وہ فرطِ غرورِ حسن سے بات تک نہیں کرتے۔

مولائی :۔ خدا خدا کرو میاں۔ یہ غرور اللہ کو برا معلوم ہوتا ہے۔

آزاد :۔ جو مقبول بندگانِ خدا ہیں ان کو آپ خدا کے رموز سکھاتے آئی ہیں شانِ خدا۔

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

مولائی :۔ یہ بتایئے کہ آپ نے جو اس بیماری کو خواہ مخواہ دق کیا اور اس کی آسائش میں خلل ڈالا اس کی کیا سزا دیجائے۔

آزاد :۔ دیکھو خبردار فقیروں سے زبان نہ ملانا۔

مولائی :۔ (جھینپ کر) زبان ملانے کا حال بس ذری سنبھلے ہوئے۔ زبان کو روکئے شاہ جی صاحب۔

آزاد :۔ میں نے ان کو کیا دق کیا انھوں نے مجھے خود پریشان کر دیا۔

باغِ جہاں میں آہ بہار آئی لاکھ نام
وہ نخل ہوں صبا کہ نلایا ثمر ہنوز

ظالم تو قتل کر کے ابھی سے مکر نہ جا
میں تو تڑپ رہا ہوں پڑا خاک پر ہنوز

آخر ترے فراق میں میرا ہوا یہ حال
دیکھا نہ شام ہجر نے روئے سحر ہنوز

مگر ہم صبر کیے بیٹھے ہیں۔ دیکھیں صبر کیا مزہ دکھاتا ہے۔

صبر کا کرنے والا بیجا نہیں
دیکھ تو ہوتا ہے کیا گھبرا نہیں

مولائی :۔ اب کیا خاک ہوتا ہے۔ لاکھ صبر کرو تو کیا۔

آزاد :۔ ایسی خشک خبر نہ سناؤ از برائے خدا۔

مولائی :۔ اب تو آپ یہ پاپڑ نہ بیلیئے بس ہو چکا۔

آزاد: بیگم صاحب رجھانسے بازی تو آپ سے چلنے کی نہیں صاف صاف یہ ہے کہ ہم فقط دو دو باتیں کرنا چاہتے ہیں

مولائی: واہ جب چار آنکھیں ہوئیں تب تو دو دو باتیں کہیں نہیں اب کیا، اور وہ باتیں ہوئیں بھی تو نتیجہ کیا اب ان کو اپنی پاکدامنی کا خیال ہے کہ مبادا ان کے میاں سے کوئی کچھ کا کچھ لگادے۔

آزاد: اچھا ایک نظر آنکھ بھر کے دیکھ ہی لو۔

مولائی: آزاد اب یہ ممکن نہیں تم اس خیال سے درگذرو۔ کیوں مفت میں اپنی جان کو ہلکان کرو گے۔

آزاد: (آبدیدہ ہو کر) مجھے تو چنداں خیال بھی نہ تھا مگر تمام ہندوستان میں مشہور رہا ہے کہ وہ میرے واسطے خاک چھانتی پھری اور لاکھ پاپڑ بیلے مگر میرا پتہ نہ ملا۔

مولائی: اچھا یہ ان کی بیوقوفی۔ آپ بھی تو مجبور ہیں۔

آزاد: مانا۔ مگر صورت تو دکھا دو ذرا۔

مولائی: یہ بھی ناممکن ہے۔ اب اس پھیر میں کیوں پڑتے ہو۔

آزاد: تو بالکل ہاتھ دھو ڈالیں۔ افسوس۔ اچھا چلئے باغ میں چل کر ذرا دور ہی سے پھپھولے پھوڑیں۔

مولائی: واہ واہ۔ جب باغ میں ہوں بھی۔

آزاد نے بلجاجت و سماجت دست بستہ عرض کیا کہ آپ میری طرف سے جا کر فقط اسقدر کہہ دیجئے کہ برسوں میری یاد میں آپ نے اپنی زندگی تلخ کی اب از برای خدا ذرا تو ترس کھاؤ

مولائی بیگم نے کہا تم اس وقت نہ ہار ہی مانتے ہو نہ جیت۔ کوئی لاکھ کہے وہ ایک نہ مانے گی۔ مگر خیر تم اسقدر اصرار کرتے ہو تو جاتی ہوں جہاں تک زبان مدد دیگی میں اپنی طرف سے دریغ نہ کروں گی۔ آئندہ اختیار بدست مختار

یہ کہہ کر مولائی بیگم اٹھیں اور بسم اللہ کہہ کر چلیں باغ میں جا کر ثریا بیگم سے یوں گفتگو کی۔

مولائی: بہن اللہ جانتا ہے کتنا خوش رو جوان ہے ہزار میں ایک۔

ثریا: دیکھو مولائی بیگم ہم سے بنے گی نہیں پھر تم کو کیا۔

مولائی: اخاہ۔ اور اس پر اب کچھ واسطہ ہی نہیں ہے۔

ثریا: کچھ باتیں بھی ہوئیں۔ مقرر تو بڑے ہیں۔

مولائی: شاہ جی بن کے بیٹھے تھے پہلے تو بڑی فقیری کی لی مگر میں نے فقیری وقیری چٹکیوں میں اڑا دی تب تو کھل پڑے

ثریا: ہمارا ذکر بھی آیا تھا۔ کچھ کہتے تھے۔

مولائی: اے تو تمہارے سوا اور کسی کا ذکر بھی تھا۔

ثریا: کیا؟ تم سے یہ کہہ دیا کہ تم ہمارے ساتھ آئی ہو۔

مولائی: ۔جاتے ہی۔ پہلے تو میں نے پوچھا شاہ جی صاحب کہاں سے آنا ہوا۔ لگے آئیں بائیں شائیں اڑانے تب تو میں نے آڑے ہاتھوں لیا بس۔ فقیری آپ کی دیکھ لی۔ ہوش کی دوا کیجیے۔

ثریا: ۔فقیری! ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔

مولائی: ۔کیا کیا کروں ایک پری نے دیوانہ کر دیا۔

ثریا: ۔ہم نے تو بات تک نہیں کی۔ مگر سچ کہوں آنے کو فوراً چلی آئی لیکن قدم نہیں اٹھتا تھا واللہ۔

مولائی: ۔کیونکر قدم اٹھتا۔ خیر اب تو جو ہوا وہ ہوا۔ مگر بہن جو کہیں ان کے سامنے شادی ہوتی تو کیا کہنا تھا

ثریا: ۔دیکھو یہ چھیڑ خانی نہیں اچھی۔ ہاں ہم سے کہہ دیا ہے۔

مولائی: ۔چھیڑ خانی کیسی کیا کچھ جھوٹ بھی ہے۔

ثریا: ۔اے بہن ہم نے ان کے لئے بڑے بڑے پاپڑ بیلے (آہ سرد بھر کر) بن بن اور جنگل جنگل پھری۔ شہروں شہروں ہنڈی۔ مگر انجام کچھ نہیں ایک وہ دن تھا کہ ہمارے دروازے پر ہی پڑے رہتے تھے اور ہیری ٹیک کرتے تھے اور قفس کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے اور آج ہم ان کی طرف رخ نہیں کرتے اور ایک دن وہ بھی تھا کہ ہم ہاتھ جوڑتے تھے اور یہ ہماری سنتے ہی نہ تھے۔ اس انقلاب کو تو دیکھو۔ ہائے ستم یہ کیا ہو گیا۔ تم تو بہن مفت میں بکواتی ہو۔

مولائی: ۔آخر مجھ سے سب حال تو کہو۔

ثریا: ۔بہن کہہ تو دیا کہ تمام عمر کی کہانی کہاں تک بیان کروں۔

مولائی: ۔اب یہ بتاؤ ہمارا کہنا اس وقت مانو گی۔

ثریا: ۔تمہارا کہنا۔ کچھ معلوم تو ہو کیا کہو گی بو۔

مولائی: ۔پہلے قول دو پھر کہیں گے۔ یوں نہیں۔

ثریا: ۔واہ بے سمجھے بوجھے کون قول دے صاحب۔

مولائی: ۔ہماری اتنی خاطر بھی نہ کرو گی بہن۔ خیر۔

ثریا: ۔اے کیا جانے تم کیا اول جلول بات کہو۔

مولائی: ۔بیگم کوئی ایسی بات نہ کہیں گے جس سے نقصان ہو۔

ثریا: ۔جو بات تمہارے دل میں ہے وہ میرے ناخنوں پر ہے۔

مولائی: ۔اخاہ کیا کہنا آپ ایسی ہی ہیں۔

ثریا: ۔اچھا اور سب باتیں مانیں گے سوا ایک بات کے۔

مولائی: ۔وہ ایک بات کونسی ہے۔ ہم سن تو لیں۔

ثریا بیگم:۔ جس طرح تم چھپاتی ہو اسی طرح ہم بھی چھپاتے ہیں۔

مولائی :۔ (مسکرا کر) یہ خوب بات ہے ہم جو کہیں گے تم کہہ دو گی کہ بس یہی بات منظور نہیں ہے۔ پھر یہ کیونکر

ثریا بیگم:۔ اس خیال خام سے درگذرو۔ بس یہاں سے چلنا ہی بہتر ہے۔

مولائی :۔ اللہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں رو رہا ہے اور دست بستہ مجھ سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو ملا دو میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ باتیں کر دل مگر اتنا چاہتا ہوں کہ نظر بھر کر دیکھ لوں۔

ثریا بیگم:۔ کیا مجال خواب تک میں صورت نہ دکھاؤں۔

مولائی :۔ خواب میں صورت دکھانا تمہارے امکان میں نہیں ہے۔

ثریا بیگم:۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری بڑی خوشامد کی ہے۔

مولائی :۔ رو رو کے۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کے اور مجھے ترس آتا تھا میں ایسی ہوں تو اچھی طرح جا کے ملوں۔ سانچ میں آنچ کیا بھد بیل مثل ہے مگر کتنی سچی ہے۔

ثریا بیگم:۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ:۔

تو پاک باش مراد ر مدار از کس باک	زنند جامۂ ناپاک گا ذراں بر سنگ

مگر بہن دنیا تو یہ نہیں سمجھتی۔

مولائی :۔ اے بہن تو دنیا سے ہمیں کیا کام دنیا! دنیا!!

ثریا بیگم:۔ جب کوئی اور بات تھی اور اب کی اور بات ہے۔

مولائی :۔ یہاں ایسا کون آتا جاتا ہے۔ خواہی نخواہی ڈر کاہے کا پڑا ہے۔ اے چل کے ذرا دیکھو تو اس کا ارمان تو نکل جائے۔

ثریا بیگم:۔ نہ (گردن ہلا کر) اب کیا واسطہ رہا۔

مولائی :۔ بڑی بے رحم۔ بڑی بے وفا۔ بڑی ظالم ہو بہن۔

ثریا بیگم:۔ خیر آپ کی بلا سے ظالم بے رحم ہی سہی۔

عاشق دلگیر نے پھر ہانک لگائی۔

مرا دلی ست پس کوچۂ گرفتاری	کشادہ روے نراز شاہدان بازاری
بہ تنگی دہن دوست خاطرے دارم	جو چشم ناز بخوابشم اسد زبیمارے
زطوطیاں شکر خامگوے واز من جوے	نشاط زمزمۂ ولذت جگر خواری
بہ چو زلف جو ہر تبسم یہ دریشانی	جو چشم ناز بخوابشم رسند بیمارے

نہ جوشِ خونِ دل از قدرِ گریہ افزو کنت   چرا نباشدم از تاب چہرہ گلنارے

شدان کہ ہمقدمان راز من غبارے بود

ز رفتگان بگذشتم بہ تیز رفتارے

ثریا :۔ اس کو پھر موت آئی بڑا ناک میں دم کر دیا ہے۔

مولائی :۔ مفت کی بدنامی ہم نے آج تک یہ سنا ہی نہیں۔

ثریا :۔ اے لے اب چلو گی بھی یا نہیں۔ ڈھئی دے کے بیٹھو گی۔

مولائی :۔ ہم تو تب تک نہ چلیں گے جب تک تم ہمارا کہنا نہ مانو گی۔ کیا بڑی جیادار بنی ہیں۔ ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔

ثریا :۔ سنو مولائی بیگم۔ آخر ہر امر کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ تم کیا سوچتی ہو۔ گو میں تمہاری خاطر سے چلی بھی تو نتیجہ کیا۔

مولائی :۔ نتیجہ یہ کہ اس کے دل کو سرور حاصل ہوگا۔

ثریا :۔ جب ہمارے دل کو سرور نہیں حاصل ہوا تو کسی اور کے دل کو ہوا تو کیا اور نہیں ہوا تو کیا۔

مولائی :۔ اچھا ایک غزل گاؤ تو پھر چلے چلیں۔

ثریا :۔ درست ادھر سے میں گاؤں ادھر سے وہ گائیں۔

جو پنہاں تھا وہی ہر سو عیاں ہے   یہ کہئے لن ترانی اب کہاں ہے

سراپا ماہ کا تجھ پر گمان ہے   زمین قدموں کے نیچے آسماں ہے

کیا یہ سوز دل نے گرم پہلو   برنگِ شمع ہر اک استخواں ہے

ٹپکتا ہے ہمارا خون اس سے   تری تلوار قاتل گلفشاں ہے

گیا ہے کوچہ کاکل میں اب دل

مسلمان دار دہند وستاں ہے

جو پنہاں تھا وہی ہر سو عیاں ہے۔

مولائی :۔ لے اب اٹھو بہن بس اب ہم نہ مانیں گے۔

ثریا :۔ ایں! کچھ خبر ہے۔ واہ اور سنو۔

مولائی :۔ اور سنو نو کے بھروسے نہ رہنا بہن۔ میں قول ہار آئی ہوں۔ قول جان کے ساتھ ہے۔

ثریا :۔ اچھا قول ہے۔ ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔

مولائی :۔ کیسا خوبرو جوان ہے۔ بھوک پیاس دیکھے سے بند ہو جائے اور وہ بے چارہ فقیر بن کے آیا ہے اور گڑگڑا رہا ہے۔

کس سے دوں اس صنم کو میں تشبیہ — کب خدائی میں اس کا ثانی ہے

اور تڑپ تڑپ کے تم کو یاد کرتا ہے۔ مگر وہ ظالم ہو تم کہ جو سمائی بس وہ سمائی۔ پھر کسی کے مان کی نہیں ہو وہ فریاد کرتا ہے تم خبر بھی نہیں ہوتیں اور خدا جانتا ہے کہ ذرا اف تک نہیں کرتا۔

کب اپنے منہ سے عاشق شکوۂ بیداد کرتے ہیں — وہاں غیر سے ہم مثل نے فریاد کرتے ہیں

کبھی کہہ کے ہجر یار میں فریاد کرتے ہیں — وہ بھولے ہم کو بیٹھے ہیں جنہیں ہم یاد کرتے ہیں

اسیران کہیں پر نازہ وہ بیداد کرتے ہیں

رہی طاقت نہ جب اور تیکی تب آزاد کرتے ہیں

ممولا :۔ حضور اب رات آتی ہے کہ جاتی ہے۔

مہری :۔ اب کوئی بارہ کا عمل ہو گا میں جانتی ہوں۔

ممولا :۔ نہیں تم تو اندھیر ہی مچائے دیتی ہو بارہ نہیں بیس کا عمل ہے۔ کوئی دس بجے ہو سکے۔

ثریا :۔ مہری پوچھو تو کے بجے ہونگے اس وقت۔

سپاہی :۔ حضور دس اب بجیں گے تو بج گئے۔

ثریا :۔ سواریاں نکلواؤ۔ لے اب چلو بہن بس۔

مولائی :۔ اچھا میں شاہ جی صاحب سے تو مل آؤں۔

ثریا :۔ (مسکرا کر) خیر لگی بھی کیا بری ہوتی ہے۔

مولائی :۔ چلیے آپ کی بلا سے ہم ظالم نہیں ہیں۔

ثریا :۔ خدا نہ کرے آپ کے دشمن ظالم ہوں۔ آپ بڑی فیاض ہیں۔

مولائی :۔ کیوں پھر یہ چھیڑ خانی۔ فیاض نہ ہوتیں تو اس وقت ایک سودائی کیوں ساتھ ہوتا اور ایک مظلوم بدبخت فقیر کیوں بن کے آتا۔ اب شرمائیں۔

ثریا :۔ (شرما کر) نامحروم سے پڑ پڑ باتیں کرنا تم ہی ایسوں کا کام ہے۔ جان نہ پہچان خالہ جی سلام۔

مولائی :۔ وہ چھیپنا تو صورت ہی سے برستا ہے۔

ثریا :۔ اس میں کیا شک ہے۔ تم کہتی ہی ایسا ہو۔

مولائی :۔ ایک سڑی سودائی قنس کا کوتا لئے ساتھ جانا ہے دوسرے نے فقیر کا بھیس بدلا۔

ثریا:۔ تم جا کے سمجھا دو کہ اب کسی اور سے دل لگائیں یہاں سے پھر مانگ کی صدا آتی ہے شاہ جی صاحب۔

مولائی بیگم نے کہا بہن ہم جھگڑے نہ بنیں گے۔ کے اس قدر کہہ آؤں گی کہ میں نے لاکھ لاکھ سمجھایا خوشامد کی ہاتھ جوڑے۔ ہر طرح سے فہمایش کی مگر وہ نہیں مانتیں۔ اب اس کو ہم کیا کریں۔

ہم نے کہا نہ۔ تمہارے تو دل سے لگی ہے۔

خیر صاحب وہ دل سے لگی سہی بس۔

ثریا:۔ ہنسی جاؤ گی۔ لوگ نام رکھیں گے۔

مولائی:۔ چلو تمہاری بلا سے نام رکھنے دو۔

ثریا:۔ صاف صاف کہہ دینا کہ اب ملنا بجز رسوائی کے اور رنج کے کوئی اور نتیجہ نہ دے گا۔ اس سے اب فائدہ ہی کیا ہے ملنے سے پچھلی باتیں یاد آئیں۔ خواہ مخواہ کو رنج ہو گا۔ مفت میں رنج مول لینا۔ بیٹھے ہوئے ناحق جان کو عذاب میں ڈالنا بس خدا نے کہا ہے۔

مولائی:۔ آپ مجھے سبق تو پڑھائیں نہیں۔

ثریا:۔ تم پھوہڑ ہو اس سبب سے میں کہتی ہوں۔

مولائی:۔ ہاں میں تو پھوہڑ ہوں ہی۔ تمہاری سی طرازی کہاں سے لاؤں بہن۔ خیر ہم پھوہڑ ہی سہی مگر آج سے تم سے بھی نفرت ہو گئی۔

ثریا:۔ ہاں نامحرم کے پاس جاؤں۔ حیا کو بھون کھاؤں۔ تمہاری طرح سے بدنامی سے نہ ڈروں جب تم خوش ہو۔

مولائی:۔ چلو بس حیا کا نام نہ لینا ہمارے سامنے۔

ثریا:۔ تمہارے سامنے حیا کا نام لینا ہی فضول ہے۔

مولائی:۔ ایسی بڑی حیادار ہو تو میں تو اب میری زبان سے کچھ جا بیجا نکلنے والا ہے۔

ثریا:۔ کہہ ڈالو دل کا ارمان تو نکل جائے گا۔

مولائی بیگم مسکراتی ہوئی آزاد کے پاس گئیں۔ وہ سمجھے کہ شاید خوشخبری سنانے آئی ہوں گی مگر ان کی صورت پر نظر ڈالی تو پژمردہ ہو گئے۔ کہا معلوم ہوتا ہے آپ کی ذکاوت نے کام نہ کیا۔ افسوس صد افسوس۔

نام لکھ لکھ کے ترا وصلی پہ روز ہجر میں یوں دل کو بہلاتے ہیں ہم نے میدانوں میں ان کو یاد کیا۔ مورچوں پر ان کو یاد کیا۔ لڑائی کے وقت ان کو یاد کیا۔ ان کی یاد ہر دم رہتی تھی اور یہ کہہ کر دل کو بہلا لیتے تھے کہ ایک دن انشاء اللہ ملیں گے مگر۔

بھن گیا حالت جدائی میں   دل کی حالت کباب کی سی ہے

مولائی بیگم بعد حسرت آزاد سے رخصت ہوئیں اور باغ میں آن کر کہا بہن آج سے ہماری تمہاری محبت میں کسی قدر فرق آگیا کیا اگر اس غمزدے سے ذری مل لیتیں تو کیا حرج تھا۔ اس کی خاطر سے نہیں تو ہماری خاطر سے چلتیں مگر خیر وقت نہیں رہ جاتا ہے۔ اب تو کبھی دعوے کر کے یہ کہنے کی جرات نہ ہوگی کہ جو ثریا بیگم سے کہیں گے وہ مان لیں گے۔

ممولا نے بھی انھیں کی تائید کی اور کہا حضور ہماری مجال کیا کہ سرکار کی باتوں میں دخل دیں مگر اس کا تڑپنا دیکھ کر ترس آتا ہے اور اب بھی کیا گیا ہے اب سہی۔

ثریا بیگم نے کہا۔ اے یہ ماجرا کیا ہے۔ ہماری کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا جو ہے اسی کی سی کہتا ہے تم سب کو اس نے کچھ چٹا دیا ہے۔

ممولا :۔ ہاں سرکار رشوت دی ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔ ایسے ہی تو بڑے امیر وہ ہیں اور ہم ایسے ہی تو بھک منگے ہیں۔ حضور اگر ایک بار اس کا تڑپنا دیکھ لیں تو رشوت وشوت کا حال معلوم ہو جائے۔ اس وقت کی خطا معاف ہو تو لونڈی کے حضور دل پر چوٹ لگی ہے۔

مولائی :۔ ان سے بڑھ کر ظالم ستم گر بیوفا نا خدا ترس کوئی نہ ہوگا۔ جب میں رخصت ہوئی تو رو کر مجھ سے کہا آپ از برائے رسول و خدا اتنا کہہ دیجیے گا کہ (دہائے)

بت ظالم نہیں سنتا کسی کی   غریبوں کا خدا فریاد رس ہے

ثریا :۔ ایسے ایسے شعر ہم کو بھی بہت یاد ہیں۔ یہ اسی موقع کے شعر ہیں جب عشق کا زور ہوتا ہے اور یہاں عشق کی گرما گرمی کجا یہاں تو سرو بازاری ہے۔ گرہستوں اور بہو بیٹیوں میں عشق کا کیا ذکر ہے۔

عشق کا حال بیسوا جانیں   ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

مولائی :۔ وہ تو سودائی ہوئے۔ ابھی دیکھیے اور کتنے بے گناہوں کے سر جاتی ہے۔ خدا جانے کتنوں کا خون اپنے سر لیتی ہیں اب اس ظلم سے خدا سمجھے۔ بس اور کیا کہوں۔

ثریا :۔ ٹھنڈا پانی لاؤ ان کے لئے۔ اب پانی پیے کہ کوسو بہن اور تھوڑی دیر میں گالیاں بھی دینے لگو گی آخر تم کو کیا میٹھا ہے اس میں۔ ہم نہیں مانتے تم کو کیا۔

مولائی :۔ بھلا پچھلی باتیں تم کو یاد ہیں۔

ثریا :۔ ایک دن میں نہا کر بال سکھا رہی تھی۔

تو مجھے دیکھ کر پہلے تو مذاق کی باتیں کرنے لگے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

کھول دی ہے زلف کس نے پھول سے رخسار پر
چھا گئی کالی گھٹا سی آن کر گلزار پر!

مجھے وہ وقت خوب یاد ہے۔ دل بھر آیا مگر میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے بہن۔ تم ناحق بُرا مانتی ہو بس اب یہ باغ کاٹے کھاتا ہے اس شخص نے ہمیں بڑے بڑے دکھ پہونچائے ہیں اور دل و جگر کو اس قدر چھلنی کر دیا کہ جس کا حد و حساب ہی نہیں۔

اس قدر گلکاریاں کی ہیں نری تلوار نے
زخموں سے رکھتے ہیں ہم اک گلستاں بالائے سر

پھر اب چلنا ہے تو چلے ہی چلو۔ یہاں بیٹھنا اور دردِ دل کو جگانا ہے۔

مہری:۔ فینسیں لگانے کا حکم دو۔ اب یہاں ایک دم بھی بیٹھنا گوارا نہیں ہے۔

مہری:۔ تہور خان، تہور خان۔ کہاروں سے کہو فینسیں لگائیں، اور مشعلچیوں کو حکم دو دستی روشن کریں۔ اب پانی بھی تھم گیا ہے۔

مولائی:۔ بیگم! ہم آج ناحق ان کے ساتھ یہاں آئے مگر خیر سودائی نے جو سواری کی تیاری کی آواز سُنی تو یہ بھی کیل کانٹے سے لیس ہوئے اور ہانک لگائی۔

میں وہ ہوں پروانۂ دیوانہ گر محفل میں جاؤں
خانۂ فانوس سے آئے نکل طفلانہ شمع

سپاہی:۔ بس اب بوند پڑنا تھم گیا ہے۔ اپنا راستہ لو۔

کہار:۔ جو بنس کے ساتھ ساتھ چلیں تو مرمت کر دو۔

سودائی:۔ بھائی ہم تو کسی سے بولتے ہیں نہ چالتے ہیں۔ اول تو میں ناتواں۔ ضعیف۔ کم طاقت۔ دوسرے لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں۔ تیسرے لڑوں کس سے یار کے کتے تک سے تو محبت ہے۔ لڑنا کیسا۔ رات رات بھر نیند کسی کمبخت ہی کو آتی ہوگی۔

ہم ازل سے انتظارِ یار میں سوئے نہیں
آفریں کہیے ہمارے دیدۂ دیدار پر

سپاہی:۔ لے اپنی راہ لو۔ نہیں یہاں سے پٹ کے جاؤ گے۔

سودائی:۔ وہ ہم کو ہزاروں بار پیٹ لیں۔ ہم اُف تک نہ کریں گے۔

اے مُرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد

عشق کے معنی ہی یہ ہیں کہ چرکے پر چرکا کھائے اور تیور پر بل نہ آنے پائے اور ہزار بات کی ایک بات یہ ہے کہ ایک بار چاہے فیصلہ ہی کر دیں اور روز کا قتل کرنا کیا معنی۔ پر و بال باندھ کے کسی نے بھی آج تک طائر کو بسمل کیا ہے۔

پروں کو کھول دے ظالم جو قتل کرتا ہے
کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو پاتے

فنسیں لگائی گئیں۔ مولائی بیگم اور ثریا بیگم فنسوں پر سوار ہو جائیں۔ دستیاں ادھر ادھر روشن سپاہی خاص بردار ساتھ۔ مہریاں ہمراہ۔ سواری روانہ ہوئی تو آزاد نے مکان کی دیوار سے سواری پر نظر ڈالی اور اس قدر دل بھر آیا کہ آنکھیں پُر نم ہو گئیں۔ مہری سے کہا۔ بس اب اس وقت دل کی عجب حالت ہے رونا بھی نہیں آتا ہے۔

مہری:۔ چلیے حضور۔ یہ حسرت تو نہیں رہی کہ صورت نہیں دیکھی۔ آنکھ بھر کے دیکھ تو لیا۔

آزاد:۔ ہمیں خدا جانے کیا ہو گیا کہ ایک آواز تک نہ نکلی۔ افسوس صد افسوس۔ ارے یہ وہی ثریا بیگم اور اللہ رکھی تھی مگر واہ ری پاک دامنی صدقے اس عفت کے۔ جی خوش ہو گیا۔ شادی کرنے کے بعد میاں کا اس قدر خیال ہونا اور ایسے شخص سے نہ بولنا جس پر جان جاتی تھی اور جس کو دل سے پیار کرتی تھی یہ ہر ایک شخص کا کام نہیں ہے۔ یہ اس کے رعب حسن اور پاکدامنی ہی کا خیال تھا کہ خوف طاری ہو گیا اور اظہار حال سے قاصر رہا۔

گم گشتہ بکوئے تو نہ دل بلکہ خبر ہم — در لرزہ زخوئے تو نہ دم بلکہ اثر ہم
یارب چہ بلائے کہ دم عرض تمنا — اجزائے نفس می خزد از بیم تو در ہم

اب رخصت ہوتے ہیں مگر اس وقت جائیں تو کہاں جائیں کوئی گیارہ کا عمل ہوگا اگر شاہ جی بُرا نہ مانیں تو یہیں شب کو پڑ رہیں۔ صبح چل دیں گے۔

آزاد پاشا ایک چارپائی پر شاہ صاحب ہی کے ہاں لیٹ رہے۔ تلخ کامی کے سبب اچھی طرح نیند نہیں آئی اور اشعار ذیل کو ترجمان دل کیا۔

داغ تلخ گویانم لذت ہم از من پرس — محو تند خو بانم حیرت دم از من پرس
موجے از شرابستم سختی از کبابستم — سوز من ہم از من جوئے سوز من ہم از من پرس

نیست ماغنود نہا برگ پر کشود نہا — از عدم بروں آمد ستی آدم از من پُرس
بوسہ از لبانم وہ عمر خضر از من خواہ — جام مے بہ پیشم نہ عشرت جم از من پُرس

تیغ غمزہ یا اغیار انچہ کرد میدانے
خنجر تغافل را تیزی دم از من پُرس

مہری :- حضور اب سو رہئیے۔ بہت رات آئی۔

آزاد :- ہاں اب کل شام کو اس شہر سے چلے جائیں گے۔

ممولا :- اے ہے۔ اتنی جلد۔ کیوں حضور کس سبب سے۔

آزاد :- مہری۔ اب ہمارا یہاں دل نہیں بہلتا۔

باغباں کون سی صورت مرے جی لگنے کی
ایک تو مجھ کو قد یار سا بوٹا دکھلا

اللہ ری عظمت۔ کس درجے سے کس درجے کو پہونچیں کجا اللہ رکھی بھٹیاری۔ کجا نواب ثریا بیگم زوجہ حضرت نواب سنجر سطوت صاحب بہادر۔ کجا وہ گھاتیں کجا یہ باتیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

نازم بہ صنم خانہ کہ شاہان جہاں جوی
ہم بر در آں خانہ گذارند قدم را

صبح کو آزاد پاشا نے منہ ہاتھ دھو کر نماز پڑھی اور صاحب ضلع کی کوٹھی کی راہ لی۔

اب سنیئے کہ مس کلیرسا اور مس میڈا نے یہاں باہم یہ مشورہ کیا تھا کہ اب کی آزاد آئیں تو ان سے صاف صاف کہدیں کہ ہم دونوں کا منشاء اب شادی کرنے کا نہیں ہے۔ اب بس یہی ٹھان لی ہے کہ جس طرح ممکن ہو ہندوستان کی عورتوں کو فائدہ پہونچائیں۔ دونوں نے ٹھان لی تھی کہ شادی نہ کریں اردو فارسی ناگری پڑھ کر ہند کی عورتوں کے فائدہ پہونچانے میں ساعی ہوں۔ اور ان کو عمدہ عمدہ باتیں سکھائیں۔

میڈا :- بہن جب اپنا شہر چھوڑا۔ عزیز چھوڑے۔ گھر بار چھوڑا۔ بدنامی ہوئی۔ تو پھر یہاں آن کے شادی کرنا کیا معنی بس خدا بھی خوش اور دنیا بھی خوش اور اپنی بہنوں کا فائدہ الگ۔ اس میں کبھی کوئی نام نہ رکھے گا۔

کلیرسا :- ہم راضی اور ہمارا خدا راضی۔

مس کلیرسا اور مس میڈا نے تو یہ ٹھان لی تھی اور آزاد اس فکر میں تھے کہ حسن آرا کسی ترکیب سے

مس مئیڈا کو پہلے ہی سے دیکھ لیں۔ اور کسی تیز طبیعت عورت کی زبانی اس عروس مشتری رو سیماب طبع کے احسان کا حال جو میری گردن پر ہے حسن آرا سن لیں تو خوب بات ہے۔

جب یہ صاحب ضلع کے ہاں پہونچے تو مس مئیڈا اور کلیر سا دونوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔

مئیڈا:۔ بس بس جاؤ دیکھ لیا اگر یہی بے اعتنائی ہے تو خدا ہی حافظ ہے صبح گئے دوسری صبح کو آئے آثار بُرے ہیں۔ اب وہ نظر نہیں ہے۔

نگاہِ یار ہم سے آج بے تقصیر پھرتی ہے
کسی کی کچھ نہیں چلتی ہے جب تقدیر پھرتی ہے

کلیر سا:۔ کہو بندہ نواز یہ تلون کیسا۔

آزاد:۔ یا الٰہی پہلے سُن لو پھر کچھ کہو۔

مئیڈا:۔ بس بس معلوم ہو گیا مگر ہم نہیں ایسا سمجھتے تھے کہ خواہ مخواہ یہاں لا کے ہم سے ایسے پھر جاؤ گے خیر صاحب۔

آزاد:۔ (ہاتھ جوڑ کر) حضور یہ یک طرفہ ڈگری کیا معنی۔

کلیر سا:۔ آخر آپ اتنی دیر تک تھے کہاں

مئیڈا:۔ ایسے غائب ہوئے کہ پتا ہی نہیں۔ آپ کے جوہر تو یہاں آن کے کھلے۔ ہم نے تو اب تک بہت کچھ ضبط کیا۔ مگر ضبط نہ کر سکے۔

آزاد:۔ آخر تم کو شک کیا ہوتا ہے۔ یہ تو معلوم ہو۔

مئیڈا:۔ شک! شک!! ہمیں شک نہیں ہمیں یقین ہوتا ہے۔

کلیر سا:۔ اب تم دونوں لڑ لو تو ہم باتیں کریں۔

مئیڈا:۔ کیا خوب۔ چہ خوش۔ چرا نباشد۔ ہم لڑیں اور آپ سیر دیکھیں۔

کلیر سا:۔ خواہ مخواہ لڑائی ہوا ہی چاہے جب دو دو دن کا غوطہ لگاؤ گے تو خواہی نخواہی جھگڑا ہی ہو گا۔

مئیڈا:۔ اتنا نہ سوچے کہ پردیس میں اجنبی آدمی کے ہاں اکیلا چھوڑ کے میں کہاں جاتا ہوں۔ ابتدا اچھی نہیں ہوئی ہے۔

آزاد:۔ کیا مجال جو اب کبھی ایسی خطا ہو۔

کلیر سا:۔ اچھا اب اطمینان کے وقت کل حال بیان کیجیے گا۔

آزاد:۔ ہم تو۔ مس مئیڈا کے حسن کے عاشق زار ہیں۔ ان کی خفگی سے روح لرزنے لگی ہے۔ اگر

ایسی کوئی اور صورت نظر سے گذرے یہ امر محال ہے۔

صورت گر نقاش چین در صورت نام مبین
یا صورتے کش انچنیں یا ترک کس صورت گری

مئیڈا:۔ ہم کو تو بہن ایک سہارا ابھی ہے آزاد کا۔

کلیرسا:۔ ہاں کیسا کچھ۔ مگر یہ نہ کہو جوئندہ یابندہ۔

مئیڈا:۔ وقت ہی ہے نہ۔ جوئندہ یابندہ سچ مگر تلاش میں وقت تو ہوتی ہے اور یہاں تو اس کی ضرورت ہی نہیں۔

کلیرسا:۔ پہلے تو اس ملک کی زبان سیکھنی چاہیئے۔

مئیڈا:۔ اے بہن آزاد تو کہتے تھے کہ اس ملک کی زبان سیکھنا بہت آسان ہے۔ جتنی جلد اُردو کو انسان سیکھ سکتا ہے اور کسی زبان کو نہیں سیکھ سکتا۔

کلیرسا:۔ بس پھر کیا۔ جب تک ہم اردو نہ جانیں گے تب تک کوئی ہم کو نہ مانے گا۔ جس ملک کی عورتوں کی تربیت ہم اپنے تعلق کریں اس کی زبان جاننا ضروری ہے۔

مئیڈا:۔ پھر مصمم قصد ہے نہ۔ ایسا نہ ہو کہ نکل جاؤ۔

کلیرسا:۔ ایسی بات ہے بھلا۔ نکل جانا کیا معنی۔ جو کچھ کہا ہے سوچ سمجھ کے کہا ہے اور سنو تو۔ کیا تم کو یہ یقین بھی تھا کہ میں اب شادی کروں گی۔ ہائے ہائے بہن سب باتیں جانتی ہو اور پھر نادان بنی جاتی ہو۔

حضرات ناظرین فسانۂ آزاد کی جلد ثانی میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ جب آزاد پاشا کی گرفتاری کی خبر مشتہر ہوئی۔ یعنے جب مس کلیرسا کے لب لعل کے بوسوں پر آزاد پاشا سیبریا کے برفشاں بھیجے جاتے تھے اور اثنائے راہ میں پولینڈ کی شہزادی نے کہ پیشتر سے دل دادہ اور فریفتہ حسن و جمال تھی اُن کو گرفتار کر لیا تو یہ خبر دور دور تک مشہور ہوئی اور مس میڈا سُنکر فرطِ بے قراری سے میدانِ جنگ کی طرف اس امر کی تحقیقات کے لیے گئیں کہ آزاد کو کس نے گرفتار کیا۔ اور ایک مقام پر انھوں نے دیکھا کہ مس کلیرسا ایک قبر کے اردگرد سراسیمگی کے ساتھ ساتھ پھرتی اور بار بار اس کو چومتی ہیں۔ یہ قبر اُس بیچارے نوجوان روسی لفٹنٹ کی تھی جس کو میاں آزاد نے ایک جنگ عظیم میں قتل کیا تھا اور جس پر کلیرسا دل و جان سے عاشق تھیں۔

مئیڈا:۔ ہاں بہن کہتی تو سچ ہو۔ مجھے خوب یاد آیا۔

کلیرسا:۔ جان پر صدمہ روح پر صدمہ تھا۔ اُف فوہ مجھے اس وقت اس کی صورت اور اس کی باتیں

یاد آگئیں ہے ہے اور میرے اوپر جان دیتا تھا۔ ہا۔ اب وہی آزاد اس کا قاتل ہے جس کے ساتھ ہم ہندوستان اتنی دور آئے۔

میڈا:۔ اب ان باتوں کا خیال کرنا ہی فضول ہے۔

کلیرسا:۔ ہاں سچ کہتی ہو بہن۔ اب اس سے کیا فائدہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ اس کی زندگی ہی اس قدر تھی۔

میڈا:۔ اس کے علاوہ بہن کلیرسا یہ تو سوچو کہ سپاہی کے لیے تلوار کے منہ مرنا کتنی بڑی بات ہے یہ کیا کچھ کم تھا۔

آزاد پاشا نے ثریا بیگم کی ملاقات اور اپنی ناکامی و حسرت کا حال ان گلبدنوں سے مطلق نہ بیان کیا۔ صرف کندن کے ہاں کے جانے کا تذکرہ کیا اور کہا کہ صاحب ضلع سے ہم اس بارہ میں آج ضرور بالضرور گفتگو کریں گے۔

یہ کہہ کر آزاد صاحب ضلع کے کمرے میں گئے۔ اور یہاں ان دونوں سیمبر معشوقوں میں باتیں ہونے لگیں

کلیرسا:۔ سب سے پہلے اسی امر پر لیکچر دیئے جائیں۔

میڈا:۔ ابھی کسی سے اپنا منشاء ظاہر ہی نہ کرو۔

کلیرسا:۔ ہاں۔ اچھا۔ پہلے زبان سیکھ لیں پھر سمجھا جائے گا۔ مگر آزاد کو تو اطلاع دی جائے۔ ان کی اطلاع کے بغیر کوئی کارروائی کیوں کر ہوسکتی ہے۔

میڈا:۔ ہاں اُن سے تو ضرور ہی کہا جائے گا سب۔

کلیرسا:۔ مگر وہ یہ ضرور سمجھیں گے کہ میں جو ایک روز اُن سے نہیں ملا تو انہوں نے یوں دل کا بغض نکالا۔

میڈا:۔ اے نہیں بہن۔ ہم تو سمجھا لیں گے ان کو۔

کلیرسا:۔ اچھا تو آج تو اُن سے ذکر بھی نہ کرو۔

میڈا:۔ یہ مانا آج نہیں کل سہی۔ کل نہیں پرسوں سہی۔

کلیرسا:۔ اردو انہیں سے پڑھنا سیکھو۔ ان سے بڑھ کر سکھانے والا اور کوئی نہیں ملے گا۔ فرانسیسی زبان خوب جانتے ہیں۔

میڈا:۔ ہاں یہ تو سکھائیں ہی گے۔ اگر پہلے ہی سے یہ معلوم ہوتا تو اس عرصے میں اُن سے بہت کچھ سیکھ گئے ہوتے۔

کلیرسا:۔ تب تک یہ سوجھی کہاں تھی۔ مگر ہم بہت خوش ہیں کہ یہاں کا آنا بے سود نہ ہوا۔ کوئی نہ کوئی مطلب ہی نکلا۔ ورنہ دل گھبرا جاتا اور شاید سخت پریشانی ہوتی۔

مَیڈا:۔ ہم جس وقت آزاد سے کہیں گے کہ اب ہم نے شادی کرنے کا خیال بدل دیا اُس وقت وہ نہایت ہی خوش ہوں گے۔

کلیرسا:۔ پہلے تو وہ یہی سمجھیں گے کہ اُن کی ایک روز کی بے اعتنائی نے یہ کانٹے بوئے۔ پھر رفتہ رفتہ شاید یہ خیال دور ہو جائے۔

مَیڈا:۔ ہاں۔ اور آج اس وقت ذرا گرم گرم باتیں بھی دو ایک سنا دی ہیں۔ اس سے اور بھی خیال ہو تو عجیب نہیں مگر خیر ہونے دو ہمارا اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہم ان کو صاف صاف یقین دلا دیں گے کہ اس کا ہم کو ذرا بھی خیال نہیں صرف طبیعت کی بات ہے معًا یہ خیال آیا کہ جب وطن اور عزیز و اقارب سب کو چھوڑا تو اب وہ کام کرنا چاہیے جس میں سب خوش ہوں اور نام نیک حاصل ہو۔

دو گھنٹے کے بعد جب آزاد پاشا صاحب ضلع اور ان کی میم صاحب سے مل کر ان گلبدنوں کے کمرے میں آئے۔ تو مس مَیڈا نے تھوڑی دیر کے بعد ذکر چھیڑا۔

مَیڈا:۔ اب یہ بتاؤ کہ اس طرح بے تکے پن کے ساتھ کہاں کہاں گھوما کرو گے اور کس کس سے ملو گے اور حسن آرا کے پاس کب جاؤ گے روم میں نیک نامی حاصل کر کے واپس آئے ہو تو اب اقرار اور قول کے مطابق نکاح پڑھوا لو جھگڑا گیا۔ ادھر اُدھر بے وجہ دوڑ دھوپ کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بھی اپنے دل میں سوچتی ہوں گی کہ عجب قماش کے آدمی سے سابقہ پڑا۔

آزاد:۔ بس اب یہاں سے انشاءاللہ وہیں قیام ہو گا۔ اب اور کہیں نہ جاؤں گا۔ سیدھا حسن آرا کے مکان پر۔

مَیڈا:۔ اب ہمارے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔ ہم تو ہر طرح تابع احکام ہیں مگر بات وہ کرو جس میں سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے اور کوئی عمدہ نتیجہ نکلے۔

آزاد:۔ اس سے کیا مطلب۔ تمہارے لیے حکم کیا۔ تم دل و جان کے ساتھ ہو۔ تم دل تو وہ جان تو تم جان تو وہ دل۔ دونوں یکساں ہیں تو تمہارا اس قدر شکر گذار ہوں۔

اگر ہر موئے من گردد زبانے ز تو رانم بہر یک داستانے
نیارم گو ہر شکر تو سفتن سر موئے ز احسان تو گفتن

مَیڈا:۔ واہ۔ شکر گزاری کون بات ہے بھلا ہم نے جو کچھ آپ کے ساتھ رعایت کی ۔۔۔ وہ اپنے عشق کے سبب سے کی۔ اس میں آپ پر احسان یعنی چہ۔ ہاں اگر ہمارا مطلب متعلق نہ ہوتا تو اور بات تھی۔

آزاد:۔ بہیئت مجموعی ہم کو آپ کا شاکر ہونا پر ضرور ہے۔

میڈا:۔ میں آج بیٹھے بیٹھے سوچی۔ کہ ایک مرد کی اگر دو شادیاں ہوں تو وہ باہم مل جل کے رہ سکتی ہیں۔ یا نہیں۔ سوچتے سوچتے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ ایک معشوق اور دو عاشق کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ نہیں چاہتی کہ حسن آرا کی رقیب بنوں۔

آزاد:۔ (گھبرا کر) مس۔ کچھ خیر ہے۔ رقابت کیسی۔ وہ بہت شائستہ اور تربیت یافتہ لیڈی ہے اور تم بھی فضل خدا سے کوئی نادان نہیں ہو۔ پڑھی لکھی اور فہمیدہ ہو۔

میڈا:۔ ہمارا دل نہیں گواہی دیتا کہ ہم ان سے اچھی طرح مل سکیں لہٰذا ہم صاف صاف کہے دیتے ہیں کہ جو اقرار ہم میں تم میں ہوا تھا اس کو اب بھلا دو۔ اب اس کا مطلق خیال نہ کرو۔

آزاد:۔ (چہرہ زرد ہو گیا) مس کلیرسا۔ کچھ سنتے ہو اس تقریر پریشان سے میرے ہوش اُڑتے ہیں۔ یہ کہتی کیا ہیں۔

میڈا:۔ سنو آزاد میں ایمان سے کہتی ہوں اور تم اس کو باور کرو کہ مجھے تم سے مطلق ملال نہیں ہے۔ میں سچ کہتی ہوں یہ جو میں نے اپنا عزم بدلا یہ ملال کے سبب سے نہیں ہے اور تم خوب جانتے ہو کہ مجھ کو تم سے ملال کا کوئی سبب بھی نہیں۔

آزاد:۔ میں اس وقت کھویا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ تم کو اس وقت ہوا کیا ہے اور تم کیوں ایسی باتیں کرتی ہو۔

میڈا:۔ رفتہ رفتہ سب سمجھ جاؤ گے مجھے خبط نہیں ہوا ہے۔ آزاد میں سچ کہتی ہوں میں نے کچھ سمجھ کے اپنا خیال بدلا ہے ہاں اس میں ایک بات ہے تم شاید یہی سمجھے ہو گے اور اگر ایسا سمجھتے ہو تو تمہاری عقل پر استعجاب ہے شاید تمہیں یہ گمان ہو کہ میڈا اب کسی اور سے شادی کرنے والی ہے مگر یہ خیال خام اور محض اتہام ہے رہوں گی تمہارے ہی ساتھ مگر مثل بہن کے۔

آزاد:۔ او۔ دیکھو کیسی باتیں کرتی ہو اول جلول۔

میڈا:۔ سچ کہتی ہوں بھائی۔ اب میں تمہاری بہن ہوں تم زیادہ اصرار نہ کرو۔ ممکن نہیں کہ ایک میاں کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں کو مساوی سمجھے۔

آزاد:۔ اب اس وقت ہم تم سے اس بارہ میں گفتگو کریں گے۔ تمہاری بہکی ہوئی باتوں سے ہمیں خوف معلوم ہوتا ہے خدا جانے تم اس وقت ہو کہاں۔ کیوں مس کلیرسا ہے کہ نہیں۔

کلیرسا:۔ اصلیت یہ ہے کہ ایسے مجھ سے اس بارے میں بڑی دیر سے بات چیت بحث گفتگو ہو رہی ہے اور میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ تم سے مطلق ناراض یا ناخوش نہیں ہیں۔

آزاد :- اس سے تو مجھے تشفی نہیں ہوتی کہ یہ مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔

کلیبرسا :- پھر کس چیز سے تشفی ہوگی۔ ناراض ہوں تب۔

آزاد :- یہ جو کچھ اس وقت کہہ رہی ہیں وہ نہ کہیں بس۔

مئیڈا :- واہ اس میں تمہارا کیا ہرج ہے۔ مطلق نہیں۔

آزاد :- ہمارا سراسر ہرج ہے۔ ہمارا نہیں اور کس کا ہرج ہے۔

مئیڈا :- ہاں اگر یہ ہرج ہے کہ میں ایک نوعمر اور حور طلعت اور رعنا شمائل خاتون ہوں اگر میری شادی ہو تو تم لطف حاصل کرو اور زبان حال وقال سے یہ شعر پڑھو۔

اے صنم بند قبارا باز کن

شوق را افزاید از پہلوی تو

اگر وساوس شیطانی نے تم کو میری اس تقریر سے ناخوش کیا اور تم یہ سمجھے کہ لطف بوس وکنار جاتا ہے تو اس کا یہی جواب میرے پاس ہے اور وہ جواب یہ کہ حسن آرا بھی فضل خدا سے خوبصورت اور گل بدن ہیں اور ابھی نوخیز کل کی لڑکی۔ جیسی میں ویسی وہ۔

آزاد :- (ہاتھ میں ہاتھ دے کر) تم اس وقت کہاں ہو۔

میڈا :- (مسکرا کر) ہم اس وقت ہندوستان میں ہیں۔

آزاد :- اور یہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اس وقت تمہارے ہوش ٹھکانے ہیں۔ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دو۔ میں بے تکا جواب نہیں جانتا۔

میڈا :- ہمارے ہوش وحواس ہمیشہ ٹھکانے رہتے ہیں۔ ہمارے ہوش تو ٹھکانے ہیں مگر تم اپنی کہو۔ کہ تمہارے ہوش ٹھکانے ہیں یا نہیں۔ وہ ایسی کون سی بے ہوشی کی بات کی جس سے تم ہمیں بے ہوش سمجھے۔

آزاد :- تمہاری باتیں اس وقت ہمیں اُن لوگوں کی سی نہیں معلوم ہوتیں جن کا دماغ صحیح ہوتا ہے۔ خیر کسی ڈاکٹر کی خوشامد کرنی پڑے گی خدا ہی خیر کرے۔ مدت بعد پلٹا کھایا۔

مئیڈا :- اچھا ایک بات کا جواب دو ہمیں فقط ایک بات۔

آزاد :- (میڈا کی طرف سے مسکراتے ہوئے منہ پھیر کے)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے — کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

رشک پیغام ہے عناں کش دل — نامہ بر راہبر نہ ہو جائے

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں — زندگی پردہ در نہ ہو جائے

میرے تغییر رنگ کو مت دیکھ   تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک

وہ مری گور پر نہ ہو جائے

مئیڈا۔ ایں! اب انصاف سے کہو دماغ تمہارا صحیح نہیں ہے یا ہمارا۔

آزاد:۔ (پھر مسکرا کر منہ پھیر کے)

مومن ایمان قبول دل سے مجھے

وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

مئیڈا:۔ بہن کلیرسا۔ یہ ان کو ہوا کیا ہے (ہنستے ہوئے) سچ کہو ان کے دماغ میں خلل ہے یا ہمارے دماغ میں۔ منہ پھیر کے واہی تباہی بک رہے ہیں۔

کلیرسا:۔ (ہنس کر) اب وہ تم سے ناخوش ہو گئے ہیں بہن۔

مئیڈا:۔ اے واہ۔ بھلا بھائی بہن کی ناخوشی کیسی بھلا۔

آزاد:۔ (جھلا کر) کیا واہیات باتیں ہیں۔

مئیڈا:۔ بھائی خفا نہ ہو۔ میں چھوٹی بہن ہوں تمہاری۔

کلیرسا:۔ اچھی دل لگی ہو رہی ہے۔ دونوں اچھے ملے۔

آزاد:۔ ناحق ہمیں دق اور پریشان کرتی ہیں۔ توبہ۔

مئیڈا:۔ ہم اور تمہیں پریشان کریں۔ اپنے بڑے بھائی کو!!!

آزاد:۔ قسم کھا کے کہتی ہوں مجھے اس وقت تمہاری باتیں اس قدر بری معلوم ہوں۔ جس کا پایاں نہیں۔ از برائے خدا اس وقت یہ گفتگو ترک کرو۔

کلیرسا:۔ الجھن پیدا ہوتی ہوگی اور یہ مانتی نہیں۔

مئیڈا:۔ (مسکرا کر) کیا مانوں کیا۔ کچھ خیر ہے۔ اور سنو کہنے لگے مانتی نہیں۔ اچھا تمہیں بتاؤ بھائی ہو کے جس شخص کو بہن کی محبت نہ ہو اس کو لوگ کیا سمجھیں گے۔

کلیرسا:۔ ہم اس امر میں اپنی رائے نہ دیں گے۔ بہن۔

آزاد:۔ واسطے خدا کے ان کو سمجھاؤ صاحب۔ للہ سمجھاؤ۔

مئیڈا:۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کوئی مجھے سمجھائے گا۔ وہ کون سی بات ہے جو مجھے کوئی سمجھائے گا۔ میں ناسمجھ ہو گئی یا دودھ پیتی ہوں۔

آزاد:۔ یہ تو دودھ پینے کی بات نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کے دماغ کا کچھ ٹھیک ہے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ ابھی تک خاصی اچھی باتیں کر رہی تھیں۔

مئیڈا:۔ قہقہہ لگا کر۔ اور تھوڑی دیر میں مُنہ پھیر لیں گے۔

آزاد:۔ ہاں اگر ویسی ہی باتیں کرو گی تو خواہی نخواہی۔

مئیڈا:۔ اب آج ان سے رخصت ہو اور یہاں سے چلو۔

آزاد:۔ نا صاحب۔ جب تک ڈاکٹر نہ کہدیں گے کہ اب دماغ صحیح ہے۔ تب تک ہم ایک نہ مانیں گے کہیں آئیں گے نہ جائیں گے۔ بس۔

کلیرسا:۔ اب یہ باتیں تو حشر تک نہ ختم ہوں گی اور صاف یہ ہے کہ ہمیں الجھن ہوتی ہے بے سبب بیکار جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

آزاد:۔ پھر انہیں سے کہو جو بیٹھے بیٹھے فتنے اٹھاتی ہیں۔

مئیڈا:۔ وہ اور ہم دونوں اس بات میں متفق ہیں۔

آزاد:۔ اخاہ۔ میں اب سمجھا۔ یہ مس مئیڈا اس تقریر سے درپردہ ہمارا امتحان لیتی ہیں کہ دیکھوں آزاد کو حسن آرا ہی سے محبت ہے یا مجھ سے بھی کچھ الفت ہے۔

مئیڈا:۔ خوب سمجھے۔ اب البتہ آپ نے لم دریافت کر لی۔

آزاد:۔ جو مجھے پہلے سے معلوم ہوتو میں بھی چکما چلوں۔ میں رکھائی کرتا اور کہتا ہاں پھر تو سچ ہے کہ جو محبت ایک بیوی سے ہوگی وہی دوسری بیوی سے بھی ضرور ہو یہ امر محال ہے۔

مئیڈا:۔ بہت چوکے۔ اب یاد آیا تو کیا بہت ہی چوکے۔

آزاد:۔ مس مئیڈا تمہاری رائے صحیح ہے۔ واقعی دو دو بیویوں میں پھر وہ لطف نہیں رہتا ہے جو سب سے زیادہ مطبوع طبع ہوگی اُسی کو میاں پیار بھی زیادہ کرے گا۔

مئیڈا:۔ نہیں صاحب ہم یہ نہ مانیں گے۔ انسان کو کون سی آنکھ پیاری ہوتی ہے۔ دونوں۔ اگر کوئی کسی سے پوچھے کہ تمہاری داہنی آنکھ پھوٹے یا بائیں۔ تو کیا جواب دو گے۔ وہ یہی کہے گا کہ پھوٹے تمہاری اور ہماری دونوں برقرار رہیں۔ یہی کہے گا یا کچھ اور کہے گا۔ بس۔

آزاد اور مس مئیڈا میں دیر تک نوک جھونک کی باتیں ہوا کیں۔ کلیرسا دونوں کے لطیفوں کے داد دیتی جاتی تھی۔ اتنے میں صاحب ضلع کی میم صاحب نے ان دونوں معشوقانِ رعنا کو بلایا۔ تنہائی میں آزاد غور کرنے لگے کہ یا خدا مئیڈا نے آج یہ کیسی بے تکی بات کی کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ مئیڈا اور اس قسم کی

باتیں کریں سخت حیرت کا مقام ہے۔ پہلے شک ہوا کہ کسی نے بہکایا ہوگا۔ پھر سوچے کہ یہاں ملنے کا کس سے اتفاق ہوتا ہے جو کوئی بہکانے پاتا۔

الغرض بہت غلطاں پیچاں رہے اور جب مختلف اقسام کے خیالات سے دل گھبرایا تو جی بہلانے کے لیے اشعار پڑھنے شروع کیے۔

کیوں ہے یہ خونابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لئے بیخودی غفلت شعاری آپ کی

کیوں رم جانانہ کی بدلی ہے ازخود رفتگی
کس لئے شوخی ہوئی ہے بے قراری آپ کی

منتقل سازدم ناہید نغمہ کیا ہوا
کیوں گذرتی ہے فلک سے آہ وزاری آپ کی

آشنائی ہوگئی بے گانگی جاتی رہی
ہوگئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

بوئے گل کو سونگھ کر کس کی یہ بو آئی ہے یاد
خاک اُڑانے کیوں لگی بادِ بہاری آپ کی

عشق مہ رو ہیں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
چوں کتان شب بر قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی

مجھ کو حیران دیکھ کر حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی تو پاس ہے امیدواری آپ کی

کلیرسا:۔ (باہر سے آن کر) کس زبان کے شعر ہیں۔ اُردو۔

آزاد:۔ ہاں۔ مگر یہ نہیں کیوں کر معلوم ہوگیا کہ شعر ہیں یہ۔

کلیرسا:۔ اب کیا اس قدر بھی نہیں معلوم ہو سکتا ہے۔

میڈا:۔ ان شعروں کا مطلب کیا ہے۔ فرانسیسی میں ترجمہ کرو۔

آزاد نے ان اشعار کا ترجمہ کیا تو اِن دونوں شاہدانِ حور پیکر کو بڑی ہنسی آئی۔ میڈا نے ادائے معشوقانہ سے کہا اے واہ کیا شادی ہے۔ مطلب نہ معنے ایک مصرعے کو دوسرے مصرعے سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔ اردو کی شاعری بس ایسی ہی ہوتی ہے۔ فارسی میں تو اچھے اچھے خیالات ظاہر کیے جاتے ہیں۔ مس کلیرسا نے بھی ان کی تائید کی۔ میڈا اور کلیرسا نے دل میں ٹھان لی کہ تمام عمر ہندوستان ہی میں بسر کریں۔ اردو زبان سیکھ کر اس ملک کی شریف زادیوں کو عمدہ عمدہ باتیں سکھائیں۔ شام کو آزاد پاشا اُن دونوں پریوں کو ساتھ لے کر سواری ریل یہاں سے روانہ ہوئے۔

میاں آزاد داخل شہر معشوقہ پریزاد ہوئے

آزاد فرخ نہاد مع اُن دونوں مہوشان پری زاد کے اس شہر مینو سواد رشک بہشت شداد میں شام کے

وقت داخل ہوئے۔ جہاں شاہد نازک بدن سیم تن گلگوں قبا حسن آرا بیگم کا پری خانہ عشرت کاشانہ تھا۔ معشوقہ شگفتہ رو کلیرسا اور ناظورہ مشکیں بو مس مئیڈا کو لے کر ہوٹل میں فروکش ہوئے۔ وہ شب اُن کے نزدیک حیرت شب قدر اور رشک لیلۃ البدر تھی۔

رخشندہ شبی و ماہ شب خیز — پیمانہ مہ ز نور لبریز

در راہ برچو دو بینا ل — در پردہ دری چو مہ جبیناں

از خوش طرب زمانہ سیراب — پالغز نظر زمیں ز مہتاب

مہ گشتہ بصد فروغ جاوید — آئینہ نمائے رومی خورشید

فرخندہ دمے خجستہ حالے

در طبع زمانہ اعتدالے

بات بات پر آزاد کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ مسرت دل کی کیفیت کے اظہار میں زبان قلم لال ہے۔ نشاط و انبساط کی گرمی بازار کا بیان محال ہے۔ دماغ کنگرۂ عرش پر تھا۔ اللہ اللہ آج خدا نے وہ دن دکھایا کہ بعد قطع منازل منزل مقصود پر پہونچے ہند سے اقصائے روس اور مرز بوم سے روم سے مع الخیر ہندوستان واپس آئے۔ موت کے بعد جناب باری نے شاہد آرزو کی صورت دکھائی اور منہ مانگی مراد پائی۔ کجا روم کجا ہندوستان، کجا رن کی زمین اور جنگ کا میدان، کجا حسن آرا کا صنم خانہ تازہ کن مشام جان سرور بخش روح رواں اور ان بتان سیمیں ساق یگانۂ آفاق کی میٹھی میٹھی باتیں اور دل ربائی کی خداداد گھاتیں سمند طرب پر مہمیز کا کام کرتی تھیں دونوں سیماب طبع خاتونیں ان کی سچی محبت کا دم بھرتی تھیں۔ کلیرسا کے گیسوے غالیہ بار سے نسرین و نسترن کی خوشبو آتی تھی۔ تو مئیڈا کی زلف عنبر بیز سوری و سمن کو شرماتی تھی یہ سرمست خوبی محو ناز۔ وہ نرگسی چشم سراپا انداز یہ گل رُخ سیمبر وہ غنچہ دہن حور پیکر۔

خونیں نگہاں کرشمہ کوشاں — ہم خنجر و ہم نمک فروشاں

دل درد پری وشان سرمست — در کاوش سینہ ہا سبک دست

ان دونوں نے وفور بہجت سے آزاد کو چھیڑنا شروع کیا

کلیرسا۔ آج بھلا آزاد پاشا کے دماغ کاہے کو ملیں گے۔ آج تو فلک الافلاک پر دماغ ہوں گے۔ اور کیوں نہ ہو ایک بت مہ جبین ناز آفریں بلائے جان عاشق حزیں سے ہم آغوش ہونے کی امید ہے۔

مئیڈا۔ دیکھتی نہیں ہو بہن کیسی باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ بات کی نہیں اور باچھیں کھل گئیں۔ اور بات بھی ایسی ہی ہے ایسا یوسف لقا گلگوں قبا جوانِ رعنا کبھی ایسی ویسی کو پیار نہ کرے گا۔ جو دوشیزہ عربدہ جو

کروڑ دو کروڑ میں انتخاب ہو اور جس کا حسن لاجواب ہو اُن کا چاہنے والا بھی ایسا ہی شیر مرد جوان خوبرو ہونا چاہیے حسن آرا کے حسن گلو سوز و نور عالم افروز کی ادنیٰ تعریف ہے کہ ان سے صنم فریب نوجوان اُن پر اس قدر ریجھے کہ جاں بکف معرکۂ دار و گیر میں گئے۔

کلیر سا:۔ اس میں تو شک نہیں بہن۔ کروروں میں فرد ہوگی۔

از باغ رخش بہار خارے ہر برگ گلشن چمن نثارے

بت خانہ ہند چشم مستش ہندی صنماں صنم پرستش

میڈا:۔ اس وقت مارے خوشی کے بات کرنا بھی ان کو دو بھر ہے۔ بس یہی جی چاہتا ہوگا کہ اسی دم اُس پری چھم کو زیب آغوش کریں اور یہ شوق و انتظار اور بھی ستم ڈھاتا ہے اور آتش عشق کو بھڑکاتا ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک

آتشِ شوق تیز تر گردد

آزاد:۔ عجب ضغطے میں جان ہے۔ آخر یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ اس وقت کمال مسرت ہے۔ بولوں تو ہنسا جاؤں نہ بولوں تو آوازے کسے جائیں۔

کلیر سا:۔ آپ کہیے گا کیا۔ اس میں کچھ جھوٹ بھی ہے کہ آج جو خوشی تمہیں ہے۔ دنیا میں کسی کو کم ہوگی۔ جس معشوق کی خاطر سے خدائی بھر کی خاک چھانی۔ اتنی سختیاں جھیلیں جان کو ہتھیلی پر رکھ کر ہنگامۂ رستخیز میں گئے آگ میں پھاند پڑے اب اُس کے وصل کے مزے لوٹنے کا وقت آیا۔

میڈا:۔ ہم تو ان کے حسن روز افزوں کے تب اور بھی قائل ہو گئے جب پولینڈ کی گل رخسار کی شہزادی نے ان سے بلجاجت و سماجت شادی کی درخواست کی اور طرہ یہ کہ اپنے زعم میں نکاح پڑھوا لیا۔ مگر انھوں نے وہاں عرصے تک قیام نہ کیا۔ ایفائے وعدہ کا خیال ہو تو اتنا ہو۔

آزاد:۔ قول مرداں جاں دارد۔ وہ انسان کیا جس کو اپنے قول کا خیال اور آزادوں کو سب سے زیادہ ایفائے وعدہ کا خیال رہتا ہے۔ دنیا میں ان کے نزدیک اس سے زیادہ پابندی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ کسی شاعر نے آزادوں کی تعریف میں کہا ہے۔

ہم آزادوں کے دل کو شوق آسائش پسندی ہو

وہاں کچھ دیر تک ٹھہرے جہاں ٹھنڈی ہوا پائی

مگر ہماری آزادی اس کی مقتضی نہیں کہ آرام طلب اور آسائش پسند ہوں یوں تو ہر ایک شخص آزاد بن کر کاہلی کا پتلا ہو سکتا ہے۔ مل گیا تو کھا لیا نہ ملا تو آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ مگر اس وقت

مس مئیڈا کی کل کی باتوں نے ہمارا مزہ کرکرا کر دیا۔

مئیڈا:۔ اے ہے وہ کون سی باتیں ہیں بہن جن سے ان کا مزہ کرکرا ہوگیا ہم تو سنیں۔ ابھی کیا ہے ابھی دیکھیے کیسے کیسے رنگ بدلتے ہیں۔

آزاد:۔ آپ ہی ظلم کرو۔ اور آپ ہی شکایت کرو اُمید دے کے مایوس کرنا کیا معنی۔ یا تو امید ہی نہ دی ہوتی یا اب جو کہا ہے وہ پورا کرو اور خدا گواہ ہے کہ تمہارا خیالِ محض غلط ہے اور بالکل خلاف اصلیت۔ تم خود ہی انصاف کرو کہ جس شخص کو یہ امید ہو کہ تمہاری سی خاتون جادو جمال ہاتھ آئے گی۔ اس سے تم بے اعتنائی کی باتیں کرو تو اس کے دل کا کیا حال ہوگا۔ اس نزاکت و طلعت اور اس قدو قامت نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے۔

تیرے قدموں پہ کیوں نہ قیس گرے   نقش یار رشک روئے لیلےٰ ہے

آنکھیں نرگس ہیں رُخ ہے گل قد سرو   تو تو اے گل چمن سراپا ہے

مئیڈا:۔ اب ان باتوں کو تو جانے دو ان سے بجز رنج کے اور کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ خاک! تم دل میں سوچو تو کہ ابھی کل کی بات ہے ہمارے منانے پر تم روٹھے جاتے تھے قید بھگتی مگر شادی کا اقرار نہ کیا۔ نہ کیا اور تمہاری رائے بہت صحیح تھی۔ جب حسن آرا سے اقرار کر کے آئے تو مجھ پر اثنائے راہ میں کسی اور محبوب سے دل لگانا اُن کے دل کو دکھانا ہے۔ اور ان کو دیدہ و دانستہ رنج پہونچانا ہے۔ مگر ہم تو بتانِ ہندی ہی کو ظالم اور جفا جو سمجھتے تھے تم اُن سے بھی بڑھ گئیں۔

اتنی تو جفائیں کر نہ او بت

آخر میں بندۂ خدا ہوں

ہم تو سمجھے تھے کہ تم دلدار ہو تمہارے سبب سے زندگی لطف کے ساتھ بسر ہوگی۔ مگر تم تو ظالم اور سفاک نکلیں جس سے امید کرم ہو وہی بر سرِ عتاب ہے۔

کہتا ہے مسیح جن کو جاں بخش

ان ہونٹھوں نے آہ ہم کو مارا

کلیرسا:۔ کیوں آزاد پاشا اِس ملک میں بھی عورتیں بمبئی کی طرح پردہ کرتی ہیں یا باہر نکل سکتی ہیں۔

آزاد:۔ اے توبہ۔ یہاں بھی پردے کی رسم ہے۔ حسن آرا بیگم لڑکپن میں دلھن کی طرف رہی تھیں ان کے ہاں پردے کا خیال کم تھا مگر اب وہاں بھی یہاں ہی کی سی کیفیت ہے ہر ملکے و ہر رسمے۔

یہ باتیں ہوتی تھیں کہ ہوٹل کے ایک ملازم نے آزاد پاشا کو ایک کارڈ دیا۔ جس پر رابرٹ بلیٹیس کا نام چھپا ہوا تھا آزاد کمرے کے باہر آئے تو دیکھا کہ ایک جوان لیڈی اور ایک نوعمر جنٹلمین ٹہل رہے ہیں۔

جنٹلمین نے فوراً مصافحہ کیا اور میم صاحب نے بھی بڑھ کر ہاتھ ملایا اور آزاد ان دونوں کو لے کر کمرے میں آئے تو مس کلیرسا اور مس میڈا سے بھی مصافحہ ہوا۔ جنٹلمین کرسی پر بیٹھتے ہی یوں ہم کلام ہوئے۔

جنٹلمین :۔ (آزاد کی طرف مخاطب ہو کر) آپ آزاد پاشا ہیں۔ (اور کلیرسا کی طرف اشارہ کر کے) یہ لیڈی پولینڈ کی ہیں۔ چوکا۔ مس کلیرسا ہیں۔ اور (میڈا کی طرف خطاب کر کے) آپ مس میڈا ہیں۔ کوہ قاف کی رہنے والی۔

راوی :۔ سب دنگ کہ یا خدا کہ اس اجنبی آدمی کو جس کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا یہ کیوں کر معلوم ہو گیا اور اس نے ہم سب کا نام کس طرح بتا دیا۔

آزاد :۔ بیشک آپ کی رائے صحیح ہے مگر میں متحیر ہوا کہ آپ کو اس کا علم کیوں کر ہوا۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی پیشتر آپ سے مجھ سے ملاقات ہوئی ہو اور یہ دونوں لیڈیاں تو کبھی اس ملک میں آئی بھی نہیں۔ پھر آپ نے اس قدر صحت کے ساتھ کیوں کر نام بتا دیے۔

جنٹلمین :۔ مسٹر آزاد۔ تم وہ آدمی نہیں ہو کہ کوئی تربیت یافتہ تم کو دور سے دیکھے اور پہچان نہ لے کہ یہ وہی سپہ سالار ہے جس نے روم اور اُس کی جنگ عظیم میں کار نمایاں کیے اور مورچے پر غنیم کے چھکے چھڑا دیے تھے مس کلیرسا کے نام سے کون واقف نہیں ہے انھوں نے تم سے خانہ جنگی کی تھی۔ گو میدان کارزار میں تمہارے ان کے درمیان تلوار چلی مگر وہ ایک قسم کی خانہ جنگی ہی تھی اور مس میڈا کو کون نہیں جانتا وہ کون پڑھا لکھا آدمی ہے جس نے آزاد کی تصویر مختلف اخباروں میں نہیں دیکھی۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو آزاد کو نہ جانتا ہو جنگ کے دنوں میں دن رات آزاد ہی کا نام وردِ زبان تھا۔ ہندو مسلمان یورپین سب دست بدعا تھے کہ خدا کرے آزاد پاشا کامیاب و سرخ رو ہوں۔ مس کلیرسا اور میڈا کی نسبت خبر گرم تھی کہ آزاد پاشا کے ہمراہ آتی ہیں۔ اور میں نے یہاں دو ہی لیڈیاں دیکھیں۔ مس کلیرسا کی صورت اور وضع قطع سے سمجھ گیا کہ روس کی لیڈی جنھوں نے اس جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا تھا یہی ہوں گی۔ اور مس میڈا کے شمائل اور وضع سے بخوبی یقین ہو گیا کہ یہ کوہ قاف کی رہنے والی ہیں اور مس میڈا انھیں کا نام ہے (اپنی بیوی کی طرف اشارا کر کے) ان کو بھی کمال اشتیاق تھا کہ آزاد پاشا اور ان دونوں مسوں کو دیکھیں۔

میم :۔ اور آپ اس امر کے سننے سے خوش ہوں گے کہ میں حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا بیگم سے خوب ہوں اور ان کے ہاں میری آمد و رفت بھی ہے۔

آزاد :۔ (نہایت خوش ہو کر) ہاں۔ مجھے اس وقت بیشک کمال مسرت ہوئی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ حسن آرا کیسی تیز طبیعت اور شایستہ نواب زادی ہیں۔ اس ملک میں شاید ہی کوئی ہو میں واقعی اس وقت بہت

محظوظ ہوا کہ آپ سے اُن سے جان پہچان اور ربط ضبط ہے۔

میم :۔ مسٹر آزاد پاشا ہم ٹھیک کہتے ہیں کہ ہم نے یہاں کی بیگموں میں ایسی پڑھی لکھی فہمیدہ اور سنجیدہ کوئی نہیں دیکھی۔ اور اکثر امور میں ان کی باتیں اور بیگموں کی باتوں سے مختلف ہیں میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ بہن تم بڑی خوش نصیب ہو کہ آزاد سے تمہارا عقد ہونے والا ہے اور وہ خود اس رائے سے اتفاق کرتی اور اپنے کو بڑا خوش نصیب سمجھتی ہیں۔

آزاد :۔ آپ کی قدر دانی اور اُن کی مہربانی ہے۔

میم :۔ کُل اخبار جو ہم کو مل سکے ہم نے ان کو سُنائے اور روز آپ کا ذکر رہتا ہے اور اُن کا گھر بھر آپ سے خوش اور آپ کا منتظر ہے۔

میم صاحب نے تھوڑی دیر گفتگو کر کے منیڈا سے کہا ہم نے سُنا تھا کہ حسن آرا کے ساتھ نکاح ہو کر پھر آزاد پاشا کی اور آپ کی بھی شادی ہو گی۔

منیڈا :۔ شرما کر۔ جی نہیں (گردن نیو ہڑا کر) غلط ہے۔

میم :۔ ہم نے کئی اخباروں میں پڑھا اور گریفک اخبار لندن میں آپ کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ ہم نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ مس منیڈا ہیں۔

جنٹلمین :۔ ان سب کی تصویریں نظروں کے روبرو تھیں۔

آزاد :۔ جی ہاں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔ مگر۔

میم :۔ او۔ آپ بیشک اس قابل ہیں۔ آپ اس قابل ہیں کہ شعرا آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہوں اور نثار آپ کی تعریف کے پل باندھ دیں۔

آزاد :۔ میں نے اپنا فرض ادا کیا اور جو شخص اپنا فرض ادا کرتا ہے وہ تعریف کا چنداں مستحق نہیں۔ کیونکہ وہ تو اُس کا فرض ہی تھا اُس نے کر دیا۔

جنٹلمین :۔ بھائی صاحب فیصدی ایسے کتنے آدمی ہیں جو فرض ادا کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں اور فرض واجب ادا کرتے ہیں۔

میم :۔ جو شخص اپنا فرض ادا کرے وہ بیشک بڑی تعریف کا مستحق ہے آپ نے وہ کارنمایاں کیا کہ تاریخ میں عزت کے ساتھ یادگار رہے گا۔ اور مورخ مدت العمر تک آپ کا نام اعزاز کے ساتھ زبان پر لائیں گے۔

کلیرسا :۔ آپ روم و روس کے جنگ کے وقت کہاں تھیں۔

میم :۔ ہم دونوں اسی ملک میں تھے اور آزاد پاشا کے حالات بہت غور سے پڑھا کرتے تھے۔

حسن آرا بیگم کے ہاں میں اکثر جاتی ہوں اور جب جاتی ہوں تب آزاد پاشا کا ذکر خیر ضرور ہوتا ہے۔ جس دن حسن آرا کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ آزاد پاشا ایک جزیرے میں گرفتار ہو گئے تھے اور بڑی جرأت اور دقت تمام کے بعد وہاں سے چلے تو دریا کی طغیانی اور برق و باراں وغیرہ آفات آسمانی نے ان کو سخت پریشان کر دیا تو رونے لگیں اور گو میں نے بہت سمجھایا مگر ان کے دل کا عجب حال تھا۔

آزاد:۔ خدا نے وہ سب مصیبتیں دور کر دیں۔

غم مموز حافظہ بہ سختی روز و شب

عاقبت روزے بیابی کام را

اس شعر نے ہم کو ڈھارس دی اور آخر الامر خدا نے یہ دن دکھایا کہ یہاں تک عزت اور نام اور خیریت کے ساتھ پہونچ گئے آیندہ جو کچھ ہو۔

میم:۔ میں کل صبح کو ضرور حسن آرا بیگم سے ملوں گی۔

آزاد:۔ ضرور بالضرور ملیے اور کہیے کہ آپ کا جانثار اب شہر رشک ذخار میں مع الخیر داخل ہوا ہے خوشی کے شادیانے بجائیے۔

میم:۔ بیشک کہوں گی۔ سنتے ہی فرط طرب سے آنسو جاری ہو جائیں گے اُن کو آپ سے عشق صادق ہے دل و جان سے آپ پر نثار ہیں۔

آزاد:۔ اس میں کیا شک بھی ہو سکتا ہے اور یہ محبت طرفین سے ہے جس قدر ہم کو ان سے عشق ہے اُسی قدر اُن کو ہم سے عشق ہے۔

جنٹلمین:۔ ہم جانتے ہیں انھیں اسی وقت اطلاع دینی چاہیے۔

آزاد پاشا نے اپنے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس میم سے ملاقات ہوئی اور چونکہ ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حسن آرا سے اُن سے نپاک ہے لہذا اور بھی مسرور تھے۔ خصوصاً اس خیال نے ان کے دل کو کمال فرحت بخشی تھی کہ یہ میم صاحب آزاد کی کارروائیوں اور جرأت کے کارناموں سے بخوبی واقف تھیں اور آزاد کو اچھا سمجھتی تھیں۔

کلیرسا:۔ آپ نے فرانسیسی زبان کیوں کر سیکھی۔

میم:۔ میں فرانس ہی میں پیدا ہوئی اور وہاں ہی میں نے تعلیم پائی چودہ سال کے سن تک میں فرانس ہی میں رہی پھر دو برس اس ملک میں رہی پھر ایک سال کے لیے انگلستان گئی۔ مگر علالت کی وجہ سے چار سال تک قیام رہا۔ پھر ایک سال فرانس میں رہی۔

کلیرسا:۔ جب ہی آپ اس قدر صاف فرانسیسی بول لیتی ہیں۔
میڈا:۔ ہم لوگوں نے گو تعلیم پائی تھی مگر خاص فرانس میں نہیں۔
کلیرسا:۔ ہاں اور کیا حرف اسی لیے یہ زبان سیکھی کہ تعلیم خام نہ رہ جائے اور آپ تو خاص فرانس ہی میں رہی تھیں۔
آزاد:۔ (جنٹلمین سے) آپ نے تو انگلستان میں یہ زبان حاصل کی ہو گی۔
جنٹلمین:۔ جی ہاں۔ مگر میں بھی کئی سال تک فرانس میں رہا ہوں۔
میم:۔ (کلیرسا، آپ روسی زبان میں کچھ گائیے تو ہم کو لطف حاصل ہو۔
جنٹلمین:۔ بہت فرق نہیں ہے۔ کچھ یوں ہی سا فرق ہے۔
کلیرسا:۔ ہم نے انگلستان کی کئی لیڈیوں اور جنٹلمینوں کی زبانی سنا ہے بیشک کم فرق ہے۔

اتنے میں میاں آزاد نے دونوں مہمانوں سے کہا کہ اگر مضائقہ نہ ہو تو اس وقت ہمارے ہی ساتھ ماحضر تناول فرمائیے۔

میم:۔ بہت خوشی سے۔ ہم کو ذرا عذر نہیں ہے۔
صاحب:۔ ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ اس وقت آزاد پاشا اور مس کلیرسا اور مس میڈا کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔
آزاد:۔ یہی ہم کو بھی کہنا چاہیے۔ مضمون واحد ہے۔
میم:۔ ہم سچ کہتے ہیں آزاد پاشا واقعی ہم کو اس شرکت سے بڑی مسرت حاصل ہو گی کیونکہ برسوں سے آپ کا نام سنتے آئے ہیں۔
کلیرسا:۔ ہم آپ کی تندرستی کا جام شامپین پئیں گے۔
میم:۔ (بہت خوش ہو کر) علیٰ ہذا القیاس۔

اس کے بعد ہوٹل کے ملازمان سلیقہ شعار نے متصل کے کمرے میں میز پر نہایت قرینے اور خوشنمائی سے پلیٹیں چنیں، گلاس اور لسٹلر لگائے جا بجا چند بوتلیں رکھیں۔ گلدستوں سے میز کو آراستہ کیا۔ لمپ روشن کیے اور آزاد پاشا کو اطلاع دی کہ حضور سب سامان لیس ہے آزاد ان سب کو لے کر کھانے کے کمرے میں گئے اور فرط طرب سے اس قدر خوش ہوئے کہ حد و پایان نہیں۔ اس وقت وہ سوچتے تھے کہ معشوقہ پری تمثال کے شہر میں بعد طے منازل و صعوبت سفر وارد ہوا اور اس خاتون صافی مذاق کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں جو ناظورۂ زہرہ جبیں حسن آرا بیگم سے خوب واقف ہیں اور

جو حسن آرا کو ہماری کارگزاری اور نبرد آزمائی کے مضامین بصد فرحت پڑھ کر سناتی تھیں۔ تو جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے اور دل میں سوچتے تھے کہ آج منہ مانگی مراد پائی اب ایام فرقت دور اور روز وصل قریب ہے۔

شد وعدۂ نو بہار نزدیک   شد نخل بہ برگ و بار نزدیک
دریافت کہ محنتش سر آمد   اقبال و گرز در در آمد
شد عیش ابد بہ غم نور واں   شد قرعہ بکام عیش گرداں
گردوں امید گرم تر کرد
صد اختر شوق در گذر کرد

کھانے کے وقت باہم لطف و طرب کی باتیں ہونے لگیں

میم :۔ آزاد پاشا کے سبب سے حسن آرا بیگم کا بھی نام ہو گیا۔

دیوانۂ حسن او بہر کوے   افسانہ عشق او بہر سوے
در آرزویش نشستہ شاہاں   جاں برکف دست و وصل خواہاں

آزاد :۔ انھیں کے سبب سے ہم نے نام حاصل کیا ہے۔

کلیرسا :۔ اس میں تو شک نہیں مگر تم نے اپنی جان کو بھی تو کچھ نہیں سمجھا جب جا کے اس قدر نام حاصل کیا۔

مئیڈا :۔ انھوں نے وہ کام کیا جو کسی اور سے کم ہوگا۔

میم :۔ پھر اس کا صلہ بھی تو پایا جہاں جاتے ہیں۔ قدر و منزلت ہوتی ہے ہندوستان میں کون ہے جو ان کو نہیں جانتا۔

جنٹلمین :۔ اور آج پر کیا فرض ہے برسوں تک ان کا نام نیکی کے ساتھ یادگار رہے گا۔ روم اور روس اور جرمن اور انگلستان اور ہندوستان اور امریکہ ساری خدائی میں آزاد پاشا مشہور ہیں۔

آزاد :۔ یہ خدا کی دین ہے ورنہ میں ایک ذرۂ بے مقدار کیا کر سکتا تھا۔ لاحول ولا قوۃ۔ میرے امکان میں کیا تھا عشق کا مزہ یہی ہے کہ پہلے مصیبت و پریشانی پھر کامرانی و شادمانی ہو۔

عشق برخوردار سے چاہوں کہ پھل ہووے نصیب
پہلے آہ و اشک سے نخل و ثمر پیدا کروں

اور یوں تو اس عشق کے جھگڑوں میں ایں جانب مدت سے پڑے ہیں کچھ آج پہلا ہی دن یا روم کا جانا پہلی ہی منزل نہ تھی۔

آج کل سے ہے نہیں ملکِ جنوں زیر نگیں
اس قلم رو میں ہے مدت سے اجارہ اپنا

جنٹلمین :- کل میم صاحب آپ کا ذکر خیر کریں گی اور ہم کھانا کھانے کے بعد اسی وقت لکھنے بیٹھتے ہیں کہ آزاد پاشا داخل ہو گئے۔

آزاد :- آپ کی نوازش۔ آپ کی مہربانی۔ ابھی تک یقین نہیں آتا کہ کسی روز حسن آرا سے وصل بھی ہو گا۔ کبھی کبھی تو جی خوش ہوتا ہے کہ خدا نے چاہا تو اب وصل کے دن قریب ہیں مگر چونکہ مدتوں سے ناکامی ہی نصیب ہوئی ہے لہذا طبیعت گھڑی گھڑی پلٹا کھاتی ہے۔

گفتگو کرتے ہیں وصل یار کی
پھر یہ کہتے ہیں کہ کیا گاتے ہیں ہم

الغرض جب تک دیدار یار سے مسرور نہ ہوں تب تک بے قراری کی حد نہیں۔

میم :- کیوں مسٹر آزاد آپ حسن آرا بیگم کو کیسے جانتے ہیں۔

آزاد :- بس ملاقات ہونے کے چند ہی روز بعد روم گیا۔

میم :- ہاں۔ حسن آرا ہم سے کہتی تھیں کہ نئے طرز کی شادی ہو گی۔

آزاد :- بہت صحیح کہتی تھیں۔ کیا ہمیں شک بھی ہے۔

میم :- اس کے کیا معنی۔ کیا عام قاعدہ کچھ اور ہے۔

آزاد :- عام قاعدہ یہ ہے کہ میاں بیوی کی صورت نہ دیکھے اور بیوی نے میاں کی شکل نہ دیکھی ہو۔

میم :- اے یہ تو ہندوؤں کے ہاں کا قاعدہ ہے۔

آزاد :- جی نہیں میم صاحب ہندو مسلمان سب کا قاعدہ ہے۔

جنٹلمین :- آپ لوگ کس طرح منظور کر لیتا ہے کہ میاں نے بیوی کو نہیں دیکھا۔ بیوی میاں سے نہیں واقف اور شادی ہو گئی۔

آزاد :- یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ کنواری لڑکی کو کوئی نامحرم دیکھ لے۔ خصوصاً شرفا میں جہاں پردہ ضروری ہے۔ اور یہ آزادی کہاں کہ مرد اور عورت باہم بولتے چالتے باتیں کرتے ہیں۔ یہ ان کی خو بو سے واقف وہ ان کی چال ڈھال پر آگاہ ہو جائیں۔ یہ کہاں۔

جنٹلمین :- اور جو لڑکی کو پسند نہ ہو تو بھی شادی ہو جائے۔

آزاد :- اہلِ اسلام میں ایجاب و قبول کی رسم جاری ہے۔ دلھن سے دریافت کر لیتے ہیں مگر یہ دریافت کرنا

صرف برائے نام ہے۔ کوئی دلھن ایسی بے شرم نہیں جو انکار کرے۔ کیا مجال اور ہندو کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ سنسکرت میں دولھا دلھن دونوں کو کہنا پڑتا ہے کہ آج سے ہم میاں بیوی ہوئے اور ہمارے یہ یہ فرائض ہیں مگر چوں کہ اس زبان سے دونوں واقف نہیں لہٰذا کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا بیان ہو رہا ہے۔

جنٹلمین :۔ (ہنس کر) یہ تو ایک کھیل ہے صاحب۔

میم :۔ آپ تربیت یافتہ لوگ ان باتوں کو کیوں روا رکھتے ہیں۔

کلیبرسا :۔ ہمیں بھی سخت حیرت ہے۔ مگر ہر ملکے و ہر رسمے۔

میم :۔ ایسی رسم بھی کیا۔ آپ لوگوں کو اس کی پابندی نہ کرنی چاہیے۔ یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو پرانے فیشن کے ہیں۔

جنٹلمین :۔ (میم سے) اسی وقت ایک خط لکھ کر بھیجدو۔

میم :۔ ابھی کھانے سے فراغت ہوئی اور خط لکھا۔

آزاد :۔ انگریزی میں لکھیے گا تو وہ پڑھ نہیں سکیں گی۔

میم :۔ واہ آپ دو برس کے بعد آئے اور ہم کو سکھلانے لگے انگریزی نہیں رومن سہی۔ انگریزی حروف ہوں گے اور اردو عبارت۔

آزاد :۔ (خوش ہو کر) ہاں۔ تو اب ترقی کی ہے۔

میم :۔ روز بروز ترقی کرتی جائیں گی۔ اس میں مطلق شک نہیں۔

آزاد :۔ خدا ہمچنیں کند۔ ازیں چہ بہتر۔ اس سے کیا بہتر ہے۔

میم :۔ اس وقت تمہیں ہر در و دیوار سے وہی نظر آتی ہوں گی۔

آزاد :۔ اس وقت! اس وقت کیا معنی ہر وقت۔

یہ اک تیرا جلوہ صنم چار سو ہے — نظر جس طرف کیجیے تو ہی تو ہے
یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے — کہ دستِ دعا آج دستِ سبو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بُو ہے
مری اس اسیری کے صدقے رہائی — ترا حلقۂ زلف طوق گلو ہے
نہ ہوگا کوئی مجھ سا محوِ تصور — جسے دیکھتا ہوں سمجھتا ہوں تو ہے
کبھی رُخ کی باتیں کبھی گیسوؤں کی — سحر سے یہی شام تک گفتگو ہے
ملا دے لب جام کو لب سے ساقی — چمن ہے ہوا سرد ہے آب جو ہے

نہیں ہے سوا تیرے کچھ مطلب دل
تمنا تری ہے تری آرزو ہے

میم :- ہم کو معاف کیجیے گا مس مئیڈا۔ ہم نے آپ سے واہیات سوال کیا تھا۔ جس کا ہم کو افسوس ہے اب ہم ایسا بھونڈا سوال نہ کریں گے۔

جنٹلمین :- ہاں صحیح ہے۔ مگر ہم نے کئی اخباروں میں پڑھا تھا۔

مئیڈا :- بالکل غلط ہے۔ اس کی ذرا اصلیت نہیں۔

جنٹلمین :- کیوں مسٹر آزاد آپ سچ سچ بتائیے۔

راوی :- گومگو کا معاملہ تھا آزاد نے یوں کہا۔

آزاد :- جناب۔ یہ معاملہ۔ (پانی پینے لگے)

میم :- (بات ٹالنے کے لیے) پلونا میں بڑا کام کیا۔

آزاد :- وہ سب حسن آرا بیگم کے حکم کی تعمیل تھی۔

میم :- یہ بھی تو آسان بات نہیں ہے۔

جنٹلمین :- بہت مشکل بات ہے اور حق یہ ہے کہ انھوں نے ساری خدائی میں نام کر دیا۔

مئیڈا :- ع۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

کلیرسا :- ہم کو دیکھیے کہاں تو ان کی جان کے دشمن تھے کہاں اب ان کے ساتھ یہاں تک چلے آئے۔ کجا روس کجا ہندوستان۔ مگر اتفاق۔

میم :- ان کی جان کا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا۔

اتنے میں کمرے کے باہر سے آواز آئی (بھلا دے گیدی بھلا۔ خبردار ابھی اطلاع دے ورنہ اتنی قرولیاں بھونکوں گا کہ یاد ہی تو کرے گا۔) آزاد بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ صاحب اور میم صاحب متحیر کہ یہ کس بات پر ہنسے۔ مئیڈا اور کلیرسا تاڑ گئیں کہ یہ وہی خوجی ہوں گے۔

آزاد :- (خانساماں سے) دیکھو یہ کس کی آواز تھی۔

خانساماں :- (باہر جا کر) کون غل مچاتا تھا۔

خوجی :- غل مچاتا تھا: گویا ہم نفیرے ہیں، آزاد پاشا سے کہدو کہ خواجۂ خواجگان حضور خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع تشریف لائے ہیں ابھی اسی دم اطلاع دو۔

خانساماں :- بہت اچھا تو آپ ذرا دم بھر ٹھہریں۔

خوجی :۔ اوگیدی ہم کوئی نفرا نہیں ہے۔ ہم روم شام کوہ قاف سب کہیں پھر پھر آیا ہوں۔

خانساماں :۔ اے تو صاحب ابھی کھانے کی میز پر بیٹھے ہیں۔

خوجی :۔ وَل تم اطلاع دو جاکے۔

خانساماں :۔ اچھا۔ مگر آپ تو عربی بولتے ہیں اور بندہ جاہل آدمی۔ گو صحبت میں بیٹھا ہوں مگر عربی خواں تو نہیں ہوں۔

خوجی :۔ جاکے کہدو خواجہ صاحب آئے ہیں۔

خانساماں :۔ (کمرے میں جاکر) کوئی خواجہ صاحب آئے ہیں۔

آزاد :۔ (بلالو۔ بلالو۔ میم سے) یہ صاحب بھی میرے ہمراہ روم گئے تھے۔ دیکھنے کے قابل آدمی ہیں۔

خوجی :۔ (باہر ہی سے) من خواجہ بدیعا ہستم۔ بابائے من۔

آزاد :۔ (مسکرا کر) خاموش اے گیدی خر۔

خوجی :۔ توصیف خویش نہ کہ من می کنی۔ من چہ قابل شما خود توصیف یعنی خود ستائی کردی۔

چوں باد دم اند بہار میزد
گہ برگ گل و کہ بخار میزد

راوی :۔ چہ خوش چرا نباشد۔ بعد مدت خوجی کی بے تکی ہانک سنی۔ اور شعر کیسا برجستہ و موزوں پڑھ کر سنا دیا ہے۔ اہو ہو ہو۔

آزاد :۔ ایں چہ بک بک می کنی۔ خر گیدی خاموش باش۔

خوجی :۔ اندرون ایں عمارت سر خود پیدا کنم یا نہ۔

آزاد :۔ ع۔ تو بروں در چہ کردی کہ دروں خانہ آئی۔

خوجی :۔ اُفوہ۔ واللہ۔ یہ وہاں خود خوردم۔ اے ہے۔

راوی :۔ یعنی منھ کی کھائی۔ اس فارسیت کے صدقے۔

آزاد :۔ بیا بیا۔ مگر از حرکات مجنونانہ احتراز مکن۔

راوی :۔ جب اس قدر یورپین کو دیکھا تو ذرا جھیپے اور مس کلیر سا اور میڈ اسے ہاتھ ملایا۔

کلیر سا :۔ آپ اتنے دن تک کہاں تھے خوجہ بدی۔

خوجی :۔ اول تو بندہ خواجہ بدی نہیں بدیع کہیے۔

کلیر سا :۔ ہم اس زبان سے واقف نہیں ہیں صاحب۔

خوبی :- یہ جو بڑے زبان دان بنے ہیں میاں آزاد۔ ان کو ہم کیا سمجھتے ہیں بھلا یہ کیا ہیں مقابلہ تو کریں۔

آزاد :- ارے یار خدا کے لیے ہمارا رنگ پھیکا نہ کرو۔ (اردو میں)

خوجی :- (اکڑ کر) ہاں اب البتہ خاموش رہیں گے۔

آزاد :- حضور کی مہربانی کیوں سب کے سامنے شرماؤ گے۔

خوجی :- کہیے اب کیا رنگ ڈھنگ ہے۔

آزاد :- بدستور وہی حال وہی کیفیت۔

از نالۂ عاشقانۂ من — حسرت کدہ ایست خانۂ من
گل کرد جنوں بروزگارم — آتش زدہ عشق در بہارم
افروخت بلا بہ کینۂ من — آتش کدہ کرد سینۂ من
زین شعلہ غم کہ سر بلند است — چوں شعلہ شرارہ ام پسند است

ہر شب زغمش بصد تب و تاب
تا روز برآتشم زمہتاب

خوجی :- برادر ایں بس راچہ نام داری بابائے من۔

آزاد :- اب آپ تو کل عجمی محاورے یہیں ختم کر دیں گے۔

خوجی :- نہ بابا۔ من در شما گفتگوے الفاظ سادہ وچنیں وچناں گفتگو کردی کہ فہمی نہ کہ نہ فہمی۔ ایں وبس

برآں کہ زاد بنا چار بایدش نوشید
زجام دہر مے کل من علیہا ان

آزاد :- کیا برجستہ شعر پڑھا ہے۔ عجب چونگا ہو۔

جھکے رہنے سے گردوں کے کجی گردون کی ظاہر ہے
سمجھتا ہوں خم شمشیر میں تسلیم دشمن کو

جیسا شعر آپ نے پڑھا ویسا ہی ہم نے پڑھا۔

خوجی :- واہ ری قدردانی۔ بڑے زبان دں بنے ہیں۔

آزاد :- ہئی ہیں۔ کیا اس میں شک بھی ہے۔

خوجی : اب اس باتوں سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

آزاد :- اس باتوں سے !!! بہت خوب۔ آپ بھی علماؤں میں ہیں اور آپ کے بھائی بڑے شعراؤں میں۔

تھے اور آپ کے والد نمش خوار ان ناموں میں تھے۔

خوجی:۔ خیر صاحب آپ کی ڈاڑھی بڑی سہی۔ بس اب یہ کہو کہ حسن آرا کو بھی خبر ہوئی یا نہیں۔ نہ ہوئی ہو تو بندہ پہونچے۔

آزاد:۔ کھانے سے فراغت ہولے تو باہم مشورہ کریں۔

خوجی:۔ واللہ مجھ پیر فرتوت سے زیادہ اس کام کے قابل اور کسی کو بناؤ گے۔ میں بڑے کام کا آدمی ہوں۔

آزاد:۔ اس میں کیا شک ہے۔ بھائی جان۔ بیشک ہو۔

اثنائے گفتگو میں میم صاحب نے کہا کہ حسن آرا بیگم نے کئی بار ایک بونے کا ذکر کیا تھا اور وہ کہتی تھیں کہ آزاد کے ہمراہ ایک مسخرہ بونا گیا ہے شاید آپ نے کئی خطوں میں اس بونے کا ذکر کیا تھا۔ میں جانتی ہوں یہ وہی ہیں وہی قدو قامت وہی مسخرہ پن وہی باتیں۔ آزاد بہت ہنسے اور خوجی کی طرف دیکھ کر کہا۔ جی ہاں یہ وہی مسخرے ہیں۔ اس شخص کے سبب سے راہ میں بڑی دل لگی رہی اور بعض مقاموں پر اس نے ہمیں مدد بھی بہت دی۔ معقول آدمی ہے مگر۔ جھکّی مغرور یاوہ گو اور مجنون اور بات بات پر لڑ پڑتا ہے۔ ذرا کسی سے بات ہوئی اور یہ ہشت مشت پر آمادہ ہو گئے۔ بدن میں طاقت تو برائے نام بھی نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے مگر یہ بے لڑے نہ رہیں گے۔ یہ ان میں عجب عادت ہے اور جو کوئی سمجھائے تو اس سے الجھ پڑیں۔ اسی سبب سے کوئی ان سے بولتا نہیں مگر بڑے تماشے کے آدمی ہیں۔

خواجہ صاحب انگریزی خاک نہیں سمجھتے تھے مگر باتوں میں اس قدر تاڑ گئے کہ ایں جانب ہی کا ذکرِ خیر ہے۔ خونخوار ہو کر آزاد سے یوں مخاطب ہوئے۔

خوجی:۔ سنو میاں۔ خواجہ بدیع ہفت زبان ہے۔ وہ کون سی زبان ہے جس سے یہ واقف نہیں۔ فرمایئے عربی فارسی ترکی اردو فرانسیسی سب میں عبور انگریزی زبان کا بادشاہ۔ میں سمجھ گیا کہ تم از بسکہ شریر مو قلمند امیرے باجی اور بندہ کسے را بکدام وجود بد مردنہ گفتند و بس۔

آزاد:۔ تم کو تو ہے جنون۔ تم سے واسطہ کیا۔ تمہارا ذکر کس نے کیا۔ آپ بھی سمجھتے ہیں کہ ہمارا ذکر کیا جاتا ہے۔ شانِ خدا۔ ہونھ!!!

خوجی:۔ ان بھڑوں میں لونڈے آتے ہوں گے جی۔

کلیرسا:۔ کیا خواجہ کچھ خفا ہو کے گفتگو کرتے ہیں اس وقت۔

میڈ ڈا:۔ ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیوں خواجہ بدی تم اس وقت ناراض کیوں ہو اس قدر۔ آخر وجہ نہیں کوئی نہ کوئی سبب تو ضرور ہے۔

خوجی :۔ صاحب بات یہ ہے کہ ہمارا کہنا انھوں نے آج تک نہ مانا نہ مانا۔ اور ہم ان کے دوست جاں نثار ٹھہرے۔
میم :۔ (مسکراکر) بیشک یہ بڑا مسخرہ ہے۔ جیسا اخبار والے نے لکھا تھا ویسا ہی اس کی قطع وضع بات چیت سب سے مسخرہ پن برستا ہے۔ اور قد تو ماشاء اللہ۔ ان ہاتھ پاؤں پر یہ زعم !!! شانِ خدا۔
خوجی :۔ اب ہمیں الجھن ہوتی ہے۔ واللہ خفقان ہوتا ہے آپ کھانے سے فراغت پائیں تو مضائقہ کیا۔ پھر ہم اور آپ باہم سرگوشی کر کے فیصلہ کریں گے اس وقت جھگڑا کرنا مناسب نہیں مگر جلد فراغت کیجیے۔ ورنہ رات جاتی ہے۔

کھانے سے فراغت پاکر جنٹلمین اور میم صاحب ان سب سے رخصت ہوئے اور کہا کہ ہم اسی دم حسن آرا بیگم کو اس نوید مسرت خیز کی اطلاع دیتے ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔ آزاد پاشا نے ان دونوں کی نوازش و عنایت کا شکریہ ادا کیا ان کے جانے کے بعد مِیڈا نے آزاد کو مبارک باد دی کہ جس شہر جس قصبے جس مقام پر جاتے ہو تم کو سب جانتے ہیں تم سے کوئی ناواقف نہیں۔ ایسا کام کسی نے کم پیدا کیا ہوگا۔ کلیرسا بھی ان کی ہم صفیر ہوئی اور کہا کہ واقعی حسن آرا کے سبب سے یہ اور ان کے سبب سے حسن آرا اس قدر مشہور ہیں کہ دنیا میں ہر فرد بشر جو ذرا بھی پڑھا لکھا ہے ان دونوں کو خوب جانتا ہے اور ہندوستان اور روم اور روس میں تو لکھے پڑھے اور اَن پڑھ کوئی ناواقف ان سے نہیں۔ یہ خدا کی دین ہے۔

ادھر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی اب حسن آرا کے ہاں کا حال سنیے۔ وہ گل پیرہن غنچہ دہن گھڑی بھر دن رہے بناؤ چناؤ کر کے ہمجولیوں اور بہنوں کے ساتھ چھت پر اٹھلا رہی تھی اور باہم ہنسی خوشی مذاق کی چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہے۔
نظیرہ :۔ کہیں کہیں اسی وقت دلھن کو دکھاتے ہیں شفق پھولی ہے نہ اس وقت معشوقوں کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اگر اس وقت آزاد آجائیں تو کیا کہنا۔
حسن :۔ تمہارے منہ میں گھی شکر۔
بہار :۔ اے اب آئے ہی داخل ہیں۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں اب دنوں کی بات ہے۔ ہفتوں کی بات نہیں ہے۔
روح :۔ جب برسوں چٹکیوں میں کٹ گئے تو دن تو بات کرتے معلوم نہ ہوں گے اور ہمارا دل گواہی دیتا ہے۔ کہ آزاد صبح شام داخل ہوا چاہتے ہیں۔ اگر اس میں فرق ہو تو جب ہی کہنا۔
حسن :۔ تعجب ہی کیا ہے آخر ہندوستان میں آگئے اور جائیں گے کہاں سوا اس شہر کے اور کہاں جائیں گے۔

جانی:۔ ان کا تو یہی جی چاہتا ہوگا کہ دن رات آزاد ان کے پہلو سے جدا نہ ہوں بس وہ ہوں اور یہ ہوں دیکھیں تو آزاد کی شکل صورت کیسی ہے جو یہ اسی قدر ریجھی ہیں ان کے مذاق اور ان کے پسند تو دیکھیں مگر دل یہی کہتا ہے کہ آزاد کروروں میں جوانوں میں فرد ہوں گے۔

نظیر:۔ حسن آرا کی سی نزاکت اور ان کا سا حسن بھی کسی میں کم ہے۔ آدمی کیا پھول پان ہے۔ نازکی خود ان کی نزاکت کی قسم کھاتی ہے۔

حسن:۔ آپ اپنی تعریف رہنے دیں۔ ہم اچھے ہیں یا برے آپ نظر عنایت ہی رکھیں۔ جانی بیگم کی صحبت میں باتیں بہت سیکھ گئے ہو کیا۔

جانی:۔ (آگ بھبوکا ہو کر) دیکھو حسن آرا ہزار بار کہہ دیا ہمارے منھ نہ لگو چہ خوش اب جانی بیگم ضرب المثل ہو گئی گویا۔

نظیر:۔ سچ کہتی ہو حسن آرا۔ ان کی صحبت ایسی ہی ہے۔ جو کوئی ان کو سمجھائے تو الٹی آنتیں گلے پڑیں۔ ہم کو یہ نہ چھیڑا کریں تو گویا انھوں نے ہم کو بن داموں مول لے لیا، اب اس سے بڑھ کر اور بدنامی کیا ہوگی کہ آئے دن ہمجولیاں طعنے دیتی ہیں کہ جانی بیگم کی صحبت رہتی ہے نہ۔

جانی:۔ (تنک کر) اب کچھ تم سنوگی۔ تمھیں۔ ہاں ہمجولیاں کیا طعنے دیتی ہیں۔ ذری ہم بھی تو سنیں۔ یہ طعنے دیتی ہیں کہ جانی بیگم کی صحبت میں خراب ہو گئیں۔ اے ہے۔ کیا ننھی بیچاری ہیں کہتے شرم نہیں آتی۔ خدا کی شان ہماری صحبت میں اور یہ خراب ہوں۔ تم روکھی پھیکی گنوارنیں ہماری قدر بھلا کیا جانو۔ دو دن پاس بیٹھو تو آدمیت سیکھ جاؤ بہن۔

بہار:۔ اس وقت تو جانی بیگم نے بہت ضبط کیا نہیں تو خدا کی پناہ نظیر بیگم نے واقعی بہت بُری بات کہی تھی مگر جانی بیگم بہن بُرا نہ مانو تو کہوں۔ تم اس وقت ذری دب بھی گئیں کیا جانے اس کا کیا سبب ہے۔

جانی:۔ میں اور ان ایسیوں سے دب کے چلوں ضرور! یہ ہیں کیا بیچاری! پرائے گھر میں بیٹھی ہوں اس سے خاموش ہو رہی دم بخود۔ نہیں ان کو اس زبان درازی کا مزہ چکھا دیتی۔

روح:۔ اے تو اس قدر تنگی کیا ہو بہن۔ صحبت تو ان کو تمہاری رہی ہے۔ اس میں کیا کچھ شک بھی ہے۔

جانی:۔ (مسکرا کر) اور مجھے رونا کاہے کا ہے۔ یہی تو بُرا معلوم ہوتا ہے کہ میری صحبت کی بیٹھنے والی آنکھوں کی دیکھنے والی بلی بنے رہے۔

حسن:۔ اللہ۔ یہ جھگڑا سارا اس بات کا تھا۔

روح :- اے لو۔ چہ خوش۔ یہ معلوم ہی نہ تھا۔

حسن :- سچ تو کہتی ہیں۔ ان کی صحبت اور ایسی سیدھی رہیں۔

نظیر :- ان کی صحبت سے اللہ پناہ میں رکھے۔ (کان پکڑ کے)

اتنے میں ایک مہری نے آکر بہار النسا کے کان میں کہا اور دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد بہار النسا بولیں (تو اس میں چوری کی کون بات ہے اچھی طرح کیوں نہیں کہتی ہو) اب سب کو اشتیاق ہوا کہ کیا بات ہے اور نہایت اصرار کے ساتھ پوچھنے لگیں تو مہری نے یوں بیان کیا۔ اے حضور نیک قدم کے ابا ہوٹل میں نوکر ہیں۔ میں عسکری خانم کے ہاں سے آتی تھی تو میں نے کہا چلو ان سے بھی ملتی آؤں۔ وہاں میں نے دو فرنگنیں دیکھیں۔ دونوں جوان اور اس قدر کی قبول صورت کہ میں کیا عرض کروں۔ چندے آفتاب چندے مہتاب۔ بس حضور میں نے نیک قدم کے ابا سے پوچھا کہ یہ کون ہیں کہا کیا معلوم کون ہیں مگر ان کے ساتھ ایک مسلمان بھی ہیں سو مسلمان اس سے جان پڑے کہ بد مُہری اور کالے پانی سے اُن کو پرہیز ہے مگر وضع سے بالکل صاحب لوگ جان پڑتے ہیں۔ ویسے ہی گورے چٹّے ویسی ہی وضع وہی کپڑے۔ اور بناؤ۔ دونوں میمیں انگریزی بولنا نہیں جانتیں۔

روح :- لو بہن مبارک آزاد داخل ہو گئے۔

گیتی :- ہو نہ ہو آزاد ہی ہوں تمہارا ابھی دل گواہی دیتا ہے۔

بہار :- ذری بڑے میاں کو بلانا۔ پیر مرد کو۔

مہری :- اور حضور بڑے خوبصورت جوان ہیں۔ ہم لوگوں کی زبان اچھی طرح بولتے ہیں۔ جب میں نے نماز پڑھتے دیکھا تو بڑا تعجب ہوا مگر نیک قدم کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہیں عیسائی نہیں ہیں۔

بہار :- میں جاکے اماں جان سے کہتی ہوں کہ آزاد داخل ہو گئے۔

بہار النسا نے بڑی بیگم سے کہا۔ اماں جان مبارک ہو، بچھڑے ہوئے آ گئے اب جشن کیجئے۔ مہری کہتی ہے کہ ہوٹل میں ٹکے ہیں، بڑی بیگم بولیں کہاں ٹکے ہیں۔ اوٹل کیا۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا اور بہار النسا نے کہا اماں انگریزوں کی سرائے میں ٹکے ہیں، جہاں صاحب لوگ اترتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔

بڑی بیگم بہت خوش ہوئیں۔ اسی وقت محمد عسکری کو بُلوایا اور حکم دیا کہ وہاں جاکے دیکھو آئے ہیں یا نہیں۔ محمد عسکری گاڑی پر سوار ہو کر ہوٹل گئے۔ اُدھر مغلانی نے حسن آرا بیگم کو ایک خط دیا جس کا مضمون یہ تھا۔

مائی ڈیر حسن آرا۔ اس وقت تم کو مژدہ سُناتی ہوں جس کی تم برسوں سے بہ کمال اشتیاق مشتاق ہو

سمجھیں۔ مگر اس نوید رسانی کے عوض میں تم سے ایک دعوت کل ہی لوں گی۔ آج ہم نے خبر پائی کہ پارسیوں کے ہوٹل میں دو لیڈیاں اور ایک جنٹلمین فروکش ہیں۔ شام کو ہم گئے تو دور ہی سے صورت پہچان گئے۔ بتاؤ کون تھے وہ جنٹلمین آزاد پاشا ہیں اور وہ دونوں لیڈیاں وہ ہیں جن کو تم خوب جانتے ہو۔ ایک مس میڈا کوہ قاف کی پری۔ دوسری مس کلیریسا۔ روس کی خاتون۔ مجھ سے اور آزاد سے خوب باتیں ہوئیں۔ خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں اور تم خوب جانتی ہو کہ میں قسم کھانے کی عادی نہیں ہوں کہ اس اتنے بڑے شہر میں کوئی جنٹلمین ایسا نہیں جو خوبصورتی اور رعنائی اور برنائی اور قوت میں اس کا نقطۂ مقابل ہو بانیں کرتے ہوئے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ ہر دل عزیز آدمی ہے۔

الغرض آج میرا جی خوش ہو گیا۔ کہ آزاد پاشا کی نسبت جو کچھ کہا اور پڑھا تھا اس سے بھی بڑھ چڑھ کر پایا۔ کل ملوں گی اور کھانا تمہارے ہی ساتھ کھاؤں گی۔ جب میں نے آزاد کو اطلاع دی کہ حسن آرا سے میں واقف ہوں تو بہت خوش ہوئے۔

یہ خط پڑھ کر حسن آرا نے بہار النسا کو سنایا اور یہ اشعار زبان پر لائی۔

گیا ہے کوچۂ کاکل میں اب دل مسلماں وارد ہندوستان ہے
سنے جو پھر نہ جاگے تا قیامت ہمارے عشق کی وہ داستان ہے
تجھے کہتا ہوں میں اے وحشت دل وہاں لے چل جہاں وہ دلستاں ہے

ادا و ناز غمزے سے ہے آتا
مرے یوسف کے ہمرہ کاروانہ ہے

جانی:۔ اس وقت تو باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ کیوں نہ ہو۔

نظیر:۔ بات ہی ایسی ہے۔ برسوں کے بعد آزاد کے آنے کی خبر سنی۔

روح:۔ اللہ نے بڑی منتوں سے یہ دن دکھایا خدا جانے کس کس نے اس کے لیے دعا مانگی جب یہ دن نصیب ہوا کہ آج آزاد کے آنے کی خوشخبری سنی اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہو گی۔

بہار:۔ اس میں کیا شک ہے بہن۔ گو لاکھ خوش تھے کہ آزاد نے یہ کیا وہ کیا۔ مگر پھر دل کہتا تھا کہ سائیں کے سو کھیل۔ بارے خیر اللہ کو اچھا ہی کرنا منظور تھا۔

روح:۔ اے بہن۔ کون ٹھکانا تھا۔ دور از حال ذرا سی گولی چنے کے برابر اچھے ڈوہ کے ڈوہ کو دم کے دم میں کہیں کا نہیں رکھتی۔ مگر چلو جو ہوا۔ اللہ نے ان دونوں کو سرخ رو کیا۔ اب نکاح ہو اور ان کی جوڑی برقرار رہے۔

اتنے میں مغلانی نے سپہر آرا کو، جو خواب ناز میں تھیں جگایا اور ان کے آتے ہی مبارک سلامت کی آوازیں چوطرفہ سے آنے لگیں فرط طرب سے سپہر آرا کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں حسن آرا سے کچھ کہنے کو تھیں مگر زبان نے مدد نہ دی۔ تھوڑی دیر بعد مسکرا کر کہا۔ باجی جان شکر ہے کہ آزاد پاشا کے خیر و عافیت سے آنے کی خبر سنی۔

سپہر آرا بیگم نے کہا ذری کسی کو بھیج کر آسمان جاہ کو بلوالو۔ اور حسن آرا نے مہری کو حکم دیا۔ فنس نکلواؤ اور نم اور نیک قدم کی ماں فنس کے ساتھ ہوں دو سپاہی لے لو اور مشعلچی۔ اور جا کے نازک ادا بیگم سے کہو کہ (آہستہ سے) آزاد داخل ہوئے ہیں۔ چلیے بلایا ہے۔

روح :۔ ان کی ساس کا مزاج جانتی ہو وہ نہ بھیجیں گی۔ اس وقت پھر بلانے سے کیا فائدہ۔ اور بات گنوانا ہے۔

گیتی :۔ بہار النسا بہن کا نام لیں تو بھیجدیں۔

بہار :۔ ہاں نازک ادا کی ساس ہم پر ذری کسی قدر مہربان ہیں مگر یہ کچھ فرض تھوڑا ہی ہے کہ اس وقت بھیج ہی دیں۔

حسن :۔ ان کے بغیر یہاں سونا ہے ایک ہی کونا آباد ہے۔

جانی :۔ کیا کہا۔ ذری پھر تو کہنا۔ پھر وہی چھیڑ خانی۔

الغرض مہری حکم بجالائی۔ نازک ادا بیگم کی ساس نے پہلے ناک بھوں چڑھائی اور کہا بھلا اب یہ کون وقت ہے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ نازک ادا ان کے کہے بغیر جانے کو تیار ہوئیں تو کہا اچھا چلی جاؤ مگر کل ضرور آجانا یہ فنس پر سوار ہو کر داخل محل سرائے حسن آرا ہوئیں اور اترتے ہی مبارک مبارک کہتی ہوئے کوٹھے پر گئیں۔

نازک :۔ حسن آرا کہاں ہیں۔ آؤ بہن گلے ملیں۔

حسن :۔ یہ آج تو کچھ بہت ہی خوش خوش آتی ہیں۔

نازک :۔ چہ خوش۔ خوب۔ بہت ہی خوب۔ کہو بچھڑے ہوئے ملے اسی طرح اللہ کرے ہمارے میاں بھی شکار سے واپس آئیں۔

حسن :۔ کیا شکار کھیلنے گئے ہیں۔ یہ کب گئے ہیں۔

نازک :۔ اے کوئی اٹھوارہ ہوا ہو گا اور شکار ہے کاہے کا شیروں کا شکار مگر وہ بڑے گل چلے ہیں۔

جانی :۔ وہ ٹٹیوں کی آڑ میں شکار کھیلنے والے آسامی ہیں۔

نازک :۔ اخاہ۔ جانی بیگم بھی ہیں۔ اب تو حسن آرا کی بغل گرم ہو گی بہن۔ اب اُن کے دماغ کاہے کو ملنے لگے

جانی :۔ ان کے دماغ یوں نہیں ملتے تھے اب تو اور بھی نہ ملیں گے۔ حسن آرا اللہ جانتا ہے اس وقت

تمہارے بشرے سے خوشی برستی ہے کسی سے کچھ نہ کہو۔ مگر تمہارے چہرے سے خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔

نازک :۔ اس وقت آزاد پاشا نظروں کے سامنے پھر رہے ہیں۔

دیکھ کر کون ترے چہرے کو حیراں نہ ہوا — کس نے دیکھیں تری زلفیں جو پریشاں نہ ہوا

جب میں سمجھا کہ یہ ہے سایہ گیسوے دراز — پھر مجھے کچھ غم طولِ شب ہجراں نہ ہوا

ہم وہ بلبل ہیں قفس ہی میں رہے ساری عمر — گذرا اپنا تو کبھی سوے گلستاں نہ ہوا

اس تمنا میں ہم افسوس ہوئے سودائی — تیرے ہاتھوں سے مگر چاک گریباں نہ ہوا

جب تلک باندھے نہ خورشید رخوں کے مضموں — مطلع صبح مرا مطلعِ دیواں نہ ہوا!

ابر میں کب نہ چھپا شرم سے تیرے آگے — ماہ کس رات چراغ تہ داماں نہ ہوا

کوئی بت تیرے سوا اے بت کافر بہ خدا
قبلہ دیں نہ ہوا کعبۂ ایماں نہ ہوا

بہار :۔ میں اس کے گلے پر عاشق ہوں۔ ہاں ہاں بہن اور کوئی غزل شروع کرو۔ کوئی عمدہ سی غزل کہو۔

نازک :۔ اچھا ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پلاؤ تو گائیں۔

حسن :۔ ایک نہیں دس۔ بلکہ کنواں کا کنواں پی جائیے۔

نازک :۔ (پانی پی کر) آج جس قدر ہم خوش ہیں اسی قدر حسن آرا بھی خوش ہوں گی بڑی خوشی ہوئی بہار النسا بہن۔ آزاد بیچارے آگئے۔ چلو بہت اچھا ہوا۔

نازک ادا بیگم نے آہستہ آہستہ یہ شعر بہ لحن داؤدی ادا کیے۔

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ — پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی — آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

یارب وصالِ یار میں کیوں کر ہو زندگی — نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ

ہردم عرق عرق نگہ بے خواب ہے — کس نے نگاہ کرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا — اُلجھا ہے اُن سے شوق سے بند قبا کے ساتھ

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ وجد کے ساتھ

جانی :۔ تمہاری سانس تو نہیں کچھ رولا لائی تھیں۔

نازک :۔ میں نے جیسے ہی یہ خبر سنی جھٹ پٹ کپڑے بدل مغلانی کو ساتھ لے فنس پر سوار ہوئی جب دیکھا کہ

جاتی ہی ہے تو کہا اچھا جاؤ کل چلی آنا۔

گیتی :۔ حسن آرا بیگم نے بڑی خوشی سے اس وقت بُلوایا تھا۔

نازک :۔ آزاد آن کر ٹکے کہاں ہیں۔ خبر کیوں کر ہوئی۔

بہار :۔ مہری نے آنکر کہا اور پھر میم صاحب کی چٹھی آئی۔

اتنے میں محمد عسکری بڑی بیگم کے پاس آئے اور آزاد کی ملاقات کا حال یوں بیان کیا۔ میں ہوٹل گیا تھا پہلے تو میں نے دو تدرو رفتار گل رخسار میمیں دیکھیں دونوں ابھی نو عمر ہیں وہ ایک صاحب کے ساتھ ہوٹل کے ایک چمن میں چہل قدمی کر رہے تھے میں نے خانساماں سے پوچھا کہ محمد آزاد نامی کوئی یہاں فروکش ہیں۔ اس نے کہا جی ہاں وہ کیا ٹہل رہے ہیں مجھے سخت تعجب ہوا کہ محمد آزاد نام اور یہ لباس۔ جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر ان سے ہم کلام ہوں اتنے میں خانساماں نے اُن سے کہا کہ حضور کی ملاقات کو ایک صاحب آئے ہیں وہ فوراً میرے قریب آئے اور السلام علیکم کہہ کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ اب میں حیران کہ یا الٰہی ان سے کہوں تو کیا کہوں اور وہ مجھ سے کئی سوال کر بیٹھے۔ آپ کا اسم مبارک آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں خاکسار کو کس غرض سے ممتاز فرمایا ہے۔ میں نے کہا جناب کا نام سُن کر صرف زیارت کے لیے آیا ہوں۔ کُرسیاں منگوائیں خود بھی بیٹھے مجھے بھی بٹھلایا اور یوں گفتگو ہوئی۔

آزاد :۔ دولت خانہ آپ کا اسی شہر میں ہے یا کہیں باہر۔

میں :۔ جناب اب تو کئی دن سے یہیں قیام رہتا ہے۔

آزاد :۔ مجھے کبھی پیشتر بھی آپ کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا تھا۔

میں :۔ پیشتر مجھے کبھی آپ کی زیارت نہیں نصیب ہوئی تھی۔ لیکن آپ شہرۂ آفاق ہیں یگانہ دہر۔ آپ کی زیارت ہماری سعادت ہے۔

آزاد :۔ اپنے شہر کے متعلق آپ کوئی نئی بات نہیں جانتے۔

میں :۔ یہاں ہر گلی کوچے میں حسن آرا بیگم کا فسانہ خاص عام کے ورد زبان ہے غالباً آپ نے بھی اُن بیگم صاحب کا نام سُنا ہو گا۔

آزاد :۔ (مسکرا کر) دنیا میں ہزاروں خدا کے بندے پڑے ہیں۔

الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستاں میں

میں :۔ بہت اچھا پھر یہی کہدوں گا۔

آزاد :- غور سے نظر کرکے اب آپ پہیلیاں تو بجھوائیے نہیں صاف صاف بیان فرمائیے کہ آپ خود آئے ہیں یا آپ کو کسی نے بھیجا ہے۔

میں :- حضرت صاف تو یہ ہے کہ بڑی بیگم صاحب نے مجھے بھیجا ہے۔ الحمدللہ خدا نے یہ دن دکھایا تمام ہندوستان کو اسی دن کی آرزو تھی غالباً اب تک وہاں سب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ تشریف لائے ہیں۔

آزاد :- حسن آرا بیگم جن کا میں نے نام لیا اُن سے آپ صرف اتنا ہی کہدیجئے گا کہ تمہارا نام لے کر خاموش ہو رہے۔

میں :- بہت خوب مجھے تو بڑی بیگم صاحب نے بھیجا ہے۔

آزاد :- آپ بڑی بیگم صاحب سے میری خیر و عافیت کہہ دیجئے گا۔ اور یہ بھی کہدیجئے گا کہ آپ بزرگوں کی دعائے خیر سے بندہ واپس آیا۔ صعوبتِ سفر اور رحمنِ جنگ کا حال ناگفتہ بہ مگر اب وہ باتیں تقویمِ پارینہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

میں :- کمالِ اشتیاق حضور کی زیارت کا تھا۔

آزاد :- آپ کی عنایت۔ مگر اسم شریف آپ نے نہ بتایا۔

میں :- خاکسار کو محمد عسکری کہتے ہیں۔

آزاد :- بڑی بیگم سے کچھ قرابت ہے۔

میں :- (کسی قدر شرما کر) جی ہاں کچھ ہے۔

آزاد :- (ہنس کر) اس میں شرمانے کی کیا بات ہے حضرت۔

میں :- جی کچھ نہیں۔ یہ تو ہوا ہی کرتا ہے۔

آزاد :- آپ اس قدر دانا بینا ہو کر اور شرماتے ہیں۔

حسن آرا بیگم کو نازک ادا بیگم نے بہ لطائف الحیل مہتابی پر بلایا اور کہا بہن ہم نے تم کو تخلیے میں اس لیے بلایا کہ اپنے طور پر کچھ پوشیدہ باتیں کریں اور تم کو سکھائیں کہ معشوق پن کسے کہتے ہیں۔ گو اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہاری ایک ایک ادا سے معشوق پن برستا ہے۔ معشوق پن کوئی تم سے سیکھے مگر پھر بھی تجربہ اور شے ہے۔ حسن آرا مسکرا کر بولی بہن سچ کہتی ہوں میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آپ کہتی کیا ہیں کیا یہ معشوق پن کیسا اور تجربہ کیسا۔ یہ چیزیں بھی سکھانے سے آتی ہیں۔ بھلا۔

نازک :- کیا تجربہ کوئی چیز بھی نہیں ہے۔

حسن :- خدا جانے کس بات کا تجربہ بہن۔ ؟

نازک :- میاں سے کیونکر باتیں کرنی چاہئیں اس بات کا تجربہ۔

حسن :- ہاں پھر اس کا تجربہ ہمیں ابھی کیوں کر ہو۔ رفتہ رفتہ معلوم ہو جائے گا مگر جبکہ ہم اور وہ دونوں دل سے ایک دوسرے کے شیدا ہیں تو پھر تجربہ ہو یا نہ ہو۔ ہمارا عشق رنگ جما ہی لے گا۔

نازک :- بہن اس کے بھید کو تم کیا سمجھو گی۔ یہ راز و نیاز کی باتیں ہیں میاں سے اس طرح پیش آؤ۔ اور ایسی معشوق پن کی گھاتوں کا برتاؤ کرو کہ وہ خود داد دیں۔ اگر میاں اور بیوی کا دل مل جائے تو ممکن کیا کہ کوئی مرد ادھر اُدھر آشنائی کرتا پھرے۔

حسن :- آپ کی باتیں ہی انوکھی ہیں۔ ہم دونوں تو لیلیٰ مجنوں شیریں فرہاد ہیں بہن۔ ہم ہیں آپس میں ان باتوں کا برتاؤ کیسا۔

ع ۔ گر نغمہ کند ورنہ کند دل بہ فریبد

یہاں تو بات اور ہی ہے۔

نازک :- اچھا اب دیکھیں جو بات اور ولولہ آج ہے وہ کب تک بدستور رہتا ہے۔ اگر سچا عشق ہے تو تمام عمر رہے گا ورنہ سال دو سال۔

حسن :- اب اس کا حال تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ مگر ہم اس وقت ایسی باتیں کرنا نہیں چاہتے کچھ اور ذکر چھیڑیے۔

نازک :- کوئی غزل گائیں ایسی کہ تم بھی پھڑک جاؤ۔

وعدے کی جو ساعت دم کشتن ہے ہمارا ۔۔۔ جو دوست ہمارا ہے وہ دشمن ہے ہمارا

آغشتہ بخوں دست کو تو پوچھتے ہیں وہ ۔۔۔ اُلٹے کفِ جلاد میں دامن ہے ہمارا

گو حسن آرا بیگم ضعیف الاعتقاد نہ تھیں مگر اُن دونوں شعروں نے ان کو کسی قدر بے قرار کر دیا۔ کہا بہن گاؤ تو خوشی کی غزل گاؤ۔ خوشی کے دن سب خوشی ہی کی باتیں اچھی معلوم ہوتی ہے۔

نازک :- تاڑ گئی اور یہ شعر زبان پر لائی۔

چشم گلشن پر قدم رکھتا ہوا کون آئے گا ۔۔۔ عطر فتنہ میں گلِ نرگس بساتی ہے بہار

غنچہ ہائے آرزوے مومن اب کھلنے کو ہیں ۔۔۔ خیر مقدم گلشنِ ایماں میں آتی ہے بہار

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا

حضرت مومن جنہیں دعوی دین ہے ہنوز

حسن :- اب چل کر وہیں نہ بیٹھیں یہاں کیا ہے۔

نازک :۔ ہاں اچھا دیکھو تو جانی بیگم کو اس وقت کیسا آڑے ہاتھوں لیتی ہوں کہ وہ بھی یاد کرے کسی سے پالا پڑا تھا۔

نازک ادا بیگم تو اس فکر میں تھیں اور ادھر جانی بیگم نے ان پر پہلے ہی آوازہ کسا دیں کہتی ہوں یہ نازک ادا کہاں چھٹیلے پن کے ساتھ حسن آرا کو لے کر چلدیں۔ بہن اس کے پھسلائے میں نہ جانا۔ یہ بڑی ایک ہیں۔ یہ لاکھ کہیں تم اپنی ہی کرنا۔ سُن لیا کہ آزاد پاشا آئے ہیں اور یہ تو جانتی ہی ہیں کہ مرد خوش رہیں۔ اب حسن آرا سے محبت بڑھاتی ہیں۔ دیکھو حسن آرا یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پھر رفتہ رفتہ سوتیا ڈاہ نہ پیدا ہو جائے۔

بہار :۔ (ہنس کر) دونوں اچھی ملیں کوئی کسی سے کم نہیں۔

گیتی :۔ ابھی وہ ذری چپ ہیں۔ مگر کچھ کہا ہی چاہتی ہیں۔

روح :۔ دونوں شمشیر برہنہ ہیں۔ چپ دب کوئی بھی نہیں ہے مگر یہ مہتابی پر کیا کرنے گئی تھیں۔

اب سنیے کہ بڑی بیگم صاحب جریب ٹیکتی ہوئی چھت پر تشریف لائیں۔ ضعیف الاعتقاد تو پرلے سرے کی تھیں۔ کبھی خواب اور کبھی منت ماننے اور آنکھ پھڑکنے کا ذکر چھیڑا۔

بڑی :۔ میں نے تو کل ہی کہدیا تھا کہ کوئی خوش خبری سننے میں آئے گی۔ میری بائیں آنکھ برسوں سے پھڑک رہی تھی۔

روح :۔ اماں جان اب تو سب ہی کہیں گے۔ اور آپ نے کل سے کہا تھا کہ خوشخبری سننے میں آئے گی۔ ہم نے تو آج ہی سنا۔

مغلانی :۔ (خوشامد سے) مجھ سے فرمایا تھا حضور۔

روح :۔ یہ بولیں جھوٹوں کی سردار تم سے اماں جان نے کہا تھا۔ اچھا ہم سے کیوں نہیں کہا۔

بہار :۔ تم بڑی بے ادب ہو۔ جو منہ پر آیا بک اٹھیں۔

روح :۔ اماں جان (ہاتھ جوڑ کے) ہماری آنکھ نہیں پھڑکتی کبھی۔ آخر یہ آپ کو بتایا کس نے ہے۔ اس سے ہوتا کیا ہے۔

بڑی :۔ بابا ابھی ناتجربہ کار ہو تم کیا جانو۔

مغلانی :۔ حضور نے آج صبح کو ایک کوے سے باتیں کی تھیں۔

بڑی :۔ یہ ان باتوں کو کیا جانیں ان کے سامنے کہنا ہی فضول ہے میں تو سویرے جب اٹھتی ہوں ہوا کا رخ دیکھتی ہوں۔

حسن:۔ (مذاق کی راہ سے) اماں جان ہمیں بھی بتادیجئے۔

بہار:۔ اخاہ ان کو بھی زبان آئی ہم کو توان باتوں کا عقیدہ ضرور ہے اور ہیں نہیں تو اتنے آدمی کیوں مانتے ہیں۔

حسن:۔ یہ روح افزا بہن کو خدا جانے کس نے کہہ دیا کہ یہ ذرا کوئی بات نہیں مانتی اور ہنستی ہیں۔

بڑی:۔ (مسکراکر) تم سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔

بہار:۔ یہ میرے دل کی بات کہی اماں جان۔ کوئی پوچھے تم کون بہت مانتی ہو جو روح افزا کو للکارتی ہو خواہی نخواہی۔

حسن:۔ اماں جان یہ لڑاوتی ہیں۔ میں کیا نہیں جانتی۔

بڑی:۔ میں نے کل خواب دیکھا تھا کہ ایک آدمی۔ مگر نہ کہوں گی ان لڑکیوں کو یقین تو آوے گا ہی نہیں۔

بہار:۔ کہیے کہیے۔ ابا جان ان لوگوں کو یقین نہ آوے چاہے۔ مجھے تو آپ خوب جانتی ہیں۔ جب خواب دیکھا کوئی نہ کوئی بات ہوئی ضرور۔

بہار النسا نے کروروں قسمیں دیں تو مجبور ہو کر بڑی بیگم نے خواب کا حال یوں بیان کیا۔ کہا دو بجے کا وقت ہوگا جب میری آنکھ لگی تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک آدمی کوئی اٹھارہ بیس برس کا سن ہوگا جب نہایت قبول صورت خوبرو ہزار دو ہزار میں دیدارو جوان سبزہ آغاز دروازے پر آن کے کھڑا ہوا۔ کہا حضور اب تو انعام دلوا دیجئے۔

بہار:۔ اماں جان بیشک صحیح ہے آپ کا خواب ہمیشہ سچا نکلتا ہے اب بھی ان کو یقین نہ آئے تو کوئی کیا کرے

بڑی بس میں نے کہا۔ صاحبزادے کس بات کا انعام مانگتے ہو۔ مسکرا کر کہا۔ واہ حضور ملکوں ملکوں کا سفر کیا جان ہتھیلی پر لے کر سارے زمانے کی خاک چھانی اور اب انعام کے وقت حضور فرماتی ہیں کہ کاہے کا انعام۔ انصاف کیجیے اور میرا انعام مجھے دیجئے۔

روح:۔ یہ تو صاف صاف خواب ہے۔ وہ جوان آزاد ہوں گے اور انعام میں حسن آرا کو مانگتے ہوں گے ہم اگر خود ایسا خواب دیکھیں اماں جان تو ہم کو ضرور یقین ہو جائے۔ کہ خواب کا اثر ہوتا ہے۔

حسن:۔ (آہستہ سے) ہم تو اگر خواب دیکھیں بھی اور وہ سچا بھی نکلے تو ہمیں یقین نہ آئے کہ خواب کا اثر ہوتا ہے۔

روح:۔ ہے تو ایسا ہی یہ سب خواب و خیال ہے۔

بہار:۔ چلو چپ رہو۔ ہاں اماں جان پھر کیا باتیں ہوئیں۔

بڑی :- بس میں نے اس کو چاندی اور سونا اور گلاب کا پھول اور ایک ہرن دیا۔ اور کہا اب یہ امانت تمہارے سپرد ہے۔

روح :- یہ چاندی سونا گلاب اور ہرن کا کون محل ہے۔

بڑی :- بٹیا ابھی تم کیا جانو چاندی سے مطلب یہ کہ ان کا بدن چاندی سا چمکتا اور سونا اس لیے کہ کندن سا دمکتا ہے اور گلاب کا پھول ظاہر ہے۔ اللہ نے ان کو مکھڑا بھی ایسا ہی دیا ہے اور ہرن آنکھوں سے مراد ہے۔

بڑی بیگم صاحب تو اپنے خواب کا ذکر کرتی ہی تھیں کہ اتنے میں فنس سے ایک اور ضعیفہ اُتریں اور انھوں نے آتے ہی مبارکباد کہہ کر اپنی کہانی یوں شروع کی (بڑی بیگم کی طرف مخاطب ہو کر) بہن جس وقت تمہارے ہاں سے مہری گئی ہیں آرام میں تھی اُس نے مجھے جگا دیا تو اُس وقت میں اس پر بہت جھلائی مگر اس نے وہ خبر سنائی کہ غصہ فرو ہو گیا۔ میں اس وقت خواب دیکھ رہی تھی کہ جیسے ایک بہت بڑا پہاڑ ہے اور اس کی چوٹی پر ایک آدمی کھڑا ہے اور اس کو کوئی ڈھکیل رہا ہے وہ زور کر کے رُک جاتا ہے مگر ایک شخص کمر باندھے مستعد ہے کہ اُس بیچارے کو زمین پر گرا دے اور پہاڑ کے دامن میں حسن آرا کھڑی ہے اور وہ آدمی حسن آرا کا نام لے کر کہہ رہا ہے کہ خبردار مجھ سے نہ بولنا میں نے حسن آرا کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ مگر دوسرا شخص ایک نہیں سنتا کہتا ہے یا تو پہاڑ سے اُتر جاؤ یا ابھی اس زور سے اٹھا کر پھیکوں گا کہ دھڑ سے نیچے گرو گے اور وہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ حسن آرا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تو جا کے آسمان کا تارا لائیں اب زینہ لگا کے تارا اتار لاؤں تو جہاں تہا چلا جاؤں۔

بڑی :- دیکھو سنو روح افزا کہاں ہیں۔ کچھ سنا بٹیا۔

روح :- ہاں اماں جان سُن رہی ہوں۔ سب سنتی جاتی ہوں۔

بہار :- کیا اب بھی تم کو خواب کا یقین نہ آئے گا۔

گیتی :- سچ کہوں مجھے تو کچھ کچھ یقین آتا چلا ہے۔

حسن :- (مسکرا کر) کہاں تک یقین نہ آئے گا بہن۔

بڑی :- ہاں بہن پھر کیا دیکھا آنکھ تو نہیں کھل گئی۔

بیگما بیگم :- (بوڑھی کا نام) ابھی نہیں بس پھر میں نے دیکھا کہ وہ آدمی زینہ لگانے لگا تو اس پر جم دوسرے شخص نے زینہ کھینچ لیا۔ اور وہ بیچارہ گر پڑا۔ مگر پھر سنبھلا اور ایسا مارا کہ اس شخص کا دم پھولنے لگا۔ حسن آرا نے دامن کوہ سے قہقہہ لگایا اور وہ آدمی زینے پر چڑھ کر آسمان پر گیا۔ آسمان پر تھگلی لگائی تو۔ تو نظروں سے غائب ہو گیا۔ اور حسن آرا نصیب مدعیان رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد آسمان سے وہ اترا اور ایک بڑا سا

تارا ہاتھ میں لایا پہاڑ پر اُتر کر وہ اس فکر میں تھا کہ حسن آرا کے پاس جائے کہ بس اتنے میں مہری کلن نے آواز دی اور آنکھ کھل گئی۔

جب بڑی بیگم اور بیگما بیگم دونوں ضعیفہ خاتونیں چلی گئیں تو حسن آرا اور روح افزا اور سپہر آرا بہت ہنسیں اور بہار النسا اور گیتی آرا سے مزے مزے کی نوک جھونک ہونے لگی۔

حسن :۔ ان سے اور اماں جان سے خوب بنتی ہے۔

روح :۔ بنا ہی چاہے۔ یہ ایک خواب کا حال بیان کرے تو وہ دس۔ افوہ کتنا جما ہوا عقیدہ ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

بہار :۔ تمہارا تو بابا آدم ہی نرالا ہے۔ تم تو کسی کو مانتی ہی نہیں۔ تم دونوں کی ایک رائے ہے۔ بھلا ان کو جھوٹ بولنے سے کیا ملتا۔

گیتی :۔ کیا تعجب کیا ہے۔ شاید دیکھا ہو خواب۔

بہار :۔ آخر تم کبھی خواب دیکھتی ہو یا نہیں پھر اگر انھوں نے ایسا خواب دیکھا تو کون تعجب کی بات ہے۔

حسن :۔ افوہ۔ باجی۔ اللہ جانتا ہے۔ بیگما بیگم نے اس وقت ایسی برجستہ کہی کہ میں دنگ ہو گئی۔ میں جانتی ہوں شاید گھر ہی سے سوچتی آئی ہوں گی اور بے سوچے کہی تو اس فن میں ان کو کمال حاصل ہے۔

گیتی :۔ اس بات میں ہم تم سے اتفاق نہ کریں گے حسن آرا۔

بہار :۔ تم اتفاق کرو یا نہ کرو وہ کب مانتی ہیں۔ وہ تو جو سمائی سو سمائی۔ بس اب وہ بات دل سے نہ نکلے گی

اتنے میں ایک مغلانی نے آن کے ان سب کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ حضور بڑی بیگم دریافت کرتی ہیں کہ آپ کو کسی کو معلوم ہے۔ ثریا بیگم کون ہیں۔ اور کہاں رہتی ہیں۔ نازک ادا اور جانی بیگم بولیں۔ ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے نواب سنجر سطوت کے ساتھ ان کا نکاح ہوا ہے۔ رہتی تو یہیں ہیں مگر کچھ دن سے اپنے میاں کے ساتھ باہر گئی ہیں مگر آنے والی ہیں صبح شام داخل ہوا چاہتی ہیں۔ مغلانی جواب لے گئی ادھر نازک ادا نے حسن آرا کے کان میں ثریا بیگم کا حال کہا۔ اور برات کے دن وہ یہاں آئیں گی۔

اس شب کو حسن آرا بیگم اس درجہ مسرور و محظوظ تھیں جس کا حد و پایاں نہیں۔

حسن آرا بیگم سپہر آرا کے پلنگ کے قریب ایک مسہری پر لیٹیں۔ مگر نیند اُڑن چھو۔ مارے خوشی کے پلک کا جھپکانا بھی محال تھا۔ ادھر سے ادھر اور اُدھر سے ادھر کروٹیں بدلتی تھیں۔ میم صاحب کا خط کلبۂ بدیر بشارت رساں تھا سوچتی تھیں کہ اگر مجھے یہ حال پہلے سے معلوم ہوتا تو خدا جانے کیا کیا کہتی اور کیا پیغام بھیجتی۔ اب تک جواب بھی آ گیا ہوتا لیکن اگر ہماری پیغامبر بن کے جاتیں تو ان سے پیغام کب ادا ہوتا۔

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب ان کی
کیونکر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

اتفاق سے سپہر آرا کی آنکھ کھلی تو دیکھا حسن آرا بیگم مسہری پر بیٹھی ہوئی ہیں۔ کہا باجی جان اتنی رات آئی آپ کو نیند نہیں آتی۔ مسکرا کر جواب دیا آج نیند کو ہم نے بٹھا دیا اس وقت خدا جانے کس کی یاد ہے۔

سپہر:۔ اے ماندی ہو جاؤ گی باجی کوئی دو تو بجے ہوں گے۔

حسن:۔ نیند نہیں آتی حضرت عشق بھی عجب چیز ہیں جب فراق تھا تو درد ہجر کے سبب سونا نصیب نہ ہوا اب امید وصل ہے تو خوشی کے مارے آنکھ نہیں جھپکتی۔

سپہر:۔ یہ تو بنی بنائی بات ہے اس وقت بھی ایک قسم کی بے قراری اور بےچینی ضرور ہوگی مگر یہ بےچینی ہزار ہزار آرام سے اچھی ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

حسن:۔ کیوں بہن جس وقت مہری نے آن کے کہا تھا کہ آزاد تو چل دیئے اور یہ خط دے گئے ہیں اُس وقت کو یاد کرو دل کا کیا حال تھا۔ طبیعت دگرگوں ہوئی جاتی تھی ایک وہ زمانہ تھا کہ دل کا آنا اور کسی پر مرنا جانتی بھی نہ تھی اور یکایک آزاد نے ایسا افسوں پڑھ کے پھونکا کہ دل اپنے ہاتھ سے جاتا رہا۔ جب تک دل نہیں آیا تھا تب تک الٹرھ پنے کے دن تھے مگر جب عشق کی آگ سینے میں بھڑکی تب معلوم ہوا کہ عشق کسے کہتے ہیں۔

نہ تھے ہم پیش ازیں آگاہ حال عشق بازی سے
نہ تھا معلوم دل آتا ہے پہلے یا قضا پہلے

سپہر:۔ کہو خدا کو اچھا ہی کرنا تھا نہیں تو معاذاللہ اگر خدا نا کردہ آزاد کے پاؤں میں ذرا بھی کانٹا چبھتا تو بڑی رسوائی ہوتی۔

حسن:۔ اس میں کیا شک ہے۔ مگر بہن گو اس وقت تو تم ہم سے بہت خفا تھیں لیکن سچ پوچھو تو آزاد کو ہم نے آزاد پاشا بنایا۔

سپہر:۔ ہاں اس میں کون کلام ہے۔ مگر باجی جان ان کی دوسری مطبوعہ مس میڈا نے بھی بڑا کام کیا ان کا احسان آزاد کی گردن پر بھی ہے اور تمہاری گردن پر بھی۔ اگر وہ اس وقت مدد نہ کرتیں تو آزاد فوج میں بھرتی ہونے کی حسرت ہی لے کے چلے آتے اور یا تو پھر صورت ہی نہ دکھاتے۔

حسن :۔ نہیں معلوم میم صاحب کیوں کر ہوٹل میں وقت پر پہونچ گئیں۔

سپہر:۔ ان کو ٹوہ تھی نہ وہ بڑی ٹوہی ہیں۔

حسن :۔ کیا جانے ہماری نسبت انھوں نے آزاد سے کیا کہا ہوگا۔

سپہر:۔ اتنی تعریف کی ہوگی اور عشق و درد ہجر کا حال اس خوبصورتی سے بیان کیا ہوگا کہ جس کا حق ہے۔ ایک تو ان کی طبیعت خود رنگین ہے دوسرے ان کے ہاں بے دیکھے بھالے اور بلا عشق کامل کے شادی ہی نہیں ہوتی۔ تیسرے تم سے اس قدر محبت کرتی ہیں۔ چوتھے آزاد کی بہادری اور حسن کی ہمیشہ تعریف کیا کرتی ہیں۔ پھر انہوں نے آپ کی وکالت کیوں نہ ہوگی۔

بہر کجا کہ روم وصف دوستاں گویم
برائے بار فروشے دکان نمی باید

حسن :۔ ہاں خوب یاد آیا۔ یہ اماں جان نے ثریا بیگم کا حال کیوں دریافت کیا تھا۔ ایک مس میڈا ہو تو خیر۔ میں دیکھتی ہوں کہ ہر شہر میں کوئی نہ کوئی مہ پارہ پری چہرہ آزاد کی دل دادہ و شیفتہ ہے اور اگر ان سب پر وہ بھی ریجھے ہیں تو خدا ہی حافظ ہے پھر ہم سے نہ بنے گی۔

نہ شاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش شود بلبلے

سپہر:۔ اپ یہ تو بدگمانی ہے۔ وہم کی دوا لقمان کے یاس بھی نہ تھی۔ یہ کاہے سے معلوم ہوا کہ ثریا بیگم بھی ان پر ریجھی ہوئی ہیں۔

حسن :۔ دریافت کاہے کو کیا تھا پھر آخر۔ اور سنو تو وہ اللہ رکھی کہاں ہے۔ اس کا پتا نہ لگا کہ وہ کہاں چل دی۔

سپہر:۔ باجی جان اگر برا نہ مانیے تو کہوں۔ اس سے تو ہم کو بھی ہمدردی تھی اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ آزاد جان نثار کرنے کو مستعد ہے۔

حسن :۔ تم کسی ترکیب سے کل سویرے اماں جان سے پوچھنا کہ اماں جان جس وقت بیگما بیگم آئی تھیں آپ نے ثریا بیگم کا حال کیوں دریافت کیا تھا

سپہر:۔ اے باجی دور کیوں جاؤ۔ نازک ادا بیگم سے پوچھ لو اُن کو سارا حال معلوم ہے۔ کہتی نہ تھیں کہ نواب سنجر سطوت سے ان کا نکاح ہوا ہے۔ سویرے ہم انھیں سے پوچھ لیں گے۔

حسن :۔ بات یہ ہے کہ میڈا نے تو احسان کیا ہے۔ اس کو تو آزاد جس قدر چاہیں اور پیار کریں بجا ہے۔

مگر اور کا نام ہمارے سامنے نہ لیں

سپہر آرا کو اللہ رکھی کا حال خوب معلوم تھا کہ آزاد کی روانگی کے بعد وہ جوگن ہوگئی اور ٹھان لی ہے۔ کہ جب تک آزاد واپس نہ آئیں گے اسی حالت میں رہے گی۔ سوچیں کہ اگر حسن آرا کو اس حال سے اطلاع دیتی ہوں تو بہ اور کھٹکینگی کہ مبادا اُس نوجوان خوبرو کی وفاداری اور عشق کی کیفیت اور اس درجہ محبت آزاد کے دل میں کوئی اور خیال پیدا کرے اور مس میڈا کے علاوہ اُس کو بھی عقد نکاح میں لائیں

حسن آرا نے کہا سچ کہتی ہو۔

سپہر:۔ میڈا کے ساتھ شادی کا جو اقرار کیا اس میں تو مجبوری تھی۔ اور اس میں ہمیں بھی شکوہ سنجی کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ میڈا کی عنایت اور حمایت کے بغیر کوئی کام نہ چلتا۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ آزاد ہمارے عاشق زار وفادار ہو کر ایسی ویسی پر نظر ڈالیں یہ ہمارا خیال خام تھا سچ ہے۔ ع۔

عشق ست و ہزار بدگمانی

مگر ہم اپنی پسند اور اپنی شناخت پر جس قدر ناز کریں بجا ہے۔ ع

معشوق کیجیے تو پری زاد کیجیے

آزاد وہ آئینۂ طلعت جوان رعنا ہے جس پر ہندوستان سے اقصائے روم و روس تک اچھی اچھی زاہد فریب حوریں دیکھتے ہی ہزار جان سے شیدا ہو گئیں۔

از یوسفیش بہفت خرگا	صد تیغ و ترنج برکف بار
صد صبح بہار در جبینش	صد دستہ چمن در آستینش

سپہر:۔ جو عورت دیکھتی ہوگی۔ اللہ گواہ یہی کہتی ہوگی کہ یا خدا یہ جوان شیر اندام و گلفام کس خوش نصیب خاتون فرخ طالع کا زیب آغوش ہوگا۔

حسن:۔ پولینڈ کی شہزادی صرف تصویر پُر تنویر دیکھ کر اس قدر ریجھ گئی واقعی اپنے وقت کا یوسف ہے اب اس میں ذرا شک نہیں رہا جو نغمہ خوش روح کے ساتھ کرتا ہے وہ آزاد کا نظارۂ جمال انسان کی آنکھوں کے ساتھ کرتا ہے یہ حسن بھی بلائے بے درماں ہے۔

حسن آمد و بر جہاں صلا زد	عشق آمد و صد در بلا زد
نے فن فریب ناگہانی	نے عشق بلائے آسمانی
حرف شب عاشقاں دراز است	افسانہ عشق جلا نگداز ست
عشق ست سر سبو کشادہ	معشوق پیالہ عشق بادہ

سپہر :- اب آج رات کو آپ کو نیند نہ آئے گی۔

حسن :- اب رات ہے کہاں۔ کوئی دم میں سپیدۂ صبح نمودار ہوا چاہتا ہے۔ ہم سنا کرتے تھے بہن کہ عاشقوں کی رات کاٹے نہیں کٹتی مگر یہ معلوم ہی نہ تھا کہ مژدۂ وصل بھی شب ہجر سے کم نہیں اکثر راتوں کو جب آزاد یاد آتے تھے اور میں بے قرار ہو جاتی تھی سوچا کرتی تھی کہ یا خدا جس شب کو آزاد کے مع الخیر واپس آنے کا مژدہ بہجت خیز سنیں گے۔ کس مزے کی نیند آئے گی جیسے کوئی گھوڑے بیچ کے سوتا ہے آج خدا نے یہ خوش خبری سنائی تو نیند نے ہوا بتائی۔ ؎

آں شوخ چناں ربود از من

گوئی کہ دلم نہ بود از من

ایک دفعہ مجھ سے کسی قدر روٹھ گئے تھے تو میں نے مسکرا کر کہا بندہ پرور یہ بے اعتنائی اور کج ادائی خدا کی شان۔ آپ بھی اتنے ہوئے کہ ہم مہر و الطاف سے پیش آئیں۔ اور آپ روٹھیں۔ اس کے جواب میں کہا۔ شان خدا اب ہم ایسے گئے گذرے ہوئے۔

سپہر :- لسان اور مقرر تو پرلے سرے کے ہیں۔

حسن :- اس میں کیا فرق ہے باتیں بھی ویسی ہی اور لگاوٹ بازی بھی ویسی ہی۔ اور دل رُبائی اور شان اور آن بان سب دل چھین لینے میں مطاق ہیں ایک سے ایک بڑھ کر اور میں بالکل ناآزمودہ کار۔ ؎

اب تلک صدمۂ الفت سے نہیں ہوں آگاہ — کچھ بھی دشوار نہیں میری گرفتاری آہ

کوئی دلدار ہوا اور کوئی ادائے دل خواہ — بہ تکلم بہ خموشی بہ تبسم بہ نگاہ

می تواں برد بہر شیوہ دل آساں از من

سپہر :- افوہ واقعی جب مہری نے آن کے کہا تھا کہ چلے گئے تو مجھے اس قدر کا قلق ہوا تھا کہ دل ہی جانتا ہے۔

حسن :- مگر میرے استقلال طبع کی نہ تعریف کرو گی۔ کیوں سچ کہنا بہن تم نے لاکھ سمجھایا اور ہزاروں دلیلوں سے منت سے سماجت سے کہا مگر میں نے ایک نہ سُنی۔

اتنے میں نازک ادا بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ کہا بھئی اللہ یہ کیا بک بک لگائی ہے پچھلے سے بکتے بکتے یہ وقت آیا۔ زبان کیا کترنی ہے۔ ولایت کی مقراض ہے کہ رُکتی ہی نہیں۔

حسن :- تم تو ایسا سوئیں کہ کل تک اُٹھنے کا نام ہی نہ لیتیں اب سویرے جو آنکھ کھلی تو یہ نخرے۔

نازک :- تم کو آج بھلا کہاں نیند آتی۔

حسن :- پھر تو یہ ہئی ہے۔ آج بھلا سونے کا کون موقع تھا۔

نازک :۔ مجھے بڑی ہنسی آتی تھی جب میں سُنتی تھی کہ حسن آرا راتوں کو خدا نخواستہ رویا کرتی ہیں۔
حسن :۔ کسی پر دل آیا ہوتا تو قدر رو عافیت معلوم ہو جاتی۔

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی میری طرح

سپہر :۔ ہے تو سچ بہن۔ دل آنا ستم ہے بخدا۔
حسن :۔ پھر بھلا آپ کے ہنسنے کی کون بات ہے دل ہی تو ہے جب ہجر یار نے ستایا تو خواہی نخواہی آنسو آنکھوں سے جاری ہو جائیں گے۔
نازک :۔ چلو اب تو خداوند کریم نے تمہاری سُن لی۔
حسن :۔ شکر ہے اس کا مستجاب الدعوات نے ہماری دعا قبول کرلی۔ اور آزاد کو بھی سُرخ رو کیا۔ ورنہ کئی بار ہمیں یوں ہی سی امیدیں رہی تھیں اُس وقت البتہ ہمارا دل بے قابو ہو گیا۔
نازک :۔ ہوا ہی چاہے۔ یہ تو قاعدہ ہے بہن۔
سپہر :۔ بارے بخیر گذشت خدا نے سن تو لی۔
حسن :۔ اس دن البتہ ہمارا دل بہت مغموم ہوا تھا جب ہم نے سنا تھا کہ ایک عورت کے ساتھ آزاد نے نکاح پڑھوا لیا۔
سپہر :۔ مگر وہ تو طوفان اٹھایا تھا اور مجھے بالکل یقین نہیں تھا کہ آزاد اور روم میں جاکر کسی ایسی ویسی کی طرف طبیعت مائل کرے۔
نازک :۔ اے توبہ۔ یہ ان ہونی بات تھی جو شخص منزلوں کیا معنی بلکہ برسوں کی راہ طے کرکے دور دراز کے ملک میں جائے اس سے یہ امید کیونکر ہوسکتی ہے کہ وہاں جاکے کسی اور پر ریجھے جو لوگ اس قطع کے ہوتے ہیں وہ اتنی دور نہیں جایا کرتے۔
حسن :۔ مگر اس وقت خدا جانے ہمارے دل کو کیا ہوا کہ بے اختیار رونا آگیا اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ مُردنی چہرے پر چھاگئی۔
سپہر :۔ اس دن تو باجی جان خاتون جنت کی قسم بڑا غضب ہو گیا تھا ڈاکٹروں اور حکیموں تک کی نبضیں ڈھیلی ہوگئیں۔ اچھے اچھوں کے رُخ چھوٹ گئے مگر خدا نے بڑی کریمی کی۔
نازک :۔ تب تک ہم سے تم سے اس قدر ربط نہیں تھا مگر ہم نے سنا تھا کہ حسن آرا بیگم کی طبیعت درجۂ اعتدال سے متجاوز ہے۔ اور پھر سُننے میں آیا کہ ڈاکٹروں نے خدا نخواستہ جواب دے دیا۔

حسن :- جواب تو دے ہی دیا تھا اِن طبیب مودن نے صاف کہدیا تھا کہ اب نہ بچیں گی۔ مگر ڈاکٹروں نے آن کے مسیحائی کی اور ہمیں جلا لیا۔ خدا جانے کون عرق دیدیا عرق کیا آب حیات تھا پہلے دس قطرے پانی کیساتھ پیے پھر آدھ گھنٹے کے بعد دس قطرے اور استعمال کیے خدا کی عنایت سے آنکھیں کھول دیں۔ سب کی جان میں جان آئی۔ رونا پیٹنا شروع ہو گیا تھا۔

نازک :- دیکھیں آزاد پاشا سے کیسی باتیں ہوتی ہیں۔

حسن :- اللہ جانتا ہے اگر ان کی تقریر سن لو تو برسوں نہ بھولو۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔

نازک :- اللہ اللہ اور ہمارے میاں کی تقریر سنو تو یہ معلوم ہو کہ باغ کے باغ مُنہ سے جھڑ رہے ہیں۔

حسن :- واہ۔ آزاد کا تکلم و تبسم اور کج ادائی و دلربائی خدا جانتا ہے بہن دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہزاروں میں ایک دیدار و جوان ہے۔ اچھا اپنے میاں کا اور ہمارے آزاد کا ایک دن مقابلہ کرو۔

نازک :- اچھا جو خوبصورت ہو وہ دوسرے کی بیوی کو چھین لے۔

حسن :- واہ بہن۔ مطلب یہ کہ ہم سے سوتنیا ڈاہ پیدا کرو گی پھر صاف صاف یہی کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ آزاد پر تمہارا بھی دل آیا ہے۔

نازک :- اچھا خیر یوں ہی سہی کیا مضایقہ ہے۔

حسن :- اب نیند آتی ہے۔ ارادہ ہے کہ نماز پڑھ کے ذری سو رہوں ورنہ دن کو طبیعت بہت بے چین رہے گی۔

نازک :- اچھا اب سو بہن نماز پڑھو اور سو رہو۔

دوسرے روز ساری خدائی میں مشہور ہو گیا کہ سپہر بسالت و ہمدردی کے تابندہ اختر مشرقستان جمعیت و حب الوطنی کے مہر منور آزاد فرخ نہاد مع الخیر والعافیت بعد حصول فتح و فیروزی نام کر کے روم سے واپس آئے۔ صبح سے بارہ بجے تک ہوٹل میں وہ اژدحام عام تھا کہ تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ تھالی اچھالی جاتی تو سر ہی سر جاتی۔ شہر بھر کے لوگ جمع۔ تانتا لگا ہوا تھا۔ جس نے سُنا فرط اشتیاق سے سر کے بل گیا۔ مس میڈا اور کلیرسا خوش و خرم کہ آزاد کے ہم وطن ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی دلی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ دفور جوش سے اکثر آدمیوں نے آزاد کے قدم لیے اور بڑھ بڑھ کے تعریفیں کرنے لگے کہ واہ رے سورمان مردان مرد شیر دل کیا کہنا ہے۔ ع۔ ایں کار از تو آید مردان چنیں کنند۔ یہ تمہارا ہی کام تھا بھائی جان۔

حافظ :- آج جدھر جاؤ آزاد ہی آزاد کا چرچا ہے۔

شیخ :- ہوا ہی چاہیئے برسوں کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا۔ بچھڑے ہوؤں کو ہم سے ملایا ہے۔ حسن آزاد کی

تصویریں دیکھ دیکھ کر دل کو ڈھارس دیتے تھے۔ اُس کو آج روبرو دیکھ رہے ہیں اس سے زیادہ خوشی اور کیا ہوگی۔

سیّد :۔ اجی کیسی خوشی! شادی مرگ دو ایک کو ہو جائے تو عجب نہیں خوشی کیا شے ہے یہ شخص اس قابل ہے کہ اس کے پانوں دھو دھو کے پیے۔

جماعت :۔ (متفق اللفظ ہو کر) اس میں کیا کچھ شک بھی ہے۔

آزاد :۔ آپ سب صاحبوں کی ہمدردی کا شکریہ۔ مگر میں نے تو صرف اپنا فرض ادا کیا اور وہ بھی خالی از طمع نہیں ایک تو یہ خیال تھا کہ حسن آرا بیگم محظوظ ہوں گی اور اس کارگزاری کے جلدو میں اُن سے ہم آغوشی نصیب ہوگی۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ برادران دینی اور ملک کے کام آؤں گا جو عین ذریعہ مغفرت سمجھا گیا ہے، ان دونوں خیالوں نے مجھے اور بھی پر چک دی۔

حافظ :۔ دو لاکھ خیال ہوں جب دل مضبوط نہیں۔ کچھ نہیں ہو سکتا پہلے دل تو ایسا مضبوط کرلے اور اللہ رے استقلال۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ استقلال کی بھی کوئی حد ہے۔ یہ آزاد ہی کا کام تھا۔

سیّد :۔ دریں چہ شک تب تو آج طوطی بولتا ہے۔

ایک :۔ اس وقت کوئی حسن آرا بیگم کے دل سے پوچھے۔

دوسرا :۔ میرے دل کی بات کہی۔ واللہ سچ ہے۔

تیسرا :۔ حضرت ہم کو تو امید نہیں ہے کہ آزاد پاشا زندہ آئیں گے۔ ہم تو مایوس ہو گئے تھے۔ مگر خدا کی کریمی کے صدقے کہ یہ روز سعید دیکھا۔

چوتھا :۔ اس اقبال کو دیکھیے کہ جس جنگ میں شریک ہوئے فتح ہی پائی۔ جس سے مقابلہ کیا اس کو نیچا ہی دکھایا کبھی کسی سے دب کے نہ رہے آج تک۔

حماک اللہ عن شر النوائب
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

پانچواں :۔ بھائی صاحب اس شکل و صورت کا آدمی ہر دل عزیز ہی ہوتا ہے۔ آدمی کیا پری ہے۔ حسن ہے اور صورت دیکھیے تو شریر۔ جواں مرد اور خوبرو۔

زلف کو دیکھ کے سنبل ہے پریشاں کیسا — اس کا منہ دیکھ کے آئینہ ہے حیران کیسا
تم کو اے قافلہ والو مہ کنعاں کی قسم — میرے یوسف کا یہ ہے چاہ زنخداں کیسا
قامت سرو پہ ہے ناز تجھے اے قمری — دیکھ تو ہے یہ مرا سرو خراماں کیسا

میڈا:۔ (مسکرا کر) یہ بھی ہم کو خواجہ کا بھائی معلوم ہوتا ہے۔

کلیرسا:۔ (زیر لب تبسم کر کے) بھائی! بڑا بھائی کہو۔

آزاد:۔ کہاں تو باتیں کر رہے تھے کہاں ایسے مزے میں آئے کہ گانے لگے کہ بیشک خوجی کا بڑا بھائی ہے خواجہ صاحب اس وقت آرام کر رہے ہیں (ہوٹل والے سے) ذرا اُن کو جگا تو دو۔

اتنے میں خواجہ صاحب آنکھیں ملتے ہوئے برآمد ہوئے اور جم غفیر دیکھ کر باواز بلند للکارے۔ ایں جماعت برود چرا ایں مردم سازش برائے بہر جنگے نمودہ بودہ اند یا چہ۔

آزاد:۔ اجی حضرت تسلیم۔ واسطے خدا کے ترکی نہ بولو۔

خوجی:۔ (مسکرا کر) حضرت ہم نو فارسی الاصل ہیں۔

میڈا:۔ خواجہ صاحب آپ کی جوڑ کے ایک اور بزرگوار بھی یہاں مستعد ہیں۔ اب تک آپ بے نظیر تھے اب آپ کا جواب بھی مل گیا۔

اتنے میں وہ مسخر الدولہ خواجہ بدیعا کا بھائی پھر ہانک لگانے لگا اور خواجہ صاحب بھی چکرائے کہ من چہ فش مام برادر کلاں من بسیار فش است۔

مسخرہ:۔ ایک پیسے بلکہ ایک جھجی کوڑی سے لے کر کروڑ روپیہ تک کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ آزاد کا سا جوان نہ ہوا اور نہ ہوگا اور نہ ہے۔

ٹیڑھی سیدھی نہ کیوں سنے اس کی
راست قامت ہے کج ادا ہے وہ

آزاد:۔ افوہ۔ واللہ بالکل خوجی ہی ہیں۔ قد و قامت بھی ویسا ہی بات چیت بھی ویسی ہی۔ شکل وصورت بھی مشابہ اور برجستہ شعر تو ایسا پڑھا کہ خود خوجی ہی جھینپ گئے ہوں گے۔

میڈا:۔ (رومال لب پر رکھ کر مسکراتی ہوئی) بس ان کو چھپاؤ اُن کو دکھاؤ، اُن کو چھپاؤ اِن کو دکھاؤ۔ ذرا فرق نہیں۔

مسخرہ:۔ حضور مس صاحب بہادر سنیے گا۔

چراغ زیر دامن کیوں بنی ہو
دوپٹا منہ سے سرکایا تو ہوتا

خوجی:۔ یہ کوئی مسخرہ ہے کون۔ اور تو اور یہ عورتوں پر آوازہ کسنا کیا معنی۔ کچھ سیدھا تو نہیں آیا ہے۔

مسخرہ:۔ کوئی ہم سے بڑھ کے دیکھ لے بڑا مردوا ہو آجائے۔

خوجی:۔ (کتارا تول کر) کیا کیا۔ برس پڑوں۔

مسخرہ :۔ جا اپنا کام کر۔ جو گرجتا ہے وہ برستا نہیں۔

خوجی :۔ بچہ تمہاری قضا میرے ہی ہاتھ سے ہے۔

مسخرہ :۔ ساتھ بھر کا آدمی۔ بونے کے برابر قد اور چلا ہے ہم سے برآنے۔ خدا کی شان۔ اس وقت فقط محمد آزاد کا لحاظ ہے ورنہ جہاں کے تھے وہیں پہونچا دیتا۔ اکڑنا وکڑنا سب بھول جاتے۔

خوجی :۔ کوئی ہے لانا تو چنڈو کی نگالی لے آئیے۔

مسخرہ :۔ گئے کہاں ہیں جو تم بلاتے ہو۔ ہم تو جہاں کھڑے تھے وہیں ہیں شیر کہیں ہٹا کرتے ہیں جیسے سوجے ڈٹے موڈٹے۔ اب تو ہاتھی اور مکنا مست ہاتھی بھی آئے تو ہٹنا معلوم۔

خوجی :۔ (کمر کس کے) قضا کھیل رہی ہے تیری ہیں اس کو کیا کروں اب جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سُن لو۔ تھوڑی دیر میں لاشس پھڑکتی ہوگی۔ اتنا یاد رکھنا میں ایک نہ مانوں گا۔

کہا گرم ہے خوں میرا پڑے سینکڑوں چھالے
پیدا ہوئی ظالم تیری تلوار میں گرمی

مسخرہ :۔ میں بھی ایک نہ مانوں گا ڈٹا سوڈٹا بس۔

گر نہ ہو ہم خزاں دل میں نہ امید بہار
پھر تو نخلِ ناامیدی میں ثمر پیدا کروں

راوی :۔ بہت ہی خاصے اچھے ملے۔ دونوں بے تکے۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

دونوں اچھے ملے۔ جواب ترکی بہ ترکی۔ کوئی کم نہیں۔

خوجی :۔ تیرے ننھے ننھے ہاتھ پاؤں پر رحم آتا ہے۔

یاد آتا ہے مرا تن پر داغ
اس نے جب لالہ زار کو دیکھا

مسخرہ :۔ ننھے ننھے ہاتھ پاؤں کے بھروسے نہ بھولنا۔ نہیں تو

بے خودی میں گل و سنبل کو جو دیکھو تو کہو
رخ گل رنگ یہ ہے زلف گرہ گیر یہ ہے

راوی :۔ اچھی جوڑ چھپکی۔ ہم رنگ کی دون ہے۔

آزاد :- آپ دونوں صاحب کیوں لڑے مرتے ہیں۔ خواہی نخواہی دونوں کے چہرے سے شرافت برستی ہے مگر خدا جانے اس جنگ زرگری اور پاجی پن کی باتوں سے کیا ملتا ہے۔

مسخرہ :- ذری زبان سنبھالے ہوئے حضرت۔ اس کو پاجی بنایئے مگر بندے کی طرف خطاب نہ فرمایئے گا۔ سمجھے۔

خوجی :- اس پاجی کو ہزار بار پاجی کہیئے۔ مگر مجھے بانسون کو اس میں شامل نہ کیا کیجئے۔ پاجی کوئی اور ہوتے ہوں گے۔

ہوٹل میں جتنے کھڑے تھے۔ سب کو شگوفہ ہاتھ آیا اور بڑے شوق سے ان دونوں بونے کو زپاچہ پہلوانوں کی کشتی دیکھنے کے منتظر تھے کہ اب چلی اور اب چلی۔ یار لوگ آپ جانیے ایک ہی فقرہ باز آوازہ کسنے لگے تاکہ دونوں جھلائیں اور آپس میں خوب دھول دھپا ہو۔

ایک :- بھئی ہم تو ان کی طرف ہیں۔ (خوجی کی جانب)

دوسرا :- ہم بھی۔ یہ ان سے کہیں سکت دار ہیں۔

تیسرا :- کون۔ واہ۔ کہیں ہوں نہ اُن میں اور ان میں بیس اور سولہ کا فرق ہے چاہے بدلو بولو کیا کیا بدلتے ہو۔

چوتھا :- اجی ان سے کیا کہتے ہو۔ ہم سے بدو ہم ان کے ہاتھ پر بدتے ہیں (مسخرے کی طرف) ایک روپیہ سے تا بہ سو تلک مارو ہاتھ۔

خوجی :- جس کا روپیہ فالتو ہو وہ اُن کے ہاتھ پر بدے اور جو کچھ گھر بنا لیجانا چاہے وہ ہمارے ہاتھ پر بدے بس یہ اشارہ کر دیا ہے۔

مسخرہ :- ایک لپوٹے میں بول جائے تو سہی۔ بات کرتے کرتے پکڑ لاؤں اور چٹکی بجاتے چت کروں۔ یوں یوں (چٹکی بجاکر)

خوجی :- نا۔ اتنی دیر خواجہ بدیعانہ لگائیں گے۔

مسخرہ :- تم تو بڑے ہوگے گھوڑے پر اتنی دیر میں۔ تم اور مقابلہ مردان جنگی کرو۔ یہ منہ کھائے چولائی ایک انگلی سے وہ پیچ باندھوں کہ تڑپنے لگو۔

لیا جس نے ہمارا نام مارا بے گنہ اُس کو

نشاں جس نے بتایا بس وہ تیروں کا نشانہ تھا

آزاد :- بڑھ گئے خواجہ صاحب۔ یہ آپ سے بڑھ گئے اب کوئی برجستہ شعر فرمایئے تو عزت رہے۔ ورنہ اسی دم ڈوب گئی۔ جی حضرت دل لگی نہیں ہے۔

خوجی :۔ اجی اس سے اچھا شعر اور حسب حال۔

تڑپا نہ تہِ خنجر میں ذرا سر اپنا دیا شکوہ نہ کیا
تھا پاسِ ادب جو قاتل کا یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

مسخرہ :۔ (لنگ کس کر جنگ کے لیے آمادہ ہو گیا) آ و لے اب۔

خوجی :۔ (کتارہ رکھ کر) دیکھ تیری قضا آ گئی ہے۔

مسخرہ :۔ معلوم ہو جائے گا کس کی قضا آئی ہے۔ ذرا سامنے آؤ تو ایک جھڑپ میں زمین میں سر کھونس دوں بس ایک ہی جھڑپ میں جی۔

خوجی اور مسخر الدولہ دونوں کے سر پر جنون سوار ہوا اور دونوں نے ٹھان لی کہ ضرور کشتی کریں گے یہ سمجھے تھے کہ مسخرہ کیا مال ہے۔ چھٹتے ہی اٹھا کے دے ماروں گا۔ وہ کہتے تھے ایسے ایسے بونوں کو نیچا دکھانا کون بات ہے اشارے میں لڑا دوں اور چرمر کر ڈالوں اس کی اصل و حقیقت کیا ہے۔

اتنے میں خواجہ بدیع الزماں پہلوان بھی خم ٹھونک کے آگے بڑھے۔

خوجی :۔ خم ٹھونک کر۔ اب بھی کہا مان۔ نہ لڑ۔

مسخرہ :۔ (ڈنڈ پیل کر) یا علی مدد ے مدد کن خدایا۔

خوجی :۔ آؤ خواجہ بدیع تم بھی دس ڈنڈ کر لو۔

مسخرہ :۔ بس اب ڈنڑ مگدر رہنے دو اور آن کر چمٹ جاؤ۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ قدم درویشاں رد بلا

بال سا آنکھوں میں کھٹکا کیا میری شب ہجر ۔۔۔ یاد موئے کمر یار نے سونے نہ دیا
جلد تلوار اٹھا لی مرے سر پہ رکھ کر ۔۔۔ سایۂ تیغ میں بھی یار نے سونے نہ دیا
ہجر میں ہوتے تو کیا وصل میں منہ دکھلاتے ۔۔۔ خیر گذری جو غم یار نے سونے نہ دیا

قبر میں جن کو نہ سونا تھا سلایا اُن کو
پر مجھے چرخ ستم گار نے سونے نہ دیا

خوجی :۔ اب اس وقت شعر و شاعری سے کیا واسطہ۔

آزاد :۔ جاؤ بھی شاعری میں تو تم بالکل دب گئے۔

خوجی :۔ کون واہ خوب سمجھے حضور۔ اے حضرت۔

خلاقی مضمون کا ہے سب کو دعوے
کھل جائے جو چندے میں زباں بند کروں

خواجہ صاحب شعر پڑھنے میں مصروف تھے کہ اتنے میں مسخرے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً لڑپڑا اور گردن میں ہاتھ دے کر قریب تھا کہ زمین پر دے پٹکے مگر خواجہ صاحب سنبھلے اور جھلا کے مسخرے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر کہا (یہ پنجۂ قضا دست اجل ہے۔ اب یہیں ڈھیر ہو گے۔ یہیں کی مٹی بدی تھی تجھے) اپنے ان کی گردن زور سے ہلا کر کہا کہ میاں بس اب تم کو ہم مرحوم کہیں گے۔ تم مرے داخل ہوئے۔

خوجی:۔ (دانت پیس کے جھٹکا دے کر) اور لے گا۔

مسخرہ:۔ (اگذا جما کر) لے اور لے گا اور لے۔

خوجی:۔ (گھونسا دے کر) ایک اور لیتا جا اور ایک اور۔

مسخرہ:۔ (دانت کٹکٹا کر) آج تجھے جیتا نہ چھوڑنے کا۔

خوجی:۔ ہوش کی دوا کر۔ دیکھو ہاتھ ٹوٹا تو نالش کر دوں گا۔ کشتی میں ہاتھا پائی کیسی بد تمیز بے شعور۔

راوی:۔ سچ تو ہے کشتی میں ہاتھا پائی سے کیا واسطہ۔

مسخرہ:۔ ہاں۔ ہاتھ ٹوٹا تو نالش کر دو گے۔ اپنی بڑھیا کو بلاؤ۔ کوئی لاش پر رونے والا ہو تمہاری۔

خوجی:۔ (جھلا کر) یا تو قتل ہی کریں گے یا قتل ہوں گے۔

مسخرہ:۔ اور ہم قتل ہی کر کے چھوڑیں گے۔

اتنے میں خواجہ صاحب نے ایک آنٹی بتائی تو مسخرا گرا مگر پٹ اور خواجہ صاحب بھی اُس سے الگ منہ کے بل زمین پر آ رہے۔ اب نہ یہ اُٹھتے ہیں نہ وہ۔ دوسری بار خواجہ صاحب نے مسخرے کو چھٹنی بتائی اور نیچے پکڑ لائے تو مسخرے نے فوراً ان کی گردن دبائی۔ اب ادھر خوجی تڑپ رہے ہیں اُدھر مسخرہ نیچے دبا ہوا ہے۔ نہ وہ ان کی گردن چھوڑتا ہے نہ یہ اُس کو چھوڑتے ہیں دونوں اپنے داؤں گھات کر رہے ہیں۔

مسخرہ:۔ مار ڈال مگر میں گردن نہ چھوڑوں گا۔

خوجی:۔ تو گردن مروڑ ڈال مگر میں ادھ مرا ہی کر کے چھوڑوں گا۔ گردن چاہے مرنڈا ہو جائے مگر پیس ڈالوں گا۔

مسخرہ:۔ (گردن زور سے دبا کر) اب بتاؤ بچہ جی۔

خوجی:۔ (خوب دبا کر) اس کا جواب یہ ہے سمجھا اُس کا جواب یہ تھا ہائے گردن گئی گئی گردن۔ موت کا سامنا ہے۔

مسخرہ:۔ بڑے مرا۔ جان گئی پسلیاں چرچر بول رہی ہیں۔

خوجی:۔ ہر چہ بادا باد جو کچھ ہو سو ہو کچھ پروا نہیں ہے۔

مسخرہ:۔ یہاں کس کو پرواہ ہے کوئی رونے والا بھی نہیں ہے۔

اتنے میں خوجی نے گردن چھڑائی ادھر مسخرہ منہ کی کھا گیا۔ اور خوب تالیاں بجیں۔ دونوں سمجھتے تھے کہ ہم شیر ہیں۔

خوجی :۔ (اپنی گردن دباکر) افوہ اللہ میں ہی ایسا بے حیا تھا کہ گردن بچ گئی ورنہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ واہ رے ہم

مسخرہ :۔ اور ہم کس سے کہیں۔ میرا ہی سا پاجی تھا کہ اتنی دیر تک برداشت کی ورنہ دوسرا اب تک کب کا بول چکا ہوتا۔

اب یار لوگوں نے پھبتی فقرے چست کیے اور دونوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ ایک صاحب بولے بھی ہم تو اللہ کے دم کے قائل ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ واہ۔ اگر جی آدھ گھڑی اور کشتی رہتی تو وہ مار لیتا۔ تیسرے نے کہا۔ اچھا پھر اب کے سہی۔ کیا کسی کا دم تھوڑا ہی ٹوٹا ہے۔

یار لوگ تو ان کو تیار کراتے ہی مگر ان میں دم نہ تھا۔ آدھ گھنٹے تک دونوں ہانپا کیے۔ مگر زبان چلی جاتی تھی اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے سے دونوں نہیں چوکتے تھے،

خوجی :۔ ایک ذرا اور دیر ہوتی تو پھر دل لگی دیکھتے۔

مسخرہ :۔ ہاں بیشک دل لگی دیکھنے کا جب ہی موقع تھا۔

خوجی :۔ خدا کا شکر کرو بچ گئے ورنہ منہ بگاڑ دیتا۔

مسخرہ :۔ اب تم اس فکر میں ہو کہ میں پھر اٹھوں۔

خوجی :۔ کیوں ہڈیاں چلچلاتی ہیں۔ اٹھوں پھر :

مسخرہ :۔ میرے دبلے پتلے ہاتھ پاؤں پر نہ جاؤ۔

ہر بیشہ گمان مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

فقرہ بازوں نے دیکھا کہ پھر لڑائی کے قابل ہوئے تو فقرے چست کرنا شروع کیے۔

ایک :۔ خواجہ صاحب میں تو دم ہی نہیں باقی ہے۔

دوسرا :۔ واہ ان کا بدن چور ہے۔

تیسرا :۔ اچھا پھر تم ان کے ہاتھ پر بدو ہم ان کے ہاتھ پر بدتے ہیں دیکھا نہیں تھا کس ترکیب سے پکڑ لائے تھے ہاتھ لاتے ہی پکڑ لائے تھے۔ ایک ذرا دیر اور ٹھہرتے نا تو دم ہی نکل جاتا۔

چوتھا :۔ ہم تو ان کے قائل ہیں اتنی دیر تک گردن دبی رہی مگر ذرا چوں تک نہ کی۔ اُف تک نہیں۔ وہی تیور، وہی خم دم۔

پانچواں :۔ واہ تعریف ان کی کرو چٹکی بجاتے پکڑ لائے۔

خوجی :۔ یہ بات اجی ہم نے مصر تک کے پہلوانوں کو تو نیچا ہی دکھایا یہ بیچارے کس کھیت کی مولی ہیں جو دیکھتا ہے عاشق ہو جاتا تھا۔

دم پھڑک جائے جسے سنتے ہی تقریر یہ ہے | دیکھے تو جی ہی نکل جائے نگہ تیر یہ ہے
قتل ہوں گا میں ترے ہاتھوں سے یہ لکھا ہے | جو ہر تیغ نہیں ہے خط تقدیر یہ ہے
دیکھتے رہتے ہیں ہم خواب پریشاں اکثر | پیچ میں آئیں گے اس زلف کی تعبیر یہ ہے

خط ہوا اشک رواں پنجۂ مژگاں قاصد
چشم گریاں ترے مضمون کی تاثیر یہ ہے

آزاد :۔ اب زیادہ بکھیڑا نہ بڑھاؤ قصہ مختصر کرو۔
مسخرہ :۔ حضور میں اسے نیچا دکھائے بغیر نہ رہوں گا۔
خوجی :۔ (بڑھ کر) آؤ دکھاؤ نیچا (ہاتھا پائی ہونے لگی)
مسخرہ :۔ ابے تو گردن تو چھوڑ، گردن چھوڑ دے ہماری۔
خوجی :۔ اس دفعہ تم نے گردن پکڑی تھی اب کی ہمارا داؤں ہے۔
مسخرہ :۔ تھپیڑ لگا کر۔ ایک (دوسرا گن کر) دو۔
خوجی :۔ چپت دے کے۔ تین تین۔
مسخرہ :۔ (گدے پر گدا جما کر) چار پانچ۔
فقرہ باز :۔ سو تک گن جاؤ یوں ہی۔ ہاں پانچ ہوئیں۔
دوسرا :۔ ارے یار بڑا غضب ہے۔ ایسے ایسے جوان اور پانچ ہی تک گن کے رہ گئے۔ ہاں چھ کی آواز آئے چھ کی۔
خوجی :۔ (جھلا کر چپت دی) چھ چھ۔ اور نہیں تو بڑی دیر سے لوگ مشتاق تھے کہ چھ کی آواز نہیں آتی اور میرے دل میں بھی خلش تھی آخر کار خدا خدا کر کے خلش رفع ہوگئی۔

یاد مژگاں سے نہ آنکھوں میں مری نیند آئی
آہوؤں کو خلش خار نے سونے نہ دیا

اس مرتبہ وہ گھماسان لڑائی ہوئی اور اس قدر گدا چلا کہ دونوں بے دم ہو کر گر پڑے اور رونے لگے۔
خوجی :۔ بابائے من بدیع آزاد۔ بندہ مردنی قریب۔
مسخرہ :۔ اُف۔ بے موت مرے۔ آئے تھے تو آزاد پاشا کو دیکھنے یہاں اس مسخرے سے چمٹ پڑے۔

لاحول ولاقوۃ۔

خوجی :۔ آزاد بھائی ہمارا مزار کسی پوست کے کھیت کے قریب بنوانا۔

مسخرہ :۔ آزاد پاشا سلامت۔ ذرا ہماری بھی سنیے ہماری قبر شاہ فصیح کے تکیے میں بنوائی جائے جہاں ہمارے والد ماجد خواجہ بلیغ الزماں دفن ہیں۔

خوجی :۔ (چونک کر) کون کون۔ ان کے والد کا کیا نام تھا۔

آزاد :۔ خواجہ بلیغ الزماں کہتے ہیں۔ آپ کے نام سے ملتا ہے۔

خوجی :۔ (گریہ وزاری کرکے، بھائی ہمیں پہچانا۔ میں خواجہ بدیع الزماں ہوں۔ مگر ہماری تمہاری یوں ہی بدی ہوئی تھی۔

مسخرالدولہ نے جوان کا نام سنا سرپیٹ لیا کہا بھائی یہ کیا غضب ہوا۔ ارے کیا ستم کیا قیامت کا سامنا ہے ہائے افسوس وائے افسوس۔ حقیقی بھائی حقیقی بھائی کو مارے اور قتل کرڈالے۔ افوہ غضب کا سامنا ہے۔ آزاد پاشا نے کہا ہم تو تعجب میں تھے کہ خوجی کی ان کی صورت اس قدر کیوں کر ملتی ہے وہی ہاتھ پاؤں وہی قدو قامت بالکل ایک اور باتیں بھی ویسی ہی۔ گفتگو بھی ویسی ہی۔ کسی امر میں ذرا فرق نہیں بعینہٖ ایک سے آپ کا کیا اسم مبارک ہے اس نے کہا بندے کو خواجہ رئیس الزماں کہتے تھے۔

آزاد :۔ یہ کہتے تھے کیا معنی۔ کہتے ہیں یا کہتے تھے۔

مسخرہ :۔ کہتے تھے۔ اب تو ہم مردوں میں شامل ہیں نہ۔

آزاد :۔ تو حضرت آپ مردوں میں شامل۔ ہم تو مردوں میں شامل نہیں ہیں۔ جو لوگ آپ کو خواجہ رئیس الزماں کہتے ہیں وہ تو مُردے نہیں ہیں۔

مسخرہ :۔ جناب اس وقت ہوش برجا نہیں واللہ۔

خوجی :۔ ارے بھائی ہوش کجا حواس کجا۔ دو دو رنج ایک تو یہ کہ اپنی جان گئی۔ دوسرے یہ کہ بڑا بھائی ہمارے ہاتھ سے قتل کیا جاتا ہے۔ اور کیا جاتا ہے کیا معنی قتل کرہی ڈالا۔ بھائی صاحب آپ بزرگ ہیں خطا معاف۔ قصور معاف کیجیے۔

مسخرہ :۔ بھائی ہمارے ہاں تو ہوتی ہی آئی ہے۔

خوجی :۔ ہائے کیا بات ہے۔ یہ پُرانے زخم ہیں۔

مسخرہ :۔ اپنے بڑے بھائی خواجہ لطیف الزماں کو ہم نے قتل کیا اور والد مرحوم کو انہوں نے مار ڈالا تھا یہ کوئی نئی بات تھوڑا ہی ہے۔

آزاد:۔ کیا آپ کے بڑے بھائی آپ ہی کے ہاتھ سے مقتول ہوئے تھے۔

مسخرہ:۔ جی ہاں حضرت۔ میں ایسا ہی بدبخت ہوں۔ بڑے بھائی کو قتل کیا۔ چھوٹے بھائی کے ہاتھ سے مقتول ہوا اب تجہیز و تکفین کی فکر کیجیے۔

اتنے میں خواجہ بدیع الزماں صاحب اُٹھ کر خواجہ بلیغ الزماں صاحب سے ملے اور کہا بھائی اب ہم تم دونوں بڑے خواجہ صاحب کے پاس جاتے ہیں اور جناب مرحوم سے ملیں گے۔ اور اب کیا کہوں مگر ہم نے سُنا ہے کہ مرتے دم ذرا انسان کو ہنس دینا چاہیے تاکہ لوگ کہیں ہنستے ہنستے مرا۔

منگر کہ دل خواجہ بدیع پر خوں شد		منگر کہ ازیں سرای فانی چوں شد

تسبیح بدست بود وافیون بدہن		باپیک اجل خندہ زنان بیروں شد

آزاد:۔ حضرت پہلا مصرعہ کس قدر موزوں کر کے آپ نے پڑھا ہے۔ ع۔

منگر کہ دلِ خواجہ بدیع پر خوں شد

سبحان اللہ سبحان اللہ خواجہ بدیع اس مصرع میں عین لطف کی بات ہے۔

خوجی:۔ بڑے بھائی۔ بائے تم سے تو کچھ کہنے بھی نہ پائے۔ بھائی جان ہمارا کلام تو تم نے سنا ہی نہیں۔ میرا ہی کلام ہے۔ دیکھیے فخر خاندان ہوا یا نہیں۔ ابا جان پڑھے لکھے تھے ہی نہیں۔ بھائیوں میں سب جاہل آپ نے ذری صحبت پائی ہے۔ بس۔ شاعر کوئی نہیں بندے نے یہ کمال بھی حاصل کیا۔ کشتی میں بھی برق ہوا۔ روم تک ہو آیا۔ روس تک دیکھا۔ میں تو اس قابل ہوں کہ مجھے ڈبیا میں بند کر رکھے۔ واللہ۔

اتنے میں خواجہ رئیس الزماں بھی کلبلا کے اُٹھے اور دونوں بھائی گلے مل کے روئے۔ رئیس الزماں نے کہا بیٹا تم مجھ سے کوئی بیس برس چھوٹے ہو تم نے پہلے باپ کو اچھی طرح نہیں دیکھا تھا بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ ہم کو روز دکان پر لے جایا کرتے تھے۔

آزاد:۔ کاہے کی دکان تھی حضرت برچون کی۔

رئیس الزماں:۔ جی ٹال تھی۔ لکڑیاں بیچتے تھے۔

خوجی:۔ خ ام فروش۔ س ک وت لازم شد۔

رئیس:۔ کچھ دن کمپوین صاحب لوگوں کے ہاں خانساماں رہے۔

آزاد:۔ برادر خر تو آپ ہی پر پھبتی ہوئی۔ آپ خر آپ کے برادر بجاں برابر۔

خوجی:۔ او برادر خر خ ام وش باش مردک۔

خوجی:۔ قلعی خاندان بدیع می کشاید۔ پدر مرحوم مردہ ایدوں زیر ذکر شان نمودہ۔

آزاد:۔ بس حضرت قلعی کھل گئی۔ قابلیت عالم بالا معلوم شد۔ ابا جان خانساماں اور حضور بدیع الزماں!!!

خوجی:۔ (سر پیٹ کر) ہائے افسوس۔ یارو کیا غضب کی بات ہے۔ یہ اتنا بڑا تجربہ کار اور صاف صاف بک اٹھا۔ افسوس۔

اتنے میں خواجہ بدیع الزماں اور خواجہ رئیس الزماں میں چخ چلنے لگی۔ بڑے اور چھوٹے بھائی کی گفتگو سننے کے قابل ہے۔

خوجی:۔ آپ نے اس وقت وہ بات کی کہ اگر جناب والد زندہ ہوتے تو اسی دم آپ کو طلاق دیدیتے۔ وہ حرکت ناشایستہ آپ سے سرزد ہوئی۔

مسخرہ:۔ اور تم اتنے بڑے ناخلف ہو کہ جیتے باپ کو تم نے عاق کر دیا تھا۔ وہ شریر اور چھٹے ہوئے آدمی ہو۔

خوجی:۔ آپ تو گدھے ہیں منہ پر کہنا تو خوشامد کرنا ہے۔

مسخرہ:۔ ہم گدھے ہیں یا وہ گدھے تھے جنہوں نے تم ایسے گدھوں کو پیدا کیا۔ ان کو گدھا کہو تو می زیبد۔

خوجی:۔ اچھا پنچایت سے پوچھو کون گدھا ہے۔

آزاد:۔ حضرت آپ دونوں کے دونوں گدھے ہیں۔

خوجی:۔ چلو بس فیصلہ ہو گیا۔ اور ہم دونوں پر کیا فرض ہے ہمارا خاندان کا خاندان گدھوں سے بھرا ہے کچھ ایک ہی گدھا تھوڑا ہی ہے۔

آزاد:۔ خیر۔ ع۔ ایں خانہ تمام آفتاب ست۔

اس تو تو میں میں کے بعد خواجہ صاحب اپنے بڑے بھائی کے ساتھ شہر کی سیر کو گئے اور آزاد سے وعدہ کر گئے کہ حسن آرا بیگم کے گھر ضرور جائیں گے۔ ادھر اُدھر گشت کر کے حسن آرا بیگم کے محل سپہر توامان میں داخل ہوئے پیر مرد بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔

خوجی:۔ سلام علیکم۔ پہچانا۔ ایسے جلد بھول گئے۔

پیر مرد:۔ وعلیکم السلام۔ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔

خوجی:۔ تم کیا پہچانو گے۔ تمہاری آنکھوں میں تو چربی چھائی ہوئی ہے۔ تم بھلا ہمیں کیا پہچانو گے۔

پیر مرد:۔ کیا! آپ تو کچھ عجیب مختلا الحواس معلوم ہوتے ہو۔ یہ وجہ کیا کہ جان نہ پہچان خواہ مخواہ کے لیے دس باتیں سنا دیں۔

خوجی:۔ اجی ہم تو سُنائیں بادشاہ کو تو کیا مال ہے گیدی۔

پیر مرد:۔ ایں! ہوش میں اپنے ہے یا نہیں۔ یہ بکتا کیا ہے تو۔

خوجی :۔ کوئی ہے محلسرا میں حسن آرا بیگم کو اطلاع دو کہ مسافر آئے ہیں۔ مہمانی کرو ہماری۔

پیر مرد :۔ اخاہ (استادہ ہو کر) اخاہ خواجہ صاحب تو نہیں ہیں آپ۔ معاف فرمایئے گا حضرت آیئے بغلگیر ہوں۔

خوجی :۔ بھلا بے جانے بوجھے کوئی بھی کسی کو کچھ کہتا ہے۔

پیر مرد :۔ آپ تشریف رکھیں میں خود جا کے اطلاع کر دوں، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپ اور ہمارے آقائے نامدار اور عزیز میاں آزاد صاحب خیر و عافیت سے واپس آئے۔

آدمی کو حکم دیا حقہ بھر وا دو۔ اور آپ کے سامنے لگاؤ بندہ ابھی حاضر ہوا یہ کہہ کر پیر مرد خوش ہوا اندر گئے اور بآواز بلند کہا تو صاحب۔ ع۔ پس ماندے کا پیش خیمہ آیا۔ خوجی داخل ہو گئے جس نے سنا انتہا سے زیادہ خوشی حاصل ہوئی کہ خوجی آئے ہیں۔ حسن آرا بیگم اور سپہر آرا اور روح افزا اور نازک ادا باغ کی طرف کے کمرے میں گئیں اور چلمنوں سے خوجی کو دیکھنے لگیں۔ جانی بیگم اور گیتی آرا اور روح افزا بھی آئیں۔

خواجہ صاحب فضل خدا سے خوش قطع تو تھے ہی ان کو دیکھ کر سب کی سب ہنس دیں۔

نازک :۔ اہو ہو کیا گرانڈیل سڈول جوان ہے۔

جانی :۔ شانے کیسے بھرے ہیں اور ہاتھ پانوں کتنے خوبصورت ہیں اور قد خیر سے کتنا موزوں پایا ہے۔

نازک :۔ ارے ادھ موے خوجی۔ او بہرے خوجی۔

خوجی :۔ (حیرت سے ادھر ادھر دیکھ کر) کون ہے بھئی۔

نازک :۔ (ہنس کر) ادھر دیکھ موئے۔ تجھ پر خدا کا قہر نازل ہو۔ ادھر دیکھ آنکھیں ہی پھوٹیں جو ادھر دیکھے۔

جانی :۔ اللہ جانتا ہے ایسا عجیب غریب آدمی نہیں دیکھنے میں آیا۔ اونٹ کی تو کوئی کل شاید درست بھی ہو۔ اس کی کوئی کل درست نہیں ہنسی آتی ہے۔

خوجی ادھر اُدھر دیکھنے لگے کہ یا خدا یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ اتنے میں پیر مرد آ گئے۔

خوجی :۔ حضرت اس مکان کی عجب خاصیت ہے کچھ۔

پیر مرد :۔ کیا کیا اس مکان میں کوئی نئی بات آپ نے دیکھی۔

خوجی :۔ آوازیں آتی ہیں۔ میں بیٹھا ہوا تھا ایک آواز آئی پھر دوسری آواز آئی۔ قہقہے کی آواز آئی۔ کسی نے میرا نام لے کر پکارا۔ مجھ کو بُرا بھلا کہا۔

پیر مرد:۔ آپ کیا فرماتے ہیں ہم نے تو آج تک کوئی بات اس قسم کی دیکھی نہیں پیدا نہیں ہوئے۔ بڑھے یہیں رہتے ہیں۔

خوجی:۔ تو اس کے معنی یہ کہ میں غلط کہتا ہوں۔

پیر مرد:۔ جی نہیں۔ میں اپنا استعجاب ظاہر کرتا ہوں کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ شاید کوئی بھوت پریت ہو کیا عجب ہے۔

خوجی:۔ (کھڑے ہو کر، ایا با یا۔ واللہ خوب یاد آیا۔ خوب ہی یاد آیا بھئی ہونہ ہو وہی مردک ہو۔ یہاں بھی پیچھا کیا۔

پیر مرد:۔ کون۔ کیا کوئی جن یا آسیب آپ کو ستاتا ہے۔

خوجی:۔ واللہ کیا سمجھا ہوں۔ بھلا گیدی بھلا۔

راوی:۔ حضرات ناظرین غالباً سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

خوجی:۔ اچھا گیدی آج اتنی قرولیاں بھوکی ہوں کہ تو بھی یاد کرے ہم سے بھڑنے کا مزا آج چکھ لے۔

پیر مرد:۔ حضرت کچھ بتائیے تو کون ہے۔ مجھے کچھ اور شک ہوتا ہے۔

خوجی:۔ واہ شک کے کیا معنی۔ اور آپ ہیں کون شک کے کرنے والے۔ صریح وہ ہم کو ہزار بار چکمے دے چکا۔ اور آپ اُلٹا ہمیں کو اُلّو بناتے ہیں۔ ارے صاحب یہ ایک بہروپیا ہے۔ ناک میں مردود نے دم کر دیا۔ واللہ ناک میں دم کر دیا۔ اب تک ہم اکیلے تھے اب دو ہوئے ہم اور بھائی جان وہ خواجہ رئیس الزماں، ہم خواجہ بدیع الزماں اور دونوں کے کینڈے سے پہلوانی برستی ہے۔

پیر مرد:۔ جب سے ہم آن کے بیٹھے ہیں ہم نے کوئی آواز نہیں سُنی۔

خوجی:۔ آپ تو مجھے کچھ سودائی سے معلوم ہوتے ہیں۔

پیر مرد:۔ اچھا صاحب اپنے بھائی سے پوچھیے دیکھیے یہ کیا کہتے ہیں۔

خوجی:۔ ہائے افسوس ارے صاحب وہ تو افیم کی پینک میں غین ہیں۔ اور یہاں مارے خوشی کے نیند حرام ہے۔

پیر مرد:۔ خیر اب ان باتوں کو جانے دیجیے اب کچھ روم کا ذکر چھیڑیے بڑا غضب ہوا مگر خدا کا ہر حال میں شاکر اور صابر رہنا چاہیئے۔ انچہ مرضی مولٰے از ہمہ اولٰے۔

خوجی:۔ آپ کو روم روس کی پڑی ہے اور یہاں کچھ اور ہی خیال ہے حسن آرا بیگم سے اطلاع کر دی آپ نے اب رخصت (اٹھ کر چلے)، رخصت (پھر واپس ہوئے) اوہو خوب یاد آیا ہماری جانب سے آداب عرض کر دیجیے۔ اور کہیے کہ بندہ حاضر ہوا ہے۔ اور خیریت سے سب کے سب آ گئے۔

جب پہلوانوں کے استاد رفیق باتحقیق آزاد حضرت خواجہ بدیعا صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ آوازے کوٹھے پر کسے جاتے ہیں تو دل میں بہت ہی خوش ہوئے۔ اور فرطِ طرب سے فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو دو دو باتیں عرض کروں حسن آرا نے کمرے پر سے کہا کیا مضائقہ ہے فرمایئے۔

خوجی :۔ یا خدا شکر ہے۔ ہزار شکر خدا کہ حضور خاتون بلقیس مرتبت حسن آرا بیگم کی آواز کان میں آئی۔

بریں مژدہ گر جان فشانم رواست

کہ ایں مژدہ آسایش جان ماست

پیر مرد :۔ آپ کو کوئی امر اگر تخلیہ میں کہنا ہے تو فکر کی جائے۔

خوجی :۔ خوشی گلوگیر ہے صاحب۔ اللہ رے مبارک دن۔

حسن :۔ اب یہ بتایئے کہ خیر و عافیت سے تو آنا ہوا۔

خوجی :۔ ہاں آئے تو خیر و عافیت ہی سے مگر۔

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں

کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح

بارے خیر گذشت. آنچہ گذشت۔

کہہ رہا ہے کون کس سے بے شکیبائی ملا

مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائی ملا

ایک تو آزاد پرلے سرے کے آزاد دوسرے ان کے معشوق پریزاد نے یہ پٹی پڑھائی کہ جنگ میں جا کر نام کرو تو بات ہے جیسے سونے پر سہاگہ۔ اس وقت حسن آرا بیگم کے دل سے کوئی پوچھے۔ کہ کیا حالت ہے۔

ہو نہ بے تاب ادا تمہاری آج — ناز کرتی ہے بے قراری آج

اُڑ گیا خاک پر غبار اپنا — ہو گئی خاک خاکساری آج

نزع ہے اور روز وعدۂ وصل — ہے بہر طور دم شماری آج

تیرے آتے ہی دم میں دم آیا

ہو گئی یاس امیدواری آج

حسن :۔ آزاد پاشا کا راستہ تمہارے سبب سے اچھی طرح کٹ گیا ہوگا۔

خوجی :۔ حضور آزاد کے حُسن نے اُن کے ساتھ ہمیشہ بدی کی جس ملک اور جس شہر میں گئے اچھی اچھی شہزادیاں ہزار جان سے عاشق ہو گئیں۔ اور پولینڈ کی شہزادی کا حال تو بس ناگفتہ بہ۔ اس قدر روتی تھیں اس قدر

گریہ وزاری کرتی تھیں کہ الامان الامان۔

عدو نے دیکھے کہاں اشک چشمِ گریاں سُرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سُرخ

حضور ایک روز آزاد کو قید کر دیا اور قید بھی ایسے مقام پر جہاں آدمی کیا پرندہ پر نہیں مار سکتا۔

وحشت دل نے کیا ہے یہ بیاباں پیدا
سینکڑوں کوس نہیں صورت انساں پیدا

پندرہ دن اسی غار کوہ میں بیچارے کو رہنا پڑا۔ ہائے افسوس۔

حسن :۔ (آبدیدہ ہو کر) ہم کو اس وقت دعائیں دیتے ہوں گے۔

خوجی :۔ قسم خدا کی اُن کو بھی یہی خیال تھا۔ کہ یا خدا حسن آرا اپنے دل میں یہ نہ سمجھیں کہ آزاد دغا دے گیا۔

حسن :۔ ہائے افسوس۔ اللہ ری محبت۔

نازک :۔ خاتون جنت کی قسم دل بھر آیا۔

سپہر :۔ پندرہ دن تک پہاڑ کے غار میں قید رہے۔!!!

خوجی :۔ اس پر بھی چین نہ آیا۔ ایک اندارے میں قید کیا اور اندارا جنگل کے اندر۔

حسن :۔ (رو کر)۔ جی چاہتا ہے کسی ترکیب سے اسی وقت آزاد سے ملوں۔

خوجی :۔ ایک مرتبہ اندارے سے آزاد نے یہ شعر پڑھا تھا۔

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

جب میں نے کہا بھائی اب بھی اس کافر سے صلح کر لو ورنہ مفر محال ہے۔ تو فوراً یہ شعر پڑھا۔

ہے صلح عدو بے حظ تھی جنگ غلط فہمی
جینا ہی تو آفت ہے مرتا تو بھلا ہوتا

اور حضور اس طرح کی حسین شہزادی کہ خدا گواہ ہے میں نے آج تک ایسا حسن گلوسوز دیکھا ہی نہیں۔ جوانی اور حسن پھٹا پڑتا تھا خدا کی قسم مگر حسن آرا بیگم کے خیال سے ذرا توجہ ہی نہ کی۔

خواجہ بدیع الزماں نے اس حسرت کے ساتھ آزاد کے مصائب کا حال بیان کیا کہ جس نے سنا رو دیا۔ اور حسن آرا بیگم کے دل کی تو عجیب ہی کیفیت تھی۔

نازک :۔ ہم تو سمجھے تھے کہ یہ موا مسخرہ نرا پاگل ہے مگر ع۔

خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

جانی :- اس طرح پر حال بیان کیا اور ایسی حسرت کی باتیں کہیں اور اس قدر کا رنج دیا ہے کہ تو بہ ہی بھلی حسن آرا آزاد کی لونڈی بن کے رہنا بھی تمہارے لیے فخر کا مقام ہے۔

حسن :- میں خود جانتی ہوں بہن تم کیا کہتی ہو۔

سپہر :- اللہ اللہ میں جس وقت سوچتی ہوں کہ اندارون اور باولیوں اور کنوؤں اور غاروں اور پہاڑوں میں پندرہ پندرہ دن اکیلے رہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

خوجی :- حضور اُس شہزادی کو کسی طرح چین نہ تھا۔ ہجر کے دنوں میں تڑپنا اور وصل میں آیندہ مفارقت کا رونا ہائے ستم۔

نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کمبخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

نازک :- بھلا کوئی دن ایسا بھی تھا کہ اس سفاک ظالم کو ترس آیا ہو اُس نے رحم کیا ہو۔ ہائے افسوس۔

خوجی :- جس روز اُس بت خونخوار نے آزاد کی نسبت حکم دیا تھا کہ یہ اندارے میں جا کر قید رہیں اور وہاں قیدی کی طرح زندگی بسر کریں اُس دن سر سے پا تک سُرخ پوشاک پہن کر آئی تھی۔

ہوا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے
مرا کفن بھی ہو چوں جامۂ شہیدانِ سرخ

نازک :- اے ہے یہ تو سب سنا مگر کسی دن رحم بھی آیا تھا۔

خوجی :- میں نے جا کے آزاد کو خوب سمجھایا کہ واسطے خدا کے عقل سے کام لو دشمن عقل نہ بنو۔ یہ دشت پرخار ہے۔ یہاں قدم قدم پر خوف ہے۔

سپہر :- ان کو لازم تھا کہ شہزادی کا کہنا مان لیتے۔

نازک :- خدا جانے اس میں کیا بجوگ پڑ گیا ہوگا۔

خوجی :- بجوگ کیا معنی! آزاد یہی کہتے تھے کہ میں تو شادی کر لوں مگر خرابی یہ ہے کہ میں وعدہ خلاف میں کھڑا ہونا۔ مجھ کو ایسے آدمی سے کلی نفرت ہے۔ خلاف عمل میں لائے۔
خیال ایفائے وعدہ بھی تو مشکل بات ہے۔

حسن :- آزاد کا سامنا ہوتا تھا وہ خونخوار مردم آزاد کو دیکھتی تھی — آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا۔

چینِ جبیں بلاؤ نگاہِ غضب ستم
کرتی ہے قتل اُس بت خونخوار کی طرح

سپہر :۔ یہ تو پولینڈ کی شہزادی کا ذکر ہے۔

خوجی :۔ جی ہاں۔ یہ انھیں کی عنایت کا حال بیان کرتا ہوں۔

نازک :۔ وہاں تو خواجہ صاحب ہی بیچارے کام آئے تھے۔

خوجی :۔ حضور بعضی بات کہی نہیں جاتی بس گومگو کا نقشہ ہے۔ کہیے تو کوئی باور نہ کرے اور نہ کہے تو مصیبت کا سامنا ہے۔

پیر مرد :۔ نہ کہنا کیا معنی۔ ضرور کہیے سب مشتاق ہیں۔

خوجی :۔ اصل حال یہ ہے کہ وہ شہزادی مجھ پر عاشق تھی۔

حسن :۔ گھر کی ٹیکی اور باسی ساگ۔ موا الو کہیں کا۔

نازک :۔ عاشق ہو یا نہ ہو۔ ان کی بیٹی کے برابر تو ضرور ہو گی۔

خوجی :۔ کیا ! اب یہ تو گالیاں بکتا ہے۔ اور حضور کو اختیار ہے مگر خدا ہی خوب جانتا ہے کہ مجھ پر کون کون پری وش تند رو رفتار عاشق ہو گئی تھی۔ نیک و بد کی گنتی نہیں۔ سارے ملک کی تو تو نہیں ایک دم سے عاشق ہو گئیں مگر شہزادی سے تو ہم نے لگاوٹ بازی خود ہی نہ کی۔ ہاں ایک خادمہ سے جو شہزادی کی بڑی منہ چڑھی اور انتہائی حسینہ تھی اُس سے عشق کا اظہار کیا۔ گو مارے غم کے دل اس لائق نہ تھا مگر۔

دل قابل محبت جاناں نہیں رہا — وہ ولولہ وہ جوشش وہ طغیاں نہیں رہا
ٹھنڈا ہے گرم جوشی افسردگی سے جی — کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا
کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو رفو ہم اب — کچھ بھی خیال جنبش مژگاں نہیں رہا
کیا اچھے ہو گئے کہ بھلوں سے برے ہوئے — یاروں کو فکر چارۂ درماں نہیں رہا
ہر لحظہ مہر جلوؤں سے ہیں چشم پوشیاں — آئینہ تار دیدۂ حیراں نہیں رہا

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا

سپہر :۔ یہ تو شعر خوانی کا موقع نہیں ہے۔ یہاں تو مطلب سے مطلب رکھیے۔ آزاد پاشا نے جو کچھ لکھا تھا سچ لکھا تھا۔

خوجی نے حقہ پی کر اپنی توصیف میں اپنی بسالت اور جواں مردی کا حال اس طرح بیان کیا۔

اور حالات تو آپ نے سنے ہی ہوں گے۔ مگر ایک امر خاص کی نسبت مجھے کچھ کہنے دیجئے ایسا حال بیان کرونگا کہ پھڑک پھڑک جائیے گا۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ سامنے دریا اور دریائے زخار جس کا اور نہ چھور پاٹ کا پتا ہی نہیں۔ سامنے دریا موجزن اور ادھر اُدھر جنگل منزلوں کی راہ پر جنگل ہی جنگل نظر آتا تھا۔ اور دونوں لشکر آمنے سامنے پرے جمائے ہوئے کھڑے ہیں۔ ادھر سے بھی جنگی باجا بجا ادھر سے بھی آواز ڈُہل آئی۔

حسن:۔ اور آزاد کہاں تھے اور تم کہاں تھے۔

خوجی:۔ میں تو خاص قلعے میں تھا۔ قلعہ معلی اور آزاد سمندِ وغا پسند پر سوار عین میدان کارزار میں جواں مردی کے ساتھ کارنمایاں کر رہے تھے۔ ادھر گھوڑا کڑکڑایا اُدھر ہو رہے۔ کل سپہ سالاروں میں بس وہی وہ نظر آتے تھے۔ گو اور بھی جنرل تھے مگر آزاد کے حسن وجمال اور فن جنگ کے کمال کو کوئی نہیں پہونچتا تھا۔ اچھے اچھے خوش رو سپاہی ان کی طرف دیکھ دیکھ کر تعریفیں اور عش عش کرتے تھے اور اس وقت کی یہ تصویر ہے۔

راوی:۔ یہ تصویر میری اندر لے گئی اور وہاں کمال شوق سے سب کی سب تصویر پر گر پڑیں اور مہری کے ہاتھ سے چھین لینے کی کوشش کی۔

پیر مرد:۔ دیکھو دیکھو یہ کیا چھینا جھپٹی ہو رہی ہے۔

خوجی:۔ یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔

پیر مرد:۔ خدا کو دیکھا نہیں مگر عقل سے تو پہچانا۔

خوجی:۔ اے تو صاحب آخر یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ وہ سب کی سب تصویر کی چھینا جھپٹی کر رہی ہیں۔ حضور نے اس خوبی سے کل اُمور بیان کیے کہ تصویر دیکھنے کا سب کو تہ دل سے شوق ہوا۔

پیر مرد:۔ اپنے تئیں آپ حضور کہتے ہیں۔ بہت ہی خوب۔

خوجی:۔ یہ تصویر ملاحظہ فرمالیجئے تو پھر ہم کچھ اور بیان کریں۔

اب سنیے کہ تصویر حسن آرا بیگم نے چھین لی۔ اور کہا اگر دیکھنا ہے تو آدمیت سے دیکھو ورنہ تصویر پھٹ جائے گی اور کسی کے دیکھنے میں نہ آئے گی۔ اس سے مطلب کیا نکلے گا۔

نازک:۔ جو تصویر ہے ایک نئے طرز کی اور ہر تصویر سے بانکپن برستا ہے۔ یہ بات خدا نے آزاد ہی کے لیے پیدا کی ہے۔

سپہر:۔ دیکھو باجی جان اور بھی کئی ہیں مگر جو رعب ان کے چہرے پر ہے وہ کسی اور کے چہرے

پر نہیں۔

نازک :۔ اس میں کیا فرق بھی ہے۔ ع۔

سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

وہ تو ہم جب ہی سمجھے تھے جب ہم نے سنا تھا کہ آزاد نامے ایک باحمیت مسلمان روانہ روم ہوئے ہیں۔

خوجی :۔ حضور ان کی تعریف انسان کی زبان سے محال ہے۔

نازک :۔ بھلا لڑائی کے دن بھی سنمام ہے۔ افسر نماز پڑھتے تھے یا نہیں۔ اُس ، ، کم پڑھتا ہوگا۔

خوجی :۔ سچ کہوں بعض بعض پاشا ـــ نماز ہی چاہے کوئی توپ کے ـــ وہ بے نماز پڑھے ایک قدم آگے اور یہاں تو رند مشرب آدمی۔

ماہمانیم و سبہ مستی ہر روزہ ہماں	نہ شب جمعہ شناسیم نہ ماہ رمضاں
مستیم دانبود مطرب و ساقی درکار	مستیم رانبود نغمہ و صہباسا ماں
مستیم رانبود نامہ سیاہی فرجام	مستیم رانبود بادہ پرستی عنوان
مستیم امانہ ازاں بادہ کہ آید ز فرنگ	مستم امانہ ازاں بادہ کہ سازند فغاں

للہ الشکر کہ در ساغر من ریختہ اند

مے بے رنگ زمیخانہ بے نام و نشاں

نازک :۔ کسی لڑائی میں آزاد کی فوج دب بھی رہی تھی۔

خوجی :۔ کیا مجال۔ اے توبہ کبھی ایسا کہنا بھی نہیں۔

سپہر :۔ تو کیا ہر لڑائی میں روسیوں کو زک دی۔

خوجی :۔ حضور ہر لڑائی میں زک دی۔ اور زک کیسی کہ معاذ اللہ توبہ ہی بھلی۔ جوتے چھوڑ چھوڑ کے بھاگے۔ بڑے مرد میدان ہیں۔ جن کا نام آزاد ہے۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب نے کئی بار اس حسرت سے آزاد کے مصائب شدید کا حال بیان کیا کہ جس نے سنا بے اختیار رو دیا کبھی کبھی ان کی جواں مردی اور بہادری کا ذکر بھی کرتے تھے۔

اتنے میں میم صاحب آگئیں۔ انھوں نے حسن آرا سے مصافحہ کر کے روح افزا کی طرف مخاطب ہو کر کہا مبارک ہو۔ سچ کہنا سب سے پہلے ہمیں نے اطلاع دی تھی نہ۔

روح :۔ واہ یہاں وہ وہ شہر خبرے جمع رہتے ہیں کہ شہر بھر میں کسی کے فرشتے خاں کو کانوں کان معلوم بھی نہ ہو اور یہاں خبر ہو جائے۔

میم :۔ کیا سچ مچ ہماری اطلاع کے پہلے ہی سے خبر ہو گئی تھی۔

روح :۔ ہاں ہاں۔ ایک آدمی نے آن کے کہا کہ آج ہوٹل میں دو میمیں اور ایک صاحب آن کے ٹکے ہیں۔ مگر صاحب بہت اچھی اردو بولتے ہیں۔ ہم نے عقل سے پہچان لیا کہ آزاد ہی ہوں گے۔

میم :۔ اور آنے کی خبر تو تھی ہی پہلے سے۔

روح :۔ اب یہ بتائیے کہ آپ سے کیا کیا باتیں ہوئیں۔

میم :۔ ہمیں ایک نئی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ مس میڈا آزاد کے ساتھ شادی نہ کریں گی۔ اور یہ پکی خبر ہے۔ آج۔

حسن :۔ واہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

بہار :۔ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا میم صاحب۔

میم :۔ میں نے ان دونوں سے خود پوچھا تھا کہ اب تو حسن آرا کے بعد مس میڈا کے ساتھ آزاد کی شادی ہو گی۔ اس نے معاً جواب دیا کہ نہیں نے اپنے دل سے یہ خیال دور کر دیا ہے۔

حسن :۔ اس میں کچھ (فی) ضرور ہے۔ اس قدر عشق تھا کہ بیان سے باہر۔ اور اب یہ کیفیت۔ دفعتاً رائے بدلنا کیا معنی۔ کوئی سبب خاص ضرور ہو گا۔

میم :۔ طبیعت ہی تو ہے۔ مگر اس میں ذرا شک نہ سمجھنا واقعی وہ اب ہرگز شادی نہ کریں گی۔ تم کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آزاد کی تم ہی اکیلی بیوی ہو گی۔ سوت کسی کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تو اس کا رواج ہی نہیں۔ مگر ہم نے کئی سوتیں دیکھی ہیں۔ ایک شخص کی تین بیبیاں اور ایک ہی مکان میں تینوں رہتی تھیں۔ روز جوتا چلتا تھا جب دیکھو جوتی پیزار گالی گلوچ جھگڑا ہو رہا ہے۔ اور تینوں میں جس وقت لڑائی ہوتی تھی اُس وقت تگڈم دیکھنے کی بہار ہے۔

روح :۔ یہ پاجیوں کا ذکر ہے۔ شریفوں میں کہیں جوتا چلا کرتا ہے۔ بھلا کیا مجال۔ شریف زادیاں برداشت کرتی ہیں۔

نازک :۔ اب اس گفتگو سے کیا مطلب آزاد کا حال سنو۔

میم :۔ ہم نے تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ آزاد پاشا ہیں۔

روح :۔ تو دو خوش خبریاں آپ نے آج آن کے سنائیں۔ ایک یہ کہ آزاد آئے اور دوسری میڈا سے شادی نہ ہو گی۔

حسن :۔ ہم کو تو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوئی کیونکہ میڈا اور ہم بہنوں کی طرح زندگی بسر کرتے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آزاد نے کسی ایسی ویسی سے اتنا بڑا اقرار کر لیا ہو۔

مئیڈا کی قابلیت میں کون شک کر سکتا ہے اس کے علاوہ آزاد نے اس قدر نام اسی کے سبب سے پیدا کیا۔ اسی نے ان کو آزاد پاشا بنا دیا۔

مغلانی:۔ حضور اس دن بھی یہی کہہ رہی تھیں اور آج بھی حضور نے یہی فرمایا۔ میں اس کا مطلب نہ سمجھی اس چھوکری نے کیا مدد دی یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

حسن:۔ جب یہ وہاں داخل ہوئے تو ان کو کوئی بھی نہیں جانتا تھا مس مئیڈا ان پر عاشق ہوئیں۔ شادی کا پیغام کیا مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم ہندوستان میں وعدہ کر آئے ہیں۔ ایفائے وعدہ ضرور ہے۔ اور مقدم ہے۔ اس پر مئیڈا نے کہہ سُن کے وزیروں کو ایسی پٹی پڑھائی کہ آزاد کو قید کر لیا۔

مغلانی:۔ اوئی ایسے عشق کو آگ لگے جس کو چاہے اس کو قید کراتے یہ اُلٹی بات سننے میں آئی عجب موئی بے نکمی عورت ہے۔

جانی:۔ اور ابھی تک تو اس کے احسان کا کوئی بھی ذکر نہیں۔ آزاد پر آخر اس کا کیا احسان ہے۔ یہی کہ جیل خانے بھیج دیا۔

حسن:۔ سُن لو۔ جب جیل خانے میں کئی دن تک رہے تو رحم آیا جا کے ملیں۔ آزاد سے قول و قرار لیا۔ سفارش کی چھڑایا۔

سپہر آرا نے کہا باجی جان آزاد لکھا کرتے تھے کہ خوجی کے سبب سے دل بہلتا رہتا ہے اس کو اس وقت بنانا چاہیئے۔ جانی بیگم کی رگ رگ میں شوخی بھری تھی ان کو سب سے بہتر ترکیب سوجھی۔ کہا ایک بات ہمیں سوجھی ہے۔ ابھی ہم سب پر ظاہر نہیں کریں گے۔ مگر بہار النسا بہن اگر اجازت دیں تو اسی دم خوجی الو بن جائے۔

بہار:۔ اچھا ابھی ان سے کسی سے نہ کہو ہم سے کہدو۔

جانی:۔ کان میں آہستہ سے کچھ دیر تک گفتگو کی۔

بہار:۔ کیا ہرج کیا ہے۔ بوڑھا تو ہے ہی۔ اسی برس کا۔

جانی:۔ بس جب آپ نے حکم دے دیا ہے تو ہمیں کیا چوری ہے۔

حسن:۔ آخر کچھ کہو تو باجی جان ہم سے کہنے میں کچھ چوری ہے۔

بہار:۔ جانی بیگم اجازت دیں تو کہہ دوں۔

جانی:۔ جی نہیں۔ کسی سے نہ کہو۔ اب میں تو جاتی ہوں اور آپ مجھے سب سامان لیس کر دیجئے۔

یہ کہہ کر جانی بیگم اٹھ کے دوسرے کمرے میں گئیں اور بہار النسا بھی وہاں سے چلی گئیں۔ یہاں ان سب کو

یرت کہ یا خدا کون ترکیب سوجھی ہے۔ کہ کفر کے کلمے کی طرح کسی کے بیان کرتے ہوئے ڈرتی ہیں۔ اپنی اپنی عقل کے موافق سب نے فکر کی۔

نازک :- ہم سمجھ گئے افیمی آدمی ہے۔ اس کی ڈبیا چرانے کی فکر کی ہوگی۔ افیمی کے پاس سے افیم گئی اور وہ مرا داخل ہے۔

روح :- یہ بات نہیں ہے۔ اس میں چوری کیا تھی۔

مغلانی :- نہیں حضور اتنی شے کے لیے اٹھ کے اس قدر دور یہ جاتیں۔

حسن :- یہ بہار النسا بہن نے کیا کہا کہ بوڑھا آدمی تو ہے ہی۔

گیتی :- اس میں کچھ فی ضرور ہے۔ کھل جائے گا۔

مغلانی :- میں جا کے خبر تو لاؤں کہ کیا ہو رہا ہے۔

اتنے میں بہار النسا بیگم نے آن کے کہا۔ چلو باغ میں چل کر بیٹھیں بس۔ بنگلے میں ہم سب بیٹھیں گے اور اس کے نیچے خوجی اس تجویز کے مطابق باغ کے دلکش بنگلے میں جا کے سب بیٹھیں۔ خواجہ صاحب اور اُن کے بھائی خواجہ رئیس الزماں صاحب اور پیر مرد بنگلے کے سامنے ایک روش میں مونڈھوں پر بیٹھے۔ اور دونوں بھائیوں میں گفتگو ہونے لگی۔

خوجی :- کیوں برادر بابائے من بد بعا۔ سچ کہنا اپنے خاندان میں ہم نے بھی کیسا نام روشن کیا ہے۔ کیوں

رئیس :- کاہے میں نام روشن کیا معلوم تو ہو۔

خوجی :- ہاں! یہ فرمائیے۔ روم گئے۔ روس گئے۔ اور

رئیس :- پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔ سُنا نہیں۔

خرِ عیسےٰ اگر بہ مکہ رود

چوں بیاید ہنوز خر باشد

ایک شخص دلی میں بارہ برس رہے مگر بھاڑ ہی جھونکا کیے۔

خوجی :- ارے ہم فخرِ وافتخارِ قوم ہیں۔

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ

یاد رکھو فسانہ ہیں ہم لوگ

تم بڑے بھائی ہو۔ مگر بزرگی بعقل ست نہ بسال۔ تونگری بدل ست نہ بہ مال۔ یہ نہیں سُنا۔

نازک :- یہ دونوں بھائی بھائی ہیں یا دشمن دشمن۔

حسن :- دونوں یکساں۔ قدوقامت شکل دیوانہ پن. سب میں ایک سے ہیں۔ یہ دونوں جہاں ہوں وہاں جی نہ گھبرائے۔

مہری :- (خوجی سے) کیوں میاں تم باپ بیٹے ہو۔

خوجی :- نہیں باپ بیٹے نہیں سالے بہنوئی ہیں۔

اس فقرے پر خواجہ رئیس الزماں صاحب نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا. بس بس۔ روم روس ہو آئے مگر لیاقت نہ آئی بھلا یہ کون مذاق ہے۔ افسوس۔

اتنے میں ایک مہری نے پیر مرد کو اشارے سے بلایا اور کہا آپ اور خوجی کے بھائی ذری دیر کے لیے یہاں سے چلے جائیے یہاں پردہ ہوگا۔ خوجی کو بیٹھے رہنے دیجئے۔ خواجہ رئیس الزماں اور پیر مرد باغ کے باہر کوٹھی میں آکر بیٹھے۔ حسن آرا اور ان کی ہجولیوں نے کہا۔ یہ دونوں ہٹا دیئے گئے اب کوئی گل ضرور کھلے گا۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جوان گبھرو اوچی بنا ہوا سامنے سے اینڈتا اکڑتا چلا آتا ہے۔ بالکل نوعمر سبزے کا نام نہیں۔ گورے گورے گال۔ اور مستانہ چال گھٹنا چست فالسائی گرنٹ کا چوڑی دار جالی لوٹ کا کرتا اس پر شربتی کا انگرکھا کٹاؤ کا۔ سر پر بانکی پگیا گلابی رنگی ہوئی ہاتھ میں کٹار۔

حسن :- یہ کون ہے اللہ۔ اے بی مغلانی ذری دریافت تو کرنا۔

روح :- ایں! یہ کس کا لونڈا ہے برس پندرہ سولہ ایک کا۔

سپہر :- (قہقہہ لگاکر، افوہ۔ باجی جان پہچانو تو بھلا۔

حسن :- (ہنس کر) ارے! افوہ بڑا دھوکا دیا۔

روح :- افوہ۔ میں اب پہچانی۔

نازک :- یہ کون ہے کون۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ پیار کرنے اور منہ چومنے کے قابل ہے۔ بوٹا سا قد اور ایسا خوبصورت گبھرو تو دیکھا نہ سُنا۔ ابھی بالکل کمسن ہے۔

حسن :- بھلا اگر ملے تو چوم لو یا نہیں۔ (شرما کر)

نازک :- اخاہ۔ ہمارے لیے آپ کو بھی زبان آئی۔

روح :- اے بہن یہ جانی بیگم ہیں۔

نازک :- (زور سے قہقہہ لگا کر) سچ سچ۔ اخاہ۔ اُف۔ بیشک بڑا دھوکا دیا۔ افوہ!!!

سپہر :- میں تو پہلے سمجھی ہی نہ تھی کچھ۔

اتنے میں وہ نوعمر گبھرو خوجی کے قریب آیا تو یہ چکرائے کہ اس باغ میں اس کا گذر کیوں کر ہوا۔ اور طرہ یہ کہ ان کے پیچھے پیچھے بہار النسا بیگم جیسے ہی خوجی نے بہار النسا پر نظر ڈالی انھوں نے غل مچا کر کہا۔ اوئی۔ اے کون مردوا نامحرم باغ میں آگیا۔ خواجہ صاحب مرد ہو یا عورت۔ اے اس کو کسی طرح یہاں سے نکالو۔ ایک مہری جوان کے ساتھ تھی اس نے بھی یہی کہا۔ اور خواجہ صاحب اس جوان رعنا سے یوں ہم کلام ہوئے۔

خوجی:۔ سو بھئی جوان۔ ہم تم دونوں سپاہی پیشہ ہیں۔

جوان:۔ وحشت۔ (اکڑتے ہوئے آگے بڑھا)

خوجی:۔ (آگے بڑھ کر) اجی حضرت آخر آپ کون صاحب ہیں پرانے زمانے میں گھسے جاتے ہو یہ ماجرا کیا ہے۔

جوان:۔ قضا کا نوحہ خوان ہے۔ کیا شامت آئی ہے۔

خوجی:۔ سنیے بندہ پرور ہم اور آپ دونوں ایک ہی پیشے کے آدمی ہیں اور دونوں ہم سن اور کم سن۔

جوان:۔ اگر اب کی بولوگے تو ہم بیشک کٹار ماریں گے۔ ہم حسن آرا بیگم کے عاشق زار ہیں اور ان کے دام محبت میں گرفتار۔ سنا ہے کہ آزاد نامے ایک عیار مکار یہاں آن کر حسن آرا کے پاس پیغام نکاح بھیجنے والا ہے۔ اسی کے انسداد کے لیے آئے ہیں۔

خوجی:۔ آزاد کے مقابلے میں آپ ایک ادنیٰ لونڈے ہیں۔ اور اس خیال خام سے درگذریئے وہ بڑا صاحب سیف سورما تلوریا ہے۔ اور آپ ابھی بچے اور صاحبزادے ہیں۔

خواجہ صاحب بہت چکرائے۔ سوچے کہ اگر اس سے بھڑ پڑتا ہوں تو جان جائے گی۔ اس کے پاس کٹار ہے اور یہاں قرولی منزلوں دور اور اگر خاموش رہتا ہوں تو یہ سب خاتونیں مجھے عورت سے بدتر سمجھیں گی۔ تو تھمبو کر کے سمجھایا کہ بھئی گبھرو دو دو باتیں سن لو تو آگے بڑھو۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ اس نے بہار النسا کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ ابھی اسی دم حسن آرا بیگم کو بلاؤ ورنہ کٹار مار دوں گا۔

خوجی:۔ ہائیں! ہائیں!! ایں عورت دشمام د بابائے من۔

جوان:۔ کیوں تیری ہڈیاں چلبلاتی ہیں ابے بوڑھے۔

خوجی:۔ کیا آپ کچھ مجھ سے زیادہ جوان ہیں۔ آپ ہیں کیا۔

جوان:۔ اچھا پھر پہلے تمہارا ہی کام تمام کروں ایک پہرے والے کو تو شہید کر آیا ہوں اب تمہاری باری ہے۔

خوجی:۔ (پینترے بدل کر) ہم کسی سے دبنے والے نہیں ہیں۔

راوی:۔ خواجہ صاحب پینترے بدلتے اور بڑھتے تو جاتے تھے مگر دو باتوں سے غافل نہ تھے۔ ایک تو

پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ دوسرے بھاگنے کا راستہ تجویز رہے تھے۔

جوان :۔ آج ہی کا دن تیری قضا کا تھا۔

خوجی :۔ (پیچھے ہٹ کر) دیکھا نہیں ہے کسی کو۔ کیا مجال۔

جوان :۔ کوئی سپاہی ہو تو اس سے مقابلہ کیا جائے۔ تم ایسوں سے کیا مقابلہ کروں۔ مگر جھلایا ہوا ہوں۔ اچھا یے ایک چرکا (ہاتھ بڑھا کر) لے بچ سنبھل۔

خوجی :۔ چونک کے پیچھے ہٹے تو گھبرا کے گرے اور گرتے ہی آواز دی۔ او برادر بابائے من بدیعا اندر خواب کٹار قرولی بیار۔ ایں گیدی بر سر پیکار و من بدیعا زار زار۔

نازگ :۔ اب تو سب کو معلوم ہی ہو گیا تھا کہ جانی بیگم مرد کے بھیس میں آئی ہیں یوں ہی سب کی سب بے اختیار ہو ہو ہنس رہی تھیں۔ مگر ان کے گرنے سے وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ الامان الامان۔

اب خواجہ صاحب کی سنیے کہ گرے تو اٹھتے نہیں۔

جوان :۔ بس اسی برتے پر بھولا تھا۔ اے پھٹکار۔

خوجی :۔ من بدیع وگلے والی پلٹن کا رسالدار مگر

مردی نہ بود فتادہ را پائے زدن

گر دست فتادۂ بگیرے مردی

اتنے میں کئی مہریاں اور مغلانیاں اور محل دار اور آتون اور ددا اور یہ اور وہ ادھر اُدھر سے جمع ہو گئیں۔ اور دو ایک نے لاعلمی میں بڑی بیگم کو بھی اطلاع دی اور پہرے پر یہ مشہور ہو گیا کہ ایک سپاہی مسلح ہو کر خدا جانے کس ترکیب سے باغ میں گھس گیا وہاں خوجی کو زخمی کیا اور اب بیگمات میں گیا ہے پہرے کے دوران اور کئی آدمی ان کے ساتھ بے تحاشا دوڑ پڑے۔ خواصوں نے روکا کہ تم اپنا کام کرو یہ آپس کی چہل ہو رہی ہے اس کا کچھ خیال نہ کرنا چاہیئے۔ بڑی بیگم کو بھی تسکین دی گئی کہ لڑکیاں آپس میں یوں ہنس رہی ہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں۔

اب سنیے کہ خواجہ صاحب تو چاروں شانے چت پڑے ہوئے آنکھیں کھول کھول کر اس جوان رعنا کو دیکھتے جاتے اور سمجھتے تھے کہ خدا نے اس کو ملک الموت کی صورت میں بھیجا ہے۔ مگر ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم اور وہ جوان زیبا شمائل رعنا خصائل برابر یہی کہہ رہا تھا کہ یہ تو ان کے ذربات سے ہیں جب سند ہے کہ آزاد بکوڈ ہٹ لون ممکن کیا کہ ہماری بغل میں حسن آرا نہ ہوں۔

خوجی :۔ واللہ میں اس وقت اپنے زعم میں اپنے آپ رہا۔

مہری :- اس میں کون کام ہے میاں۔ ایسا ہی ہوا۔

خوجی :- اور اب بھی اگر اٹھوں تو قیامت بپا کردوں۔

مہری :- اے نہیں۔ اب آپ کے دشمن اُٹھیں۔

مغلانی :- ایسی آرام کی جگہ پاکر کوئی چھوڑتا ہے۔

خواص :- مگر گرے بھی تو اس زور سے کہ زمین ہل گئی۔

ددا :- اے میں سمجھی بھونچال آگیا۔ ماشاراللہ سے جوان بھی تو گرانڈیل ہیں۔ زمین کا کلیجہ تک دہل گیا۔ اب جس وقت اٹھیں گے زمین اور دب جائے گی۔

خوجی :- اس وقت گانے کو جی چاہتا ہے۔

عرق را دانۂ یاقوت احمر ساخت رخسارش

بیا اے جوہری حسن مرصع را تماشا کن

مغلانی :- اب ایسے آرام ہی کے وقت نہ گاؤ گے تو پھر کب گاؤ گے۔

جوان :- کل ہم دریافت کریں کہ آزاد نکلے کہاں ہیں تو وہیں پہونچیں۔ اسی دم جاؤں اور للکاروں اور ڈانٹ بتاؤں۔

خوجی :- واہ۔ گھر کی ٹپکی اور باسی ساگ۔

جوان :- کیا! کیا آزاد ہم سے بڑھ کر تلور ہے ہیں۔

خوجی :- بھنوں کا ارمان نکل گیا صورت دیکھتا تو رستم بھاگ جاتا۔

جوان :- اچھا پھر کل سہی۔ دیکھو تو ہوتا کیا ہے۔

خوجی :- (کروٹ بدل کر، کل بھی کچھ دور نہیں ہے۔

جوان :- (کٹار دکھاکر) یہ کروٹ بدلنا کیا معنی۔ چت سو۔ اور سینے ایسے مزے میں آئے۔ اونچی کلے پر کھڑا ہے۔ اور ان کو آرام و آسایش کی سوجھتی ہے۔ کیا بے تکلف آدمی ہے۔

خوجی :- دیکھو بی مغلانی اس وقت ناحق کا خون ہماری گردن پر ہوگا۔ سچ کہتا ہوں اس وقت ایک آدھ کا خون ہوا ہی چاہتا ہے۔

مغلانی :- اے چخے دور موے بڑبڑا کے گر پڑا۔ مردوے کی صورت دیکھتے ہی اور چلا ہے باتیں بنانے۔

مہری :- نوج کوئی ایسا مردوا ہو۔ صورت مردوں کی سیرت عورتوں کی۔

جوان :- اس پر کیا فرض ہے جس کو ہم ڈانٹ دیں گے وہ رعب میں آجائے گا۔

خوجی :- اب کل معلوم ہوگا۔ کل ساری قلعی کھل جائے گی۔ میاں صاحب میں تو خیر اس وقت اپنے زعم میں اپنے آپ منھ کے بل گر پڑا۔

راوی :- ہم بھی گواہ ہیں۔ وجہ یہ کہ حضور ہر بار اپنے زعم میں گر پڑا کرتے ہیں۔ یہ کمال طاقت ہے۔ غنیم کو دیکھا اور چاروں شانے چت۔

مغلانی :- اے تو اب اٹھوگے بھی یا یہیں دفنائے جاؤ گے۔

خوجی :- ع۔ ہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را

راوی :- بس یہ عمدہ اصول ہے انہیں کے مطابق کاربند ہوجیے۔

جب سب نے زور زور سے قہقہے لگانے شروع کیے اور بہار النسا اس جوان رعنا کا ہاتھ پکڑ کر اوپر لے گئیں تو خوجی مارے غصّے کے اٹھے اور خدا حافظ کہہ کر چلے۔ دل میں سوچتے جاتے تھے کہ آزاد سے جاکے کہوں گا کہ حسن آرا کے ایک اور چاہنے والے پیدا ہوئے ہیں جیسے ہی چشمے کی طرف سے ہٹوار کی راہ لی۔ ایک کاغذ نظر سے گذرا اور اس کو پڑھنے لگے۔

اس بہکانے اور پھسلانے کی تجارت سے ملک کی معصوم دختروں کو جو اپنے ماں باپ کو بخوبی پہچاننے کی قابلیت سے معذور تھیں۔ ایسا فروغ ہوا کہ بی کندن کھلے بندوں اپنے افسوں وافسانہ کے رواج میں کامیاب ہوئیں۔ ایک اوباشان ہوس کار کی آمدورفت روزمرّہ اور داد و دہش اور دوسری طرف پولیس کی سازش میل جول رفاقت کھچتی یکناولی اور اطمینان نے اس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اصلاً ومطلقاً اپنے افعال قبیحہ اور کردار ذمیمہ کی تمیز پر قادر نہ ہوسکی اور سمجھتی تھی کہ یہ گرم بازاری اس کے پیشہ کے روبرو ترقی پذیر ہوگی۔ اور اس کے دام تزویر میں ایک نہ ایک اُلّو پھنستا ہی رہے گا۔

گھڑی دو میں مرلیا باجے گی

گیدیوں کے قبلہ گاہ۔ پدیوں کے پشت پناہ۔ گاؤدیوں کی جان بلکہ روح رواں۔ دیوار حماقت کے پشتیبان چھٹے پہلوان میاں خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع (آں جہانی)، غریق بحر، نادانی نہایت حیرانی اور غایت پریشانی۔

دل میں۔ اُس جوان رعنا شمائل زیبا خصائل کو بُرا بھلا کہتے پھرتی اور تیزی کے ساتھ قدم دھرتے۔ دل ہی دل میں ٹھنڈی سانسیں بھرتے شتہ گام جانے لگے۔ اور چونکہ ماشاء اللہ ڈنڑپیل جوان اور کامل فن پہلوان تھے یہ کیفیت ہوئی کہ دس قدم چلے اور تیور آنے لگے۔ اللہ ری طاقت اوّل تو پستہ قامت۔ ماشہ بھر کا قد دوسرے

قطع شریف از بس موزوں اونٹ کی طرح کوئی کل درست نہیں اس پر طرہ یہ کہ مدت کے بعد ایک چوبی قرولی جو کسی استاد نجار نے پیر مرد کو بطریق نذر دی تھی زیب دست تھی۔ مثل مشہور ہے۔ اوچھے کے گھر تیتر باہر رہے کہ بھیتر کبھی دائیں ہاتھ میں لی بازار والوں کی طرف دیکھ کر چمکائی کبھی بائیں ہاتھ میں لی اور اکڑ کے چلنے لگے اب زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ دماغ فلک افلاک پر ہے۔ اللہ ری نخوت! اور کیوں نہ ہو۔ خدا نے حسن دیا تو گلو سوز۔ نور عطا کیا تو عالم افروز۔ ایک تو گراں ڈیل جوان۔ دوسرے فن سپہ گری میں طاق کشتی کے پہلوان بانک پٹے۔ بانے بنوٹ میں مشاق۔ خانہ جنگی میں شہرۂ آفاق۔ اور سب صفتوں سے بڑھ کر یہ صفت جناب باری نے عطا کی تھی کہ میدان جنگ میں بھاگنتوں کے مقدمۃ الجیش سپہ سالار نامدار بنتے تھے کوئی اور بھاگے یا نہ بھاگے یہ سب کے سب پہلے میدان چھوڑنے کی فکر کرتے تھے۔ اللہ ری بہادری بازار میں اس عجیب الخلقت پر جس کی نظر پڑتی بے اختیار ہنس دیتا تھا کہ واہ۔ ماشاءاللہ کیا قطع ہے اور اس بونے پن پر اکڑنا اور اینڈنا اور تن تن کر چلنا اور شتر گام جانا اور مصنوعی قرولی سے بھیتر کو ہٹانا اور بھی لطف دیتا تھا۔ فقرہ باز آپ جانیے زمانے بھر کے بے فکرے ان کو شگوفہ ہاتھ آیا۔ جن گلی کوچے کی طرف سے خوجی نکل جاتے تھے لوگ انگلیاں اٹھاتے تھے اور پھبتیوں کے چھرے چلتے جاتے تھے۔

۱۔ ذری سنبھلے ہوئے حضرت دیکھیے کہیں ٹھوکر نہ لگے۔

۲۔ آدمی کیا پیگو کا ٹانگھن ہے۔

۳۔ ہم کو تو چنڈول معلوم ہوتا ہے۔ (قہقہہ لگا کر)

۴۔ کلجگ کے باون اوتار کی ذریات میں سے ہے۔

۵۔ اکڑتے تو بہت جاتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چپت دے قرولی ورولی چھین لے۔

۶۔ ہاتھ پاؤں ماشاءاللہ کتنے سڈول ہیں۔

۷۔ ارے میاں جھمن ذری ادھر تو دیکھو۔ یہ بھیڑیئے کے بھٹ سے نکالے گئے ہیں۔ سنا ابھی تک آدمی کی بولی نہیں بول سکتے۔ ادھر اُدھر۔ واہ ہے۔

خواجہ صاحب کے ہاتھ تو بعد مدت قرولی آئی تھی اور برسوں کی دعائے سحری و نیم شبی کے بعد منہ مانگی مراد پائی تھی۔ فرط غرور سے کسی ایسے ویسے کی فقرہ بازی اور زباندرازی کا خیال ہی نہ تھا۔ اور کیوں ہوتا اور پیل دمان کہیں مور ضعیف کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

اتفاق سے خوجی کو اس ہوٹل کا خانساماں اثنائے راہ میں ملا جہاں آزاد فروکش ہوئے تھے اس نے ان کی وحشت دیکھ کر ان کو روکا اور کہا۔ خیر باشد۔ یہ اس وقت کہاں لپکے ہوئے جاتے ہو پسینوں

میں تربتر ہانپتے ہوئے خیر تو ہے۔ خواجہ صاحب۔ خواجہ صاحب نے جواب نہ دیا۔ صدائے برنخاست۔ وہ سوال کرتا ہے۔ بات پوچھتا ہے یہ قرولی دکھاتے ہیں۔

خانساماں :۔ آج تو آپ غریبوں سے بات ہی نہیں کرتے۔

خوجی :۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی!!!

خانساماں :۔ ایں! اس وقت تو خواجہ صاحب مزے میں ہیں۔

خوجی :۔ (آگے بڑھ کر) گھڑی دو میں مُربیا باجے گی۔

خانساماں تو ایک ہی دن میں ان کی خو بو وحشیانہ گفتگو اور مجنونانہ حرکات سے واقف ہو گیا تھا سمجھ گیا کہ معمولی وحشت ہے۔

خواجہ صاحب قرولی ہاتھ میں لیے اکڑتے جانے لگے اتنے میں ان کے ایک پُرانے شفیق ملے۔

شفیق :۔ اخاہ۔ کہو بھئی خوجی۔ اچھے تو رہے صاحب۔

خوجی :۔ مرکھپ گئے ہم تو جناب خواجہ بدیعا صاحب ہیں۔

شفیق :۔ اللہ ری وحشت۔ روم روس ہو آئے مگر اس یک رنگی کے صدقے کہ کینڈا وہی ہے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ آدمی بن کے آئے ہوں گے۔ مگر وضعدار لوگ کہیں وضع کے خلاف کام کرتے ہیں۔ کیا مجال۔ پابندی وضع مقدم ہے۔

خوجی :۔ ہر کس و ناکس سے باتیں کرنا ہماری شان سے بعید ہے۔

شفیق :۔ بجا ارشاد ہوا۔ حضور کی شان کا کیا کہنا۔ ہم دیکھتے ہیں وہاں جانے سے اور بھی گاؤدی ہو کے آئے۔

خوجی :۔ ہونہہ! گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

شفیق :۔ بہت ہی خاصے اس نفرکنے کے صدقے۔ ولایت جا کے یہ شوق بھی پیدا ہوا۔ اب اندر سبھا میں نام لکھوائیے۔ پیرانہ سال کے لیے اچھا شغل تجویز کر کے آئے ہو۔ از برائے خدا آدمی بنو یہ کیا حماقت ہے بات کا جواب دو۔ ولایت کا کچھ حال بیان کرو۔ سوال از ریسمان جواب از آسمان۔ ہم کہتے ہیں آم۔ آپ کہتے ہیں املی۔ سوال دیگر جواب دیگر۔ چہ خوش چرا نباشد۔ واہ اُستاد۔

خوجی :۔ بس گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔!!!

شفیق :۔ دماغ میں خلل ہو گیا ہے اور انسان میں حواس ہی حواس تو ہے اور ہے کیا جہاں حواس میں فتور آیا۔ بس فنائم و بہائم سے بدتر ہو گیا۔ گو آپ کے مزاج میں جنوں کی قابلیت پہلے ہی سے تھی مگر وہاں جا کے حضور خراد پر چڑھ گئے۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب کو اپنی قرولی پر ناز تھا۔ ہر کس و ناکس کے منہ لگنا خلاف وضع اور کسرِ شان سمجھے۔ گرتے پڑتے ہوٹل میں داخل ہوئے۔ اور آزاد کو دیکھتے ہی منہ بنا کے سامنے کھڑے ہوئے۔

آزاد :۔ ؏۔ خیر مقدم چہ خبر۔ یار کجا راہ کدام

خوجی :۔ (قرولی کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں لے کر) ہونھ!

آزاد :۔ کیا! خدا خیر کرے۔ ارے میاں گئے تھے وہاں؟۔

خوجی :۔ (قرولی کو بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ میں لا کر) ہونھ!

آزاد :۔ یا الٰہی کچھ منہ سے بھی تو بولو میاں۔

خوجی :۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔!!!

آزاد :۔ کیا! اس کے معنی کیا: جنون ہو گیا ہے کیا!

خوجی :۔ بس گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔!!!

آزاد :۔ حسن آرا بیگم کے ہاں گئے تھے۔ کسی سے ملاقات ہوئی کیا رنگ ڈھنگ ہے۔ تم تو مخبوط الحواس معلوم ہوتے ہو۔

خوجی :۔ وہاں نہیں گئے تھے تو کیا جہنم میں گئے تھے۔ نہ جانا کیا معنی۔ جائیں اور بیچ کھیت جائیں۔ مگر۔

آزاد :۔ اگر مگر کو نور رہنے دو۔ صاف صاف بتاؤ۔

خوجی :۔ اس سے زیادہ صاف اور کیا ہوگا۔

آزاد :۔ بھائی صاحب ہم نہیں سمجھے۔ اور ہمیں الجھن ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ کے لیے طبیعت پریشان کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔!

خوجی :۔ از رقیبان حذرے کن یا بائے من بدیع۔

آزاد :۔ رقیبان! کیا (سُرخ ہو کر) یہ بکتا کیا ہے۔

خوجی :۔ بکتا نہیں ہوں سچ کہتا ہوں۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔

آزاد :۔ (جھلا کر) خوجی اگر صاف صاف نہ بیان کرو گے تو اس وقت بہت بُری ٹھہرے گی۔ بس اب تم کو اختیار ہے۔

خوجی :۔ اور اُلٹے مجھی کو ڈپٹتے ہو۔ میں نے کیا بگاڑا۔

آزاد :۔ وہاں کا مفصل حال کیوں نہیں بیان کرتے۔

خوجی:۔ کیا بیان کروں حسن آرا بیگم سے باتیں ہوئیں۔ گھنٹوں آپ کا ذکر خیر رہا۔ اور ایں جانب آپ جانتے ہیں ایک لسان آدمی۔ میں نے جو شاعرانہ تقریر کی تو وہ سماں باندھا کہ حسن آرا بیگم اور ان کی مجولیاں آٹھ آٹھ آنسو روئیں اور پھر ایک لطیفہ ایسا کہہ دیا کہ قہقہے پڑنے لگے۔

مس منیڈا اور مس کلیرسا اور پولینڈ کی شہزادی اور گڑی اور گیلی اور سبز پوش سب کے عشق کا حال بیان کیا۔ اور آپ کی پاک دامنی کا پورا پورا ثبوت دیا پھر تو یہ کیفیت تھی کہ جتنی بیٹھی تھیں دل میں سب کی یہی خواہش تھی کہ آزاد ہمارے میاں ہوں تو بڑا لطف ہو۔

آزاد:۔ یہ کیا واہیات گفتگو ہے۔ پرائی بہو بیٹی کی نسبت ایسی بات زبان سے نکالنا پاجی پن ہے۔

خوجی:۔ اجی ہم تو باتوں سے اشاروں سے تاڑتے ہیں۔

آزاد:۔ اس وحشت کے صدقے۔ یہ گھڑی دو میں مُر بیا باجے گی۔ اس کی خبر نہ نکلی۔ عجب بے تکے ہو واللہ۔

خوجی:۔ سُنتے جائیے۔ میں نے آپ کا مفصل حال بیان کیا۔ تو سب کی سب خوش ہوئیں اور کہنے لگیں کہ رجب علی بیگ سرور اور خواجہ امان سے بھی خواجہ بدیع بڑھ گئے۔ ان کی تقریر سے پھول جھڑتے ہیں صورت تو کسی کی میں نے دیکھی نہیں مگر آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ انتہا کی حسینہ وجمیلہ ہیں اور سب شوخ و شنگ چلبلی۔

اس کے بعد خواجہ صاحب نے پھر منہ بنایا اور بجمالِ فصاحت اور بلاغت اس واقعہ کا حال یوں کہہ سُنایا۔

(ناقلان نقل الم و حاکیان حکایت غم تابوت قرطاس میں بعض مضمون کو یوں رکھتے ہیں کہ اندرین زمانہ یگانہ رنج کا شانہ ہیں) ایک مردِ خدا عارف باللہ شرافت و نجابت دستگاہ۔ مشہور جہاں سحبان گیہان نامی خواجہ بدیع الزمان کہ شاعر اچھا اور منشی بہت اچھا تھا۔ ایک پری کے باغ میں داخل شد)

آزاد نے جو یہ بے تکی ہانک سنی تو اُن کو اور بھی الجھن ہوئی کہا از برائے خدا مختصر طور پر کہو۔ معلوم ہے کہ آپ سرور مغفور سے بھی اِس فن میں بڑھ گئے۔ مگر نثاری کی لیاقت کے اظہار کا یہ کون موقع ہے۔

خواجہ صاحب نے بگڑ کے کہا یاروں کی تو یہی تقریر مسلسل ہے۔ جس کا جی چاہے سنے خواہ نہ سنے۔ یہ کہہ کر اپنی کہانی کا سلسلہ یوں شروع کیا۔

(اُس باغ رشک زاغ پر از بلبل و زاغ)

آزاد:۔ خدا کی مار اس بھونڈی تک بندی پر۔

خوجی:۔ بس قبلہ بس اگر کل قصہ سُننا ہے تو ٹوکیے نہیں اگر اب کی ٹوکا تو واللہ نہ کہوں گا۔ ذرا دل لگا کر سُنیئے (اس باغ رشک زاغ پر از مینا و زاغ میں ایک چمپئی رنگ نرگسی آنکھوں والی متوالی کہ حسن میں یوسف مصری سے خراج لینے والی تھی چھمان چھمان خراماں خراماں نظر آئی دیکھتے۔ میں نے کہا دہائی فریاد رس الٰہی۔ حسن اتفاق سے لونڈوں

جو مجھے اُس گل بدن پاکدامن پر لٹو دیکھا تو تک بندی کے ساتھ آواز کسنے اور پھبتیاں کہنے لگے۔

میں:۔ اس حسن کے ظلم سے خداوند کریم کی دہائی۔

لونڈے:۔ ڈبیا دیا سلائی۔ ڈبیا دیا سلائی۔

میں:۔ فریادرس الٰہی۔ یا خدا تیری دہائی۔

لونڈے:۔ بس بونے پہلوان کی سچ مچ شامت آئی۔

میں:۔ جور حسن اور تعدی جمال اور جفائے ادا کی دُہائی۔

لونڈے:۔ بیٹھے بٹھائے بونے کی شامت آئی۔ قضا نے صورت دکھائی۔ ڈبیا دیا سلائی۔

اس تکرار اور طبیعت داری اور غل کی آواز سے وہ خفتۂ چار بالش ناز سراپا انداز بیدار ہو گئی۔

آزاد:۔ اس بے تکے پن کے قربان کہاں تو چمان چمان خرامان کہا تھا۔ کہاں خواب ناز کا ذکر ہے۔ واہ۔

خوجی:۔ کیا عجب آدمی ہیں آپ بھی۔ چمن میں خرام کر رہی تھی۔ مگر نرگس مست من بدیعا دیکھتے ہی آنکھ لگ گئی خیر اب سُنیے کہ اُس نسرین بدن کے جلو میں ہزار ہا پریاں کوہ قاف کی تھیں مگر تھوڑی ہی دیر میں ایک جوان کٹار بکف سامنے آیا اور مجھے للکارا تو اپنے زعم میں ایں جانب اپنے آپ ہی گر پڑے۔

آزاد:۔ (بہت خفا ہو کر) تمہاری انھیں پاجی پن کی باتوں پر ہمیں غصہ آتا ہے بس۔ بھلا دل لگی اور فقرہ بازی اور تک بندی کا یہ کون موقع ہے۔ مگر کہے اس سے جو سمجھے۔

خوجی:۔ اجی جناب صاف صاف یہ ہے کہ حسن آرا بیگم کے ایک اور چاہنے والے پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی زنان خانے تک رسائی ہے۔ باغ میں بندہ بیٹھا تھا اور باغ کے بنگلے میں حسن آرا بیگم اور ان کی بہنیں اور بیگمات اور خواصیں بس۔ ایک جوان سامنے سے نمودار ہوا۔ اور مجھے دیکھتے ہی آگ ہو گیا۔

آزاد:۔ کوئی خوبصورت آدمی ہے۔ کم سن ہے۔؟

خوجی:۔ نہایت حسین اور ابھی بالکل کمسن ہے۔ بہت ہو تو پندرہ سولہ برس کا سن ہو۔ بس اس سے زیادہ نہیں ہے۔

آزاد:۔ اور ہاتھ پانوں کیسے ہیں۔ ڈنڑ پیل جوان ہے یا دُبلا پتلا۔ وہاں کیا کرنے آیا۔

خوجی:۔ بہت ہی نازک اندام پتلی کمر۔ اے بالکل ہی بچہ ہے۔ کا بھی بھی نہیں۔ حلوان سمجھیے۔ اس نے کہا بھلا آزاد بے چارے کیا ہیں۔ اور کل ہی تو ان سے کھڑے کھڑے سمجھ لوں گا۔ میری موجودگی میں حسن آرا بیگم پر کوئی نظر ڈالے کیا طاقت یہ کہہ کر دراتا ہوا بنگلے میں چلا گیا جہاں وہ سب بیٹھی ہوئی تھیں۔

آزاد:۔ اس میں کچھ بھید ضرور ہے۔ تمہارے اُلو بنانے کے لیے شاید دل لگی کی ہو۔ مگر ہمیں اس کا یقین نہیں آیا۔

خوجی :- یقین تو نہیں مرتے دم تک نہ آتا۔ مگر وہاں تو قہقہے پڑ رہے تھے۔ اُس جوان خوبرو کے دیکھتے ہی بنگلے سے قہقہے کی آوازیں آنے لگیں اور جب میں اپنے زعم میں آ رہا تو اور بھی قہقہہ پڑا۔ اس سے تو بھائی جان میں بہت کھسکا کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے ورنہ نامحرم کو دیکھ کر قہقہہ کیسا۔

خواجہ صاحب نے قسم کھا کر اور آزاد کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

آزاد! اس سر کی قسم کھا کے کہتا ہوں خدا اور خدا کا رسول گواہ ہے کہ بنگلے سے بیگمات نے قہقہہ لگایا میری آنکھوں میں خون اتر آیا اور مجھے یقین واثق ہو گیا کہ اس حسین جوان کی یہاں بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے ورنہ غور تو کیجئے بھلا نامحرم کسی شریف زادے کے زنانے میں بے دھڑک جا سکتا ہے اور ہاں خوب یاد آیا یہ تو کہنا ہی بھول گیا تھا کہ ان کے پیچھے پیچھے ایک نہایت کمسن اور طرح دار نواب زادی تھیں۔ خوب بنی ٹھنی بڑے ٹھسے سے۔ پہلے تو اس جوان کو دیکھ کر بہت ہی اچھلی کودیں۔ اور غل مچایا اور مجھے للکارا کہ تم کیسے مردوے ہو کہ ان کو منع نہیں کرتے۔ یہ پرائے زنانے میں کہاں گھس آئے ہیں۔ اور پھر ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر زینے پر سے گئیں۔ وہ بھی بنگلے کی چھت پر داخل ہو گئیں۔ اور اس جوان کو بھی لیتی گئیں۔

آزاد :- ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے سر و پا کہانی کے کیا معنی ہیں اگر ایسا ہوتا تو اب تک تمام ہندوستان میں خبر مشہور ہو جاتی۔ مگر خیر ع۔

سمجھیں گے ولاشتاب کیا ہے

انشاء اللہ۔ فہمیدہ خواہد شد۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی۔

خوجی :- اور اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ آج ضرور آؤں گا اور ضرور للکاروں گا۔ کہ اس خیال خام سے درگذر و ورنہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا۔

آزاد :- خیر آنے دیجیے۔ بہت ہی خوش ہو کے جائیں گے۔

خوجی :- ہوں! گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

آزاد :- اخاہ۔ یہ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ کا یہ مطلب تھا یہ کہیے مگر اب تک ہم کو یہ سب خواب خیال ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

خوجی :- بھائی سنو وہ جوان اور جوان کاہے کو حلوان تو واقعی ایسا حسین ہے کہ مردوں کا خود جی چاہے کہ اس کے لب شکر خا کا بوسہ لیں نہ کہ عورتیں۔ ہونہہ واللہ۔ یاقوت رنگ۔ رخسار تاباں بوسہ فریب آدمی کھا یری ہے۔ واللہ ع

میخانۂ او بہر قرابہ

اور چال ورفتار کا عالم کچھ نہ پوچھیے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ؎

زاں غمزہ کہ در خرام کردہ

صد زلزلہ فتنہ دام کردہ

اور زلف مسلسل تو خدا کی قسم بس مرغ دل کی گرفتاری کے لیے زنجیر اور دام سے بھی زیادہ تھی۔ سچ کہتا ہوں اُس پرشکن دعنبر بار کا بھی کشتہ ہوں ؎

شب بھر تمہاری زلف مسلسل کی یاد میں

دو سانپ ہیں کہ سینے پہ لہرائے جاتے ہیں

اب ہم سوچ کہ اگر اس کے عشق کا اظہار کرتے ہیں تو آزاد بگڑ جائیں گے کہ واہ اچھے رہے گئے ہماری معشوقہ پری زاد کا حال دریافت کرتے اور وہاں سے خود چرکا کھا کے آئے بیٹھے بٹھائے فضول عشق کے پھندے میں مرغ دل خوجی پھنسا ہے۔

راوی:۔ اس فصاحت کے قربان واہ خواجہ صاحب واہ۔

آزاد:۔ خیر سمجھا جائے گا اب تو ہم کھانا کھانے جاتے ہیں۔

یہ کہہ کر آزاد اور وہ دونوں گل رخان پری زاد وطعام لذیذ نفیس نوشِ جان کرنے گئے۔ مگر خواجہ صاحب ہوٹل میں کھانا کھانے کے خلاف تھے۔ ان کا قول تھا کہ جب قسطنطنیہ تک میں میں نے حتی الوسع ان امور کا پرہیز کیا اور عین جنگ کی حالت میں کسی ایسے مقام کا پکا ہوا کھانا نہ کھایا تو اپنے شہر اور اپنے ملک میں آن کے دس آدمیوں میں کیوں مطعون ہوں۔ انھوں نے ایک سرا میں جاکر جو ہوٹل کے ملحق تھی۔ بھٹیاری سے کھانا پکوایا ماش کی دال روٹی اور سالن مگر اس وحشت کو ملاحظہ فرمائیے کہ بھٹیاری سے بھی بات بات پر یہی کہتے جاتے تھے کہ گھڑی دو میں ٹُر لیا باجے گی۔

اب حسن آرا بیگم کے ہاں کا حال سنیے کہ ادھر خواجہ صاحب گرتے پڑتے وہاں سے فقر ّ ہوئے اور ادھر گھر بھر میں قہقہے کی آواز گونجنے لگی۔ جانی بیگم کی کارستانی نے سب کو اس قدر ہنسوایا کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ جس نے سنا لوٹنے لگا اور خصوصاً جب خوجی کا مارے ڈر کے گرنا یاد آیا تو اور بھی ہنسی ہوئی۔

حسن:۔ افوہ۔ جانی بیگم بہن نے تو اس وقت لٹا دیا۔

بہار:۔ مجھے تو اُس موئے بونے کی بوکھلاہٹ پر ہنسی آتی ہے۔ کیا دھم سے گرا ہے کہ توبہ ہے۔

جانی:۔ افوہ۔ اس قدر گھبرایا کہ توبہ ہی بھلی۔

خواص:۔ اے حضور حواس فقر ّ ہو گئے ہوش غائب۔

مہری :۔ اور دل لگی تو جب معلوم ہوئی جب گر کے پھر اُٹھنے کا نام تک زبان پر نہ آیا۔ کس مزے سے لیٹے ہوئے تھے۔

نازک :۔ اس وقت تو جی چاہتا ہے کہ جانی بیگم کو چوم لوں۔

جانی :۔ کیا مضائقہ ہے۔ بسم اللہ پھر دیر نہ کرو بہن۔

سپہر :۔ اب دل لگی ہو کہ وہ جا کے آزاد سے کچا چٹھا کہہ دے۔

حسن :۔ ہاں یہ ہمیں خیال ہی نہ تھا۔ مگر آزاد ایسے کچے نہیں ہیں۔ کوئی لاکھ کہے وہ کب ماننے والے ہیں ہاں تشویش تھوڑی دیر ضرور رہے گی۔

نازک :۔ تشویش نہیں شک ہو جائے گا۔ ؎

با سایہ ترا نمی پسندم
عشقت وہزار بدگمانے

حسن :۔ پھر اس کا دفع دخل۔ خدا جانے وہ مواسڑی سودائی کیا بکے۔ اور ان کے دل میں کیا خیال آئے۔ بری ہوئی بہن۔ اب ہمیں خود ایک طرح کی تشویش ہو گئی۔

سپہر :۔ نہیں باجی جان تشویش کا کوئی مقام نہیں۔

بہار :۔ نہیں سچ کہتی ہوں۔ وہ نگوڑا دیوانہ ضرور جا کے کہے گا۔ اور اس کو تو پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ یہ مرد ہے اور گھڑی گھڑی کٹار کی طرف دیکھے اور پیچھے ہٹتا جائے۔ اس کے کہنے سے آزاد کو چاہیے پہلے یقین نہ آئے مگر یہ ممکن نہیں کہ جب وہ قسمیں کھائے اور یقین دلائے تب بھی ان کو شک ہی رہے۔

حسن :۔ پھر باجی جان آپ ہی سمجھیے۔ آپ نے ان کو کیوں اجازت دی اور جو اُن کے دل میں شک پیدا ہوا تو پھر کیسی ٹھہرے گی۔

سپہر :۔ اب اس وہم کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔

نازک :۔ ہاں اگر شک کسی قدر واقع ہوا بھی تو رفع ہو جائے گا۔

سپہر :۔ آخر یہ تو ہو سکتا ہے کہ خوجی کو آدمی بھیج کے کہیں سے بلواؤ۔ جو آدمی بلانے جائے تو وہ ہنسی ہنسی میں آزاد سے یہ بات کہہ دے۔

حسن آرا بیگم کی صلاح سے پیر مرد آزاد کے پاس روانہ کیے گئے تاکہ کل اُمور مفصل بیان کرکے اُن کی تشفی کریں۔

پیر مرد آصف الدولہ کے وقت کا درباری لباس زیب بدن کرکے ایک پرانے دقیانوسی میانے پر

سوار ہوئے اور ہوٹل میں پہونچ کر اطلاع کرائی آزاد نے جو اس رفیق قدیم کو جو خاص باعث ملاقات اور ذریعہ رسائی تھا دیکھا تو بڑے تپاک سے استقبال کیا اور مصافحہ کر کے برآمدے میں کرسی پر بٹھایا اور قریب کی کرسی پر خود متمکن ہو کر یوں مکالمہ کرنے لگے۔

آزاد:۔ گو دل تو گواہی دیتا تھا کہ خدا ہماری محنت ٹھکانے لگائے گا مگر کبھی کبھی ابرِ مایوسی بھی گلشن دل پر چھا جاتا تھا۔

پیرمرد:۔ بھائی آزاد۔ وہ کام تم نے کیا ہے کہ دوسرے سے نہ ہو سکتا۔ میں نے اس وقت تمہیں کیا دیکھا کہ آنکھوں کو نور سے معمور کر دیا۔

آزاد:۔ اخبار تو آپ کے پڑھنے میں آتے ہوں گے۔

پیر:۔ برابر۔ تار بندھا ہوا تھا۔ اور مجھ کو تو سب سے زیادہ فکر تھی۔ کیونکہ میں ہی ان اُمور کا باعث ہوا تھا جب میں نے تم کو دیکھا تھا معًا دل میں کُھب گئی کہ یہ رعنا شمائل زیبا خصائل جوان حسن آرا کے قابل ہے۔ حضور اب چاہے آپ انکار کریں مگر یہ سب ہماری ذات سے ہوا ہے۔ اگر ہم اس وقت ڈھیل دیتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ پرندے کے پر تو جلتے تھے انسان کی کون کہے۔ لوگوں نے کیسے کیسے اڑنگے لگوائے۔ دراندازوں نے کیسی کیسی دراندازیاں کیں۔ مگر میرے سبب سے ایک کی بھی دال نہ گلنے پائی۔ آخر کار حسن آرا بیگم تک رسائی ہوئی بجروں پر سوار ہو کر ہوا کھائی۔ سیر رود بار بھائی۔ دونوں کی بن آئی۔ ایک وہ وقت تھا اور ایک یہ وقت ہے۔ ایک مرتبہ یہاں خبر مشہور ہو گئی تھی کہ آزاد نے نصیب اعدا کسی پنج قوم عورت کے ساتھ جو کسی ادنیٰ سے آدمی کی جورو تھی شادی کر لی اور یہاں تک گپ اُڑی کہ پہلے آزاد نے اس کے میاں کو سنکھیا دے کر مار ڈالا پھر شادی ہوئی اور خرابی یہ کہ یہ خبر ایک اخبار میں درج ہوئی اور وہ اخبار مفسدہ پردازوں اور رخنہ اندازوں نے جو انتہائے شقی القلب اور ناخدا ترس ہوتے ہیں کسی ترکیب سے حسن آرا بیگم کے نام بھیجا۔ بس اس مضمون کا پڑھنا تھا کہ آگ ہو گئیں۔ اور زار زار رونا شروع کیا۔ دن کو چین نہ راتوں کو قرار لب پر فغاں و نالہ آنکھیں اشک بار۔ دیوانہ وار کبھی گھر گلزار میں بادل زار پھرتی تھی مگر گھر ویرانہ اور باغ خارستان سے بدتر نظر آتا تھا پس اُسی روز دفور رنج وقلق سے نوبت بہ اینجا رسید کہ از بس ضعیف ہو گئیں۔ نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور آخر کار بات کرنا بھی دوبھر ہو گیا کیفیت رفتہ رفتہ ردی ہوتی گئی۔ حتےٰ کہ ڈاکٹروں اور حکیموں تک کو صحت میں شک ہو گیا اور ایک روز آنکھیں پھیر دیں اور نصیب اعدا اوپر کے دم بھرنے لگیں۔ سرہانے کہرام مچا ہوا تھا۔ میں باہر اپنے کمرے میں دم بخود پڑا ہوا سسکیاں بھر رہا تھا کہ یا خدا یہ کیا ہوا تو گل خنداں پر اتنی جلدی اوس پڑ گئی۔ کھلتے ہی مرجھا گیا۔ بادسموم نے غنچۂ دل کو پژمردہ اور چراغ طمانینت کو افسردہ کر دیا۔

آزاد:- ارے غضب یہ نوبتیں پہونچیں۔ الٰہی توبہ۔

پیر مرد:- اُس دن کا حال کچھ نہ پوچھیے۔ بس ناگفتہ بہ ہے۔

آزاد:- یہ کس ذات شریف نے کانٹے بوئے تھے۔

پیر مرد:- یہ نہ پوچھیے۔ گذشتہ راصلواۃ۔ مضیٰ مامضیٰ۔

آزاد:- اگر ملیں تو بایاں قدم لوں کہ واہ حضرت واہ۔

پیر مرد:- خدا خدا کر کے ڈاکٹروں کی سریع التاثیر ادویہ سے اس قدر افاقہ ہوا کہ معاً آنکھ کھول دی اور پانی مانگا تو لوگوں کے دلوں میں ڈھارس ہوئی جان میں جان آئی۔

آزاد:- ہم سمجھتے تھے کہ ہماری ہی داستانِ مصائب بے پایاں سے کوٹ کوٹ کر بھری ہے مگر یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ادھر بھی رقیبوں اور حاسدوں نے اپنے نزدیک کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا

پیر مرد:- آخر کار دو ہی چار روز گذرے ہوں گے کہ اس مضمون دروغ بے فروغ کی قلعی کھل گئی اور حسن آرا کو کامل یقین ہو گیا کہ واقعی بالکل بے سرو پا بات ہے۔

آزاد:- شکر خدا ہمیں حیرت ہے کہ حسن آرا کو اس بات کا کیوں کر یقین ہو گیا کہ آزاد سے ایسا فعل ناشائستہ سرزد ہوتا۔

پیر:- طبیعت ہی تو ہے۔ دل میں یہی سمائی۔

آزاد:- خیر اس کی شکایت ملاقات کے وقت کی جائے گی۔

پیر:- وہ آپ کے میاں خوجی کہاں ہیں ان کو بلوائیے وہ تو نقل محفل ہیں واللہ۔

آزاد:- آپ کے یہاں سے جو آئے تو نہایت ہی برہم۔ اب مجھ سے گفتگو نہیں کرتے۔ نہ کسی بات کا جواب دیتے ہیں۔ ہر سوال کے جواب میں یہی کہتے ہیں (کہ گھڑی دو میں مُر لیا باجے گی)۔

پیر:- حضرت وہ تو ایسے بنائے گئے کہ توبہ ہی بھلی۔ کم سنی آپ جانیے ہزار شوخیوں کی ایک شوخی اور پھر آپ ہر خط میں میاں خوجی کی تعریف لکھتے ہی تھے۔ حسن آرا بیگم اور سپہر آرا اور روح افزا اور ان کی سب بہنوں اور ہمجولیوں کو دل لگی ہاتھ آئی اوّل تو ماشاء اللہ ان بزرگوار کی قطع ہی ایسی ہے کہ صورت دیکھتے ہی انسان کو بے اختیار ہنسی آئے آدمی کیا زعفران زار ہے۔

آزاد:- حضرت اس نے تو وہ کہانی سنائی کہ میرے ہوش اُڑ گئے اگر سچ ہے تو خدا ہی حافظ ہے مگر خوجی کی بات کا جو یقین کرے اُس سے بڑھ کر بے وقوف کوئی نہیں۔

پیر:- آپ تو خود دانا بینا آدمی ہیں۔ آپ کو سکھانا حکمت بہ لقمان آموختن سے کم نہیں۔ ہوا یہ کہ انھوں نے جو

بے تکی افیونیوں کی باتیں شروع کردیں تو وہ سب سمجھ گئیں کہ پرلے سرے کا احمق چرچرا اور گاؤدی اور مسخرہ ہے۔ پھر کیا تھا شگوفہ ہاتھ آیا اور حسن آرا کی دو ہمجولیاں بھی اس وقت وہاں موجود تھیں۔ جانی بیگم اور نازک ادا بیگم۔ یہ دونوں کمال شوخ اور چلبلی ہیں۔ ان میں جانی بیگم نے وہ مذاق کیا کہ خوجی کے آئے حواس غائب ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان کٹار باندھے ہوئے اکڑتا ہوا چلا آتا ہے اگر خواجہ صاحب کو ذرا بھی عقل ہوتی تو صورت ہی سے بھانپ لیتے کہ عورت ہے۔ مرد اور عورت کا قدوقامت چال ڈھال وضع قطع بھلا کہیں چھپی رہتی ہے۔ مگر ان کو عقل سے تو کوئی بحث ہی نہیں۔ دل پر نقش ہو گیا کہ یہ کوئی جوان نازک اندام ہم سے لڑنے کے لیے آتا ہے۔ ان کے پیچھے پیچھے حسن آرا کی بڑی بہن بہار النسا بھی۔ اگر ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو سمجھ جاتے کہ سب دھوکا ہی دھوکا ہے مگر یہ سمجھے کہ بہار النسا کی عدم واقفیت میں وہ مرد خوبرو باغ میں گھس آیا ہے۔ لگے غل مچانے۔

آزاد:۔ لاحول ولاقوۃ۔ تو کیا جانی بیگم مرد کا لباس پہن کر آئی تھیں۔

پیر مرد:۔ جی ہاں۔ لیکن صورت سے صاف معلوم ہوتا تھا۔

آزاد:۔ بس اب میرا شک رفع ہو گیا۔ خوجی بھی عجب کمبخت آدمی ہے۔ مجھ سے آن کے بات ہی نہیں کی۔ جو کچھ ہم پوچھتے ہیں اس کے جواب میں یہی کہتا ہے کہ دگھڑی دو میں مر بیا باجے گی، آخر کار جب میں نے للکارا تو یہ کہانی کہی کہ حسن آرا بیگم کے ایک اور چاہنے والے پیدا ہوئے ہیں۔

پیر:۔ لاحول ولاقوۃ۔ عجب خبط الحواس آدمی ہیں۔

اتنے میں خواجہ صاحب بلوائے گئے۔ آتے ہی کہا گھڑی دو میں مر بیا باجے گی۔ آزاد نے مسکرا کر کہا یہ صاحب آپ کی زیارت کے لیے بڑی دور سے آئے ہیں ان سے تو ملیے آپ کی لیاقت اور اخلاق اور ملنساری کے بڑے مداح ہیں۔ خواجہ صاحب نے جھلا کر جواب بھی دیا تو وہی گھڑی دو میں مر بیا باجے گی۔ دھن کا پکا ہو تو ایسا ہو۔

پیر مرد نے خوجی کی طرف مخاطب ہو کر بیان کیا کہ حسن آرا بیگم کو آپ سے ایک قسم کا لحاظ ہے اور لحاظ کا سبب یہ کہ آپ آزاد پاشا کے رفیق اور ہمدرد ہیں اور ولایت تک آپ نے ان کا ساتھ دیا تھا اس روز آپ تشریف لائے تو بد دماغ ہو کر چلے گئے۔ لہذا آج مدعو ہیں۔ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے کہ کئی قسم کی کھیر اور فیرنی اور قند کے چاول اور سفیدا اور اناناس کا پلاؤ اور کئی طرح کا مربے اور میٹھا اچار اور میٹھی چٹنی الغرض آپ کے لیے بڑی تیاری کی جائے گی۔ اور آپ کی خاطر سے اعلےٰ سے اعلےٰ افیون بھی منگوائی گئی ہے۔ دعوت بہت معقول ہے مگر شرط یہ ہے کہ چانڈو نہ پینے پایئے گا۔ ہاں یہ خیال رہے اور فرمایا ہے

کہ اگر افیون کی چسکی لگاتے ہوئے اپنا اور آزاد کا حال دلچسپ بیان کرتے جائیے تو اور بھی مزید لطف و عنایت ہے۔

خوجی:۔ حضرت سنیے۔ بندہ کوئی چرکٹا یا نفرہ تو ہے نہیں جی۔ کوئی ٹکلچیا یا ایسا ویسا آدمی نہیں۔ جی۔ بندہ بھی خواجہ بدیع الزماں آنجہانی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

پیر مرد:۔ (ہنسکر) یہ نئی بات سننے میں آئی۔ سبحان اللہ۔

آزاد:۔ (قہقہہ لگاکر) واہ حضرت واہ۔ یہ آج ہی سنا کہ مردوں کے بطن سے بھی لڑکے پیدا ہوتے ہیں آپ کے اباجان بھی عجیب الخلقت آدمی تھے واللہ۔

خوجی:۔ لاحول ولاقوۃ (تھپڑ لگاکر) ہم بھی کہیں گے کہ ہم آدمی ہیں۔

آزاد:۔ خیر۔ شکر ہے کہ اس کے آپ مُقِر تو ہوئے بعد مدت۔ ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی

کہ بورانی ست بادنجان و بادنجانست بورانی

خوجی:۔ کہنا چاہیئے تھا والدہ شریفہ کے بطن مبارک سے منہ سے کچھ نکل گیا۔ بس اسی طرح بعض اوقات کشتی میں بھی اپنے زعم میں آپ آ رہتا ہوں۔ خیر یہ تو سب کچھ ہوا اب کچھ اس کی خبر ہے۔ وہ مسلح ہوکر اودبچی بن کر آیا ہے چاہتا ہے۔ آپ بھی لیس ہو رہیے۔ ورنہ گھڑی دو میں مر لیا باجے گی۔

آزاد:۔ کیوں صاحب آپ کے ہاں غریبوں پر کیا بدعتیں ہوتی ہیں کٹار بازوں اور زمانہ سازوں کو بلوا بلوا کے شریفوں سے بھڑواتے ہیں۔

پیر:۔ حضرت خواجہ صاحب کو خدا ہی نے بچایا۔ واللہ۔

آزاد:۔ اُفوہ۔ بڑا پرانا رفیق ہم سے چھٹ جاتا۔ مگر یہ تو ہم سے کہتے تھے کہ وہ جوان رعنا بہت پستہ قامت اور دبلا پتلا آدمی ہے اِن سے اُن سے اگر چلتی تو یہ اس کو ضرور نیچا دکھاتے ہم کو تو اس میں شک نہیں ہے۔

خوجی:۔ اوہ۔ اجی کیسا نیچا دکھانا۔ وہ کیا جانے کہ تلوار کیونکر استعمال میں آتی ہے۔ ایک کیلی کر کے تلوار دلوار سب چھین لیتا قدر و عافیت معلوم ہو جاتی۔

آزاد:۔ اچھا ان کو جو لیجا یئے تو آج پھر اس اودبچی کو بُلوائیے۔

خوجی:۔ (دل میں کانپ گئے) جی ہاں۔ مگر کیوں کسی کا مفت نقصان ہو۔ میں بے ہاتھ پاؤں توڑے نہ رہوں گا۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔

خواجہ صاحب تو اس جوان خوش رو کی ڈپٹ میں آکے گر ہی پڑے تھے جب آزاد نے پیر مرد سے

فرمایش کی۔ کہ ان کو پھر بلوانا تو ان کا خون اور بھی خشک ہوگیا۔ اور دعا مانگنے لگے کہ بار خدایا آج اُس کی صورت پھر نہ دکھلانا۔ اوّل تو اس کے پاس کٹار۔ دوسرے وہ ابھی نوعمر۔ تیسرے ہم ضعیف۔ بھلا مقابلہ کیا خاک ہوگا۔ بات ٹال کر پھر کہا کہ ہمارے نزدیک اب کی ان کو بلوانا فضول ہے۔ مفت میں ٹھائیں ٹھائیں جوتی بیزار تکرار ہو۔ اس سے کیا فائدہ۔ ہاں اگر آپ لوگ اُس بیچارے کی جان کے دشمن ہوئے ہیں تو کیا مضائقہ ممکن ہے کہ میں جھلّا کے ہاتھ پانوں توڑ ڈالوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ مارے غصّے کے ایسا زخمی کردوں کہ عمر بھر بے کار پڑا رہے پھر کسی مصرف ہی کا نہ رہے۔ مگر مجھ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ خواجہ صاحب نے یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے بعد آزاد کو صلاح دی کہ پہلے پیر مرد سے کل حالات مفصل دریافت کیجیے اور پوچھیے کہ یہ کیا اسرار ہے آزاد پاشا نے خوجی کا شکریہ ادا کیا اور کل امور کے استفسار کو اُنھیں کی رائے پر محمول کروادیا۔

خواجہ صاحب نے ایک پرچے پر کئی سوال لکھے جو بجنسہٖ نقل کیے جاتے ہیں۔ وہو ہذا۔

سوالات باکمالات مستفسرۂ[1] من خوجی[2] بدیع صاحب از پیر[3] امرد بابتِ[4] جوان کی کٹار دست اندر آمد بودندے

اول سوال آں جوان کہ آیا تھا کودام آدمین ہیں۔

دوسرا۔ ایدا احسنارا[9] کو کس[10] قادر عرنی سے وقفین رہے گی۔

تیسرا۔ حسنارا کو ازردہ کو حسنا آرا کا عشق نہیں۔ یا بالکل نہیں ہیں۔

چوتھا۔ اونس[15] روز[16] بروخت آنی اونس[17] کے کیا وجینہ[18] سب بیگ انت[19] ہنس دیان تھا۔ اُنس سے پانی مرتا ہے اُن کا جواب دو[21] کی تشفی[22] فیہ ہووے۔ فقت۔ آل راقم مستفسر من خوجی بدیع۔

یہ سوالات جن کے حرف حرف سے لیاقت اور لفظ لفظ سے اعلیٰ درجے کی قابلیت برستی ہے اور جس کے جملے جملے اور فقرے فقرے میں فصاحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ لکھ کر حضرت مستفسر خوجی بدیع صاحب نے آزاد کو دیکھا۔ آزاد نے مسکرا کر پیر مرد کے حوالے کردیے۔

انھوں نے جا بجا اس طرح نشان بنائے۔

۱۔ مستفسرہ۔ ۲۔ خواجہ۔ ۳۔ پیر مرد۔ ۴۔ بابت۔ ۵۔ کہ۔ ۶۔ آمدہ۔ ۷۔ کدام۔ ۸۔ آدمی۔ ۹۔ ایضاً۔ ۱۰۔ حسن آرا۔ ۱۱۔ کس قدر۔ ۱۲۔ عرصے۔ ۱۳۔ واقفیت۔ ۱۴۔ بالکل۔ ۱۵۔ اُس۔ ۱۶۔ بروقت۔ ۱۷۔ اس۔ ۱۸۔ وجہ ۱۹۔ بیگمات۔ ۲۰۔ وہاں کیا معنے۔ ۲۱۔ کہ۔ ۲۲۔ تشفی۔ ۲۳۔ فقط۔ ۲۴۔ الراقم۔ ۲۵۔ مستفسر۔ ان غلطیوں کا نشان کرکے پیر مرد نے آزاد کی شہ سے اُسی وقت آزاد کے نام ایک رقعہ لکھا۔ خواجہ صاحب سوالات دے کر پانی پینے باہر چلے گئے تھے جب واپس آئے تو آزاد نے یوں سرگوشی کی۔

آزاد:۔ آپ تو خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور مجھے بھی ذلیل کرتے ہیں۔

خوجی:۔ کیوں کیوں خیر باشد۔ کیا ہوا کیا حضرت۔

آزاد:۔ سوال جو آپ نے لکھ کر ان کو دیئے غلطیوں سے مملو ہیں۔ از سر تا پا غلط۔

خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

خوجی:۔ کیا مجال۔ کوئی گیدی کیا کھا کے مقابلہ کرے گا۔

آزاد:۔ نامعقول دیکھ پیر مرد نے اس رقعہ میں کیا لکھا ہے۔ زبانی نہ کہا قلم دوات کاغذ منگوا کے رقعہ لکھا ہے۔ اب چلو بھر پانی میں ڈوب مرو جا کے۔

خوجی نے رقعہ لے کر پڑھا تو آگ ہو گئے رقعہ ملاحظہ فرمایئے کہ مصدر فیض و کرم مظہر الطاف اتم ذی جودت و خوش نہاد محمد آزاد و الانژاد دام بالاعزاز۔ بعد ما یلیق بشانکم شئے آن کہ تعجب کا مقام ہے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں برسوں رہے وہ بہ فحوائے مثل ہندی رکتے کی دم بارہ برس زمین میں گاڑی مگر ٹیڑھی ہی نکلی) گاؤدی اور گدھا ہی بنا رہے۔ خوجی کی تحریر اس وقت نظر سے گذری۔

یہ شخص تو بالکل ہی جاہل ہے۔ پیش پا افتادہ الفاظ کے املا میں ہزاروں غلطیاں۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب نے غلطیاں پھر ملاحظہ فرمائیں اور کہا خیر جائے استاد خالی نیست،

آزاد:۔ پھر بے نکی۔ تجھے کوئی کہاں تک سمجھائے بدبخت۔

پیر مرد:۔ حضرت شیخ علی حزیں کا خدمت گار اُن کی صحبت میں شاعر نامدار ہو گیا تھا۔ رمضانی اس کا نام تھا۔ ایک دن مکھیوں نے دق کیا تو انھوں نے یوں آواز دی۔

رمضانی مگساں می آیند

اُس نے معاً جواب دیا پیر مرشد۔

ناکساں پیش کساں می آیند

اور شیخ مبارک نہاد شیراز کی نسبت مشہور ہے کہ ان کی لونڈی ان کی صحبت میں حاضر جواب ہو گئی تھی اور ایک روز ایک شخص نے دروازے پر آن کر کہا۔ سعدی سے کہدو (عبداللہ آمدہ است) کنیز باتمیز نے دیکھا تو واحد العین ایک کونا آباد۔ شیخ سے جاکر عرض کیا۔ عبداللہ آمدہ است۔ وہ متحیر ہوئے کہ عبداللہ کے کیا معنی۔ پوچھا عبداللہ کہا ہوگا۔ لونڈی نے برجستہ جواب دیا۔ عبداللہ چہ معنی دارد۔ برعین او نقطہ واقع است۔ تو جناب ان کی صحبت میں لونڈی اور خدمت گار آدمی بن گئے چاہیئے تھا کہ آپ کی صحبت میں یہ آدمی بنتے۔ مگر افسوس۔

خوجی:۔ بجا ارشاد ہوا مگر مجھے آپ کا بہت شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ نے لونڈیوں اور غلاموں سے مثال

دی۔ بس (بگڑ کر) اب کی ملو تو اتنی قرولیاں بھونکی ہوں گی گیدی کہ یاد ہی کرے گا۔ اور سنیئے ایک تو ہم یوں ہی اپنی پریشانی میں ہیں کہ ولایت کے جانے سے ریاست پر دوسرا آدمی قبضہ کرکے بیٹھا ہے۔ ملکیت پر ایرے غیرے بچکلیاں قابض ہو گئے۔ روپیہ جہاں دفن کیا تھا وہ مقام نہیں یاد۔ باغ کی زمین ریل کی سڑک میں آگئی۔ پار کے مکانات دریا بُرد میں گئے۔ امام باڑہ تھا اس میں اسپتال ہے۔ دوسرے امام باڑہ میں مدرسہ اسلامیہ اُن لوگوں کو نکالیں تو کافر بنیں۔ کرایہ مانگیں تو بے حمیت قرار پائیں۔ یہی فکر کیا کم تھی کہ آپ نے آن کے اِملا کی غلطیاں بیان کرنا شروع کیں اور اس پر طرّہ یہ کیا کہ لونڈی غلاموں کی کہانیاں کہہ کر ہمارا اُن سے مقابلہ کیا۔ اچھے ملے بس اب خاموش رہیے گا۔

آزاد:۔ بھئی تم تو منہ پھٹ زبان دراز آدمی ہو صریح جانتے ہو کہ ہماری سسرال سے آئے ہیں اور تم سے کہہ چکے تھے کہ ہم ان کے کمال شکر گزار اور ممنون ہیں مگر تم کسی کی سنتے ہی نہیں اب ان کے ہاتھ جوڑو ورنہ میں بد دماغ ہو جاؤں گا۔ اس کے معنی کیا یہ تقریر ہم کو سخت ناپسند آئی۔

خوجی:۔ کیا آپ خفا ہوئے پیر مرد۔ واللہ بڑا افسوس ہوا آپ ایسے اور ایسے اور آپ چار دمڑی کے ڈبل پیسے۔

ازتلامیذ تو ابلیس یکے کند سواد

وزمریداں تو محمود یکے حلقہ بگوش

آپ بُرا نہ مانیے۔ میرا دل ہی مذاق کا خوگر ہے میں کیا کروں اس کو اگر بُرا مان گئے تو سرما و پاپوشِ ما۔ یا سر شما۔ وہ۔ لاحول معاف کیجیے پاپوش ماو سرشم۔ وہ۔ لاحول پھر بھولا۔ اجی پاپوش مایاں و سر مدعیاں۔

خدایا تو بے چیز تا چیز کن

سرمازبائے جہاں تیر کن

پیر:۔ آپ کے مکان پر اس وقت آیا ہوں۔ مکان نہیں مقام قیام سہی قیام گاہ سہی۔ جس طرح چاہیے پیش آئیے۔ یہ توکل باتیں آپ کے ادب اور تمیز پر محمول ہوں گی مجھ کو کیا غم ہے۔ اور ہم تو زبردست کی طرف ہیں ہی ورنہ آپ تو کیا بے چارے تھے جو اتنی ٹیڑھی بات کرتے۔

خوجی:۔ آپ سچ خفا ہی ہو گئے (دست بستہ) نا بابائے من بدیع سابق کمیدان وگلے والی پلٹن۔ برمن رحمے وبرما جے و دگر ہیچ۔ رحم برکن و باقی ہیچ نمی خواہم بس بابا۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بیرا نے آن کر اطلاع دی۔ حضور ایک گاڑی پر دو عورتیں آئی ہیں۔ گاڑی بند ہے ایک خدمت گار نے جو گاڑی کے ساتھ ہے حضور کا نام لیا اور کہا۔ ان کو اطلاع دو کہ ذرا مہربانی کر کے یہاں تک تشریف لائیں۔

آزاد متحیر ہوئے کہ یا الہٰی کون ہے۔ تھوڑی دیر غور کرکے خوجی کو بھیجا کہ کل امور دریافت کرکے اطلاع دیں۔ خواجہ صاحب وہی مصنوعی قرولی لے کر اکڑتے ہوئے سامنے کھڑے ہوئے مگر گاڑی سے دس قدم الگ اور خائف۔

خدمت گار:۔ حضرت آپ یہاں کس کام کے لیے کھڑے ہیں اس وقت۔

بیرا:۔ اُنھوں نے ان کو بھیجا ہے کہ جاکے دریافت کرلوں

آواز:۔ (گاڑی کے اندر سے۔ اے تو سامنے بُلواؤ۔

خدمتگار:۔ حضرت ذری سامنے یہاں تک آیئے۔

خوجی:۔ (چونکنے ہوکر) او گیدی۔ کیا مجال۔ بھلا گیدی بھلا۔

خدمتگار:۔ (ہنس کر)۔ ایں! کیا یہ کھپکھان ہیں (خفقان)

بیرا:۔ کیا جانے باتیں تو ایسی کرتے ہیں۔ سر نہ پیر۔

آواز:۔ اے ادھر بلاؤ۔ ان سے گاڑی کے قریب آنے کو کہو۔

خدمتگار:۔ اجی صاحب آپ سے بس بیر کہہ چکے۔ آپ نہیں آتے یہ کیا۔

خوجی:۔ الگ گیدی (قرولی تول کر) الگ خبردار۔

بیرا:۔ ایں! ان کو ہوا کیا ہے۔ جانے کیوں نہیں سامنے۔

خوجی:۔ واہ جی تم عجب آدمی ہو۔ جانو نہ بوجھو آئے وہاں سے کیا ہم کو جان فالتو ہے۔ جو گاڑی کے سامنے جائیں۔

خدمت گار:۔ اجی تم انھیں سے جاکے کہو کہ ذری یہاں تک تکلیف کریں۔ یہ تو کوئی مسخرہ سا معلوم ہوتا ہے دیوانہ پاگل۔

خوجی:۔ (آگ ہوکر) زبان سنبھال گیدی زبان سنبھال (دو قدم پیچھے ہٹ کر) کہہ دیا بس ورنہ اتنی قرولیاں بھونکی ہوں گی کہ یاد ہی تو کرے گا۔

اتفاق سے آزاد نے ان کی آخری بے تکی ہانک سُن لی۔ تو فوراً باہر آئے کہ کہیں کسی سے لڑ نہ پڑے۔ باہر آئے تو دیکھا کہ ایک گاڑی برآمدے میں کھڑی ہے اور اُس میں زنانی سواریاں ہیں اور خواجہ صاحب سامنے پینترے بدل رہے ہیں پوچھا خواجہ صاحب یہ آپ کس پر بگڑ رہے ہیں۔ جواب ندارد وہاں سے جھپٹ کر آزاد کے پاس آئے اور ان کے دار دگرد) قرولی گھماتے ہوئے پینترے بدلنے لگے۔ آزاد متحیر۔ بیرمرد حیران۔

ہوٹل والے مسکرانے لگے۔ اور گاڑی سے قہقہے کی آواز آئی۔ واہ رے خوجی۔

آزاد:۔ خود بھی ذلیل ہوتے ہو اور کو بھی ذلیل کرتے ہو۔

خوجی:۔ ہو (گاڑی کی طرف اشارہ کرکے) اب کیا ہوگا۔

آزاد:۔ یہ تو بکتا کیا ہے بے (جھلا کر) ہوگا کیا۔

خوجی:۔ ہوگا کیا۔ گھڑی دو میں مُر لیا باجے گی۔

اتنے میں خدمت گار قریب آنے کو تھا کہ خوجی نے وہ غل مچایا اور اس قدر اُچھلے کودے کہ الامان الامان! آزاد سے کہا کہ اس سے کہو دور ہی دور سے باتیں کرے ورنہ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔

خدمت گار نے بیان کیا کہ حضور انھوں نے آتے ہی پینترا بدلنا اور یہ کاٹھ کا کھلونا نچانا شروع کیا۔ اور بات بات پر مجھے گیدی بنایا۔ نہ میری سنتے ہیں نہ اپنی کہتے ہیں بس فقط پینترے ہی بدلتے جاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔

خواجہ صاحب آزاد کو علیحدہ لے گئے اور کان میں کہا کہ میاں خوب یاد رکھو اور لکھ رکھو اس گاڑی پر عورتیں نہیں ہیں اس پر وہ ہیں جن کی ذات سے گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔ آزاد بے اختیار ہنس دیئے تو خوجی اپنا سر پیٹنے لگے۔ اور پھر سمجھایا کہ وہ جوان رعنا جو حسن آرا کے ہاں اس دن بیڑا اٹھا کے آیا تھا وہی اس میں بند ہو کے آیا ہوگا۔

راوی:۔ اللہ اللہ اب خبر کھلی۔ حضرت کے دل میں تو یہ بات جمی ہوئی تھی نہ کہ وہ جوان ضرور مقابلہ کو آئے گا۔

آزاد نے ان کو جھڑک دیا اور کہا خواجہ صاحب بس آپ زیادہ ہمدردی میرے ساتھ ظاہر نہ کیجیے اور الگ جاکے بیٹھیے مگر خوجی کے دل میں تو کُھب گئی تھی کہ اس گاڑی میں وہی جوان چھپ کے آیا ہے انھوں نے رونا شروع کیا۔ اب آزاد لاکھ لاکھ سمجھاتے ہیں کہ دیکھو ہوٹل کے اور مسافروں کو بُرا معلوم ہوگا تم ناحق غُل مچاتے ہو مگر خواجہ صاحب نے کہا یا تو جو اس پر سوار ہوں وہ بے تامّل اتر آئیں یا میں پہلے دیکھ لوں پھر آپ جائیں۔ ورنہ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔

آزاد:۔ (خدمتگار سے) اگر وہ منظور کریں تو یہ بوڑھا آدمی جھانک کے دیکھ لے یہ مٹری سودائی تو ہے ہی اس کو شک ہوا ہے کہ اس میں کوئی اور بیٹھا ہے۔ اور وہم کی دوا لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔

خدمت گار:۔ میں جاکے دریافت کرلوں تو عرض کروں۔

آواز:۔ (گاڑی ہی سے سُن رہی تھیں) منظور ہے۔

خدمت گار:۔ لیجیے حضور۔ ہماری سرکار سُن رہی تھیں۔ چلیے۔

خوجی:۔ (سب سے رخصت ہوکر) اے دنیا تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ آزاد خدا تم کو شر نوائب سے مصئون رکھے اور فائز بمرام کرے۔

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں — رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری — اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

آزاد :۔ خواجہ صاحب اب آپ کا دم واپسیں ہے۔

خوجی :۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ تمہاری بدولت بڑے چین کیے واللہ اب جان نثار کیے دیتے ہیں۔ اسی دم من بدیع۔

پیر :۔ ع۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

خوجی :۔ یا خدا مارا بہ حشر ہمراہ نیکاں شود۔ یا اللہ۔

خدمتگار :۔ اب آخر مرنے تو جاتے ہی ہو ذری قدم بڑھایئے نہ چلو جیسے اب مرے ویسے آدھ گھڑی کے بعد ایک ہی بات ہے۔

خوجی :۔ بس گیدی۔ اس وقت جلال میں ہوں خبردار۔

آزاد :۔ کیوں مُردے کو چھیڑتے ہو جی۔ خواہ مخواہ۔

بگھی سے اس زور قہقہوں کی آوازیں آتی تھیں اور اس درجہ کھلکھلاتی تھیں کہ خوجی اور بھی جھلاتے مگر دم بخود ہوے جاتے تھے۔

اتنے میں خواجہ رئیس الزماں صاحب سامنے سے نمودار ہوے اور ان کو دیکھتے ہی خواجہ صاحب نے ہانک لگائی۔

خوجی :۔ ارے بیا برادر بزرگ بابائے من۔

رئیس الزماں :۔ (دوڑ کر) خیریت برادر ہے۔ ہے برادر خیریت۔ خیر ہے برادر۔

راوی :۔ اس وحشت کے قربان۔ آخر خوجی کے بڑے بھائی ہیں نہ یہ وحشت تو خلقی اور جبلی تھی۔

خوجی :۔ (گلے مل کر) بابائے بزرگ من بدیع برائے موت رفتہ شدہ ام۔

راوی :۔ رفتہ شدہ ام اور آمدہ شدہ بودندے اور گفتہ شدہ کردہ بود یہ بندھی ٹکی چوٹیں ہیں حضور کی۔

رئیس :۔ کیا بات کیا ہے کچھ ہم تو سنیں صاحب۔

خواجہ صاحب نے اپنے بابائے بزرگ برادر بابائے بدیع کے کان میں کچھ کہا تو دونوں پھر گلے مل مل کر خوب روئے۔

آزاد :۔ یک نہ شد دو شد۔ ع۔ خوب گذرے گی۔ ا غ

پیر :۔ دونوں خبطی ہیں واللہ عجب مسخرہ ہے بھئی۔

خدمت گار:۔ ہم تو پہلے ہی سمجھے تھے حضور کہ

بیرا:۔ ہم نے بھی تو کہا تھا کہ پاگل ہے کوئی۔

بھائی سے گلے مل کر خوجی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ گاڑی کے قریب جا کر خدمت گار سے کہا کھول دے۔ جیسے ہی گردن اندر ڈالی دیکھا دو عورتیں صدر میں بیٹھی ہیں۔ اور دوسامنے گردن ڈالتے ہی انھوں نے اُن کا عمامۂ فضیلت پھینک کر کھوپڑی پر دو چپتیں لگائیں۔ خوجی کی جان میں جان آئی۔ فوراً ہنس دیئے۔ آزاد کو اجازت دی کہ اب آپ جائیں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ آزاد نے ان لوگوں کو جو وہاں ادھر اُدھر کھڑے ہوئے تھے ہٹا دیا۔ اور اُن شان شیریں حرکات سے باتیں کرنے لگے۔

آزاد:۔ ارشاد۔ آپ کون صاحب ہیں۔

آواز:۔ آدمی ہیں۔ سُنا کہ آزاد پاشا آئے ہیں عرصۂ دراز سے آپ کی تعریف سنتے تھے۔ گو اس طرح پر ملنا خلاف وضع اہل آبرو ہے مگر دل نے نہ مانا کہ آپ سے مشہور آدمی آئیں اور ہم زیارت سے محروم رہیں۔

آزاد:۔ زہے نصیب کہ آپ میری نسبت ایسے کلمے زبان پر لائیں میں صحیح عرض کرتا ہوں کہ میری ہمیشہ سے یہی خواہش تھی کہ اپنے وطن اور اپنے برادران قومی کے لیے اپنی جان دوں روم گیا اور وہاں جنگ روم میں بھی شریک ہوا مگر یہ آرزو بر نہ آئی۔

آواز:۔ اے خدا خدا کرو۔ تمہاری جان تمہارے وطن اور برادران قومی کو بہت عزیز ہے۔ اس قیمتی جان کے تم مالک نہیں ہو۔ یہ تو مال وقف ہے۔ یہ وہ جان ہے جو سب کے گاڑھے وقت کام آتی ہے۔

آزاد:۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ بہ خدا نادیدہ مشتاق حصول لقا ہوں اب جو آپ نے تکلیف کی ہے تو مہربانی کر کے یہاں تک قدم رنجہ فرمایئے اور نقاب دور کیجیے۔ میں راست باز ہوں۔ ؎

طالب نظارہ ام پردہ برافگن زرخ

پیش صفِ راستاں سعبدہ بازی مکن

آواز:۔ اوچھا۔ پیٹ سے پاؤں نکالے۔ ہاتھ دیتے ہوئے پہونچا پکڑ لیا۔ چہ خوش۔ ہوش کی دوا کیجیے۔

آزاد اب مجھے بھی شعر خواہ مخواہ پڑھنا لازم آیا۔ ؎

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی

بازار خویش و آتش ماتیز می کنی

آواز:۔ آخر آپ کی نیت کیا ہے۔ کچھ عشق کے طور معلوم ہوتے ہیں تم پر یہ زیبا نہیں۔ اپنے نام کا اب خیال رکھوں گا۔

آزاد عشق کا لفظ تو میں نے آج سُنا ہے بی صاحب ؎

مجھ سا نادان عشق کیا جانے
شوق زلفِ سیہ بلا جانے

آواز:۔ (کج ادائی کے ساتھ) اہ ہ ایسے ننھے بیچارے آپ کے عشق کا آوازہ سارے جہاں میں پھیلا ہے۔

آزاد:۔ اس دل سے خدا سمجھے جس نے ہمیں بدنام کیا۔ ؎

بدنام کیا بُرا ہو تیرا اے دل — ناکام کیا بُرا ہو تیرا اے دل
مومن کو بتوں سے کیا سروکار بھلا — کیا کام کیا بُرا ہو تیرا اے دل

آواز:۔ اچھا اب رخصت۔ زہے نصیب کہ تم کو دیکھا۔

آزاد:۔ اگر مضایقہ نہ ہو تو تشریف لائیے خانۂ بے تکلف ہے پردہ ہو جائے گا۔ ورنہ آپ کو اختیار ہے میری دل شکنی ضرور ہوگی اتنا سمجھ لیجئے۔

آواز:۔ اے ہاں خوب یاد آیا وہ جو دو ونہ نگیں آپ کے ساتھ آئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ ذری بُلاؤ ان کو بھی دیکھ لیں۔

آزاد:۔ وہ شاید یہاں آنے سے انکار کریں۔

آواز:۔ اچھا پردہ کرادو۔ ہم ان سے ضرور ملیں گے۔

آزاد:۔ بہت خوب۔ لیکن خاکسار ہو یا نہ ہو۔

آواز:۔ ضرور تم سے کیا پردہ ہے۔ بندوبست کرو۔

آزاد نے فوراً پردہ کرایا اور ان دونوں گلبدنان مہ جبین کو اطلاع دی۔ ادھر گاڑی سے چار عورتیں اُتریں۔ اُن میں دو ادھیڑ تھیں اور دو کمسن۔ کمرے میں آئیں مسوں نے اُن سے ہاتھ ملایا۔ مگر یہ ان کی گفتگو سمجھیں نہ وہ ان کی گفتگو آزاد نے سمجھانا شروع کیا۔ ان میں سے ایک چست وطرار نے جس نے اپنا نام قمر طلعت بتایا تھا آزاد سے کہا کہ ہماری طرف سے مزاج پُرسی کیجیے اور کہیے ایک روز آپ کو غریب خانے پر بھی قدم رنجہ کرنا پڑے گا مس میڈا اور کلیرسا نے شائستگی کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

دو گل رخاں سمبر کرسیوں پر متمکن ہوئی تھیں اور دو پیش خدمتیں سامنے کھڑی تھیں۔ مس کلیرسا نے آزاد کے ذریعے سے اُن دونوں کے نام دریافت کیے ایک نے مسکرا کر کہا ہمارا نام پرکالۂ آتش۔ دوسری زیر لب تبسم کر کے بولی۔ فتنہ بیداد۔ آزاد نے آہستہ سے کہا خدا ہی خیر کرے۔ بُرا سامنا ہے بھلا انسان ضعیف البنیان کی کیا اصل و حقیقت ہے کہ پرکالۂ آتش کی آنچ سے بچ سکے یا فتنہ بیدار سے اس کا بخت نفتہ مقابلہ کرے۔ مس میڈا اور کلیرسا کو ترجمہ کر کے سمجھا دیا کہ ان دونوں نے اپنا اپنا نام چھپایا اور مصنوعی نام بتایا ہے

مگروہ کبھی خالی از مذاق نہیں۔ فتنہ بیدار نے یوں ملک بیان میں موتی پروئے۔

آزاد نے ایک مدت سے تمہارا نام سنتے تھے اور آنکھیں تم کو ڈھونڈھتی تھیں۔ بارے شکر ہے کہ خدا خدا کر کے بعد مدت زیارت نصیب ہوئی۔ مجھے بڑا شوق اور دلی خواہش تھی کہ تم سے دوبدو گفتگو کروں مگر سچ کہتی ہوں جیسا سنا تھا اُس سے کہیں زیادہ پایا۔ حسن میں، خوبی میں، رعنائی میں، برنائی میں، اخلاق میں، گفتگو میں ہر شے میں تم کو یکتا پایا۔ ؎

می شنیدم کہ راحتِ جانے

چوں بدیدم ہزار چندانے

میں نے بیشتر کبھی تمہاری دلبر طناز سرمست خوبی محو ناز معشوقہ عشقباز حسن آرا کو نہیں دیکھا تھا مگر جیسے تمہارے سبب سے وہ اور ان کے سبب سے مشہور ہوئے بے اختیار جی چاہا کہ دیکھیں حسن آرا کیسی ہیں دیکھا تو چندے آفتاب چندے مہتاب۔ لیکن خوب یاد رکھنا آزاد کہ جس طرح تم اس کے عاشق زار ہو اسی طرح وہ بھی دل وجان سے تم پر نثار ہے تم نے بڑی بڑی سختیاں اٹھائیں مصیبتیں جھیلیں مگر یہ نہ سمجھنا کہ وہ، تمہاری جدائی میں تم سے کم مصیبت میں تھیں۔ ؎

عاشق ستمے کہ دیدہ از عشق — معشوق ہماں کشیدہ از عشق

عاشق جرسے کہ بر فغان بست — معشوق ہما جرس بہ جان بست

عاشق قدمے کہ بر جگر زد — معشوق ہماں ہماں قدح بسر زد

عاشق قدمے کہ شام غم زد — معشوق برہ ہماں قدم زد

عاشق خلشے کہ در نہاں یافت

معشوق ہماں خلش بجاں یافت

اس کے بعد پرکالہ آتش نے آزاد سے یوں مکالمہ کیا۔

ہماری بہن نے جو کچھ کہا اس سے ہمیں اتفاق ہے۔ ہم دونوں گھنٹوں ہر روز تمہارا ہی ذکر خیر کیا کرتی تھیں۔ بجز اس کے اور کوئی تذکرہ ہی نہ تھا۔ لیکن اب تو یہ فرمائیے بندہ پرور کہ حسن آرا ہی سے عقد ہوگا یا یہ دونوں زاہد فریب بھی اس اقرار سے آئی ہیں آزاد نے مسکرا کر کہا۔ جی نہیں یہ غلط مشہور ہوا تھا۔ جس روز حسن آرا سے اقرار کر کے گیا اور ساری خدائی میں مشہور ہوا کہ آزاد حسن آرا کے حکم کے بموجب روم گئے ہیں اس کی دلشکنی وضع کے خلاف ہے اور حق یہ ہے کہ جو بات حسن آرا میں ہے وہ ان میں کسی میں نہیں ہے۔ ؏

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

دونوں گل عذار کمال خوش ہوئیں اور آزاد کی عرصے تک تعریف کرتی رہیں کہ کس قدر پاکباز جوان صالح ہیں۔

اتنے میں پیرمرد نے آزاد کو بلوایا اور کہا مجھ سے دو دو باتیں سن لیجئے۔ پھر آپ ان سے باطمینان تمام گفتگو کیجئے۔ بات یہ ہے کہ حسن آرا بیگم نے مجھے دو امر کے لیے آپ کے پاس بھیجا تھا ایک یہ کہ آپ خوجی کی باتوں میں نہ جائیے آپ کے دل میں ضرور ایک قسم کا خیال آیا ہوگا کہ حسن آرا بیگم کے ہاں کسی نامحرم کا کیوں کر گذر ہوا خیر اس سے تو آپ مطمئن رہیں دوسرا امر یہ ہے کہ مس میڈا کے ساتھ آپ کی شادی ہوگی یا نہیں آزاد متحیر کہ یا خدا ہاں کہوں یا نہیں کہوں معاً سمجھ گئے کہ حسن آرا رخنہ انداز ہوں گی۔ ان سے دیکھا نہیں جائے گا کہ جس الفت اور رشتے سے ان کے پلنگ پر بیٹھوں اسی الفت سے کسی اور کے پلنگ پر بھی بیٹھ سکوں۔ گو ابھی تک مس میڈا کے ساتھ شادی نہیں ہوئی مگر حسن آرا کو ابھی سے رشک ہونے لگا۔ اب کہیں تو کیا کہیں۔ میڈا شادی سے انکار کر چکی تھیں صاف کہہ دیا تھا کہ عمر بھر شادی نہ کریں گی۔ لیکن آزاد کے دل میں اس ناظورۂ ملائک نظر فریب ہمہ زیب کے عشق نے بھی جگہ کر لی تھی اور ابھی ان کو موقع بھی تھا کہ مس میڈا کو سمجھائیں اصرار کریں کلیسا سے سفارش اٹھوائیں۔ اگر حسن آرا کو کہلا بھیجتے ہیں کہ میڈا کے ساتھ شادی نہ ہوگی تو پھر ممکن نہیں کہ اپنی قول کے خلاف کریں اور اگر اقرار کرتے ہیں تو شاید میڈا پھر انکار کر جائے اور حسن آرا کے خلاف گذرے کہ ایک میاں اور دو بیویاں۔ بڑی دیر تک غلطاں پیچاں رہے کہ کیا جواب دیں پیرمرد سے باتوں باتوں میں پوچھا کہ آخر ان کا کیا منشاء ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے تو کوشش کروں کہ ان کو خوش رکھوں اور یہ بات میرے امکان میں ہے پیرمرد نے جواب دیا حضرت یہ اختیار نہیں ہے کہ ان کے دل کا حال آپ کو بتا دیں مگر ہاں جو کچھ آپ جواب دیں گے اس کو عمدہ طرز سے بعنوان شایستہ اُن سے کہہ دوں گا۔ آزاد نے کہا جناب مس میڈا کے اس قدر میری گردن پر احسان ہیں کہ سر نہیں اُٹھا سکتا۔ بار احسان سے سر اٹھانا محال ہے۔ یہ نام یہ عہدہ یہ خطاب یہ عظمت انھیں کی بدولت حاصل ہوئی ہے اور صاف تو یوں ہے کہ روپیہ بھی انہیں کی مہربانی سے ہم نے پایا ورنہ من آنم کہ من دانم جس وقت وزیر جنگ نے میرے نام پروانۂ تقرری بھیجا میرے ہوش اُڑے ہوئے تھے کہ یا خدا سامان اور تیاری کے لیے زر کس کے گھر سے لاؤں بڑی دیر تک مارے بدحواسی اور ضعف کے بُری حالت تھی۔ یہ کیفیت اور حالت زار دیکھ کر اس قمر رخسار قدرو رفتار نے مجھے تشفی دی اور اپنے پدر پیر سے جو مقبول آدمی ہے زر خطیر لا کے مجھے دیا۔

پیرمرد نے کہا بس اسی تقریر کا خلاصہ میں عمدہ طور سے بیان کروں گا اور جو کچھ وہ فرمائیں گی وہ آپ سے آن کے کہہ دوں گا۔ چلو چھٹی ہوئی۔ خدا حافظ۔ یہ کہہ کر پیرمرد رخصت ہوئے اور آزاد کمرے میں آن کر ان گلبدنوں سے باتیں کرنے لگے۔ پرکالۂ آتش نے فرمایش کی کہ یہاں بیٹھے بیٹھے جی کلفت ہے اگر پردے کا کوئی مقام

سبزہ زار ہو تو چلیے سیر چمن کریں۔ آزاد نے مسکرا کر یہ شعر پڑھا۔ ؎

چشم نرگس بدنظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیرِ گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

پرکالۂ آتش نے کسی قدر شرما کر گردن نیچی کر لی مگر فتنہ بیداد نے تیکھی چتون اور شوخی کے ساتھ کہا۔ اے واہ بہن یہ شرمانا لجانا کیسا ابھی بالکل انیلی ہی ہو نہ ؎

ہے ہے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بے تاب دیکھ کر

پرکالۂ آتش بولی عشق و ہوس آپ ہی کو مبارک رہے یہاں استاد نے یہ سکھایا ہی نہیں کہ عشق اور کس کی ہوس۔ ہاں تم البتہ اس میں برق ہو۔ مگر تمہاری داستان بھی حسرت سے بھری ہے۔ فتنۂ بیداد نے آہ سرد کھینچی اور یہ مسدس کا بند زبان پر لائی۔ ؎

نہ ہوا عشق میں اِس شوخ کے آرام کبھی
نہ دیئے دست نگاریں سے مجھے جام کبھی
لبِ شیریں سے سنا ایک نہ دشنام کبھی
نہ ملی لذتِ عرض ہوسِ کام کبھی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

کھو دیا مفت میں دل میں نے کہ دکھ ہی پایا
قلق ہجر نے کیا کیا نہ تجھے گھبرایا
پر وہ پرفس نہ ملا یوں ہی سدا ترسایا
نہ وہاں مجھ کو بلایا نہ یہاں آپ آیا
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

آزاد تاڑ گئے کہ اس معشوقہ طناز کا دل بھی چوٹ کھایا ہوا ہے۔ عشق نے طبیعت کو گداز کر دیا ہے کسی جوان زیبا اندام کے عشق کا دم بھرتی تھی۔ مگر وصل کے عوض مفارقت نصیب ہوئی۔ اشعار مسدس ترجمان دل ہیں۔ انھوں نے بلجاجت دریافت کیا کہ اپنے نام سے اب تو اطلاع دیجئے۔ جب یہاں تک تشریف لائیں قدم رنجہ فرمایا تو اب بے تکلفی کے ساتھ باتیں کیجئے مگر اس ستم رسیدہ کو خدا جانے اس وقت کیا یاد آگیا تھا کہ ایک بات کا بھی جواب نہ دیا اور رو رو کر یہ شعر پڑھا۔ ؎

تیرہ روزی کی رہی جلوہ فزائی ہے ہے
طالع بد کی یہ خوبی نظر آئی ہے ہے

جب آزاد اور ان دونوں مہ وش مسوں نے اس خاتون رشک قمر کو زار زار روتے اور آنسو بہاتے دیکھا تو ان سب کا دل بھر آیا اور بہت کچھ سمجھایا کہ صبر کرو دل کو مضبوط رکھو۔ کچھ حال تو کہو۔ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اشک اضطراب فروش پونچھ کر اس مہ پارۂ عابد فریب نے کہا۔ یہاں تو دن رات کا رونا ہے۔ تم کب تک بہلاؤ گے روز و شب یہی کیفیت رہتی ہے۔ ؎

نقد روان اشک کا ہے صرف روز و شب　　یاقوت لخت دل کا یہاں خرچ ہے غضب

وہ در بے بہا جسے رکھیں عزیز سب　　ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب

پہونچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

آزاد نے قریب جا کر کہا حضرت آخر کس نے دکھ دیا ہے کون ایسا بے رحم ظالم جس نے اس قدر جلد پریشان کیا ہے۔ اس پر کسی قدر جھلا کر اس معشوقۂ نازنین نے کہا ؎

آپ ہی ظلم کرو آپ ہی شکوہ اُلٹا

خیر صاحب ستم اُلٹا ہے زمانہ اُلٹا

یہ گرما گرم شعر سُن کر آزاد کے ہوش اُڑ گئے ہیں: آپ ہی ظاہر کرو آپ ہی شکوہ اُلٹا۔ ایں چہ معنیٰ دارد۔ خدا خیر کرے۔ غور کر کے دیکھا کہ یا الٰہی یہ کون ہے۔ ثریا بیگم سے بالکل صورت نہیں ملتی۔ اس کے ہونٹھ اس سے زیادہ سرخ ہیں۔ زینت النسا سے شکل میں بہت اختلاف ہے۔ وہ نازک کمر زیادہ ہے۔ اختر کے بال بھورے ہیں۔ حسن آرا کی تصویر ہر دم آنکھوں کے سامنے رہتی ہے وہ بات کہاں۔ بھلا پھر یہ کون ہے خداوند اب ان کو شک کے عوض کامل یقین ہو گیا کہ یہ ہماری ہی شکایت کرتی ہے اور اس نے شعر ہی ایسا پڑھا تھا اب ان کی جرأت نہیں ہوئی کہ اس سے کوئی سوال کریں واللہ اعلم۔ کہاں بیٹھے اور دیکھتے ہیں نوجوان اور نوعمر حسین گل اندام سرو قامت مہر طلعت مگر دم بخود اور اس کی یہ کیفیت کہ آنکھیں برابر اشکبار ہیں۔ ؎

مرا سیماب اشک از دیدہ ہر دم کم نمی باشد

بیاض دیدہ ام صبح ست بے شبنم نمی باشد

جب کبھی آزاد نے ڈرتے ڈرتے سمجھایا پرکالہ آتش نے کہا بہن مایوس کیوں ہوتی ہو شاید کہ ہمیں بیضہ برآرد پر و بال۔ عنقا گردد۔ تو اس بیت کو ترجمان دل کیا ؎

نا امیدی بر دہد اشکے کہ مے کاریم ما

رزق قارون می شود تخمے کہ مے کاریم ما

آزاد دنگ کہ یا خدا اس آہو چشم سے مجھ سے کب آنکھ لڑی تھی حضرت غور کر کے دیکھتے تھے۔ مگر بے سود۔

اتنے میں مس مئیڈا نے فرانسیسی میں ان سے پوچھا کہ کیا حسن آرا یہی ہیں انھوں نے گردن ہلائی۔

یہ محبوب منیر طبع گو فرانسیسی سے مطلق واقف نہ تھی مگر تاڑ گئی کہ مئیڈا نے کیا سوال کیا اور آزاد نے کیا جواب دیا۔ اور یہ رباعی زبان پر لائی۔

می کردم دلم نہاں بہ چشم برآب — دریا دلے گریۂ بیرون حساب
باشوق تمام دیدہ ام گفت بدل — من ہم اشکے بریزم اے خانہ خراب

مجبور ہو کر آزاد با دل ناشاد اس پری زاد کو دوسرے کمرے میں لے گئے اور وہاں کرسیوں پر بیٹھ کر یوں مکالمہ شروع کیا۔

آزاد:۔ از برائے خدا بتاؤ تو یہ ماجرا کیا ہے۔

فتنہ بیدار:۔ پہلے لب لعل کا ایک بوسہ دو تو پھر حال کہوں۔

آزاد:۔ بسم اللہ۔ مگر تمہیں کسی اور کا دھوکا تو نہیں ہوا۔

فتنہ:۔ سبحان اللہ کیا سب تمہارے ہی سے بے وفا ہیں۔

آزاد:۔ مجھے تم نے کہاں دیکھا تھا اور مجھ پر عاشق کب ہوئی تھیں۔

فتنہ:۔ بجا ہونہہ! ہم سے اُڑتے ہو، عاشق کب ہوئی تھیں۔

آزاد:۔ یا الٰہی۔ تو آخر مجھے بھی بتا دیجئے از برائے خدا۔

فتنہ:۔ (بوسہ لے کر) اب بھی یاد نہیں آتا واہ رے ہم۔

آزاد:۔ قسم خدا کی اس وقت میرے ذہن میں نہیں آتی یہ بات۔

فتنہ:۔ ایک اور بوسہ لے کر روتے ہوئے یہ شعر پڑھ کر سنایا۔ ؎

آں کہ رحم از دل برد تاثیر فریاد منست
واں کہ نسیان آورد خاصیت یاد من ست

راوی:۔ آزاد نے اس حسرت آلود شعر کی بڑی تعریف کی۔

فتنہ:۔ آزاد۔ خدا کے لیے تم بھی ایک بوسہ لو۔ نہ ترساؤ۔

آزاد:۔ گومگو کا معاملہ ہے۔ ایک نہیں مجھ سے کہیے ہزار بوسے لوں مگر آخر میں بھی تو لوں کہ اس بوسہ بازی سے مجھے فائدہ کیا ہو گا۔

فتنہ:۔ ہائے افسوس۔ ایسا ظالم ستمگر نہیں دیکھا وائے ستم۔

نہ کیوں کر بس موا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر — وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹھوں میں کہہ کہہ کر

کہاں لخت جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا — چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہ بہ کر
نوید اے دل کہ رشک غیر سے چھوٹے اسے ہم نے — ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہہ کر
بہار باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل — ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر

ستم اے شدت گریہ سرایت خون نے کی ہے
رکھے رومال چشم خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر

آزاد:۔ یہ میرا گھر نہیں ہوٹل ہے بس سمجھ جائیے۔

فتنہ:۔ میں بے بوسہ لیے اور دیے نہ جانے دوں گی۔

آزاد:۔ لے تو چکیں۔ دوسرے امر کا مجھے اختیار ہے۔

فتنہ:۔ تم بھی بوسہ لو اور ہم بھی بوسہ لیں دونوں۔

آزاد:۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ یہ کیا اسرار ہے خدایا۔

فتنہ:۔ دل چھین کے باتیں بناتے ہو بندہ پرور۔ ۔

ہم سمجھتے تھے گھر گھر کی آبادی — تو نے کی ہائے خانہ بربادی
آرزو تھی کہ نکلیں گے ارماں — کدخدائی کے کرتے تھے ساماں
اس توقع سے اب ہوئے مایوس — آ گیا حرف بات میں افسوس

کب تلک در گزر بھلا ہووے
کیا کیا عشق کا جا ہووے

آزاد:۔ اب مجھے فرصت نہیں ہے۔ پھر کسی روز تشریف لائیے گا۔

فتنہ:۔ اچھا ایک بوسہ لو تو پھر میں فوراً چلی جاؤں۔

آزاد:۔ یہ میری وضع کے خلاف ہے جان نہ پہچان بوسہ لینا کیسا۔

فتنہ:۔ (رو کر) ہائے جان نہ پہچان۔ ارے دل سا گھر تو نے غارت کر دیا ستمگر اور اب کہتا ہے جان نہ پہچان!!! یا خدایا۔

میری ہرزہ گردی ٹھکانے لگے
کسی شوخ کو رحم آنے لگے

آزاد:۔ (مجبور ہو کر بوسہ لے لے) بس اب وعدہ وفا کیجیے۔

فتنہ:۔ (ہاتھ پکڑ کر) کیا وعدہ۔ کیا مزے میں بوسہ لیا اور اب رخصت کی سنائی۔ یہ وہ رخسار نہیں ہیں۔

جن کا بوسہ مفت مل سکے نقد جان اس سودے کی قیمت ہے۔ ؎

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

آزاد:- یا خدا کس ضغطے میں جان پڑی۔ اب آپ تشریف لے جائیں۔ خدا حافظ ہے۔

فتنہ:- اچھا اب کب ملو گے کل ضرور آؤں گی یہاں۔

آزاد:- ضرور۔ لے اب خدا حافظ ہے بندگی۔

آزاد فتنۂ بیدار سے رسّیاں تڑا کر چلے آئے اور ان کے بعد وہ بھی اٹھلاتی ہوئی آئی تو مس میڈا اور کلیرسا کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور رخسار پیشتر سے کہیں زیادہ سُرخ۔ ان دونوں نے ایک دوسرے پر نظر ڈالی اور بہ کمال حیرت خاموش ہو رہیں لیکن اس شوخ بے شرم نے آزاد کو بے نقط سنانا شروع کیا۔

فتنہ:- سب گواہ رہنا میں تنہا اس وقت ان کے ساتھ گئی اور وہاں سے ہم ایک گھنٹے کے بعد آئے اور میرے بال اس وقت بکھرے اور زلف پریشان ہے اور انھوں نے اس قدر بوسے میرے گالوں کے لیے کہ اور بھی سُرخ ہو گئے۔

پرکالۂ آتش:- ہاں بہن گواہ ہیں خدا کو منہ دکھانا ہے بیشک تم ان کے ساتھ گئیں تھیں۔ اور اکیلی۔

فتنہ:- اور بوسوں کا ثبوت بھی ہم نے دے دیا یا نہیں۔

پرکالہ:- بیشک ثبوت کامل ہے بہن۔ یہ گورے گورے گال اس قدر جلد ایسے لال لال کیوں ہوئے بوسوں ہی کے سبب سے۔

فتنہ:- اب فرمائیے میاں آزاد صاحب۔

آزاد:- (چہرہ سُرخ) اب آپ جائیے۔

فتنہ:- اب میں جاؤں!!! اب کس کی ہو کے رہوں۔

آزاد:- (مارے غصّے کے کانپنے لگے۔ بس خبردار۔

فتنہ:- اے ہے ہوش کی دوا کر مردوے۔

کلیرسا:- (فرانسیسی میں) یہ کیا ماجرا ہے آزاد۔

میڈا:- ہمارے خود ہوش اُڑے ہوئے ہیں۔ یہ ہے کیا۔

فتنہ دوراں:- اب دونوں کی گواہی نہ ہوئی ہو تو سہی۔

آزاد پاشا کے ہوش پران۔ حواس فقر۔ کہ یا خدا اچھے گھر بیعانہ دیا اور وہ چمک چمک کر یہی کہتی تھی کہ اچھا نہیں قسم کھاؤ کہ تم نے مجھے چومایا نہیں۔ آپ کون چومنے والے تھے۔ اور جو ہمارے میاں دیکھ لیتے۔ اس کو بھی جانے دو یہ دو گھنٹے تک اکیلے کمرے میں آپ کیوں بیٹھے۔

آزاد:۔ اب ذلیل ہو کے یہاں سے جاؤ گی تم۔

فتنہ:۔ زبان سنبھال کے بولنا بہت چل نہ نکلو۔

آزاد:۔ عجب مصیبت میں جان پڑی ہے۔ توبہ توبہ۔

فتنہ:۔ اے ہے اب مصیبت یاد آئی۔ پہلے کیا سمجھے تھے۔

آزاد:۔ بس بس خبردار۔ اب ذرا زیادہ نہ بڑھنا۔

فتنہ:۔ اس سے کہو گاڑی برآمدے میں لائے اور ابھی لائے۔

آزاد:۔ ہاں خدا کے لیے تم یہاں سے جاؤ۔

فتنہ:۔ جاتی تو ہوں مگر دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔

آزاد:۔ خیر جو کچھ ہوگا وہ سمجھا جائے گا۔ دیکھ لیں گے۔

فتنہ:۔ بس دیکھ لیں گے! عدالت میں قلعی کھلے گی۔

آزاد:۔ اچھا عدالت پر رکھو بس یہی سہی۔

فتنہ بیدار مع پرکالۂ آتش کے گاڑی پر سوار ہوئی اور دونوں خواصیں سامنے بیٹھیں اور گاڑی روانہ ہوئی۔ اور خوجی نے یہ اشعار پڑھے۔ ~

کھول دی ہے زلف کس نے پھول سے رخسار پر　　چھا گئی کالی گھٹا سی پھول سے رخسار پر
کیا ہی افشاں ہے جبین و ابروِ خمدار پر　　ہے چراغاں آج کعبے کے در و دیوار پر
نقش پائے بیخ شاخہ قبر پر روشن کرو　　مر گیا ہوں میں تمہاری گرمیِ رفتار پر
چشم بددور آج ہے یہ کون گل رو جھانکتا　　چشم نرگس کا ہے عالم روزنِ دیوار پر

ہم ازل سے انتظارِ یار میں سوئے نہیں
آفریں کہیے ہمارے دیدۂ بیدار پر

گھڑی دو میں مر لیا باجے گی۔

آزاد:۔ ارے میاں خوجی آج تو غضب ہو گیا بھائی۔

خوجی:۔ گھڑی دو میں مر لیا باجے گی۔

آزاد:۔ بھئی واسطے خدا کے سنو تو غضب ہو گیا۔
خوجی:۔ اجی صاحب گھڑی دو میں مُر لیا باجے گی۔
آزاد:۔ بھئی مُر لیا تو بج چکی۔ اب کیوں بار بار وہی بک رہے ہو۔
خوجی:۔ بھئی ابھی کیا ہے۔ ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

ابھی تو ابتدا ہی ہے۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔
آزاد:۔ تم نے کچھ سُنا بھی وہ تو بڑی گُرگی نکلیں۔
خوجی:۔ اجی جو تمہارے دل میں ہے وہ میرے ناخن میں ہے۔
آزاد:۔ تم ان کو جانتے ہو کہ یہ کون تھیں دونوں۔
خوجی:۔ جی گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔
آزاد:۔ خدا کی مار تم پر۔ نہ درد کے شریک نہ غم کے شریک۔ خدا تم ایسوں سے سمجھے۔ ایے نامعقول۔ افسوس
خوجی:۔ میاں صاحب یہ دونوں بڑی کلاکان ہیں۔ ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ نہ ملو نہ ملو نہ مانا نہ مانو اب بھگتو۔
آزاد:۔ بھئی ہمیں کیا معلوم تھا کہ ایسی بدذات نکلے گی۔
خوجی:۔ سنیے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک کُٹنی رہتی ہے کندن۔ یہ دونوں اسی کی چھوکریاں ہیں۔ اور یہ دونوں ایک ہی بدوضع شوخ طرار کافر ہیں۔ اور کندن نے ان کو سکھا پڑھا کے بھیجا تھا دونوں کو لڑکپن سے جانتا ہے بندہ۔ ؎

نام خدا ابھی سے یہ طفلی میں حسن ہے
آیا ہے اس کو دیکھ کے پیر و جواں کو عشق

آزاد:۔ واللہ۔ تم کندن کو کیا جانو۔
خوجی:۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔ ؎

مجھ کو فارغ کر دیا حیرت نے اس کی دید سے
خود وہ پردہ ہو جو میں نور نظر پیدا کروں

مطلب نازک ادا نازک اندام نازک انداز ہے۔ ؎

یہ ہے مژگاں کی جنبش آہ یا ہے ناوک اندازی کشش ہے یہ کماں کی یا رتے تیوری چڑھائی ہے

آزاد :۔ افوہ۔ ارے یہ کندن کی کارستانیاں ہیں۔

خوجی :۔ آپ ہیں ابھی لونڈے۔

آزاد :۔ تو بدبخت پہلے اس فاحشہ کا نام لیا ہوتا۔

خوجی :۔ ہونہہ! گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

جلد دنیا سے اوٹھالے اے فلک ——— چشم عالم سے گرے جاتے ہیں ہم
ایک خوشی آتی نہیں تیری خبر ——— لاکھ شکلیں دل کو دکھلاتے ہیں ہم

خوجی نے آزاد سے کہا کہ یہ کندن ایک بڑی مشہور کٹنی ہے اور اس کے یہی ہتھکنڈے ہیں کہ بھلے مانسوں کو پھانسے اور ان کو بٹائے اور دھمکا دھمکا کے ان سے روپیہ لے۔ چنانچہ یہ دونوں چھوکریاں اسی کے سکھانے سے آئی تھیں۔ اب یہ سارے شہر میں مشہور کریں گی کہ آزاد ہم سے ملتفت ہو گئے ہیں اور عجب نہیں کہ عدالت سے بھی چارہ جوئی کریں۔ بہت بُرے پھنسے۔

آزاد :۔ بھلا تم کو اس کا حال کیوں کر معلوم ہوا۔

خوجی :۔ اجی ہم کو کیا نہیں معلوم ہے یہ اچھا سوال ہے۔

آزاد :۔ اچھا پھر اب اس کا کچھ توڑ بھی ہے۔

خوجی :۔ ہاں غور کریں گے۔ کسی سے کچھ پوچھیں گچھیں گے۔

آزاد :۔ کندن کو تو میں جانتا ہوں۔ اس کے ہاں ایک روز گیا بھی اور سب رنگ ڈھنگ دیکھ آیا ہوں۔ مگر اس کے اس پاجی پن کا حال کیا معلوم تھا۔

خوجی :۔ اخاہ۔ جب ہی وہ پتا لگا کے یہاں تک آئی۔

گر جور و ستم پر طبع آزمائی اچھا ——— ہے شوق محبت آزمائی اچھا
یاں روز جدائی آس ہے روز فزوں ——— کر لیجیے جو ہو سکے برائی اچھا

آزاد :۔ خواجہ صاحب۔ اس وقت ہمیں بڑی الجھن ہو رہی ہے ازبرائے خدا کوئی تدبیر سوچو یہ شعر شاعری کا موقع نہیں ہے۔

خوجی :۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

ہے بس کہ کلام میرا مشکل اے دل ——— سُن سُن کے اسے سخن ورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش ——— گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

سو جناب بندہ تو پابند وضع ہے۔ مگر اس کی سہل ترکیب ہے۔

اتنے میں ایک شخص نے آن کے آزاد کو خط دیا اور کہا حضور فتنہ بیدار کا خط ہے۔ اس کا جواب مانگا ہے۔
آزاد نے خط لینے سے انکار کیا اور قریب تھا کہ اس خدمتگار کو ڈانٹ بتائیں مگر خوجی نے خط لے لیا اور اشارے سے آزاد کو سمجھایا کہ خط پڑھ لو۔ پڑھا تو مطلب اول جلول ذرا سنیے گا۔ یکے دیگر ازاں پنج زن متکفل مہم برہمن شدہ بخانہ خود برو و شوہر را گفت کہ امروز زن فلاں بقال او مجمع خاتونان شر شوہر خود را ستودہ گفت کہ اگرچہ کمالات او اندازہ ماحصا خارج ست و فضائل او از شرح و بیان مستغنی ہر حرفش گنجینہ مضامین و معانیست و سخن غیر را با کلامش نسبت ہذیانات و آیات قرآنی۔ یک راہ ہر چند صفوت کدۂ دل بنور توحید و در گیتی پرورد۔ ؎

سینے کے سارے آبلے ناسور ہو گئے

اے دستِ عیش وصل کا ماتم کہاں تلک

بہرکیف محفل آراستہ و بزم طرب پیراستہ ہو ؎

یکے محفل آراست از رود و مے — کہ ہینوز شرمش برآورد خوے

نشستند بہ رامش ز ہر کشورے — غریب او ستادے درامشگرے

اگر کانٹوں میں الجھنا منظور ہو۔

ع۔ تھوڑا لکھا بہت سمجھنا۔

الراقمہ آثمہ خادمہ

فتنہ بیدار

آزاد:۔ یہ کیا اناپ شناپ بکی ہے۔ آثمہ کیا!

خوجی:۔ بالکل بے معنی بے کار بے تکی بات لاحول ولا۔

آزاد:۔ پھاڑ کے پھینک دو کاغذ۔ اسی دم۔

خوجی:۔ نہ نہ تم بھی اس کے جواب میں بے تکا جواب دو۔

آزاد:۔ کوئی کاغذ اٹھا لو۔ یا پنساری کی دوکان سے منگوا لو۔ بس چھٹی ہوئی وہی پرچہ دے دو۔ ذرا خدمتگار سے تو حال دریافت کرو۔

خوجی:۔ ہائے افسوس۔ بس یہی تو کہتے ہیں کہ ابھی صاحبزادے ہو ان لوگوں کے خدمتگار کیا گاؤدی ہوا کرتے ہیں

آزاد:۔ شاید باتوں باتوں میں اگل پڑے۔

خوجی:۔ واہ مجھے اور آپ کو دونوں کو بیچ آئے جناب۔

یا خدا ہماری مشکل آسان کر۔ یا باری تعالی۔ آمین۔

رحمت حق آئینہ دار شماست — وقت پذیرفتن یک یک دعاست
ذوق ببالید و تپش ساز کرد — حیرت دل بے خودی آغاز کرد
راست چو گل خندہ زنان خواستند
دست فشانان و دماں خواستند

خدمت گار کو خوجی نے ایک پھٹا پرانا کاغذ دے کے کہا لو یہ جواب ہے، جواب لے کر خدمت گار نے اپنی راہ لی اور خواجہ صاحب نے قہقہہ لگایا اب ہنسی کم ہی نہیں ہوتی اکڑ گئے کہ آپ سے ایک کار نمایاں سرزد ہوا۔ اس کی تدبیر سوجھی جب ہنستے ہنستے تھک گئے تو زور سے ہانک لگائی۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ دوبارہ ہاجی اب پھر باجے گی۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

آزاد:۔ ارے تم نے یہ کہہ کہہ کر اور بھی تنڑا کا ہی دیا۔

خوجی:۔ (ہنس کر) گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

آزاد پاشا نے خوجی سے ساری داستان بیان کی کہ فلاں روز فلاں شہر کی سیر کرتے کرتے ایک مقام پر گذر ہوا تو دنگ ہو گیا معلوم ہوا کہ بی کندن کون ہیں۔ مگر وہ تو اس دن گرفتار ہو گئی تھی خوجی نے کہا حضرت گرفتاری کی نہ کہیے وہ ہر روز گرفتار ہوا کرتی ہے اور روز رہائی پاتی ہے اس کی دور دور تک رسائی ہے۔ میں بھی سوچتا تھا کہ یہ کیا سبب ہے کہ بے جانے بوجھے اس نے ان دونوں کو اس قدر بے دھڑک بھیجا ہے۔ اب حال معلوم ہوا بہت بڑے گھر بیعانہ دیا ہے۔ بھائی صاحب خدا ہی حافظ ہے واللہ۔

آزاد:۔ واللہ ہوش اُڑے ہیں میں بدنامی کو ڈرتا ہوں

خوجی:۔ کیسی کچھ بدنامی۔ بس توبہ ہی بھلی ہے صاحب۔

آزاد:۔ لاحول ولاقوۃ۔ کیا مصیبت ہے واللہ۔

خوجی:۔ اور ناکردہ گناہ۔ میں سچ کہوں میں بھی کہتا تھا کہ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ آپ سمجھتے ہی نہیں۔

آزاد:۔ اب اس سے خدا جانے آپ کا کیا منشا تھا پہلے آپ نے کہا ایک جوان رعنا تم سے لڑنے آتا ہے گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔ یہ معنی بتائے۔ اب دوسرے معنی بتاتے ہو خیر صاحب مگر اس بلائے بے درماں سے نجات پانے کی بھی کوئی صورت ہے یا نہیں۔

خوجی:۔ صاف صاف یوں ہے کہ مجھے خود اس کا کچھ حال نہیں معلوم تھا یہاں کے ایک خانساماں نے کہا کہ ان دونوں کو جو آئی ہیں آپ پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ پوچھا آزاد پاشا سے ملاقات ہے۔ میں نے کہا کبھی کی نہیں۔

نہیں کہا ان کا بہو بیٹیوں میں جانا اچھا نہیں ہے۔ تب تو میرے کان کھڑے ہوئے۔ ایں! اس کے کیا معنی؟ کہا یہ دونوں چھوکریاں بی بی کندن کے ہاں سے آئی ہیں۔ ان کا آنا جوکھم سے خالی نہیں ہے کوئی نہ کوئی خرابی ضرور پیدا ہوگی، ہوش اُڑ گئے۔ جھانک کے دیکھتا ہوں تو قہقہے پڑ رہے ہیں۔ فوراً سمجھ گیا کہ دونوں نے رنگ جما لیا۔ چلیے آخر یہ گل کھلا اب میں پتا لگانے جاتا ہوں۔ اب میری کارگزاری اور کارستانی دیکھیے۔ انشاءاللہ۔ مگر تم بتاتے جاؤ میں لکھتا جاؤں۔ ہر ایک کا نام لکھو، اور معشوق کے نام

آزاد:۔ اس سے مطلب کیا۔ نام کیا ہوگا۔؟

خوجی:۔ بالکل صاحبزادے ہی ہو تم کو اس سے کیا۔

آزاد:۔ آپ ہی لکھیے۔ آپ جانیں آپ کا کام جانے۔

اے گلِ گلستانِ رعنائی — نو بہارِ ریاضِ زیبائی
اے مہِ آسمانِ حسن و جمال — بے نظیرِ جہانِ وہم و خیال
اے درِ شاہوار ناسفتہ — گوہرِ آبدار ناسفتہ
اے گل تا بہ بر نیامدہ — اے نہال بہ بر نیامدہ
غنچہ با صبا نخور شیدہ — رنجِ گل چیں ہنوز نادیدہ
اے دل و دیں بیک نگہ بردہ — خونِ بے چارہ عاشقی خوردہ
اے بت رو بہ ہر نہادہ — در کفِ کافری نیفتادہ
اے تغافل شعار بے پروا — حال معلوم کیا تجھے میرا
تجھ کو واں لافِ کبریائی ہے — یاں بلا دین و دل پہ آئی ہے
تجھ کو دعویٰ ہے بے نیازی کا — حوصلہ کس کو پاکبازی کا

کیوں یہ دعوائے لن ترانی ہے
آخر اک دن قیامت آنی ہے

خوجی:۔ واللہ خوب اشعار یاد آئے۔ دیکھو تو سہی۔ انشاءاللہ۔

آزاد:۔ ہاں چلیے۔ اب مطلب بیان کیجیے تو لکھوں۔

خوجی:۔ اب بندہ مطلب خود رواں کرے گا۔ لے سُنیے جانِ من جانانِ من بلکہ بہتر از جانِ ناتوانِ

من بعافیت باشند۔

بہ لبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم بچکار خواہی آمد

آزاد:۔ اوہو۔ سبحان اللہ بھئی کیا خوب لکھا ہے اُستاد۔

خوجی:۔ اب اس کے بعد اور تو سُنیئے۔ اگر کل اشجار جہاں قلم مسرت رقم، اور کل داوات ہائے دنیا سمندر ہو جائیں تاہم

نیارم گوہر شکر تو سفتن
سر مومی ز احسان تو گفتن

جانِ مَن اشتیاقِ دیدار کی حد اور شوقِ ملاقات کا پایان نہیں ہے۔ پس اشتیاق یہ ہے او شہرۂ آفاق یہ ہے۔

الغرض خواجہ صاحب بیڑا اُٹھا کر گئے کہ بی کندن کا پتا لگائیں گے اور اس کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں گے۔ ادھر میاں آزاد ان دونوں سیم بدنوں کے پاس آئے تو دیکھا ان کے بُشرے کی کیفیت اور ہے۔ شرم، غیض و غضب، غصہ، حیرت، چہرے سے نمودار۔ تاڑ گئے کہ یہ سارے کانٹے فتنۂ بیدار کے بوئے ہوئے ہیں۔ دم بخود ہو رہے۔ میڈا نے منہ پھیر لیا۔ کلیر سا ایک ناول پڑھنے لگیں۔ ان دونوں کو یقین ہو گیا کہ یہ زنِ خوش جمال یا تو آزاد کی بیاہتا بیوی ہے۔ جس کو چھوڑ کر حسن آرا کے عشق میں آزاد روم چل دیئے۔ یا آزاد سے اور اس سے صرف ملاقات ہی ہو۔ پس دونوں صورتوں میں آزاد کا فعل قابلِ نفرت تھا۔

اِن دونوں میں بڑی دیر تک گفتگو رہی تھی، اگر یہ جان پہچان نہ ہوتی تو اس بے تکلفی کے ساتھ باتیں نہ کرتی۔ اور نہ اس کمرے میں تنہا جا کے بیٹھنے کی دونوں میں سے ایک کو بھی جرأت ہوتی؛ سخت حیرت ان کو یہ تھی کہ زلف کا پریشان ہونا اور بکھرے بالوں سے فتنۂ بیدار کا باہر آنا کیا معنی! الغرض جس قدر زیادہ غور کرتی تھیں معاملہ خالی از رشک نہیں نظر آتا تھا۔ عرصے تک بالکل سکوت کا عالم رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد آزاد نے خود ہی سکوت کا طلسم توڑا اور کہا کسی نے سچ کہا ہے کہ کر تو ڈر، اور نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔ میں نے ان دونوں عورتوں کی جو ابھی یہاں سے گئی ہیں صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت بلا کی طرح نازل ہوئیں انسان کا قاعدہ ہے کہ نئی بات دیکھنے کا جی چاہتا ہے۔ شامتِ اعمال زبان سے اتنا نکل گیا کہ اگر تکلیف فرمائی ہے تو مہربانی کر کے تشریف لائیے۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

گفتگو اس قدر شستہ و رفتہ سنی کہ دل کو اور بھی یقین ہو گیا کہ واقعی کوئی بڑی معالی دودمان ہیں۔ ان کی خاطر کرنی چاہیئے؛ دونوں حاضر جواب، دونوں زبان دراز۔ بات کی نہیں کہ جواب برجستہ موجود۔ الغرض با اصرار تمام و منت و سماجت یہاں تک لائی۔ یہاں انھوں نے گل کھلایا۔ پہلے باتوں باتوں میں پرانے عشق، اور قدیم ملاقات کا اظہار کیا۔ بعد ازاں تخلیے کی صحبت پر اصرار کیا۔ اور ان سب باتوں کے بعد لے مری۔ اُفوہ۔ اس درجہ مکارہ، عیارہ، و بدوضع عورت، تو نظر سے نہیں گذری واللہ۔ اور ابھی پیچھا تھوڑا ہی چھوڑا ہے ابھی تک دق کیے ہی جاتی ہے۔ خدا خیر کرے۔ عجب مخمصے میں جان ہے۔

آزاد کی یہ تقریر مسلسل ان دونوں نے گوش ہوش سے اور دونوں کے دل پر مختلف اثر ہوا۔ میڈا سمجھی کہ یہ گریزین اور براءت، تہمت عین ثبوتِ جرم ہے، بیشتر کی ملاقات سے ضرور ہوگی۔ کلیرسا کو شک کی جگہ یقین ہوگیا کہ ہم دونوں کے سبب سے شرما کر ادھوں نے یہ کہانی بیان کی، ورنہ اگر ہم نہ ہوتے تو اس وقت نہ جاتی۔ ان کو یقین تھا کہ صرف ملاقات ہی نہیں بلکہ نکاح ہوگیا ہوگا۔ جب ہی وہ اس قدر شوخ اور بے باک تھی۔ آزاد کی اس طویل و عریض داستان کا کسی نے جواب نہ دیا۔ وہی بیشتر کی سی خاموشی۔ اب آزاد کے رہے سہے حواس بھی غائب ہو گئے کہ یا خدا خیر کیجیو۔ اب خیر نظر نہیں آتی۔ ان دونوں پری پیکروں کے آئینہ دل پر غبار آگیا ہے۔ اور ان کو گنجایش شکوہ سنجی بھی ہے کہ ان کے سامنے ان کی موجودگی میں ہم ایک زنِ جادو جمال، و نوخیز کو اس بے تکلفی سے تخلیے میں لے گئے، اور وہاں بوسہ بازی کی، اور پھر جب وہ وہاں سے آئی تو بال بکھرے ہوئے۔ الغرض ان کو سخت قلق تھا کہ اس پُرفن زنِ محتالہ نے ان کو ایسا چکما دیا کہ جس کا جواب نہیں۔

اللہ اللہ آزاد اور ایسا بھونڈا چکما کھائیں۔ مس میڈا اور مس کلیرسا کے لوحۂ دل پر اس نے منقوش کر دیا کہ آزاد اس کے چاہنے والوں میں ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ بس انتہا ہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مس کلیرسا اور مس میڈا دونوں نے ان کی طرف مخاطب ہی نہیں ہوتیں اور ان کی بات کا جواب ہی نہیں دیتیں، تو کچھ عرصے تک ضبط کیا آخر کار ان سے نہ رہا گیا۔

آزاد:۔ مس میڈا۔ تم نے ہندوستان کی مکارہ عورتیں دیکھیں مگر خدا کا شکر ہے کہ اس ملک میں ایسی شیشہ شکن ناموس بہت کم ہیں۔

میڈا:۔ ہو۔ مجھے ان باتوں سے کیا سروکار ہے۔

آزاد:۔ (شرمندہ ہو کر) اس کی کارستانی دیکھی۔

میڈا:۔ میں اور کام میں اُس وقت مصروف تھی۔

آزاد:۔ مس کلیرسا تم کچھ سمجھیں یا نہیں۔

کلیرسا:۔ میں نے کچھ خیال نہیں کیا۔ کچھ سوچ رہی تھی۔

آزاد:۔ اس زن بدسرشت سے خدا سمجھے لاحول ولا۔

میڈا:۔ (کتاب کھول کے غور سے مطالعہ کرنے لگی۔

کلیرسا:۔ (بدستور ناول پڑھ رہی ہیں۔ بات کا جواب ہی نہیں۔

آزاد:۔ ہمارا سا سادہ لوح بھی کوئی کم ہو گا۔

کلیرسا:۔ خود کردہ راچہ علاج۔ جیسا کیا ویسا بھگتو۔

آزاد:۔ ہائے یہی تو میں چاہتا تھا کہ کچھ کہو تو سہی کلیرسا سچ کہتا ہوں باور کرو جو کبھی بیشتر اُس کی صورت دیکھی بھی ہو۔ ان چاروں سے کبھی کی ملاقات نہیں ہے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ مگر اس مکارہ نے وہ داؤں پیچ کیا کہ ہم بالکل احمق بن گئے۔ اب تو ایک بات ہو ہی گئی۔

کلیرسا:۔ ایک بات ہو ہی گئی کیا معنی۔ اول تو یہ کسی کو شاذ ہی یقین آئے گا کہ جان نہ پہچان اور اس تپاک کے ساتھ تم اس کو علیحدہ کمرے میں لے جاتے اور پھر اس قدر عرصے تک بیٹھنا اور اس حالت میں باہر آنا اور اس کا اظہار عشق و بے قراری اور بھی شک پیدا کرتا ہے لیکن تم نے جو بیان کیا کہ کبھی پیشتر کی ملاقات ہی نہ تھی اس سے ہمیں اور بھی حیرت ہوتی ہے کہ تمہیں یہ ہو کیا گیا۔ جس وقت اس نے اظہار عشق کیا تمہیں لازم تھا کہ فوراً یہاں سے چلے جاتے یا صاف صاف اس کو سمجھا دیتے۔

میڈا:۔ وہ تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب آئندہ کے لیے کیا فکر کی ہے۔ اس کی چتون اور تیور اور بات چیت سے پایا جاتا ہے کہ وہ نالش کرے گی۔ ہماری سمجھ میں اس کی گفتگو تو آئی نہیں مگر اس کے طرز کلام سے کچھ کچھ سمجھے اور تم کبھی کبھی فرانسیسی میں اس کی بات کا جواب بھی آہستہ سے دیتے تھے۔

آزاد:۔ میں نے خوجی کو بھیجا ہے اس نے مجھ سے ایک ایسی بات کہی کہ میرے رہے سہے ہوش بھی اُڑ گئے

اب خوجی گئے ہیں کہ شاید معاملہ روبراہ لائے۔ یہاں ایک عورت رہتی ہے کندن بوڑھی ضعیفہ عورت۔ ایک ہی بدکار ہے۔ خدا کی مار اس پر اُس کے یہ ہتھکنڈے ہیں۔ کہ ادھر اُدھر سے چھوکریاں پکڑ لاتی ہے ایک طول و طویل داستان ہے خلاصہ یہ کہ یہ زن مکارہ اسی نے بھیجی تھی اب خوجی بیڑا اٹھا کے گئے ہیں کہ اس کا پتا لگائیں اور اس کو دھمکائیں۔

میڈا۔ واہ بھیجا بھی کسے۔ خوجی موئے مسخرے کو۔

کلیرسا۔ جو بات بنتی بھی ہو بگڑ جائے اُلٹا دھروا دے عجب خبط الحواس کو بھیجا۔ وہ وہاں بھی قرولی نکالے گا۔ اور بات بات پر گیدی گیدی غل مچائے گا۔ ایسے شخص کو بھیجنا ہے اپنے کو ہنسوانا ہے۔

آزاد۔ پھر اب اس وقت اور کس کو بھیجتا۔ ع۔

گندم اگر بہم نہ رسد جو غنیمت است

شاید خوجی کے ذریعہ سے معاملہ روبراہ لائے۔

میڈا۔ اب کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ وہ جو آئی تھی اس کا مکان کہاں ہے پہلے تو یہی دریافت کرنا تھا۔

آزاد۔ اب خواجہ صاحب آلیں تو سب باتیں معلوم ہوں

اب سنیے کہ خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع راجپوتانہ کی وضع کی ایک بتی باندھے قرولی مصنوعی ہاتھ میں لیے گرتے پڑتے تلاش میں نکلے۔ جس خانساماں نے ان سے کہا تھا کہ یہ چھوکریاں بی کندن نے سکھا پڑھا کر بھیجی ہیں۔ اس سے انھوں نے یہ بھی دریافت کر لیا تھا کہ وہ یہاں کس مکان میں مقیم ہے۔ اور اُسی پتے سے ڈھونڈنے نکلے۔ ایک مقام پر تکیہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کوئی رہرو نکلے تو اس سے پوچھیں اتنے میں ایک بوڑھی عورت سامنے سے نظر آئی۔

خوجی:۔ کیوں بوا۔ یہ تکیہ کس کے نام سے مشہور ہے۔

بوڑھی:۔ کس کے نام سے مشہور ہے! جس کا تکیہ ہے اسی کے نام سے مشہور ہے۔ عارف شاہ کا تکیہ ہے حاجی نصرت کے بھائی۔

خوجی:۔ تمہارا مکان کہاں ہے مائی۔ ہم بھی فقیر ہیں۔

بوڑھی:۔ نقیر۔ فقیر تو نہیں تم تو بہروپیے معلوم ہوتے ہو۔

خوجی:۔ ارے رے رے۔ لاحول ولا قوۃ۔ لاحول ولا قوۃ۔

بوڑھی:۔ سر پر بتی پانوں میں چمرودھا جوتا۔ ہاتھ میں کاٹ کی قرولی۔ یہ تو بہروپیا پن ہے۔ فقیروں کو تہمت کے سوا اور کسی لباس سے کیا مطلب۔

خوجی:۔ ہائے ہائے۔ تم سمجھی ہی نہیں۔

حاجت کلاہ برگی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

بوڑھی:۔ میں مورکھ ہوں نہ۔ کیا سمجھوں بھلا۔

خوجی:۔ اس کے معنی یہ کہ گرہستی میں جو شخص فقیری کا برتاؤ کرے وہ مقبول بندہ ہے۔ کچھ فرض تھوڑا ہی ہے کہ گھر بار چھوڑ کر جنگل میں جا بیٹھے نہ۔ یہ چیزیں دل سے متعلق ہیں خیر یہ تو کرے گا۔ اگر ذرا سی آگ کہیں سے لادو تو ہم ایک دم لگالیں۔

بوڑھی:۔ سامنے چلے جاؤ وہاں آگ بہت سی ہے۔

خوجی:۔ اس محلے میں کون رہتا ہے کچھ معلوم ہے۔

بوڑھی:۔ ہاں ایک تو رفوگر رہتے ہیں۔ سامنے والے مکان میں اور بغل میں ایک رنگریز ہے۔ ادھر کی بین میں دھوبی رہتے ہیں اور سامنے والے مکان میں ایک عورت آکے رہی ہے بدکار ہی معلوم ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب سمجھ گئے کہ سامنے والے ہی مکان میں بی بی کندن آکے رہی ہیں۔ جھومتے ہوئے دروازہ پر گئے اور تھوڑی دیر چپ چاپ بیٹھے تو انہوں نے سُنا کہ چند عورتیں باہم باتیں کر رہی ہیں سوچے کہ شگون اچھا فال نیک ہے شاید آزاد ہی کی نسبت گفتگو ہو کان دھر کے سنا تو یہ باتیں گوش گزار ہوئیں۔

"کچھ ہونا ہوانا تو ہے نہیں مفت کی ٹھائیں ٹھائیں ہے۔"

"اے ہٹو بہن۔ ہو اور بیچ کھیت ہو۔ ایسی بات ہے۔"

"دیکھ لینا جو کچھ بھی ہو۔ وہ کیا ایسے گنوار ہیں۔"

"بٹیا تم تو سمجھتی ہی نہیں ہو بدنامی کتنی بڑی ہے۔"

"تو اماں جان ایسا ہی بدنامی کا لحاظ ہو تو سب ہی نہ دب جایا کریں۔"

"دبتے ہی ہیں۔ اس پلٹن صاحب سے نہیں کھڑے کھڑے گنوا لیے۔"

"تو وہ تو موقوف ہو جاتا۔ اس کو تو یہ خوف تھا۔"

"اور ان کو یہ ڈر ہے کہ حسن آرا نہ بھڑک جائیں لوگوں میں مشہور نہ ہو ورنہ بے عزتی ہوگی۔"

"اچھا تم نالش کس بات کی کرو گی یہ بتاؤ۔"

"نالش کریں گے کہ ہندوستان سے جانے کے پہلے شادی کا وعدہ کر گئے تھے۔ دس بارہ عورتیں گواہ میں رکھ گئے تھے کہ تم خبردار خبردار کسی کے ساتھ شادی نہ کرنا اور یہ بھی کہا تھا کہ کسی اور کے ساتھ نکاح ہوا تو

تجھ کو اور اس کو دونوں کو قتل کر ڈالوں گا۔ اس خوف کے سبب سے شادی نہیں ہوئی اب جوان کے آنے کی خبر سنی اور لوگوں نے کہا کہ وہ میموں کو بیاہ کے لائے ہیں تو آگ ہو گئی کہ اس نے تو اپنی جوانی کھوئی۔ انھوں کے نام پر سہارا کر کے بیٹھی رہی اور یہ وہاں سے بیاہ لائے۔

"اس میں فضیحتی ہو گی اماں جان مگر ان تلوں تیل"۔

"نیل ویل کا نام نہ لو، بدشگونی بُری بات ہے۔"

"اچھا اماں جان تمھیں اختیار ہے مگر نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔"

"بیٹا تم ابھی ناکردہ کار ہو۔ جُمّا جُمّا آٹھ دن کی پیدائش چھوٹا منہ بڑی بات۔ دخل در معقولات تو کندن جو تگنی کا ناچ نہ نچاؤں مجھ سے سیانا سو دوانا۔

خواجہ صاحب سنتے سنتے تنگ گئے۔ اگر عقلمند ہوتے تو چپ چاپ سنتے جاتے اور گھر کی راہ لیتے یا بی کندن کے ہمدرد بن کر بظاہر اس سے مل جاتے اور اس کو صلاح دیتے مگر یہ دشمن عقل ان کو عقل سے کیا واسطہ جھلا کر ایک مرتبہ بانگ لگائی اوگیدی نکل تو آ۔ دیکھو تو کتنی قرولیاں بھونکتا ہوں کیا بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہے نالش کرے گی بدنام کرے گی اور روپیہ لے مریگی۔ روپیہ کسی بزدل سے لے مری ہو گی۔ بڑی وہاں سے بن کے آئی ہے۔ بی کندن نے جو یہ آواز سنی تو کوٹھے پر سے جھانکا۔ دیکھا تو ایک پستہ قامت زمین دوز آدمی اکڑ کر برّا رہا ہے۔ خادمہ سے کہا دروازہ کھول دے اور بُلا لے۔

خادمہ:۔ (دروازہ کھول کر) کون ہے آیئے آیئے۔

خوجی:۔ اوگیدی آنا جانا کیسا خون کا پیاسا ہوں۔

خادمہ:۔ یا میرے اللہ میاں کیا گرمی دماغ پر چڑھ گئی ہے۔

خوجی:۔ بس بس جو کوئی آزاد کو کچھ کہے گا وہ کچھ سنے گا بھی۔

خادمہ:۔ اوئی ہوش کی دوا کر مردوے کیا ٹھریاں بک رہا ہے۔

خوجی:۔ دروازے کے باہر آؤ تو بتاؤں جی۔

خادمہ:۔ (دروازے کے باہر آن کر) کیا گھول کے پی جائے گا۔ ابھی ایک پھونک ماروں تو بیں لڑھکنیاں کھائے۔ چلا ہے وہاں سے باتیں بنانے نگوڑا۔ مونڈی کاٹا۔ کلبہ موا چھچھنی۔

خوجی:۔ عورت کے کیا منہ لگوں ورنہ شیر بھی مقابلے کو آئے تو ایک پہر میں چیں بول جائے۔ تو کیا ہے

خادمہ:۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ چلے ہیں چیں بُلانے۔ بڑا مردوا بنا ہے۔ ذرا ہاتھ تو اٹھا۔ دیکھ

اسی جگہ دفنا دیتی ہوں کہ نہیں۔

اتنے میں ماما بی کندن نے ایک عورت بھیجی اُس نے آن کے کہا۔ یہ کیا دروازے پر غل مچا رکھا ہے۔ محلے والے سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ اوئی کیسا دیدہ دلیل ہے عورت کیا ہوا مرد ہے۔ مردوں کے منہ لگتی ہے۔ میاں تم اپنی طرف دیکھو یہ ایسی ہی کلہ دراز ہے۔ آخر ہوا کیا۔ یہ بات کیا ہے۔ خواجہ صاحب گدھے تو تھے ہی سمجھے کہ یہ عورت ان کا جنبہ کرتی ہے۔ فرمایا کیا بتاؤں کیا ہے خواہ مخواہ غصہ دلاتی ہے جی چاہتا ہے کہ بھٹے کی طرح سر اُڑا دوں مردار کا۔ خادمہ اس فقرے پر بہت اُچھلی کودی۔ توبہ تلا کے بعد اس عورت نے سمجھایا اور نرجعہ کر کے ان کو اُلو بنا کر مکان میں لے گئی۔ خواجہ صاحب اکڑ کر ایک مونڈھے پر بیٹھے۔ بیٹھنا ہی تھا کہ ٹانگیں اوپر سر نیچے دھڑ ادھڑ میں گھر بھر میں قہقہہ پڑا اور خادمہ نے آواز بلند سے کہا۔ (سزا) اور ہے ہاتھ تیرے کی بھزار خرابی خواجہ صاحب سنبھلے اور سنبھل کر دوسرے مونڈھے پر چوکنا ہو کر بیٹھے۔ خواجہ صاحب لڑھکنی کھا کر مونڈھے پر تو بیٹھے اور اب کی اور بھی اکڑ کر مگر ان کو شک ہوا کہ مبادا یہ عورتیں ساحرہ ہوں کیونکہ پہلی مرتبہ جب مونڈھے پر بیٹھے تو ان کو معلوم ہوا کہ کسی نے ان کو پیچھے کھینچ لیا۔ اور دوسری بار بھی مونڈھے کے پیچھے ایک ہاتھ نظر آیا دو چار منٹ کے بعد بی کندن سامنے آئیں اور آتے ہی ایک دو ہتڑ خوجی پر لگا کر کہا چولہے کی خبٹہ میں جائے ایسا میاں۔ برسوں کے بعد آج صورت بھی دکھائی تو بھیس بدل کر کے آیا۔ سچ کہتے ہیں بھروپیے کی جورو ہر دم خطرے میں رہتی ہے۔ تجھے موت آئے نگوڑے تیرا جنازہ نکلے۔ یہ اب تک تو تھا کہاں۔ خواجہ صاحب کے آئے حواس غائب۔ زبان بند۔ ہاتھ پانوں کانپنے لگے۔ اس نے ایک اور دھپ لگا کر ان کے کان پکڑے اور کہا کیا چپ چاپ سُن رہا۔ ٹک ٹک دیدم۔ دم نہ کشیدم۔ لو اور سنو مو امنہ سے بولے نہ سر سے کھیلے۔ گویا کتیا بھونک رہی ہے۔

خوجی :۔ یہ دل لگی بازی ہم کو پسند نہیں ہے۔

کندن :۔ (دھپ لگا کر) شادی کیا سمجھ کے کی تھی۔

خوجی :۔ تو شادی اس لیے کی تھی کہ جوتیاں کھائیں۔

کندن :۔ جوتی خورے (دانت کٹکٹا کر چکت کر دیا)

خوجی :۔ (تڑپ گئے) ہائیں! یہ عورت کیا ڈائن ہے۔ مار کے گوشت اُڑا لیا یا خدا کیسا بُرا پھنسا خدا ہی خیر کرے۔

کندن :۔ خیر نہیں اب یہاں سے جانا دل لگی نہیں ہے۔ تیرا کون اعتبار موے جس طرح ادھر دو تین برس چھوڑ کر چل دیا وہ خدا پر اسی طرح اب بھی چل دے تو کون روکنے سمجھانے والا ہے۔

خوجی۔ کیا ہر گھڑی چل ہی دیا کروں گا۔

راوی۔ واہ خواجہ صاحب واہ۔ گھبرا کے شوہر ہونا قبول دیئے۔ ہم تو اس کے قائل ہیں۔ عمرت دراز باد۔

بی بی کندن نے آکے جائزہ لیا۔ جیب ٹٹولی۔ تین روپیہ اور سات آنے ان کے پاس تھے وہ نکال لیے اور دو دو چپیں دیں۔ یہ بیچارے خاموش۔ گھر بھر میں قہقہہ پڑ رہا تھا اور یہ دم بخود دل ہی دل میں جل رہے تھے تھوڑی دیر میں اس مکارہ نے ان کی بنی بھی اتار لی اور مصنوعی چوبی قرولی بھی چھین لی۔ اور کہا یوں نہیں تو بی کندن کہ عدالت سے ایک ایک حبہ مہر کا وصول کرلوں خوجی جاتا کہاں ہے تو دیکھ تو ہی۔

خواجہ صاحب جان چھڑا کر وہاں سے بھاگے اور ہوٹل میں داخل ہوئے مگر ناک بھوں حڑھائے ہوئے۔

آزاد۔ مرحبا مرحبا۔ کہو۔ فتح! ایں! آثار برے ہیں۔

خوجی۔ گھڑی دو میں مُر لیا باجے گی۔ گھڑی دو۔

آزاد۔ خدا خیر کرے۔ پتا لگا تھا۔ کیا بات چیت ہوئی۔

خوجی۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ افسوس۔

آزاد۔ کیا نالش جڑ دی۔ یا اس سے بھی بدتر نیت ہے۔

خوجی۔ بیوی گئیں تھیں روزے بخشوانے نماز بھی گلے پڑی۔ ہم گئے تھے کہ آپ پر شوہریت کا دعوی نہ کیا جائے اُلٹے خود دھرے گئے۔ وہ بوڑھی عورت مجھ پہ مرتی ہے۔

جاتے ہی کہنے لگی۔ اب تک کہاں تھا مونڈی کاٹے نگوڑے ایسے میاں کا جنازہ نکلے۔ برسوں سے خبر ہی نہیں لی۔ لیجیے اور سنیے خوب دھپیں لگائیں تھپڑ دیئے۔ برا بھلا کہا گالیاں دیں۔ دو روپے سات آنے جیب سے نکال لیے، قرولی ہضم کرلی اور کہا تجھے دور ہو موئے نکما ہے۔ اب سرکار سے اپنے مہر کا دعوی کروں گی۔ سو حضرت گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

اب سنیے کہ ادھر تو آزاد کو یہ تشویش تھی کہ دیکھیں وہ مکار، عیار زن بد سرشت و بدوضع کہاں کہاں بدنام کرتی ہے اس کی حرکات ناملائم سے کس قدر نقصان عائد ہوتا ہے اور ادھر یہ خیال تھا کہ مس مئیڈا نے شادی سے انکار کیا ہے اس پر طرہ یہ ہوا کہ خواجہ صاحب کی کارگذاری اور بھی ان کے خلاف ہوئی اور اس سے بڑھ کر ایک اور دقت خیز بات سننے میں آئی۔ آزاد پاشا مس مئیڈا اور کلیرسا سے اپنی پریشانی کا حال بیان کر رہے تھے کہ خواجہ صاحب نے آواز دی۔ آزاد باہر گئے۔ دیکھا کہ پیر مرد گردن جھکائے ایک تپائی پر بیٹھے ہیں۔ مگر کمال افسردہ و پژمردہ آزاد کے ہوش اُڑ گئے۔ خدا ہی خیر کرے۔ ان کو تو خوش و خرم آنا چاہیئے تھا یہ اس قطع سے پژمردگی کے ساتھ دبکے دبکائے کیوں بیٹھے ہیں۔ اور وہ اس درجہ محوِ غم اور صیدِ الم تھے کہ گو آزاد باہر

آئے اور ان کو ان کے آنے کا حال بھی معلوم ہوا تاہم وہ گردن جھکائے ہی بیٹھے رہے۔ آزاد نے خوجی کو اشارے سے علیحدہ بلایا۔ اور کہا یار یہ تو اس وقت اس طرح پر غم کی صورت بنائے ہوئے بیٹھے ہیں کہ مجھے خوف ہے مبادا کوئی بُری خبر لائے ہوں جرأت نہیں ہوئی کہ ان سے کچھ پوچھوں۔ کوئی ایسی ہی بات ہے جس کے سبب سے یہ اس قدر افسردہ ہیں اور گردن جھکا کر غم میں بالکل مستغرق ہو کر بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح مجھے استفسار حال کی جرأت نہیں ہوتی اسی طرح انھیں اظہار حال کی جرأت نہیں۔ تم سے کچھ بات چیت ہوئی تھی۔ خوجی نے ہنستے ہوئے جواب دیا قبلہ بے وقوفوں بے وقوفوں کی دو ن ہے۔ ادھر اینجانب اُدھر یہ ہماری اکلی اچھی جوڑ چھکی۔

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

وہاں سے آ کے مجھے علیحدہ بلوایا اور کہا غضب ہو گیا سنتے ہی ہوش ففرو۔ کہو تو کیا ہوا خدانخواستہ کیا بجلی گری کیا آفت آئی۔ کیا ستم بپا ہوا کچھ کہو گے بھی فرمایا حسن آرا بیگم نے پیغام بھیجا ہے کہ اگر مس میڈا کے ساتھ شادی نہ ہوگی تو لوگ مجھے بُرا بھلا کہیں گے۔ آزاد پہلے اس بات کی کوشش کریں کہ مس میڈا اپنے ارادے سے باز نہ آئیں۔ اور یہ امر محال ہے لہذا بڑی دقت واقع ہو گئی۔ مگر بھائی صاحب آپ چاہیں مانیں چاہے نہ مانیں اس میں ذرا شک نہ سمجھے گا کہ یہ سب کارستانی اسی جوان خوبرو کی ہے جو کٹار لے کر آیا تھا۔ اور وہ وہاں از بس دخیل ہے اگر مجھے مہلت دیجئے تو میں جا کے پہلے اس کا فیصلہ کر دوں مگر بڑی خرابی یہ ہے کہ آپ تو مجھے فرولی خرید نے ہی نہیں دیتے۔ آپ ایک کام کیجیے کہ پہلے اپنی تشفی کر لیجئے کہ وہ جوان خوبرو وہاں آتا ہے یا نہیں اگر آتا ہو تو بس سمجھ جائیے کہ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ ورنہ اور ندبیریں اور نز کیبیں ہیں بھائی جان عشق بد بلا ہے بس اتنا یاد رکھیے کہ عشق کا آغاز جیسا سخت ہوتا ہے ویسا ہی انجام بھی سخت ہے مگر ہاں فرق کیا ہے کہ انجام میں مزیداریاں ہیں۔ آغوش گرم بستر نرم۔

آزاد کی سمجھ میں نہ آیا کہ صرف اتنی سی بات کے لیے یہ پیر مرد اس قدر مغموم و ملول کیوں ہوتا قریب جا کر کہا کیوں صاحب خیر باشد۔ آپ اس وقت افسردہ خاطر کیوں ہیں پیر مرد نے استادہ ہو کر کہا۔ مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے مگر تخلیے میں یہ مقام ایسی نازک تقریر اور اہم اُمور کی بحث کا نہیں ہے۔ آزاد ایک خالی کمرے میں پیر مرد کو لے گئے۔ اور خوجی کو بلوایا تین کرسیاں بچھیں تینوں آدمی بیٹھے آزاد نے کہا پہلے تو یہ فرمائیے کہ حسن آرا بیگم کا مزاج کیسا ہے صحت مقدم ہے۔ پیر مرد نے جواب دیا کہ فضل الٰہی سے بہت اچھی خوش و خرم ہیں۔ اور جب سے آپ کے آنے کی خبر سنی تب سے ان کی خوشی اور مزاج کے حال کا کیا کہنا اس سے مطمئن رہیئے۔ اس کے بعد آزاد نے دریافت کیا کہ آپ ان کی جانب سے کوئی پیغام لے کر آئے ہیں انھوں نے کہا جی ہاں۔ انھوں نے آپ کے پاس مجھے بھیجا ہے۔ ان کو جس طرح خیال تھا کہ اگر آزاد کے ساتھ نکاح ہو تو یہ طعنہ نہ دے سکے

کہ آزاد ایک گمنام آدمی پر ایسے معزز دودمان کی صاحبزادی ریجھی اسی طرح اب ان کو یہ بھی خیال ہے کہ جو احسان مس میڈا نے کیا ہے اس کا ان کو پورا پورا انعام ملے۔ اور چونکہ مس صاحب آپ سے یہی اقرار کر کے آئی ہیں کہ حسن آرا سے نکاح کے بعد پھر ان کے ساتھ بھی شادی ہوگی۔ لہذا ان کو اس سے محروم رکھنا احسان فراموشی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں تو دل و جان سے آزاد پر عاشق ہوں جس دوشیزہ یوسف لقا نے آزاد کے ساتھ اس قدر سلوک کیا کہ قید سے رہائی دلائی عہدۂ فوجی کے لیے سفارش کی پاشا کا خطاب اور لفٹنٹی کا عہدۂ جزیلہ دلوایا زر خطیر سے معین ہوئی اس کے بعد بنوں بنوں اور جنگلوں جنگلوں اور لق و دق میدانوں اور رزمگاہوں اور ولایت غیر میں وفور عشق سے گئی کہ اور جس نے آزاد کی جانی دشمن کلیر ساسی سنگدل کو ایسا موم بنا دیا کہ اس نے ان کی جان بچانے میں اس قدر مدد دی اس کو آتش غم میں جلانا بالکل احسان فراموشی اور ناحق کوشی ہے۔ میں تو اس قدر مس میڈا کی شکر گذار ہوں کہ بدن کا رونگٹا رونگٹا ان کو دعا دیتا ہے۔ اگر میرے سبب سے وہ اب انکار کرتی ہیں تو جائز نہ رکھوں گی کہ وہ اس قدر جبر اپنے اوپر سہیں کون نہیں جانتا ہے کہ سوتیا ڈاہ بری ہوتی ہے مگر یہاں تو بات ہی اور معاملہ ہی اور ہے میں تو خوشی سے اجازت دیتی ہوں کہ ضرور شادی ہو ہم دونوں بہنوں کی طرح رہیں گی۔

پیر مرد نے اس خوبی و خوش اسلوبی سے اور صفائی کے ساتھ گفتگو کی کہ آزاد عرصے تک دم بخود سوچا کیے اتنے میں خواجہ صاحب نے بھی زبان کھولی اور وہ بے تکی بانگ لگائی کہ آزاد اور پیر مرد دونوں ہنس دیئے۔

خوجی:۔ بابا ے من بدیعا۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔

پیر مرد:۔ کیا مُرلیا باجے گی۔ بھئی خواجہ بدیع صاحب۔

خوجی:۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی وہی بات۔

آزاد:۔ تمہارا سر۔ پاگل۔ خبط الحواس۔ چپ رہو۔

خوجی:۔ ہماری بلا کو کیا غرض پڑی ہے۔ بھگتو گے تم کہ ہم ہم نے اپنا حق ادا کر دیا۔ بس چھٹی ہوئی مانو تو فہو المراد نہ مانو تو تم کو اختیار ہے ہم تو بار شاطر ہیں بار خاطر نہیں۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

پیر مرد:۔ ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ خواجہ صاحب کا منشا کیا ہے۔

خوجی:۔ (بگڑ کر) تمہیں ایسوں نے ہمارے حضور کا مزاج بگاڑ دیا۔ ٹھگوں کی بڑھیوں سے کچھ کم تھوڑا ہی ہو۔ اور آزاد دیکھ لینا کہ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔ ہند و فقیروں کا بہت ساتھ رہا ہے ہم کو۔ بلہاری

اس گرو کے جو اسی دنیا میں اس کے درشن دکھادے۔ سوچ بچار کے جاگت رہیو۔ اک دن رب کو منہ دکھانا۔

پیر مرد:۔ معقول آپ صوفی بن گئے۔ سبحان اللہ۔

آزاد:۔ اچھا میں اس کا جواب غور کر کے دوں گا۔

پیر مرد:۔ بہت خوب آپ اچھی طرح غور کر لیں۔

خوجی:۔ بھائی صاحب بندہ رخصت ہوتا ہے۔ ورنہ آپ اس اہم بات کا نوٹ کیجیے بھئی تمہاری عقل کو یہاں ہندوستان میں آن کے کیا ہوگیا ہے یار۔ ہائے افسوس وائے افسوس سچ ہے انسان کی عقل آب و ہوا پر منحصر ہے۔ مگر واہ رے میں اور واہ ری میری عقل۔ ساون ہری نہ بھادوں سوکھی۔ جس ملک میں گیا دھتا نہ لگا۔ سمندر اور خشکی دونوں سے عقل کو ضرر نہ پہونچا۔ عقل اس کے معنی ہیں اور عاقل اُسے کہتے ہیں۔

آزاد:۔ آپ کی عقل آپ ہی کو مبارک رہے پاگل۔

پیر مرد:۔ آخر ان کی رائے سے مجھے بھی تو اطلاع ہو۔

آزاد:۔ اجی مجنوں لبے مروک کہتا ہے۔ اُسی جوان خوبرو نے سکھا پڑھا کے بھیجا ہوگا۔ اس خبط کو دیکھیے۔

پیر مرد:۔ لاحول ولاقوۃ۔ اے توبہ۔ استغفر اللہ۔ ہونہہ

خوجی:۔ (چڑھا) لاحول ولاقوۃ۔ ایں توباتھ! ایں توباتھ۔ توباتھ۔ استغفر۔ لاحول۔ لاحول۔

آزاد:۔ ایں۔ کیا دماغ پر گرمی چڑھ گئی۔ خبط ہے۔

پیر مرد:۔ وہ تو آپ کے بنانے کے لیے دل لگی تھی۔ بس۔

خوجی:۔ بجا۔ اس بات کا یا تو ان کو یقین آئے گا یا ہندوستان کے بھولے بھالے پونڑوں کے رئیسوں کو دل لگی لائے دیاں سے۔

پیر مرد:۔ خیر صاحب آپ خاموش رہیں ہم سمجھ لیں گے۔

خوجی:۔ اجی تم سمجھ کیا لوگے تم تو اِن کو پٹاؤ گے۔

یہ کہہ کر خواجہ صاحب یہاں سے جھلا کر باہر چلے گئے۔ اور وہاں ایک درخت سایہ دار کے نیچے دری بچھا کر گھانس پر بیٹھے اور یوں لکھنا شروع کیا۔

حضرت شاخ خمق آزاد دمق (برائے وزن نثر) سلامت خوجی بدیعا مازول (معزول) نوشتہ بودہ می آید (ماشاء اللہ) موج موجب موجل بود اے مودہ ودفق وفاق مالیل آنکہ اگرچہ ورق تضا و فدورے ما درغلانیدن دماغ بورطہ ودیعت وارد اما گذشتہ آمدہ بودندے کہ جوان سیم تن نازک ادا نازک اندام قامت وقد بسیار بلند وارد برائی گھوریدن حسن آرائے عالم آراگفتہ است وبندہ بدیعا دیدہ بودے آید

الغرض غل غلالت وغلام غصبہ غشادہ غرامت غالیچۂ عقل ترا از سرتا پائے واز پاے تا جاے برداشتہ اگر چشم (وا) کُنْ بدیدہ شوی فہمیدہ بودہ ای کہ کی نخارپی تحریزی کردہ شد او ہست (یعنی یہ سب کانٹے اسی کے بوئے ہوئے ہیں) ایں پیر مردم ددو عروق عریان عریض غرغرا عزازیل غرب غزازیل غزل غسس عسکرت والافات الٰہی آف تابی خجالت (جہالت) تابندہ باد۔

من درویش راکش بغمزہ
کرم کردی اے زندہ باشی

حسرۂ خاک پائے مہات مہمان حبیب میادین۔
خواجہ بدیع الزماں شعر گوئے رنگین۔
لفافے پر خواجہ صاحب نے یہ عبارت درج کی۔
حق تالےٰ (تعالیٰ) کردہ بود ست باشد کہ لیفاے یارا (لفافہ ہذا)، درحوطیل دھوٹل برسد۔ برسد از نجا دردست پاک نام وران نامین (نامی)، آزاد پاشاے بابائے من بدیع برسد واز آں جا بازا لیفافہ بخیریت برسد۔ ؎

جہاں جاتے ہوئے پیک صبا کے ہوش اُڑتے ہیں
لفافہ لے چلا ہے حوصلہ دیکھو کبوتر کا

بخیریت تمام من بدیعا گل کاری کردہ بودہ است۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم زآنکہ من بندۂ گنہگارم
شنیدم کہ درروز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشا کریم

عفی اللہ عنہ

بوقت نیک برسد یارب

خط دنیا سے نرالا تو لفافہ سازی خدائی میں انوکھا برسد ہزار مقام پر اور آخر میں عفی اللہ عنہ کس قدر موزوں ہے ماشاء اللہ۔ اور پھر برسد یارب۔ لفافہ کیا خواجہ صاحب اپنے نزدیک گویا کتاب لکھنے بیٹھے تھے۔ ع ہر کہ خواند دعا طمع دارم بھی موجود اور اشعار بھی جا بجا اور لیفافائے بازا نے لفافے کے جوبن کو اور بھی پھڑکا دیا۔ واہ خواجہ صاحب یہ لفافہ لکھ کر خواجہ صاحب نے خط بند کیا اور اس پر جلی قلم سے لکھا چوہتر للمع۔ بدیگراں۔ آنکہ لیفافائے بازا تراشند بود ۴ ۷۔ یعنی جو شخص یہ لفافہ کھولے اس پر ۴ ۷ تراشیدن کے معنی ان کے آمدنامے میں کھولنے کے ہیں۔ ہوٹل کے خانساماں کو دیا اور کہا دری آزاد پاشا کو جاکے دیدہ

ہوٹل والے توان کو مسخرہ بتاتے ہی تھے خانساماں نے کہا خواجہ صاحب آج تو بہت کچھ لکھ ڈالا اس میں کیا لکھا ہے۔

خوجی :۔ بولو نہ ۔ میاں ۔ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔

خانساماں :۔ ہاں راستے میں بھی یہی کہا تھا آپ نے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔

خوجی :۔ بس اس کے معنی یہی ہیں کہ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔

خانساماں :۔ واللہ ہم نہیں سمجھتے۔ کیا آپ پر کچھ آنچ آنے والی ہے۔

خوجی :۔ (اکڑ کر) اے لاحول ہم لوگ کہیں دبنے والے ہیں بھلا۔

حسرتا کیوں کر لکھوں اس غم کا حال　　　کی فلک نے مفت بیٹھے بیٹھے چال
اس کو کس نے ایسا سکھلایا غضب　　　راستہ کس نے یہ بتلایا غضب

ہم کسی زمانے میں ہزاروں آدمیوں میں بنتے پھاند پڑتے تھے۔ اور زندہ بچ کے نکل آتے تھے۔ اب بوڑھے ہوئے مگر سپہ گری کا وہی شباب ہے وہی آب وتاب وہی لطف وکیفیت لاکھ بوڑھے ہوں تو کیا۔

خانساماں :۔ حضور نوابی میں کہاں تھے۔ کسی پلٹن میں۔

خوجی :۔ جی ہاں دگلے والی پلٹن میں کمیدان بہادر تھا۔

خانساماں :۔ اور آزاد پاشا تو کہتے ہیں کہ انڈے بیچا کرتے تھے۔ اور آپ کی اکثر ہجو کیا کرتے تھے ہم نے بلکہ کہا بھی کہ صورت سے تو رسالدار معلوم ہوتے ہیں مگر وہ سنتے کس کی ہیں۔

خوجی :۔ بس واللہ ان میں یہی عیب ہے۔ کیا کہتے تھے۔؟

خانساماں :۔ ان سے نہ کہہ دیجیے گا ناحق خفا ہو جائیں گے۔

خوجی :۔ اجی ان کو تو میں نے ایسا ایسا چھپایا ہے کہ یاد ہی بو کرتے ہوں گے انھوں نے تو (آہستہ سے) میری دوبال میں پرورش پائی ہے جی۔

اتنے میں ایک فقیر ہوٹل میں آیا۔ خواجہ صاحب کو درویشوں کا بڑا عقیدہ تھا اٹھ کر آداب عرض کیا دری پر بیٹھ گئے درویش نے ان کو معتقد دیکھ کر بننا شروع کیا۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

اے شدہ غافل زجہاں ہوش کن　　　بادہ ایں حرف زمن نوش کن
شعبدہ بازاں قضا و قدر　　　تا شدہ از کتم عدم جلوہ گر
آبِ وفا کے بہم آمیختند　　　ہیں کہ چہ نقش عجب انگیختند
یہ کہ چو عنقا زجہاں گوشۂ　　　گیری وگیری زوفا توشۂ
نیست جہاں زانعیرے ازوفا　　　اہل جہاں را اثرے ازوفا

باہمہ کس زو دغا باختہ است   باختہ است ہرکہ بہ او ساختہ است

الحذر از بازے ایں حقہ باز

مہرۂ خود کردہ ازیں حقہ باز

خواجہ صاحب نے ترٔسے ایک اٹھنی نذر کی۔ درویش نے پیٹھ ٹھونکی اور بچہ خوش رہ آباد کہہ کر لے لی اور قلم دوات کاغذ منگوا کر ایک پرچے پر یہ شعر لکھا۔ ؎

چار بودم سہ شدم اکنوں دوم

از دوئی چوں کم شدم یکتا شدم

خوجی کو یہ کاغذ دے کر کہا اس کا مطلب سمجھ اور اس پر غور کر خواجہ صاحب کورے بھلا اس کا مطلب کیا سمجھیں۔ جب یہ عاجز آ گئے تو درویش نے کہا۔ چار بودم یعنی نیست ن ی س ت چار حرف ہیں سہ شدم یعنی ہست ہ س ت اکنوں دوم یعنی من۔ م ن دو حرف از دوئی چوں کم شدم یکتا شدم۔ یعنی وحدانیت میں مل گئے یہ اہل تصوف کا قول ہے۔

خوجی:۔ قربان ایسے فقیر کامل کے۔ ارے یار ہمارے پاس تو اب کچھ نہیں ہے۔ خانساماں جی تم ہوٹل سے کچھ کھانا لاؤ۔

خانساماں:۔ واہ جس میں ہم پر جوتے ہی پڑنے لگیں۔

درویش:۔ فقیر کی مذمت نہ کر بچہ۔ فقیر کا گھر بڑا۔

خانساماں:۔ شاہ جی یہاں صاحب لوگ ٹکے ہیں ذرا غل مچاؤ گے تو وہ بخوبی مرمت کر دیں گے یہاں سے راہ لیجیے۔

خوجی:۔ بڑے بدتمیز ہو جی۔ فقیروں سے یہ گفتگو۔

درویش:۔ لے بابا جاتے ہیں کیوں خفا ہوتا ہے بچہ۔ خواجہ صاحب بھی فقیر کے ساتھ ساتھ چلے اور بازار میں آن کر ایک لالہ سے کہا میاں لالہ جی دو پیسے لو اور ایک خط لکھ دو۔ عبارت ہم بتاتے جاتے ہیں۔

محمد آزاد پاشا صاحب دام ظلہٗ۔

چار بودم سہ شدم اکنوں دوم

از دوئی چوں کم شدم یکتا شدم

اس کے معنی حل کیجیے تو جانیں آپ بڑے قابل ہیں۔ اور واضح ہو کہ اگر اس کا حال لکھ کر الٹی بازار کے

برگد کے درخت کے پاس پھینک دیجیے گا تو ہم پا جائیں گے۔

راقمہ بڑی بیگم عرف کریم النسا

یہ خط لکھوا کر ہوٹل کا پتہ لفافہ پر لکھوایا اور ڈاک خانے میں خط ڈال دیا۔ کہ آزاد ہم کو ضرور خط دکھائیں گے ہم فوراً اس کا حال بتا دیں گے۔ خواجہ صاحب اور پیر مرد اور آزاد کو تو یہاں چھوڑا اب حسن آرا بیگم پری خانے کا حال سنیے۔ میم صاحب نے جوان سے آن کے کہا کہ مس میڈا نے شادی سے قطعی انکار کیا تو ان کے دل میں طرح طرح کے خیال آئے۔ اخباروں میں یہ پڑھ چکی تھیں کہ یورپ کی اکثر دوشیزگان جادو جمال نے ہمارے حسد اور رشک رقابت سے ایسے ایسے کام کیے ہیں جن کے سننے اور پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے۔ ان کو خوف تھا کہ مبادا مس میڈا خود کشی کرے یہ رنج نہ سہ سکے کہ ولایت غیر اور ملک دور دراز سے شادی کا اقرار کر کے آزاد لائے اور یہاں اس بے اعتنائی سے پیش آئے۔ علاوہ بریں چونکہ اس ماہ طلعت نے آزاد کا ساتھ دیا تھا اور بڑی بڑی تختیوں سے بچایا تھا۔ اور ہر مقام پر ان کے کام آئی تھی اسی سبب سے حسن آرا مس میڈا کو ویسا ہی چاہتی تھیں جیسا اپنی بہنوں کو عزیز رکھتی تھیں۔ رات کو جب پلنگ پر استراحت کی تو انہیں خیالات میں غلطاں پیچاں رہیں۔ پہلے سوچیں کہ کسی ترکیب سے مس میڈا سے ملوں بھیس بدل کے جاؤں آزاد کو ذرا بھی نہ معلوم ہونے پائے اور میں باتوں باتوں میں سمجھاؤں کہ بہن اس میں تمہاری بڑی بدنامی ہوگی کوئی کہے گا آزاد نے بے نکاح کے گھر ڈال لی ہے کوئی کہے گا آرٹسی ہے تم بھی ملعون ہوئیں اور آزاد کو بھی بدنام کرو گی۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ ادھر حسن آرا سے نکاح ہو ادھر تمہارے ساتھ شادی ہو جائے اگر وہ عذر پیش کریں کہ حسن آرا ہم سے لڑیں گی روز جھگڑا ہوا کرے گا۔ تو میں کہوں گی ہرگز نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں خود حسن آرا سے اس بارے میں گفتگو کر چکی ہوں۔ وہ کہتی ہیں کہ میڈا نے ہمارے اوپر بڑا احسان کیا ہے تادم مرگ اس احسان سے سبکدوش نہ ہو سکوں گی۔ پھر سوچا کہ بھیس بدل کر جانا اچھی بات نہیں ہے۔ شاید افشائے راز ہو جائے تو مفت میں جگت ہنسائی ہو۔ کہ اس چھوکری کی ڈھٹائی تو دیکھو ہوٹل سے مقام میں گئی۔ جب ابھی سے یہ حال ہے تو بڑھ کے خدا جانے کیا کرے گی۔ اس سے پناہ میں رکھے اللہ۔ دوسری تدبیر یہ سوجھی کہ کسی طرح سے اِن کو خود بُلائیں اور یہاں تواضع تکریم سے دعوت کریں تاکہ اس کے دل میں یقین ہو کہ حسن آرا مجھے اپنی بہن کی طرح عزیز سمجھتی ہے۔ ایک دفعہ مجھ سے ملا چاہیں پھر ممکن کیا کہ ان کے دل میں کوئی شک بھی رہ جائے۔ میں تو ہاتھ جوڑوں پاؤں پڑوں کہ بہن از برائے خدا ہمارا خیال نہ کرنا۔ ہم تم بہنوں کی طرح رہیں گے۔ جب میں اس طرح کہوں گی کہ ممکن نہیں کہ اس کا دل نہ پسیجے اس خیال کے بعد ان کو وہ کارروائیاں یاد آئیں جن کے ذریعہ سے مس میڈا نے آزاد کی

جان بچائی تھی اور جن کے سبب سے انہوں نے اس قدر شہرت پائی تھی۔ اللہ اللہ جنگلوں اور خارستان میں جانا اور آزاد کو صدہا مسافر سے محفوظ رکھ اور اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالنا یہ ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ یہ میڈا ہی کا کام تھا پھر جس میڈا نے آزاد سے عزیز کو مصیبت کے وقت اپنی جان پر کھیل کے مدد دی اس کو ہم عزیز کیوں نہ رکھیں پتلیوں کا تارا بناؤں۔ آنکھوں میں جگہ دوں اگر میڈا وہاں نہ ہوتیں تو عہدۂ فوجی ان کو کاہے کو ملتا اور ملتا بھی تو جامہ ندارم دامن از کجا آرم روپیہ تو پاس تھا ہی نہیں تیاری کیوں کر کرتے اس کو بھی جانے دو اگر مس میڈا مدد نہ دیتی تو روس سے چھٹکارہ کیونکر ہوتا پولینڈ کی شہزادی کے ہاں بھیس بدل کر جانا اور مردانے کپڑے پہن کر ان کو چکما دینا بڑی جرأت کا کام تھا ورنہ آزاد خدا جانے نصیب اعدا کس میدان برفستان میں پڑے ہوتے۔ ایسی میڈا کے ساتھ اگر مجھے ہمدردی نہ ہو تو آدمی نہیں۔

جب بڑی دیر تک نیند نہ آئی تو مغلانی نے کہا۔ ای یہ آج کیا سبب ہے کہ اتنی رات بھیگی اور آپ کی پلک نہیں جھپکتی تو اچھا ہے خدانخواستہ نصیب بدعیاں طبیعت تو بے چین نہیں ہے حسن آرا نے کہا۔ نہیں بی مغلانی آج دن کو ذری آنکھ جھپک گئی تھی اس سے ابھی تک نیند نہیں آئی یہ فقرہ حسن آرا کہہ چکی تھیں کہ یہ آواز آئی (واہ سب جھوٹی باتیں ہیں نیند اس سبب سے نہیں آتی، ہم سے پوچھو ہم سے۔ سنو۔ نیند کیا آئے۔ وہ تو چاہتی ہیں کہ آزاد بغل میں ہوں۔

حسن آرا:۔ یہ کون بولیں یہ کس کی آواز تھی مغلانی۔

مغلانی:۔ (ہنس کر) حضور میں بھی نہیں کچھ۔

حسن آرا:۔ بس یا جانی بیگم یا نازک بیگم دو میں سے ایک ہے۔

مغلانی:۔ مجھے تو سرکار نازک ادا بیگم صاحب معلوم ہوتی ہیں۔

حسن:۔ ان کے سوا اور اس قدر بے تکلف کون ہے یہاں۔

آواز:۔ کیا کچھ جھوٹ بھی ہے۔ آخر پھر نیند کیوں کھوئی۔

حسن:۔ کسی کا اجارہ ہے اچھا یوں ہی سہی بس۔

آواز:۔ اب نیند کہاں اب تو اس کروٹ سے اُس کروٹ اور اُس کروٹ سے اس کروٹ رات کاٹے نہ کٹے گی۔

حسن:۔ خیر آپ کی بلا سے۔ دیکھو پھر وہی چھیڑ خانی۔

نازک ادا:۔ آخر بہن یہ تو کوئی بگڑنے یا بُرا ماننے کی بات نہیں ہے۔ اگر یہ خیال نہیں یہ پھر کاہے سے نیند نہیں آتی۔ کوئی وجہ بھی تو بیان کرو۔

حسن:۔ یا تو تکلیف کر کے یہاں تک خود آئیے۔

نازک :۔ اچھا آتی ہوں (بستر سے اٹھ کر) سنو تو کیا بات ہے۔ دیکھ لینا وہی جھگڑا بیان کروگی۔ میں تو یہ پاپڑ بیل چکی ہوں نہ (حسن آرا کے پلنگ پر بیٹھ کر) ہاں بہن نیند نہ آنے کا کیا سبب ہے۔

حسن آرا :۔ میں یہ سوچتی ہوں کہ مس میڈا جو اس قدر حوصلے سے ان کے ساتھ آئی ہے اور اب یہاں آئی شادی سے انکار کرتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔

نازک :۔ اے لے۔ اب بہن جب تک مس میڈا سے نہ ملیں۔ بات چیت نہ ہو تب تک کیوں کر بھلا کوئی رائے قائم ہو سکتی ہے۔ تم کو اس کی کیا فکر ہے۔

حسن :۔ میں تو کل سے اسی خیال میں غلطاں پیچاں ہوں۔

نازک :۔ تم کو اس جھگڑے سے کیا سروکار ہے نہیں۔

حسن :۔ کل میں نے پیر مرد کو بھی بھیجا تھا۔ مگر وہ وہاں سے دیر کر کے آئے ابھی کچھ حال نہیں معلوم ہوا تڑکے ہی بلوا کے پوچھوں گی۔

نازک :۔ تمہارا منشا کیا ہے۔ دیکھو حسن آرا آزاد پر میڈا کا بڑا احسان ہے اس میں ذری شک نہیں۔ جو برابر فرق نہیں اور اب تمہاری یہ فکر کہ میڈا محروم رہے انصاف کے خلاف ہے۔ دیکھو بہن جو بات ہمارے ذہن میں آئی۔ ہم نے صاف صاف بتادی اب تم کو اختیار ہے نشیب و فراز مجھلو میڈا نے آزاد ہی سے سلوک نہیں کیا تم سے بھی۔

حسن آرا چپ چاپ سنتی گئی اور اپنے دل میں بہت ہی خوش ہوئی کہ نازک ادا بیگم کی بھی یہی رائے ہے۔ اگر بہنوں یا ہجولیوں میں سے کسی نے اختلاف بھی کیا تو ایک ہماری طرف سے بھی بولنے والی ہے۔ جو ہمارا جنبہ کرے گی۔

نازک :۔ تم تو اس وقت غوطے میں ہو جیسے۔

حسن :۔ نہیں۔ میں آپ کی باتیں سُن رہی تھیں۔

نازک :۔ میں تو اس وقت باتیں نہیں کر رہی تھی۔

حسن :۔ آپ نے جو فرمایا اس پر میں غور کر رہی ہوں۔

نازک :۔ اچھا اب اپنی رائے سے بھی اطلاع دو بہن۔

حسن :۔ ہماری وہی ہے جو آپ کی سب کی رائے ہو۔

نازک :۔ اگر تمہاری طرف سے اس بات کا اصرار ہو گا کہ آزاد اُس مس کے ساتھ شادی نہ کریں تو ہمیں سخت رنج ہوگا۔

حسن :- اچھا بہن ایک کام کرو۔ بہارالنسا بہن سے باتوں باتوں میں پوچھو۔ دیکھو وہ کیا کہتی ہیں اور اماں جان کی کیا رائے ہے۔

نازک :- کیسی بچوں کی سی باتیں کرتی ہو واہ واہ۔

حسن :- وہ کیوں؟ یہ کیوں کیا اُن سے نہ پوچھوں۔

نازک :- تم آزاد کے ساتھ شادی کرتی ہو تو ان کو مول لے لیتی ہو۔ کسی نے بھی آج تک یہ قول و قرار کیا ہے کہ ضرور دوسرا نکاح نہ ہونے پائے۔ غلام بن کے میاں رہے اور اماں جان اس میں کیا کریں گی بھلا۔

حسن :- اچھا پھر جو آپ کی صلاح ہے وہ کروں بس۔

نازک :- صلاح کی اس میں کیا ضرورت ہے تم خبر ہی نہ ہو۔

حسن :- صاف صاف یوں ہے بہن ہم نے سُنا ہے کہ ہمارے سبب سے مئیڈا اب شادی سے انکار کرتی ہیں اور ہم کو یہ پسند نہیں سچ تو یہ ہے۔

نازک :- ہاں! انکار کرتی ہے۔ یہ نئی بات ہے۔

حسن :- میم صاحب نے پرسوں کیا نہیں تھا یہاں آن کے۔

نازک :- ہم نے نہیں سُنا۔ اب یہ دریافت کرنا چاہیے کہ وہاں سے یہاں تک آن کر اب انکار کرنا کیا معنی اس میں کچھ نی ضرور ہے۔

حسن :- پھر کیوں کر دریافت ہو۔ مشکل تو یہ ہے۔

نازک :- ہم بتائیں۔ اسی موئے بونے خوجی کو بلاؤ۔ اس کو افیم پلا کے ایسا اندھا کر دو کہ سب باتیں بک چلے پہلے کل صبح کو ان سے پوچھ لو کہ تم نے وہاں جا کے کیا سُنا کیا دیکھا۔ بھالا۔ مئیڈا کا رویہ کیسا ہے آزاد کے ساتھ نکاح پر راضی ہے یا نہیں۔ یہ سب باتیں معلوم ہو جاتیں تو پھر اس میں ہاتھ ڈالا جائے۔ ویسی ہی تدبیر کرنی چاہیئے۔ مئیڈا کو تو پیار کرنے کو بھی جی چاہتا ہے۔

اتنے میں بہارالنسا کی آنکھ بھی کھل گئی کہ یہ کیا بک بک لگائی ہے اتنی رات آئی ان کو نیند ہی نہیں آتی یہ کہوں کون ہے۔ نازک ادا نے کہا۔ اگر ایسی ہی بُری مزاج ہو تو الگ جا کے سو رہو نہ تم کو تو سوائے سونے اور کھانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ چھ بجے سے سوؤ اور چھ بجے سے اٹھو۔ چراغ میں بتی پڑی اور انھوں نے بھی تانی۔

بہارالنسا :- توبہ اتنا کہنا اور بھی ہمارے حق میں بُرا ہوا۔

نازک :- جو کہے گا وہ سنے گا بھی۔ کہو کیوں کسی کو لے اب ذری ادھر آن کے ایک جھگڑا نوٹے کر دو۔

بہار:۔ ہم کو تو نیند آتی ہے بہن۔ سونے دو۔
نازک:۔ میں غل مچاؤں گی۔ (سرہانے بیٹھ کر) ؎

لگا کر دل بت نا آشنا سے | عبث ہم پھر گئے اپنے خدا سے
سوال بوسۂ لب سے رُکے تم | لگے چڑھنے فقیروں کی دعا سے
ملایا مہر و مہ نے بارہا منہ | نہیں نسبت تمہارے نقش و پا سے
ذرا دیکھو تو اللہ ری نزاکت | قدم اُٹھتا نہیں بار حیا سے
ہزاروں ہو گئے ٹکڑے گریباں | چلے دامن اٹھا کر اس ادا سے

مسلماں بھی کرے سجدے بتوں کو
دعا مانگی تو یہ مانگی خدا سے

بہار:۔ ہاں بہن۔ از برائے خدا یوں ہی گاتی جاؤ۔
نازک:۔ اٹھو بیٹھو ذری یہ کیا نحوست کی نشانی ہے۔
بہار:۔ (اٹھ کر) اچھا اب نہ سوئیں گے۔
نازک:۔ سُنو یہ غزل سُنو۔

عطر مٹی کا لگانا چاہیے پوشاک میں | خاک سے رغبت رہے ملنا ہے ایک دن خاک میں
سارا عالم ہے تری دام محبت کا اسیر | صید کیا صیاد بندھتے ہیں تری فتراک میں
کام کیا مجھ مست کو تیرے گل و گلزار سے | باغباں بیٹھا ہوں میں بنت العنب کی تاک میں
میں وہ ہوں صید ستم دیدہ کہ مجھ کو دیکھ کر | اشک بھر آتے ہیں چشم حلقۂ فتراک میں

ضبط اسے کہتے ہیں قطرہ اشک کا گرتا نہیں
ورنہ یاں دریا بھرا ہے دیدۂ نمناک میں

حسن:۔ جب ہی تو باجی اٹھ بیٹھیں ورنہ یہ سویرے کے بغیر نہ اٹھتیں۔ نیند کے ہاتھ بک گئی ہیں بالکل۔

اس کے بعد نازک ادا نے وہ ذکر چھیڑا۔ کہا بہن ہم نے سُنا ہے کہ مس میڈا جو آزاد کے ساتھ آئی ہیں وہ اب شادی سے انکار کرتی ہیں شاید ان کے دل میں اب یہ خیال ہوگا کہ مبادا حسن آرا سے نہ بنے وہ بھی تو رئیس زادی بڑے امیر کی لڑکی ہے اس کا باپ بڑا صاحب ثروت ہے۔ اسی نے تو آزاد کو روپیہ سے مدد دی تھی جب وہ جنگی عہدے کی تیاری کر سکے ورنہ بغیر روپیہ کے کیا ہو سکتا۔ لیکن میں اتنا جانتی ہوں بہن کہ تمہاری سب کی بڑی بدنامی ہوگی اگر ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ حسن آرا کے سبب سے

شادی میں کھنڈت ہوئی ہے اتنا سوچ لو بس۔ اور یوں اختیار ہے۔ بات یہ ہے کہ آزاد کی نیکنامی سب مس میڈا کے دم سے ہوئی اگر میڈا مدد نہ دیتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ شہزادی کے ہاں سے ان کو کون لاتا۔ اور کلیسا بھلا اپنے معشوق کے قاتل کا ساتھ دیتی۔ اے توبہ مگر میڈا کا ہونا اکسیر ہوگیا۔ اب تو حسن آرا کو چاہیئے کہ اس میڈا کی قدر کریں کہ اس کو اپنی بہن سمجھیں۔ آئندہ جو سب کی رائے ہو۔ بہار النسا یہ تقریر سن کر بولی۔ پھر اس بحث کا یہ کون وقت ہے۔ خواہ مخواہ بے وقت کی شہنائی بجتی ہے یہاں مارے نیند کے طبیعت بے چین ہو۔ ان کو مس میڈا کی پڑی ہے۔ ہم کو مس میڈا سے کیا مطلب۔ آزاد چاہیں ایک چھوڑیں نکاح کریں۔ ہم کوئی مزاحم ہیں۔ یہ حسن آرا کی لیاقت ہے۔ کہ آزاد کو اپنا عاشق کر لیں کہ ان کے سوا اور کسی پر ان کا دل ہی نہ آئے اور خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا۔ باقی رہا میڈا کا جھگڑا آزاد جانیں۔ اور میڈا جانیں۔ وہ دونوں باہم سمجھ لیں ہم بیچ میں بولنے والے کون۔ اور اس سے تو کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا۔ کہ آزاد پر میڈا کا بڑا احسان ہے۔ اس نے کئی مقام پر سلوک کیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ جان بچائی اور روپے سے ذرا دریغ نہ کیا۔ آزاد اگر اس کے ساتھ عمدًا اور قصدًا نکاح کریں تو بڑے احسان فراموش ہیں لوگ حرف رکھیں گے کہ جس نے تم کو پاشا اور افسر بنایا جس نے مصیبت سے بچایا جو گاڑھے وقت آڑے آئی اس کے ساتھ جب تم نے اس درجہ بدسلوکی کی تو اوروں کے ساتھ بھلا کیا سلوک کرو گے۔ آزاد اس کا کیا جواب دیں گے بھلا کچھ بھی نہیں۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مس میڈا نے از خود انکار کیا یا تو اس درجہ عشق تھا کہ جھلا کے جیل خانے بھجوا دیا اور فرط ترحم سے وہاں جا کے قول لیا اور عہد کیا اور زر کثیر سے مدد دی اور پھر دور دراز کا راستہ طے کیا۔ اور روس کے ملک میں جان پر کھیل گئی۔ اور آزاد کو نلوہ نکال لائی۔ ایسی عورت کو جو دل و جان سے عاشق ہو اور جس نے اس قدر سلوک کیے ہوں آنکھوں میں بلکہ دل میں رکھنا چاہیے۔ مگر ہم تم کو اس سے کیا بحث ہے ہم سے واسطہ کیا۔ ہماری طرف سے کوئی پیغام اس مضمون کا نہیں گیا کہ اگر آزاد مس میڈا کے ساتھ شادی کریں گے تو حسن آرا سے نکاح نہ ہوگا ہم نے تو کبھی اس امر کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اس میں کوئی سبب خاص ضرور ہے نازک ادا بولی۔ بس یہی ہم بھی چاہتے تھے کہ میڈا سے یہاں گھر بھر میں کسی کو ذرا رنجش نہ ہو۔ بلکہ ہم سب کو اس کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے کام آئے باقی رہا یہ امر کہ سوتیا ڈاہ اور دو بی بیوں میں نہیں بنتی۔ یہ شرفا کے ہاں کی باتیں نہیں ہیں۔ آزاد کیا ایسے نادان ہیں۔ یا مس میڈا جو ہزاروں کنوؤں کا پانی پی چکی ہے۔ کوئی نا سمجھ ہے۔ یا حسن آرا بد تمیز ہیں جب کہ یہ دل سے میڈا کو چاہتی ہیں اور آزاد ان کے دلی عاشق اور ان کے شکر گزار ہیں پھر آپس میں بگڑنا کیا معنی۔

یہ تقریر سُن کر بہار النسا نے کہا بہن اب سو رہو۔ نہیں صبح کو آنکھ نہ کھلے گی اور نماز قضا ہو جائے گی۔ اِدھر یہ اُدھر وہ دونوں سو رہیں۔ اتنے میں جانی بیگم کی آنکھ کھلی۔ مغلانی جاگتی تھیں پوچھا یہ اس وقت کس نے داستان چھیڑی تھی میں نیند میں تھی مگر کچھ کچھ سُن رہی تھی۔ کیا باتیں ہوئی تھیں۔ مغلانی نے کہا حضور اُمی فرنگن کی باتیں ہوتی تھیں کہ اس نے محمد آزاد پر بڑا سلوک کیا ہے اور اگر وہ مدد نہ دیتی تو آزاد کچھ نہ کر سکتے۔ اول تو ان کے پاس روپیہ نہ تھا دوسرے پردیس۔ اجنبی کسی سے ملاقات نہیں اور جنگ کا وقت۔ مسٹر ڈلنے ان کو ہر بات میں مدد دی۔ تو اس کا کتنا بڑا احسان ہے۔ جانی بیگم۔ نازک ادا کو دو تین بار آواز دی مگر صدائے برنخاست۔ حسن آرا کو جگایا وہ بھی نہ بولیں۔ جھلا کر اُٹھیں اور نازک ادا کی چادر منہ سے ہٹا کر کان کے پاس پانی کے قطرے ٹپکانے شروع کیے۔ وہ چونک کے اُٹھ بیٹھیں۔ دیکھا تو جانی بیگم پانی لیے سرہانے کھڑی ہیں۔ کہا اے ہے۔ دو گھڑی سونے نہ دیا ابھی تک تو جاگتی ہی تھی بہن۔ ایک گھنٹے تک برابر بک رہی ابھی آنکھ لگی تھی۔ مگر تمہارے ساتھ عداوت ہے تم نے جگا دیا۔ تھوڑی دیر تک ان دونوں میں باتیں ہوئیں اس کے بعد اپنے اپنے پلنگ پر آرام کیا۔

اب سُنیے کہ سویرے نور کے تڑکے حسن آرا کی آنکھ کھلی منہ ہاتھ دھو کر پاک صاف ہو کر نماز پڑھی اور بعد ادائے نماز فوراً پیر مرد کو بُلوایا اور یوں گفتگو کی۔

حسن :۔ کل تم بڑی دیر کے بعد آئے وہاں سے۔

پیر مرد :۔ ہاں بہت عرصہ ہو گیا تھا۔ کوئی سات بجے تھے۔

حسن :۔ ہاں کیا بات چیت ہوئی معاملہ روبراہ ہے۔

پیر مرد :۔ نہیں آزاد تو پیغام سنتے ہی خاموش ہو رہے۔

حسن :۔ کیا مس میڈا نے از خود شادی سے انکار کیا ہے۔

پیر مرد :۔ ہاں ہاں اس کی تو میں خوب تحقیقات کر چکا ہوں۔

حسن :۔ آخر اس کا سبب کیا ہے کایا پلٹ ہو گئی دفعتہً۔

پیر مرد :۔ طبیعت ہی تو ہے۔ طبیعت کا کوئی ٹھکانا ہے۔

حسن :۔ آزاد سے اور تم سے باتیں کیا ہوئی تھیں۔

پیر مرد :۔ آزاد پہلے تو بالکل سکتے کے عالم میں تھے۔

حسن :۔ توبہ توبہ یہاں آن کے بھی خوش نہ ہوئے۔

پیر مرد :۔ اب خوش کیوں کر ہوں بھلا۔ تم ہی بتاؤ۔

حسن :- ان کی باتوں سے یہ پایا جاتا تھا کہ مس میڈا سے وہ اصرار بلیغ کریں گے اور مجبور کریں گے کہ شادی پر راضی ہو جائے یا وہ بھی اب کنارہ کش ہوں۔

پیر مرد :- ان کی تقریر سے صاف صاف کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی۔ مگر اس قدر البتہ بشرے سے پایا جاتا تھا کہ بڑا رنج ہوا میں تو جانتا ہوں کہ مس میڈا حشر تک شادی نہ کرے گی۔ بڑی آن بان کی عورت ہے۔ ایسی ویسی نہیں ہے۔

حسن :- اچھا میں کل یہ سوچتی تھی کہ مس میڈا کو یہاں بلواؤں اور خود دوبدو گفتگو کروں۔ اور سمجھاؤں۔

پیر مرد :- ہاں شاید رائے بدل دیں۔ آزماؤ۔

حسن :- تم آج جا کے آزاد سے اس کا ذکر چھیڑو۔

پیر مرد :- اچھا میں ابھی جاتا ہوں۔ تدبیر تو عمدہ ہے۔

حسن :- میں اس طرح ملوں گی جیسے بہن بہن سے ملتی ہے۔

پیر مرد :- اگر اُن کے انکار کا یہی سبب ہے کہ آزاد اور ہم دونوں محمدی مذہب رکھتے ہو اور وہ عیسائی ہیں۔ اور آزاد نے پہلے تمہیں سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ شاید اس سے وہ سمجھی ہوں کہ حسن آرا کی زیادہ قدر و منزلت ہوگی۔ لیکن جب تم ان کے ساتھ اخلاق اور لطف سے پیش آؤ گی تو خواہ مخواہ ان کے دل پر اثر ہوگا اور جو کچھ وہ سوچی ہیں وہ بھول جائے گی اور جب تم اُن سے اصرار کرو گی تو اور بھی زیادہ اثر ہوگا۔ بہر کیف اس امر کی آزمائش ضرور کرنی چاہیئے۔

حسن :- اور جو وہ نہ آئیں تو بات ہی جائے مفت میں۔

پیر مرد :- پہلے آزاد سے بطور خود مشورہ کر لیا جائے گا۔

حسن :- ہاں اُن سے اس قدر کہہ دینا کہ اگر مس میڈا کو یہاں آنے پر مجبور کر سکو تو ذکر کرو ورنہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بات جائے۔

بس نازک ست شیشۂ دل در کنار

یہ بھی کہہ دینا کہ اگر میڈا یہاں تکلیف کر کے آئیں تو نہایت مسرور و محفوظ جائیں گی اور ہم اور وہ ایک ہی دن کی ملاقات میں ایک جان دو قالب ہو جائیں گے۔

پیر مرد :- ہاں خوب یاد آیا اگر دوسری میم اُن کے ساتھ آئے تو ہرج تو نہیں ہے میرے نزدیک تو اُس کا آنا اور بُلوانا بھی ضرور ہے۔

پیر مرد کپڑے بدل کر میانے پر سوار ہوئے۔ اور کہاروں سے کہا ہوٹل چلو۔ آزاد کے پاس آئے

دیکھا کہ برآمدے میں بیٹھے کچھ پڑھ رہے میانے سے اترے۔ کرسی کے قریب آئے مگر آزاد کو مخاطب نہ پایا۔ تو آہستہ سے کہا بندگی عرض کرتا ہوں۔ آزاد نے استادہ ہو کر ہاتھ ملایا اور کہا معاف فرمائیے گا۔ میں اس وقت خط پڑھنے میں بہت مصروف تھا۔

پیر مرد:۔ یہ کہاں سے آیا ہے۔ ڈاک خانے سے آیا ہے یہ تو۔

آزاد:۔ جی ہاں کر تو ڈر اور نہ کرو تو خدا کے غضب سے ڈر۔

پیر مرد:۔ خیریت ہے۔ اس کے کیا معنیٰ۔ کیا کوئی خطرناک بات خدانخواستہ درج ہے۔ اندیشہ کا مقام تو نہیں ہے یہ تو بتا دیجئے پہلے۔

آزاد:۔ جی نہیں مگر کسی قدر اندیشہ کا مقام ہے بھی۔

پیر مرد:۔ فرمائیے۔ کچھ دفع دخل کیا جائے۔ کیا کوئی ایسی مشکل بات ہے کہ دفعیہ محال ہے۔ کچھ سنیں تو کہ ہے کیا آخر۔

آزاد:۔ حضرت یہ فرمائیے کہ بی کندن کا نام آپ نے سُنا ہے۔

پیر:۔ (چونک کر) اُفوہ۔ بھائی کہیں اُس کے پھیر میں نہ پڑنا۔ وہ تو ایک ہی ربسی نژاد مکارہ زن بدوضع ہے ہزاروں آدمیوں کو اس نے زخمی کیا ہے۔ اسّی برس کا سن ہے بڑی خرانٹ تجربہ کار عورت ہے۔

آزاد نے خط دیا اور کہا پڑھیے پڑھا تو یہ مطلب تھا۔

اے چارہ گر مریض بے تاب　　اے نور فزائے چشم بے خواب
مرحم نہ زخم ہائے عاشق　　درد عاشق و ہم دوائے عاشق
اے نبض شناس جان مضطر　　ناسور زوائے دیدہ تر
اے مایۂ لطف زندگانی　　جاں بخش وفائے جاودانی
دھیان آپ کا ان دنوں کدھر ہے　　کچھ حال کی میرے بھی خبر ہے
بیمار ہوں اور قریب مردن　　ہر دم ہے عذاب جان سپردن
ہے گرم ادائے دل فریبی　　جاں سوز حرارت غریبی
اک آگ سی لگ رہی ہے تن میں　　شعلے سے بھڑکتے ہیں بدن میں
بستر کئی بار سب جلایا　　اس آگ نے خاک میں ملایا
گر یوں ہی جلا کیا میں ناکام　　تو فرش زمین ہے اور آرام
کیا عفو گدازیاں کہوں میں　　انگشت نمائے شمع ہوں میں

بے تاب طبیب دور سے ہیں
ہمسایوں کے گھر تنور سے ہیں

مونس دل سوز آزاد کو اُس کی چاہتی بیوی بزم آرا کی طرف سے معلوم ہو کہ۔

انچہ کردی تو بہ من ہیچ بہ انساں نہ کند
مرگ با جان نہ کند کفر بہ ایماں نہ کند

آزاد جو تم نے ہمارے ساتھ کیا وہ دشمن بھی دشمن کے ساتھ نہیں کرتا۔ او ستمگر ظالم۔ خونخوار۔ مردم آزار۔ کیا یہی شرط محبت تھی۔ سبحان اللہ۔ ہم نے خدائی بھر سے منہ موڑا اور ایک تم سے ناتا جوڑا مگر۔

لگا کر دل بہت نا آشنا سے
عبث ہم پھر گئے، اپنے خدا سے

ہائے اک دن وہ تھا کہ تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ بزم آرا خدا اور خدا کا رسول گواہ کہ میں جب تک زندہ رہوں گا۔ بجز تیرے اور کسی کا نام بھی زبان پر لاؤں گا مجھے ساری دنیا میں کوئی معشوق پسند ہی نہیں۔ ارے ظالم ایک دن تو پچھلی باتیں یاد کر کے میرے پاس ٹرنک۔

تشریف وہ یاں نہ لائے افسوس افسوس
مرتے دم بھی نہ آئے افسوس افسوس
سب رہ گئیں دل کی حسرتیں دل ہی میں
افسوس افسوس ہائے افسوس افسوس

اسس بے وفائی سے خدا سمجھے آزاد

ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں
جاں دادہ شوخ بے وفا ہوں
ہوں غیر میرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں
کیا شکوہ جفائے آسماں کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں

بی کندن کا خط پڑھ کر پیر مرد نے کہا میں ابھی جا کے اس کو تنبیہ کرتا ہوں۔ اس کی گل میرے ہاتھ میں ہے۔ مجال کیا کہ ذرا چوں کر سکے یہ کہہ کر پیر مرد کندن کے ہاں گئے۔

اب ادھر کا حال سنیے کہ حسن آرا اور نازک ادا نے جو مَیڈا کا ذکر جانی بیگم سے کیا تو وہ تنک گئیں۔ نازک ادا اور جانی بیگم اور حسن آرا میں مس مَیڈا کی نسبت گفتگو ہونے لگی جانی بیگم بولیں بہن سنو۔ اللہ والے لوگوں کا تو ذکر ہی نہیں۔ وہ تو ہر بات کو آمنا و صدقنا تسلیم کرتے ہیں۔ اُن سے کہو

بیری کے درخت میں آم پھلے ان کو یقین آجائے گا۔ ان سے کہدو سکنجبین کی ٹھلیا میں دو من چاول پکے وہ فوراً باور کر لیں گے۔ مگر عقل بھی آخر کوئی شے ہے۔ بھلا دنیا میں کسی کو بھی یقین آئے گا۔ کہ نازک بدن اور متوالی چھوکری منزلوں کی راہ طے کر کے آزاد ایک اجنبی کے ساتھ اتنی دور آئی اور عفیفہ ہی بنی رہی۔ کوئی قرآن کا جامہ بھی پہنے تو ہم کو یقین نہ آئے۔ چلبلی، چنچل۔ شوخ۔ مست۔ اٹھتی جوانی دیوانی ہو رہی ہے وہ یہاں تک آزاد کے ساتھ پارسا ہی بن کے آئی ہیں۔ حسن آرا تو ابھی ناکردہ کار کل کی چھوکری ہیں مگر یہ نازک ادا کو کیا ہوا۔ آخر تم کچھ سوچتی بھی ہو کہ جو نوخیز لڑکی دوشیزگی کے عالم میں وطن اور گھر بار اور عزیز اقربا کو چھوڑ کر ایک جوان کے ساتھ چلی آئی وہ کتنی چھبیتی چربانک بے شرم ہوگی۔ وہ اور شادی سے انکار کرے اے تیری قدرت۔ ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی ایسی ہی ہوتیں تو ماری ماری نہ گھومتیں کالے سر کا ایک تو ان سے بچا نہ ہوگا۔ جب تو آزاد پر ریجھیں اور مزے سے ساتھ ہو لیں اور ایسی بدوضع بیسوا کو اپنے گھر بلوانا چاہتی ہیں یا نہیں ہم تو صلاح نہ دیں گے۔ تم کو دعا مانگنی چاہیئے تھی۔ کہ مینڈا سے ان کا دل پھر جائے۔ نہ کہ اور الٹے تم ان کو مجبور کرو، اور بہن سچ کہتی ہوں، یہ جو دوسری ساتھ ہے، کلیرسا۔ وہ بھی بلا کی چھوکری ہوگی۔ جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ پہلے ایک اور پلٹن کے جوان پر دل آیا تھا پس اس کو ہضم کر چکیں۔ ڈکار تک نہ لی۔ اور آزاد کی صورت دیکھ کر پھسل پڑی۔ وہاں سے ان کے ساتھ آئیں۔ یا تو اس کا ایسا عشق تھا کہ قبر پر ہر روز جاتی تھیں یا ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ اس کے قاتل سے محبت بڑھائی۔ ان ہرجائیوں کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔ ہمارے نزدیک تو جو اعتبار کرے۔ اس سے زیادہ کوئی دیوانہ نہیں۔ کیا روم روس میں آدمیوں کی کمی تھی؟ پھر گھر بار کو خیرباد کہہ کر اس ملک میں بے حجابی سے آنا کیا معنی؟ اس کے صاف یہی معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی کہنے سننے والا نہیں جو چاہتی ہیں سو کرتی ہیں۔ آزاد بھی مجھے شاہد پرست معلوم ہوتے ہیں۔ روم سے ایک لائے اور پھر روس سے ایک لائے اور جو کہیں مصر میں کچھ دن ٹک جاتے تو ایک اور لاتے۔ یہ باتیں تو سمجھتی نہیں ہو۔ کسی نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ مینڈا نے آزاد کو بھر پور روپیہ دیا تھا، اور تم نے مان لیا۔ یہ سب گپ ہے۔ پیارا پیسہ نکالنا ذری دل لگی نہیں ہے۔ منہ کہنا اور بات ہے۔ کوئی تھیلیاں کسی کو اٹھا دے تو ہم جانیں، بڑے باپ کا بیٹا یا بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ اس خیال خام سے درگذرو۔ بہن اور مینڈا کے پھیر سے آزاد کو بچاؤ۔ وہ بڑی دور رس ہے۔ ہزاروں کنوؤں کا پانی پیا ہے۔

جانی بیگم کی تقریر نے نازک ادا کے دل پر بڑا اثر کیا۔ حسن آرا کی طبیعت بھی مینڈا کی طرف سے کسی قدر پھر گئی۔ جانی بیگم نے پھر فصاحت و لطافت سے بیان کیا کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے بہن، کہ آزاد نے تعریفوں کی خود شہرت دی، تاکہ ان کے اس فعل کو کہ وعدہ کر کے تو تم سے گئے، اور وہاں سے ایک اور کو لے آئے۔ کوئی قابل اعتراض نہ قرار دے سکے۔ اسی سبب سے انھوں نے یہ بھی مشہور کیا کہ

مئیڈا کی بدولت آزاد نے نوکری پائی، مئیڈا ہی کی وجہ سے روپیہ ملا، اور جان جوکھوں کے وقت بھی وہی کام آئی۔ بھلا کوئی آدمی جس کو خدا نے ذری سی بھی عقل دی ہو گی اس بات کا یقین کرے گا کہ مئیڈا کل کی چھوکری، اور کیسی چھوکری۔ متوالی، نوخیز بی بی، وہ روس جا کے آزاد کو ڈھونڈ نکالے گی اور راستے میں آزاد کی جان بچائے گی۔ کیسی موئی بیسوائیں دن بھر میں ستر کو راستہ بتاتی ہیں۔ اس میں آزاد ہو چاہے قادر داد۔ کسے باشد۔ اس کو ایسی تو پڑی تھی کہ آزاد کے ساتھ اس اقرار پر یہاں آتی کہ جب پہلے حسن آرا سے نکاح ہو جائے پھر اس سے نکاح ہو۔ کیا سیدھی سادی عورت ہے۔ بے چاری یہ تو تحقیق ایسے بیوتوفوں کو یقین آئے گا کہ وہ اب تک بن بیاہی ہے۔ جو اس قدر بیباک ہو کہ غیر مرد نامحرم کے ساتھ روم سے یہاں تک چلی آئے۔ وہ جو نہ کرے سو تھوڑا ہے بہن۔ مگر تم سے کہے کون۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ مس مئیڈا شادی نہ کریں گی۔ یہ سب باتیں ہیں جو ذری بھی ان باتوں کی اصلیت ہو۔ شادی نہ کرنا کیا معنی۔ شادی تو ہو چکی۔ اب شادی کیسی۔ یہ فقط تمہارا دل ٹوٹنے والی بات ہے کہ دیکھیں حسن آرا کتنی ہیں۔ تم سیدھی تو ہو ہی۔ اور صلاح کار ملیں بی نازک ادا بیگم۔ ایک تو کڑوا کریلا دوسرے نیم چڑھا ہم تو ان کو آدمی ہی نہیں سمجھتے۔ ان کی زبان تو البتہ چلتی ہے، مگر زبانی ہی داخلہ ہے۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ فراٹے اڑانے کو کہو تو زمین آسمان کے قلابے ایک کر دیں۔ مگر مطلب کی بات ندارد۔ اس سے بحث اور سروکار ہی نہیں رکھتیں۔ غضب خدا کی وہ تو ہاں سے دو لاتے اور دونوں کافر، پرکالہ آتش۔ بلا کی طرح دار، اور ابھی نوعمر۔ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ بڑی اللہ والے لوگ ہیں۔ عقل پر پتھر پڑنا اسی کو تو کہتے ہیں۔ حسن آرا تو خیر ابھی یہ باتیں کیا سمجھیں۔ گو لاکھ ذہین اور طبیعت دار ہیں تو کیا ہوا۔ مگر ہمیں تو ان کی عقل پر رونا آتا ہے۔ یہ جو اپنے کو وہ بڑا سمجھتی ہیں۔ مئیڈا مئیڈا۔ رات کو پچھلے سے مغز چاٹ گئیں۔ نیند حرام کر دی۔ جی میں تو آیا تھا یوں اسی وقت، مگر مارے نیند کے غلبے کے بولا نہ گیا۔ نازک ادا بیگم نے گردن نیچی کر کے اِن سب باتوں کا یوں جواب دیا۔ کہ بہن! تم نے جو کچھ کہا، وہ سچ سچ بڑی دور کی بات ہے مگر اس بات کا دریافت ہونا کہ مئیڈا کنواری ہے یا نہیں، کچھ مشکل بات نہیں ہے۔ چٹکیوں میں معلوم ہو سکتا ہے۔ ان کی دعوت کرو، ان کو بلواؤ۔ دیکھو ہم بتا دیتے ہیں کہ ان کی شادی ہوئی ہے، یا نہیں۔ بن بیاہی بھی کہیں چھپ سکتی ہے۔ یہ تو بہت آسان بات ہے۔

نازک ادا کی رائے ہوئی کہ دیوان حافظ میں فال دیکھو کہ مئیڈا نیک عورت ہے، یا بد ہے۔ حسن آرا تو فال کی قائل نہ تھیں۔ انھوں نے کہا بہن ہم فال وال کو نہیں مانتے ہم تو صلاح کے البتہ قائل ہیں، جو صلاح معقول ہو وہ بجا لائیں۔ اس کے مطابق کام کریں۔ نازک ادا نے کہا، اچھا دیوان حافظ تو منگواؤ۔ تم نہیں قائل ہو ہم تو قائل ہیں۔ تم دنیا میں کسی بات کی بھی قائل نہیں ہو۔ اس پر بہار الفت اور گیتی آرا اور جانی بیگم نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا۔ یہ لڑکی خدا جانے کس کی پڑھائی ہوئی ہے۔ جو بات

کہو اس کی نہیں قائل۔ واہ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش۔ عقل کے دانت تو آئے نہیں ہیں چلیں وہاں سے۔ ہم تو نہیں قائل ہیں۔ حسن آرا نے ہنس کر کہا۔ بہن یہ بھی کوئی زبردستی ہے۔ ایک چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو ہم خواہ مخواہ کیوں کر مان لیں۔ تم ہم سے اُن کے کہو کہ آفتاب کالا ہے اور چاند آفتاب سے بڑا ہے۔ تو ہم کیوں کر مان لیں گے۔

نازک :۔ اے تو اس تو تو میں میں سے کیا واسطہ ہے۔

حسن :۔ خیر صاحب میں اب کچھ نہ بولوں گی۔

بہار :۔ اے تو دیوان منگوالو، حجت کیوں کرتی ہو۔

مغلانی :۔ (کتاب لاکر) حضور یہ ہے، وہ نہیں ہے۔

نازک :۔ اچھا یہی سہی۔ جو کچھ ہو ہم اسی میں دیکھیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یا خدا ہماری فال اچھی نکلے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بے قراری وَ من از فراق دِل و آوارگی برہمنانِ در تلاشِ اُو۔

بہار :۔ بس بند کردو کتاب کو، ہم ایسی فال سے درگذرے۔

جانی :۔ اے ہاں بے قراری اور آوارگی اور دل اور من۔

نازک :۔ اے ہے آگے بھی تو سنو (وسُراغ یافت ازو)

بہار :۔ اس کے کیا معنی۔ سراغ کیا۔

نازک :۔ اس کے معنی یہ کہ پتا مل گیا۔ اور کیا معنی۔

طوفان بلاکشائے عشق است　　　سیلاب خرد رُبائے عشق است

چوں جوش زند بموج غوغا　　　نے شہر شناسد و نہ صحرا

بہار :۔ چلو بس نازک ادا۔ ایسی فال ہمیں پسند نہیں ہے۔

جانی :۔ اس کے معنی تو سُن لو۔ ہم تو نہیں سمجھے بہن۔

راوی :۔ حسن آرا گو ضعیف الاعتقاد نہ تھیں مگر ان کے چہرے کا رنگ فق بھی ہو گیا۔ یہ طبیعت کا نقشہ ہے کہ گھڑی میں کچھ اور گھڑی میں کچھ۔

نازک :۔ ذری دو چار شعر اور پڑھنے دو بہن۔

آمد چو دُمنٗ بخانۂ خویش
پیچیدہ بخوں ترانۂ خویش

بہار :۔ یہ کون کتاب ہے خون اور آوارگی اور یہ اور وہ۔؟

نازک :۔ تم ایک امر سے واقف ہی نہیں ہو۔

جانی :۔ کیا جو کتاب ہو اُس میں فال دیکھ لے۔

حسن :۔ حافظ کو لسان الغیب کہتے ہیں۔ اس سے دیوان حافظ میں فال دیکھی جاتی ہے۔ سب کے کلام کو تھوڑا ہی خدا نے یہ تاثیر دی ہے۔

نازک :۔ تم سب بکتی جاؤ بھونکا کرو۔

جا داد پدر بقصہ باغش — تا تازہ شود ز گل دماغش
بہ شتاب زیار من خبر گیر — وز ابر بہار من خبر گیر
زود ست ز باد تند خیزد — برگ و بر ہستیم بریزد
مادر بہ پدر شگافت رازش — تا راہ برد ببرگ و سازش

سرو او برہمنان دانا
در پویہ چو آرزو توانا

جانی :۔ یہ تو اچھی فال ہے۔ مگر سمجھ میں تو آتا ہی نہیں۔

حسن :۔ چہ خوش۔ پھر اچھی بُری کیوں کر سمجھیں بہن۔

بہار :۔ ہاں رائے ضرور لڑائیں گے۔

نازک :۔ (مسکرا کر) سچ کہتی ہیں وہ۔

برفاست بدر بہ دل نوازی — بربست کمر بہ چارہ سازی
بر چشمۂ جوئبار پویاں — زاں تشنہ جگر شوید جویاں

ہر جا کہ شوند بلبلان جمع
ریزند گل نظارہ بر جمع

نازک ادا نے جھلا کے کہا یہ تو خبط اول جلول ہے آؤ ساتواں ورق دیکھیں شمار کر کے ساتواں ورق کھولا۔

جنبش موکب نل از شہر دمن بہ تخت گاہ۔ و بگردش قرعۂ اقبال نقد باختہ از حریف بجباز گرفتن و اورنگ دولت را پیرایۂ تو دادن۔

روزے کہ برویت مناظر — طالع بہ سجود بود منظر
بر جبیں گل طرب بکف بود — خورشید بخانۂ شرف بود
مہ بانظرات سعد منظور — در قلب بطین زاید النور

اُفوہ۔ یہ تو ملا کے سوا کوئی نہ سمجھے گا۔

پیدا ہمہ صلح و در نہان جنگ

بیرون ہمہ موم و در درون سنگ

سمجھیں۔ مطلب یہ کہ مُنیڈا ظاہر میں تو موم دل ہے مگر باطن میں سنگ اور فولاد۔

ہم پائے زمانۂ فسوں ساز

ہم دست ستارۂ دغل باز

بہن اس کا مطلب ہم لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے گا۔

حسن :۔ اس میں کیوں مشکل ہی کیا ہے ہم پاے کے معنی کے برابر۔ یعنی زمانہ تو فسوں ساز ہے نہ فسوں سازی میں وہ بھی زمانے کے برابر اور مقابل کا تھا اور ستارہ دغاباز سے دغابازی میں مساوی تھا۔ ہم دست اور ہم پاے کے ایک معنٰی ہیں۔

نازک :۔ شاباش۔ جب ہی تو آزاد رہیے۔

صد شعبدہ در نظر نہفتہ

شورا بہ گل شکر نہفتہ

اس سے کیا مراد ہے بہن۔ شورا بہ کیا۔

حسن :۔ اس سبب سے مطلب یہی ہے کہ ظاہر آباد باطن خراب یہ نظر میں شعبدہ چھپا ہوا تھا۔ جسے نسون نظر بند کہتے ہیں۔ اور یہاں شاید ڈٹھ بندی بولتے ہیں اور گل شکر میٹھی شے میں شورا بہ ملا ہوا مطلب یہ کہ ظاہر میں دوست اور باطن میں دشمن۔

نازک :۔ اچھا پھر اس سے ہمارا مطلب کہاں نکلتا ہے۔

گفت آں بہ فروغ لعل شب تاب

ما و تو زیک گل و زیک آب

حسن :۔ بے کار کی تضیع اوقات ہے اور کچھ نہیں۔ مفت کی ٹھائیں ٹھائیں۔ اس سے مطلب کیا۔ دیوان حافظ کے شعر تو ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے کچھ مطلب بھی نکل آتا ہے چاہے جو شعر ہو اپنے اپنے مطلب کو سب نکال لیتے ہیں۔ مگر یہاں تو مطلب ہی غت ربود ہے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔

اتنے میں بڑی بیگم صاحب نے حکم دیا کہ مغلانی سب کو اوپر سے بلا لو۔ بہو آج یہیں آن کے کھانا کھائیں مغلانی نے حکم حضور سے اطلاع دی حیرت ہوئی کہ یا الٰہی یہ کیا سبب ہے۔ سب مل کر گئیں تو دیکھا کہ بڑی بیگم

ایک عورت سے باتیں کر رہی ہیں۔

اب ادھر آزاد اور خواجہ صاحب کا حال سنیئے۔ ڈاک کا ہرکارہ ہوٹل میں وہ خط لے کر آیا جو خوجی نے کریم النسا کے فرضی نام سے بھیجا تھا۔ آزاد کو خط دیا۔ انھوں نے پڑھا اور مسکرا کر خوجی کو بلایا۔

آزاد:۔ خواجہ صاحب بھلا اس خط کے معنی بتایئے تو جانیں۔

خوجی:۔ خط کے معنی کیا معنی بے معنی بات ہے۔

آزاد:۔ تسلیم جائے استاد خالی سن۔ مطلب یہ تھا کہ اس میں ایک چیستان درج ہے۔ اس کو حل کیجئے تو جانیں آپ بڑے قابل آدمی ہیں۔

خوجی:۔ حضرت طبیعت پر منحصر ہے۔ ذہن لڑ جائے تو سبحان اللہ بدر چاچ کے اشعار بھی پانی ہیں مگر اس وقت ذہن بدی پر نہیں ہے وہ معنی بتاؤں کہ پھڑک جاؤ اور کہہ اٹھو۔

ہے آج سخن وروں میں فائق خواجہ　　ذی فہم و ذکی ذہین و لائق خواجہ

ہم پایۂ چرخ ہے تری فکر بلند　　حلال غوامض و دقائق خواجہ

آزاد:۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ واقعی اس وقت ذہن قابو میں ہے واللہ معنی بتا دو گے اگر اس میں فرق ہو تو کچھ بارتا ہو کیا رباعی ہے کسی استاد کی ہے۔

خوجی:۔ جھوٹے کی ایسی تیسی۔ بیش باد۔ استاد کیا کھا کے کہیگا۔ یہ اسی دم برجستہ موزوں کی ہے۔ مگر گھر کی مرغی دال کے برابر۔

آزاد:۔ معمائے حل طلب یہ ہے۔ مگر ذہن لڑا کے حل کر دو تو جانیں ورنہ کیا۔

چار بودم سہ شدم اکنوں دوام
از دوئی چوں کم شدم یکتا شدم

خوجی:۔ کیا ذری پھر پڑھیے گا (منھ بنا کر) کیا شعر ہے۔ کچھ مطلب ہی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

آزاد:۔ جی جناب خواجہ صاحب دل لگی نہیں ہے۔

چار بودم سہ شدم اکنوں دوام

خوجی:۔ ٹھہر جاؤ۔ ع۔ چار بودم سہ شدم اکنوں دوام۔ چار و سہ و دو۔ چار اور تین اور تین سات اور سات اور دو دس۔

آزاد:۔ (ہنس کر) ماشاء اللہ۔ سات اور دو دس تو تو آپ خوب حل کریں گے۔ بس بندہ نواز کیا خالہ جی کا گھر ہے اے سبحان اللہ۔

خواجہ :۔ اچھا دوسرا مصرع پڑھو۔ کیا یاد کرو گے کہو تو سہی کچھ۔ دوسرا مصرع پڑھو۔

آزاد :۔ ع از دوئی چوں کم شدم یکتا شدم۔ پھر شعر کا شعر پڑھ کے سناؤں۔

خوجی :۔ بس از دوئی چوں کم شدم۔ یعنے۔ یعنے۔

راوی :۔ خواجہ صاحب بھی مطلب بھول گئے۔ اب جھلا رہے ہیں یعنی یعنی کہہ کہہ کے رہ رہ جاتے ہیں آگے آیت آئے حواس غائب۔

خوجی :۔ مطلب یہ کہ از دوئی چوں کم شدم۔ یعنی۔ یعنی۔ از دوئی۔ لاحول۔

آزاد :۔ اے لعنت خدا۔ بڑا دعویٰ کر کے آئے تھے۔

خوجی :۔ ٹھہرو صاحب کیا منھ کا نوالا ہے۔ آہ۔

آزاد :۔ اتنی دیر۔ غضب خدا کا کچھ ٹھکانا ہے۔

خوجی :۔ لاحول ولا قوۃ۔ انھوں نے اور بھی جان کھائی۔

آزاد :۔ بجا۔ اب آخر کے برس میں حل کرو گے۔

خوجی :۔ چار بودم۔ یعنی چار تھا۔ سہ شدم یعنی تین۔ ہوا میں اکنوں دوم یعنی دو ہوں میں ایک شخص۔

راوی :۔ واہ خوجی۔ کیوں نہ ہو۔ ڈنڈ مل دو ان کے۔

آزاد :۔ سبحان اللہ حضرت کیا معنی پیدا کیے ہیں آپ نے۔

خوجی :۔ (جھلا کر) اس وقت مجھے یہ کیا ہو گیا۔

آزاد :۔ نبی جی بھیجو مدد امام حسینؑ کی۔

راوی :۔ یہ تو آزاد نے بے پتے کی کہی۔

خوجی :۔ چار بودم۔ یعنی فانی تھا۔ ف۔ ا۔ ن۔ ی۔ فانی۔ اور یعنی۔ چار بودم۔ فانی۔ یعنی۔

راوی :۔ کچھ کچھ مطلب یاد آیا۔ مگر (نیست) نہ یاد رہا۔ اس کے عوض فانی کہا۔ خیر آگے چلیے۔ اب پھر آیت۔

خوجی :۔ چار فانی سے مراد ہے۔ سہ شدم یعنی پیدا شدم ہوا میں۔

آزاد :۔ پیدا میں تین حرف ہیں پ اور ی اور د۔ اور الف مگر حرف چار ہی ہیں۔ اے سبحان اللہ۔

خوجی :۔ (مارے غصّے کے گالوں پر دو تھپڑ لگا کر) اے توبہ خدا کی مار میری بھول پر شیطان کی پھٹکار۔

آزاد:۔ بھول کیا معنی۔ کیا کسی سے یہ شعر پڑھ آئے تھے۔

راوی:۔ پھر میاں آزاد نے پتے کی کہی۔ مگر خوجی کب سمجھنے والے تھے۔ عقل کہاں سے لاتے۔

الغرض بعد خرابی بصرہ خواجہ صاحب نے ایک گھنٹے کی مہلت طلب کی ان کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی کوئی بات بھول جاتے تھے تو جس مقام پر اس بات کا وقوع ہوتا تھا وہاں جا کے بیٹھتے اور غور کے ساتھ فکر کرتے تھے۔ چنانچہ ذری گھانس پر سایۂ درخت میں بچھائی اور یاد کرنے لگے تو ذہن نے بڑی مدد دی۔ اور اسی دم اٹھ کر آزاد کے پاس آئے اور کہا لیجیے حضت بسم اللہ۔ اب شعر کے معنی دست بستہ حاضر ہیں۔

آزاد:۔ بسم اللہ۔ بسم اللہ۔ فرمائیے۔ کیا حل کیا۔

خوجی:۔ چار بودم سہ شدم اکنوں دوم ہے۔ یعنی چار تھا۔ میں اب دو ہوں میں چار سے مراد نیست سے ہے ن ی س ت۔ یعنی عدم سے دنیا میں آیا تو سہ شدم یعنی تین ہوا میں یعنی ہست ہ س ت۔ تین حرف جب دنیا میں آمدم تو سہ شدم (ہست) سمجھے اور پھر شاعر گفتہ بودہ است کہ اکنوں دوام یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ یعنی اب دو ہوں میں۔ سو کیا یعنی من۔ م۔ ن زبر من۔ یعنی میں۔ نیست سے ہست۔ ہست سے من۔ چار سے ہیں۔ تین سے دو۔ پہلے مصرعے کے معنی حل ہو گئے۔

آزاد:۔ بارک اللہ۔ واہ جی واہ۔ کیوں نہ ہو سبحان اللہ۔

خوجی:۔ افسوس۔ پھر بھی خوجی ہی رہے۔ خوجی کی ایسی تیسی۔ مردود کی۔ خوجی۔ لائے وہاں سے۔ کوئی دوسرا معما حل کرتا تو خون تھوکنے لگتا۔

آزاد:۔ اب دوسرے مصرعے کے معنی بھی لگے ہاتھوں بتا دیجیے۔

خوجی:۔ از دوئی چوں گم شدم یکتا شدم۔ اندریں من ہم گم شدہ بودہ ام از دوئی چوں گم شدم از دوئی چوں گم شدہ بودہ ام بندہ تو اندر معنی ایں شعر گم شدہ گی ست۔ (جھلا کر) پھر بھولا۔ لاحول ولا۔

آزاد:۔ یہ بھولا کیا معنی حضرت۔ کیا کسی سے پڑھ کے آتے تھے۔

خوجی:۔ آپ کی بلا سے۔ از دوئی چوں گم شدم۔ اچھا صاحب۔

آزاد:۔ اب آپ کی عقل بھی کام نہیں کرتی۔ اس میں ہاں۔

چار بودم سہ شدم اکنوں دوام

از دوئی چوں گم شدم یکتا شدم

خوجی:۔ وہ مارا۔ یعنی جب من کی دوئی سمائی تو یکسوئی کہاں جب دوئی سے گم ہوا تو بالکل یکتا ہو گیا۔ دو سے

کم ایک ہے اور یکتا ہوا۔ یعنی وحدانیت کا خیال آیا۔ اور آدمی بن گیا۔ از دوئی چوں گم شدم یکتا شدم سبحان اللہ سبحان اللہ۔

اب تو خوجی کا دماغ فلک الافلاک پر تھا۔ مارے غرور کے اکڑتے تھے کہ ہمچو من دیگرے نیست۔ کیا مجال ہے کہ اس ملک میں کوئی دوسرا بجز ہمارے اس چیستان کو حل کردے ٹانگ کی راہ نکل جاؤں۔ آزاد نے۔ یہ نہ کہو فضلنا بعضکم علیٰ بعض۔ کچھ تمہیں اکیلے تو یکتا نہیں ہو اور بھی بہت سے بندگان خدا ہیں جن کو ہمہ دانی کا دعویٰ ہے پھر ایک شعر کے معنیٰ بتا دینے پر اس قدر غرور یعنی چہ۔

غرور زیر فلک چاہیئے بشر کو نہیں
جنھیں عروج ہے چلتے ہیں سر جھکائے ہوئے

اس میں آپ نے کمال کیا ظاہر کیا کہ ایک شعر کے معنی بتا دیئے اگر ہم ذرا بھی غور کرتے تو بتا دیتے اس میں مشکل کون بات ہے۔ خواہ مخواہ کے لیے غرور کرنا اور ڈینگ کی لینا کون دانائی ہے۔ اس سے تو اوچھا پن اور چھچھورا پن پایا جاتا ہے۔ بس اور کچھ نہیں۔

خوجی:۔ اب تو بڑھ بڑھ کے باتیں بناؤ گے ہی پہلے تو سناٹے میں تھے کہ اب کیا کریں۔ شعر مشکل ہے مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور اب غراتے ہو۔

آزاد:۔ واللہ ایک ادنیٰ آدمی اس کے معنی بتا دے سکتا ہے۔

خوجی:۔ بھلا پوچھیے تو کسی سے۔ کچھ کچھ شرط بھی۔

آزاد:۔ کوئی ہے خانساماں کو بلاؤ۔ خانساماں یہاں آؤ۔

خانساماں:۔ خداوند کیا حکم ہے۔ حاضری چنوں میز پر۔

آزاد:۔ ارے میاں تم بھی تو کچھ پڑھے لکھے ہو یا بالکل ان پڑھ جاہل ہی ہو تو ایک شعر ہم پڑھتے ہیں اس کے معنیٰ بتاؤ۔

خانساماں:۔ حضور یوں ہی شد بد کچھ جانتا ہوں۔

آزاد:۔ اچھا خوب غور کرکے اس شعر کے معنی بتاؤ۔

چار بودم سہ شدم اکنوں دوام
از دوئی چوں گم شدم یکتا شدم

خوجی:۔ جیسے بتا ہی تو دیں گے۔ اجی وہ تو خانساماں کھانا پکانا اور پلیٹیں میز پر رکھنا اور انڈے ابالنا جانے۔ آپ اپنی تو کہیے پہلے۔ ہونھ!

خانساماں: حضور یہ تو صوفیوں اور موحدوں کا قول معلوم ہوتا ہے اور میں تو خداوند پڑھا لکھا کم ہوں مگر صحبت اچھے اچھوں کی رہی۔ اس کے یہ معنی ہوں تو ہوں کہ ایک شعر کے معنی بتادیئے چار تھا اب ہست ہوا تو تین ہوا اب دوئی جاتی رہی تو پھر کیا ہے موحد ہو گیا۔

خواجہ صاحب پر سینکڑوں گھڑے پڑ گئے اور غرق غرق ہو گئے کہ اس خانساماں نے ہماری کرکری کر دی۔ ہم تو اُچھلتے کودتے تھے کہ ہم چو من دیگرے نیست اور اس کمبخت نے اُن کے شعر کے معنی حل کر دیئے بڑا ہی غضب ہو گیا حیرت تھی کہ ایک جاہل اَن پڑھ کندۂ ناتراش نے ایسے ادق اور مشکل کلام کے معنی کیونکر نادیئے۔ سوچتے سوچتے ان کو یاد آیا کہ جس وقت اُس درویش نے اس شعر کے غوامض سے ہمیں اطلاع دی تھی۔ یہ خانہ خراب بھی بیٹھا سُن رہا تھا۔ اور آدمی ہے طبیعت دار۔ بس دل پر نقش ہو گیا۔ غور کر کے دیکھا تو بخوبی یاد آیا کہ خانساماں نے درویش سے زبان درازی کی تھی۔ ٹوپی اتار کے اپنے سر پہ ایک دو ہتڑ دیا اور بہت روئے۔ آزاد اور خانساماں اور دو ایک اور ہوٹل والے قہقہے لگانے لگے۔ اس سے خواجہ صاحب اور بھی جھلائے اور خانساماں کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ او گیدی خر گربہ مسکیں بنا ہوا بیٹھا تھا اور اُن کو گالیاں دیتا تھا اور اب وہاں سے آیا ہے بڑا وہ بن کے مطلب بیان کرنے بھلا خر گیدی بھلا۔ اچھا فہمیدہ خواہد شد بچہ جی۔ ہائے اگر اُس وقت معلوم ہوتا کہ یہ بغلی گھونسا ہے تو قرولی سے مرد کا کام تمام کر دینا۔ خیر مُشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد۔

اتنے میں آزاد نے کہا۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔ خانساماں نے بھی یہی کہا۔ تب تو خوجی کسی قدر چوکنا ہوئے کہ شاید آزاد سے بھی اس مردود نے کچا چٹھا بیان کر دیا ہے اور بھی جھلائے اور پیٹنے لگے کہ غضب ہی ہو گیا ہم نے تو لالہ کو دو پیسے دیے خط لکھوایا یہ سب پاپڑ بیلے اور سمجھے تھے کہ اب ہمیں ہم ہیں یقین ہو گیا تھا کہ آزاد کی کور بھی ہم سے دبے گی اور اب اس جانب کو بھی منشی سمجھیں گے مگر قسمت کے ہیٹے ہی رہے۔ اگر اُس خانساماں کو اس وقت چاہے تو کچا ہی کھا جاتے خوجی بیچارے دو گھڑی بھی شیخی نہ کرنے پائے۔ ذرا موقع نہ ملا تھا کہ ڈینگ کی لیں کہ دفعتاً خانساماں نے ان کی شیخی خاک میں ملا دی۔ دل کی دل ہی میں رہی اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ آزاد نے (گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی) کا آوازہ کسا۔ اور ستم ہو گیا۔

آزاد:۔ میاں خواجہ بدیع صاحب واللہ کیا خوب حل کیا ہے اور طرہ یہ کہ کسی نے معنی بتائے نہیں خود ہی ذہن لڑایا۔

خوجی:۔ ہم اس بارے میں گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتے ہیں ہم کو اگر دق کرنا ہو تو گفتگو کیجیے ورنہ بس سکوت

آزاد:۔ گفتگو ابھی تو ہی خاصے۔ پہلے زبان کی شست و شو نے کرو میاں گفتگو یے کرنا۔ ہونہہ!

خوجی:۔ آپ کے مزاج میں تو مذاق بھرا ہے اور بندہ آدمی نہیں ہے۔ مجسم سنجیدگی۔ زمین آسمان کا فرق۔

آزاد:۔ اجی حضرت رگھڑی دو میں ٹر لیا باجے گی، ابھی ایک بات کہہ دوں تو ٹر لیا بجنے لگے۔

خوجی:۔ (اٹھ کر جاتے لگے) یہاں تو وہ بیٹھے جس کو منظور ہو کہ ذلیل ہو بس اور دوسرا تو بیٹھنے سے رہا۔

آزاد:۔ اب زیادہ اترائیے گا تو ٹر لیا بجنے ہی لگے گی۔ کیوں صاحب درویشوں سے معنی پوچھ پوچھ کر ہم کو دھوکا دینا اور غبار دینا اور کریم النساء کے نام سے خط بھیجنا۔ کیوں بچہ بھلا گیدی بھلا۔ اچھا۔

خوجی:۔ (سر پیٹ کر) اب خرابی یہ ہے کہ تم کو کسی بات کا یقین ہی نہ آئے گا اچھا مصر کے کانسل کے نام جو خط لکھا تھا وہ کس سے لکھوایا تھا اس میں کیسی لیاقت صرف کی تھی۔ مگر بھائی جان اب تو چور بن گئے۔ (رہ کر) خیر ہمارا بھی خدا ہے منتظ ما منتظ۔ آیندہ سہی۔ انشاء اللہ۔

آزاد:۔ اب صاف صاف کہہ دو کہ ہم قیافہ شناس ہیں یا نہیں ہیں۔ یا اس میں بھی کچھ شک ہے کیوں کیسی جلد تاڑ گئے کہ کسی سے پوچھ کے آئے ہیں اور تم نے غضب کیا۔ خط بھی اُڑا دیا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ آزاد پرانا خرانٹ ہے۔ بھلا خوجی گیدی اور ہمیں چکما دے سکے۔ کیا مجال ہے۔ گیدی کہیں کی۔ ایسے ایسے خوجی ہم نے بہت دیکھے ہیں۔ بڑا خوجی بن کے آیا ہے تیبیدہ مردوں سے بھی دل لگی۔ کان پکڑو اور توبہ کرو۔ خبردار۔ اب آج سے اگر کوئی ایسا فعل سرزد ہوا تو تم جانو گے۔ کان پکڑ گیدی ہم سے اور چکما۔ ہاں اتنے آپ ہوئے۔

خوجی:۔ شانِ خدا۔ شانِ خدا۔ اے تیری قدرت۔

خواجہ صاحب سخت ذلیل ہوئے۔ گردن نیچی کرلی۔ اس قدر خفیف ہوئے کہ قرولی اور گیدی اور گیدانی اور رسالداری سب بھولے۔ آخر الامر اس درجہ نادم ہوئے کہ آزاد کے ہاتھ جوڑے اور کہا حضرت قصور ہوا۔

اب اُدھر کا حال سنیئے کہ بعد انفراغ طعام سب ہمجولیاں سجے سجائے کمرے میں چھت پر آن کر بیٹھیں اور مزے مزے کی باتیں ہونے لگیں۔

نازک ادا:۔ لے اب اس وقت سب جمع ہیں سب کی رائے لینی چاہیے۔ جانی بیگم نے تو اس وقت ایسی تقریر کی کہ ہمارے ہوش اُڑ گئے۔

بہار النساء:۔ کیا بات کیا ہے یہ میری سمجھ میں نہیں کچھ آیا۔

نازک:۔ تم سے امید بھی نہیں کہ کوئی بات سمجھ سکو۔

بہار:۔ بجا ہے میں ایسی ہی بے مغزی اور بے وقوف ہوں۔

نازک:۔ وہ بات کون مشکل ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔

بہار:۔ مئیڈا ہی کا ذکر ہے نہ۔ اچھا اس میں کون بات غور کی ہے۔

حسن:۔ مئیڈا کون ہے۔ بد وضع ہے یا نیک وضع ہے۔

بہار:۔ وہ بد وضع ہے تو ہے اور نیک ہے تو ہے۔

جانی بیگم :۔ (ہنس کر) چہ خوش۔ کیا بات کہی ہے۔ واہ بہن۔
گیتی آرا :۔ بعض وقت ان کی باتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔
بہار :۔ تم تو سمجھتی ہی نہیں ہو۔ مطلب یہ کہ اگر نیک وضع ہے یا بد وضع ہے وہ جو کچھ ہے اب تو اس سے نباہنا ہے۔ بس چھٹی ہوئی۔ آزاد پر اس کا احسان ضرور ہے اور جو آزاد اس کا احسان نہ مانیں تو سمجھ لو کہ دو کوڑی کے آدمی ہیں جب اس کا احسان فراموش کر گئے تو پھر اور کسی کو مانیں گے بھلا۔ ان کو تو چاہیئے کہ جب تک زندگی ہے اس کو پتلیوں کا تارا بنائے رکھیں۔
گیتی :۔ ہے تو ایسا ہی بہن۔ کیسا کچھ سلوک کیا ہے اس نے۔
بہار :۔ ہاں تو یہی تو میں بھی کہتی ہوں نہ بیشک۔
جانی :۔ ہماری سمجھ میں آج تک نہ آیا کہ وہ سلوک کون سا کیا ہے۔ یہی نا کہ آزاد کو نوکری دِلوا دی، اس کا کیا ثبوت ہے۔
بہار :۔ اور سُنو خود آزاد کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہوگا۔ آزاد نے خود پیر مرد سے بیان کیا۔ میم صاحب سے کہا۔
جانی :۔ آزاد کے کہنے کا تو اس بارے میں کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ تو اُس پر ریجھے ہوئے ہیں اور اپنے ساتھ روم سے لگا لائے ہیں وہ جو کہیں غلط ہے۔
بہار :۔ اب اس کی تو بات ہی اور ہے بہن۔
جانی :۔ کوئی ہم کو قائل کر دے ہم خاموش رہیں بس۔
نازک :۔ بہار النسا تمہاری اس وقت کی تقریر نہیں سُنی۔
جانی :۔ ہم کہتے ہیں بہن کہ ایسی کمسن عورت کوئی سترہ اٹھارہ برس کا سن اور اس قدر خوبصورت اور ایسی امیر زادی جیسا لوگوں نے مشہور کیا ہے اس کو کون سی تباہی آئی تھی کہ اتنی دور دوڑی آتی اور بے وجہ بے سبب اور پھر اگر ایسی پاک دامن ہوتیں تو۔ بس زبان نہ کھلواؤ ایسی موئی ہرجائی عورتیں کہیں پاک دامن ہوا کرتی ہیں۔ مگر تم لوگوں کا تو میں نے عجب قاعدہ دیکھا ہے کہ جس نے جو کچھ کہا آمنّا و صدقنا تسلیم کر لیا۔
بہار النسا :۔ یہ تو تم نے نئی بات کہی بہن۔ یہ کچھ فرض نہیں کہ جو کم سن عورت پاک دامن ہو وہ باہر نہ نکلے۔ بلکے وہاں رسمے۔ اور ان کے یاں تو پردہ مطلق نہیں ہے۔ یہ تو جانتی ہی نہیں کہ پردہ کس کو کہتے ہیں پھر میڈا بے چاری کو ہرجائی اور یہ اور وہ کہنا کیا معنی۔ اور اے رو کو تو تم میں دیکھتی ہوں بالکل ہی ایسا ویسا سمجھتی ہو۔ واہ۔

حسن :۔ ہاں یہ تو ان کی تقریر سے پایا جاتا ہے باجی۔

نازک :۔ ہاں یہ سمجھتی ہیں کہ آزاد نے مئیڈا سے وہیں شادی کرلی ہے اور اب حسن آرا کے بہکانے کے لیے یہاں ان کو یہ مشہور کیا۔

سپہر :۔ یہ سب واہیات باتیں ہیں بالکل خرافات۔

حسن :۔ ہاں اس میں شک کیا ہے۔ آزاد ایسے نہیں ہیں۔

سپہر :۔ کوئی کرور کہے ہم کو ہرگز ہرگز یقین نہ آئے گا۔

حسن :۔ علیٰ ہذا القیاس یقین آنے کی کوئی بات بھی ہے۔ بھلا۔

جانی :۔ بچے جہاں تم سے بیوقوفی ہوگی و یاں۔

سپہر :۔ اچھا یہ تم نے کاہے سے جانا بہن کہ آزاد کی شادی ہوگئی۔ مئیڈا کے ساتھ بے وجہ بے سبب بلا ثبوت کوئی سبب بھی ہے۔

جانی :۔ سب سے بڑا سبب تو یہی ہے کہ ایسی مست عورت کو کوئی اپنے ساتھ کاہے کو لائے گا جب تک اُس کی نیت ڈانوا ڈول نہ ہوگی۔ اب ہم اس کا ذکر ہی نہ کریں گے۔ تم بالکل سیدھی ہو سنگی سب کچھ اور باتیں کرو۔

وصل کی شب شام سے ہیں سو گیا جاگنا ہجران کا بلا ہو گیا

دل نہ پھیرا جان ہی ٹھہرے خدا یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

شوخی قاتل کے ہیں قربان ہوں

کہتے رہے سب یہ گیا وہ گیا

ان کی دیکھا دیکھی نازک ادا بھی گنگنانے لگیں۔

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے

نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

بہار :۔ یہ دبی شعر پڑھیں گی جو اماں جان کی چرڑھ ہے۔

جانی :۔ اے ہاں کوئی خوشی شادی عیش کا شعر پڑھو۔

نازک :۔ یا الٰہی بات بات پر زبان کٹتی ہے۔

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں

آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

اتنے میں میم صاحب کی آمد آمد کی خبر ہوئی اور تھوڑی دیر میں تشریف لائیں۔ آتے ہی انھوں نے حسن آرا کی

طرف مخاطب ہوکر کہا۔ بیگم صاحب یہ عجب زبردستی ہے۔ ایک عورت پر یہ ظلم کرنا کہ تو خواہ مخواہ فلاں مرد کے ساتھ شادی کرے انوکھی بات ہے۔ تم کون کہنے والی ہو کہ مُیڈا آزاد کے ساتھ ضرور ہی شادی کرے اس کی طبیعت اُس کا دل۔ گو اُس نے اقرار بھی کیا تھا کہ آزاد سے شادی ہوگی۔ مگر اب اس نے اپنی رائے بدل دی وہ کہتی ہیں کہ ہم اب شادی ہی نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ تم جو خواہ مخواہ اس کو دق کرتی ہو اور آزاد کو بھی تم نے دو دن سے پریشان کر دیا ہے اس سے کیا فائدہ سوچی ہو۔ بیکار کے لیے کسی کو رنج دینا ہمارے تو خلاف ہے۔ حسن آرا نے مسکرا کر کہا۔ تو یہ کہیے کہ آپ اُن دونوں کی طرف سے سفارش کرنے آئی ہیں۔ خیر کیا مضائقہ ہے ہماری طرف سے تو وکالت کی نہیں اُن سے دو روز کی ملاقات اور وہ بھی سرسری طور کی۔ ان کا جنبہ کرنے لگیں۔ واہ واوا۔

میم صاحب نے کہا ہاں خوب یاد آیا۔ یہ تم نے مل کے اس سڑی سودائی خوجی کو اور بھی دیوانہ بنا دیا۔ ایک تو وہ یوں ہی پاگل ہے دوسرے تم نے اس کی رہی سہی عقل اور بھی غائب غلہ کر دی۔ وہ وہاں جاکے اس قدر بکا اس قدر بکا کہ جس کی حد نہیں۔ اور خدا جانے کیا کیا کہا۔ اس کو تو یقین ہو گیا کہ حسن آرا کا دل کسی اور پر آیا ہے۔ مجھ سے جس وقت آزاد نے ذکر کیا۔ مارے ہنسی کے بُرا حال ہوا۔ اور میں قیاس سے بھی سمجھ گئی تھی کہ یا نازک ادا بیگم ہوں گی یا جانی بیگم ان دو میں سے ایک کا کام ہے ممکن نہیں کہ کسی تیسری کو یہ جرأت ہوئی ہو۔ اور میں نے سُنا کہ خوجی مارے ڈر کے گر بھی پڑے تھے۔

روح افزا:۔ اے ہے کچھ نہ پوچھو۔ مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ گئے۔

حسن:۔ جیسے ہی انھوں نے ڈانٹ بتائی پیچھے ہٹا مگر بکتا گیا اور اکڑتا گیا۔ اکڑتے جاتے اور پیچھے ہٹتے جاتے ایک دفعہ ہی دھڑسے گر پڑا۔

بہار:۔ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ کوئی مرد ضرور ہے۔

جانی:۔ پھر کیا کچھ جھوٹ تھا۔ اس کے مرد ہونے میں کون شک ہے۔

سپہر:۔ مرد کی کیا حقیقت ہے تم تو سوا مرد ہو بہن۔

میم:۔ آزاد کے دل میں بھی کسی قدر شک پیدا ہوا تھا مگر یوں ہی سا وہ یہی سوچتی تھی کہ یا خدا خوجی اگر غلط بیان کرتا ہے تو کہاں تک۔

حسن:۔ وہ تو جب ہمارے ہاں سے بیرمرد گئے تب انھوں نے کل حال کہہ سُنایا۔ ورنہ شک تو ان کے دل میں پیدا ہو ہی گیا تھا۔

میم:۔ ان سے جا کے کہا کہ وہ جوان ڈراتا ہوا بنگلے کی چھت پر چلا گیا اور وہاں سے قہقہہ پر قہقہے کی آوازیں

آئیں۔ دال میں کالا ضرور ہے ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ بالکل بے اصل ہو۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ ایک کمسن بیگم صاحب اُس کے پیچھے پیچھے تھیں۔ بہار النسا بیگم نہیں شاید اور اپنے گرنے کا حال بھی بیان کیا مگر خوبصورتی کے ساتھ۔ کہا کہ میں زعم میں اپنے آپ گر پڑا۔ آزاد کو اس فقرے پر بڑی ہنسی آئی۔ وہ سمجھے کہ خوجی پٹ گئے۔ کئی بار آزاد سے کہا بھائی جان اب خیر نہیں نظر آتی ۔ وہاں کچھ اور ہی رنگ ہیں۔ اب تو نامحرموں کی دید پر مذاق اور دل لگی ہوتی ہے آپ ہیں کس پھیر میں گو آزاد نے کئی مرتبہ جھڑک دیا اور کہا بس اب خبردار جو اس قسم کی گفتگو کی ہو مگر وہ کس کی سُننے والے تھے۔ مُرغ کی ایک ہی ٹانگ قائم رکھی۔

حسن :۔ یہاں تو اس نے بڑے تماشے کیے۔ اکڑتا جائے مگر مارے ڈر کے پیچھے ہٹتا جائے اور کانپنے لگا تھا۔ جب اررا کر گرا تو اب اُٹھنے کا نام نہیں لیتا۔ پڑا ہوا ہے اور پڑے ہی پڑے بک رہا ہے کہ ہم میدان ہیں اور ہم نے رسالداری کی ہے۔ اور ایں و آں اور چنیں و چناں۔ اس پر اور بھی ہم سب کو ہنسی آئی ہم ہنسیں اور وہ جھلائے تو سبب کیا۔ وہ سمجھے کہ اس مرد کے آنے سے یہ سب اس قدر خوش ہوئی ہیں کہ جامے میں پھولے نہیں سماتیں اور اس کو یہ خیال کہ ایسا نہ ہو آزاد یوں ہی رہ جائیں۔ بڑے غصے میں یہاں سے گیا تھا۔ اور پہلے تو کوئی آدھ گھنٹے تک آزاد سے کسی امر کا ذکر ہی نہ کیا۔ منہ پھلائے رہا اور خدا جانے آزاد نے کون مثل کہی تھی اور ہاتھ دے دے پٹکا اور آنکھیں نیلی پیلی ہو گئیں اور غصے کے سبب کانپنے لگا۔ مگر آزاد نے سمجھایا کہ خاموش رہو ابھی کسی سے ذکر نہ کرو۔ سمجھا جائے گا۔

روح افزا نے کہا بہن ہم سب جھگڑا ابھی پاک کیے دیتے ہیں۔ اماں جان سے جا کے صاف صاف بیان کر دینا کافی ہے۔ اس پر سب نے قہقہہ لگایا اور کہا کہاں تو خوجی کا ذکر ہو رہا تھا۔ کہاں یہ میڈا کا حل اماں جان سے کہنے لگیں۔ مگر روح افزا نے کسی کی نہ سُنی۔ اور جا کے یوں ہم کلام ہوئی۔

روح :۔ اماں جان۔ آج ایک نئی بات سننے میں آئی۔

بڑی بیگم :۔ خیریت تو ہے بیٹا۔ بڑی بات تو خدانخواستہ نہیں ہے۔ کس نے کہی۔ کس کی سنی۔ خدا خیر کرے۔

روح :۔ اماں جان سُنتے ہیں کہ آزاد کے ساتھ۔

بڑی :۔ کیا کیا۔ آزاد کے ساتھ۔ بس خاموش ہو رہیں۔

روح :۔ سُنا کہ اُن کے ساتھ کوئی ولایتی میم آئی ہے۔

بڑی :۔ ہاں ! ہوں ! یہ کس نے کہا۔ اُس کا نام بتاؤ۔

روح :۔ اسی بوڑھے کو بھیجا تھا۔ انھوں ہی نے کہا ہے۔

بڑی :۔ یہ تو ہم پہلے ہی سُن چکے تھے نئی بات کیا ہے۔

روح :۔ نہیں اماں جان سنا اس کے ساتھ بھی شادی ہوگی۔

بڑی :۔ پھر تمہیں کیا اندیشہ ہے آزاد کو اختیار ہے۔

روح :۔ ہاں تو آپ کی اجازت ہے اماں جان۔

بڑی :۔ بیشک۔ آزاد بے سمجھے بوجھے کوئی کام نہ کرے گا۔ اس میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔

روح :۔ اور جو وہ اُس فرنگن ہی کو زیادہ چاہنے لگے۔

بڑی :۔ واہ یہ کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا۔ آزاد اس منش کا آدمی ہی نہیں ہے۔ میں نے اس کا حال بخوبی دریافت کرلیا ہے۔ ایسا نہ ہونے کا۔

روح :۔ تو آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوگیا ابھی سے۔

بڑی :۔ اچھا تم کو تقریر سے کیا واسطہ ہے۔

روح افزا وہاں سے خوش خوش کوٹھے پر آئیں۔ کہا لو مبارک اماں جان نے بھی اجازت دیدی کہا۔ آزاد کو اختیار ہے تم کون بیچ میں بولنے والی ہو وہ تو اب آزاد کا دم بھرتی ہیں۔ کہتی ہیں وہ بے سمجھے بوجھے کوئی بات ہی نہ کرے گا۔ اور بڑی دیر تک تعریف کیا کیں۔

سپہر آرا اور روح افزا کی میڈا کے بارے میں ایک رائے تھی چنانچہ ان دونوں نے صلاح کر کے حسن آرا کو علیحدہ بلوایا اور یوں سمجھایا۔

روح :۔ حسن آرا تم یہ کیا بچپنے کی باتیں کرتی ہو۔

سپہر :۔ مجھے خود حیرت ہے کہ باجی جان کیا کر رہی ہیں۔

حسن :۔ اس کے کیا معنی کسی سے رائے۔ صلاح مشورہ نہ لوں۔

روح :۔ کس بات کا مشورہ۔ وہ بات ہی کیا ہے۔

حسن :۔ اے لوچہ خوش کوئی بات ہی نہیں ہے۔

روح :۔ بہن مطلب یہ کہ آزاد اپنے نفس کے مختار ہیں اگر میڈا کے ساتھ شادی کریں تو اچھا تم کون ہو۔

حسن :۔ کیا! آپ کی تو باتیں ہی سمجھ میں نہیں آتیں۔

روح :۔ چلو جاؤ۔ لیکے ہلڑ مچا دیا خواہی نخواہی۔

حسن :۔ (مسکرا کر) اور سنو سنتی ہو سپہر آرا۔

سپہر :۔ باجی اس میں تو ہم روح افزا بہن سے متفق ہیں۔

روح :۔ سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ اے واہ۔

حسن:۔ مطلب یہ ہے بہن کہ سانپ بھی مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ سمجھیں وہ بات کیوں کریں جس پیچھے ہم سے اور مئیڈا سے گلخپ ہو۔

روح:۔ تو مئیڈا مُردار کا ابھی ذکر ہی کیا ہے۔

حسن:۔ آخر نباہنا تو ہم کو پڑے گا اُس سے کر تم کو۔

روح:۔ واہ وا۔ جو وہ چاہیں گے وہی ہو گا۔

انچہ دانا کند کند نادان

لیک بعد از خرابی بسیار

آخر کار تم بھی مجبور ہو کر وہی کرو گی جو آزاد کی رائے ہو گی مگر وہی بے وقوفی کے ساتھ۔

حسن:۔ وہ تو روٹھے ہوئے ہیں ہم منائیں گے مگر۔

کیا کہیے ہمیں ناز اٹھانا نہیں آتا

روٹھے کو مناتے یہ منانا نہیں آتا

روح:۔ یہ! یہ بھی یقین ہو گا کہ وہ روٹھی ہوئی ہے۔

سپہر:۔ کچھ ہی نہیں۔ وہ روٹھی ہے یا نہیں ہم سے واسطہ۔

روح:۔ جب اتنی عقل بھی ہو۔ پوچھو تم سے مطلب۔

حسن:۔ اچھا نہیں مطلب تو نہ سہی۔ بس اور نہیں تو۔

روح:۔ جو کوئی سمجھائے عقل کی بات بتاتے تو اُلٹا اسی سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتیں۔ مگر یہ لاکھ خفا ہوں ہم تو ان کے بھلے کو کہتے ہیں۔

حسن:۔ یہ سب باتیں دل کے ساتھ ہیں۔

درد طلب و غم جدائی ۔۔۔ دل جاتے ہی کیا مصیبت آئی

دیکھا نہ گئی یہ دل کے ہمراہ ۔۔۔ ظاہر ہوئی جان کی بے وفائی

دی چرخ نے کس طرح سے ہم کو ۔۔۔ آسودگی شکستہ پائی

پروانہ فدا ہے گل ہے شاہد

دیکھا ترا پنجۂ حنائی

حسن آرا بیگم کی یہ کیفیت مشاہدہ کر کے روح افزا کو سخت رنج ہوا اور سپہر آرا اِس درجہ ملول ہوئی کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے حسن آرا نے جو یہ حال دیکھا تو کہا مجھے خواہ مخواہ سب مل کے دق

کرتی ہیں۔ میری طبیعت میری رائے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ سپہر آرا یہ تقریر سن کر ان کے پاس گئی اور کہا باجی جان از برائے خدا تم اس وقت ذری منہ دھو ڈالو اور ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پی لو۔ سر پر بھی ڈال لو مغلانی کو اشارہ کیا تو فوراً خواصوں کو حکم دیا۔ آب سرد سے منہ دھویا۔ منہ اور آنکھوں پر چھینٹے دیئے تھوڑا سا پانی پیا اور سو رہیں۔ روح افزا اور سپہر آرا نے بہار النسا کو بلایا۔ اور تخلیے میں مشورہ کرنے لگیں۔

روح:۔ اس وقت کی بہکی بہکی باتیں حسن آرا کی سنیں۔

بہار:۔ نہیں۔ کیوں کیوں۔ خیریت تو ہے۔

روح:۔ ہمیں تو خوف معلوم ہوتا ہے۔ باجی جان۔

بہار:۔ اے تو کچھ کہو تو۔ کیا کہتی کیا تھیں۔

روح:۔ سپہر آرا سے سب باتیں دریافت کر لو بس۔

بہار:۔ سپہر آرا سے کیا پوچھوں تم کیوں نہیں بتاتیں۔

روح:۔ مجھے رنج ہوتا ہے۔ مجھ سے نہ پوچھیے باجی جان۔

سپہر:۔ انھوں نے اور ہم نے سمجھایا کہ بہن تم کیوں خواہ مخواہ مُنڈا کا ذکر کر کے کڑھتی ہو۔ شادی ہو تو تم کو کیا اور نہ ہو تو تم کو کیا۔ بس اس پر لگیں واہی تباہی بے مطلب شعر پڑھنے اور ہم نے لاکھ لاکھ کہا۔ مگر انھوں نے ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا بالکل سکوت کا عالم۔ خاموش۔ تب تو ہم نے کہا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ جواب تو دو۔

روح:۔ اور جواب دیا بھی تو بے تکا بالکل۔

سپہر:۔ اب رو دھو کر وہاں جا کے سو رہی ہیں اس وقت۔

روح:۔ توبہ توبہ میرے تو ہوش اُڑ گئے تھے۔

بہار:۔ آخر یہ مُنڈا کو لے کر کرے گی کیا اس کو ہوا کیا ہے۔

سپہر:۔ اللہ جانے باجی۔ عقل ہی نہیں کام کرتی ہے۔

روح:۔ جنون ایک ہی طرح کا تھوڑا ہی ہوتا ہے کچھ۔

بہار:۔ آخر تقریر سے کیا معلوم ہوا یہ چاہتی ہے کہ اس کے ساتھ شادی نہ ہو یا یہ چاہتی ہے کہ اس کے ساتھ بھی ضرور ضرور شادی ہو۔

سپہر:۔ نہیں ضرور ضرور شادی ہو یہ سمائی ہے۔

روح:۔ وہ تو کہتی ہیں کہ ضرور شادی ہو۔

بہار:۔ یہ اُلٹی سمجھ۔ یہ سمجھ کا پھیر کہلاتا ہے بس۔
روح:۔ جیسے کوئی سیدھی بات کی ہی نہیں۔
سپہر:۔ صبح کو آج زینے پر رو رہی تھیں۔ میں نے کہا کیوں کیوں خیر ہے۔ بتایئے تو یہ ہے کیا ماجرا۔ تو ٹھنڈی سانس بھر کے یہ شعر سُنایا۔

موت مانگوں تو رہے آرزوِ خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

روح:۔ بھلا یہ کون بے موقع شعر تھا اول جلول۔
بہار:۔ ہاں۔ مگر دھن جو سمائی بس وہ سمائی۔
سپہر:۔ اب آرام کر کے انھیں تو ذری تم سمجھانا۔
بہار:۔ اے ہے۔ نہیں نہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔
روح:۔ اب تو اس بات کو بھلا ہی دینا چاہیے۔
بہار:۔ ہاں جیسے کچھ ذکر ہی نہیں ہوا تھا۔
سپہر:۔ مگر اُن کے دل سے بھی جائے جب مقدم تو وہ ہے۔
بہار:۔ وہ چاہے جا ہو۔ ہم تو اپنی طرف سے نہ کہا چاہیں۔
سپہر:۔ ہاں اس میں کیا شک ہے جہاں تک ہو لیں اچھا۔ اتنے میں مغلانی کو حکم دیا کہ جا کے دیکھو حسن آرا سوتی ہیں یا ہماری باتیں سُن رہی ہیں۔ اُس نے آن کے کہا حضور بالکل غافل سو رہی ہیں اور خواص نے اشارے سے کہا کہ آہٹ نہ معلوم ہو آرام میں ہیں سپہر آرا نے کہا چلو اچھا ہوا ذرا تھوڑی دیر سو رہیں تو طبیعت ہلکی ہو جائے اس وقت نصیب اعدا بڑی بری حالت تھی۔ نازک ادا نے جو دیکھا کہ بہار النسا اور روح افزا اور حسن آرا اور سپہر آرا سب غائب ہیں تو اپنی مِنّت خدمت کو بھیجا اور کہا کہہ دینا۔ ع طاقت مہماں نداشت خانہ بہ مہماں گذاشت ماشاء اللہ آؤ تو آؤ نہیں ہم جاتے ہیں۔ چہ خوش۔ اس پر بہار النسا نے ان کو بھی بلوا لیا۔ اور آہستہ سے سب حال بیان کیا کہ اتنے میں ایک خادمہ نے اشارے سے کہا کہ حسن آرا بیگم بیدار ہوئیں۔ مغلانی کو بھیجا تو اس نے آن کر کہا حضور خواص نے کہا کچھ لکھ رہی ہیں۔ ذری ٹھہر کے آؤ۔ منھ دھو کے بیٹھی کچھ لکھ رہی ہیں۔ سپہر آرا نے ولایتی انار کے دانے اور سیب کی قاش ایک پلیٹ میں بھیجی اور حسن آرا نے بڑی خوشی سے کھائی۔ خط لکھ کر خواص کو دیا اور کہا خبردار کھونے نہ پائے۔ حفاظت سے رکھنا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیر مرد کو چپکے سے بلوایا اور کہا یہ خط نام ہوٹل میں

جا کے خوبی کو ہماری طرف سے دینا اور اس کا جواب لانا۔ یہ کہہ کر حسن آرا بیگم نے دروازے کھلوا دیے اور ایک کتاب کا مطالعہ کرنے لگیں۔ بہار النسا آہستہ آہستہ گئیں۔

بہار:۔ یہ آج بے وقت آرام کرنا کیا معنی۔

حسن:۔ طبیعت ذری بے لطف تھی اس سے سو رہی۔

بہار:۔ کیوں خیر باشد۔ اب کیسی ہو۔ دیکھوں۔

حسن:۔ اب اچھی ہوں۔ فضل الٰہی ہے باجی۔

بہار:۔ مگر آواز کسی قدر بھاری ہے کیا نزلہ کام ہے۔

حسن:۔ ہاں کچھ ریزش کی سی شکایت پائی جاتی ہے۔

بہار:۔ تو آج چاء پی لو۔ یا صبح کو بنفشہ کشمیری۔

حسن:۔ بہت اچھا۔ اب تو فضل الٰہی ہے۔

بہار:۔ حسن آرا ریزش کی شکایت نہیں۔ خدا نا کردہ تمہارے دل پر کچھ اثر ہے۔ ہاں ہم سے نہ اڑو بہن۔ جو کچھ ہو بیان کردو۔

حسن:۔ جی نہیں۔ کچھ نہیں۔ دل کی ایک ہی کہی۔

بہار:۔ ایک ہی کہی۔ میں ایک تو مانوں گی نہیں۔

حسن:۔ یہ تو بات ہی اور ہے باجی جان۔ (مسکرا کر)

بہار:۔ بارے ہزار شکر کہ تم مسکرائیں تو اس وقت۔

حسن:۔ اے تو کیا میں کچھ روتی ہوں۔ واہ واہ۔

بہار:۔ اس وقت جو میں نے تم کو دیکھا تو پریشان پایا۔

حسن:۔ طبیعت ہی تو ہے بہن گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔

بہار:۔ تو چلو اب باہر چلو یہاں کیا کر رہی ہو۔

حسن:۔ اچھا آپ چلیں میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔

بہار:۔ واہ یہ تو وہی مثل ہوئی تو چل میں آتا ہوں۔

حسن:۔ (ہنس کر) جب انسان کی طبیعت اچھی نہیں ہوتی تو کوئی بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کسی بات کو جی ہی نہیں چاہتا۔

بہار:۔ اللہ نہ کرے۔ واہ یہ کیسی باتیں کرتی ہو۔

حسن :- اس! اور سنو اگر آپ کے دل میں کوئی شک پیدا ہوتا ہے تو چلیے جہاں کہیے چلی چلوں میرا اس میں کون ہرج ہے۔

بہار :- اچھا کچھ اچھے اچھے شعر پڑھو۔ معشوق کی رفتار کی تعریف میں یا اور جو چاہے۔

حسن :- بہت اچھا۔ اس وقت کیا شوق ہوا باجی۔

سرو را شرم قدت سلسلہ درپا انداخت

دیدہ تا طور خرام تو ز رفتار افتاد

بہار :- اچھا حسن وجمال کی تعریف کے شعر پڑھو۔

حسن :- رفتار سے حسن وجمال پر آرہی ہیں۔ اچھا۔

در تماشائے جمال او سراپا دیدہ ام

یک سر مو بر تنم بے لذت دیدار نیست

بہار :- کوئی شعر ایسا نہیں جو بھڑکا دے اُردو شعر ہوتا تو ہم سمجھتے فارسی کیا سمجھیں۔

حسن :- لے اب چلیے جہاں چلنا ہو اب طبیعت چاق ہے۔ بہار النسا اور حسن آرا اُس چھت پر آن کر متمکن ہوئیں جہاں ہمجولیاں بیٹھی تھیں۔ حسن آرا نے آہستہ سے یہ شعر پڑھا۔

چناں لبریز ذکر نام جاناں شد لب خشکم

کہ گر بوسم لب لعلش نگیں نام او گردد

نازک :- اللہ اللہ۔ معلوم ہوتا ہے خواب میں بھی وہی صورت زیبا نظر پڑی اور کیوں نہ نظر آئے۔ محویت بھی تو ہے۔

حسن :- اچھا پھر اس میں تعجب کی کون بات ہے۔

نازک :- کچھ نہیں۔ بلکہ ایسا نہ ہو تو تعجب کی بات ہے۔

حسن :- پھر تم ہی جانو۔

بہار النسا نے کہا اس گفتگو سے کچھ حاصل نہیں حسن آرا تم اُردو کے شعر پڑھو کسی استاد کے جو ہماری سمجھ میں آئیں۔

حسن :- بہت اچھا سنیے۔

ہوں خاک در اس کا جب فلک نے — گردن مرے سامنے جھکائی

امید نہیں رہی کہ دل کی — ایسے سے ہو کس طرح رہائی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

دوسرے دن صبح کو آزاد فرخ نہاد بعد غسل ہوٹل کے ایک چمن میں چہل قدمی کرتے تھے کہ دفعتہً منحوس الزماں خواجہ بدیع صاحب بدیع آنجہانی کی صورت پلید نظر آئی۔ خواجہ صاحب نے نہایت ادب کے ساتھ فراشی سلام کیا۔ اور کہا پیرو مرشد خداوند سے کچھ عرض کرنا ہے غلام کو اگر گوش ہوش سے سُنیے تو چشم ما روشن دل ما شاد ورنہ خانہ احسان آباد بندہ یار شاطر ہے نہ بار خاطر۔ ع ہر چہ از دوست می رسد نیکوست۔ آزاد نے مسکرا کر اشارہ کیا کہ جو کچھ فرمایا ہو فرمائیے اس پر خواجہ صاحب کے تیور بد دماغ ہوئے۔ فرمایا چہ خوش اب تک تو آدمی کی طرح بولتے چالتے اور اخلاق سے پیش آتے تھے۔ اب اشاروں اور آنکھوں سے باتیں ہونے لگیں۔ ابھی کیا ہے یا وحشت تیرا ہی سہارا ہے۔ خدا نے چاہا تو دو دن میں آنکھوں سے بھی جواب نہ ملے گا۔ کوئی کہے گا آداب عرض ہے۔ خداوند پیرو مرشد آداب بجالاتا ہے غلام۔ پیرو مرشد ہیں کہ ع۔ جوابی ندارد کمند ہوا۔ وہ آپ کیا کیجیے آپ کا کیا قصور ہے وہ تو اس زبان کو خدا نے تاثیر دی ہے۔ یہ تو کچھ صاحب لوگوں ہی کا ظرف ہے ورنہ اس ملک کا آدمی تو معاذ اللہ زمین پر قدم نہیں رکھتا۔ بات کروں کیا دماغ ہی نہیں ملتا۔ لو صاحب غضب خدا ہم تو جھک کر سلام کریں جس طرح کوئی بادشاہ وزیر کو سلام کرتا ہے اور آپ ہاتھ تک نہ اٹھائیں گردن تک کو جنبش نہ دیں۔ خیر آپ کو اختیار ہے۔ مگر یاد رکھو غرور جناب کے خلاف ہے۔ تواضع۔ بڑے کی تعظیم۔ معزز آدمیوں کی تکریم۔ علماء کی قدر و منزلت یہ باتیں سعادت میں داخل ہیں نہ کہ غرور و تکبر۔ اے لعنت خدا۔ جب خواجہ صاحب یہ بحر طویل ختم کر چکے آزاد نے حکم دیا کہ جو کچھ عرض کرنا ہو دست بستہ عرض کر۔ خواجہ صاحب بہت ہی اچھلے کودے۔ واہ بے واہ۔ رے تیری ڈانٹ ڈپٹ۔ چہ خوش چرا نباشد۔ یہ دھمکی جو کچھ عرض کرنا ہو دست بستہ عرض کر۔ عرض کر!!! اے تیری قدرت۔ اور پھر کوئی نفرا ہو یا کوئی ایسا ویسا ہو تو خیر مضائقہ نہیں۔ بندۂ درگاہ۔ عالی خاندان۔ معالی دودمان۔ وگلے والی پلٹن کا کمیدان شاہی کے بانکے رسالہ دار کل چلے شہسوار باپ کیسے دادا کیسے مشہور۔ خاندان کیسا نجیب الطرفین و شریف الجانبین حسب نسب سے درست ہماری شان میں یہ کلمہ کہ عرض کر۔ یعنی اُو نفرے غلام عرض کر۔ خیر۔ انقلاب زمانہ اسی کو کہتے ہیں۔ آزاد کا جی چاہتا تھا کہ اس وقت خواجہ صاحب کو خوب چھیڑیں۔ روزی دو گھڑی دل لگی ہی ہو۔ انھوں نے کل باتیں سُن کر جواب دیا۔ حضرت سلامت سُنیے آپ بدیع الزماں۔ بھائی رئیس الزماں۔ باپ فصیح الزماں دادا آپ کے فقیر الزماں۔ عم بزرگوار سفیہ الزماں۔ آپ نواب آصف الدولہ بہادر کے خاندان سے بھی۔ بس مگر یہ کیا

سبب ہے کہ مس میڈا کے ہاں آپ پانس والے بن گئے اور جب آپ سے اور آپ کے بڑے بھائی خواجہ رئیس الزماں سے ملاقات ہوئی تو آپ کے باپ کی قلعی کھل گئی۔ کہ وہ انڈے بیچا کرتے تھے۔

یہ سُننا تھا کہ خوجی آگ ہو گئے۔ بدن کانپنے لگا۔ چہرہ سُرخ قہر آلود نظر سے آزاد کو گھورنا شروع کیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو کھا جائیں گے۔ اللہ رے غتاب! آزاد کا ہنس دینا اور بھی غضب ہو گیا۔ خواجہ صاحب سے اب ضبط نہ ہو سکا اور دانت پیس کر غل مچا کے کہا۔ یا خدایا مجھے موت دے —— یا ان کو عقل دے۔ ہم شہزادے ہیں۔ سُنا آصف الدولہ۔ نہیں ہم شاہ عباس کی نسل سے ہیں۔ جن کے ہاں طاہر وحیدر نوکر تھا اور ہمارے دادا کو طاہر وحید نے پڑھایا ہے۔ سمجھا ہم وہ لوگ ہیں۔ مگر۔

حقوق خدمت صد سالہ لعب اطفال ست

بہ کشورے کہ درو کودکان خداوند اند

اگر کسی دوسرے کے ساتھ اس قدر ریاض کیا ہوتا تو بزرگ سمجھتا اور آنکھوں میں جگہ دیتا مگر تم سے کون کہے۔ تمہارے سامنے رونا اپنی آنکھیں کھونا ہے آزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ خواجہ صاحب یاد رکھیے گا ایک ہوئی۔ آپ نے در پردہ ہمیں اندھا بنایا ہے۔ ہم بھی غور کر کے اس کا جواب دیں گے۔ خوجی بولے۔

غور ندانم کہ کرا گفتہ است

خواجہ بدیع برملا گفتہ است

آزاد نے اس شعر پر فرمائشی قہقہہ لگایا۔ واہ خواجہ واہ، دم غنیمت ہے، مگر شعر تو وہ برجستہ پڑھا جس میں عروض کا بھی قافیہ تنگ کر دیا ہے۔ اول تو خواجہ بدیع میں سقوطِ عین ضروری چاہیے۔ کیوں کہ مذکور آنکھوں کے اندھے کیا معنی، عقل کے اندھے ہیں۔ دوسرا حسن یہ ہے کہ سارا زمانہ برملا بروزن ہر بلا باندھتا اور بولتا ہے۔ اور ہمارے خواجہ بدیعا اس کو مشدّد باندھتے ہیں۔ (ہر ملّا) اے سبحان اللہ تو آج سے ہم بھی آپ کو خواجہ بدیع کے عوض (برملّا) ہمیشہ خواجہ بدّی کہا کریں گے۔

اس تقریر کے بعد آزاد ایک روش میں کرسی پر متمکن ہوئے، اور وہ دونوں شاہدانِ مہ پارہ پری چہرہ ناز و ادا کے ساتھ آئیں، اور سامنے کرسیوں پر بصد نازِ برشان برنائی و کج ادائی، بیٹھیں۔ خواجہ صاحب کو دیکھا تو دونوں غنچہ لب بے اختیار ہنس دیں۔ اور خواجہ صاحب نے آزاد کے سنانے کے لیے اُردو میں کہا۔ واہ رے میں اور واہ رے میرے چہرے۔ اور واہ ری میری وجاہت۔ اور واہ رے میرے حُسن۔ ہرنے میں برق ہوں۔ بقول ایک پنڈت کے میرے پاس موہنی ہے۔ یا خدا جانے کیا اس نے کہا اُس نے کہا تھا۔ جو دیکھتی ہے چاہے دو سو برس کی کھپٹ پیر زال چاہے تیرہ چودہ برس کی پانزدہ سالہ ہو۔ مجھے دیکھا اور باچھیں کھل گئیں۔ یہ خدا کی دین ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ لوگ حاسد ہیں۔ اور بعض بعض کو یہ بھی جنا دامن گیر

ہے کہ ہم بڑے حسین ہیں۔ مگر اس جنون کی انتہا ہی نہیں۔ اس سن وسال میں شنجرف سے رخسارے ہیں اور آنکھوں سے خون برستا ہے۔ مِیڈا کو بھی بندہ راہ پر لے ہی آیا تھا۔ مگر چغل خوروں نے چغلی کھائی۔ مس روز تو ہزار جان سے ایں جانب پر شیدا تھیں، تو سبب کیا کہ وہ خود کشیدہ قامت تھی، اور میاں دراز قد ہی ڈھونڈھتی تھی۔ لہذا ایں جانب کو پورا جوان فوج کے قابل پا کے ریجھ گئیں اور گیل الگ مرتی تھی۔ سبز پوش الگ جان دیتی تھی۔ الغرض واہ رے خواجہ بدیعا اور اُف رے تیرا حسن۔ یہ خدا کی دین ہے کبھی گم نہ ہوگا۔ اس کو روز بروز ترقی ہے۔ خزاں کا کیا حقیقت ہے۔ یہ سدا بہار چمنستان ہے۔ خزاں کا خوف نہ صرصر کا ڈر۔

گل ہمیں پنج روز وشش باشد

دین گلستاں ہمیشہ خوش باشد

مس میڈا اور مس کلیرسا نے جوان کو آپ ہی آپ اول جلول بکتے دیکھا تو قہقہے پر قہقہہ لگایا۔ یہ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے کہ یہ دونوں گلرخان فرنگ اس حسن گلوزیر پر ایسی شیدا ہوئی ہیں کہ اظہار عشق کر دیا۔ ضبط نہ کر سکیں۔

میڈا:۔ آزاد یہ آخر اس وقت بک کیا رہا ہے۔

آزاد:۔ بالکل اول جلول محض بے تکی باتیں بکتا ہے۔

کلیرسا:۔ ہم جانتے ہیں اس کو کسی قدر خللِ دماغ ہے۔

آزاد:۔ کسی قدر! کو ستی ہو۔ خاصہ دیوانہ خبط الحواس ہے۔

میڈا:۔ اس کو اللہ نے اسی لیے بنایا ہے کہ اس کو دیکھ کے لوگ ہنسیں۔

کلیرسا:۔ ہاں میرے دل کی بات کہی۔ عجب مسخرہ ہے۔

میڈا:۔ ہاتھ پانوں، آنکھ ناک، منھ لباس، سب نرالا ہے۔

کلیرسا:۔ اور باتیں! کبھی ختم ہی نہ ہوں۔ اور بے مطلب۔

آزاد:۔ اب انتہا یہ ہے کہ دن بھر بکتا رہے مگر ممکن نہیں کہ ایک بار بھی سچ بات زبان سے نکالے جو کہے گا خرافات بے سر و پا کہانی۔

کلیرسا:۔ ان کو ذرا چھیڑو تو۔ دیکھو تو کہتے کیا ہیں۔

میڈا:۔ جو اپنی خرابی آئی ہو تو چھیڑو۔ ورنہ سڑی سودائی کے منھ کون لگتا ناحق۔ کچھ بک اُٹھے۔ گالی دے بیٹھے۔ کون ٹھکانا ہے۔

آزاد:۔ (ہنس کر) ایسا سڑی نہیں بے خوجی (اردو میں)

دیوانہ بکار خویش ہشیار

خوجی :۔ (آہستہ سے) خوجی کی ایسی تیسی مردود کی اور کہنے والے کو تو کیا کہوں۔ خوجی کسی بھٹیاریے کے بھٹ میں رہنا ہوگا۔ ہو۔

کلیرسا :۔ کیا کہتا ہے؟ تم نے اُردو میں کچھ کہا تھا وہی سُن کے کسی قدر بگڑا ہوا ہے شاید۔ ہاں۔ مگر کہا کچھ آہستہ ہی سے۔ بہت آہستہ سے۔

آزاد :۔ میں نے جو خوجی کہا تو بہت بگڑے کہ خواجہ صاحب کیوں نہیں کہتے۔ ہم تو خوجی ہی کہیں گے جس کا باپ انڈے بیچتا تھا اُس کو خواجہ صاحب کوئی اور کہتے ہوں گے ہو مل کے شہیدوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں بچہ۔ چہ خوش۔ اور اوپر سے تڑاتا ہے۔ اگر اچھی طرح رہنا ہے تو رہ نہیں کھڑے کھڑے نکال دوں گا مردک کو۔ اور مینے برابری کا دعویٰ کرتا ہے۔

خوجی :۔ (اکندے تول کے) کیا! کیا! کیا کہا۔ کیا :۔

آزاد :۔ (کلیرسا سے) اب بہت ہی تیکھا ہوگا اور بکے گا۔

خوجی :۔ ادھر چار آنکھیں کرو صاحب۔ ہم کو نکال دو گے۔

خانساماں :۔ کیا ہے خواجہ جی صاحب کیا ہے کیوں بگڑ گئے۔

خوجی :۔ تو چپ رہ قلی۔ خواجہ جی اور مینیے گا۔

خانساماں :۔ میں نے تو آپ کی عزت کی کہ خواجہ جی صاحب کہا۔

خوجی :۔ اب ہمیں کچھ نہ کہیے۔ ہم درگذرے جناب۔ ماشاء اللہ۔ ادنیٰ سا خانساماں اور ہم سے اس طرح پر پیش آئے۔ مگر تم کیا کرو بھئی ہمارا زمانہ ہی بکام نہیں ہے۔ تم بھی مجبور خیر جو چاہو سُناؤ۔ اب ہم یہاں سے کوچ ہی کرتے ہیں۔ جہاں ہمارے قدردان ہیں وہاں جائیں گے۔

خانساماں :۔ اور یہاں سے بڑھ کے آپ کے قدردان کہاں ہیں خواجہ جی صاحب۔ کھانا آپ کو دیں۔ کپڑا بنوا دیں مروت سے پیش آئیں پھر اب اور کیا چاہتے ہو کیا کوئی کسی کو اپنا گھر اُٹھا دیتا ہے۔

خوجی :۔ سچ ہے بھائی جان سچ ہے۔ ہم اِن کے دست نگر ہیں انھیں سے قسم لو۔ اور اُن سے کہو کہ قرآن اٹھائیں ان کے باپ دادا ہمارے بزرگوں کے دست نگر تھے یا نہیں۔ مگر شیخ گفتہ است۔

آدمی را بچشم حال نگر

از خیال پدری ودی بہ گذر

آزاد :۔ یا حضرت۔ ذرا ادھر ملاحظہ فرمائیے گا۔

خوجی:۔ سو سنار کی تو ایک لوہار کی۔ جی سنت۔
آزاد:۔ ہمارے باپ دادا آپ کے دست نگر تھے۔
خوجی:۔ جی۔ کیا اس میں کچھ شک بھی ہے۔ دریں ہیچ شکے وشبہ وشک وبے شائبہ ریب نیست بابائے من بدریں گرگنتہ اندر۔

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند وبس

اللہ باقی من کل فانی۔ افسوس۔

آزاد:۔ اور آپ کے بڑے بھائی کہاں غائب ہیں۔
خوجی:۔ وہ اللہ والے لوگ ہیں ان کا ذکر نہ کیجئے۔
آزاد:۔ بجا ارشاد ہوا تو اللہ والے لوگوں کا ذکر کرنا گناہ ہے اچھے اللہ والے لوگ ہیں۔
خوجی:۔ آپ تو ہم لوگوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں مگر۔

خاکساران جہاں رابحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

اتنے میں خانساماں نے دور سے کہا۔ حضور خواجہ صاحب کو ایک شعر یاد ہے اُس کے معنی سب سے پوچھتے پھرتے ہیں۔ کل ساری بازار میں جو ملا اُس سے اُسی شعر کے معنی پوچھے اتنی بار پڑھا کہ مجھے یاد ہوگیا۔

چار بودم سہ شدم اکنوں دوم
از دوئی چوں کم شوم یکتا شوم

اتنا سُننا تھا کہ خوجی آگ بھبھوکا ہوگئے اور ایک توا جو سامنے رکھا ہوا تھا اٹھا کر خانساماں کی طرف دوڑے دوڑنا ہی تھا کہ منہ کے بھل گرے اور تڑپنے لگے۔ تو اتفاق یا یوں کہیے کہ خوجی کی شامت اعمال سے اس قدر گرم تھا کہ الامان۔ اٹھا کے دوڑنے بھی نہ پائے کہ ہاتھ جل گیا ادھر خود گرے اُدھر توا گرا۔

خانساماں:۔ (دوڑ کر) یا علی۔ بچائیو۔ ارے۔!!!
بیرا:۔ توا تو جل رہا تھا۔ ہاتھ جل گوا ہو ہیئے۔
آزاد:۔ خواجہ صاحب خیریت تو ہے۔ کیا توا گرم تھا۔
خانساماں:۔ حضور مثال بھٹی کے جل رہا ہے توبہ توبہ۔
آزاد:۔ (قریب جا کر) سینک دو۔ سینک دو۔ آگ لاؤ۔

منیڈا:۔ (افسوس کرتی ہوئی) ڈاکٹر کو فوراً بلاؤ آزاد۔

کلیرسا:۔ (رقت کے ساتھ) بے چارہ خوجی! ڈاکٹر کو بلاؤ۔

خانساماں:۔ جی ڈاکٹر کا کچھ کام نہیں ہے حضور۔

آزاد:۔ ایک آدمی کو بھیج دو کہ ٹٹو ڈاکٹر کو بلا لائے۔

خانساماں:۔ خواجہ صاحب۔ کیسے کیسے کمیدان ہو جی۔

آزاد:۔ ارے میاں مرد ہو یا ہجو کری ہو اُٹھ بیٹھو۔

خانساماں:۔ بسم اللہ۔ اٹھ بیٹھو۔ بھائی۔ شاباش۔

آزاد:۔ خوب سیکو۔ خوب سبکو خدا نے بچا لیا۔

خانساماں:۔ جس وقت گرے تھے اُس وقت اگر توا خواجہ صاحب کے سر پر گرتا تو کھوپڑی جل بھن کے خاک ہو جاتی۔

آزاد:۔ (چھیڑنے کے لیے) یہ توا ان کے پاس کیوں آیا۔

خانساماں:۔ (مسکرا کر) خدا جانے کیا موجھی تھی ان کو۔

خواجہ صاحب کی یہ کیفیت تھی کہ۔ ع۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ خانساماں نے برآمدے میں ایک پلنگ بچھایا اُس پر بستر لگایا اور دو آدمیوں نے مل کر خواجہ صاحب کو اٹھایا۔ کہ وہاں سے لا کر برآمدے میں لے جائیں۔ جس وقت اُن کو ہاتھوں ہاتھ لے چلے ایک ظریف بول اٹھا۔ کلمہ نبی کا۔ دوسرے نے کہا لاالہ الا اللہ۔ آزاد کو اس قدر ہنسی آئی کہ ضبط نہ کر سکے۔ علیحدہ جا کے خوب ہنسے اور خوجی عقل کے دشمن تو تھے ہی ان کو یقین ہو گیا کہ دم واپسیں ہے رہے سہے حواس غائب غلہ۔ اب اوپر کے دم بھرنے لگے آزاد نے جوان کی یہ کیفیت دیکھی تو ان کو سخت تعجب ہوا کہ چلتے توے کے اٹھانے اور دم نکلنے سے کیا واسطہ۔ نبض دیکھی تو خاصے بھلے چنگے صحیح آدمیوں کی طرح چل رہی ہے۔ خانساماں اور ہوٹل کے اند ملازم اِرد گرد کھڑے ان کو بنا رہے تھے۔ اور خود منیجر کو ایک دل لگی ہاتھ آئی تھی۔ لیکن آزاد کے لحاظ سے منیجر علیحدہ کھڑا ہو گیا اور بیرا وغیرہ برابر خوجی کو بناتے ہی گئے۔

بیرا:۔ ابھی ابھی بچروا اچھے تھے۔ ہائے ہائے۔

خانساماں:۔ بھائی دنیا اسی کا نام ہے۔ زندگی کا اعتبار کیا ہے۔

دوسرا:۔ ان بے چارے کی مٹی ان کو یہاں کشاں کشاں لائی تھی۔

محرر:۔ اور ابھی نوجوان آدمی ہیں سن ان کا کیا ہے۔

خانساماں:۔ جی اور کیا مگر موت سے کوئی لڑ سکتا ہے۔

محرر:۔ کوئی نہیں۔ اجل سے کسی کی بھی چلی ہے۔ توبہ توبہ۔

آزاد:۔ کیا حال کیا ہے۔ میاں خوجی کیسے ہیں۔

محرر:۔ خداوند خوجی بے چارے کا بہت تپلا حال ہے۔

راوی:۔ خوجی کا لفظ سننا تھا کہ رنگ مارے غصے کے متغیر ہو گیا۔ مگر چونکہ عالم نزاع اور دم واپسیں تھا لہٰذا کچھ بول نہ سکے۔

محرر:۔ حضور اب ان کے گور گڑھے کی فکر فرمائیے۔

راوی:۔ گور گڑھے کے لفظ پر خوجی اور بھی جل گئے۔

آزاد:۔ کسی مولوی کو بلواؤ خواجہ صاحب کا دم آخری ہے۔

محرر:۔ واہ خداوند۔ یہ نہ ہونے کا۔ ہم نے کبھی اُن کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ نماز جنازہ کوئی کاہے کو پڑھنے لگا۔

آزاد:۔ نہیں بھئی۔ اب اس وقت یہ ذکر نہ کرو میاں۔

محرر:۔ خداوند حضور مالک ہیں مگر یہ مسلمان نہیں ہے۔

آزاد:۔ اچھا پھر اب تو اس بے چارے پر رحم کرنا چاہیئے۔

راوی:۔ خوجی کا اگر بس چلتا تو محرر کی بوٹیاں نوچ لیتے۔ مگر اس وقت تو وہ اپنے نزدیک اوپر کے دم بھر رہے تھے۔

خانساماں:۔ گورکن کو بلاؤ۔ ان میں اب کیا ہے۔

دوسرا:۔ یہی سامنے والے تکیے میں اِن کو توپ دو۔

راوی:۔ خوجی کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ مگر مجبور۔ توپ دو۔ یہ کلمہ بے ادبی یہ نہیں کہتے کہ جناب خواجہ بدیع الزماں صاحب کو کہ مرد باکمال تھے مزار میں دفنا دو۔ بہت ہی خاصے

آزاد:۔ ڈاکٹر کو آنے دو۔ شاید زندہ ہو جائیں۔

محرر:۔ اجی حضور مردے بھی کہیں زندہ ہوا کیے ہیں بھلا۔

آزاد:۔ افسوس ہے کیا خوب آدمی تھا خوجی بیچارہ۔

خانساماں:۔ لاکھ سڑی سودائی خبطی تھے۔ مگر نیک دل۔

بیرا:۔ تنک تنک بنی۔ مُدا تنک ہی تنک۔

راوی:۔ خوجی اپنا خون پی کے رہ گئے۔ مجبوری۔

آزاد:۔ اب تو نبض صحیح ہے (نبض دیکھ کر)

محرر:۔ جی نہیں اب ان کو مل کے توپ ہی دیجیئے۔

آزاد:۔ اور نمازہ جنازہ اور غسل۔ اور کفن۔

محرر:۔ ان ایسے بے وارثوں کو کفن اور غسل اور نماز جنازہ سے کیا واسطہ جہاں چاہے توپ دیجیئے۔

آزاد نے محرر کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا اور محرر نے جا کے آہستہ سے کہا دگھڑی دو میں مُرلیا باجے گی) ا

خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع دم بخود سب کی سنتے تھے مگر خون پی کے رہ جاتے تھے جس وقت محرر نے ان کے کان میں جا کے کہا دگھڑی دو میں مُرلیا باجے گی، اگر بس چلتا تو محرر کی بوٹیاں نوچ نوچ کے چیلوں کو دیتے اور گھنٹوں "چیل چلو" پکارا کرتے مگر بیچارہ مجبور تھا۔ کرتے دھرتے کچھ بن ہی نہ پڑتی تھی اور گھڑی دو میں مرلیا باجے گی کا سُنا تھا کہ اور بھی ستم ہو گیا تھا۔

بیرا:۔ خوجی۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔

خانساماں:۔ خواجہ جی کیسے اب کتنی دیر میں مرلیا باجے گی۔

آزاد:۔ اب اس وقت کیا بتائیں بیچارے افسوس ہے۔

خانساماں:۔ افسوس کا ہے کا حضور۔ اب مرنے کے تو دن ہی تھے۔ جوان جوان مرتے جاتے ہیں یہ تو اپنی عمر تمام کر چکے۔ اب کیا عاقبت کے بورے بٹوریں گے۔

آزاد:۔ ہاں ہے تو ایسا ہی مگر جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ چاہے دو سو برس کا ہو کے مرے مگر مرتے وقت تمنا رہ جائے گی کہ ہائے اور دس برس زندہ رہتا۔

خانساماں:۔ تو حضور یہ تمنا تو اس کو ہو جس کا کوئی رونے والا ہو اُن کے ہے کون۔ بے وارثے آدمی۔

آزاد:۔ لو اور سُنو۔ اُن کے کوئی ہے ہی نہیں۔ بھائی ہیں۔

خانساماں:۔ وہ اُن سے بڑھ کر خبطی ہیں۔ بالکل سڑان۔

اتنے میں ہوٹل کا ایک بیرا ایک شخص کو حکیم بنا کر لایا۔ آزاد سمجھ گئے کہ مصنوعی حکیم صاحب آئے ہیں۔ کرسی لاؤ کچھ بیٹھنے کو حاضر کرو حکیم صاحب آئے کرسی بچھائی گئی۔

آزاد:۔ کرسی پر بیٹھے جناب حکیم صاحب قبلہ۔

حکیم:۔ واہ یہ گستاخی مجھ سے نہ ہو گی۔ حضور بیٹھیں۔

آزاد:۔ تعظیم کاری گران معاف۔ آپ تشریف رکھیں۔

حکیم :- جی ہیں۔ میں ہرگز نہ بیٹھوں گا۔ بے ادبی ہوگی۔

آزاد :- حکیم صاحب مریض کی جان جاتی ہے اور آپ تکلف کرتے ہیں۔

حکیم :- چاہے مریض مر جائے مگر میں وضع کا پابند ہوں۔

راوی :- خوجی اس تقریر سے بہت ہی خوش ہوئے۔ حکیم صاحب نے آتے ہی اچھی سُنائی۔ چاہے مریض مر جائے مگر وہ تکلف نہ چھوڑیں گے۔ اچھے حکیم صاحب سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مریض کے منہ پر بے تکلف نڑ سے کہہ اُٹھے کہ چاہے مریض مر جائے۔ حکیم کی صورت سے خوجی کو نفرت ہو گئی۔

آزاد :- اب آپ تکلف تکلف میں مریض کی جان لیں گے۔

حکیم :- اگر قضا ہے تو مرے ہی گا۔ میں وضع کیوں چھوڑوں۔

آزاد :- (دوسری کرسی پر بیٹھ کر) اب تو بیٹھیے حضرت۔

حکیم :- (کرسی پر متمکن ہو کر) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

آزاد :- (خوجی کے کان میں زور سے، حکیم صاحب آئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے حکیم صاحب کو سلام کر کے ہاتھ بڑھائے۔

حکیم :- (نبض پر ہاتھ رکھ کر) اب کیا باقی ہے۔

آزاد :- ہائے افسوس کیا خوجی چل بسے۔ ارے میاں خوجی۔

حکیم :- ابھی تین چار دن کی نبض ہے۔ مگر اس وقت ان کو آبِ سرد سے غسل ہو تو بہتر ہے۔ بلکہ اگر پانی میں برف ملا دیجیے تو اور بھی بہتر ہے۔

آزاد :- بہت خوب۔ ابھی اسی دم۔ برف منگوا لو۔

حکیم :- برف ایسا کہ کوئی بس ہاں دو من تک ہو۔

محرر :- اچھی تدبیر کی حکیم صاحب نے۔ دیکھا کہ تین چار دن کی نبض ہے لہٰذا وہ فکر کی کہ اسی دم اینٹھ کے سرد ہو جائے۔

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلّاد نے جاتے جاتے

حکیم صاحب نے ان کی خوب ہی فکر کر دی۔

خانساماں :- اب غسّال بلایا جائے۔ حضور والا نہیں۔

محرّر :- ہمیں کیوں تکلیف دیتے ہو خواجہ صاحب۔ اب مرو۔

آزاد:۔ یہ بھی اپنا اختیاری امر ہے کچھ۔ افسوس وائے افسوس۔

حکیم:۔ افسوس کی کون بات ہے۔ مرنے دو مردود کو۔

راوی:۔ خوجی نے دانت پیسنا شروع کیا۔ ہائے نہ ہوئی قرولی۔

خانساماں:۔ بھلا گیدی بھلا۔ دانت پیسنا ہے کیوں۔

اتنے میں مس مینڈا نے آزاد کو بلوایا اور کہا تم اتنے بڑے تجربہ کار آدمی ہو کر یہ تم کو کیا سوجھی کہ خواہ مخواہ بھلے چنگے آدمی کو مارے ڈالتے ہو ایک تو وہ یوں ہی انتہا سے زیادہ خبطی ہے۔ دوسرے تم نے اور بھی اُلّو بنا لیا۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ جب اس سے جان بوجھ کے کہتے ہو کہ اب اُس میں کیا باقی ہے۔ ہائے افسوس بیچارہ چل بسا۔ تو وہ مرتا نہ ہو تو مر جائے۔ ایک کہتا ہے خوجی آپ مرد۔ ہم کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ دوسرا کہتا ہے اجی ان کو چل کے کہیں توپ دو۔ اے سبحان اللہ۔ تیسرا کہتا ہے۔ اس بے وارثے کا مرنا ہی اچھا۔ خواہ مخواہ کسی کے قتل سے کیا فائدہ ملے گا۔ سوچیے تو اپنی اس لغو حرکت مذاق پر کمال شرمندہ اور سخت نادم ہوئے۔ کہ واقعی اس طرح پر تو اچھا بھلا چنگا صحیح تندرست ذی فہم آدمی بھی مر جائے تو عجب نہیں۔ نہ کہ خوجی سا مخبوط الحواس۔ دشمن عقل۔ جب سب کے سب چوطرفہ سے یہی کہیں گے تو خواہ مخواہ اس کو یقین ہو جائے گا کہ اب دم واپسیں ہے کلیرسا نے بھی ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اے واہ۔ بالکل بچوں کی سی باتیں۔ دو چار ہوٹل والوں کو جمع کر کے خوجی بیچارے کا خون اپنی گردن پر لینا کون سی دانائی ہے بھلا۔ اور جو مارے وہم کے مر جائے تو عذاب کس کے سر ہو۔ اس بیچارے کو جب سب نے مل کے چھیڑا تو جھلا کے توالے کے مارنے کو دوڑا۔ وہاں لینے کے دینے پڑے اب اس کی دوا کی تو کوئی فکر نہیں کرتا سرہانے کھڑے یہ رہے ہیں کہ اب جان نکلی اور اب دم نکلا آزاد نے مسکرا کر کہا۔ دوا سے تو ہم بے فکر نہ تھے۔ دوا تو لگائی گئی ہے۔ مگر ہاں اس کی حماقت دیکھ کر یہ البتہ جی چاہا کہ تھوڑی دیر اس کو بنائیں یہاں سے اٹھ کر آزاد خوجی کے پاس گئے تو دیکھا کہ خواجہ صاحب نے کروٹ بدلی ہے اور آرام میں ہیں۔ خانساماں نے کہا۔ حضور برف کا پانی بنا رہے۔ اگر حکم ہو تو ان پر پڑے ڈالے جائیں۔ اس قدر سننا تھا کہ خوجی کی آنکھ کھل گئی۔ اور بڑی حقارت کی نظر سے خانساماں کو دیکھا۔ آزاد نے کہا اب آپ اچھے ہیں جناب خواجہ صاحب۔ برف کے پانی کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ اب آپ آرام فرمائیں۔ یہاں سے چارپائی اٹھا کر خواجہ صاحب کو اس برآمدے میں لائے جو آزاد کے کمروں کے قریب تھا۔ اور خواجہ صاحب آرام کے ساتھ سو لئے۔ آزاد کے کمرے میں جا کر ایک پلنگ پر لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ مس مینڈا اور کلیرسا بھی دوسرے کمرے میں سو رہیں۔ حسنِ اتفاق سے آزاد اور خوجی دونوں نے اپنے اپنے طرز کا خواب دیکھا۔

خواجہ صاحب خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑی کوٹھی میں حضور مدعو ہیں اور قدِ آدم تھال مٹھائی کے ان کے اردگرد چنے ہوئے ہیں۔ امرتی اور جلیبی اور برفی اور گلاب جامن اور لڈو اور پیڑے اور حلوا سوہن اور کھاجا اور دودھ اور کئی قسم کی کھیر۔ کمرا بھر میٹھی چیزوں سے پٹا پڑا ہے اور مکھی کا نام نہیں اور خواجہ صاحب برابر مٹھائی چکھ رہے ہیں۔ سامنے قرولی رکھی ہے۔ ایک طرف فرابنچہ اور مس روز کی آمد آمد کی خبر ہوئی۔ یہ استقبال کے لیے گئے۔ اُن کو ساتھ لے کر کمرے میں گئے۔ معشوقہ پری زاد سے خواجہ بدیعا صاحب میٹھی میٹھی باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک سپاہی تلوار ہاتھ میں لیے داخل ہوا پوچھا کیوں۔ کہا مس روز کے چاہنے والے خواجہ صاحب نے جھلا کر مس روز کی طرف دیکھا۔ اس نے سپاہی کو اشارے سے بتھایا تو یہ آگ ہو گئے۔ کہا کون ہو جی۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ مس روز کے چاہنے والے۔ اُس پر خوجی نے غل مچا کر کہا او گیدی۔ گیدی کا کہنا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ اور گھبرا کر چارپائی سے اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گاڑی آہستہ آہستہ آرہی ہے مگر بند۔ غور سے دیکھا تو کوچ بکس پر وہی خدمتگار بیٹھا تھا جو بی کندن کی گاڑی کے ساتھ اس روز آیا تھا۔ ہوش غائب ہو گئے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ اتنے میں گاڑی قریب آئی۔

خدمتگار :- خوجی۔ اُٹھ۔ بیگم صاحب بلا رہی ہیں۔

خوجی :- یہ اُٹھ کیا معنی ہے۔ کیا ہم نفرے ہیں کچھ۔ معقول۔

بیگم :- اب آتا ہے مونڈی کاٹے یا نخرے کرتا ہے۔

خوجی :- بہت ہی خوب یک نہ شد دو شد۔ کیا ہے کیا۔

بیگم :- یہاں تک آمرے کیا اٹھا نہیں جاتا۔

خوجی :- یا الہی۔ آخرش کیا ہے کیا۔ آپ کون ہیں معلوم تو ہو۔

بیگم :- قادر۔ پکڑ لا اس کو۔ اور سنو موا ٹرا کے بات کرتا ہے۔

خوجی :- (اُٹھ کر) دیکھوں تو بھئی کیا ماجرا ہے ارشاد حضور۔

بیگم :- سامنے آ جان کاہے کو نکلی جاتی ہے۔ موئے۔

خوجی :- سنو صاحب۔ من من بدیع کمیدان سخن خام بات نہیں شنیدہ۔ بس اس میں مرد ہو یا عورت کیسے باشد۔ آدمیت سے گفتگو کرو۔

بیگم :- (گاڑی سے ہاتھ نکال کر خوجی کے کان گرما دیئے۔)

خوجی :- اسی واسطے بلایا تھا خیر۔ کیا مضائقہ۔

عاشقاں کشتگاں معشوق اند برنیاید ز کشتگاں آواز

بیگم :- خوجی تیرے مزاج سے یہ وحشت کب جائے گی۔

خوجی :- بیگم صاحب جتنے آدمی حسین ہیں سب قاعدہ ہے۔

بیگم :- کہ وحشی ضرور ہوں گے۔ واہ اچھا قاعدہ نکالا ہے۔

خوجی :- ہیں مردک کون قاعدہ نکالنے والا ہوں صاحب۔

بیگم :- اچھا گاڑی میں آؤ تو معاملے کی باتیں کرلیں۔

خوجی :- آپ وہاں چپتیائیے گا۔ یہاں تو آپ نے کان گرما ہی دیئے وہاں تو شاید مار ہی ڈالیے گا۔ آپ معشوقوں کا اعتبار ہی کیا ہے۔ مگر خیر قہر درویش برجان درویش۔

راوی :- یہ کہہ کر خواجہ بدیع صاحب گاڑی کے اندر گئے دیکھا ایک سمت صدر میں بیگم صاحب بصد ادا بڑے ٹھاٹھ سے نکھار کرکے بیٹھی ہیں اور دوسری سمت دو خادمائیں ادب کے ساتھ۔ خواجہ صاحب صدر کی خالی جگہ میں بیٹھنا اپنی حیثیت اور وضع سے بڑھ کر سمجھے۔ لہذا کھڑے رہے۔ بیگم نے ایک خادمہ کو جو صاف ستھرے کپڑے پہنے تھی اپنے قریب بٹھالیا۔ اور سامنے کی خالی جگہ میں بیٹھنے کی خوجی کو اجازت دی اور یوں ہم کلام ہوئی سنو خوجی۔ انسان کے یہ معنی ہیں کہ کوئی بات خلافِ عقل نہ کرے۔

چہ اکارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

آزاد گو بڑے جیوٹ کے آدمی ہیں۔ جری ہیں۔ جیالے ہیں۔ بانکے ہیں۔ فوج میں نام کیا۔ غنیم کو نیچا دکھایا پڑھے لکھے عالم فاضل آدمی ہیں۔ تجربہ کار بھی مگر عاقبت اندیش نہیں ہیں ان کی منکوحہ بیوی ہوں۔ تم کوئی ایسی فکر کرو کہ وہ اس مسودے کی نقل کرکے اپنے ہاتھ سے اس پر دستخط کر دیں۔ پس اگر یہ فکر کردو تو جو روپیہ اس دن تمہاری جیب سے نکال لیا گیا تھا وہ تم کو واپس ملے اور آزاد کو ہم بدنام بھی نہ کریں اور تم کو کچھ رشوت بھی دیں خوجی دشمن عقل تو تھے ہی بے سمجھے بوجھے کاغذ لے لیا اور کہا ابھی نقل کرا کے لاتا ہوں آزاد کے دستخط تمہارے سامنے ہوں گے۔ مگر پھر تم اس بے چارے کو بدنام نہ کرنا اور اس عورت سے کہدینا کہ مجھ پر شوہریت کا دعویٰ نہ کرے از برائے خدا۔ بیگم بولی۔ خوجی تم تو خبطی ہو۔ ارے نادان اُس عورت نے فقط تیرے بنانے کے لیے کہا تھا۔ مگر آزاد نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اور خوب یاد رکھنا کہ اگر آزاد نے اس کاغذ کی علیحدہ نقل کرکے اپنے خاص دستخط نہ کردیئے تو میں کل ہی کو نالش جڑ دوں گی۔ خواجہ صاحب نے کاغذ لیا اور آزاد کے پاس گئے۔ دیکھا تو سو رہے ہیں۔ پانوں دبا کر کہا۔ حضور اب اٹھیں۔ بس اب آرام ہو چکا۔ یہ خواب غفلت کب تک آزاد نے آنکھ کھولی انگڑائی لے کر تو خواجہ صاحب۔ ایں۔ ارے میاں تم پھر زندہ ہوگئے۔

خوجی:۔ بس اُس وقت کی باتیں رہنے ہی دیجئے جناب۔

آزاد:۔ واللہ میں تو سمجھتا تھا کہ آپ شہید ہو گئے ہوں گے۔

خوجی:۔ پھر وہی لاطائل تقریر۔ بسنت کی بھی کچھ خبر ہے۔

آزاد:۔ اب کہیے آپ کے مزاج کا کیا حال ہے۔

خوجی:۔ گھڑی دو میں مُرلیا باجے گی۔ بس سمجھ جاؤ۔

آزاد:۔ خدا ہی خیر کرے۔ پھر کوئی خبر بدلائے ہو۔

خوجی:۔ بس کہدیا گھڑی دو میں مرلیا بلجے گی۔

آزاد:۔ خدا تم سے سمجھے خوجی۔ بڑے منحوس آدمی ہو۔

خوجی:۔ (مسکرا کر) اور جب گھڑی دو میں مرلیا باجے گی

آزاد:۔ پہلے تمہارے قتل کی بخوبی فکر کریں گے ہم۔

خوجی:۔ اختیار ہے۔ ہاں حاضر۔ دل حاضر۔ خواجہ بدیع حاضر جان لو چاہے دل لو چاہے خواجہ بدیع کو لو۔ اختیار ہے۔

آزاد:۔ فرمائیے۔ اب کیا خبر لائے۔ ایک ہی منحوس آدمی ہو۔

خوجی:۔ اجی حضرت گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ (دروازے کی طرف اشارہ کر کے) یقین نہ آئے چلو دیکھ لو۔ جی۔ آئیے۔

آزاد نے شیشے کے دروازے سے دیکھا تو وہی اُس دن والی گاڑی اور وہی کوچ مین۔ سمجھ گئے کہ وہی مکارہ آج پھر دق کرنے آئی ہے۔ خوجی سے کہا تم جاکے اُس گاڑی والے کو ڈانٹ دو اور کہو خبردار جو آج سے پھر گاڑی یہاں لایا تو تو جانے گا۔ خوجی نے کہا۔ بھائی جان پہلے سُن تو لو آج ایسی نکھ کے آئی ہیں کہ میں کیا عرض کروں واللہ دیکھنے کے قابل حُسن ہے اور دیکھو ہم تجربہ کار آدمی ہیں جو کہتے ہیں وہ یاد رکھو اس معاملے کو آسانی کے ساتھ رفع کر دو سمجھ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ بہت دور کی بات ہے۔ میں نے کل امور طے کر دیئے فقط اتنی سی بات باقی ہے کہ اس کاغذ کی نقل دوسرے کاغذ پر کر دو۔ بس پھر تم سے کوئی مواخذہ نہ کرے گا۔ سمجھے۔ ورنہ وہ کہتی ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوا تو ہم کل ہی نالش کریں گے اور اس میں بڑی بدنامی ہوگی۔

آزاد نے خوجی سے وہ کاغذ لے کر دیکھا تو یہ عبارت نظر سے گذری۔ وھوہذا۔

منکہ محمد آزاد ساکن۔ ہوں۔ جو کہ میں نے مسماۃ مولا بیگم عرف جعفری بیگم بنت نواب حفیظ الدین

حیدر بہادر ولد نواب شمس الدین حیدر بہادر طاب ثراہ کو اپنے عقد نکاح میں لایا، اور اقرار کیا ہے کہ تادم مرگ اُس کو جدا نہ کروں گا۔ اور اب اپنے نام کے لیے مرز بوم روم کو جاتا ہوں۔ لہٰذا لکھے دیتا ہوں کہ بعد واپس آنے کے نواب مولا بیگم کو بدستور سمجھوں گا۔ اور بالفعل ان کے گذارے کے لیے ایک جوڑی کنگن طلائی اور دو ہزار روپیہ نقد اور ایک ہزار کی اشرفی اور ایک اسپ سمند سیاہ زانو، دیے جاتا ہوں۔ کہ وقت ضرورت اس کو فروخت کر کے کام میں لائیں۔ اور چار ہزار روپیہ میرا جو لالہ لکھن لال گنیشی رام مہاجنان چوک کی کوٹھی میں جمع ہے اس میں بھی اختیار ہے کہ مولا بیگم وقتاً فوقتاً یالکشت منگوالیں۔ لہٰذا یہ چند کلمے لکھ دیئے کہ سند رہے۔ العبد۔

آزاد:۔ آپ نے اس کا مطلب بھی پڑھا نہ تھا خواجہ صاحب۔

خوجی:۔ لاحول ولا۔ تم تو بس مطلب ہی میں پڑے رہو گے۔ وہ مطلب اچھا ہے یا بُرا ہے۔ اس سے کیا واسطہ بھائی جان۔

آزاد:۔ تو میں نقل کر کے اس پر دستخط کر دوں نہ۔

خوجی:۔ بس چھٹی ہوئی جھمیلا تو نہ باقی رہے گا۔

آزاد:۔ اچھا پھر جو آپ کی رائے ہو آپ تجربہ کار ہیں

خوجی:۔ کہہ دیا نہ کہ اُس سے بڑھ کر اور کوئی خیال ہی نہیں۔

آزاد:۔ حضرت یہ تو خوب آسان ترکیب نکالی آپ نے۔

خوجی:۔ اجی ہم سے بڑھ کے سیانا سو دیوانہ۔ جی!!!

آزاد:۔ مگر ہماری خاطر سے ذرا مسودہ پڑھ تو لو۔

خوجی:۔ مسودہ پڑھا تو کیا لطف ہوا عقل کے یہ معنی ہیں کہ مسودہ بے پڑھے بتا دے اب کہ معاملہ رو بہ اصلاح ہے۔

آزاد:۔ بھئی خوب سوجھی۔ اچھا تو ہے۔ ہم اسکی نقل کر کے اس پر دستخط کر کے اس پر دستخط کر دیں۔ اور کاغذ ان کو دیدیں۔

خوجی:۔ چلو بس جھگڑا مٹا مفت کی ٹھائیں ٹھائیں۔

آزاد:۔ اور کیوں خواجہ صاحب اگر مہر ثبت کر دیں تو۔

خوجی:۔ اب آپ تو ہندی کی چندی نکالتے ہیں۔ واہیات۔

آزاد:۔ اے مخبوط الحواس دشمن عقل۔ دیکھ تو اس میں لکھا گیا ہے کہ کاغذ دے کر ہاتھ کاٹ دوں اپنے۔

خوجی:۔ کاغذ پھینک کر، تم تو خارج از عقل ہو۔

آزاد :۔ جی چاہتا ہے اسی وقت گن کے دو سو لگا دیں۔

خوجی :۔ بلکہ اور چار سو۔ دو سو میری خاطر سے۔ ایسا ہی قصور مجھ سے سرزد ہوا ہے نیکی کن و بہ آب انداز واہ رے زمانے واہ۔

آزاد :۔ یہ تم نے ہمارے ساتھ نیکی کی ہے نامعقول۔

خوجی :۔ اچھا پھر دیکھنا کیسی دھوم دھڑکے کی نالش ہوتی ہے اور کیا کیا گھمن گرج چوٹیں چلتی ہیں۔

آزاد :۔ ازبرائے خدا تم اس کی عبارت تو پڑھو۔

خوجی :۔ (منہ پھیر کر) گھڑی دو گھڑی میں مر لیا جائے گی۔

سخنداں پروردہ پیر کہن
بیندیشد آنگہ بگوید سخن

میں عبارت دیکھ کے کیا کروں۔ مطلب تو یہ ہے کہ اگر یہ کارروائی ہو تو بالفعل اس وقت بلا ٹل جائے۔ آئندہ فہمیدہ خواہد شد۔ مگر۔

مزاجِ مقدس تو لااُبالی ہے

پوچھیے ذرا سے لکھ دینے میں جو اتنی بڑی بلا ٹل جائے تو کیا ہرج ہے مگر کہے کس سے۔ کوئی آدمی ہو تو اس سے کہے اور آدمیت سے جو خارج ہو اس سے بلا کہے۔ خود ہی پچھتاؤ گے ہمارا کیا جائے گا۔

مرادما نصیحت بود گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

ہم آج یہاں ہیں کل جدھر سینگ سمائیں گے چل دیں گے۔ ہم سے یہ نہ دیکھا جائے گا کہ اتنا نام کر کے آزاد بدنام ہوں۔ ذرا سی بات میں اس وقت فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بیرا نے خوجی کو آواز دی یہ باہر آئے تو خدمت گار نے اشارے سے بلایا اور بیگم صاحب نے کہا کہو منظور کیا یا نہیں، خوجی نے بگڑی ہوئی بات بنائی۔ کہا نیم راضی ہیں۔ دو سطریں لکھ کر اب سوچ رہے ہیں، مگر آپ آج جائیے کل پہلے خدمت گار کو بھیجیے۔ پھر خود آئیے۔ اُس سے کہہ دیجئے کہ کل ٹھیک دس بجے بخطِ راست ہمارے پاس آئے، اور جو ہم حکم دیں وہ بجا لائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کچھ کہیں۔ اور وہ کچھ کرے۔ ہاں آدمی ذرا بے ادب اور بُرا ہے یہ۔ بیگم صاحب بولیں۔ کیا مجال۔ جیسا ہمارا نوکر ویسا آپ کا۔ سُنا قادر کل ٹھیک پونے دس بجے خواجہ صاحب کے پاس آنا اور جو حکم دیں بجا لانا۔ اگر کہیں آگ میں پھاند پڑو تو پھاند پڑنا۔ قادر نے عرض کیا سرکار غلام کو بھلا عذر کیا ہے جو حکم دیں گے

بسر وچشم بجالاؤں گا۔ میرا ہرج ہی کیا ہے۔ بیگم صاحب نے قادر اور کو چ ین کو بٹا کر خوجی سے کہا۔
میاں اگر عظمت چاہتے ہو تو خدمت کرو، بے خدمت کے عظمت کہاں۔ بس اتنا سمجھ تو مقدم خدمت ہے۔
اس کے بعد عظمت۔ آزاد کو خوب سمجھاؤ کہ مفت کی بدنامی کیوں لیتے ہو۔ اک ذری سے کاغذ کے ٹکڑے پر
دو حرف لکھدو۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ ورنہ فضیحتی ہوگی۔ اور تم کو میں گواہ بناؤں گی اور بھپوہڑ اتنے بڑے
کہ دوسرے کمرے میں لیجا کر بوسہ بازی کر رہے ہیں۔ وہاں اُن دونوں کو معلوم ہو گیا کہ بوسہ لیا۔ روم
جاکے چاہیے تھا تجربہ کار ہو کے آتے مگر یہ اور بیوقوف ہی ہو کے آئے۔ تم بھی اُس وقت وہاں ہوتے تو
تعجب کرتے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کوئی ایسا جامے سے باہر ہو جاتا ہے مگر کسی سے جب کوئی اپنے آپے
میں ہو وہ تو جامے سے باہر تھا۔ اور خواجہ صاحب یاد رکھنا ہم شریف زادیاں چاہے فاقہ کریں۔ مر مٹیں
مگر ناموس میں فرق نہ آنے دیں گے۔ آخر ہم میں کوئی تو بات ایسی ہے جس کا ہم کو خیال ہے۔ پوچھو وہ کیا۔
اپنے باپ دادا کے نام کا جبال ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہم شریف زادی ہیں۔ مگر افسوس خواجہ صاحب
کہ آزاد نے ہماری قدر نہ کی اور ہمارا کلیجہ پکا دیا۔ لیکن شرافت کے یہ معنی ہیں کہ اُف تک نہیں کرتے۔ اس وقت
جی جل رہا ہے۔ کہ ہم گاڑی پر یہاں جھک ماریں، اور آزاد وہاں سے رہیں ۔ مگر کیا مجال کہ اُف کریں۔
دم بخود۔ خواجہ صاحب کے دل پر اس تقریر نے بڑا اثر کیا۔ گو خوب جانتے تھے کہ یہ بیسوا زمانے بھر کی چھٹی
ہوئی عورت ہے، اور خاص آزاد کے دق کرنے اور کچھ لے مرنے کے لیے آئی ہے۔ مگر اس مکارہ کی تقریر
نے جادو کا کام کیا اور خوجی نے ٹھان لی کہ آزاد کو لعنت ملامت کریں گے۔ کہ وہ تو ہزار جان سے تم پر عاشق
ہے۔ اور تم اس قدر بے اعتنائی کرتے ہو۔ بیگم کو سمجھایا کہ حضور کیوں گھبراتی ہیں۔ میں آج آزاد کو اس قدر
آڑے ہاتھوں لوں گا کہ جس کا حق ہے۔ دیکھیے تو کس فصاحت سے کہتا ہوں اور کیسا رنگ پر لاتا اور چنگ،
پر چڑھاتا ہوں کہ آپ بھی خوش ہو جائیں اور بیگم صاحب خدا گواہ ہے میں آپ کو اپنی ماں بہن کے برابر
سمجھتا ہوں۔ حضور جھوٹ کہتا ہوں تو آسمان پھٹ پڑے۔ واللہ میں نے اس وقت جاکر عرض کیا تھا کہ
آزاد آج اس قدر نکھر کے آئی ہیں کہ دیکھنے اور نظارہ بازی کے قابل ہیں۔ مگر وہ شخص ذرا مخاطب نہ ہوا۔
آپ کے حُسن وجمال کا کیا کہنا۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ اور بیگم صاحب برسوں سے ان کے ساتھ ریاض کیا ہے،
خدا کی قسم اگر اور کے ساتھ اس قدر ریاض کرتا تو دل و جان سے عاشق ہو جاتا۔ اور اگر خدا کی بندگی کرتا تو
ولی ہو جاتا۔ مگر واللہ بے کیا دیکھیے بے فیض میں نے تو جھلا کے ایک دن کہہ دیا کہ

حقوق خدمت صد سالہ لعب اطفال ست
بکشورے کہ درو کودکان خداوند ند

بہت بگڑے۔ میں نے کہا بس۔ بگڑیے گا نہیں۔ بندہ صاف صاف کہتا ہے کہ آپ ایسے لونڈوں کی صحبت میں رہ کر ہماری مٹی خراب ہوئی۔

بیگم:۔ تو اب ہم جائیں۔ خوجی تم ذمہ دار ہو۔

خوجی:۔ ہم ذمہ دار۔ نیچ کھینت۔ یہ کیا بات ہے۔

بیگم:۔ اچھا تو خدا حافظ ہے۔ تم جانو اب۔ سلام۔

خوجی:۔ آداب عرض ہے حضور۔ فی امان اللہ۔ بسم اللہ۔

قادر:۔ تو میں کل ساڑھے نو بجے حاضر ہو جاؤں گا۔

خوجی:۔ ہاں بس کوئی دس بجے تک اور جلدی کیا ہے۔

گاڑی روانہ ہوئی اور خواجہ صاحب لڑھکتے ہوئے آزاد کے پاس گئے۔ آزاد نے کہا اگر اس وقت آپ آدمی ہوں تو ذرا اس عبارت کو ملاحظہ فرمائیے۔ خواجہ صاحب کو تو اس زنِ بدنہاد نے کلام سحر النیام سے مسخر کر لیا تھا۔ یہ بھلا آزاد کی کب سننے والے تھے۔ بگڑ گئے بس بس آپ میں ذرا آدمیت نہیں ہے۔ غضب خدا کا۔ اس طرح کی پری چہرہ بیگم۔ یوسف جمال۔ مشتری خصال حاضر جواب، چندے آفتاب چندے مہتاب۔ اور آپ اس بے اعتنائی سے پیش آئیں۔ جملہ خوبان جہان ہندوئے ایں زن ہستنہ بودہ شدہ اند۔ آزاد نے کہا جی ہاں میں سمجھا سمجھا۔ وہ مصرع آپ کو یاد ہوگا۔ ؏۔ جملہ ترکان جہاں ہندوئے تو اس کو آپ نے نثر میں یوں ادا کیا۔ مگر وہی عقل کے خالی۔ ہستنہ بودہ شدہ اند۔ اور ہستہ شدہ بودند۔ اور کردہ بودہ گفتہ شدہ آمدندے۔ عجب گدھا ہے یہ شخص۔ فرمایشی گدھا۔ خوجی نے کہا۔ کس مردک نے یہ مصرع سنا بھی ہو۔ اچھا اس کا اوپر کا مصرع تو فرمائیے۔ کس کا شعر ہے یہ۔ آزاد نے کہا۔

ترک من اے مہ غلام روئے تو
جملہ ترکان جہاں ہندوئے تو

یہ اس قدر مشہور غزل ہے کہ بچے تک جانتے ہیں۔ آپ ہندوستان میں اتنے بڑے ہوئے آپ کو نہیں معلوم یہ خسرو کی غزل ہے۔

چند می پرسی کہ خسرو را کہ کشت
غمزۂ تو چشم تو ابروئے تو

خوجی:۔ ہائے یہ شعر بیگم صاحب کے حسب حال ہے۔

آزاد:۔ کون بیگم۔ کیا کسی سے آپ سے بھی سر کا ہے کچھ

خوجی:۔ اجی نہیں یہ جو ابھی آئی تھیں جعفری بیگم۔

آزاد:۔ واللہ کیا اس قدر حسین ہے دکھائی بھی نہ تم نے۔

خوجی:۔ بھوک پیاس دیکھنے سے بند ہو جائے جی۔

آزاد:۔ پھر اچھا ہم کو بھی لے چلے ہوتے وہ بات ہی کیا تھی۔

خوجی:۔ خدا کی قسم اس امر میں اگر تم ہم سے چھیڑ خانی کرو گے آزاد تو ہم سے نہ بنے گی۔ دم بھر نہ بنے گی باللہ العظیم۔

آزاد:۔ اب میں تم کو درست کر دوں گا۔ نامعقول۔ شرمائیے نہ شرمانے دے، دیکھ تو اس کاغذ میں کیا لکھا ہے۔ ابھی پڑھ۔

راوی:۔ مار کے آگے بھوت ناچ۔ مجبوری کے درجے خوجی کو پڑھنا پڑا۔ پڑھا تو بہت خوش ہوئے اور یوں گفتگو کی۔

خوجی:۔ برادر۔ بابائے من بدیع۔ ایں گنیشی رام نام داشتہ بودہ شد چہ مردم ہست۔ ایں مہاجنان ست یا دلالان کدامی ہست۔

آزاد:۔ اب فارسی کی ٹانگ نہ توڑیئے۔ پڑھ لیجئے۔

خوجی:۔ وائے برادر بابائے بدیع۔ از پاتا فر قدان خواندیم وخند ندیم بس مگر الا ایں مہاجنان کدام چہ کس بودہ است۔

آزاد:۔ اب بتاؤ دستخط کر دوں۔ کیا رائے ہے تمہاری۔

خوجی:۔ بھائی جان بالفعل تو وہ کام کرو کہ سانپ مردہ نہ ہینرم شکستہ یعنی سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے بس۔

آزاد:۔ اور جو کل کو وہ سب کو یہ کاغذ دکھاتی پھرے دست آویز تو اس کے ہاتھ میں ہو اور ہم اپنے ہاتھ کاٹ دیں۔ چہ خوش واہ ری عقل۔ نالائق۔

خوجی:۔ جی ہاں ابھی کیا ہے۔ جب قائل ہوئے تو گالیاں دینے لگے پانی پی پی کے کوسو صاحب۔ اے تو بہ واہ۔

آزاد:۔ خدا کی قسم تم بالکل عقل سے بے بہرہ ہو۔

خوجی:۔ خیر اپنی اپنی سب بھگت لیں گے۔ آپ کی بلا سے آپ تو بڑے عقلمند ہیں مگر شاعرے خوب گفتہ است۔

زاہد بہ نماز روزہ ربطے دارد　　فاسق بہ مے دو سالہ ضبطے دارد

معلوم نہ شد کہ یار مصروف بہ کیست　　ہر کس بہ خیال خویش ضبطے دارد

آزاد:۔ سبحان اللہ۔ اصلاح دیے بغیر نو جوان رہتا ہے۔ نہیں تین مصرعہ خدا خدا کر کے پڑھے تو چوتھے مصرعہ میں بڑے اصلاح دیدی۔ ع۔ ہرکس بہ خیال خویش ضبطے دارد۔

اے لعنت خدا۔ یوں کہو۔ ع۔ ہرکس بخیال خویش خبطے دارد۔ شعر پڑھنا ہی کیا ضرور ہے۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد

عیب و ہنرش نہفتہ باشد

خواجہ صاحب نے غور کر کے کہا کہ اول تو سوال یہ ہے کہ اگر آپ اس پر دستخط کر دیجئے تو یہ عبارت ایسی ہے کہ آپ پر نالش ہو سکے یا نہیں۔ کیا معنی کہ اگر کسی قانون دان کی لکھی ہے تو تو نالش ضرور ہو سکتی ہے اور اگر قانون دان کی نہیں لکھی ہے تو پھر نالش کیا ہو سکے گی۔ خاک۔ بس اتنا سمجھ لیجیے اور پھر وہ گنیشی رام کون ہے اور اسپ سمند کا کیا پتا ہے اور اشرفیاں کیسی اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ جعفری بیگم سے آپ کا نکاح ہوا تھا۔ سب خرافات۔ ہم تو فوراً دستخط کر کے حوالے کر دیتے، واللہ مگر آپ کے مزاج میں وہم ہے اور۔

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے ہے تو اُن کے پاس

بدگماں وہم کی دارو نہیں لقمان کے پاس

یہ تو بات ہی دوسری ہے۔

آزاد:۔ عجب گدھے ہو وہ بدنام تو کرے گی۔

خوجی:۔ ہیچ خوف نہ۔

تو پاک باش برادر راز کسے پاک

زنند جامۂ ناپاک گاذران بہ سنگ

آزاد:۔ پھر اگر بدنامی کا خیال نہیں تو پھر کس چیز کا خیال ہے۔ پھر کیا پوچھنا ہے۔ خیال تو انسان کو بدنامی ہی کا ہوتا ہے۔

خوجی:۔ سُنا نہیں۔ خواجہ می گوید دادا اے من بدیع۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں

مانمی خواہیم ننگ و نام را

آزاد:۔ حافظ شیراز آپ کے کون تھے خواجہ صاحب۔

خوجی:۔ ہمارے دادا کے دادا سے کچھ رشتہ تھا۔

آزاد:۔ جب ہی آپ کی طبیعت بھی موزوں اور رنگین ہے۔

خوجی:۔ اور نہیں تو کیا ناخلف ہے کوئی یہاں۔

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بہ فروخت
ناخلف باشم اگر من بجوئے نہ فروشم

آزاد:۔ اور آپ کے باپ نو لالہ سرب سکھ تھے۔

خوجی:۔ کون کون۔ کیا کیا۔ لالہ کون۔ فرمائیے نہ۔

آزاد:۔ بھئی ایک بات نہیں معلوم ہے پوچھتا ہوں۔

خوجی:۔ ہاں ہاں پوچھیے۔ کوسیے۔ گالیاں دیجئے۔

آزاد:۔ حافظ جو آپ کے دادا تھے ان کے کلام میں سب سے زیادہ کون شعر آپ کو پسند آیا وہ پڑھ کر سنائیے۔

خوجی:۔ ہمیں تو اپنے دادا کا کل دیوان اچھا معلوم ہوتا ہے واللہ۔

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو
یادم از کشتۂ خود آمد ہنگام درو

آزاد:۔ کوئی اور شعر فرمائیے تو۔ مگر معرفت کا ہو۔

خوجی:۔ اُہو ہو ہو۔ ڈوبا ہوا تھا۔ واللہ۔

من و انکار شراب ایں چہ حکایت باشد
غالباً ایں قدرم عقل کفایت باشد
من کہ شبہا رہ تقوی زدہ ام با دف و چنگ
ایں زمان سر بہ رہ آرم چہ حکایت باشد

آزاد:۔ آپ کے باپ کیا تخلص کرتے ہیں جناب۔

خوجی:۔ محفوظ۔ ہمارے خاندان کے تخلص ایسے ہی ہوتے ہیں۔

آزاد:۔ بھلا حفیظن آپ کے ہاں کس کا تخلص تھا۔

خوجی:۔ کیا حفیظن۔ ہاں کسی عورت کا ہوگا۔

آزاد:۔ ہم نے تو سُنا کہ آپ کی والدہ بھی شاعرہ تھیں خواجہ صاحب۔

خوجی:۔ اجی جناب وہ دن ہی نہیں رہے۔

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

عالم پیرانہ سالی اور قلت فارغ البالی اور پیرزالی اور عنقا مرفہ حالی اور خواجہ بدیع خوگر راحت۔

خوردہ چٹنی شیریں وا چار و مربائے شیریں و نان نعمت و شیرہ تمباکوئے نوشیدنی۔

آزاد:۔ تمباکوئے نوشیدنی یعنی گھول کے پی گئے۔

خوجی:۔ کیا ایک تمباکوئے خوردنی۔ دوسری نوشیدنی۔ اس کو کشیدنی بولتے ہیں۔

آزاد:۔ جی اس کو نوشیدنی نہیں کہتے ہیں۔

فخر حمقائے زمان خواجہ بدیع الزمان کے دل میں تو کھپ گئی تھی کہ آزاد بر سر غلط ہیں لہذا انہوں نے باتوں باتوں میں آزاد کو یوں سمجھانا شروع کیا دیکھو بھائی دنیا گذشتنی و گذاشتنی ہے۔ اس کی بھول بھلیوں میں وہ پیچ ہے کہ خلاصہ یہ کہ دنیا بھی ہیچ ہے۔

دنیا ہیچ و کار دنیا ہمہ ہیچ

اے ہیچ زبہر ہیچ در ہیچ مپیچ

آزاد یہ اول جلول تقریر سن کر نہایت ناراض ہوئے کہا بھئی تم کو توقافیہ پیمائی اور عبارت آرائی ضلع جگت، استعارہ و رعایت لفظی، و فقرہ بازی، سوجھتی ہے۔ ہمیں الجھن ہوتی ہے پھر ہم سے آپ بات کیوں کرتے۔

خوجی تیکھے ہو کر بولے۔ کرنے نہ کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔ اختیار بہت مختار ہے۔ بابائے من بدیع مجبور ولاچار ہے۔ مگر چونکہ محبت سائے کا دم بھرتا ہوں۔ لہذا دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ وہ محبوب جس کے تم شوہر مطلوب ہو اگر تم کو مرغوب ہو تو بہت ہی خوب ہو۔ مگر تم تو مرغوب ہو وہ ویرانے کو گلشن کرے گی۔ اور چراغ گھر تمہارے کا روشن کرے گی۔

چراغے کہ روشن کند خانہ ام

تو گوئی منش نیز پروانہ ام

جس گڑگڑانے اور لجاجت عاجزی اور سماجت سے اُس زنِ جادو ویلی مونے مجھے تمہاری نسبت متواتر کہا سنا دل آزاند۔ یا خدائے من بدیع دیدہ شدہ بودہ است۔

آزاد بے اختیار ہنس پڑے۔ کہا آپ نے تو بڑے بڑے فصحا کو مات کر دیا۔ ماشاء اللہ کیا مسلسل تقریر ہے۔ خوجی اکڑ کر بولے ہم بلغا تو یوں ہی خوش بیانی کرتے ہیں۔

زنطقم بہ گفتار خواں می نہم　　سخن را شکر در دہاں می نہم

زنطقم بہ ہستی خبر می دہم　　بہ ریگ رواں دجلہ تر می دہم

مطلب ہمارا یہ ہے کہ اس کی عبرت بھری ہوئی داستان بھی سنئے۔ وہ کہتی ہے میں شریف زادی ہوں

میرا یہ شعار نہیں کہ مصیبت کے وقت غل مچاؤں، یا محلے والوں کو خواب راحت سے جگاؤں مگر آزاد نے مجھ کو بے موت قتل کیا۔ اگر ذرا سا بیرزا لکھ دیں تو چشم ما روشن دل ماشاد لیکن بقول اس مستانہ جاناں کے یہ

حال دل کبھی اس سے گر کہوں تو کہتا ہے ۔۔۔ اور ہیں سنے قصے یہ بھی اک کہانی ہے
پوچھتا ہے کیا ہم دم حال زندگانی کا ۔۔۔ جب خدا ہوا جاناں خاک زندگانی ہے
سب کو ہے یقیں کامل رخ یہ ماہ تاباں کا ۔۔۔ اس کی جو قبا کا رنگ آج آسمانی ہے
وہ لگاتے ہیں مہندی ہم بھی ہیں لہو روتے ۔۔۔ واں ہے مشق خوں ریزی یاں بھی خونفشانی ہے
میری بے قراری سے اور میرے رونے سے ۔۔۔ برق رشک سے سوزاں ابر پانی پانی ہے

زخم کھا کے بازو کی مچھلیاں ہوئیں زندہ
آب تیغ اے قاتل آب زندگانی ہے

آزاد:۔ اُس تقریر کا خلاصہ تو بیان کیجیے جناب۔

خوجی:۔ چہ خوش۔ زلیخا زن بود یا مرد۔

آزاد:۔ ہم کم عقلوں کی سمجھ میں تو یہ پیچیدہ تقریر آنے سے رہی پھر آپ ہی اس کا لب لباب بیان فرمائیے۔

خوجی:۔ ایک دفعہ اُس معشوقۂ رنگین ادا سے باتیں کر لیجیے۔

آزاد:۔ ایک دفعہ باتیں کر کے خوب مزے پا چکا ہوں۔

خوجی:۔ دوسری مرتبہ ہماری خاطر سے سہی۔

آزاد:۔ معاف فرمائیے آزمودہ را از آزمودن جہل ست۔

خوجی:۔ اگر سامنا ہو تو واللہ خود رو دو۔ ؎

نالۂ جان سوز لاؤں لب تلک گر بزم میں
بھاگ جائے سامنے سے میرے بیتابانہ شمع

اگر پیر فرتوت دیکھ لے تو وہ بھی جوان ہو جائے۔ ؎

حسن روز افزوں دکھائے گا جو وہ یوسف جمال
پیر مانند زلیخا پھر جواں ہو جائے گا

اور وہ تو بجز تمہارے فرشتے پر بھی نظر نہ ڈالے ؎

آنکھوں میں چھا رہا ہے کس انسان کا خیال
آتے نہیں فرشتے بھی اپنے خیال میں

خوجی سمجھ گئے کہ آزاد کو سمجھانا اپنا منھ تھکانا ہے۔ مگر چونکہ اُس عابد فریب تمام زیب معشوق نے جادو بیانی کے ساتھ اپنی مصیبت کا حال کہہ سُنایا تھا۔ ان کا دل بھر آیا تھا۔ اور جعفری بیگم کے ساتھ ان کو ایک قسم کی محبت ہو گئی تھی۔ کئی مرتبہ بڑی فصاحت سے بہت زور دیکر آزاد کو سمجھایا مگر وہ کب ماننے والے تھے۔ آخر کار خفا ہو گئے اور کہا تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی بھلے مانس تم سے گفتگو کرے۔ غضب خدا کا بارہا ملنتی ہو نہ جیتی، ہم نے آخر کار جو کچھ کہا تجربے سے کہا یا بے سوچے بوجھے تمہارے دوست ہیں یا دشمن۔ بولو۔ دوست ہیں نہ۔ اچھا پھر دوست کی بات کا نہ ملنا دوستی کے خلاف ہے یا نہیں۔ خیر۔ آزاد۔ ہم تو اب جاتے ہیں۔ مگر یاد رکھنا پچھتاؤ گے واللہ روؤ گے کہ ہائے خوجی کہاں چل دیا۔ اور خوجی تم سے بات تک نہ کریں گے خواجہ بدیع کی نظروں سے جو گرا بس گرا۔ پھر یہ کسی کے آشنا نہیں ہیں۔ جب تک دوستی ہے سب کے خادم ہیں۔ جس دن دوستی نہیں رہی دشمن نہ بنیں گے۔ مگر بات نہ کریں گے۔ صورت نہ دیکھیں گے۔

آگیا جی اجی یہ جی ہی تو ہے

بد عادے دی خوجی ہی تو ہے

یہ کہہ کر خواجہ صاحب منھ پھُلا کر الگ جا کے بیٹھ رہے۔

اب سنیے کہ معشوقہ یوسف لقا رنگین ادا حسن آرا بیگم کے دل میں آپ ہی آپ کھپ گئی کہ اگر مس میڈا کے ساتھ آزاد کی شادی نہ ہوئی تو دو شقوں سے خالی نہیں یا تو میڈا کوشش کرے گی کہ مجھے قتل کر ڈالے۔ کیونکہ وہ اتنی دور سے اسی نیت پر آئی تھی کہ آزاد کے ساتھ شادی ہوگی اس کو یقین کامل ہو جائے گا کہ حسن آرا سدِ باب ہوئی ہوگی، اور یورپ کی ایسی بیباک اور آزاد چھوکریاں اکثر جان دینے اور جان لینے دونوں میں مشتاق ہوتی ہیں۔ اگر اس نے اپنی جان دی تو بڑی بدنامی ہوگی اور مجھے لوگ خونی بیگم کہنے لگیں گے۔ اور اماں جان ستم ڈھائیں گی کہ کیا غضب کیا اُن کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی پاس پڑوس میں مرجاتا ہے تو وہ ڈرا کرتی ہیں کہ مبادا بھوت بن کے چمٹے نہ کہ مِیڈا۔ اے توبہ اول تو خدا کرے کہ یہ نوبت آئے، مگر اتفاق ہے۔ ع۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ اور اگر میڈا نے نہ اپنی جان دی نہ میری جان کی گاہک ہوئی تو لوگ حرف رکھیں گے طعنے دیں گے۔ انگلیاں اٹھائیں گے بُرا بھلا کہیں گے کہ جس کی بدولت آزاد نے نوکری پائی جس کے طفیل میں اتنا نام پیدا کیا اُسی پر سب کے پہلے انھوں نے ہتھا صاف کیا۔ الغرض گومگو کا معاملہ ہے ہمجولیوں نے جب ان کی کیفیت اس قدر غیر اور دگرگوں دیکھی تو ان کو پھر از سر نو سمجھایا۔

نازک ادا۔ اب یہ خیال کب تک رہے گا بہن آخر۔

حسن :- جب تک کوئی تھلیڑا۔ خاموش ہو گئیں۔

بہار :- یہ انوکھا عشق ہے کوئی اور تو پیچھے کہے گا پہلے ہم خود ہی کہتے ہیں کہ یہ انوکھا عشق ہے جس پر عاشق ہو اس کی بغل میں دوسری نہ ہو وہ اچھا یا ہو وہ اچھا۔

حسن :- آپ تو سمجھتی ہی نہیں ایک بات۔

بہار :- ہاں سچ ہے۔ تجربہ کار۔ اور عقلمند تو تم ہو بس۔

حسن :- جو میں کہوں وہ بھی سن لیجیے۔ بس پھر رائے دیجیے۔

بہار :- اچھا جو کچھ کہنا ہے وہ کہہ لو۔ ہم سنتے ہیں۔

حسن :- میڈا جو منزلوں مہینوں برسوں کی راہ طے کر کے یہاں آئی ہے اس کا اس سے کیا منشا ہے۔ بولیے یہی نہ کہ آزاد سے عشق ہے اور اس کی خواہش ہے کہ آزاد کے ساتھ شادی ہو۔

جانی بیگم : ہم سے تو بے بولے نہیں رہا جاتا۔

نازک : سن لو پہلے یا اچھا کہو تم ہی کہو پہلے۔

جانی : اگر میڈا مردار سچ مچ آزاد پر ریجھی ہے اور آزاد کا بھی اس پر دل آیا ہے، تو تم کو بصد یہ کوشش کرنی چاہیے کہ میڈا کی طرف سے آزاد کا دل پھر جائے۔

گیتی : اور کیا۔ نہ کہو یہ اور الٹی اسی کی طرف داری پر کمر باندھے ہوئے ہیں یہ انوکھی بات ہے۔ بھلا دنیا میں کوئی بھی چاہے گا کہ جس پر ہم عاشق ہیں اس کا کسی اور پر دل آئے یہ تو انوکھی بات سننے میں آئی۔

مغلانی : (بوڑھی) حضور ہمیں بولنے کا منصب نہیں ہے۔ مگر کہتی تو آپ سچ ہیں۔ یہ تو بالکل انوکھی بات ہے خدائی میں۔ ایسی کوئی۔

حسن : اچھا پھر جو سب کی رائے ہے وہ کروں۔ چاہے شادی ہو نہ ہو میں خاموش رہوں نہ۔ یہی مطلب ہے۔ اچھا یوں سہی میں یوں ہی خاموش ہوں۔

سپہر : بس اب راہ پر آئیں۔ کسی کا کہنا تو مانیں۔

جانی : میں ایسی ہوتی تو میڈا کو کھڑے کھڑے نکلوا دیتی۔

بہار : وہ نہ نکلوادیں نہ سہی۔ مگر زبردستی تو نہ کریں کہ خواہی نخواہی شادی ہو جس کے سامنے کہو گی اس کو ہنسی آئے گی۔ جو مفت میں بیٹھے بٹھائے بنسوانا چاہتی ہو تو بسم اللہ، کیا مضائقہ ہے۔ اختیار ہے۔ جس کو ہم سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہو، اس سے پوچھو، تو دیکھو کیا کہتی ہے۔

حسن : آپ سے زیادہ اور بھی کوئی عزیز ہے باجی جان!

بہار : تو پھر ہمارا ہی کہنا مانو۔ یوں ہی سہی۔

حسن: مانتی تو ہوں۔ کہہ تو دیا کہ جو کہیے اس کے مطابق کارروائی کروں۔ آپ میری بھلائی کی خواہاں ہیں۔ نہ بدی کی۔ بس چھٹی ہوئی۔

بہار: اب قسم کھاؤ کہ آج سے کبھی اس قسم کا چرچا نہ کروں گی۔ اس کے معنی کیا کہ ہنسی خوشی کے دنوں میں چہرہ اُداس کیے ہوئی بیٹھی ہیں۔ اے واہ۔!

حسن: نہیں اب اُداس ہوں تو کچھ جرمانہ کیجیے۔

نازک: لے بس اب ڈومنیوں کو بلواؤ۔

گل نہ ہنستے تری فریاد پہ اے بُلبل
میرے نالوں کی اگر طرز اُڑائی ہوتی

سایہ افگن مری تُربت پہ وہ مہ رُو ہوتا
اس چادرِ مہتاب چڑھالی ہوتی

دہنِ یوسفِ مصری میں بھر آتا پانی
اُس شکر لب نے جو تقریر سُنائی ہوتی

بادشاہ وقت کے ہیں دولتِ خاموشی سے
مانگتے ہم جو دعا بھی تو گدائی ہوتی

تھی بہت حسرتِ پرواز قفس میں صیّاد
بعد مرنے کے مری خاک اُڑائی ہوتی

اتنے میں بمبئی کی بیگم صاحب، جو اپنے میاں مرزا صاحب کے ہمراہ کسی مقدس مقام کی زیارت کے لیے گئی تھیں، تشریف لائیں اور سب نے رائے دی کہ ان کو ابھی اس امر کی مطلق آگاہی نہیں ہے ان سے رائے لو، دیکھو وہ کیا کہتی ہیں۔ حسن آرا بولی۔ آنے دیجیے۔ یہاں آئیں بیٹھیں۔ خیر وعافیت معلوم ہو۔ ایسی جلدی کیا ہے۔ بیگم صاحب آئیں۔ پہلے تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو رہی۔ بعد ازاں انھوں نے حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

بیگم:۔ کچھ مٹھائی کھلاؤ تو ایک خوش خبری سُنائیں۔

حسن:۔ ضرور۔ دکان کی دکان حاضر ہو جائے گی۔

بیگم:۔ اس کے پہلے مٹھائی منگوالو۔

حسن:۔ یا الٰہی تو کیا کوئی بدنیت ہے باجی جان۔

بیگم:۔ روپیہ خرچنے کے وقت نیت ٹھیک نہیں رہتی۔

حسن:۔ اچھا ہم کسی کی ضمانت دیں مانو گی۔

بیگم:۔ ہاں سوائے گیتی آرا کے۔ اس کا اعتبار نہیں۔

گیتی:۔ چہ خوش۔ میں نے بے چاری نے کیا بگاڑا ہے بہن۔

بیگم:۔ اس دن چھوٹی بیگم کی ضامن ہوئیں، آج تک دس روپے ملتے ہی ہیں۔ کوئی اور ضمانت کرے تو کیا مضائقہ۔

بیتی: اچھا ہم کسی کے پاس نقد داخل کر دیں؟ یوں سہی۔
بیگم:۔ ہم کو اس کا بھی اعتبار نہ ہو گا۔ تم بھول کے جعلی روپے دو گی ہم کیوں کر اعتبار کریں بھلا۔
حسن:۔ یا میرے اللہ۔ نازک ادا بیگم ضامن ہوں۔
بیگم:۔ ہاں اگر نازک ادا بیگم ضامن ہوں تو کیا ہرج ہے۔ کیوں بہن ضمانت کرتی ہو نہ اُن کی۔
نازک:۔ بہن سُنا نہیں۔ زر دے ضامن نہ ہو۔
بیگم:۔ اے لو یہاں بھی پھٹا کا ہو گیا۔ اب بولو۔
سپہر:۔ اجی ہم ضامن ہوتے ہیں۔ واہ کیا کچھ بے اعتبار ہیں۔
بیگم:۔ اچھا سو روپیہ کی ضمانت کرو۔
سپہر:۔ پورے سو۔ ایک کم نہ دو زیادہ!!!
حسن:۔ واہ بھئی۔ یہ تو کوئی بہت بڑی خوش خبری ہے۔
بیگم:۔ ایسی خوش خبری ہے کہ سنو گی تو پھڑک جاؤ گی۔
حسن:۔ ضمانت کر لو بہن سو نہیں دو سو تک کی سہی۔
بیگم:۔ ہاں کیوں نہیں۔ خوش خبری تو ایسی ہی ہے کہ ہزار دو ہزار دس ہزار قربان کر دیئے جا؛ تو کوئی بات نہیں۔
سپہر:۔ اچھا ہم نے سو روپیہ کی ضمانت کر لی باجی کی طرف سے۔
بیگم:۔ میں لے لوں گی۔ دیکھو سب کے سامنے اقرار ہوا ہے۔
سپہر:۔ الٰہی وہ کون بڑی لمبی چوڑی رقم ہے۔
بہار:۔ دیکھو سب کے سامنے قبولی ہو۔ روپیہ لے لیا جائے گا۔ ایسا نہ ہو پیچھے جھگڑا ہونے لگے۔
حسن:۔ اور جو خوش خبری نہ ہوئی تو کون ذمہ دار ہے۔
نازک:۔ بڑی بیگم۔ اپنی اماں جان سے پوچھنا۔ نہ ان کے پوچھنے کی ہو ہم سب رائے دیں گے۔ کیا کچھ شہر مُسلّمہ ہے۔
حسن:۔ اچھا منظور۔ اب ضمانت ہو گئی۔ بتایئے۔
بیگم:۔ دیکھو میں پھر کہے دیتی ہوں کہ سپہر آرا سے بھر لوں گی۔
حسن:۔ اے ہے۔ وہ کون بڑی بات ہے خواہ مخواہ کے لیے غُل مچا رہی ہو واہ۔ بتاؤ تو سہی کہ خوش خبری کیا ہے۔

بیگم :۔ ہم نے رار ہا یہ دو بڑے تسنا اور معتبر معتبر لوگوں سے سنا۔ ایسے معتبر آدمی کہ حسن آرا خود ان کو معتبر سمجھیں جب یقین آئے۔

حسن :۔ یا خدا یہ نہ معلوم ہوا کہ کیا سنا۔

بیگم :۔ تم سنو گی نہ دو گی تو بڑا ہی رنج ہو گا۔

حسن :۔ اے تو خدا کے واسطے کوئی سمجھاؤ انہیں۔

سپہر :۔ کیا بے اعتباری ہے کہ تو بہ ہی بھلی۔

بیگم :۔ بہن زمانہ نازک ہے۔ ؎

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھام لو دستار

نازک :۔ تو بہن تمہارے بمبئی میں چور ہی بستے ہیں کیا۔

بیگم :۔ ہمارے بمبئی میں تو چور نہیں بستے ہیں۔

نازک :۔ اے تو جب قول قرار ہو گیا۔ ضمانت ہو گئی۔ سو روپے پر توڑ کر لیا گیا پھر یہ جھگڑا کاہے کا رہا۔

بیگم :۔ اچھا ایک اور ضمانت ہو جائے دو ضمانتیں ہوں۔

بہار :۔ یا اللہ۔ ان کو کسی کا یقین ہی نہیں ہے۔

جانی :۔ ہم ضامن ہوتے ہیں پورے سو روپے کے۔

حسن :۔ لو اب دو دو ضامن ہو گئے۔ اب بتاؤ۔

بیگم :۔ اچھا غور کر لوں۔ ان سے وصول ہو گا یا نہیں۔

نازک :۔ ہم تو تھک گئے سنتے سنتے: (گا کر)

طبیعت آئی ہے ان روز دن اک طفل جو بن پر
گماں ہے نالۂ ناقوس کا اب میرے شیون پر

ہوا یہ رتبہ زلف یار کا کنگھی کے کرنے سے
ہوا پر ہے اڑی جاتی نگا شانے کی ناگن پر

ہمیشہ مار اور طاؤس میں ہے دشمنی دیکھی
دل پُر داغ کیوں شیدا ہوا اب زلف پر فن پر

نظر آتی ہے مسی کی دھڑی پر پان کی سرخی
کسی نے برگ گل کو رکھ دیا ہے برگ سوسن پر

ہوا بہ پانی پانی دیکھ کر اس غیرت گل کو
طلب کرتا ہے اڑ جانے کو ہر بلبل سے گلشن پر

شب مہتاب میں ہنسنا تمہارا لائے گا آفت
گرے گی ایک دن بجلی مہ تاباں کے خرمن پر

تبسم دیکھ کر اس شعلہ رو کا جل رہے ہیں گل
بجا ہے گر کہوں بجلی گری پھولوں کے خرمن پر

دھواں جب دل سے اٹھتا ہے ترے بن ہیر کرنے بیا — تو اک کالی گھٹا سی یاد چھا جاتی گلشن پر
نہ کیوں کر سینۂ و دل خانۂ زنبور ہو جائیں — طبیعت آگئی ہے اک نگاہِ ناوک افگن پر
ہوا تار نگہ ہیں رشتۂ زنار کا عالم — ہماری آنکھ پڑتی ہے جو اک طفل برہمن پر

بنایا ہے زمیں کو آسماں ان شہسواروں نے
مہ نو کا ہے عالم ہر نشان نعل توسن پر

نازک ادا بیگم۔ اس وقت خوب دل لگا کر گایا تو سب کی سب عش عش کرنے لگیں اور بہار النسا کے دل کا تو عجب ہی حال تھا۔ سپہر آرا بولیں اللہ جانتا ہے کیا نور کا گلا پایا ہے۔ جو سنتا ہے جی چاہتا ہے برسوں سنا ہی کرے۔ اور آواز کتنی پیاری اور نازک ہے کہ میں کیا کہوں۔ نازک ادا نے کہا کسی روز سناؤں گی تو پھر کیفیت دیکھنا۔

اس چمن میں خار چشم ہر گل و نرگس ہوں میں
ہاں مگر کچھ آشنا سا سبزۂ بیگانہ ہے

ہاں مگر کچھ آشنا سا سبزۂ بیگانہ ہے۔

بیگم:۔ بہن یہ خداداد بات ہے۔ اللہ کی دین۔
نازک:۔ واہ اللہ کی دین کیسی ہم نے برسوں سیکھا ہے۔
بیگم:۔ سیکھا ہے۔ سیکھا کس سے ڈومنیوں سے یا۔
نازک:۔ ڈومنیوں سے نہیں قوالوں سے۔ کہیے کچھ اس میں ہرج ہے۔

اس پر قہقہہ پڑا اور بڑی دیر تک چہل ہوا کی۔

اب ایک نیا گل کھلا۔ ایک مغلانی ڈولی پر سے اُتری اور بدحواسی کے ساتھ گھبرائی ہوئی آئی اور آتے ہی کہا بیوی آج تو بڑی بُری خبر سُنی۔ جس سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اللہ نہ کرے کسی کا بچہ اس طرح مارا جائے۔ اُف یہ چور نُوے کیسے موذی بے رحم سفاک ہوتے ہیں۔ کہ اللہ پناہ میں رکھے۔ ہمارے مکان کے پڑوس ایک لالہ رہتے ہیں۔ ایسری داس۔ بوڑھے آدمی ہیں بے چارے۔ کوئی اسی پچاسی برس کے ہوں گے۔ ایک لڑکی۔ لڑکے سے زیادہ ناز و نعمت سے پالی۔ ہزاروں روپیہ اس کے اُوپر سے نچھاور کر دیا۔ کھلائی انا یہ وہ نوکر رکھے۔ جب ذری سیانی ہوئی شادی کی اور بڑی دھوم سے شادی کی کئی دن تک برات ٹکی رہی۔ لڑکی کو بدا کیا۔ اس کے بعد پھر بُلوایا۔ اب کی جو لڑکی آئی تو ایک بچہ گود میں کھیلتا تھا۔ اس کو لالہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے ساری دولت اسی کے نام لکھ دی اور کوئی وارث ہی نہ تھا۔

لڑکا ہر وقت ہزاروں روپے کا زیور پہنے رہتا تھا۔ اور سب زیور سونے کا اور جڑاؤ۔ اور جواہرات سے لدا ہوا بس کل ایک کہاری اس کو باہر لے کے نکلی اور گہنا نکال کے بچے کو ہوئیں ڈائن نے باؤلی میں ڈال دیا۔

اتنا سننا تھا کہ بہار النسا اور سپہر آرا کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور جس نے سُنا سخت افسوس کیا کہ یہ کیا غضب ہو گیا۔

مغلانی نے بیان کیا کہ جب دیر تک لڑکا گھر میں نہ آیا تو فکر پیدا ہوئی۔ ادھر ڈھونڈا ادھر ڈھونڈھا۔ کہیں نہ ملا۔ آخر کار ہوتے ہوتے ایک گونگے نے سر پیٹ کر اشارے سے باؤلی کی طرف بتایا۔ کنوئیں والے اتارے گئے تو اُس معصوم بچے کی لاش نکلی۔ اس فقرے پر پھر سناٹا ہو گیا اور جتنی بیٹھی تھیں ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگیں۔ مغلانی نے کہا۔ حضور جس وقت لاش برآمد ہوئی۔ وہ کہرام مچا ہوا تھا کہ توبہ ہی بھلی۔ گھر کی عورتیں تڑپ تڑپ کے باہر نکل نکل آئیں۔ محلے بھر میں وہ بین ہو رہا تھا کہ میں کچھ عرض نہیں کر سکتی۔ آخر کار پولیس کے سپاہیوں نے اس کمبخت کا پتا لگایا۔ اس کی گردن پر تو خون سوار تھا زیور لے کر پہلے نخاس گئی اور وہاں ہاتھ کے کڑے بیچنے کھڑی ہوئی۔

حسن :۔ اوئی :۔ اتنی ڈھیٹ بیچ بازار میں بیچنے لگی۔

بہار :۔ بہن خون سر پر سوار تھا۔ یہ چھپتا تھوڑا ہی ہے۔

مغلانی :۔ توبہ توبہ خونی اور دیوانہ ایک ہوتا ہے۔

نازک :۔ ہاں یہ تو سچ کہتی ہے۔ کوئی پوچھے دیوانی تو نخاس کیا کرنے گئی۔ مگر وہ تو خون سر پر چڑھا تھا۔ اُس وقت وہ اپنے آپے میں تھوڑا ہی تھی۔

مغلانی :۔ حضور ایک تو دل چور۔ دوسرے کتے کو گھی نہیں ہضم ہوتا ہے۔ ٹکے کی اوقات اور مال مل گیا اتنا۔ اور چھاڑ سونے کا زیور۔ بس بدحواس ہو گئی نخاس میں جا کے کھڑی ہوئی تھی کہ برقنداز نے بھانپا اور گرفتار کر لیا۔ تلاشی لی گئی تو اور زیور نکلا۔ اور کان کی بالیوں میں ذرا سا خون بھی لگا ہوا تھا۔ بس وہ سمجھ گیا۔ اتنے میں اور لوگ جمع ہو گئے چوکی پہرے آئے۔ تھانے پر رپٹ لکھوائی۔ معلوم ہوا کہ لالہ امیری داس کے ہاں کا زیور ہے۔

حسن :۔ اب پھانسی پائے گی مردار یا بچ جائے گی۔

مغلانی :۔ پھانسی پائے یا کھڑی چنوا دی جائے پھر اب کیسے پیدا ہونے سے رہا۔ وہ بے چارہ جہان کا تھا وہاں سدھارا اب اس کے لیے چاہے سو ہو۔

حسن :۔ مگر زیور پہنانا نہ چھوڑیں گی۔ نہ چھوڑیں گی۔

نازک :۔ ہے ہے۔ اس مہری کی تو صورت نہ دیکھنی چاہیئے۔

سپہر :۔ اس بچے بے چارے کا کیا حال ہوا ہوگا۔ ہے ہے۔

حسن :۔ چلو بس اب ذکر نہ کرو۔ مگر بچوں کو زیور پہنانا ہی بڑی بری بات ہے کوئی مانتا نہیں اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ہم لوگوں میں بھی اس کا رواج ہو گیا ہے۔ لڑکیوں کو تو پہناتے ہی تھے اب لڑکوں کو بھی پہنانے لگے۔

نازک :۔ انگریز سب سے اچھے اُن کے ہاں زیور دیور سے واسطہ ہی نہیں رکھتے۔ صرف صفائی سے مطلب ہے۔ ہم لوگ بچوں کی جان خود خطرے میں ڈالتے ہیں۔

سپہر :۔ جب ہی تو بھگتتے ہیں اور آئے دن ایسی خبریں آتی ہیں۔

مغلانی :۔ حضور نیت بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ سارا کھیل نیت کا ہے۔ آدمی کی طبیعت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس عورت نے دو تین اور آدمیوں کا نام لیا ہے کہ وہ اس بچے کے قتل میں شریک تھے۔ مطلب یہ کہ انھوں نے مہری کو مدد دی تھی مگر وہ قطعی انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ جھک مارتی ہے۔ تھانیدار اور انسپکٹر اور صاحب لوگ سب دروازے پر جمع ہیں اور بڑی تحقیقات ہو رہی ہے اور لالہ بے چارے چپ، زبان بند کر لی ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور زبان سے اُف تک نہیں کرتے۔ اُن کے قلب پر بڑا صدمہ ہے اور دیکھ لیجیے گا۔ صبح شام میں مر جائے گا۔ اس سن میں یہ دھچکا۔ افوہ برداشت کرنا محال ہے۔

حسن آرا کے دل پر اس خبر نے بہت بڑا اثر کیا اور سپہر کے وقت جب ان کی ہمجولیاں آرام میں تھیں انھوں نے بچوں کے زیور پہنانے کے مضار کے خلاف ایک مضمون لکھا۔

دوسرے روز روح افزا کی سال گرہ کی تقریب میں بڑی بیگم نے اپنے اعزہ کی دھوم دھام سے دعوت کی۔ جب روح افزا بیگم پیدا ہوئی تھیں تو ان کی زندگی کی امید نہ تھی۔ بڑی بیگم سے ایک عورت نے جن کو یہ بہت مانتی تھیں اُن سے کہا کہ اس کی ہر سال گرہ کے دن خوش روزہ کرنا اور مسجد میں اپنے ہاتھ سے سونے کے چراغ میں گھی جلانا اس مجذوبہ کی نصیحت ان کو اب تک نہیں بھولی تھی۔

الغرض دوسرے روز سویرے ہی سے مہمانوں کی آمد آمد شروع ہوئی اور دس گیارہ بجے تک حسن آرا کی ہمجولیاں بڑی کثرت سے جمع ہوئیں۔

نازک :۔ حسن آرا کے بشرے سے آج ایک نئی بات پائی جاتی ہے۔

قمر النساء:۔ فرمایئے بات کیا ہے بہن۔ ہم بھی تو سنیں۔

نازک:۔ اگر عقل خدا نے دی ہے تو خود ہی سمجھ جاؤ۔

قمر:۔ یہی تو افسوس ہے کہ عقل خدا نے نہیں دی بہن۔

نازک:۔ اس کا افسوس تمہیں ہوگا یا تمہارے میاں کو۔

قمر:۔ تمہارے میاں بڑے خوش نصیب ہیں کہ تمہاری سی حاضر جواب بی بی پائی اُن کو بھی تڑ سے جواب دیتی ہو یا دب جاتی ہو۔

نازک:۔ نہ دبنے کی کون سی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم ڈرتی اور کانپتی رہتی ہو میاں کے سامنے تو تمہارے دل میں چور ہے۔

قمر:۔ دل میں چور کیسا۔ یہ کہتی کیا ہو بے تکی باتیں۔

جانی:۔ سمجھو تو بہت کچھ کہہ گئیں نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

نازک:۔ یہ لڑواتی ہیں۔ ان کی یہ عادت ہے بہن۔

قمر:۔ لڑوائے تو اس کو جو تم کو جانتا ہو۔

نازک:۔ تو ہم میں کون بات ہے بہن۔ دیوانی ہوں، کسی کو گالیاں دے بیٹھتی ہوں۔ یا اُٹھ بیٹھتی۔ بُرا بھلا کہتی ہوں آخر کچھ سنوں تو۔

قمر:۔ تمہاری بات کا کون جواب دے بہن۔

بہار:۔ جس کو بے نقط سننا ہو۔ ایک کہو ہزار سنو۔

قمر:۔ اے ہے بلا پڑیں ہزاروں لاکھوں باتیں کہہ ڈالیں۔

نازک:۔ اے ہے۔ کیا ننھی بنی جاتی ہیں۔ اور ابھی ایک بات کہوں تو بگڑ کھڑی ہوں۔ کہوں۔

راوی:۔ سب کے دل میں شک ہوا کہ کوئی بڑی ہی بات ہوگی اور کمال اشتیاق سے اس بات کے سننے کو منتظر ہوئیں۔ قمر النساء نے ہنس کر کہا تم جو چاہو کرو اور جو چاہو کہو تمہاری معافی ہے۔

اتنے میں ایک اور بیگم صاحب آئیں۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں کر کے انھوں نے اس بچے کا ذکر چھیڑا۔

بیگم:۔ پرسوں کا حال سنا ہوگا ہی۔ بڑا غضب ہوگیا۔

بہار:۔ ہاں وہ بچے کا حال نہ۔ زیور کی چوری کا۔

بیگم:۔ اے بہن بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہے ہے۔

گیتی:۔ اس مہری نگوڑی کو خدا غارت کرے۔ اس کے لیے کیا سزا تجویز کی گئی ہے۔ کچھ سنا۔؟

بیگم :۔ ابھی کچھ نہیں ایک مہری ہی تھوڑا ہی تھی۔ اس میں تو کئی شریک ہیں۔ ہمارے تو پڑوس کا ذکر ہے۔ ہر روز صبح سے شام تک، تھانے کے لوگ اور کوتوال اور شہر والے جمع ہوتے ہیں اور لوگ پکڑے جاتے ہیں۔

مغلانی :۔ حضور وہ لالہ بڑے امیر ہیں۔ مگر مرمٹا بیچارہ۔

بیگم :۔ لالہ! وہ چیکدار تھا۔ شاہی میں اب بھی اُس کے ہاں ایک ہاتھی ہے۔ مگر قسمت کا ہیٹا۔ اولاد نہیں ہوئی۔ بس ایک لڑکی ہے سو وہ بھی بڑھاپے میں ہوئی تھی اُسی کا بچہ تھا۔ بڑا ستم ہو گیا۔

سپہر :۔ تم نے تو لڑکا دیکھا ہوگا۔ پڑوسی ہی ہیں۔

بیگم :۔ ایسا ہنس مکھ اور گورا چٹا لڑکا کہیں کیا کہوں۔ مگر خدا اس کو غارت کرے۔ موئی کوئی ایسی بے رحم کہ زیور اتار کے اندارے میں پھینک دیا۔ اُف دکانپ کر، عورتوں میں بھی ایسی ایسی ظالم ہوتی ہیں۔

مغلانی :۔ وہ تو کہتی ہے کہ زیور اُس سادھو نے اتارا تھا اور بچے کو لاکے بان کی ماتی نے کنوئیں میں پھینک دیا۔

بیگم :۔ بچوں کو تو زیور نہ پہنانا چاہیے۔ یہ تو بڑی بری رسم ہے۔ آئے دن سننے میں آتا ہے کہ فلانے آدمی کے لڑکے کو کسی نے مار ڈالا اور زیور اُتار لیا۔ مگر لوگ نہیں مانتے اپنے بچوں کے آپ دشمن ہوتے ہیں اور پھر یہ بھی تو ہے کہ جو عورت برسوں سے نوکر ہو اور جس پر اعتبار ہو گیا ہو اس پر یہ کیوں کر شک گذرتا ہے کہ خواہی نخواہی اُسے مار ڈالا ہو گا۔

مغلانی :۔ بڑا نازک زمانہ ہے حضور توبہ ہی بھلی۔

نازک :۔ اب مہریوں کا اعتبار بالکل جاتا رہے گا۔

مہری :۔ حضور سب اُنگلیاں تھوڑا ہی برابر ہیں۔

نازک :۔ سنا نہیں کھانے کے وقت سب برابر ہو جاتی ہیں۔ پانچوں انگلیاں برابر جو بھر فرق نہیں۔

اب سنیے کہ جب چالیس پچاس ہجولیاں جمع ہوئیں اور عرصہ دراز تک اس بچے ہی کا ذکر رہا۔ تو بمبی کی بیگم صاحب نے جن کو حسن آرا نے مضمون سنایا تھا اس کا ذکر کیا اور چونکہ حسن آرا کی طباعی سے سب واقف تھیں انھوں نے اصرار بلیغ کیا کہ مضمون پڑھ کر سنائیں۔ حسن آرا نے پڑھ کر سنایا۔ وھو ہذا۔

جس طرح انسان کی شکل وصورت طرز معاشرت تراش خراش وضع چال ڈھال ایک سی نہیں ہوتی کوئی گورا ہوتا ہے کوئی کالا کوئی صبیح کوئی ملیح اُسی طرح ان کے خیالات میں بھی اختلاف ہے دیکھو بعتبان چین چھوٹے پانوں کو حسن وجمال کا جزو اعظم سمجھتی ہیں ادھر کسی شریف خاندان میں لڑکی پیدا ہوئی اُدھر ہاتھوں ہاتھ اس کے پانوں کو شکنجے میں کس دیا۔ انگلستان کے حسینان ماہ رو اور خوبان پری خو کمر کی لچک کو عین انداز

دل ربائی تصور کرتے ہیں اور مصنوعی چیزوں سے کمر کو اس قدر باریک کرنا چاہتے ہیں کہ کمر اور بال میں سرمو فرق نہ رہے۔ فرانس کے نازنینان زہرہ جبین مصنوعی بالوں سے زلف کو طول مل سے بھی طول زیادہ دیتے ہیں تاکہ چوٹی جو ایڑی تک لٹکے تو کمر ہزار جگہ سے لچکے۔ ہندوستان جنت نشان میں اصنام نازک اندام سبزۂ گلگوں ناز و انداز و کرشمہ سے سبز باغ دکھاتے ہیں۔ گانوں کی عورتیں اودی اودی گھٹا میں دھانی دوپٹا اوڑھ کر اتراتی ہیں۔ ڈھامی کے باشندے دانتوں کو زلف خوباں سے بھی زیادہ سیاہ رکھتے ہیں۔ کوئی بادشاہ ناچ رنگ میں روپیہ ضائع کر کے اپنی عجب گت کرتا ہے کوئی غزائے لذیذ پر جان دیتا ہے۔ غرض کہ جس طرح صورتیں گوناگوں ہیں اسی طور پر خیالات بھی بوقلموں ہیں مگر بعض امور ایسے ہیں کہ اُن کی خوبیوں اور عیوب کو طبع سلیم فوراً تسلیم کر لیتی ہے من جملہ ان امور کے بعض باتیں ایسی ہیں کہ اگر مبصر اُن کو بغور و تعمق چشم بصیرت سے ملاحظہ فرمائیں گے تو میں علم الیقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی پوچ باتوں کو ہرگز ہرگز جائز نہ قرار دیں گے۔ مثلاً بچوں کو زیور پہنانا۔ مستورات کا تو اس مقام پر تذکرہ نہیں مگر ہاں ذکور میں سے جو صاحب بچوں کو گہنا پہنانے کو موجب فخر تصور کرتے ہیں۔ ان کو ہم ایک قسم کا مریض سمجھتے ہیں اور نصیحت اور فہمائش کو دارو۔ دوا چاہے کیسی ہی شیریں کیوں نہ ہو مریض کو اس کی حلاوت ہمیشہ تلخ گذرتی ہے اور ٹری ترش روئی سے اس کو پیتا ہے لیکن ارباب فہم و فراست خوب جانتے ہیں۔ ع۔ کہ داروے تلخ ست دفع مرض۔

اکثر صاحبوں کا یہ مقولہ ہے کہ لڑکوں کو زیور پہنانے سے دو فائدے ہیں۔ ایک یہ لڑکے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں دوسرے اظہار دولت۔ اس میں اصلاً شک نہیں کہ لڑکوں کو صفائی سکھانی چاہیئے کہ ہمیشہ صاف ستھرے رہیں غسل کیا کریں لباس کو حتی الوسع بے احتیاطی سے میلا نہ کریں، بالوں کو پریشان نہ رکھیں مکان کو گندہ نہ کریں کیونکہ جسم اور لباس اور مکان کی صفائی تندرستی اور صحت سے ویسی ہی مناسبت رکھتی ہے جیسے ملح فی الطعام۔ صفائی جسم اور تندرستی لازم ملزوم ہیں لیکن حضرت نظر انصاف سے دیکھیے کہ زیور سے کیا صفائی ہوتی ہے۔ لڑکا کیسا ہی خوبصورت ہو کڑے پہنا دیجئے۔ پانوں کالے ہو جائیں گے بالیاں پہنا دیجیے بدقطع معلوم ہونے لگے گا۔ سوائے اس کے زیور اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان میں نفاست اور نزاکت کا نام نہیں بلکہ عموماً بھدے اور بھونڈے ہوتے ہیں۔ مثلاً بھلا ہنسلی میں کیا خوبی ہے ظاہر ہے کہ ایسا بھدا زیور گھوڑے اور بیل کے لائق ہے یا بچوں کے قابل (معقول سبحان اللہ کیا کیا زیور ہیں دائے صل علی، کڑے کیسے بھدے ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ الامان سردست کسی لڑکے کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنا دیجئے دیکھیے اس کی پھرتی رفوچکر ہو جاتی ہے یا نہیں بھلا ایسے زیور سے

لڑکا کیا بھلا معلوم ہوگا۔ جب تک لڑکے کا سبزہ آغاز نہیں ہوتا تب تک اکثر لوگ سنرہ پنہائے رکھتے ہیں۔ بچّوں کو چاندی کے کڑے پہننے سے سخت دقت ہوتی ہے۔ بچپن کے دن اُن کے کھیلنے کودنے اُچکنے پھاندنے دوڑنے دھوپنے کے ہیں کڑے پنہا کر اُن کو ایک قسم کا مفید کرنا کب قرینِ مصلحت ہے طرّہ اس پہ یہ کہ بعض صاحب عجب پر کٹی اُڑاتے ہیں گورے گورے پانوؤں کو کالا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ اے کیوں نہ ہو واہ۔ ع۔ برعکس نہند نام زنگی کا فور۔

ہاں یہ امر صحیح ہے کہ جو لوگ زیور پہنانا نہ دل سے پسند کرتے ہیں ان میں عشر عشیر ایسے ہوں گے جن کو اظہارِ دولت کا خیال نہ گدگداتا ہوگا غرض کہ یہ فعل لوگ عموماً اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ ہم کو اور ہمارے لڑکوں کو دیکھنے والے غریب مفلس نہ سمجھیں بلکہ یہ کہیں کہ لڑکا گوندنی کی طرح لدا رہتا ہے۔

اے حمیت قومی جوش میں آ وائے حُبّ الوطنی خروش فرما۔ اے طبع سلیم ایک نظر ادھر بھی۔ افسوس صد افسوس۔ اگر اسی کا نام اظہار دولت ہے تو ایسا اظہار۔ اور ایسی دولت اور ایسی خود نمائی کو ہم جھک کر سلام کرتے ہیں۔ صاحب اگر آپ دولتمند ہیں تو لڑکے کو اعلیٰ درجے کی تعلیم دیجیے۔ انگریزی فارسی سنسکرت وغیرہ السنۂ مروجہ اور منطق۔ معانی فلسفہ۔ ریاضی تواریخ۔ طبعیات وغیرہ علوم غریبہ سکھایئے۔ شہسواری۔ تیراندازی۔ بانک۔ لکڑی وغیرہ مفید ہنر کی طرف اُن کی طبیعت کو مائل کیجیے۔ اخلاق کی باتیں بتایئے تاکہ ان کی رائے زریں ہو، فکر متین ہو۔ یہ نہیں کہ آج لڑکا پیدا ہوا کل اُس کی ناک کان چھید کر نکچھدا غلام بنا دیا۔ ابتدا سے اس کو انتہا کا خود نما کر دیا۔ طوق ہیکل ڈھچی وغیرہ زیور سے گھوڑے کی زیبایش ہو تو ہو حضرت انسان کی زیبائش اور خصوصاً شرفا کے لڑکوں کی آرایش تو علم و ہنر سے ہے۔ ایک عالم کا مقولہ ہے کہ لڑکوں کو لباس گراں بہا اور غذائے پُر تکلف کا عادی نہ کرنا چاہیے ورنہ بڑھ کر وہ انھیں چیزوں کو سب سے عمدہ سمجھیں گے۔ وائے بر حال ماہندیان کہ بچپن ہی سے ان کو ایسی پوچ و لچر باتوں کی طرف راغب کرتے ہیں۔ علم و ہنر سکھانا بالائے طاق کڑے اور گھنگرو پنہانا خوب سکھاتے ہیں۔

زیور پہنانے میں ایک فائدہ تو صریح ظاہر ہے کہ اکثر لڑکوں کی جان خطرے میں رہتی ہے بلکہ مہینے میں دو چار بار اخبارات دیار و امصار میں ہم بڑے افسوس سے پڑھا کرتے ہیں کہ فلاں شہر میں ایک لڑکے کو ایک شقی القلب نے چار روپے کے زیور کی طمع پر مار ڈالا یا دو روپے کا گہنا اتار لیا اور پھانسی دے دی۔ دعوتوں میں اکثر زیور اتر جاتا ہے خادمہ فوراً لے لیتی ہیں آپ کی آنکھ چوکی اور انھوں نے مال ہضم کیا بالی کھوئی کی آواز گونج رہی۔

اگر کچھ بھی چشم انصاف سے غور فرمایئے تو لڑکوں کو زیور پہنانا گویا درحقیقت خود عمدًا اور ارادۃً قتل اطفال میں لوگوں کو ترغیب دینا اور شاید از خود بخشنودا اور داوار اعانت قتل اطفال ان کے جرم کا مجرم بن کر مواخذۂ سخت میں مبتلا ہوتا ہے اور ان بے چارے بے گناہوں کی جان کھونا ہے۔

جلوہ راز زیور نباید چوں بائین می رود

عار وارد از حنا پائے کہ رنگیں می رود

بعض کا قول ہے کہ ہم بیٹیں بہا زیور کس کے گھر سے لائیں ہمارا زیور کس گنتی میں ہے ہمارے پاس نہ مالائے مروارید۔ نہ جگنو نہ طوق۔ ہمارا پہنانا نہ پہنانا برابر ہے۔ ہاں روپے والے اگر اس میں اقدام کر کر اور بچوں کو گہنا نہ پہنائیں تو ہم بھی ان کا تتبع کریں۔ اللہ اللہ۔ اس اعتراض کو لوگ ایسا مدلل سمجھتے ہیں کہ ان کی رائے میں یہ اعتراض لاجواب ہے۔

ع۔ صاحب ہم سے جواب سُنیئے۔

بچوں کو گہنا پہنانا اس وجہ سے بُرا سمجھا گیا ہے کہ اول تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

دوسرے یہ کہ جان خطرے میں رہتی ہے۔ اگر گہنے کے پہنانے سے نہ نقصان ہوتا، نہ فائدہ تو بھی خیر ہم یہ سمجھتے کہ گو فائدہ نہیں مگر نقصان بھی نہیں ہے لیکن زیور کھو جانے اور روپیہ ضائع ہونے کے علاوہ، سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ بات کی بات میں جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ چاہے زیادہ زیور پہنایا جائے، یا کم، ہزار کا گہنا ہو یا پانچ روپے کا۔ خوف و خطر دونوں صورتوں میں برابر ہے۔ بلکہ غریب آدمیوں کو تو اور بھی زیادہ اندیشہ ہے۔ امیروں کے صاحبزادے تو اکثر خدمت گار، کہار، چھوکرے، ماما چھوچھو کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہر وقت ہاتھوں ہاتھ رہتے ہیں۔ مگر غریب کے بچے اکیلے گہنا پہن کر مارے مارے پھریں تو خطرہ کیوں کر نہ ہو۔ آنکھ چوکی مال غائب۔ لڑکا چاہے دس تولہ سونا پہنے ہو یا چھ ماشہ سونا۔ چور کی ہر طرح چاندی ہے۔ بس یہ کہنا کہ ہمارے لڑکے تو یوں ہی سا گہنا پہنے ہیں۔ ہم کو کیا خوف ہے، ہرگز صحیح نہیں ہے۔ بس غریب یا اوسط درجے کے لوگوں کو تو سب سے پہلے بلا انتظار امیروں کے باستقلال تمام، ازراہ عاقبت اندیشی اپنے پیارے بچوں کے حال پر رحم کر کے اس رسم مُضرو جانکاہ طفلاں سے احتراز فرمانا واجب ہے ہم کو تو یہ رسم تہ دل سے ناپسند ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عورتوں کے زیور پہننے میں طعن کرتی ہوں نوبہ توبہ! زیور تو خاص عورتوں ہی کے لیے ہے۔ مگر معصوم بچوں کو گہنا پہنا کر ان کی جان مفت معرض خطر میں ڈالنا نشانِ بالغ خردی نہیں ہے۔ ہمارے اربابِ قوم میں ایسے لوگ کم ہوں گے جو لڑکوں کے زیور پہنانے کو

ذریعہ افتخار واعزاز سمجھتے ہوں۔ اگر ایسے دانشمند ہوں بھی تو سو میں دس؛ ہاں مستورات زیور پہنانے پر البتہ لٹو ہیں۔ کچھ ہماری قوم پر خصوصیت نہیں۔ بلکہ ہندوستان کے ہر ایک فرقہ کی عورتیں کم و بیش اسی طرف مائل ہیں۔ ہم لوگ یہ بات بھی خوب جانتے ہیں کہ ہند کی عورتیں محض ناخواندہ ہوتی ہیں۔ پس ان کی رائے صائب نہیں۔ ناقص ہے۔ اور رائے ناقص کی پابندی کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ اس سے صریح نتیجہ یہ نکلا کہ بچوں کو زیور پہنانا خلافِ مصلحت ہے۔ اس کے خلاف لکھنا عینِ مصلحت ہے۔ اور جو چیز خلافِ مصلحت ہے اس کے خلاف لکھنا عینِ مصلحت ہے۔ پس آپ اور آپ کے وقائع نگاروں، اور معاونوں پر فرض ہے کہ اس رسمِ ناپابستہ کی ہجو کریں، اور اس کے پسند کرنے والوں کو خوب آڑے ہاتھوں لیں۔ عجب نہیں کہ پڑھتے پڑھتے ناظرین عاقبت اندیش کے دلوں پر ایسے مضامین مفید جلد اپنا اثر دکھادیں۔ اُناثِ ہندجن کی عقل حلیۂ عاقبت اندیشی سے عاری ہے۔ اُن کا یہاں تذکرہ نہیں۔

کیا خوب بات ہو کہ جو اس امر میں ہم سے اتفاق کرتے ہیں وہ عندالملاقات اپنے ہجولیوں سے اس کی خرابیاں بالتفصیل والتوضیح بیان فرمائیں تاکہ ان کے دل پر اُس کی برائیوں کا نقش بخوبی منقوش ہو جائے یعنی ان باتوں کو تہِ دل سے بُرا سمجھنے لگیں۔ اس میں شک نہیں کہ بڑی بوڑھی عورتیں جو ہماری رائے پر اعتبار کرنا پسند نہیں فرماتی ہیں، اس وجہ سے ہم لوگ ایسے اُمور میں دست اندازی نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک تدبیر نہایت ہی معقول ہے اور اس کا تجربہ بھی ہوا ہے۔ میں اکثر ایک چھوٹے لڑکے سے جس کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہیں گہنے کی باتیں کرتی اور شوق دلاتی تھی کہ گہنا نہ پہنا کرے، مگر اس نے ایک بات نہ مانی۔ اور زیور کا بدرجۂ غایت شائق ہو گیا۔ آخر کار میں نے اس سے ہر روز کھیلتے کھیلتے یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو آج فلاں لڑکا مار ڈالا گیا کیونکہ وہ بہت سا گہنا پہنے تھا۔ فلاں لڑکے کے کان سے چور نے اس زور سے بالیاں نکال لیں کہ اس کا کان کٹ گیا۔ فلاں شخص کے بیٹے کو ایک اُچکے نے خوب لاٹھیاں لگائے اور ہاتھوں سے کڑے نکال لیے۔ یہ سب باتیں وہ چھوٹا بچہ کان دھر کے بڑے غور سے سُنتا تھا رفتہ رفتہ کہنے سے اُس کو نفرت ہو گئی۔ اب گہنے کا اس کو مطلق شوق نہیں۔ بس اس حکمت عملی سے اس کی طبیعت زیور کی طرف سے ہٹادی گو اب بھی وہ بچہ کبھی کبھی عورتوں کے خوف سے گہنا پہن لیتا ہے مگر جب چوروں کی باتیں اُسے یاد آجاتی ہیں تو فوراً اُتار ڈالتا ہے۔ ایسی ہی تدبیروں سے یہ رسوم مذموم ترک ہو جادیں تو عجب نہیں۔ خدا کرے یہ رسم جلد دور ہو۔ آمین۔

حسن :۔ بیگم کی اس جادو بیانی نے سب کے دلوں پر پورا پورا اثر کیا مگر ایک ہجولی نے جو قصبے میں عرصۂ دراز تک رہی تھیں۔ کہا کہ بہن بعض بعض باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آئیں۔

حسن :۔ اے ہے سچ کہو بہن۔ وہ کون باتیں ہیں۔

نازک :۔ تم سمجھتی نہیں۔ یہ تو گنوارن ہیں نہ۔

جانی :۔ یہ کس پر عنایت ہوئی۔ کریمن پر۔

نازک :۔ اُہو ہو ہو۔ نام کتنا پیارا ہے۔

بہار :۔ حسن آرا نے چشم بد دور بڑی ترقی کی ہے۔

قمر :۔ اس میں کیا شک ہے۔ مردوں کے کان کاٹے۔ اس شہر میں کیا معنی ہم جانتے ہیں ملکوں ملکوں ڈھونڈو تو ان کا جواب نہ نکلے۔

وزیر :۔ جیسی تعریف سنی تھی ویسا ہی پایا اُن کو۔

نظر :۔ بس ذرا ذرا بعض بعض باتوں میں تو البتہ دنیا سے نرالی ہے باقی پڑھنے لکھنے میں تو جیسی برق ہیں سارا زمانہ جانتا ہے۔

بہو :۔ ہاں رواج کے خلاف بعض باتیں ہم نے دیکھیں۔

نازک :۔ اب کنواری لڑکی کوئی بھی ایسی ہوگی بھلا۔

بہو :۔ یہ جو کر بن رہنا ہے۔ اللہ نے عقل میں علم میں سب سے زیادہ بنایا ہے۔ پھر غیرت دار۔ باسلیقہ۔ تمیز دار۔

سپہر :۔ کریمن بے چاری کی سمجھ میں جو نہ آیا ہو وہ تو سمجھا دو یہ بیچاری اس وقت سے رو رہی ہے۔

نازک :۔ روئیں اُن کے دشمن۔ کیوں کوستی ہو۔

سپہر :۔ تم لڑوائے بغیر تو رہوگی نہیں بہن۔

نازک :۔ اب آخر کس زبان میں حسن آرا بات چیت کریں۔ جو کریمن کی سمجھ میں آئے۔ ہماری تو یہی بولی ہے۔

حسن :۔ ہاں بہن اب گنواری بولی تو آنے سے رہی۔

نازک :۔ فارسی عربی کے لفظ جو عام فہم تھے وہ لکھے ہیں۔ اس میں مشکل کون بات ہے اور اس کی ٹھیٹھ ہندی تو کوئی لکھ ہی نہیں سکتا۔ دو چار دس پانچ اس طرح کے لفظ ضرور آجائیں گے۔

حُسن :۔ واہ یہ نہ کہو بہن۔ کیا مجال جو اُردو فارسی کا ایک لفظ بھی آنے پائے۔ کیا ہم لفظوں کے ہاتھ بک گئے

ہیں کچھ۔

نازک :۔ اگر دس سطریں بھی ایسی لکھ دو تو بیس روپے بارتی ہوں جتنی سطریں لکھو اُس کے دونے روپے گنوا لو۔ چلو یوں ہی سہی۔

حسن :۔ ہار جاؤ گی اور میں روپے ہی لوں گی۔

نازک :۔ ایک سطر تو لکھو بھلا۔ لکھ کے دیکھ لو۔

حسن :۔ مہری قلم دوات کاغذ لاؤ جا کے۔

حسن آرا نے یوں مضمون لکھنا شروع کیا۔

لڑکوں کو گہنا پنھانا

میری پیاری بہنو۔ بہت دنوں سے میرا جی چاہتا ہے کہ لڑکوں کے گہنا پنھانے سے جو جو برائیاں ہوتی ہیں۔ وہ لکھوں سوا لکھتی ہوں۔ جی چاہے تو جی لگا کے پڑھو اور جو پڑھو اس کو سوچو اور وہ یہ ہے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ لڑکوں کو لوگ گہنا کیوں پنہاتے ہیں۔ کوئی سمجھتا ہے کہ اس کے پنہانے سے سب لوگ ہم کو روپے والا کہیں گے۔ کوئی کہتا ہے اس سے ہمارے لڑکے اچھے اور گورے چٹے دکھائی دیں گے۔ جن کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ اس لیے اپنے لڑکوں بالوں کو پنہاتے ہیں کہ جو نہ پنہائیں گے تو ہمارے بھائی اور جان پہچان والے کنگال کہیں گے۔ سینکڑوں نے چاہا کہ ہندوستان سے یہ بُری ریت چھوڑوا دیں۔ آج تک کچھ نہ ہو سکا ابھی دلّی سینکڑوں کوس ہے۔ بہت دن سے لوگ یہ بات چاہتے ہیں تسپر آج پہلا ہی دن ہے۔

ہم سنا کرتے ہیں کہ آج اُس جگہ ایک لڑکے کو کسی نے گہنے کی لالچ سے مار ڈالا۔ دس بارہ دن ہوئے اس بستی میں کوئی دو لڑکوں کو جو گہنا پہنے تھے بہکا لے گیا۔ اس کان سے سنتے ہیں اس کان سے اُڑا دیتے ہیں۔ جس دن کوئی ایسی بات سنتے ہیں اُس دن تو کڑھتے ہیں۔ جہاں دو تین گھنٹے ہو گئے۔ پھر چٹ بھول جاتے ہیں ہم یہ کبھی نہ مانیں گے کہ گہنا پنہانے سے چھوٹے لڑکے آنکھوں کو اچھے دکھائی دیتے ہیں اور جو اس لیے پہنایا جائے کہ ان کے ماں باپ روپے والے

سمجھے جائیں گے یہ بھی کچھ ٹھیک بات نہیں۔ جو روپیہ ہی دکھانا ہے تو یہ کیوں نہ کرے کہ اچھے اچھے کپڑے پہنائیں ہر گھڑی لڑکوں کے ساتھ کہار یا چھوکرا رکھے چڑھنے کے لیے پالکی ہو ٹانگھن ہاتھی کا پا تھا۔ چھوٹی سی بچی ہو جو کسی کو یہ سوچ ہو کے تو پچاسوں باتوں سے مٹ سکتا ہے۔ دیکھو انگریز لوگ کبھی ایسا نہیں کرتے۔ کوئی کہہ تو دے کہ ہم نے انگریزوں کے لڑکوں کو کڑے یا ہنسلی یا کوئی اور گہنا پہنے دیکھا۔ کبھی نہیں۔ وہ لوگ ان باتوں کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ ہاں پڑھانے لکھانے کو گہنا پہنانے سے کہیں اچھا جانتے ہیں ہم لوگوں میں بھی لڑکوں کو کڑے اور ہنسلی اور ہار ڈو پہناتے ہیں۔ ہندوستان میں سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ ادھر لڑکا ہوا ادھر جھپ اس کے کان ناک چھید کے نک چھدا بنا دیا اور چٹ کالا ڈورا پہنا دیا۔ پھر تھوڑے دنوں میں چاندی یا سونے کی بالی پہنائی گئی ننھے ننھے لڑکوں کو اس سے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ کیا کریں۔ بول نہیں سکتے۔ تس پر بھی چلاتے ہیں چیختے ہیں۔ روتے ہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ دو چار برس کا لڑکا سر سے پیر تک گہنے سے لدا ہے اور چل نہیں سکتا۔ کان پک گئے۔ کڑے کی چاندی سے ٹخنے کاٹے کو یا لے ہو گئے تو بہت جی دکھتا ہے۔ یہ کتنی تھوڑی بات ہے کہ گہنا پہنانے سے لڑکے جو گھر میں رہتے ہیں۔ کہار۔ چھوکرے اور کہاریاں بھی کبھی کبھی اُتار لے جاتی ہیں۔ جو آنکھ چوکی اور چٹ گہنا جو کچھ ملا لے کے چمپت ہوئے۔

حسن آرا نے مضمون لکھ کر کہا بہن اس میں ۲۴ سطریں ہیں۔ فی سطر دو روپے کے حساب سے ۴۸ روپے ہوتے ہیں۔

نازک:۔ چہ خوش گھر گھوڑا نخاس مول۔

بہار:۔ اُن کے حوالے کر دو۔ وہ خود گن لیں گی۔

نازک:۔ پہلا دیکھوں تو شرط پوری ہوئی بھی۔

بہار:۔ شرط تو ضرور پوری ہوئی ہو گی بہن۔

نازک:۔ کیا مجال۔ میں دیکھوں تو سہی۔

قمر:۔ ہم کو تو یقین نہیں ہے کہ پوری ہوئی ہو۔

بہار:۔ اچھا آؤ ہم تم الگ بدلیں۔ ایک ایک اشرفی۔

قمر:۔ منظور۔ دو صاحب ہم تو نازک ادا کی طرف ہیں۔ اور یہ حسن آرا کی طرف۔

حسن آرا نے نازک ادا کو مضمون دیا اور وہ پڑھنے لگیں۔

نازک:۔ پیاری بہنو۔ پیاری فارسی نہیں ہے؟

حسن:۔ اے کچھ خیر ہے۔ لو اور سنو ہوش کی دوا کرو۔

نازک :۔ اچھا روپیہ فارسی ہے۔ چلیے اب شرط فتح ہوگئی اور ہم جیت گئے روپیہ ہا اس کی جمع ہے۔ فارسی ہے یا نہیں۔

حسن :۔ کچھ خبر ہے۔ روپیہ کا لفظ ایرانی کلام میں آیا ہے وہاں تو دینار و درم سکے ہیں۔

نازک :۔ اچھا یہ لفظ دکہ، کیا ہے۔ کاف بیانیہ۔

حسن :۔ یہ ہندی فارسی دونوں ہے۔ اس کی ہندی کیا ہے یہ بتایئے آخر فارسی ہے تو اس کی ہندی کیا ہوگی۔

نازک :۔ اچھا دکہ، اور (روپیہ) اور پیاری) یہ تینوں لفظ کسی سے پوچھو دیکھو کیا کہتا ہے مگر کوئی شاعر ہو۔

بہار :۔ باہر مولوی صاحب سے پچھوا منگواؤ۔

نازک :۔ مولوی کیا جانے کسی شاعر سے پوچھو۔

حسن :۔ اب پھر بدلو۔ اب کی ایک اشرفی لفظ۔

نازک :۔ نہیں بس اب اس کو طے ہونے دو پہلے۔ مگر شاباش بہن۔ اللہ جانتا ہے بڑا کام کیا۔ ہمیں اُمید نہیں تھی سچ تو یہ ہے کہ تمہارا ہی کام ہے جب ہی تو یہ بات حاصل ہوئی۔ یہ سب تو ان پڑھ جاہل ہیں جیسے گاؤں کی عورتیں ویسے یہ۔ اگر کوئی سمجھتی تو ضرور داد دیتی۔ شاباش شاباش۔

حسن :۔ غریب کی جگہ میں سوچتی تھی کہ کیا لکھوں۔ مفلس قلاش بے زر کوئی لفظ نہیں لکھ سکتی تھی۔ آخر کو کنگال لکھا۔

سپہر :۔ اب روپیہ تو گینے یا ئیں ہاتھ ہے۔

بہار :۔ گنوالو چہرہ شاہی سکے۔ اور قمر النسا بہن اشرفی نکالو۔ بد کے مکر جانا اچھا نہیں ہوتا۔

قمر :۔ واہ نازک ادا واہ۔ لے کے ہروا دیا۔

نازک :۔ تو بہن ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہ ایسی تیز طبیعت ہیں۔ انھوں نے تو وہ کام کیا جو کسی سے نہ ہو سکے گا۔

بہار :۔ تو پڑھ کے سُنائیے تو سمجھ میں آئے گا ہمارے ؟

نازک :۔ اے ہے۔ یہی تو تعریف ہے کہ بالکل سہل ہے۔

حسن :۔ ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ کسی گنوارن مہندنی کو بلائیے۔ دیکھیے تو سب سمجھ لیتی ہے یا نہیں۔

قمر :۔ مفت میں بیٹھے بٹھلائے اشرفی ہاتھ سے گئی۔

نازک :۔ تم اشرفی دو بہن تم امیر ہو میں بے چاری کس کے گھر سے لاؤں۔

محبوب رنگیں قبا نازک ادا بیگم نے مسکرا کر کہا بہن لینے دینے میں مغائرت پائی جاتی ہے انسان کو وہ بات کرنی چاہیے جس سے محبت دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ اگر ہم نے چودہ روپے کے عوض چودہ اشرفیاں بھی دے دیں تو کیا مطلب نکلے گا۔ بھلا۔ اور یوں تو۔ ہمیں یاد رہے گا۔ کہ دیکھو حسن آرا بہن سے ہم سے اس قدر محبت ہے کہ شرط بدی بھی ہار بھی گئے مگر کچھ نہیں لیا اس پر سب ہجولیوں نے قہقہہ لگایا اور کہا شرط میں کسی کا اجارہ نہیں ہوا کرتا ہے۔ حسن آرا بیچاری کون ہیں۔ ہم کاہے کو ماننے لگے۔ یہ چاہے مان بھی لیں ہم تو نہ مانیں گے۔ چوراسی روپیہ یک مشت ملتا ہے ایک دن خوش روزہ ہوگا۔ مزے سے۔ لے اب بائیں ہاتھ سے روپیہ لائیے۔ ہم ایک نہ مانیں گے۔ ادھر قمر النسا بیگم کو آڑے ہاتھوں لیا کہ اشرفیاں نکالیے۔ بدنے کے وقت تو بڑی سخی داتا بن گئی تھیں اور بار بار غل مچاتی تھیں کہ ہم لے لیں گے۔ ہم ضرور لے لیں گے۔ اب اپنے داؤں خبر ہی نہیں ہوتی۔

الغرض بڑے جھگڑے کے بعد نازک ادا بیگم نے پچاس روپے دیے اور قمر النسا نے ایک اشرفی گھر سے منگوا دی۔ اب باہم یہ صلاح ہوئی کہ دو ڈومنیاں بلوائی جائیں اور رات بھر دھما چوکڑی مچے اُس روز اتفاق سے بڑی بیگم صاحب رنگ لائیں۔ دردِ سر نے ایسا پریشان کیا کہ گھر بھر کی نیند اُڑ گئی۔ پھر تپ شدید نے اس درجہ دق کیا کہ رات کو دو تین بار حکیم صاحب بُلوائے گئے۔ خدا خدا کر کے پچھلے سے ذرا ذرا سکون ہوا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کین دولت از گفتار خیزد

رغید نسترن بنا گوش مہ پارہ پری چہرہ زاہد فریب صنم قوس ابرو ماہ سیما حسن آرا بیگم کے مضامین نادر دل رُبا ایک ہجولی نے اُن سے تھوڑی دیر کے لیے مانگ لیے اور شام کو فنس پر سوار کر اپنے گھر چل دیں۔ حسن آرا کو یاد نہ رہا کہ ہمارے مضامین اُنھیں کے پاس ہیں۔ اُس پرکالۂ آتش نے وہ مضمون اپنے بھائی کو دکھائے اور اُس کے بھائی نے نقل کر کے ایک اخبار میں مِعًا چھپوا دیئے۔ دوسرے روز صبح کو حسن آرا بعد نماز مناجات پڑھ رہی تھیں جب یہ شعر پڑھا۔

قافلہ شد واپسی ما ببیں

اے کس ما بے کسی ما ببیں

پیر مرد نے (ضروری ہے) کہہ کر ایک اخبار حسن آرا کو دیا اور اُنھوں نے مناجات ختم کر کے اخبار پر نظر ڈالی تو یہ گرما گرم فقرے نظر سے گذرے وھونڈا۔

جاں ہا حیات یافت زحسن کلام تو
درزیر لب چہ شیوۂ شیریں نہادۂ

یوں تو خدا کی خدائی میں ایک سے ایک طباع اور ذہین ہے مگر جب کبھی ہم کسی خاتون عفت کوش و پاک دامن کی نسبت سنتے ہیں کہ علم و فضل میں انھوں نے تائید ایزدی سے پایۂ بلند حاصل کیا ہے تو باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ہمارے ملک میں آج کل ایسی عالی دماغ اور تربیت یافتہ مخدرات کہاں ہیں جو فرنگستان کی لیڈیوں سے عقل و فہم میں مقابلہ کر سکیں۔ نقطہ مقابلہ ہونا تو درکنار یہ تو بہت مشکل بات ہے۔ ہم کہتے ہیں اُن کے عشر عشیر لیاقت بھی نہیں حاصل ہے۔ لیکن کبھی ایسے زمانہ میں اور ایسے ملک میں ہم سنتے ہیں کہ کسی خاتون پاک نظر نے علم و فضل میں درجہ اعلیٰ حاصل کیا تو روح فرحناک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آج ایک کرم فرما کے ذریعے سے بچوں کے زیور پہنانے کے مضار بے شمار کی نسبت ایک بڑے گھر کی نوجوان اور عفیفہ بیگم صاحب کے خیالات یہاں تک آئے ہیں جن کو ہم کمال فخر کے ساتھ زیب اخبار اور خدا کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بھی ایسی ایسی مخدرات موجود ہیں۔ و ہو ہٰذا۔

اس کے بعد وہ مضمون کسی قدر جلی قلم سے درج تھا اور آخر میں لکھا تھا۔

چہ نلمے کہ مولائے نام توام
درم ناخریدہ غلام توام

اس کے ساتھ ہی ایک رقعہ بھی تھا جس کی عبارت درج ذیل ہے۔

بیگم صاحب۔ کورنش۔ تعلیم النساء نے آپ کو رنگین طبع بنا دیا مگر خدا کے لیے قوم کی اور نوجوانوں کو اس کی ترغیب نہ دیجیے کہ وہ بھی پڑھنے کی طرف مخاطب ہوں۔ اتنی عنایت کیجیے۔

اس کے جواب میں حسن آرا نے یہ مضمون فوائد تعلیم النساء کی نسبت قلمبند کیا۔

مدعی گو برو و نکتہ بہ حافظ مفروش
کلک ما نیز زبانے و بیانے دارد

تہذیب اور شائستگی محبت اور ہمدردی حب الوطنی اور دل سوزی یہ افعال حمیدہ اور صفات پسندیدہ علم سے حاصل ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ علم ایک شجر ہے جس کی سرسبز اور شاداب شاخوں میں صحبت اور ہمدردی کے میوے لدے ہوئے ہیں مگر جس طرح سیب کا درخت فرنگستان میں نشو و نما نہیں پاتا اسی طرح ہندوستان کی آب و ہوا شجر علم کے لیے کچھ ایسی ناموافق ہو گئی ہے کہ خدا کی پناہ۔ بدشوقی کا پالا مار جاتا ہے۔ سستی کی صرصر تند مرجھا دیتی ہے۔ محنت کا آفتاب اس پر شعاع نہیں ڈالتا۔

کا ہل کے سایہ میں ٹھٹھر جانا۔ کُھلا جاتا ہے۔ یہ بھی نہ سہی یوں کہو کہ علم ایک دریائے زخار و ناپیدا کنار ہے جس کی تہ میں سولزیشن اور تہذیب کے لولوے لالا لاکھوں بلکہ کروڑوں پڑے ہیں لیکن افسوس ہے کہ یہ دریائے قہار اپنے پرانے ڈھرے کو چھوڑ کر کہاں سے کہاں پہونچا۔ اللہ اللہ ہند سے انگلستان پہونچا۔ اب ہمارے ملک میں بعض آدمی اس کی بڑی چاہ کرتے ہیں مگر یہ یورپ ہی میں لہریں مارتا ہے یہ وہی دریا ہے جس کے پانی کی تاثیر سے راجہ بھوج اور بکرماجیت کے زمانے میں بڑے بڑے علما متبحر گذر گئے ہیں جو افتخار قوم اور یادگار قوم تھے یہ وہی دریا ہے جس کے آب نیریں کے اثر سے ابوالفضل اور فیضی سے مدبران بلند پایہ اور فصحائے گراں مایہ کا کلام اب تک فرنگ اور ایران میں قدر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ وہی دریا ہے جس کی بدولت ہندیوں نے جبر و مقابلہ میں مصریوں اور یونانیوں کو شرمایا منطق میں کوس لمن الملک بجایا یہ وہی دریا ہے جس کے فیض نے لوگوں کو ایسا شایستہ کر دیا کہ مرد تو مرد عورتیں تک تربیت یافتہ ہوتی تھیں۔ یا اب ایک زمانہ ہے کہ ذکور ہی ناخواندہ ہوتے ہیں تا بہ نسواں چہ رسد بان بنگال میں البتہ اس دریا کی ایک شاخ نکل آئی ہے اُسی سوتے نے اہل بنگال کو خواب غفلت سے بیدار کیا مگر وہ اور پنجاب اور ممالک مغربی و شمالی کے باشندے ابھی کورے کے کورے ہی ہیں۔ جب ہم بنگالیوں ہی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو اہل انگلستان کا بھلا کیا مقابلہ کریں گے۔ ہمارا اور انگریزوں کا مقابلہ ایسا ہی ہے جیسا کوہ ہمالیہ اور لوارد کی پہاڑیوں کا مقابلہ! یعنی کچھ بھی نہیں!!!

واقعی ہندوستان میں تعلیم نسواں کی بدرجہ غایت ضرورت ہے۔ تعلیم نسواں سے صرف عورتوں ہی کو فائدہ نہ ہوگا بلکہ مرد بھی فوائد عظیم حاصل کریں گے۔ ایک یہی فائدہ کیا کم ہے کہ اگر عورتیں تربیت یافتہ ہوں گی تو مردوں کو مارے شرم کے ضروری پڑھنا پڑے گا۔ ناظرین حق میں خود خیال کر لیں کہ اگر بیوی پڑھی لکھی ہوں اور یہاں ان پڑھ گنوار جاہل تو ان کا کیا حال ہوگا۔ تحصیل علم کا ضرور خیال گدگدائے گا۔

مرد اپنی ناقص العقلی سے عورتوں کو ناقص العقلی کا مفت میں الزام دیتے ہیں ورنہ بڑے بڑے علماء کا کلام اس قول کا شاہد ہے کہ عورتیں ذکاوت اور ذہانت میں مردوں سے کم نہیں ہیں بلکہ فوق لے گئی ہیں۔ جس عمر تک بچے لڑکے اور لڑکیاں کھیلتی ہیں اُن کی ذکاوت اور طبیعت داری میں اصلاً فرق نہیں معلوم ہوتا بلکہ لڑکیاں اکثر لڑکیوں سے تیز ہوتی ہیں۔ لڑکے چھ سات برس کی عمر سے مکتب خانے جاتے ہیں۔ علما کی صحبت میں بار پاتے ہیں علوم پڑھتے ہیں۔ انواع و اقسام کے تجربے حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس لڑکیاں دولت علم سے محروم رکھی جاتی ہیں۔ گڑیوں سے کھیلنا اور کچھ سینا پرونا سیکھنا۔ وہ بڑھ کر عالم فاضل منطقی فلسفی مدبر تحریر خوش لیاقت اور خوش تقریر ہو جاتے ہیں اور بیچاریاں جاہل ہی رہتی ہیں۔ ع۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

خاصہ کلام یہ کہ عورتوں کی ناقص العقلی خلقی نہیں ہے جبلی نہیں صرف ذکور کی عدم توجہی اُن کو ناقص العقلی کر دیتی ہے افسوس ہے کہ گو ان میں تحصیل اور اکتساب دانش کی قابلیت موجود ہے مگر مردوں کا حسد اُن کو اُن کی تحصیل سے باز رکھتا ہے۔

حسد کی لفظ سے شاید ناظرین متحیر ہوں۔ مگر یہ اصلاً مقام حیرت نہیں ہے کیونکہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ مرد عورتوں کو قریب قریب غیر جنس سمجھتے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ عورتیں ان کی برابری کریں۔ جو لوگ ناخواندہ ہیں وہ تعلیم النساء کے اور بھی دشمن ہیں جس طرح انسان کی شکل و صورت میں اختلاف ہے۔ اُسی طرح اُن کے خیالات بھی مختلف ہیں بعض اصحاب یہ تصور کرتے ہیں کہ ذکور پر فرض کہ اناث سے زیادہ لائق ہوں۔ اچھا چشم ما روشن۔ مگر کیا تماشے کی بات ہے کہ اپنی کاہلی کی بَلا عورتوں پر ڈالیں۔ توبہ توبہ اس خودغرضی سے خدا کی پناہ۔ معاذ اللہ۔ کیا بے حمیتی ہے عورتوں سے زیادہ لائق ہونے کا کیا سہل نسخہ ہے کہ ان کو تعلیم سے بے بہرہ رکھو آپ ہی بے وقوف بنی رہیں گی۔ سبحان اللہ۔ ع۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ کہنا کہ نسواں کو پڑھنے لکھنے کا وقت نہیں ملتا محض ایک عذر بدتر از گناہ ہے بعض عورتیں جو گھر کی اکیلی ہیں البتہ کسی قدر عدیم الفرصتی کا عذر پیش کر سکتی ہیں مگر یہ عذر عام اور یہ قاعدہ سب پر اطلاق نہیں کر سکتا۔ بہت عورتیں ایسی ہیں۔ جن کو۔ ع۔ بجز جفتنی بازیا خوردنی۔ اور کوئی کام نہیں۔ سوائے ازیں ہمارا یہ منشا نہیں کہ نسوان علم برق میں برق ہوں۔ یا بجز اثقال سیکھیں۔ ہاں اخلاق کی نادر نادر کتابیں پڑھیں۔ کفایت شعاری کے رسالے مطالعہ کریں۔ مذہبی کتب معقول کو غور سے دیکھیں ضروری حساب کتاب ضرب تقسیم کر سور الربعہ واقف ہوں۔ گھر کا خرچ آسانی سے لکھ سکیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو ابتدائی پڑھائی پڑھا سکیں۔ کیا اس قدر تحصیل کے لیے خضر و الیاس کی عمر درکار ہے۔ یہ سب باتیں تین چار برس میں بخوبی تمام حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر بیوی پڑھی لکھی ہو تو میاں کو زیادہ خوش رکھ سکتی ہے ناخواندہ عورت دوست جاہل ہے تربیت یافتہ عورت مونس دانا پڑھی لکھی عورتیں عموماً گھر کا انتظام اس خوبی و خوش اسلوبی سے کر سکتی ہیں جیسے اچھے مدبر ملک کا انتظام کرتے ہیں۔ لڑکے جب تک کم عمر ہوتے ہیں کنار مادری میں تعلیم پاتے ہیں پس جاہل عورتوں کے پاس وہ جہل کی باتیں سیکھیں گے بڑے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جنہوں نے لائق اور تربیت یافتہ ماؤں کے کنار میں تعلیم پائی ہے کم سنی میں بچے ماں کی خو بو ماں کی عادت ماں کے رنگ ڈھنگ کا تتبع کرتے ہیں اور یہ خو بو بڑھ کر قریب قریب طبیعت ثانی ہو جاتی ہے۔

مردوں کا قاعدہ ہے کہ عورتوں کو ہمیشہ ذلیل سمجھتے اور نظر حقارت سے دیکھتے۔ ظرفا بصرہ میں سے چار صاحب جن میں ہر ایک بذلہ سنجی میں طاق اور لطیفہ گوئی میں مشاق تھا رابعہ بصری کے پاس گئے۔ ایک نے کہا اے رابعہ ذکور کامل العقل ہیں اور اناث ناقص العقل۔ ان کے نقصانِ عقل کی یہ کافی دلیل کہ ازروی شرع دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے صاحب نے فرمایا کہ عورتیں ناقص الدین اور اس کا ثبوت یہ کہ وہ مہینے میں تین دن روزہ نماز سے باز رہتی ہیں۔ تیسرے صاحب بولے کہ آج تک کسی عورت نے پیغمبروں کا درجہ نہیں حاصل کیا۔ چوتھے صاحب نے شیخیت میں آن کر فرمایا کہ بس دلائل مذکرہ بالا سے ظاہر ہے کہ مرد عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

رابعہ نے مسکرا کر کہا کہ آپ کے دلائل ساطعہ ہمارے سر آنکھوں پر لیکن تنہا پیشِ قاضی روی راضی آئی کا معاملہ ہے۔ اگر کسی عورت سے پوچھیے تو وہ بھی عورتوں کی تین فضیلتیں بیان کر سکتی ہے جو مردوں کا نصیب نہیں۔ مجھ سے سُن لیجیے نہ۔

اولاً۔ عورتوں میں کوئی مخنث نہیں سنی گئی۔

ثانیاً۔ آج تک کسی عورت نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا یہ بے ادبی مردوں ہی سے سرزد ہوئی۔

ثالثاً۔ انبیا اور اولیا اور صلحا اور صدیقوں نے عورتوں کے بطن میں پرورش پائی ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

پس ظاہر ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اس قدر فضیلت نہیں ہے جس قدر وہ سمجھتے ہیں۔

یہ فی البدیہہ اور دنداں شکن جواب سُن کر اُن چاروں کے حواس مختل ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اس بحث میں کئی باتیں غور طلب ہیں۔

اولاً۔ کیا تعلیم النسا ہندوؤں یا مسلمانوں کے مذہب کی رو سے ممنوع ہے۔ اگر ہے تو ثبوت۔

ثانیاً۔ ہمارے اسلاف جنت آرام گاہ کے وقت میں تعلیم نسواں کا رواج تھا یا نہیں۔

ثالثاً۔ اگر تعلیم نسواں کا رواج زمانہ سلف میں تھا تو کیوں موقوف ہوا اور اس کا سبب خاص کیا تھا۔

اب صاف ظاہر ہے کہ مذہب اسلام کی رو سے تعلیم نسواں ہرگز ممنوع نہیں ہے۔ ؎

طلب کردن علم شد بر تو فرض
دگر واجب ست از بهش قطع عرض

اور بے علم کے انسان خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ ؏

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اور امر دوم کی نسبت بھلا کوئی مسلمان بھی کہہ سکتا ہے کہ آگے ہماری سی عورتیں ایسی ہی جاہل ہوتی تھیں۔

اہل اسلام میں ایسی ایسی ذی لیاقت مخدرات گذر گئی ہیں جن کے نام سے علم کو فخر حاصل ہے۔ باقی رہے ہندو۔ گو ہمیں اُن کے ہاں کے حالات سے چنداں واقفیت نہیں مگر خود ایک ہندو کا قول درج ذیل ہے

(یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ زمانہ سلف میں تعلیم نسواں کا رواج تھا۔ منتری جی جو جاگ ولگ رکھیشر کی استری تھیں پڑھی لکھی تھیں۔ مہاراجہ دھرتراسٹ کی استری گندھاری جی کا علم وفضل میں وہ پایہ تھا کہ بیاس جی سے عالم باعمل سے اور اُن سے بحث ہوا کرتی تھیں۔ رکھمنی جی کا تعلیم یافتہ ہونا اُس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنی شادی کے قبل مہاراج سری کشن جی سوامی کے نام اپنے ہاتھ سے فقط لکھ کر بھیجا تھا۔ ان کے بعد بھی راجہ بھوج کے عہد دولت مہد میں ودیا دھری نامے ایک بڑی عالم وحید العصر کتائے روزگار گذر گئی ہیں جن کو مہاراجہ محتشم الیہ نے مدراس نسواں میں ناظمہ اور معلمہ مقرر کیا تھا۔ راجہ موصوف کی مہارانی لیلاوتی جی کی لیلا بھوج پربندھ میں درج ہے۔ اگر تعلیم نسواں خلاف عقل اور مبانی اصول دھرم شاستر ہوئی تو کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے ایسے مہاراجہ اور رشی اور مُنی جن پر ہم کو اب تک فخر ہے اپنے زمانے میں اُس کو رواج دیتے ہرگز نہیں۔

رکھیشر لوگ اُن مرتاض اور ممتاز بزرگوں سے مراد لیتے ہیں جو اپنے وقت کے صاحب قدرت عابد تھے۔ اور اوقات عزیز کو یاد الہٰی میں صرف کرتے تھے۔ اور استری یہاں بیوی منکوحہ سے عبارت ہے

پس پیرۂ ظاہر ہے کہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے ہاں تعلیم نسواں ازروئے رواج سابق و قواعد مذہب ممنوع نہیں ہے وہو المطلوب۔

افسوس ہے کہ چار دانگ ہند میں بوڑھے اور جوان پڑھے اور بے پڑھے سب کے دلوں میں عموماً یہ خیال باطل جما ہوا ہے کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں مگر یہ نہیں دیکھتے کہ کیوں ناقص العقل ہیں اب البتہ بعض بعض اصحاب سمجھنے لگے کہ عورتوں کو ناقص العقل کہنا خلاف عقل ہے۔ اگر غور کیا جائے تو صاف ثابت ہو کہ جس ملک میں صرف مرد ہی پڑھے لکھے ہیں اور عورتیں جاہل وہ کبھی قرار واقعی ترقی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بچے جو کم سنی میں ماں کے پاس رہتے ہیں وہ ماں کی جہالت سیکھتے ہیں اور پھر وہ جہل کی باتیں ایک قسم کا خمیرہ ہو جاتی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے اہل وطن ان امور پر نظر نہیں ڈالتے۔

ایک اخبار مظہر ہے کہ زمانہ سلف میں جبکہ ہندوؤں کی عملداری تھی ایک مرتبہ راجہ بھوج جو علم دوست فصیح نکتہ پرور اور قدردان علم و ہنر تھے خود بہ نفس نفیس پاٹ شالے میں ایک طالب علم کی

ذکاوت اور فہم و فراست دیکھ کر دنگ ہو گئے اُس آفت کے پتلے نے جو اُس وقت صرف پانچ ہی برس کا تھا ایک اشلوک راجہ بھوج کی مدح میں بفصاحت تمام پڑھا اور زبان سنسکرت میں گفتگو کی۔ راجہ موصوف تحیر حیرت میں مستغرق ہوا کہ اتنا سا لڑکا اور یہ ذکاوت۔ بڑے بڑے طلبہ کے دانت کھٹے کر دیئے عندالتذکرہ معلوم ہوا کہ یہ کارگذاری پنڈت جی کی نہ تھی۔ بلکہ اُن کی نیک اور لائق استری کی حسن کارگذاری کا نتیجہ خیر تھا۔ جیسے وہ لڑکا پیدا ہوا اُس کی ماں ہمیشہ سنسکرت ہی میں گفتگو کرتی تھی۔ چنانچہ راجہ موصوف کے روبرو اس عالمہ دانش آگاہ نے ایک اشلوک پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح کمہار چاک سے چھوٹے بڑے برتن اپنی مرضی کے موافق بناتا ہے اور اتارتا ہے اُسی طرح لڑکے کی ماں اپنی مرضی کے مطابق اپنے لڑکوں کی اصلاح کر سکتی ہے۔

میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ بنگال اور مدراس کے صاحب جو سررشتۂ تعلیم کے افسر ہیں ان کی رپورٹ سے واضح ہوا کہ مدارس نسواں میں لڑکیوں نے بہت جلد ترقی کی اور بعض امور میں لڑکوں کے بھی کان کاٹے۔ پس عورتوں کا ناقص العقل ہونا مردوں کی سستی اور کاہلی کا نتیجہ ہے۔ اور مردوں ہی کے نقص عقل کی دلیل ہے کہ اُن کو لجۂ جہالت میں غرق ہوتے دیکھتے ہیں اور مدد نہیں کرتے۔ عورتوں کے تعلیم یافتہ ہونے سے ایک یہی فائدہ کیا کم ہے کہ مرد مارے خفت اور شرم کے توسیع استعداد اور تحصیل علم میں سعی بلیغ کریں گے ہمیشہ خوف دامن گیر رہے گا کہ مبادا عورتیں ہم سے بڑھ جائیں اور ہمارا رتبہ علم و فضل میں اُن سے کم ہو جائے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم مردوں کی خاطر سے یہ امر تسلیم کر ہی لیں کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں تو کیا پڑھنے لکھنے سے یہ نقص رفع نہیں ہو سکتا۔ جب کہ تعلیم سے مردوں کو فائدہ پہونچتا ہے تو عورتوں کو کیوں نہ پہونچ سکے گا۔ ذکور تحصیل علم سے متقی اور پرہیزگار ہوتے ہیں اور عورتوں کو اجازت نہیں دیتے کہ ان نعمتوں کو کام میں لائیں۔ ؎

انسان کو علم فائدہ دیتا ہے — آئینۂ عقل کو جِلا دیتا ہے
دنیا میں جو عظمت ہے تو عقبےٰ میں بہشت — یہ دونوں جہاں میں مرتبہ دیتا ہے

یہ مضمون حسن آرا بیگم نے زبدۃ الاخبار میں چھپوایا اور بھیجنے کے قبل ہجولیوں کو سُنایا۔

نازک :۔ چشم بد دور بہن اپنا ثانی نہیں رکھتی ہو۔
قمر :۔ مگر عورتوں کے پڑھنے میں خرابیاں بھی ہیں۔
حسن :۔ کوئی خرابی ہم بھی سنیں۔ کیا بات نکالی ہے۔
قمر :۔ عشق کے خط آتے ہیں اور بڑا فتور۔

حسن :۔ پڑ جاتا ہے درست۔ عشق کے خط ضرور آئیں گے۔

قمر :۔ کیا کچھ جھوٹ بھی ہے ہزاروں مثالیں ہیں۔

نازک :۔ کوئی مثال ہم بھی سنیں بہن۔ دو ہی چار مثالیں دو ہزاروں کی جب بات ہے تو تم دو ہی چار کی مثالیں دو ہم بھی تو سنیں ذرا۔

قمر :۔ کسی کا نام کاہے کو بس خواہی نخواہی۔

بہار :۔ بس اسی خبط نے تو ہم سب کو جاہل رکھا۔

نازک :۔ ایک نوشہ ماتی نہیں قمر النسا کہ جیسی مہری ویسی تم۔ وہ بھی ان پڑھ جاہل تم بھی۔ تم میں اُس میں فرق کیا ہے۔ دوسرے اور اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے کہنے لگے عشقیہ خط آتے ہیں۔ تمہارے پاس آئے ہوں گے تمہارے میاں کی قسمت۔ اس کو کوئی کیا کرے۔

گیتی :۔ دیکھو حسن آرا کی لیاقت کی سب میں تعریف ہوتی ہے۔

نازک :۔ مگر قمر النسا جاہل ہی رہنا پسند کرتی ہیں پارسا ہیں جو پڑھی لکھی ہوں گی تو مردوے اُن کو خطوں میں گالیاں دیں گے بے تکی باتیں۔!!!

حسن :۔ (ہنس کر) آپ نے نہیں کچھ کہا (جانی بیگم سے)

جانی :۔ نازک ادا کی زبان رُکے تو میں کچھ کہوں۔

حسن :۔ ان کی زبان رُک چکی۔ ایسی زبان نہیں ہے جو رُک جائے سمندر ہے زبان کیا ہے۔ سمندر کی لہریں بھلا کس کے روکے رُکی ہیں۔ اے توبہ۔

نازک :۔ شکل صورت تو دیکھو۔ اسی صورت پر کوئی ریجھے گا سمجھتی ہیں ہم سے بڑھ کر کوئی خوبرو اور حسین نہیں ہے۔ شکل نازپریوں کا۔ چڑیلوں کی

اتنے میں ایک مہری نے آن کر دو اخبار دیئے اور چار خط۔ اخبار نازک ادا پڑھنے لگیں اور ایک خط جس کا لفافہ معنبر و معطر تھا حسن آرا نے کھولا اور پڑھا تو سخت حیرت ہوئی کہ یا خدا اس کا کاتب کون ہے، آسمان جاہ فریبی نام ہے یا اصل میں کوئی آسمان جاہ ہے عبارت سے عشق پایا جاتا ہے۔ مضمون سے پریشانی۔ خدا ہی خیر کرے دیکھیے یہ کیا ستم ڈھاتے ہیں شہسوار نے تو ایک کی جان لی۔ ہمارا خدا حافظ ہے۔ پورا خط از سرتاپا پڑھا عبارت خط درج ذیل ہے۔ غور سے ملاحظہ فرمایئے گا ایں گل دیگر شگفت۔ سہ

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمی بما کنند

مصباح مجالس رعنائی۔ مفتاح خزائن دلربائی صیقل مرات حسن وجمال۔ زہرہ تمثال مشتری خصال معشوقہ، سیما حضور نواب حسن آرا بیگم۔

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد
رُویت ہمہ سال لالہ گوں باد

لآلی مثالی حمد فراواں وجواہر زواہر ثنائے بے پایاں نثار بارگاہ صنعت آفرید گار جل شانہ کہ گلشن نکتہ دانی از سحاب کرمش ہر سبز و شاداب ست۔ وگلشن خوش بیانی بہ آبیاری عنایت بیغایت وی سراپا بہار و سیراب۔ کرنگ سرنگ خامۂ عجز ختامہ در جولان گاہ تحمید و تقدیسش فعل می افگند۔ وسکندریہ ای پیاپے می خورد، ونقرۂ چنگ کلک عبودیت ور بتای ثنائے پاکش۔ ہم چو صید خائف رو بقفامی رود۔ وتخس بدنداں می نہد۔ قلم دو زبان راکوتاب و تواں کہ شکر عشر عشیر نوازشات رب قدیر عم نوالہ بجا آورد۔ معاذاللہ مجال و زبانِ عجز بیان راچہ زہرا کہ از عہدۂ شکرش بدر آید۔ استغفراللہ زبانِ ناطقہ لال۔ اقرار عجز از حقیقتِ معرفتِ وے عینِ معرفت ست؛ ومُعترف بودن بہ تقصیر در حمد و ثنایش غایت محمودہ است منتہائی قرب مشتاقین در حضرت جمالش حیرت است۔ وعقل جمیع عقلاء در مبادی اشراق شمش عظمت واجلالش در غایت دہشت از اینجا ست کہ حکیم بے بدل، فاضل اکمل عارف باللہ ولی حق آگاہ، بلبلِ شاخسار معجز طرازی حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی قدس سرہ و نوراللہ مرقدہٗ گفتہ والحق چہ درفصاحت دُرسلکِ بلاغت سُفتہ۔ قولہٗ۔

ای برتر از قیاس وخیال وگمان و وہم | وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم و خواندیم
دفتر تمام گشت وبہ پایاں رسید و عمر | ما ہم چناں در اولِ وصف تو ماندہ ایم

فالہٰذا ازاں درگذشتہ بہ مطلب مُدعامی گرایدو بری گوید۔ فقیر حقیر سراپا تقصیر اذلِ خلائق رو سیاہ قمر الدولہ آسمان جاہ۔ مستہام شہزادہ برائے نام، کہ وی سحرگاہ کہ از ماہ بست وسِضم بود، جانانہ دلربا، ملیح شیریں ادا، ناطورۂ دل فریب، آتش زنِ کالائی شکیب، در پیرندشک اندو جلوۂ معشوقانہ نمود۔

نگار خوبرو زیبا شمائل | ببوئے خوش ز سرتا پا مُعنبر
نہادہ کج کلاہِ خود نمائی | ز سر انداز معشوقانہ بر سر
خراماں وچماں با صد تجمل | در آمد از درم چوں ماہِ انور
عجب حسن صبیحش دل فریبی | تعالیٰ شانہٗ اللہ اکبر

سراپا مطلع دیوان خوبی — عجب مضمون نو در ہچو زیور
زعنوانش عیان دلبستگی ہا — عبارت صاف وخوش چوں آب کوثر
بدو گفتم کہ جابت بر سر و چشم
شبستانم خوشا کردی منور

اعنی مضمون لطافت مشحون چکیدۂ کلک گہر سلک زبینیدہ چار بالش دالاشکوہی، صدر نشین مسند دانش پژوہی، فخر خواتین ہندوستان، خرد در عالیشان فرزانہ تحریر سپہر لیاقت را مہر منیر، در صحیفہ زبدۃ الاخبار بہ نظرم در رسید وسواد آں نامہ عنبریں بدیدۂ دل ایں گرسنہ چشم نادرہ مضامین، توتیا ساگردید، نیام ایزد، زہے نامہ فصاحت باد کہ از ہر لفظش ذوق شناساگری، وہنر پروری، در چکیدن ست۔ واز ہر دانہ لفظ اش بوئے شوقِ علم دوستی وحقیقت پژوہی بیا لیدن۔ چوں برآں گلستانِ بلاغت۔ برنگ بہار سرتاسر گذر کردم وبپائے چشم گلگشتِ آں بوستانِ حکمت نمودم، دریافتم کہ آں ناطورۂ ملائک فریب، بمقتضائے حب الوطنی وہمدردی، مضمون نصیحت مشحون بذریعۂ صحیفہ مذکور شائع نمودہ از کلیم کلامان ایران زمین کہ ید بیضا در آستین دارند، گوئے سبقت ربودہ۔

فرخا اے دلبر فرخ نہاد — مرحبا معشوقۂ عالی نژاد
گشتۂ با عندلیبان ہم صفیر — وہ چہ خوش گفتی کلام دل پذیر
طرز وایجاد نگر فش دمبدم — در جہان وحدت افراز و علم
بارک اللہ غنچۂ سربستہ ایست
نے غلط گفتم عجب گلدستہ ایست

بمطالعہ اش چشمے آب دادم۔ وحظے وافر بر داشتم۔ وہر سطر را بجائے خود حرز بازوے دانش وامتیاز ساختم۔ حبذا مضمون لطافت بار کہ نورس چمنستان محبت گفتنش رواست وفرخار سالۂ پر بہار کہ گل سر سید مودت خواندنش بجاست خواندنش ہماں بود گل شگفتن وگلبن خاطر را طراوت تازہ گرفتن ہماں للہ الحمد والمنۃ، کہ در شہر ما ہم خاتون پری زاد وحور نژاد، بواسطۂ محبت خالص صرف کثیرہ ہرج اوقات عزیز خود، در ہم چو امور کہ باعث فلاح وصلاح، حال واستقبال باشند، بر خود گوارا فرمودہ، وسعی وافر وکوشش متکاثر نمودہ، اگر نصائح دلپذیر آں مہر منیر سپہر برنائی، بے اثر مانند مقام حیف ست کہ باوصف ایں ہمہ جانفشانی، وعرق ریزیہا اہل وطن مایان در ظلمت جہل مرکب مبتلا باشند۔ اگر احیاناً کسی از مردمان نہی زخرد اندریں خصوص آں محبوب شیریں ادا را باعث دوشیزگی وہم چو

بیباکی، مورد الزام نماید، واز سخت وترش زبانی برآید اصلاب بے دل نشوند وازیں ارادہ خیر وکوشش احسن کہ منتج حسنات دینی ودنیوی ست، پہلوتہی نہ سازند چہ کہ پرظاہرست کہ ہر حکیم بسبب امور نوایجاد خود کہ لامحالہ خلاف طبائع ہمعصر بودہ باشد در عہد خود چہار رنج ومصیبت کشیدہ بلکہ اکثرے دست از جان شستہ احوال شدید وتکالیف لیلو کہ دریں روزہا تمامی اہلِ فرنگ بلکہ کل اہل عالم فاضل وپیروا داند روشن ست بہ قتل شدن اواز دست یونانیان صبر ہن ہر گاہ کہ حضرت انسان نسبت پیغمبران و فرشتگان بلکہ نسبت ذات خاص وحدہ لاشریک ہزارہا بہتان وافترا می نماید ماؤشما راچہ یارا کہ از ماگفتنیہائے اینہا خود را وارہانند مسبب الاسباب سببے سازد کہ ضیائے خورشید مضمون مذکور اطراف واکناف ہندوستان فراگیرد، وایں بشیر فرغ پے خضر راہ آوارگان دشت جہل داد بار گردیدہ ہمہ را بسر منزل اقبال وآگہی رساند۔ رجا کہ ہمبریں نسق با جرائے چشمۂ فیض خیالات نادرہ منتعطشان زلال مضامین را سیراب ومزارع مشتاقان اخبار اخبار ومضامین لطافت بار را ہر رشحہ کلک گوہر سلک سرسبز وشاداب خواہند فرمود من وایزد توانا کہ عبارت رنگینش تازہ تر از بہار کشمیر و دل کشا تر از برشکال ہند بود۔ حالا از جناب باری ہمیں التجا ست کہ آں شاہد رعنا ومعشوق رنگین ادا زیب آغوش ایں عاشق زار شود۔ بالنون والصاد تاکہ ایں دو اشعار آبدار ترجمان دل خاکسار شوند۔

روز عیش وطرب وبادۂ جام ست امروز کام دل حاصل وایام بکام است امروز

انچہ می خواستم از حضرت باری شب ہا للہ الحمد کہ حاصل بہ تمام است امروز

آفتاب حسن گلوسوز تاباں باد

مشتاق بوس وکنار خاکسار

مرزا آسمان جاہ عرف قمر الدولہ

یہ خط پڑھ کر حسن آرا کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

نازک:۔ خیر باشد۔ کیا لکھا ہے بہن۔ کس کا خط ہے۔

حسن:۔ خدا جانے کس موئے شہدے، لُچّے کا خط ہے۔

نازک:۔ کیا گالیاں لکھی ہیں۔ چاک کر ڈالو بہن۔

حسن:۔ دنیا میں بے فکروں کی کمی نہیں ہے۔ اُفوہ!

نازک:۔ ہاں خوب یاد آیا۔ وہ جو تم نے زبدۃ الاخبار میں مضمون دکھایا تھا وہ وہاں کیونکر پہنچا۔

حسن :- تم سے میں نے نہیں بیان کیا؟ تمہیں معلوم ہی نہیں؟

نازک :- مطلق نہیں! میں اسی حیرت میں ہوں تب سے۔

حسن :- یہ نواب وزیر محل کی عنایت ہوئی ہے۔

نازک :- وہ کیا پڑھی لکھی ہیں کچھ۔ ان کو کہاں سے معلوم ہوا۔

حسن :- اُس دن وہ بھی بیٹھی تھیں۔ مجھ سے مانگا میں نے دیدیا

نازک :- یہ وزیر محل کا فساد ہے۔ اچھا آنے تو دو۔

حسن :- تم کچھ نہ کہنا بہن۔ انھوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔

نازک :- نہ کہنا کیا معنی۔ دیکھو تو سہی جاتی کہاں ہے۔

حسن :- (خط دے کر) اس کو بھی ایک نظر پڑھ لیجیے ذرا۔

نازک :- (خط لے کر) اخاہ کسی خوشنویس کے ہاتھ کا ہے۔

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند

نام کس کا لکھا ہے۔ کون؟ آسمان جاہ۔ واہ ہے، ہمارا دوسرا نام چرالیا، اور سنو مشتاقِ بوس وکنار۔

حسن :- ابھی پڑھو تو سرے سے۔ دیکھو کیا لکھا ہے؟

نازک :- خوش تو نہ ہوئی ہوگی کہ سارا زمانہ بوس وکنار کا مشتاق ہے۔ یہ آسمان جاہ، وہ تو نہیں ہیں آغا کی سَرا کے پاس جو رہتے ہیں۔ دو بھائی۔ انور الدولہ اور قمر الدولہ شہزادے ہیں۔

حسن :- ہاں قمر الدولہ تو نام لکھا ہے۔ عرف آسمان جاہ۔

نازک :- یہ تو ہمارے ہاں بہت آیا جایا کرتے ہیں۔

حسن :- تمہارے میاں سے دوستی ہوگی، کہیں ذکر نہ کرنا۔

نازک :- نہیں اور سنو۔ یہ کوئی ذکر کرنے کی بات ہے۔ ابھی کم سن ہیں بہت۔ کوئی اکیس برس کا سن ہوگا۔ اور خوبصورت آدمی ہے۔ ستار بہت بجاتے ہیں۔ مگر پڑھے لکھے خاک نہیں۔ یہ کسی سے لکھوا کے بھیجا ہوگا۔ دو شادیاں کی ہیں، اور آوارہ مزاج ہے بالکل۔ آخر کا فقرہ (حالا بجناب باری ہمیں التجاست کہ آں شاہدِ رعنا ومعشوقِ رنگین ادا زیبِ آغوشِ ایں عاشقِ زار شود بالنون والصاد۔ تا ایں دو اشعار آبدار ترجمانِ دلِ

خاکسار شوند) پڑھ کر نازک ادا بہت ہنسیں، اور کہا بہن کیا ہرج تھا، وہ بے چارہ اس قدر مشتاق ہے تو اس کو کیوں محروم رکھو۔ حسن آرا مسکرا کر خاموش ہو رہی۔ کہنے کو تھیں کہ اگر ایسا ہی رحم ہے تو خود ہی مبادرت اور اقدام کرو۔ مگر ادب مانع ہوا۔ لہذا مسکرا کر سکوت کیا۔ نازک ادا نے کہا کہیں کہیں ہماری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ حسن آرا نے خط کو لفافے میں بند کر کے مغلانی کو دیا کہ اپنے پاس رکھے، اور نازک ادا کی طرف مخاطب ہو کر بولیں کہ مطلب ندارد۔ لفظ بہت سے بھرے ہوئے اور وہی پرانا ڈھرا۔ شعر گفتن چہ ضرور۔ اردو ہی میں لکھتے۔ اتنے میں بہار النسا آ گئیں، اور حسن آرا نے بات ٹال دی۔ اور گانے لگیں۔ ان کا گانا سن کر ان کی سب ہجولیاں آئیں، اور اس مرتبہ نازک ادا نے وہ غزل شروع کی جس نے سب کو پھڑکا دیا۔

بڑے نازوں سے دل میں جلوۂ جانانہ آتا ہے
یہ گھر جس نے بنایا ہے وہ صاحب خانہ آتا ہے
خدا کے واسطے منہ سے لگا دے خم کا خم ساقی
بڑا گھنگور بادل جانب مے خانہ آتا ہے
نکلتی ہے کسی پر جھوم کر وہ مجھ پہ گرتی ہے
تمہاری تیغ کو کیا شیوۂ مستانہ آتا ہے
لب میگوں کے بوسے مجھ کو اب تک یاد آتے ہیں
میں رو دیتا ہوں جب ہونٹوں تک پیمانہ آتا ہے
بہار آخر ہوئی ہے قدر کی تربت پہ میلا ہے
یہاں بیڑی بڑھانے کو ہر اک دیوانہ آتا ہے

اب سنیے کہ خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع کو ایک روز شوق چرایا کہ بعد مدت کے چل کے چانڈو خانے میں چھینٹے اڑائیں۔ آزاد کو دم دے کر کہ اپنے بھائی خواجہ رئیس الزماں سے ملنے جاتا ہوں ایک نامی چانڈو خانے میں پہنچے تو وہاں ایک ذکر سن کر ان کے کان کھڑے ہوئے انھوں نے سنا کہ کوئی شخص حسن آرا اور آزاد کا تذکرہ کر رہا ہے اور یوں کہ رہا ہے بھئی اس سے بڑھ کے اور کوئی دل چسپ خبر نہ ہوگی اور آج کل شہر میں جا بجا اسی کا تذکرہ ہے۔ مگر واللہ اس بیگم کا بایاں قدم ہے پچاسوں ہی گھر گھالے۔ ہمایوں فر کی جان ہی لی۔ اب شہسوار پھانسی پائے گا۔ آزاد کو توپ کے مہرے بھیجدیا۔ وہ تو کہیے خدا نے جان بچائی ورنہ انھوں نے تو کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ ان میاں کو مہینوں الو بنایا۔ وہ ہیں نہیں وضعدار سے۔ جو گوشیہ ٹوپی دیئے رہتے ہیں۔ عسکری۔ عسکری۔ محمد عسکری۔ خوب یاد آیا۔ اور اب سنا کہ ایک شہزادے عاشق ہوئے ہیں۔

شہزادہ قمرالدولہ بہادر وہ جان دیتے ہیں۔ سنا بڑی قبول صورت ہے اور کروروں میں انتخاب ہے۔

ہمارے محلے میں ایک بہشتی رہتا ہے کریم۔ وہ کہتا تھا کہ میاں چاند میں داغ ہے اس میں داغ نہیں اور ایک مہری ہے عباسی عورت کیا پارہ ہے۔ برق دم۔ وہ اُن کے ہاں نوکر ہے کہتی تھی اور قسمیں کھا کھا کر بیان کرتی تھی۔ کہ ایسی صورت آج تک نہیں دیکھی۔ پھر بھلا شہزادے اور امیر لوگ اُن پر دل و جان سے کیوں نہ عاشق نہ ہوں۔

اس پر دوسرے روز چانڈو باز نے کہا میاں یہ حال ہم سے پوچھو کیا ہم سے بڑھ کے ٹوہیے ہو۔ تم ہمایوں فر کو جس نے قتل کیا وہ اور ہی ہیں وہ چھوٹی بہن ہے اور جس نے آزاد کو گھائل کیا وہ بڑی بہن ہیں ایک لطیفہ باز نے مسکرا کر کہا واہ چھوٹی اور بڑی کی ایک ہی کہی۔ ارے میاں دونوں کلاں ہیں۔ اس پر فرمائشی قہقہہ پڑا۔ اور بڑی دیر تک ہنسی رہی۔

خیر جب چانڈو باز نے پھر حسن آرا کا ذکر چھیڑا تو ایک سفید پوش جو لیٹے لیٹے ہوتے چھینٹے اڑا رہے تھے بگڑ کر اُٹھ بیٹھے۔ کہا بس اب زیادہ نہ بکنا زمانے بھر کا جھوٹا۔ شریف زادیوں کا نام بد کرتا ہے ہے۔ تو کیا جانے ان باتوں کو ٹکے کا آدمی۔

چانڈو:۔ ہم تو سنی سنائی کہتے ہیں صاحب اور کیا۔

سفید:۔ کیا جھک مارتا ہے۔ سُنی سنائی کہتا ہے۔

چانڈو:۔ اب شہر بھر میں مشہور ہے کہ قمرالدولہ بھی عاشق ہوتے ہیں آپ کس کس کی زبان رد کیجے گا۔ اور قمرالدولہ نے اُن کے نام خط بھی بھیجا ہے۔

سفید:۔ اچھا اس میں اس بے چاری کا کیا قصور ہے۔

چانڈو:۔ تو حضور میں کیا کچھ کہتا ہوں مجھے مطلب کیا۔

سفید:۔ ایسی باتوں میں آدمی ذلیل ہو جاتا ہے۔

چانڈو:۔ ہم نے تو حضور بس یہ سُنا تھا کہ قمرالدولہ عاشق ہوئے۔

سفید:۔ بھلا قمرالدولہ کس گنتی میں ہیں بے چارے۔

چانڈو:۔ اچھا ہم جھوٹ کہتے ہیں تو عیدو سے پوچھ لیجے۔

عیدو:۔ ہم نے تو یہ سُنا تھا کہ بیگم صاحب نے کچھ لکھا تھا خبر کے کاغذ میں سو وہ شہزادے نے پڑھا اور عاشق ہو گئے اور خط لکھا اور تڑپ رہے ہیں کہ انھیں کے ساتھ نکاح ہو اور شاید بال کو چوٹے کو مقرر کیا ہے کہ آزاد کو قتل کر ڈالے خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔

سفید:۔ (متحیر ہوکر) ہاں۔ تو آزاد کو اطلاع کر دینی چاہیئے یہ قمر الدولہ کو کیا سوجھی وہ تو مرنج و مرنجان آدمی ہیں۔

عیدو:۔ اجی صاحب دو دن سے روٹی نہیں کھائی ہے۔

خو:۔ کیوں میاں کس تحریر کے کاغذ میں بیگم صاحب نے لکھا تھا اُس کا نام بھی کچھ یاد ہے۔

عیدو:۔ اب لے ہم کچھ پڑھے لکھے تھوڑا ہی ہیں۔

خو:۔ بھلا کچھ پتا بتا سکتے ہو کہاں چھاپا جاتا ہے۔

عیدو:۔ جی ہاں ست کھنڈے کے پاس تالاب کے اوپر۔

خو:۔ ہم بھی مشتاق ہیں کہ دیکھیں کیا لکھا ہے بھئی۔

سفید:۔ قمر الدولہ وہی نہ جو ستار خوب بجاتے ہیں۔

عیدو:۔ جی ہاں وہی وہی۔ شہزادے ہیں وثیقہ پاتے ہیں۔

خو:۔ مکان کس جگہ پر ہے میاں۔ رہتے کہاں پر ہیں۔

عیدو:۔ لال اندارا پوچھتے چلے جاؤ۔ بس وہیں ڈیوڑھی ہے بڑے امیر ہیں ہاتھی اور اونٹ اور گھوڑے اور فنس اور بگھیاں اور یہ اور وہ۔ سبھی کچھ ہے چودہ سے کا وثیقہ بھی تو ہے۔

خو:۔ سن کیا ہوگا جوان ہیں یا بوڑھے آدمی۔

عیدو:۔ اجی ابھی گھبرو ہیں کوئی انیس بیس برس کے۔

خو:۔ ہاں اور بیگم کا کیا سن ہوگا۔ یہ بیگم کون ہیں۔

عیدو:۔ اب اُن کے سِن کا کیا حال معلوم۔ یہی ۱۵۔ یا ۱۶۔

خو:۔ ہاں۔ ع۔ برس پندرہ یا کہ سولہ کا سِن۔

سفید:۔ تو آزاد کے ایسے دشمن ہیں وہ۔ الامان۔

عیدو:۔ سنی ہوئی کہتا ہوں مجھے کیا معلوم مگر جس نے کہا وہ اُن کے ہاں کا خواص ہے۔

سفید:۔ ہاں تو ضرور معتبر خبر ہوگی۔ افسوس ہے۔

عیدو:۔ اور آزاد سُنا کسی صاحب لوگ کے ہاں ٹکے ہیں۔

خواجہ صاحب کو یہ تقریر ناگوار گذری اور ڈپٹ کے چانڈو باز سے کہا سُنا میاں چل کے تھانے پر گواہی دینی ہوگی دل لگی نہیں ہے۔ اس کا ثبوت دو کہ قمر الدولہ نے بالکو چوٹے کو آزاد کی جان لینے کے لیے مقرر کیا ہے۔ ابھی تو مچلکا لکھوایا جائے اور کوئی کیا کھا کے آزاد کے منہ چڑھے گا آزاد قوی ہیکل سرخ و سفید

جوان طناز مرد میدان۔ شہ زور طاقت ور آدمی ہے۔ ورزش کا شوق بانک پٹے بنوٹ میں برق تم لوگوں کی طرح تھوڑا ہی ہے کہ چہرے زرد بالکل سرد۔ پندرہ برس کا سن عنفوان شباب کے دن مگر آنکھیں مانگنے لگے ضعف معدہ کا عارضہ ہو گیا۔ مگدر اور جوڑی کیا مونگریاں تک نہ اٹھا سکیں۔ آج پیچش ہے کل سوء ہضم۔ پرسوں درد شکم۔ بیسیوں سال ہے مگر زندگی وبال ہے بدن کی ایک ایک ہڈی گن لیجیے۔

عیدو۔ آپ البتہ ماشاء اللہ سے بڑے بھاری جوان ہیں۔

گنیشی۔ اجی تمہارا کنیڈا ہی کہے دیتا ہے صاحب۔

خو۔ ہاں واللہ تم بڑے فہمیدہ آدمی ہو بھئی۔

عیدو۔ کیوں اُستاد کتنے ایک شاگرد ہوں گے۔

خو۔ یہاں سے لے کے تا بہ روم اور شام تلک ہیں۔

عیدو۔ اللہ اللہ۔ سب آپ ہی کے پٹھے ہیں، اور آپ

گنیشی۔ ہم کو تو یہ اُلو کے پٹھے معلوم ہوتے ہیں۔

خو۔ (چاقو بند کر کے) او گیدی بھوک دوں۔

گنیشی۔ (ہنس کر) چہ خوش، واہ استاد واہ۔

خو۔ اور آزادسے کوئی چار آنکھیں تو کرے پہلے۔ قمر الدولہ کو بیسواں سال ہے مگر زندگی وبال ہے۔ شام کو ذری سا شوربا، اور دو چپاتیاں کھاتے ہیں، تو سویرے تک ہضم نہیں ہوتیں۔ گربہ مسکیں نے میاؤں کیا، اور وہ چوہے کا بل ڈھونڈنے لگے۔ بلی پہ حربہ کیا اور ہانپ گئے۔ غش آ گیا۔ یہاں گو اسی اور چار چوراسی برس کا سن ہے، مگر لکڑی ہاتھ میں دے دیجئے پھر دیکھئے۔

عیدو۔ کیا آپ پھکیت بھی ہیں میاں صاحب ؟

خو۔ میاں صاحب کا مقبرہ بنایئے۔ زبان سنبھال کے۔

عیدو۔ ماشے بھر کا تو حضور کا قد اور دعویٰ یہ۔

خو۔ ہمارا قد چور ہے جس وقت گتکہ لے کے ہم کھڑے ہوتے ہیں۔ بس توبہ ہی بھلی ہے اور طمانچہ تو بلا کا صاف ہے، کہ آج تک کوئی روک ہی نہ سکا۔ للکار دیا۔ کہہ دیا۔ جتا دیا کہ دیکھ طمانچہ روک، یہ آیا۔ وہ آیا۔ سنبھل، ہوشیار!۔ تڑ۔ ہاتھ کیا دستِ اجل ہے۔

طمانچہ روک لے کوئی جلاد کس کی یہ طاقت ہے

بڑے استاد نے ہم کو سکھایا ہے پھری گتکہ

خانہ جنگیاں ہم نے لڑیں۔ تلوار ہم سے چلی۔ میدانوں میں ہم لڑے۔ کمیدانی ہم نے کی۔ رسالدار ہم رہے کرنل بہادر ہم کہلائے۔ جنرل کا خطاب ہم نے پایا۔ جس کو تم لوگ جنڈیل کہتے ہو۔

لوایم خامہ ولفظ سست شکر

بہ میدان آمدم اللہ اکبر

عیدو۔ سچ ہے میاں جو کہو بجا ہے۔ آج کل پاجیوں ہی کا زمانہ ہے۔ شریف زادے بیچارے ڈرتے رہتے ہیں۔ پاجی اکڑتے پھرتے ہیں۔

رہی قدر شرافت کیا زمانے کا چلن بگڑا

رذالے اینڈتے پھرتے ہیں ایسا بانکپن بگڑا

خو:۔ (بگڑ کر) ہوں! یہ کس پر کہی تو نے۔

عیدو:۔ آپ پر اور کس پر۔ کیوں کچھ دعویٰ ہے۔

خو:۔ گیدی! پلٹن لے کے آتا تو مقابلے میں بند نہیں۔

منم آں پیلِ دماں ومنم آں شیر یلاں

نام بہرام مرا، و پدرم بوجیلہ

راوی:۔ سبحان اللہ۔ شاعری حضور پہ ختم ہے۔ بس۔

خو:۔ کوئی بانکا اتنا کہتا تو دبوچ بیٹھتا۔

حشر میں جب حساب مانگیں گے

رند واں بھی شراب مانگیں گے

ہم تو بات بات میں پھبتی اور پھکیتی اور بنکیتی کی لیں گے۔ وجہ کیا، لڑکپن سے سپہ گری کے پیشے سیکھے ہیں، اور باپ دادا سب بانکے ہیں۔

بچۂ بط اگر شبینہ بود

آب دریاش تا بسینہ بود

عیدو۔ آپ بط کے بچے ہیں۔ ہم کو جھینگا مچھلی کے انڈے معلوم ہوتے ہو۔ بُرا نہ ماننا اُستاد۔

خو:۔ (مسکرا کر) سسرے کی گالی ہے یہ تو۔

عیدو۔ ایک ہوئی۔ پھر اپنے داؤں نہ رو دیے گا۔

خو۔ کیا طاقت۔ روتے کوئی اور ہوں گے حضرت۔

خواجہ بدیع الزماں کل باتیں دریافت کر کے یہاں سے روانہ ہوئے، اور پتہ پوچھتے ہوئے لال اندلس

کی طرف چلے مگر یار لوگوں نے ان کو دبھپنتا زیب سمجھ کر خوب خوب آوازے اُن پر کسے اور کسی نے پورب سے پچھم بتایا۔ آخر کار ایک بوڑھی عورت سے ٹھیک پتا دریافت کر کے چلے اور خدا خدا کر کے لال اندارہ نظر آیا دیکھا تو صدہا سقے اور برہمن اور عوام پانی بھر رہے ہیں۔

خو:۔ کیوں بھئی یہ اندارہ تو آج تک نہیں دیکھنے میں آیا تھا۔ اور عمر بھر اس شہر میں رہے وہ عمر بھر نہ سہی پندرہ بیس برس تک یہی۔ یہ کیا کم زمانہ ہے۔

سقہ:۔ کیا کہیں باہر گئے تھے آپ کیا۔

خو:۔ ارے میاں ہمیں بڑا تعجب ہوا ہے بھئی۔

سقہ:۔ اجی صاحب ابھی چار مہینے تو بنے ہوئے۔

خو:۔ اہا۔ یہ کہو بھلا کس نے بنوایا ہے

سقہ:۔ نواب قمرالدولہ بہادر شہزادے نے۔

خو:۔ وہ کہاں رہتے ہیں کیا امیر آدمی ہیں۔

سقہ:۔ امیر نہ ہوتے تو لاکھوں روپے صرف کرتے۔

دوسرا:۔ ارے میاں کس کے منہ لگتے ہو بھئی ہونھ!

خو:۔ اس کے کیا معنی۔ کچھ بیدھا تو نہیں آیا ہے۔

سقہ:۔ جانے دیجئے گا آپ اپنی طرف دیکھئے۔

دوسرا:۔ (مسکرا کر) بڑا تیکھا بڈھا ہے بھئی یہ۔

سقہ:۔ اس میں کیا شک ہے حضور کا نام۔

خو:۔ جناب خواجہ بدیع الزماں صاحب بہادر۔

سقہ:۔ بہادر! ہونھ! باپ نہ ماری پیدڑی اور بیٹا تیر انداز۔ خدا کی شان آپ اور بہادر! کہاں کے بہادر، ہو میاں۔

خو:۔ (ہنس کر) جتنے بانکے ہیں سب ٹکسر مزاج۔

سقہ:۔ آپ بانکے بھی ہیں خیر سے واہ!!!

خواجہ صاحب نے پتا پوچھ کر نواب قمرالدولہ کے محل اور محلسرا اور ڈیوڑھی اور امام باڑہ اور مسجد اور باغ اور املاک سب کا باہر ہی باہر جائزہ لیا اور چلے مگر پھر پلٹے اور ایک دربان سے علیک سلیک کر کے یوں ہمکلام ہوئے۔

خو:۔ سلام علیکم بھائی چوبدار صاحب۔

دربان:۔ وعلیکم بھائی۔ حکم کہیئے۔

خو:۔ کچھ نہیں نوکری کی تلاش میں ہیں۔

دربان:۔ داروغہ صاحب سے کہیے شاید مطلب نکلے۔

خو:۔ شہزادے تک رسائی ممکن ہے یا نہیں۔

دربان:۔ ہونھ! پرندہ پر نہیں مار سکتا میاں۔

خو:۔ درویشوں کی بھی روک ٹوک ہے کیا۔

دربان:۔ یہاں سب کی روک ٹوک ہے صاحب۔

خو:۔ اچھا پھر داروغہ صاحب سے کب ملیں۔؟

دربان:۔ ان کے مکان پر جائیے اور کچھ چٹائیے۔

خو:۔ یہ بات ہے۔ بھلا شہزادے کو سلام کر لیں۔

دربان:۔ یہیں بیٹھے رہو۔ جب گاڑی پر سوار ہو کر نکلیں تو جھک کے تین بار سلام کر لو۔ یوں ہی دس پندرہ دفعہ سلام کرو شاید کوئی بات نکلے۔

خو:۔ کس وقت سوار ہوتے ہیں۔ بھائی جان شام کو۔

دربان:۔ جی کوئی دو گھڑی دن رہے کے وقت۔

خو:۔ اچھا تو پھر ہم جاتے ہیں پھر آئیں گے۔

دربان:۔ اگر کوئی اچھی سی صورت دکھاؤ تو پو بارہ ہیں۔

خو:۔ اچھا پھر گفتگو ہوگی۔ اب اس وقت جاتے ہیں۔

دربان:۔ ایک دفعہ جان جائیں بس پھر کیا ہے۔

خو:۔ اجی ہم بڑے کمال کے لوگ ہیں میاں۔

غنچہ وش زہم نفسان لب بہ بند　　　خیرہ چو گل بر رخ ہر کس مخند

گفتن بسیار نہ از نغزی ست　　　ولولۂ بلبل زبے مغزی است

کیا شہزادے کی شادی ہو گئی ہے۔

دربان:۔ ایک! ہونھ! ایک چھوڑ دو دو۔ اور پھر ہر روز ہی دھما چوکڑی مچی رہتی ہے اور خوشامد کرنے والے گھیرے رہتے ہیں۔

خو :۔ اچھی بات ہے۔ کسی کا تو بھلا ہو جاتا ہے۔

دربان :۔ اجی امیر آدمی ہیں۔ لاکھوں روپیہ پاس ہے۔

خواجہ بدیع الزماں وہاں سے سوار ہونے ہی کو تھے کہ ایک شخص نے جو شہزادہ قمر الدولہ بہادر کے پاس سے آتا تھا دربان سے کہا سرکار کو تو بس یہی دھن ہے کہ حسن آرا پر جادو کر دو۔ اس وقت شہر کے حسینان پری تمثال جمع ہیں۔ مگر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے اور طرہ یہ کہ حسن آرا کی صورت بھی کبھی نہیں دیکھی مگر عاشق زار ہو گئے ہے

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

اور دل لگی یہ کہ رفیق لوگ اور چنگ پر چڑھا رہے ہیں اور اس کے حسن کی وہ وہ تعریفیں کر رہے ہیں کہ میں کیا عرض کروں۔

خو :۔ حضرت اگر ہماری رسائی وہاں تک ہو تو دیکھئے ہم کیسی کایا پلٹ کر دیتے ہیں کہ حسن آرا کا نام تک نہ لیں۔

شخص :۔ آپ کون صاحب ہیں اسم شریف آپ کا۔

خو :۔ بندے کو بدیع الزماں بدیع کہتے ہیں۔

شخص :۔ آپ شاعر بھی ہیں۔ وطن کہاں ہے آپ کا۔

خو :۔ شاعر بھی ہیں کیا معنی۔ بس ایک شاعری۔ شاعر نثار۔ ہجو گو۔ ہزل گو غزل گو۔ قصیدہ گو۔ بنوٹیے۔ بنکیت پہلوان۔ گل چلے۔ قادر انداز۔ تیر انداز۔ شہسوار۔ پیراک۔ بذلہ سنج۔ علم موسیقی کے عالم۔ ستار باز۔ شاطر بے بدل سب ہنر ہم میں فضل الٰہی سے ہیں۔

شخص :۔ آپ تو مجھے کوئی دیوانے سے معلوم ہوتے ہیں۔

خو :۔ واہ ری قدر دانی واہ حضرت واہ۔ سبحان اللہ۔

دربان :۔ اب آپ جاتے کہاں ہیں شیخ جی صاحب اس وقت۔

شیخ :۔ حکم ہوا ہے کہ کسی رمال کو بہت جلد حاضر کرو۔

خو :۔ ہم کو لے چلو۔ واللہ شہزادے کمال مسرور ہوں۔

شیخ :۔ لے تو چلیں مگر آپ رمل کیا جانیں۔ آپ تو گل چلے اور شاعر اور بنوٹیے اور علم غلم نہ ہیں۔ رمل کا تو آپ نے نام ہی نہیں لیا حضرت۔

خو :۔ (کان پکڑ کر) یہ زبان جو چاہے کرے ہائے ہائے اگر رمال کہہ دیتا تو وہاں تک مزے سے رسائی ہو جاتی۔

خواجہ صاحب نے ٹھان لی کہ فوراً چل کے آزاد کو اس خبر سے مطلع کرنا چاہیے ایسا نہ ہو وہ غافل و بے خبر رہیں اور یاروں کا چکمہ چل جائے گرتے پڑتے بعد خرابی بصرہ آدھی دور پہنچے تھے کہ ایک پرانے دوست سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ خوجی کو انھوں نے روکا اور دونوں بغل گیر ہوئے تھوڑی دیر تک خواجہ صاحب نے اپنے سفر و فتح و ظفر کا حال بڑی شد و مد سے بیان کیا بعد ازاں کہا کہ یار ہم ایک نئی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اگر ہم کو مدد دو تو عین نوازش ہے ورنہ بڑی خرابیاں واقع ہوں گی۔ اس شہر میں ایک قمر الدولہ رہتے ہیں۔ شہزادے۔ سُنا بڑے روپے والے ہیں وہ اتفاق سے حسن آرا بیگم پر عاشق ہوئے ہیں اور اُن کا قصد ہے کہ آزاد کو قتل کروا ڈالیں۔ جب سے یہ خبر سُنی ہے ہوش اُڑے ہوئے ہیں سو مرزا جی اگر آپ کے امکان میں کوئی بات ہو تو بتائیے۔ مرزا صاحب نے کہا میاں ہوش کی دوا کرو۔ خدا کو دیکھا نہیں مگر عقل سے تو پہچانا ہے۔ کجا آزاد کجا قمر الدولہ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

قمر الدولہ کی بھی کوئی حقیقت ہے۔ آزاد کے مقابلے کو چلے ہیں اور یہ جو آپ نے سُنا ہے کہ آزاد کے قتل کی فکر ہے۔ یہ سب گپ بازاری ہے۔ انگریزی میں قتل کرنا یا قتل کرانا دل لگی بازی نہیں ہے کہ کاٹا اور لے دوڑے۔ ہمارا تو قمر الدولہ کے ہاں اسم ہے۔ زمانے بھر کے بودے ڈرپوک۔ بھلا وہ کیا مقابلہ کریں گے بیچارے لاحول ولا قوۃ۔ خواجہ صاحب نے جو سُنا کہ مرزا جی انھیں کے ہاں نوکر ہیں تو ہاتھ جوڑ کر بصد عجز عرض کیا کہ بھائی ہم کو بھی لے چلو۔ ہم رئیسوں کی صحبت میں برسوں رہے ہیں۔ دو باتوں میں رنگ پر لے آئیں تو سہی۔

مرزا صاحب اُن کو لے کر قمر الدولہ کے ہاں آئے خواجہ صاحب نے جا کے فرشی سلام کیا اور ادب کے ساتھ بیٹھے تو حوالی موالی رفیق مصاحب، سفید پوش زرق برق تختوں کی نشست ہے کچھ آدمی مونڈھوں اور کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ شہزادہ قمر الدولہ بہادر مسند پر متمکن پیچوان پی رہے ہیں اور رُفقا بلبل کی طرح چہکتے ہیں۔

آغا :۔ حضور اگر حکم ہو تو تارے آسمان سے اُتار لوں۔

منے :۔ حق ہے ایسا ہی رعب ہے ہماری سرکار کا۔

مرزا :۔ خداوند۔ اب حضور کی طبیعت کا کیا حال ہے۔

آغا :۔ فضل الٰہی ہے۔ بس وہی بات ہے اور خدا نے چاہا تو صبح شام شیپہ لڑا ہی چاہتا ہے۔ حضور کا نام سن کے اور کوئی نکاح سے انکار کرے گا بھلا۔

منے :۔ جی پرستان کی حور ہو تو لونڈی بن جائے۔

مرزا :۔ دریں چہ شک باغ میں کچھ کیفیت دیکھی تھی۔

منے :۔ ایں! کس قدر بیخود ہو گئی وہ عورت۔ اللہ!

مرزا :۔ وہ کیا بے خود ہوئی حضرت یہ حُسن عجب شے ہے۔

قمر :۔ (مسکرا کر) واہ حسن بیان کہاں۔

خو :۔ خدا گواہ ہے کہ شہر میں دوسرا رئیس ٹکر کا نہیں ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور قدرت کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اور باریک بینوں کے سمجھنے کی بات ہے۔ کرور روپے کی بات ہے عرض کرتا ہوں خداوند حضور کا حسن حسن مردانہ ہے۔

رفقا :۔ سبحان اللہ۔ واہ خاں صاحب واہ سچ ہے۔

مرزا :۔ خاں صاحب نہیں۔ یہاں خواجہ صاحب ہیں۔

رفقا :۔ اجی وہ کسے باشد۔ خواجہ صاحب نہیں شیخ جی سہی ہم تو انصاف کے لوگ ہیں خدا کو منہ دکھانا ہے۔ کیا بات کہی ہے۔

خو :۔ ایں سخن باید بہ آب زر نوشت۔

رفیق :۔ خواجہ صاحب آپ تو آج اول مرتبہ اس صحبت میں شریک ہوئے ہیں۔ رفتہ رفتہ دیکھئے گا کہ حضور کے مزاج کی کیا کیفیت ہے۔

دوسرا :۔ بوڑھوں میں بوڑھے۔ جوانوں میں جوان۔

خو :۔ مجھ سے کہتے ہو۔ شہر کا کون رئیس ہے جس سے خواجہ بدیع نہیں واقف۔ واللہ اُن کا ثانی نہیں ہے۔ کوئی۔ یہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔

آغا :۔ بھئی مرزا ہم نے تو بڑا کام کیا۔

مرزا :۔ ہاں۔ اب صورت کیا قرار پائی۔

آغا :۔ اس واہی سے تعلق قطع۔ اور ادھر رجحان۔

مرزا :۔ (خوش ہو کر) واللہ! ہاتھ لائیے گا۔

آغا :۔ (ہاتھ دے کر) مردوں کا وار خالی جائے۔

مرزا :۔ کیا مجال اور یہ سب حضور کا اقبال ہے۔

قمر :۔ میں تو تڑپ رہا تھا۔ زندگی وبال تھی۔ مگر انھوں نے آن کے بیان کیا کہ مشاطہ کہتی ہے۔ معاملہ روبا صلاح ہے۔ وہ صرف اپنی بدنامی کو ڈرتی ہیں ورنہ سنا تو یہی ہے کہ ادھر اب رجحان زیادہ ہے۔

مرزا :۔ بیشک بیشک۔ اے حضور ہزار جان سے عاشق ہو جائے یہ شکل یہ صورت یہ چاند سی طلعت یہ نفاست یہ شیر مرد ایسا پائے کہاں اور پھر ابھی سبزۂ آغاز۔ کروروں روپیہ پاس ہزاروں نمک خوار حسب نسب کو دیکھیے خاندان کو

دیکھیئے۔ وہاں کیا ہے۔

خواجہ صاحب متحیر کہ یا خدا یہ کیا سننے میں آیا حسن آرا بیگم کو یہ کیا ہو گیا کہ قمر الدولہ پر ریجھیں۔ کبھی یقین آتا تھا کہ یہ سب صحیح بیان کیا ہے مگر کبھی شک ہوتا تھا کہ شاید غلط ہو ان کی تقریر نے قمر الدولہ کے دل میں جگہ کر لی اور انھوں نے کئی بار اُن کو دیکھا۔ خوجی رؤسا، عظام کی صحبت میں تو بار پا ہی چکے تھے اور برسوں تک امرا کی خدمت میں رہے تھے رنگ جما لیا۔

آغا :۔ خداوند دور دور تک حضور کا نام ہے۔

مرزا ، اے کیوں نہیں۔ تا بہ لندن تک۔

خو : کہہ دیا نہ بھائی جان کہ دوسرا نظر نہیں آتا۔

قمر :۔ (آغا سے) یہ کہاں رہتے ہیں اور کون ہیں۔

آغا :۔ غلام نہیں واقف ہے۔ آپ کا مکان کہاں ہے۔

خو :۔ غلام کا کفش خانہ مرغی بازار میں ہے۔

راوی :۔ آ گئے مسخرہ پن پر۔ بس پو بارہ ہیں۔

آغا :۔ جب ہی آپ کڑک رہے تھے کیوں صاحب۔

خو :۔ مجھے تو آغا صاحب مُرغی میجر معلوم ہوتے ہیں۔

مرزا :۔ ہاں انڈے بیچتے تو ہم نے بھی دیکھا تھا۔

خو :۔ اجی یہ صدر بازار میں ٹاپا کرتے ہیں۔

قمر :۔ ماشاء اللہ۔ خواجہ صاحب ضلع جگت میں طاق ہیں۔

خو :۔ (آداب کے ساتھ سلام کر کے) قدر دانی ہے۔

قمر :۔ نہیں واللہ بہت لطیفہ باز اور خوش تقریر ہو۔

خو :۔ (پھر سلام کر کے) یہ حضور کی قدر دانی ہے ۔ ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

حضور اگر اجازت دیں تو ایک قصیدہ کہہ لاؤں۔

قمر :۔ کیا آپ شاعر بھی ہیں کچھ کلام سنائیے۔

خو :۔ بندۂ خواجہ بدیع یعنی بدیعا برمی گوید کہ کم کم گوید قابل سماعت خادمان من بدیع نیست مگر الامر فوق الادب فارسی گوید یا اردوے۔

راوی :۔ اے سبحان اللہ۔ اردو کے کی سے نے جان ڈال دی اور خادمان حضور کہول کے خادمان من بدیع کہنے لگے۔ اے سبحان اللہ۔

آغا :۔ فارسی بھی خوب بولتے ہیں آپ۔ ماشاء اللہ۔

خو :۔ حضور بندہ در ایران زمین رفتہ بودہ شد آمد۔

قمر :۔ پھر کچھ کلام تو سناؤ صاحب کوئی غزل کہیئے۔

راوی :۔ اس میں خواجہ صاحب برق بیش بلا شاعر و بیش شاعر ملا۔ و بیش ہر دو بیچ و بیش، بیچ ہر دو غزلیں ضد ہا یاد تھیں۔

خو :۔ حضور ایک مخمس سناؤں اصغی کی غزل پر۔

راوی :۔ آغا صاحب تو کچھ جانتے بھی تھے مگر قمر الدولہ کے فرشتے خان نے بھی کبھی نہیں سُنا تھا کہ مخمس کس جانور کا نام ہے خواجہ صاحب نے یہ مخمس سنایا۔

تا کجا شرح و بہم قصۂ طولانی را   تا بکے باز نمایم غم پنہانی را
چند بر راہ نہم دیدۂ حیرانی را   ساز آباد خدایا دل ویرانی را
یا مدہ مہر بتان بیچ مسلمانی را

اے خدائے دو جہاں بہر غلامان رسول   گوشۂ چشم سو گوشہ نشیناں خمول
عرض حاجت بجناب تو بہیچ ست و فضول   میتوانی کہ دہی اشک مرا جس قبول
تو کہ دُر ساختہ قطرۂ بارانی را

یارب از دست فلک چند بنالم شب و روز   از کرم دیدۂ شام شب ہجراں بر دوز
مفگن بر سر من برق فراق جاں سوز   چہرۂ لالہ رخاں بہر عتابم مفروز
بر من آتش کدہ مپسند گلستانے را

آغا :۔ واہ وا۔ سبحان اللہ حضور اچھا کلام ہے۔

قمر :۔ ہاں خوب کہتے ہیں خواجہ صاحب۔ فارسی ہے۔

راوی :۔ خوب سمجھے۔ اس طبیعت داری کے صدقے۔ دوسرا نہ بتا سکتا۔ معاً کہدیا کہ فارسی کلام ہے۔ اور کوئی ہوتا تو عربی یا انگریزی سمجھتا۔

مرزا :۔ صاحب خوب ہی فرماتے ہیں۔ کیا کلام ہے۔

قمر :۔ یہ سب شعر تھے جو اس وقت خواجہ صاحب نے کہے۔

راوی :۔ اعجاز اعجاز۔ عقل کی رسائی اسے کہتے ہیں۔

مرزا:۔ جی ہاں خداوند سب اشعار تھے اور چیدہ۔

قمر:۔ ہاں کچھ اور پڑھیے مگر وہی چنندہ ہوں۔

خو:۔ حضور ایک مشاعرے میں غزل پڑھی تو دھوم مچ گئی۔ مطلع ایسا ہوا ہے کہ مجھ کو اس پر ناز ہے۔

قمر:۔ فرمائیے فرمائیے۔ مگر جی خوش ہو جائے ایسا ہو۔

خو:۔ انشاء اللہ۔ ذری داد دیجئے گا خداوند۔ ع

گیسو کا تمہارے لقب اعجاز نما ہے

آغا:۔ ع۔ بل کھائے تو اژدر ہے نہ کھائے تو عصا ہے۔

راوی:۔ خوجی سخت نادم ہوئے چوری پکڑی گئی آپ کی۔

خواجہ صاحب قمر الدولہ کی نظروں میں چنخ گئے۔ چاہتے تھے کہ کچھ عرصے تک اور بیٹھیں اور ٹوہ لیں مگر سوچے کہ جانا دور ہے لہٰذا اجازت کے طالب ہوئے۔ مرزا صاحب کو بھی لیا اور اثنائے راہ میں ان سے کہا کہ ایک ماتم کا مضمون لکھ دیجئے ایں! یہ ماتم کا مضمون کیا ہوگا۔ فرمایا کہ ابتدائی چند سطریں لکھ دیجئے اور چنیں چناں اس وقت نہ کیجیے۔ کہا اس وقت قلم نہ دوات نہ کاغذ۔ لکھوں تو کیونکر لکھوں۔ خواجہ صاحب نے مٹا ایک عطار سے کاغذ خریدا اور اسی کی دوکان پر چند سطریں مرزا صاحب سے لکھوالیں۔ مرزا صاحب نے تمہید کے فقرے قلم برداشتہ یوں لکھ دیے

گر پیر بود سالہ بمیرد عجبے نیست

ایں ماتم سخت ست کہ گویند جوان مرد

ہیہات ہیہات یہ کیا سانحہ حیرت خیز ہے اور کیا واقعہ عبرت انگیز کہ قلم خونیں رقم صفحۂ قرطاس پر اشک بار ہے اور دل حزن منزل سراپا مضطر و بے قرار۔ دنیائے دون کا حال قابل عبرت ہے۔ اور نوجوانان نوخیز کی وفات کا اندوہ و ملال لائق حسرت گردوں دون کی کج رفتاری سے زمانہ عاری ہے۔ رنج والم کی گرم بازاری ہے۔ محیط غم کی طغیانی ہے۔ رود بار ماتم کی روانی ہے یوں تو ہر صغیر و کبیر کی وفات کی خبر وحشت اثر سن کر دل بھر آتا ہے لیکن جوانانِ صالح کی وفات کا صدمہ بڑا ہی ستم ڈھاتا ہے۔ ہبوب صرصر غم سے غنچہ خاطر پژمردہ ہے اور دل اندوہ منزل ملول و افسردہ۔ گلزارِ عیش و نشاط پر خزان الم نے قبضہ پایا۔ باغ انبساط پر ابرِ غم چھایا۔ ازہار خاطر پر پژمردگی ہے۔ ہر فرد بشر کے دل پر افسردگی ہے۔ چنار آتشِ غم سے جلتا ہے۔ آبشار دفورِ غم سے سنگ پر سر پٹکتا ہے۔ وادردا واحسرتا۔ وامصیبتا۔

خو:۔ (پڑھ کر) چند اشعار ماتم بھی درج کر دیجئے۔

مرزا:۔ بہت اچھا۔ ذرا یاد کر لوں۔

آہ کیں چرخِ ستمگر پر زکیں عالمے را کرد با غم ہمقرین

یعنی از مرگِ جواناں پر خرد حشر برپا گشت بر روئے زمین

جامۂ تہذیب موزوں بر قدش خاتم اخلاق را نامش نگین

فیض تاثیر شکر گفتاریش بر لبش کردہ سخنہا شکریں

مرکب ادراکِ او افلاک سیر مرغ فکرش از ثریا دانہ چین

چوں قضائے ایزدی آمد بسر دفعتہً شد زیں جہاں رحلت گزیں

از فغاں گوش ملایک گشت کر نالہ بر شد بر سر چرخ بریں

یک طرف خیل عزیزان سینہ چاک دوستان یکسو بدل اندوہ گیں

زیں الم بس دیدہ ہا پر خون شدہ

صد ہزاراں جان زہجرش دل حزیں

خو :۔ بس آداب عرض ہے۔ اب بندہ رخصت ہوتا ہے۔

مرزا :۔ آخر یہ اس کو کر دے گیا۔ تمہاری وحشت ابھی تک نہ گئی روم سے واپس آئے۔ ہزاروں کنوؤں کا پانی پیا دنیا دیکھی مگر گورے کے کورے ہی آئے۔

خو :۔ تم ان باتوں کو کیا جانو۔ عقل بھی ہو جب۔

مرزا :۔ ایک تو شکر گذار نہیں ہوتے کہ وہاں تک رسائی ہوئی آپ کے تو فرشتے خاں کا بھی گذر وہاں تک محال تھا۔

خو :۔ یار بات جب ہے کہ اس کو نیچا دکھائیں کسی طرح۔

مرزا :۔ بھائی صاحب آزاد پھر آزاد ہے۔ کجا وہ کجا یہ۔

خو :۔ تم نے آزاد کو دیکھا کہاں ہے بھلا۔

مرزا :۔ نام تو سنا ہے۔ ان کو کون نہیں جانتا۔

خو :۔ شیطان سے زیادہ مشہور ہوئے ہم دونوں۔

مرزا :۔ آپ کو تو کوئی خال ہی خال جانتا ہے۔

خواجہ صاحب اُن سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے ہوٹل میں پہونچے تو آزاد کو پیر مرد سے باتیں کرتے دیکھ کر للکارا۔ من بدیعا می آیم۔ بابائے من۔ آزاد نے کہا غل نہ مچاؤ یہاں خدا جانے کیا مشورہ کر رہے ہیں تم کو کیا۔ تم بے فکرے ہو۔ کچھ بسنت کی بھی خبر ہے ایک نیا گل کھلا۔ خوجی نے کہا ہم کو سکھاتے ہو ہم سے بڑھ کے ٹوپی ہو۔ کہتے ہیں گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ ہمیں بھی عشق عاشقی کا حال معلوم ہوا ہے۔ آزاد کو حیرت ہوئی کہ خوجی سے کس نے کہا

خواجہ صاحب ڈپٹ کر بولے ہم سے بڑھ کے شہر بھر کا کوئی ہو تو لے پہلے چاہے۔ چاہے قنبر الدولہ ہو قمر الدولہ۔ ابھی وہیں سے آتا ہوں۔ خاص انھیں کی صحبت سے۔ زانو بزانو بیٹھا تھا جیسے ہی خبر پائی کہ حسن آرا کے ایک اور عاشق پیدا ہوئے معاً قمر الدولہ کے ہاں پہنچا کہ حال تو دریافت کروں اور وہاں یار لوگ بھرے دے رہے ہیں کہ حسن آرا کا میلان طبع اب حضور ہی کی طرف ہے۔

خواجہ صاحب نے قمر الدولہ کے مکان کا پتا بتایا۔ شکل صورت کا حال بتایا اور کہا کہ کامل ایک گھنٹے تک ہم سے ان سے بات چیت رہی۔ اور ہماری تقریر سے نہایت ہی محظوظ و مسرور ہوئے اور عجب نہیں کہ مصاحبوں میں نوکر رکھ لیں مگر اُن کے کل رفیق بھی کہتے تھے کہ حسن آرا بیگم اب حضور کی جانب زیادہ رجوع ہیں اور مجھے ہنسی آئی، پہلے تو یوں ہی سا یقین ہوا تھا کہ شاید ایسا ہی ہو لیکن پھر میں سوچا کہ خواجہ بدیع کا دھر تیرا خیال ہے اور اس قدر مبالغہ لوگوں نے کیا ہے کہ خدا نخواستہ وہ آدمی مقرر کر چکا ہے کہ قتل کرا ڈالے۔ جی۔ اور جب ہی تو میں تڑپ کر جاگا۔ کہ چل کے خبر تو لوں بھئی یہ کیا معاملہ ہے بیڈھب۔ بیٹھے بٹھلائے اچھا شگوفہ چھوڑا۔ آدمی تو خبطی سا ہے اور جاہل مطلق۔ ان پڑھ لیکن خوش رو ہے اور اُس کے امیہ ہونے میں تو شک ہی نہیں مگر خدا کی قسم تمہارے سامنے کھڑا ہو تو خود ہی شرما جائے مگر ہم سمجھتے تھے کہ تم کو ابھی اطلاع بھی نہ ہوئی ہوگی اور یہاں آئے تو تم کو سب سے پہلے خبر ہو گئی آخر یہ اسرار کیا ہے۔ حسن آرا کو اس نے کہاں سے دیکھ لیا۔ چھوکری ہے چلبلی۔ کوٹھے پر گئی ہوگی۔ بس چھوکری کی لفظ پر دونوں ہنس پڑے۔ پیر مرد نے مسکرا کر کہا چھوکری کا لفظ تو بڑی تعظیم کا ہے۔ چھوکریا کہا ہوتا۔

اس کے بعد آزاد نے ان سے کچا چٹھا بیان کیا اور کہا تم سے کوئی پوچھے بھی تو تم کہنا کہ ہمیں نہیں معلوم یہ خبر مشہور نہ ہونے دو خواجہ صاحب نے اُن کی رائے سے اتفاق کیا اور یوں کلمات نصائح آمیز زبان پر لائے۔

برادر بابائے من بدیع یہ دنیا جائے دم زدن نہیں ہے۔ ع

کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است

اور پیر مرد صاحب آپ اُن سے کہہ دیجئے سمجھا دیجئے کہ ناحق کا ہے کے واسطے خواہی نخواہی اپنے کو مطعون کرتے ہیں۔ ایک مقام پر خدا جانے لوگ کیا کیا شک کر رہے تھے۔ کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی کچھ۔ آپ کس کس کی زبان روکیں گے اب آپ کو لازم ہے کہ ان کو کوٹھے تک پر نہ جانے دیں بلکہ اگر موقع ملا تو میں اب وہیں رہا کروں گا۔

آزاد نے اس رائے سے اتفاق کیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ (بشر طیکہ عقل سے کام رکھیے) وہاں لوگ آپ کو الو بنائیں گے۔ اور آپ خواہ مخواہ سب سے جھگڑے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ یہ کون سی دانائی ہے بھلا سوچیے تو سہی اس سے نتیجہ کیا نکلے گا۔ خاک اور ذلت ہوگی کہ آزاد کے رفیق ہیں۔

خواجہ صاحب بہت بگڑے۔ اجی آپ جب دیکھو ترچھے ہی ہو کر باتیں کرتے ہیں کیا کوئی آپ کا دیا کھاتا ہے۔

یا آپ کا دیل ہے۔ خدا واسطے کا جھگڑا بڑے عقلمند آپ ہی تو ہیں ایک۔

اب سنیئے کہ دوسرے روز آزاد پاشا کے پاس ایک نوٹس آیا انگریزی میں درج تھا کہ آج شب کو سات بجے سے مسٹر اینڈرسن صاحب ہندوستان کی سوشل حالت کی نسبت لکچر دیں گے امید ہے کہ اصحابِ علم دوست ضرور قدم رنجہ فرمائیں اور دو گھڑی دن رہے ہوٹل میں ایک فٹن پر ایک معزز یورپین جنٹلمین آئے اور دریافت کیا کہ آزاد پاشا کہاں فرد کش ہیں۔ آزاد نے جو اپنا نام سنا تو آگے بڑھے اور صاحب ممدوح فٹن سے اتر کر مصافحہ کر کے یوں ہمکلام ہوئے۔

صاحب:۔ مجھے یہ امر دریافت کرنے کی حاجت نہیں ہے کہ آپ کا اسمِ مبارک کیا ہے۔ گریفک اور لندن نیوز میں آپ کی تصویریں چھپ چکی ہیں۔

آزاد:۔ بجا ارشاد ہوا۔ جناب کا اسم مبارک صاحب۔

صاحب:۔ کرنل خرنوال۔ میں دورے پر تھا ورنہ آپ سے ضرور ملتا۔ کل ہی واپس آیا ہوں۔

آزاد:۔ آپ یہاں کس عہدے پر ممتاز ہیں

صاحب:۔ میں اس قسمت کا کمشنر ہوں۔ دو برس سے۔

آزاد:۔ میں کمال ممنون ہوا کہ آپ نے اس قدر تکلیف کی میرا خود قصد تھا کہ یہاں کے حکام سے ملوں۔

صاحب:۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اِس وقت میرے ہمراہ چلیں۔ لکچر کا وقت بھی قریب ہے۔ میں نے خود آپ کے ہاں نوٹس بھیجا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی کچھ تقریر کریں۔

آزاد:۔ بسر و چشم۔ سوشل حالت ہندوستان بہت خراب ہے۔

صاحب:۔ انتہا سے زیادہ خراب ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ لوگ مانتے نہیں اور کہتے ہیں کہ رسمیں بدل نہیں سکتیں۔

آزاد:۔ میں اس کی تردید کروں گا۔ وہ بالکل غلط کہتے ہیں۔

صاحب:۔ آپ نے تمام دنیا میں دھوم کر دی جس ملک میں اخباروں کی اشاعت ہے وہاں چھوٹے بڑے سب آپ سے واقف ہوں گے۔ اور واقعی آپ بڑے جیالے اور لائق اور جواں مرد ہیں۔

اتنے میں حسنِ اتفاق سے مس کلیر سا چق اٹھا کر باہر آئیں تو اجنبی کو دیکھ کر کسی قدر جھجکیں۔ مگر آزاد نے فوراً مس کلیر سا اور کرنل خرنوال کہہ کر ان دونوں میں باہم مصافحہ کرایا اور کرنل صاحب سے مس کلیر سا روسی زبان میں گفتگو کرنے لگیں یہ صاحب عرصۂ دراز تک روس میں رہ چکے تھے اور روسی زبان میں ان کو پوری پوری مہارت حاصل تھی کچھ دیر تک مس کلیر سا اور کرنل صاحب میں باہم گفتگو رہی۔ بعد ازاں آزاد (اور کرنل صاحب کے اصرار سے) مس میڈ

اور کلیر سا لکچر سننے کے لیے روانہ ہوئے۔

آزاد: یہ اول مرتبہ ہے کہ اس ملک کے جلسہ عام میں یہ دونوں لیڈیاں جاتی ہیں۔ آپ تو ان دونوں کے نام سے بیشتر ہی سے واقف ہوں گے۔

کرنل: اس میں کیا شک ہے۔ مجھے اس وقت دلی مسرت حاصل ہوئی کہ میں نے آپ سب کو دیکھا۔ جن کا ذکر خیر اس قدر عرصے تک اخباروں کے ذریعہ سے نظر سے گذرتا تھا۔ اُن کو آپ آنکھوں دیکھا۔ اِس سے زیادہ مسرت اور کیا ہوگی۔

آزاد: یہ مسٹر اینڈرسن کون بزرگوار ہیں۔

کرنل: آکسفورڈ یونیورسٹی کے ینگلر۔ ام۔ اے اور بڑے عالم وفاضل آدمی ہیں۔ ہاں خوب یاد آیا آپ کے ساتھ ایک مسخرہ تھا خوجی۔

کلیرسا (ہنس کر) پرلے سرے کا مسخرہ ہے خوجی۔

میڈا: پس اس کی صورت دیکھ لیجئے فوراً معلوم ہو جائے گا کہ مسخرہ ہے۔

الغرض جب لکچر کے کمرے میں داخل ہوئے تو مسٹر اینڈرسن صاحب نے تھوڑی دیر میں لکچر شروع کیا اور اس کی تائید میں آزاد یوں سمصفیر ہوئے۔

رسوم مذموم کا چھوڑ دینا یا بری باتوں کے عوض نئی اور عمدہ باتوں کا سیکھنا نہ غیر ممکن ہے نہ بے ادبی۔ یہ تو بدیہی اور ضروری ہے کہ حکمائے متقدمین نے علم حکمت کو دو حصوں پر منقسم کیا ہے۔ اولاً حکمت نظری ثانیاً حکمت عملی حکمت نظری میں علم مابعد الطبیعت کا تذکرہ ہے۔ اور حکمت عملی کی تین قسمیں ہیں۔ تہذیب[1] اخلاق۔ تدبیر[2] منازل۔ سیاست مُدن۔ اور سب باتوں سے قطع نظر کر کے ہم اخلاق کی رو سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انسان نیک سے بد اور بد سے نیک ہو سکتا ہے۔ خلق کی دو قسمیں ہیں خلق طبیعی۔ اور خلق کسبی خلق طبیعی اُس کو کہتے ہیں جو طبیعت سے تعلق رکھتا ہے (یعنی ہنسنا) اور خلق کسبی وہ ہے جو عادت سے متعلق ہو مثلاً تڑکے اٹھنا) خلق طبیعی غیر ممکن الزوال ہے۔ اور خلق کسبی کوئی سریع الزوال ہے۔ معلم اول یعنی ارسطا طالیس کا مقولہ ہے کہ خلق کوئی طبیعی نہیں ہے اور شاید معلم ثانی ابو نصر فارابی کا قول ہے کہ انسان اصل میں مجسم شر ہے۔ لیکن تعلیم وتلقین سے اُس کی طبیعت اخلاق کو قبول کر لیتی ہے۔ جالینوس اور بطلیموس کی یہ رائے ہے کہ بعض انسان بالطبع اہل خیر ہیں اور بعض بالطبع اہل شر ہیں حکمائے متاخرین میں سے حضرت محقق طوسی نے یوں تحقیق کیا ہے کہ ہر ایک خلق قابل تغیر ہے اور جو شے قابل تغیر ہے وہ طبیعی نہیں پس کوئی خلق طبعی نہیں ہے۔ محقق دوانی نے لکھا ہے کہ اگر خلق قابل زوال نہ ہوتا تو خدا قوت متخیلہ اور قوت متمیزہ نہ پیدا کرتا غرضکہ خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ اخلاق قابل زوال ہیں۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ رسم کو اخلاق طبیعی سے تعلق ہے یا کسبی سے۔ ہمارے علم ویقین میں رسم کو طبیعت سے مطلق مناسبت نہیں۔ مگر دعویٰ بے دلیل کے مہمل ہوتا ہے پس ہم شکل بدیہی الانتاج قائم کرکے چٹکیوں میں ثابت کیے دیتے ہیں کہ رسم اجزا خلق کسبی میں داخل ہے صغریٰ رسم ممکن الزوال ہے۔

کبریٰ۔ جو ممکن الزوال ہے طبیعی نہیں۔

نتیجہ۔ پس رسم طبیعی نہیں۔

دوسرا ثبوت۔ طبیعت جوہر ہے اور رسم عرض ہے جوہر بالذات اور عرض بالصفات بس رسوم جو متعلق عادات ہیں۔ بالصفات ہیں بالذات نہیں۔ اب اگر کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ درحالیکہ رسوم کا تغیر ممکن ہے اور اکثر اصحاب کوشش بلیغ کر رہے ہیں تو پھر مراسم شایستہ کا اجرا اور افعال ناشایستہ کا ترک کیوں عمل میں نہیں آتا اس کا جواب بصد عجز یہ ہے۔

اولاً۔ العادۃ کالطبیعۃ الثانیۃ علمار کا قول فیصل ہے بعض رسوم ایسی ہیں کہ وہ ہماری طبیعت کے ساتھ خمیر ہو گئی ہیں اور شکر وشیر کی طرح مل گئی ہیں اُن کا دفعیہ غیر ممکن ہے۔ ثانیاً اگر ایک خالی گھڑے کو اوندھا کرکے پانی میں دبا دیں تو وہ پانی سے بھر نہ جائے گا۔ کیونکہ ہوا اس میں موجود ہے اسی طرح جب تک ہم لوگوں کے دل سے پُرانی رسموں کی خوبیوں کا خیال نہ جاتا رہے گا تب تک نئی باتوں کا ذہن نشین ہونا علم طبیعات کے مسئلہ امتناع تداخل سے غیر ممکن الوقوع ہے۔

ثالثاً۔ علم جراثقال سے ثابت ہے کہ اگر دو مساوی قوتیں ایک جسم پر ایک ہی سمت میں عمل کریں تو اسی قسم کی رفتار سے دوچند ہو جائے گی اور اگر دو مساوی قوتیں سمت مقابل میں عمل کریں تو جسم مذکور ساکت رہے گا۔ اور جو غیر مساوی قوتیں کسی جسم پر سمت مقابل سے عمل کریں تو جو قوت زیادہ ہو گی اس کا عمل ظہور ہو گا۔ فرض کیجئے کہ قوم ایک جسم ہے جس پر دو قوتوں نے اپنا عمل جاری کیا اس طور پر ایک قوت چاہتی ہے کہ جسم مذکور ملکات فاضلہ کی طرف لے جائے اور اسی وقت دوسری قوت اس کو ملکات ردیہ کی طرف کھینچتی ہے تو جو قوت زیادہ ہو گی اس کا عمل بقدر زیادتی ظہور میں آئے گا۔

رابعاً۔ بڑے بڑے تجربہ کار آدمیوں کا قول ہے کہ جس چیز کو ہم عرصہ دراز سے کرتے آئے ہیں وہ چاہے کیسی ہی خراب ہو بھلی معلوم ہوتی ہے چنانچہ ایرلینڈ کے مشہور اور الیق نثار اور شاعر نے لکھا ہے کہ فرانس کے بادشاہ نے ایک مرتبہ ایک قیدی کو رہا کر دیا جو ساٹھ برس تک قید خانے میں رہا تھا وہ جاکر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور دعا دے کر التماس کیا کہ میں ساٹھ برس سے قید خانے میں رہنے کا عادی ہوں مجھے وہی پسند ہے اور چاہتا ہوں کہ پھر قید خانے میں جاؤں۔ اسی طرح پرانی رسموں کا بھی حال ہے کہ چاہے اصل میں کیسی ہی خراب ہوں مگر بھلی معلوم ہوتی ہیں باقی رہا یہ امر کہ جو لوگ اور قصبوں میں ہیں وہ اپنے لڑکوں کو کیونکر تعلیم دیں اس کی نسبت ہماری رائے یہ ہے کہ اگر

دال روٹی سے خوش ہوں تو ممکن ہے۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین ایک مشہور و معروف عربی جملہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر علم چین میں ہو تو وہاں جا کے سیکھو۔ شاید کوئی صاحب چیں بجبیں ہوں کہ تحصیلِ علم کچھ چین ہی پر منحصر نہیں ہے جہاں علم ہو وہاں سیکھنا چاہیے پھر چین کی کیوں خصوصیت کی اِس میں کیا سرخاب کا پر ہے۔

حضرت یہ ایک نکتہ ہے۔ ذرا کان دھر کے سنیے۔ چین برِ اعظم ایشیا کے شہروں میں ہے اور عرب عرب میں مطلب یہ ہے کہ اگر بعد المشرقین ہو تو بھی قصرِ ہمت نہ کرو۔

طلب کردن علم شد بر تو فرض

دگر واجب ست از پیش قطع ارض

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ تحصیلِ علم کے لیے قطع ارض کرتے ہیں یا نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ گھر سے اسکول تک جانے کو ہم لوگ عموماً بڑی منزل کاٹے کرنا سمجھتے ہیں مگر بعض علم دوست ایسے بھی ہیں جو اپنے لڑکوں کی تعلیم میں سرگرم رہتے ہیں لیکن تس پر بھی بعض اتفاقات کے سبب سے ان کی آرزو بر نہیں آتی اکثر لوگ زبان انگریزی سے ناواقف ہیں اور اگرچہ لڑکوں کو اسکول بھیجتے ہیں مگر ان کی تسلی نہیں ہوتی چھوٹے چھوٹے قصبوں میں برسر روزگار ہیں جہاں اچھا مدرسہ مفقود ہے بس لڑکے مفت میں تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ ہم ایک نسخہ بتائے دیتے ہیں۔ یہ نسخہ لاکھ روپیہ کا ہے اگر کوئی صاحب اُس پر عمل کریں تو ہم پر احسان نہیں عنایت نہیں نہ عمل کریں تو حاشا ہم کو شکایت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اپنے صاحبزادوں کو کسی ایسے رشتہ دار کے پاس بھیجیں جس کی لیاقت اور متانت پر اُن کو پورا بھروسا ہو اور جو طرزِ تعلیم میں کماحقہ تجربہ رکھتا ہو عام اس سے کہ وہ کسی شہر دور و دراز فاصلے پر ہو جو لوگ درس سے شوق اور تدریس سے ذوق رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ طرزِ تعلیم ایسا سہل نہیں ہے جیسا لوگ سمجھ بیٹھے ہیں یوں تو ہر فردِ بشر کو اپنی جگہ پر زعم ہوتا ہے کہ میں طرزِ تعلیم سے خوب واقف ہوں ارسطو کو اپنے سامنے طفلِ مکتب سمجھتا ہے مگر جو لوگ بغیر تجربہ کے اس مشکل کام کے جاننے کا دم بھرتے ہیں اُن پر یہ مثل صادق ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

بہرحال اپنے لڑکوں کو اپنے اعزا و اقربا میں سے انھیں لوگوں کے سپرد کریں جو انگریزی مدرسوں اور مکتبوں دونوں کے طرزِ تعلیم سے واقف ہوں اور خود بھی کبھی ماسٹر رہ چکے ہوں تو نورٌ علیٰ نور۔ بہرحال اگر والدین اپنے لڑکوں کی تعلیم کو دل و جان سے پسند کرتے ہوں تو اس نسخے سے شکایت مندرجہ بالا رفع ہو سکتی ہے۔

مائیں اکثر محبت کی وجہ سے اپنے پاس سے لڑکوں کا دم بھر جدا ہونا پسند نہیں کرتیں مگر مردوں کو چاہیے کہ اُن کو دلائلِ عقلی سے معقول کر کے اس طرف توجہ دلائیں اور تعلیم کے لیے اپنے لائق اور تجربہ کار رشتہ داروں کے

پاس لڑکوں کو بھیجتے رہیں دریغ توجہ نہ فرمائیں۔

ایک شخص جو بالکل پرانے فیشن کا تھا استادہ ہو کر کہا کہ اس قسم کی بحث اور ایسی کمیٹیوں سے کوئی نتیجہ نہ نکلا ہے نہ نکلے گا جس کو جس امر میں ترقی کرنی ہو وہ خود کر دکھائے ورنہ خالی خولی ٹھائیں ٹھائیں سے کیا فائدہ نکلتا ہے اور کمیٹی ہیں بحث کرنے کے لیے اتنی باتیں اور امور متنازعہ کہاں سے آئیں گے۔ آزاد نے اس اعتراض کا جواب یوں دیا۔

کمیٹی اس جلسۂ عام سے عبارت ہے جس میں دس پانچ آدمی کسی خاص امر کے فیصلے کے لیے یکجا بیٹھ کر بحث کریں یہ کہنا کہ کس قدر امور متنازعہ یا غور طلب کہاں سے آئیں گے کہ ہر مہینے میں ان کی ضرورت اور کمیٹی کے انعقاد کی حاجت ہو گویا اپنی عدم واقفیت کا ثبوت دینا ہے پچاسوں باتیں ایسی ہیں کہ برسوں سے ان پر بحث ہو رہی لیکن ہنوز روز اول ہے۔ اس سے کہیں کوئی صاحب غلبۂ ذکاوت سے یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ بحث سے کوئی عمدہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ علماء فضلائے روشن ضمیر اور مدبران کس خوبی اور خوش اسلوبی سے ایک دوسرے کے کلام کی تردید کرتے ہیں کہ بایدو شاید اور اس سے کیا کیا عمدہ نتائج پیدا ہوتے ہیں کہ صل علیٰ مثلاً پارلیمنٹ میں روس کی نسبت بحث چھیڑی گئی۔ فلاں لارڈ نے بیان کیا کہ دریائے عمان پر ہمارے ایک چھاونی ہو جانی چاہیے۔ کسی ممبر نے کہا کہ سرحد کابل پر ایک رزیڈنٹ منجانب سرکار انگلشیہ مقرر ہو کسی نے رائے دی کہ روسیوں سے امر متنازعہ فیہ کی نسبت صاف صاف دریافت کیا جائے کہ ان کا مافی الضمیر کیا ہے۔

الغرض بالغ خردان ذی ہنر اور مدبران بلند خیال کے جو امور پولٹیکل میں ید طولیٰ رکھتے ہیں بدلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ خوب دل کھول کر بحث کی۔ اصحاب روشن ضمیر کے آئینہ دل پر روشن ہے کہ اگر مدبران ذی فہم و فراست گھر بیٹھے بیٹھے اپنے اڑھائی چاول گلاتے تو ان کی دال نہ گلتی اسی طرح جو صاحب زیور کیاست سے متحلی ہیں وہ اگر گھر بیٹھے انتظام کرنا چاہیں تو معلوم۔

ثانیاً۔ نفس امارہ نے جو عموماً نفس مطمئنہ پر غالب ہوتا ہے انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے اور کان میں یہ بات پھونک دی ہے کہ تم کان عقل اور اپنی قوم کی ناک ہو اس زعم باطل میں انسان اپنے کو ارسطوئے دہر اور جالینوس سمجھنے لگتا ہے اور اپنے کو من کل الوجوہ قابل تسلیم تصور کرتا ہے لیکن جلسۂ عام میں رائے ظاہر کرنے سے شمشیر لیاقت کے جوہر کھل جاتے ہیں اپنی رائے کے قبح اور ممبروں کے خیالات نادرہ سے آگہی پاتا ہے جلسۂ عام میں بحث اور گفتگو کے بعد جو رائے قرار پاتی ہے وہ ایک متنفس کی رائے سے زیادہ وقعت رکھتی ہے۔ پس اگر بڑے بڑے ضلعوں میں چند دانشمند بھی ترقی قوم کے لیے باہم مشورہ کیا کریں تو پھر ممبروں کی جادو بیانی دیکھیں۔

ثالثاً۔ جو نسبت ملک کو بادشاہ سے ہے وہی قوم کو کمیٹی سے ہے قوم شخصی سلطنت نہیں ہے بلکہ سلطنت

جمہوری ہے افسوس کا مقام ہے کہ ہم لوگ اپنی قوم کی سلطنت جمہوری کی بدانتظامیاں دیکھتے ہیں اور اُن پر قہقہہ اُڑاتے ہیں مگر یہ کوشش نہیں کرتے کہ بدانتظامی خوش انتظامی سے مبدل ہو جائے۔ رسوم مذموم ہماری قوم کی شمع عقل کے آگے کافور ہو جائیں اور اتفاق کے شیر ببر کی صورت دیکھتے ہی روباہ نفاق منزلوں پہا تو ڑ بھاگے بعض صاحبوں کا یہ مقولہ ہے کہ اجی کیسی قومی ترقی۔ کہاں کی حب الوطنی۔ ہمدردی کی ایسی تیسی۔ ہماری قوم کی اصلاح ممکنات سے نہیں محالات سے ہے قوم کے ذریعہ سے مہذب بننا اپنے تئیں بنانا ہے ہم پوچھتے ہیں کہ یونائیٹڈ اسٹیٹس میں کون بادشاہ ہے اب فرمائیے اس کا کیا جواب ہے بجز اس کے کہ وہ سلطنت جمہوری ہے۔

رعایا خود اپنے طرز پر انتظام کر لیتی ہے کیا خوش انتظامی اور تہذیب اور شائستگی میں وہ ملک دنیا کے پردے پر کسی سے کم ہے۔ نہیں صاحب ہرگز نہیں۔ آزادی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے علم و عمل نے وہ ہاتھ پاؤں نکالے ہیں کہ لیڈیاں تک زیور عقل و علم سے بازیب وزین ہیں تا بہ ذکور چہ رسد۔ تہذیب کی ٹکسال ہے انتظام ملکی ایسا عمدہ ہے کہ صل علیٰ۔

جب آزاد پاشا نے تقریر ختم کی اور بیٹھے تو اکثر لوگ اُن کے مداح ہوئے اور کئی یورپین جنٹلمینوں نے اُن کی تعریف کی اور ایک صاحب نے جو ان کے نام کے عاشق زار تھے پورے ایک گھنٹے تک ان کی مدحت سرائی کی۔

اب سُنیے کہ دو آدمیوں میں ان کے حسن کی نسبت یوں باتیں ہونے لگیں۔

ق۔ سچ کہنا ایسا خوبصورت آدمی کبھی نظر سے گزرا ہے؟

آ۔ خداوند! یوں کہیے جھوٹ کہدوں ورنہ۔

ق۔ اللہ اللہ۔ جو عضو بدن ہے سانچے کا ڈھلا ہوا۔

آ۔ اس میں کیا شک ہے۔ اور حضور آنکھ، ناک، کان، رخسار، ہونٹھ، ہاتھ پانوں نِک سُک، سب سے درست ہے۔ شیر معلوم ہوتا ہے۔ شیر۔

ق۔ کیوں صاحب دنیا میں اس سے بڑھ کے نہ ہوگا۔

آ۔ حضور بس عرض کر دیا۔ لاکھوں میں ایک۔

ق۔ اور خوش تقریر کتنا ہے کہ سبحان اللہ!

آ۔ حضور بس یہ سمجھ لیجئے کہ خدا کی اس پر جس قدر عنایت ہے۔ اس قدر بادشاہ کی وزیر پر بھی نہ ہوگی۔ بس انتہا کی بات میں نے کہدی۔

ق۔ ہاں پھر حسن تو خدا کی دین ہی ہے۔

آ۔ اور حسن بھی کیسا؟ عالم آشوب ہے۔

ق۔ کیوں صاحب! جب ہم مردوں کا یہ حال ہے تو عورتوں کی تو عجب ہی کیفیت ہوتی ہوگی۔ واللہ ہے ہے! خدا جانے کیا گزرتی ہوگی۔

آ۔ سرکار صورت کیا پری عاشق ہو جائے۔

ق۔ ابھی وہ خود رشک پری ہے، اور مردانہ حسن۔؟

آ۔ دریں چہ شک ست۔ شیر ببر ہے حضور۔!

ق۔ کلائی تو دیکھیے اور گوری چٹی کیسی ہے۔

آ۔ کیا پوچھنا ہے۔ اے سبحان اللہ سانچے کی ڈھلی ہوئی ہے۔ سنگین، گول۔ گوری؟ اور پھر شیر کی کلائی نظر آتی ہے۔

ق۔ ذری دریافت تو کیجیے یہ کون صاحب ہیں۔؟

اتنے میں ایک مرد پیر، جو اُن کے قریب بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا حضرت آزاد پاشا۔ جو آپ نے سُنے ہیں یہی ہیں۔ ناظرین! غالباً سمجھ گئے ہی ہوں گے کہ یہ دونوں صاحب کون تھے۔ ایک قمر الدولہ دوسرے اُن کے رفیق آغا صاحب۔ آزاد کا نام سُنتے ہی دونوں کے آئے حواس غائب غلّہ ہو گئے۔ جس پیر معمّر نے آزاد کا نام بتایا تھا اس پر غور سے نظر ڈال کر قمر الدولہ نے پوچھا، کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا کہ آزاد پاشا یہی ہیں۔ پیر مرد نے مسکرا کر جواب دیا۔ چہ خوش۔ ہم کو نہ معلوم ہو گا تو اور کس کو معلوم ہو گا۔ ہم تو بڑی بیگم صاحب کے ہاں کے خانہ زاد ہیں۔ حسن آرا بیگم کو خدا سلامت رکھے۔ گو دیوں کی کھلائی ہے۔ قمر الدولہ نے جو حسن آرا کا نام سُنا اور ان کو معلوم ہوا کہ یہ پیر مرد انھیں کے ہاں نوکر ہیں، تو اور بھی ملول ہوئے، اور فرط بیتابی و قلق سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

پیر مرد نے ان کا یہ حال دیکھا تو یقین واثق ہو گیا کہ اُس شخص کو سچا عشق ہے۔ مگر آدمی تھا جہاں دیدہ۔ دل پھیرنے کے لیے کہا۔ حضور ناحق اس پھیر میں پڑے ہیں۔

حسن آرا کی تمیز اور سلیقے، اور لیاقت، میں شک نہیں۔ مگر میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آپ کس ادا پر عاشق ہوئے ہیں۔ اول تو کچھ ایسی حسین نہیں۔ بلکہ اُن سے تو ان کی چھوٹی بہن ہزار درجے اچھی ہیں۔ پھر کوئی ادا ایسی نہیں جو دل پر اثر کرے۔ آخر یہ آپ جو اس قدر پریشان ہوتے ہیں اس کا سبب کیا ہے۔ اور حضور! میں صرف اس وجہ سے کہتا ہوں کہ حضور اس ملک کے شہزادے ہیں۔ بیکار اپنا نام بد کرنا، اور ایک ایسے شخص کے مقابلے میں نیچا دیکھنا جو رئیس تک نہیں ہے میں تو حضور کو منع کر دوں گا۔ آئندہ اختیار ہے۔ اور یہ جو لوگ حضور سے جا جا کے کہتے ہیں کہ حسن آرا بھی حضور کا نام سن کر عاشق ہو گئی ہیں یہ سب غلط ہے۔ ان کو خبر بھی نہیں۔ وہ تو آزاد پر ہزار جان سے عاشق ہیں۔ اور اگر نظر انصاف سے دیکھیے تو ایسا خوبرو جوان رعنا اس شہر میں کیا معنی تمام ملک میں نہ ہو گا۔ ہم نے آج تک ایسا جوان اور ایسے کلے ٹھلے کا آدمی نہیں دیکھا۔ جوان اچھے اچھے دیکھے مگر یہ کس بل یہ کرارا پن یہ ہاتھ پاؤں یہ بھرے بھرے شانے۔ چوڑا سینہ یہ کلائی یہ چاند سا مکھڑا دیکھا نہ سُنا۔ پھر ایسے شخص کے مقابل میں کسی عورت سے عشق کا اظہار کرنا ہمارے نزدیک عقل کے خلاف ہے۔ ہم نے حضور کے باپ دادا کا نمک کھایا ہے وہ جوش کر رہا ہے۔ ہم اس وقت سچی سچی رائے ظاہر کریں گے بھلا جس کو یہ چاہے اور جو اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو وہ کسی پری پر ساری خدائی میں عاشق ہو سکتی ہے۔ کیا مجال

حضور آپ اس امر کا خیال ہی نہ کریں۔ آزاد کی تصویر ہر دم و ہر لحظہ حسن آرا کے پاس رہتی ہے۔ ممکن کیا کہ کسی اور کا خیال بھی دل میں آئے میاں عسکری نامی ایک شخص نے بڑے پاپڑ بیلے اور آزاد پاشا کی چھوٹی ہجو جا بجا چھپوانی شروع کی مگر حسن آرا کا عشق کم نہ ہوا یہ عشق تو رگ و پے میں پیوست ہے میں تو دن و رات وہیں رہتا ہوں مجھ سے بڑھ کر کیفیت کوئی کیا جانے گا بھلا بچپنے سے کھلایا ہے وہ کسی کا کہنا سننا اس بارے میں نہیں مانتیں اور اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی فرد بشر آزاد کے علاوہ اور بھی اُن پر عاشق ہوا ہے تو معاذ اللہ توبہ بھلی۔ جانی دشمن اُس کی ہو جائیں اور اُس کی صورت کیا معنی نام سننے تک کی روادار نہ رہیں۔ اس قدر عناد ہو جائے۔ جب آزاد روم میں لڑائی پر گئے تھے مہینوں کھانا نہیں کھایا۔ صبح کو کھایا تو شام کو غرہ اور شام کو کھایا تو دوپہر کو دو چپاتیاں بہزار خرابی کھائیں۔ حضور اس قدر عشق تو مجنوں کو لیلیٰ اور فرہاد کو شیریں کا بھی نہ ہوگا اور یاد رکھیے ان کا عشق بھی ایسا مشہور ہوگا کہ لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کی طرح ان کے عشق کی بھی کتابیں چھپیں گی

قمر الدولہ کے دل پر اس تقریر نے بڑا اثر کیا اور آغا صاحب بھی چپ چاپ سنتے گئے ادھر لوگ لکچر دے رہے تھے اسپیچیں کہتے تھے۔ تقریریں کرتے تھے ادھر پیرمرد قمر الدولہ بہادر کو اور ہی فشن کا لکچر سناتے تھے۔

الغرض جب جلسہ برخاست ہوا قمر الدولہ نے پیرمرد کا شکریہ ادا کیا۔ کہاں قمر الدولہ کے دل میں یہ بات جاگزیں تھی کہ حسن آرا بیگم ہم پر ہزار جان سے عاشق ہو گئی ہیں اور آزاد کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ شادی کریں گی۔ کہاں اب اپنی حماقت اور بیوقوفی پر نادم تھے اور سوچتے تھے کہ کجا آزاد اور وہ پری زاد۔ کجا میں وہ عالم پاک تو میں خاک بھلا میرا اور آزاد کا مقابلہ کیا تمام راستے بھر یہی سوچتے جاتے تھے۔ آغا صاحب کو اصلا جرأت نہ ہوئی کہ بات کریں یا قمر الدولہ بہادر کی خاموشی کا سبب دریافت کریں اور شہزادے کو تو اس کی صورت سے نفرت تھی جب گھر پہنچے تو مصاحبوں نے سروقد تعظیم کی اور پایہ پایہ بیٹھے۔ ایک بے تکے رفیق نے گپ ہانکنا شروع کی خداوند آج تو منہ میٹھا کیجئے وہ خوشخبری سناؤں کہ پھڑک جائیے۔ واللہ دوسرے رفیق نے کہا اس میں کیا فرق ہے۔ حضور آج تو واقعی یہ ایسی ہی خبر لائے ہیں۔ کہہ دو میاں انعام تو یوں بھی ملے گا۔ رفیق نے یوں بیان کیا حضور ان کے ہاں ایک مہری نوکر ہے۔ وہ مجھ سے کہتی تھی کہ آج آپ کے سرکار کی تصویر اور آزاد کی تصویر کا مقابلہ کیا تو ایک ہمجولی سے کہا بہن سچ کہنا قمر الدولہ کی کتنی بھولی صورت ہے اور ناک بھوں چہرہ کس قدر صاف ہے کہ بے اختیار جی چاہتا ہے تصویر ہی کو چوم لوں۔

حاضرین نے خوش ہو کر غل مچانا شروع کیا۔ حضور مبارک ہو رقیب مقابل میں نہ ٹھہر سکا۔ اور واقعی کیونکر نہ پسند کرتیں۔ حضور کا حسن و جمال دور دور تک مشہور ہے کوئی ایسا دکھا دے تو جانیں۔ کیا مجال۔ بس اپنے آپ ہی نظیر ہیں۔

آغا صاحب سکوت میں تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ یہ بک کیا رہے ہیں۔ آزاد کی صورت دیکھ کر تو میاں کے ہوش اُڑ گئے اور گھنٹوں تعریف کیا کیے اور یہ لوگ آزاد کو بالکل گرد کیے دیتے ہیں۔

قمرالدولہ چپ چاپ ان حضرات کی زبان درازی اور چاپلوسی اور تملق کی باتیں سنتے جاتے تھے اور دل ہی دل میں سوچتے تھے کہ ایک سرے سے سب موقوف ہونے کے قابل ہیں۔

اتنے میں ایک رفیق (رونق علی) کی شامت آئی اور آغا صاحب کی طرف مخاطب ہو کر اس نے کہا کہ یہ آج آغا کیوں مسٹ مارے بیٹھے ہیں۔ اس وقت تو بخبر دشمن کوئی دوست اور نمک حلال خانہ زاد ایسا ملول و مغموم نہ بیٹھے گا ارے میاں تم بھی چہکارو۔ آج خوش روزہ مناؤ کہ رقیب کی تصویر نظروں سے گر گئی۔ اُلّو کی طرح چپکے بیٹھے ہیں۔

آغا صاحب نے جواب نہ دیا اور نہ قمرالدولہ کچھ بولے اُس پر رفقا سمجھے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے یہی دونوں سوار ہو کر گئے تھے اور جب سے آئے ہیں بالکل خاموش ہیں اس کا کوئی سبب خاص ضرور ہو گا۔ یہ بات بے وجہ نہیں ہے۔ سوچے کہ یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ باہم اشاروں سے باتیں ہونے لگیں آخر کار میاں رونق علی کسی بہلنے سے اُٹھے اور اشارے سے آغا صاحب کو بلایا۔ مگر یہ تو خوب جانتے تھے کہ آج قمرالدولہ بہادر آگ بھبوکا ہو کے آئے ہیں۔ اگر ذرا کوئی بے ضابطگی ہوئی تو مجھے تو مار ہی ڈالیں گے کہ کمبخت یہ تو گھر بیٹھے باتیں بنلاتے ہیں تو تو اپنی آنکھوں سے آزاد کو دیکھ آیا ہے۔ تو کیونکر اُن سے ہمصفیر ہونے کی جرأت کرتا ہے آغا صاحب نے رونق علی کی طرف دیکھا ہی نہیں اور جانب دیکھنے لگے۔

اب سنیئے کہ شامتِ اعمال سے دو مصاحب آتے ہی بے تکی ہانکنے لگے۔ حاضرین تو سمجھ گئے تھے کہ اس سکوت اور خاموشی کا کوئی سبب خاص ضرور ہے۔ ان دونوں کو کیا معلوم۔ آتے ہی گپ اور جھوٹ کے پل باندھ دیئے۔ ایک کا نام ٹھاکر بخش تھا دوسرے کا نام امیر۔

امیر:۔ حضور آج تو معتبر آدمیوں سے سُنا کہ آزاد کو انھوں نے جواب دیا۔ صاف صاف کہہ دیا کہ ہم نواب قمرالدولہ کو چاہتے ہیں جن کے سامنے تمہاری کوئی اصل و حقیقت ہی نہیں ہے۔

ٹھاکر:۔ ہاں یہ تو ہم نے بھی سُنا ہے خط لکھ بھیجا کہ اب تم اِس خیال سے درگزرو۔ تمہارا اور شہزادوں اور نوابوں کا مقابلہ کیا!۔

امیر:۔ حضور ایک میوے والی بیان کرتی تھی کہ ایسی نازک اندام اور گلفام حسینہ ساری خدائی میں نہ ہوگی۔

ٹھاکر:۔ مشہور بات ہے بھئی کون نہیں جانتا۔

نواب صاحب نے خدمت گار سے گلوری پان مانگیں اور محلسرا کی طرف روانہ ہوئے چلتے وقت آغا صاحب سے اس قدر کہتے گئے کہ دیکھو خبردار کسی کو کچھ حال معلوم نہ ہونے پائے۔ آغا صاحب نے کہا کیا مجال خداوند توپ کے مہرے اڑا دیجئے مگر حضور ایک عرض ہے غلام کی۔ (قریب جا کر) اب یہ خیال ہی دل سے اُڑا دیجئے قمرالدولہ نے مسکرا کر جواب دیا ماشاء اللہ۔ آپ اور ہم کو سکھائیں۔

ادھر نواب صاحب محلسرا تشریف لے گئے ادھر رفقا نے آغا کا ٹٹولیا۔ ارے میاں بتاؤ تو کیا ماجرا ہے کیا سبب ہے بھئی کہ سرکار آج اس قدر بد دماغ ہیں۔ آغا صاحب نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا بس کچھ نہ پوچھو۔ گویم مشکل وگرنگویم مشکل۔ کا معاملہ ہے۔ اگر نہیں بیان کرتا تو تم لوگوں کے خلاف ہوگا اور بیان کرتا ہوں تو ممکن نہیں کہ اُن تک خبر نہ پہنچے وہ مجھ سے خفا ہو جائیں گے۔

عجب دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
دگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

کا نقشہ ہے۔

اس پر مرزا صاحب اور سیدی سنبل نے آغا صاحب کا ہاتھ پکڑا اور ایک کونے میں لے جا کر کہا کہو تو ہوا کیا اور چلتے وقت اس قدر اصرار کے ساتھ منع کیوں کر گئے کہ خبردار افشائے راز نہ کرنا۔ اتنے میں اور رفقا بھی مارے شوق کے چلے آئے اور باہم یوں گفتگو کرنے لگے۔

سنبل:۔ ہم جانتے ہیں کہ سرکار وہاں گئے ہیں اور اس زعم میں کہ وہ ہم پر عاشق ہیں کوئی بے ضابطگی ہوئی ہے۔

مرزا:۔ اور ہماری رائے ہے کہ وہاں سرکار اور آغا صاحب دونوں پٹے ہیں واللہ سچ کہتا ہوں۔

رونق علی:۔ قہقہہ لگا کر۔ اجی قسم خدا کی عجب نہیں کہ جوتے پڑے ہوں مگر یہ کاہے کو بتانے لگے۔

ٹھاکر:۔ ہے کچھ ایسا ہی معاملہ یار۔ کوئی بات ایسی ہوئی ہے جس کو مارے شرم کے بیان نہیں کرتے۔

امامی:۔ واللہ ہمیں بھی یقین ہو گیا۔ وہ تو سمجھتے تھے نہ کہ حُسن آرا دل و جان سے عاشق ہو گئی ہیں بس اسی زعم نے اُن کو بلتایا اور آغا صاحب اور بھی پُر چک دیتے جاتے ہوں گے کہ حضور وہ تو آزاد کے نام سے بھاگتی ہیں اور جب سے آپ کا ذکر سُنا ہے انتہا سے زیادہ بے قرار اور بے چین ہیں اور اس زعم میں وہاں بھی چلے گئے ہوں گے اور وہاں پڑی ہوں گی بے بھاؤ کی افسوس۔

آغا:۔ کیا کیا بے فکرے جمع ہیں۔ واللہ نہ یوں چین نہ یوں چین۔ افوہ۔ پناہ خدا۔

امامی:۔ اچھا پھر آپ جو مست مارے بیٹھے رہے اور سرکار نے بھی خلاف معمول لب تک نہ ہلایا اس کا کیا سبب ہے اور چلتے وقت کہہ گئے خبردار آغا دیکھو کسی کو معلوم نہ ہونے پائے۔

ٹھاکر:۔ اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ کسی سے یہ نہ کہنا کہ پٹ کے آئے ہیں بس اور کیا صاف تو ظاہر ہے اب بار بار کیا پوچھتے ہو ہم سے پوچھو۔ ضرور ٹھونکے گئے ہیں۔

آغا:۔ اچھا صاحب ٹھو کے ہی گئے سہی۔ بس چلیے خیر۔

مرزا:۔ آغا صاحب ہم کو تو ضرور اطلاع دو۔ ہم اُن لوگوں میں نہیں ہیں جو راز کو افشا کر دیں۔ سوا اِس کے جانتے

ہیں کہ وہ جو شخص کل آیا تھا کتنا بڑا دوست ہے ہمارا اس کو کچا چٹھا معلوم ہو گا۔ اسی وقت جا کے کل حال دریافت کر لوں گا۔

آغا صاحب نے کسی سے حال نہ بتایا اور لوگ گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ صبح کو قمر الدولہ بہادر نے حُسن آرا کے نام گمنام خط بھیجا اور اس میں صرف اس قدر لکھا کہ گو میں تمہاری تعریف سُن کر ہزار جان سے تم پر عاشق تھا مگر جیسے میں نے آزاد کو دیکھا ہے مجھے یقین ہو گیا کہ جو عورت آزاد سے خوش رو جوان پر ریجھی ہو گی وہ دنیا میں کسی اور کو پسند نہ کرے گی۔ لہٰذا ہم شرم اور خفت سے تم سے معافی چاہتے ہیں۔

حسن آرا نے یہ خط فوراً پیر مرد کے ہاتھ بھیج دیا اور جب اس خط کا مضمون اِدھر اُدھر لوگوں کو معلوم ہوا تو آزاد کا اور شہرہ ہوا۔

قاتل الرقیب

پیر مرد فرخ نہاد نے جس وقت آزاد کو قمر الدولہ بہادر کا خط دکھایا اور کہا حُسن آرا نے یہ خط آپ کے ملاحظے کے لیے بھیجا ہے اور آپ کو مبارک باد دی ہے کہ آپ کا رقیب خود آپ پر اس درجہ شیدا اور فریفتہ ہوا ہے۔ حسن آرا کی خواہش ہے کہ یہ خط بھی کسی اخبار میں ضرور درج ہونا چاہیے۔ آزاد نے مسکرا کر جواب دیا خط تو چھپ جائے گا۔ مگر میں یہ نہ چاہوں گا کہ کوئی شخص علانیہ طور پر میرا رقیب مشہور ہو اُس کے لیے فخر کا مقام ہے اور میرے لیے باعث ننگ۔ پیر مرد یہ جواب باصواب سُن کر بہت ہنسا۔ کہا واقعی کیا خوب توڑ کیا ہے۔ سبحان اللہ۔

آزاد نے دریافت کیا کہ اس کی اصلیت کیا ہے پہلے کیونکر عاشق ہوا اب کس وجہ سے طبیعت پھر گئی۔ مجھے کہاں دیکھا۔ پیر مرد نے بیان کیا کہ جس دن آپ لکچر سننے آئے تھے اور آپ نے خود بھی عمدہ تقریر کی تھی قمر الدولہ اور ان کے ایک مصاحب میرے قریب ہی بیٹھے تھے اور آپ کو دونوں دیکھ کر عش عش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا صورت زیبا پائی ہے ایک نے کہا خدا و ندسچ کہتا ہوں ساری خدائی میں ایسا جوان خوبرو دوسرا نہ ہو گا۔ دید ہے نہ شنید ہے۔ لاکھوں میں انتخاب کروروں میں لاجواب۔ آغا بولے جو عورت حسین ایسے جوان رعنا پر عاشق ہو گی وہ پھر اور کی طرف مائل ہو چکی مجھے بڑی ہنسی آئی۔ نواب صاحب نے کہا کسی سے دریافت تو کرو یہ کون شخص ہیں میں نے کہا مجھ سے میں بتاؤں یہ آزاد پاشا ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ رنگ فق ہو گیا۔ اور ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اور دونوں کے چہرے سے ہوائیاں اُڑتی تھیں۔ خیر خدا خدا کر کے ایک نے پوچھا وہی آزاد جو روم گئے تھے میں نے کہا ہاں۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک صاحب کے آنے کی خبر ہوئی اور آزاد نے ہوٹل کے بیرا کو حکم دیا کہ تشریف لانے دو۔ ایک صاحب جوان خوبرو کم عمر کم سخن سُرخ و سفید سپاہی وضع بانکے تشریف لائے اور بانکپن کے ساتھ آزاد سے ہاتھ ملایا اور بیٹھتے ہی یہ شعر پڑھا۔

گو نہیں پوچھتے ہر گز وہ مزاج
ہم تو کہتے ہیں دعا کرتے ہیں

یہ عجب تماشے کی بات ہے کہ ایک صاحب تو دریافت ہی نہیں کرتے کہ مزاج اقدس۔ مزاج معلی۔ مزاج انور مزاج شریف اور دوسرے صاحب گلا پھاڑ پھاڑ کر غل مچاتے ہیں کہ الحمد للہ۔ اچھا ہوں فضل خدا سے دعا دیتے ہیں عرض کرتا ہوں گو آپ کی خدمت میں نیاز نہ حاصل ہو مگر آپ کا ذکر خیر اور نام نیک سُن کر بے اختیار جی چاہا کہ ملوں۔ اور امید ہے کہ خلاف طبع مبارک نہ ہوا ہو۔

آزاد نے کہا آپ نے کمال احسان کیا کہ مجھ ایسے ناچیز گمنام آدمی کی ملاقات کے لیے آپ اس قدر وقت اٹھا کر تشریف لائے اور گو میں بوجوہ چند در چند عدیم الفرصت رہتا ہوں لیکن آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوا۔ جناب کا اسم مبارک۔ کہا بندے کو قاتل الرقیب کہتے ہیں۔ اس پر آزاد نے کان کھڑے کیے اور کہا یہ تو انوکھا نام ہے۔ اُس جوان نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ اس کا سبب اور وجہ تسمیہ پھر عرض کروں گا۔ انشاء اللہ۔ مگر آپ کو خدا نے واقعی وہ جوہر عطا کیا ہے کہ صاحب سیف بھی ہیں آپ اور صاحب قلم بھی ماشاء اللہ کتنی عمدہ تقریر کی اُس دن کل سامعین پھڑک گئے حضرت میری غرض خاص آپ کے پاس حاضر ہونے سے یہ ہے کہ شادی بیاہ کی رسم میں جو کر دروں امور مانع ترقی ہیں وہ دفع ہوں۔ اس میں بڑی کوشش کر رہا ہوں۔ ہم لوگوں میں تو یہ عیوب کم ہیں مگر اہل ہنوز تو معاذ اللہ اس رسم مذموم کے ہاتھ بالکل بک گئے ہیں۔ اب اس زمانے کے موافق سب کے خیال ہوں تو سبحان اللہ اس دار ناپائیدار میں ہر وقت انسانی خیال موافق زمانے کے حالت کے ہوا کرتے ہیں اور ان کی بھلائی اور برائی اسی وقت اور زمانہ کی بنا پر مبنی ہوا کرتی ہے یہ ضرور نہیں کہ جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہوا کرتا تھا وہ اِس زمانے کی حالت کے ساتھ مناسبت کلی رکھتا ہو کیونکہ ہر زمانے میں بمقتضائے تبدیل تاثیرات آب و ہوا و نیز دیگر وجوہ جملہ اقسام و اشیاء کے خواص بدلتے رہتے ہیں اور ان کی کیفیت اور کمیت میں ہر ایک نوع کا فرق پڑ جاتا ہے چنانچہ یہ بات قدیم تحریر سے ثابت ہے کہ زمانہ سابق میں آدمیوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں اور بہت آدمی اپنی عمر طبعی کو فائز ہوا کرتے تھے بخلاف اِس کے اب سو برس کی عمر کا ڈھونڈھا جائے تو شاید شاذ و نادر کہیں دستیاب ہو جب یہ بات مسلم ہو چکی کہ ہر وقت میں زمانہ کا تغیر واجبات سے ہے اور اس کا قیام و قرار ایک حالت پر ممکن نہیں تو لازم ہوا کہ ہم بھی ایک قدیم خیال پر جس کو اب کے زمانے کی حالت کے ساتھ مطابقت نہیں ہے۔

قدم گزار نہ ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر اسی طرح کسی زمانے کی حالتوں کے ساتھ صغر سن میں لڑکے لڑکیوں کی شادی مفید تھی اُس پر کوئی مقام اعتراض نہیں ہے شاید اس زمانے کے ساتھ اس کا برتاؤ احسن تصور کیا گیا ہو مگر فی زمانہ اس فعل میں بجز حیرانی اور کوئی امر متصور نہیں بلکہ اس کے نتائج پر جو نظر کی جاتی ہے تو ایک بڑا عبرت انگیز معاملہ دکھلائی دیتا ہے اور طرفہ تر یہ کہ اہلِ دولت نے اِس کو ایک اعلیٰ درجہ دولت مندی کا تصور کیا ہے اس نظر سے کہ یہ لوگ بات کہیں کہ فلاں شخص نے اپنے لڑکے لڑکی کی شادی پانچ برس کی عمر میں کر دی اور پنڈتوں نے جو اس امر میں فرمایا تو اُن کی غرض صرف اپنے اخذ مطلب پر تھی واللہ اعلم بالصواب۔

تا سال دگر می کے خورد زندہ کہ ماند

جو مطلب اِس وقت حاصل ہو سکے اُس کے حصول میں توقف کرنا خلاف عقل ہے اُن کا قول اس منشا کو واضح کرتا ہے کہ مردہ بہشت میں جائے یا دوزخ میں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے

اب دیکھنا چاہیے کہ اگر نا عاقبت اندیشی سے اِس فعل کا ارتکاب ہوا تو کس مرحلۂ دشوار گزار میں جا پڑا جس میں ہزاروں دو دو دام مخاطرے اور اندیشے کے راہزن ہیں نعوذ باللہ یا خود منزل مقصود کی راہ میں جو کوئی ماجرا پیش آ گیا ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے بجز کف افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا اپنے کیے کو پچھتانا پڑا اور ایک مثال سنیے اس فعل کا ناجائز ہونا ذہن نشین خاطر احباب کرتا ہوں یقین ہے کہ اس سے بخوبی تصدیق کلام بالا ہو جائے گی اور کوئی اعتراض باقی نہ رہے گا۔

واضح ہو کہ بالفعل سرکاری تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دنیا میں جس قدر بوڑھے سن رسیدہ انسان شربت موت چکھتے ہیں اسی قدر بچے خرد سال بھی قضا کرتے ہیں۔

مساوات جناب اس طرح پائی جاتی ہے کہ پانچ برس سے دس برس تک عمر کے اطفال کی وفات کا فیصدی اوسط چالیس سے پچاس تک عمر کے آدمیوں کی وفات کے فیصدی اوسط کے برابر ہے درحالیکہ یہ دونوں عمرین حیات ممات میں مطابقت نام رکھتی ہیں اور چالیس سے پچاس برس تک کی عمر والے انسان کے ساتھ شادی مقبول و منظور نہیں ہوتی تو پانچ برس سے دس برس تک کی عمر والے کے ساتھ کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ الغرض اگر گیارہ بارہ برس سے کم عمر میں شادی بیاہ کے مراسم مطلقاً ترک منظور ہوں تو انسب اور احسن ہے میرے ناقص العلم یقین میں سب سے زیادہ کارگر یہ تدبیر ہو گی کہ ہمارے اہلِ وطن جو تربیت یافتہ ہیں باہم مل کر گورنمنٹ سے استدعا کریں کہ کس عمر میں شادی ہونی چاہیئے اس کا گورنمنٹ سے فیصلہ ہو جائے۔ اور ایک قانون شرف نفاذ پائے کہ اس کے خلاف اگر کوئی عمل میں لایا تو جرمانے کا مستحق ہو گا۔

آزاد نے کہا صرف جرمانے ہی کی سزا سے کام نہ نکلے گا۔ ممکن ہے کہ بعض دولت مند آدمیوں کو اسی نوے برس کے سن میں بقیجوائے

پیرے کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است

از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت است

شوق چرائے کہ بارہ تیرہ برس کی بیوی بیاہیں۔ اور دولہا بنیں۔ ان کو جرمانے کا خوف مطلق نہ ہوگا وہ سمجھیں گے کہ شوخ و خوبرو اور کم سن بیوی پر سے سو دو سو جرمانے کے نام سے بھی نچھاور کر دیں گے۔ اگر قید کی سزا کا بھی خوف دلایا جائے تو سبحان اللہ مگر گورنمنٹ اس میں غالباً دخل نہ دے۔

جوان رعنا نے کہا اگر ہم کسی سلطنت کے وزیر ہوں تو ہم تو حکم دے دیں کہ جو شخص چالیس یا انتہا پینتالیس برس کے بعد شادی کرے فوراً اس کی بیوی ضبط کر لی جائے۔ مگر ہاں دو باتوں کا خیال اُس میں ضرور ہے اب یہ کہ مرد کس ملک کا ہے۔ اگر کسی ایسے ملک کا ہے۔ جہاں کے لوگ طاقت ور اور توانا ہوتے ہیں تو خیر کچھ رعایت کی جائے اور اس میں یورپین بھی شریک ہوں۔ کیونکہ وہ عموماً ان امور میں حکمت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

اس گفتگو کے بعد آزاد نے باتوں باتوں میں انسے قاتل الرقیب کی وجہ تسمیہ دریافت کی کیونکہ یہ نام ان کو بہت کھٹکتا تھا اُس جوان نے مسکرا کر کہا۔ حضرت وجہ یہ کہ جس روز خاکسار پیدا ہوا جناب والد کے ایک بہت بڑے رقیب کے مرنے کی خبر آئی تو والد مبرور نے قاتل الرقیب نام رکھا۔ آپ اس نام پر اس قدر پریشان کیوں ہوئے یہ فقرہ سن کر آزاد کا چہرہ سرخ ہوا اور جس طرح شیر ڈکارتا ہے۔ انھوں نے بآواز بلند کمال بے پروائی کے ساتھ جواب دیا کہ ے

ولد الزنا ست حاسد منم آنکہ طالع من

ولد الزنا کش آمد چو ستارۂ یمانی

میں اور پریشان ہوں۔ ہونھ! دیو بھی اگر آئے تو صورت دیکھ کے سہم جائے۔ شیر ببر کان دبا کے بھاگے۔ اس پر وہ جوان بھی سُرخ ہو گیا مگر جواب نہ دیا خاموش رہا۔

پیر مرد نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ان کو خوف ہوا کہ مبادا یہ دونوں اس وقت کٹ مریں کیونکہ اس جوانِ رعنا کی تقریر سے آزاد ایسے برہم ہو گئے تھے کہ مارے غصے کے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور اس کے پاس سروہی بھی ہے اور طپنچے کی جوڑی بھی لگائے ہوتے ہے ایسا نہ ہو کہ بات بڑھے اور تلوار سونت کے کھڑا ہو جائے یا طپنچہ چلائے یہ موقع نہ تھا کہ کسی کو باہر سے بلائے۔

خوجی کا پتہ نہیں کہ آزاد کے لیے بھی چپکے سے تلوار یا کٹار لاتے۔ سوچتے سوچتے یہ سوچے کہ پانی منگواؤں

خواہ مخواہ کوئی آدبے ہی گا ایک سے دو بھلے۔ آزاد سے کہا حضرت پیاسا ہوں۔ انھوں نے فوراً گھنٹی بجائی اور بیرا آیا پانی مانگا اُلٹے پاؤں گیا اور پانی لے کر واپس آیا۔ پیر مرد نے پانی لے کر گلوریاں طلب کیں بعد ازاں حقہ ایک خدمت گار سے بھروایا۔ اتنے میں اُس جوان نے آزاد سے گفتگو شروع کی۔

جوان :۔ بھلا کبھی ہم سے آپ سے کہیں ملاقات ہوئی تھی۔

آزاد :۔ (غور سے دیکھ کر) مجھے یاد نہیں آتا۔

جوان :۔ میں بھی ایک بانکا آدمی ہوں حضرت۔

آزاد :۔ پھر ہم آزادوں کو اس سے کیا واسطہ۔ ہم بانکوں کی کچھ اصل و حقیقت بھی جب سمجھیں۔ ہم تو بانکوں کو لونڈا سمجھتے ہیں۔

جوان :۔ اور ہم اپنے مقابلے میں کسی کو سمجھتے ہی نہیں۔

آزاد :۔ شیطان کان میں پھونک گیا ہو گا بس۔

پیر مرد :۔ اس گفتگو سے آخر حاصل کیا ہے۔ اگر آپ ان کا نام سن کر ملنے آئے دوستانہ طور پر ملیے۔ یہ کون گفتگو ہے۔

جوان :۔ اب ہم رخصت ہوتے ہیں مگر یاد رکھنا آزاد ہم بڑے مرد میدان ہیں اس کو باور کیجئے ورنہ اختیار ہے۔

آزاد :۔ اچھے اچھوں کو میدان سے باہر کر دیا ہے اور سب کو بجائے خود یہی زعم باطل تھا مگر دال نہ گلی۔

جوان :۔ خیر اب بحث سے کیا واسطہ۔ آداب عرض۔

آزاد :۔ تسلیم۔ مگر سپاہیوں کو تو اس قدر کج خلق نہ ہونا چاہیے، سپاہی تو بڑے خلیق ہوتے ہیں۔

جوان :۔ ہم تو سب سے زیادہ خلیق ہیں مگر اکھڑ۔

آزاد :۔ مجھے خود یاد آتا ہے کہ کہیں ملاقات ہوئی۔ مگر سوچتا ہوں کہ کب اور کہاں ملا تھا۔

جوان :۔ اس کا ذکر جانے دیجئے۔ رنج ہوتا ہے۔

آزاد :۔ کون شخص ہے۔ بھئی یہ۔ اسم شریف۔

جوان :۔ نام تو ہم نے بتا دیا صاف صاف قاتل الرقیب۔

آزاد :۔ ہاں صحیح ہے۔ آپ کے بشرے سے پایا جاتا ہے کہ۔

جوان :۔ ہاں کیا کیا فرمائیے۔ کیا بشرے سے پایا جاتا ہے۔

آزاد :۔ کہ آپ نے خون ضرور کیا ہے۔ اس میں شک نہیں۔

جوان :۔ (سُرخ ہو کر) ایک عمر بھر کیا کیا کیئے۔

آزاد :۔ مگر جیلے آدمی نہیں بودے ہو۔

جوان :۔ مقابلے کے وقت اس کا حال معلوم ہوگا۔

آزاد :۔ ہم تو اس وقت حاضر ہیں۔ بسم اللہ۔

جوان :۔ کیوں جان کے دشمن ہوئے ہو میاں۔

آزاد :۔ خدا کی قسم تم بیٹھے آئے ہو اور اس وقت تمہاری قضا تمہارے سر پر کھیل رہی ہے۔ میں کیا کروں مجبور ہوں۔

پیر مرد :۔ ہم جانتے ہیں آپ اب تشریف لے ہی جائیں۔

جوان :۔ اس طرح جاؤں جیسے بجلی چمک جاتی ہے۔

آزاد :۔ خدا حافظ ہے۔ فی امان اللہ مسکرا کر۔

جوان: آداب عرض ہے جئیں گے تو پھر ملیں گے۔

آزاد :۔ انشاء اللہ۔ اور جب فرمائیے۔ جہاں کہیے۔

جوان :۔ (گھوڑے پر سوار ہو کر) قضا کہیں کہہ کے آتی ہے لے اب رخصت ہوتا ہوں اور یاد رکھنا ضرور ملوں گا۔

آزاد نے چاہا کہ لپک کے گھوڑے کی باگ لیں مگر پیر مرد نے روک لیا کہ اگر تپنچہ مار دے یا تلوار لگا بیٹھے تو کیا کر لو گے وہ تو ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہے۔ اتنے میں گھوڑا ہوا ہوا یہ جا وہ جا۔ آزاد اور پیر مرد دونوں دیکھتے ہی رہ گئے۔

پیر مرد نے کہا حضرت یہ شخص واقعی بڑا خونخوار معلوم ہوتا ہے۔ اس کی صورت سے برستا ہے کہ رحم اور خوف خدا مزاج سے منزلوں دور ہے۔ مگر یہ قاتل الرقیب کا فقرہ اس نے کیوں کہا اور اس سے اس کا کیا مطلب ہے کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

آزاد ان کو کمرے میں لے گئے اور وہاں بیان کیا کہ جس وقت اس شخص کی زبان سے قاتل الرقیب کا لفظ نکلا میں فوراً کھٹک گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص بھی حسن آرا کے چاہنے والوں میں سے ہے اب میں سوچتا ہوں کہ اگر اس نے تلوار نکالی تو خیر میں جواب دے لوں گا اور انشاء اللہ تلوار میرے ہاتھ میں ہوتی اور خود بدولت تڑپ رہے ہوتے۔ لیکن تپنچے کا کیا جواب دیتا۔ اور اس قدر دعویٰ تھا کہ اگر تپنچہ چلائے گا تو جب تک نکالے اور ادھر رخ کرے میں اُچک کر ٹٹولوں گا۔ مگر چہرے سے میں نے ثابت نہ ہونے دیا آخر کار پوچھنا لازم آیا کہ اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے بس اس پر بات بڑھی اور تکرار ہونے لگی۔ پیر مرد نے کہا میں نے ایک بات غور سے دیکھی ہے جیالا وہ بھی ہے ورنہ اس طرح کی بے جھجک گفتگو نہ کرتا۔

آزاد :۔ جیالا تو ضرور ہے مگر جان سے بھی ہاتھ دھو چکا ہے۔ زندگی اب دوبھر ہو گئی ہے۔ کوئی سبب ہو گا۔

پیر مرد :۔ ہاں یا تو یہ سبب ہے اور یا بڑا جری ہے۔

آزاد :۔ اس شخص نے کوئی خون ضرور کیا ہے۔

پیر مرد :۔ یہ کیونکر معلوم ہوا آپ کو۔ اس کا ثبوت۔

آزاد :۔ ایسے ہمارے ناخنوں میں لکھے ہیں۔ یہ واقعی قاتل ہے اور عجب نہیں کہ اشتہاری مجرم ہو۔ ہم سے بڑی چوک ہوئی کہ گرفتار نہ کر لیا۔ افسوس ہے واللہ۔

پیر مرد کو سخت حیرت تھی کہ اس شخص کو اس قدر بیباکی کے ساتھ پرانے مکان پر کیونکر گفتگو کرنے کی جرأت ہوئی آزاد خوب غور کرتے ہیں کہ یا خدا میں نے اس کو کہاں دیکھا تھا مگر سمجھ میں نہیں آتا۔

آزاد :۔ آج حافظے نے بڑا ہی دھوکہ دیا واللہ۔

پیر مرد :۔ خوب غور کیجئے۔ یہ آدمی خطرناک ہے۔

افوہ :۔ افوہ۔ خطرناک نہیں۔ قاتل سفاک ہے۔

پیر مرد :۔ قاتل الرقیب اچھا نام بتایا۔ قاتل الرقیب۔

آزاد :۔ اور اس وقت خوجی بھی نہ تھے شاید وہ پہچانتے ہوں کس سے دریافت کروں ہوٹل کے لوگوں سے پوچھیے شاید کوئی واقف ہو۔

پیر مرد نے سب ہوٹل کے آدمیوں سے دریافت کیا اور سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا ہم نے کبھی پیشتر اس شخص کو نہیں دیکھا۔ ایک بیرا نے بیان کیا کہ جس وقت گھوڑا اکڑ کڑاتا ہوا وہ سوار ہوٹل میں آیا آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا اور یہی معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو قتل کرے گا۔ آتے ہی حضور کا نام لے کر کہا کہ وہ یہاں ٹکا ہے۔ ہم کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس بے ادبی کے ساتھ پوچھا۔ ٹکا ہے۔ ہم نے کہا اس کمرے میں ہیں۔ دانت پیستا ہوا گھوڑے سے اترا اور بار بار دانت کٹکٹاتا تھا دوسرے بیرا نے کہا حضور میں نے اس شخص کو اب پہچانا میں سوچتا ہوں کہ یا خدا میں نے اس کو کہاں دیکھا تھا سوچتے سوچتے یاد آیا۔ حضور یہ راجپوتانہ کی ایک ریاست میں نوکر تھا ترک سواروں میں وہاں اس نے چند بدمعاشوں کو ساتھ لے کر ڈاکا مارا۔ بتیس آدمی مجروح ہوئے دو جان سے گئے۔ وہاں سے بھاگ کے چنار گڈھ میں آیا اور یہاں ایک رئیس کی نوکری کی۔ میاں رئیس کے ایک عزیز کا گلا کاٹ ڈالا اور زر و جواہر لے کر چل دیا۔ یہ وہی شخص ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں۔ یہ سن کر پیر مرد کے ہوش اڑ گئے۔ آزاد کو علیحدہ لے جا کر کہا بھائی جان یہ تو بیڈھب بات ہے۔ خدا جانے کس پھیر میں تمہارے پاس آیا تھا۔ تھانے پر لکھوا دینا چاہیئے تاکہ وہ اس شہر میں ٹکنے نہ پائے اور اگر رہے تو گرفتار کر لیا جائے ورنہ ممکن ہے کہ کسی روز بری نیت سے آئے جب

قتلِ انسان اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے تو اس سے تعجب کیا ہے کہ خاص اسی نیت سے مستعد ہو کر آئے۔ ہمارے نزدیک اس موذی کی جلد فکر کرنی چاہیے۔ ورنہ پھر وہ بہت دق کرے گا اور خدا جانے اس سے کون کون فعل سرزد ہوں.

پیر مرد نے اُن کو صلاح دی کہ دروازے بند کر کے بیٹھیں اور ہر وقت پہرا رکھیں کہ اگر اس کو آتے دیکھے تو پہرے والا فوراً اطلاع دے اور اب آپ ہرگز ہرگز نہ ملئے گا مانا کہ آپ فنونِ سپہ گری میں اس سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ مگر ایسے شخص سے تو وہی مقابلہ کرے جس کو جان دوبھر ہو۔

آزاد نے پہرا مقرر کر دیا اور مسلح ہو کر بیٹھے کہ اگر احیاناً وہ ترک سوار آ جائے تو وقت پر ہم بھی لیس ہوں اور اُس سے اچھی طرح مقابلہ کر سکیں۔

پیر مرد نصائح و پند کے بعد روانہ ہوئے اور گھر پہونچتے ہی حسن آرا کے پاس جا کر یوں بیان کیا بابا آج تو ایک نیا گل کھلا قمر الدولہ تو خدا خدا کر کے خاموش ہو رہے ہے۔ مگر اب ایک اور پیدا ہوئے اس وقت میں آزاد کو مضطر و مضطرب چھوڑ کر آیا ہوں مجھ سے اور اُن سے قمر الدولہ کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک شہسوار آیا۔ گھوڑا نہایت تیز دوڑتا ہوا کھڑ بڑ کرتا ہوا آیا۔ گھوڑے سے اترا۔ آزاد سے ملا تو خونخوار آنکھیں خونِ کبوتر کی سی سرخ لال انگارا جوان بڑا کرارا اور کسیلا ہے۔ چہرے اور وضع سے سپہ گری برستی تھی۔ آزاد نے نام پوچھا تو کہا قاتل الرقیب ان کو حیرت ہوئی کہ اِس انوکھے نام کے کیا معنی ہیں اور چونکہ یہ ان کو خوب معلوم ہے کہ ایک زمانہ ہے کہ حسن آرا پر شیدا ہے لہٰذا اُن کو اور بھی زیادہ خیال ہوا۔

اب سنیے کہ وہ مسلح۔ تپنچے کی جوڑی کل پر چڑھی ہوئی ہاتھ میں سروہی بغل میں کٹارہ۔ آٹھوں گانٹھ کمیت۔ اور آزاد نہتے اور اس کی خونخواری کا یہ حال تھا کہ الامان الامان بات کی اور انگارے برسنے لگے۔ منھ سے شعلے نکلتے تھے اور میں لرزان بید کی طرح کانپوں کہ یا خدا کیا ہو گا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب اُس نے تپنچہ سر کیا اور اب تلوار چلائی۔ اتنے میں میں نے آدمی سے پانی مانگا دو سے تین ہوئے آزاد نے قاتل الرقیب کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو مسکرا کر بولا کہ آپ میرا نام سن کر اس قدر خائف کیوں ہوئے بس اتنا تھا کہ آزاد بدد ماغ ہو گیا۔ انھوں نے کہا خائف کوئی اور ہوتے ہوں گے۔ ہم سرکوب صف شکن ہیں معرکے لڑے ہوئے۔ اچھے اچھے گردان گردن کش کو ہم نے نیچا دکھایا ہے۔ ہم اور خوف۔ اجی لاحول۔ ہم مرد میدان شیر مرد شیر دل۔ شیر شکار ہیں اس پر وہ خونخوار بھی سخت غیض و غضب میں آیا اور اس طرح ڈکارنے لگا جیسے شیر کچھار میں ڈکارتا ہے۔ میرے ہوش پران۔ ہاں خوب یاد آیا اور اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ ہم سے آپ سے ملاقات ہوئی ہے آزاد بھی کہتے ہیں کہ ملاقات تو ہوئی ہے۔ مگر یاد نہیں آتا کہ کہاں ملے تھے۔ بڑی دیر تک دونوں میں گرما گرمی کی باتیں رہیں چلتے وقت وہ بہت سخت کہہ گیا جس کا مطلب قریب یہی تھا کہ زندہ نہ چھوڑوں گا۔

حسن آرا نے آہ سرد کھینچ کر کہا۔ ہائے ستم۔ کیا غضب کی بات سنائی۔ از برائے خدایا بو کسو لے ابھی آزاد کے پاس جاؤ اور کہو پولیس کا ایک گارڈ سرکار سے مانگیں اور باہر نہ نکلیں۔ جان کو عزیز رکھیں۔ ایسے شہدوں کے منہ لگنا کوئی بہادری نہیں (کف افسوس مل کر) ہے ہے اُس کو ناحق نکل جانے دیا۔ اور افسوس ہے کہ تم بھی نہ سمجھے وہ کون موذی تھا۔ ارے وہ تو صاف صاف کہہ گیا تم لوگ نہ سمجھو تو وہ کیا کرے۔ قاتل الرقیب ایک پتہ دیا دوسرا پتہ یہ بتایا کہ کہیں ملاقات ہو چکی ہے۔ اب اس سے صاف اور کیا کہتا۔ یا اللہ آزاد کو کیا ہو گیا۔ اتنے بڑے عقلمند کو دھوکہ دے جائے۔

پیر مرد نے کہا میں اب تک نہیں سمجھا کہ تم کو کس پر شک گذرا ہے۔

حسن آرا بولی شک کیسا وہی تھا قاتل الرقیب اللہ کرے بجلی گرے موئے پر۔ اسی اٹھوارے میں لاش نکلے ارے وہ شہسوار تھا۔ وہی موذی جس نے ہمایوں فر کی جان لی اور اب آزاد کے دشمنوں کے خون کا پیاسا ہے۔

حضرات ناظرین۔ غالباً اکثر اصحاب بالغ خرد پہلے ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کون ذات شریف تھے جنھوں نے اپنا نام قاتل الرقیب بتایا۔ یہ وہی خونخوار شہسوار ہے جس نے شہزادہ فریدوں مرتبت مرزا ہمایوں فر بہادر کو قتل کیا تھا۔ آزاد سے اور ان سے حسن آرا کے ہاں ایک مرتبہ دو بدو بات چیت ہوئی تھی۔ مگر اکثر صاحبان کو استعجاب ہو گا کہ شہسوار قید ہو گیا تھا۔ وہاں سے بھاگ کے کیونکر آیا اور اگر قید خانے سے نکل بھاگا تو اس قدر جرأت کیونکر ہوئی کہ دن دہاڑے لوگوں کو جا جا کے دھمکائے۔ سپہر آرا اور روح افزا اور بہار النسا اور گیتی آرا اور مبنی کی بیگم صاحب کو اس معاملہ خوفناک کی خبر ہوئی اور سب نے کمال افسوس کیا کہ غضب ہو گیا۔ فوراً چو طرفہ آدمی دوڑائے گئے پیر مرد آزاد کے پاس پہونچے۔ چوبدار سپہر آرا کی سسرال بھیجا گیا کہ خبردار رہنا بڑی بیگم نے نواب رونق علی خاں بہادر اور شہزادہ والا جاہ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ فوراً آزاد سے ملو اور اُس کی حفاظت کرو اور صاحب لوگوں سے جا کے کہو کہ یہ کیا اندھیر ہے۔ اب کیا دوا کی اور جان لو گے۔ تمام شہر میں خبر مشہور ہو گئی کہ شہسوار قاتل ہمایوں فر اب آزاد پر وار کرنے والا ہے نواب صاحب اور شہزادہ جن کو بڑی بیگم نے بلوایا تھا بکمال سراسیمگی ہوٹل گئے اور آزاد سے ملے۔ مصافحہ و معانقہ کے بعد بڑی بیگم کا پیغام سنایا اور یوں باہم گفتگو ہوئی۔

نواب :۔ یہ آپ کے پاس کون بزرگوار آئے تھے۔

آزاد :۔ میں انہیں پہچانتا نہیں مگر آدمی خونخوار ہے۔

شہزادہ :۔ آپ نے کہیں کبھی پیشتر بھی اس کو دیکھا تھا۔

آزاد :۔ جی ہاں خیال تو ہے مگر یاد نہیں آتا۔

نواب :۔ حضرت بہت حفاظت رکھیے وہ سفاک ہے۔

آزاد:۔ کیا آپ صاحبوں کو اس کا نام معلوم ہے۔

شہزادہ:۔ یہ موذی وہی بدبخت سواد الوجہ مردود ہے جس نے ہمارے لختِ جگر نورِ بصر ہمایوں فر کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ کیے تھے۔

آزاد:۔ (چونک کر) ایں!۔ افوہ! ہاں۔

نواب:۔ حضرت یاد رکھیے کہ ایسے شخص سے مقابلہ کرنا نہایت جہالت اور انتہا کی نادانی ہے۔ وہ تو جان بکف ہے۔

شہزادہ:۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ جیل خانہ سے کیونکر بھاگا۔

نواب:۔ ہم جانتے ہیں دھوکا ہوا ہے اگر جیل خانے سے نکل بھاگتا تو اب تک زمانے بھر میں شہرت ہو گئی ہوتی۔

آزاد:۔ جناب اس میں ذرا شک نہیں کہ یہ وہی سفاک قاتل ہے میں اس کو ایک بار دیکھ چکا ہوں نہ مجھے اب خیال آیا۔

شہزادہ:۔ چلیے کپڑے پہنیے۔ چلیں حکام کے یہاں۔

آزاد:۔ ضرور اس کی تحقیقات ہو گی گرفتار کرانا چاہیئے۔ ورنہ خدا جانے کس کس کی جان لے اور کیا کیا ستم ڈھائے۔

نواب:۔ محمد آزاد صاحب کا چلنا مصلحت نہیں ہے۔

شہزادہ:۔ جی نہیں۔ پالکی گاڑی ہے بند اور پھر دو گیلے بندوقیں بھرے ہوئے ساتھ ہیں کوئی خوف نہیں ہے۔

نواب:۔ ان سے کہہ دیجئے کہ چوکس رہیں۔ ہر دم چوکنا۔

شہزادہ:۔ جی ہاں۔ سپاہی آدمی ہیں کٹ مرنے والے اب دیر نہ کیجئے وقت تنگ ہے چلیے۔

اِن دونوں کے ساتھ آزاد پاشا حکام ضلع سے ملنے اور شہسوار کا حال بیان کرنے گئے۔

اب دوسری کیفیت سنیے۔ مرزا ہمایوں فر کے بڑے بھائی کے پاس جن سے سپہر آرا کا نکاح ہوا تھا ایک خط آیا انھوں نے کھولا یہ مضمون پڑھا مرزا ہمایوں فر کے خرمنِ ہستی پر تو میں نے بجلی گرائی اب تم ہوشیار ہو سپہر آرا اور تمہاری بغل میں۔ ہائے ستم۔ میں اِس معشوقہ رنگین طبع سم ساق پر ہزار جان سے عاشق ہوں۔ مگر خوبی تقدیر۔ شومی بخت بد نصیبی کے صدقے ایک بوسہ بھی نہ لے سکے ہائے افسوس

بداں طمع کہ بہ مستی ببوسم آں لب لعل

چہ خون کہ در دلم افتاد ہمچو جام و نشد

یا تو سپہر آرا کو ہمارے حوالے کردو اور یا اپنی جان دو ایک کو تو لاکھوں آدمیوں کی بھیڑ میں قتل کر چکا ہوں اب کی خدا نے چاہا تمہاری گردن اور میری تلوار ہو۔ سپہر آرا کے فراق میں عیش و عشرت آرام و راحت سب سے منھ

موڑا پھر اب کس زندگی کے لیے یہ بات اٹھا رکھوں۔ تمہیں انصاف کرو کہ جس معشوق پر دم نکلتا ہو جان جاتی ہو اس کی جدائی شاق گزرے یا نہ گزرے اور اس کو دوسرے کے آغوش میں دیکھ کر قلق ہو یا نہ ہو۔ یا تو سپہر آرا ر ناکتخدا رہیں اور ہمارے آغوش کو زیب دیتیں۔ ہمارے خوش کرنے کی تیسری صورت نہیں ہے۔ اب۔

کانٹوں ہیں اگر نہ ہو اُلجھنا

تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

ہیں قتل کرنے میں اس قدر مشاق ہوں کہ کروروں میں گردن ماروں اور ممکن کیا کہ میرا بال بھی بیکا ہو سکے۔ کیا مجال۔ ایک ہمایوں فر پر کیا فرض ہے۔ خدا جانے کتنے آدمیوں کی جان لی۔ تم بیچارے کس کھیت کی مولی ہو تمہاری تو میں کچھ ہستی ہی نہیں سمجھتا۔ اور یاد رکھنا اگر یہ خط تم نے مشتہر کیا تو کُتّے کی موت ماروں گا بس اپنے ہی تک رکھو آئندہ تم کو اختیار ہے میرے سفاک ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے لیکن ایک وصف بھی ہے کہ بلا اطلاع نہیں قتل کرتا ہمایوں فر کو اطلاع کردی تھی کہ اگر نہ مانو گے تو گھر پھونک دوں گا اُس نے نہ مانا۔ میں نے آگ لگادی پھر للکار دیا کہ سپہر آرا کے چاہنے والے ہم ہیں اگر تم عقد نکاح میں لائے تو قتل ہو گے نہ مانا عین برات کے دن تہ تیغ کیا۔

سمجھانے سے تھا ہمیں سرو کار

اب مان نہ مان تو ہے مختار

راقم آثم قاتل الرقیب شہسوار

یہ خط پڑھتے ہی شہزادے کا رنگ فق ہو گیا اور اسی دم بڑی بیگم کا چوبدار آیا۔ سات بار جھک کر فراشی سلام کیا اور کہا حضور آج تو شہر میں بڑا تلاطم ہوا ہے۔ خدا اُس شہسوار کو غارت کرے جیل خانہ سے نکل بھاگا اور اب بدی پر ہے۔ بھیس بدل کر محمد آزاد پاشا کے پاس گیا تھا اور اُن سے کہہ آیا کہ ہوشیار رہنا۔

شہزادے نے جواب دیا کہ میں اس وقت اسی بداعمال دوزخی کا خط پڑھتا تھا۔ میرے نام خط بھیجا ہے کہ یا تو سپہر آرا کو چھوڑ دو اور یا اپنے قتل کی تیاری کر لو مگر بہت جلد پکڑا جائے گا۔

چوبدار:۔ خداوندہ وہ بڑا کلاں کار ہے۔

شہزادہ:۔ اس میں کیا فرق ہے۔ قید خانے سے نکل بھاگا۔

چوبدار:۔ خونی مجرم۔ اتنے بڑے شہزادے کا خون کیا وہ اور جیل خانے سے بھاگ نکلے۔ افوہ۔

شہزادہ:۔ بڑی غفلت ہوئی اللہ اکبر۔

چوبدار:۔ خداوندہ تو کہیے یہ خیریت ہوئی کہ اس نے سب کو اطلاع دے دی۔

شہزادہ:۔ لکھا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بے اطلاع دیئے کسی پر حملہ نہیں کرتا۔ وہاں تو یہ دعویٰ ہے مگر آزاد پاشا ایسے جری آدمی۔ انھوں نے گرفتار کیوں نہ کر لیا جانے کیوں دیا۔

چوبدار:۔ سرکار اُن کو وہ حال کیا معلوم تھا۔

شہزادہ:۔ شکر ہے خدا کا کہ اطلاع تو کر دی۔

چوبدار:۔ گھر بھر میں کھلبلی پڑ گئی کہ اب کیا ہوگا اور اس سے کیونکر نجات ملے گی۔

شہزادے نے چوبدار سے کہا کہ تم جا کے بڑی بیگم صاحب سے عرض کرو کہ آپ مطمئن رہیں وہ بداعمال سفاک میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ میرے ہاں تین تین پہرے ہیں اور اب قطعی حکم دے دیا ہے کہ بلا اطلاع و منظوری خاص کوئی نہ آنے پائے اور میں باہر نہ جاؤں گا۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ پولیس کے افسروں اور صاحب ضلع کو میں ابھی بلواتا ہوں تاکہ بہت جلد تحقیقات کریں اور اس کو فوراً گرفتار کریں۔ چوبدار نے جھک کر سلام کیا اور ادب کے ساتھ روانہ ہوا۔

اب سنیئے کہ ادھر آزاد پاشا نواب صاحب اور شہزادہ باوقار کے ساتھ صاحب ضلع کی کوٹھی پر پہونچے اور اُدھر صاحب نے بکمال حیرت کہا آپ نے کچھ سُنا۔ جیل خانہ سے مرزا ہمایوں فر کا قاتل بھاگ گیا۔

نواب:۔ معلوم ہے۔ یہی خبر سُن کر تو ہم آئے ہیں۔

شہزادہ:۔ محمد آزاد پاشا آپ ہی ہیں۔ ملیئے۔

صاحب:۔ (نہایت تعظیم کے ساتھ ہاتھ ملا کر)

آزاد پاشا۔ ہم آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے آپ بہت بڑے شخص ہیں۔ واقعی جو کام آپ نے کیا وہ کسی سے کم ہوگا۔

شہزادہ:۔ اب آج کا واقعہ تو سنیئے۔ آپ ہوٹل میں فروکش تھے۔ کہ ایک صاحب تشریف لائے گھوڑے سے اُترے۔ ملے مگر اینڈتے ہوئے۔ پوچھا نام۔ کہا قاتل الرقیب اس پر آپ ذرا چونکے ہوئے تو اس نے کہا آپ اس نام سے خائف کیوں ہیں بس خائف کا لفظ سنتے ہی آزاد آگ ہو گئے۔ اور دونوں میں باہم تکرار ہوئی جب وہ چلا گیا تب لوگوں کو شک ہوا کہ یہی شہسوار ہے۔

صاحب:۔ ہم ابھی ہوٹل چلتے ہیں وہاں تحقیقات ہونی چاہیئے اور خوب یاد رکھیئے فوراً گرفتار ہو جائے گا۔

اتنے میں کوتوال شہر کو اطلاع ہوئی اور انھوں نے آتے ہی کہا حضور مرزا ہمایوں فر کا قاتل بھاگ گیا اور میرے نام یہ خط بھیجا ہے صاحب نے یہ خط پڑھا اور یوں اس کا ترجمہ کیا (انسپکٹر ہم جیل خانے سے چلے آئے ہم آزاد دُوں کا دل وہاں کیونکر لگتا۔ نہ کوئی شغل نہ دل لگی نہ چہل پہل۔

شہزادہ :۔ ہاں جیل خانہ کیا گھر تھا۔ گویا۔ وہاں دل کی بھی فکر تھی۔

نواب :۔ اور اس غضب کو دیکھئے کہ کوتوال کو کس دھوم دھڑکے سے اطلاع دی ہے ایک ہی بیباک شہدا ہے۔

صاحب :۔ اور سنیئے اس کے بعد لکھا ہے کہ اگر تم کو یہ منظور ہو کہ تمہاری سرکوبی ہو اور جان جائے تو ہماری تلاش کرو ورنہ اس خیال خام سے درگزرو اور ہمارے مخل نہ ہو ہم سپہر آرا کو کسی اور کی بغل میں نہیں دیکھ سکتے۔ ایک روز تم سے ملیں گے بھی اور ہم مرد میدان ہیں۔

صاحبِ ضلع نے آزاد سے کل کیفیت دریافت کی تو انھوں نے ایک اخبار کا حوالہ دیا جس میں کل امور شہسوار اور آزاد کی نسبت درج تھے صاحبِ ضلع نے وہ اخبار مالک مطبع کے ہاں سے منگوایا جب اس کا فیل ان کے روبرو آیا انھوں نے دو پرچے نکالے جن میں کل اُمور درج تھے نواب صاحب نے مضمون پڑھ کر سنایا و ہو ہذا۔

ہمارے شہر میں ایک مہ پارہ شوخ و شنگ رو کش ببر بر خان فرنگ پر دو نوجوانان گلبدن عاشق ہوئے ہیں۔ دونوں پستہ دہن دونوں رویں تن۔ دونوں شیر مرد جرأت و بسالت میں فرد۔ عالم و فاضل ذکی و عاقل ایک کا نام آزاد ہے آدمی کیا سچ تو یہ ہے کہ پریزاد ہے۔ دوسرا شہسوار ضیغم شکار۔ یہ اس شمع رو کے رخسار آتشیں پر پروانہ وہ والہ و دیوانہ جب شہسوار کو معلوم ہوا کہ وہ پری افشانِ جبیں دلبری و رعنائی آزاد پر عرصہ دراز سے عاشق و فریفتہ شیدا و شیفتہ ہے اور شہر میں بھی خبر گرم تھی کہ۔

نگاریں دخترے بر داز سرش ہوش — چہ دختر با قیامت دوش بر دوش
نہان در گیسوا و لیلۃ القدر — عیان از جبۂ او مطلع الفجر
غزال چشم تکلیفِ پرم ہوش — نگاہ مست صد میخانہ در جوش
دراز از زلف او عمر تسلسل — عیاں از پیچ و تابش مرگ سنبل
بش باآب حیوان در تکلم — نمودہ عرض جا نہا در تبسم
حنائی پنجہ اش خورشید دلہا
ہلال ناخنش عید تماشا

آزاد تو دل و جان سے اس پر عاشق تھے ہی. شہسوار نے جو رخِ انور کی جھلک دیکھی تو یہ بھی تیغِ ابرو کے گھائل ہو گئے یہ میاں آزاد کو نظر قہر آلود سے گھورنے لگے اور میاں آزاد اُن کو دونوں کی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا۔ منہ سے انگارے برستے تھے۔ پیر مرد بیچارہ جس نے اس نازپرور دخت شکر لب کو لڑکپن میں پالا تھا یہ کیفیت دیکھ کر مثل بید لرزاں ہوا اور سمجھا کہ اب خون ہوا ہی چاہتا ہے زخمی دونوں ہوں گے اور عجب نہیں کہ ایک کی جان

مفت میں ضائع ہو۔ دونوں محرور المزاج دونوں مسلح۔ دونوں تلے ہوئے کہ رقیب کو تہ تیغ کریں۔ پیر مرد نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اُدھر کھڑے ہوں یہ اِدھر۔ مگر وہ ٹلے نہ ہٹے۔ دونوں ٹوٹ گئے۔

اب سنیئے! اس شہسوار کی کمک کو ایک اور سوار آیا۔ وہ بھی مسلح، پہلوان، فنون سپہ گری میں طاق، سُرخ سفید، اب وہ دونوں گھوڑوں پر سوار سوچ رہے ہیں کہ آزاد کو قتل کریں یا بھادیں، کہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ اور آزاد کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں کی کچھ ہستی ہی نہیں سمجھتے۔ اتنے میں پیر مرد نے کہا، حضرت گھوڑوں سے اُتریئے۔ تشریف لائیے۔ دم لیجیے۔ بسم اللہ کہکر دونوں گھوڑوں سے زمین پر آئے۔ اب پیر مرد سے باتیں ہونے لگیں۔

پیر مرد:۔ حضرت اگر ان بتانِ جادو جمال پر دل آیا ہے تو اس کے لیے صبر استقلال لازم ہے

سوار:۔ (تیکھا ہو کر) کیا! کیا بکتا ہے اے بوڑھے! صبر کیسا اور استقلال کیا۔؟

دوسرا:۔ داغ دے دُھواں اُس پر، صبر لایا ہے وہاں سے اور استقلال ہونھ۔

پیر مرد:۔ جب تک وہ آپ کے حالات سے واقف ہوں تب تک کیوں کر آپ شاہد مراد سے ہم آغوش ہو سکتے ہیں۔ مقدم تو یہ ہے کہ وہ آپ کو اس قابل سمجھیں۔

سوار:۔ (تلوار میان سے نکال کر) کیا۔ کیا۔ کیا۔؟

دوسرا:۔ (طبنچہ کھینچ کر) کیوں قضا آئی ہے بوڑھے۔

جب پیر مرد نے دیکھا کہ دونوں کے دونوں میرے قتل ہی کے درپے ہیں، اور قریب ہے کہ گولی یا تلوار سے مار ڈالیں۔ تب تو وہ بھی بگڑا۔ کہا بس بہت بانکپن کی نہ لو۔ اگر بانکے ہوتے تو مجھ اسّی برس کے بوڑھے پر اتنے تیکھے نہ ہوتے۔ مجھے للکارتے اور تلوار دکھاتے ہو۔ بانکپن اور ہی ہے۔ بانکا تو ہم سے مخاطب بھی نہ ہوتا، اگر دس گالیاں بھی ہم دیتے، تو مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ بانکپن کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیر نود سالہ پہ چھری تیز کرے۔ اب ہم لڑنے بھڑنے کے کام کے ہیں بھلا۔ اس پر وہ دونوں ٹھنڈے ہوئے۔

ایک:۔ معاف کرو بھئی۔ اس وقت اس جوان کے سبب سے ہم اس قدر تیز ہوئے ورنہ تم سے نہ بولتے۔

دوسرا:۔ واقعی تم کو قتل کر کے کیا نتیجہ نکلے گا۔ تم بوڑھے، ہم جوان۔

پیر مرد:۔ انسانیت کے یہ معنی ہیں کہ درخت کے سائے میں اُترو، اور وہاں تھوڑی دیر دم لو۔ اور بیٹھو باتیں کرو۔

سوار:۔ یہ کون شخص ہے اس کا نام کیا ہے؟

پیر مرد:۔ یہ بڑے مشہور بانکے ہیں محمد آزاد۔

سوار:۔ ہاتھ پاؤں تو اچھے ہیں، مگر بانکپن کا حال خدا جانے۔ شاید ہو۔

پیر مرد:۔ شاید نہیں ان کی رگ رگ میں بنوٹ کے پینچ کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔

سوار:۔ اچھا پھر بلوایئے۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔

پیر مرد:۔ اگر میرا یہ منشا ہو کہ آپ یا وہ، دو میں سے ایک مارا جائے تو صلاح دوں کہ کٹ مرو۔ مجھ کو اس سے فائدہ کیا ہوگا۔ باقی یہ کہ آپ بر سر تیغ اپنا مطلب نکالیں۔ اے لاحول ولا۔ کیا دل لگی ہے۔ دو سو جوان اس وقت اس ڈیوڑھی پر موجود ہے۔ ایک سے ایک بڑھا ہوا بانکا جیالا سپاہی۔

حسن آرا بیگم نے ایک مصرع بھیجا۔ پیر مرد نے کہا اس مصرع پر دونوں صاحب مصرع لگائیں۔

شب چو آمد ماہ ما بر بام ما

اس پر شہسوار نے پہلے مصرع لگایا اور یوں کہا ؎

شب چو آمد ماہ ما بر بام ما

پر شدہ از جوہر دل جام ما

آزاد نے کہا الغلط۔ شراب کو فصحائے طلیق اللسان نے جوہر روح باندھا ہے جوہر دل نیا محاورہ ہے لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی کا شعر سنیے ؎

بدہ ساقی آں جوہر روح را

دوائے دل ریش مجروح را

دیکھو مصرع یوں لگاتے ہیں۔

شب چو آمد ماہ ما بر بام ما

خندہ زد بر صبح روشن شام ما

نواب:۔ واقعی بہت خوب مصرع لگایا ہے۔ آپ نے۔

آزاد:۔ (مسکرا کر) جی ہاں۔ جھیپ گیا اس وقت۔

شہزادہ:۔ واقعی کیا خوب فرمایا ہے۔ نہایت موزوں۔

آزاد:۔ اِس اخبار میں ایک بات لکھنا بھول گئے۔

مجھے حسن آرا نے فرمائش کی کہ فرض کیجئے ایک بوڑھے کو شادی کرنے کا شوق چرایا اور ایک کم سن لڑکی سے نکاح ہوا۔ مادۂ تاریخ موزوں فرمائیے۔ میں نے پوچھا سن تو بتائیے۔ کہا ۱۲۹۶ھ معاذ بن لڑ گیا اور میں نے کہا (پیر نابالغ) نہایت ہی خوش ہوئیں۔ پورے بارہ سو چھیانوے۔

صاحب:۔ خیر اب ہم کو کل حالات معلوم ہو گئے چلیے ہوٹل جب ہوٹل میں داخل ہوتے تو لوگوں کے اظہار لیے گئے پہلے ایک بیرا نے یوں اظہار دیا۔ میں اِس کمرے کے دروازے پر بیٹھا ہوا نصیبن آیا سے باتیں کر رہا تھا کہ اتنے میں دور سے ٹاپوں کی آواز آئی اور دیکھا کہ ایک جوان گھوڑے پر سوار دڑاتا ہوا چلا آتا ہے آتے ہی پوچھا آزاد یہاں کہاں ٹکے ہیں میں دوڑ کر قریب گیا کہا آزاد کو اطلاع دو۔ حضور کے پاس گیا۔ فرمایا کہ بلا لو۔ اس وقت بوڑھے سے آدمی ان کے پاس بیٹھے تھے سوار دڑاتا ہوا اندر گیا۔ پھر مجھ کو نہیں معلوم کیا

بات چیت ہوئی مگر میں نے اتنا سنا تھا کہ جب رخصت ہو کر وہ جانے لگا تو آواز سے سخت کلامی ضرور ہوئی تھی صاحب نے سوال کرنا شروع کیے۔

سوال:۔ کبھی پہلے بھی اس سوار کو دیکھا تھا تم نے۔

جواب:۔ نہیں خداوندا در کبھی نہیں دیکھا تھا ہم نے۔

سوال:۔ اب اگر دیکھو تو پہچان لو کہ وہی شخص ہے۔

جواب:۔ لاکھ آدمیوں میں پہچان لوں حضور فوراً۔

سوال:۔ حلیہ بتاؤ۔ سن۔ شکل۔ صورت وضع۔

جواب:۔ کوئی چھ فٹ کا قد ہے۔ یا شاید پونے چھ ہو نہایت سرخ و سفید۔ بدن نہ دہرا نہ چھریرا۔ مگر کسیلا ہڈی چوڑی۔ سینہ فراخ۔ سپاہی آدمی ہے۔

اس کے بعد دوسرے بیرا کے اظہار لیے گئے جس نے بیان کیا تھا کہ شہسوار کو پیشتر بھی دیکھا تھا۔ اس کے اظہار صاحب نے بڑی احتیاط سے لکھے۔ اس نے بیان کیا پہلے سوار مذکور راجپوتانہ کی ایک ریاست میں نترک سوار تھا۔ وہاں ڈاکہ زنی کی اور کئی آدمیوں کا خون کر کے زرو جواہر اور اسباب گراں بہا لوٹ کے وہاں سے بھاگا۔ بعد ازاں ایک اور رئیس کے ہاں نوکر ہوا۔ وہاں اس کے ایک عزیز کو قتل کیا۔ میں نے اِس شخص کو دو بار دیکھا تھا۔

سوال:۔ راجپوتانہ کی کس ریاست میں نوکر تھا۔

جواب:۔ یہ مجھے نہیں معلوم اُس ریاست کا نام کیا ہے۔

سوال:۔ وہاں سے ڈاکہ زنی کے بعد پھر کہاں نوکر ہوا۔

جواب:۔ اُس رئیس کا نام بھی میرے تئیں نہیں معلوم۔

سوال:۔ پھر تم کو یہ کیونکر معلوم ہوئیں سب باتیں۔

جواب:۔ حضور غلام ان کے پاس نوکر تھا۔ کہا کرتے تھے کہ پار سال ہم نے فلاں شخص کو قتل کر کے دریا میں ڈبو دیا تھا کبھی کہتا تھا کہ ہم نے ایک دن میں تین تین چار چار آدمی قتل کیے ہیں اور حضور ایک بار میرے سامنے بھی ایک بچے کو قتل کیا تھا۔ میں تو اُن کو خوب جانتا ہوں۔

سوال:۔ تم نے ان کو گرفتار کیوں نہ کر لیا اُسی وقت۔

جواب:۔ مجھ سے اُن سے ہوٹل میں ملاقات نہیں ہوئی ہوٹل کے باہر ملا تھا۔ گھوڑا روک کر کے مجھ سے کہا کہ اچھے ہو سب حال پوچھا میں کام کو جاتا تھا۔ رخصت ہوا پوچھا حضور یہاں کہاں ٹکے ہیں کہا پارسی کے ہوٹل میں

اس کے بعد پیر مرد کے اظہار لیے گئے۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں آزاد پاشا کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ ایک شخص کی اطلاع کی گئی۔ دیکھا تو ایک سپاہی جوان پہلوان۔ گورا چٹا۔ نہایت خوبرو۔ تھوڑی دیر تک تو اچھی طرح باتیں کیں بعد ازاں اپنا نام قاتل الرقیب بتایا آزاد نے متحیر ہو کر کہا قاتل الرقیب کے کیا معنی۔ دوبارا۔ پوچھا تو اس نے کہا۔ آپ گھبرائے کیوں یہ نام سُن کر کچھ خوف کا مقام نہیں ہے۔ اس پر آزاد آگ ہو گئے اِیں خوف! خوف کیا چیز ہے۔ خوف تو کبھی ہم جواں مردوں کے پاس نہیں آنے پاتا۔

سوال :۔ آپ کو یقین تھا کہ وہ آزاد سے لڑ پڑتا۔

جواب :۔ اگر ذرا اور بڑھتی تو ایک نہ ایک کا خون ضرور ہی ہو جاتا۔

سوال :۔ کبھی پیشتر اس کو دیکھا تھا آپ نے یا نہیں۔

جواب :۔ کبھی خواب میں بھی نظر سے نہیں گذرا تھا۔

آزاد :۔ (مسکرا کر) بہت ہی خوب۔ خواب میں بھی نظر سے نہیں گذرا کبھی عالم رویا میں۔ یا کبھی ایسی صورت کا تصور بندھا تھا۔

پیر مرد :۔ اب البتہ تصور بندھا ہے اُس صورت کا۔

سوال :۔ جس وقت آزاد سے اس نے بدزبانی کی اُن کو اس کی گرفتاری کا موقع حاصل تھا یا نہیں۔ اس نے کوئی ایسی بات سخت کی یا نہیں جس سے ہر فرد بشر کو غصہ آجاتا۔

جواب :۔ ہاں ایسی باتیں ہوئیں کہ گرفتاری کا موقع نہ تھا وہ بھی کہتا تھا یہ بھی کہتے تھے۔ اس نے کہا ہم بانکے ہیں یہ بولے ہم بانکوں کو لونڈا سمجھتے ہیں۔ بانکے کس شمار قطار میں ہیں بیچارے۔ اس نے کہا ہم انسان کی کچھ ہستی ہی نہیں سمجھتے یہ بولے ہم دیو کی ہستی نہیں سمجھتے۔ انسان کس کھیت کی مولی ہے۔

سوال :۔ جب وہ یہاں سے جانے لگا۔ اس وقت کیوں نہ گرفتار کر لیا۔ وہ اکیلا تم اتنے۔

جواب :۔ اس وقت موقع نہ تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اس نے چند کلمات کہے اور بس راہی ہوا۔ گھوڑا اچھلا کس کے روکے رکا جاتا اور پھر شہسوار کا گھوڑا جو اس فن کا نفاذ ہے۔

اس کے بعد آزاد پاشا کے اظہار لیے گئے۔ انھوں نے کل امور مفصل بیان کیے اور کہا کہ میں اس کمرے میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا کہ مولوی پیر بخش صاحب یعنی (پیر مرد) تشریف لائے۔ اخبار کو چھوڑ کر میں اُن سے باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں اس بیرا نے آن کے کہا حضور ایک صاحب آئے ہیں گھوڑے پر سوار۔ کسی فوج کے رسالدار معلوم ہوتے ہیں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے اجازت دی کہ اچھا آنے دو آئے تو میں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ نہایت خوبرو جوان۔ طرحدار شکیل۔ اونچی بنا ہوا مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی خاص فوج

پارسائی سے اُس کو تعلق نہیں ہے آدمی سپاہی اور ہتھیاروں کا شوق ہے۔ باتیں ہونے لگیں۔ میں نے نام پوچھا کہا قاتل الرقیب۔ یہ انوکھا نام جس میں قتل کا لفظ شامل تھا سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ اور میں سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ مگر میں نے اس طرح پر بات ٹال دی کہ گویا سنا ہی نہیں تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی گفتگو رہی بعد ازاں اس نے خود کہا کہ قاتل الرقیب اس وجہ سے نام رکھا گیا کہ اس کی پیدائش ہی کے روز اس کے باپ کے قاتل نے وفات پائی مگر میری تشفی نہ ہوئی اور کسی وجہ سے میں سمجھا کہ یہ بیان غلط ہے اس پر زہر خندہ کر کے مجھ سے پوچھا کہ آپ یہ نام سن کر ڈرتے کیوں ہیں بس میں آگ بھبوکا ہو گیا۔ اور میں نے جواب دیا کہ ڈرنا کیا معنی اور ڈر کس شے کا نام ہے ہم کو کسی کا خوف کیوں ہونے لگا ہم اچھے اچھے گردان گردن کش اور یلان نامدار کی سرکوبی کے لئے ہر دم مستعد رہتے ہیں اس کا بھی چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور اب وہ بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگا مجھے تاب کہاں میں اور بڑھا۔ اب مجھ سے پوچھتا ہے کہ کبھی آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے کہا ہاں کچھ خیال تو ہے مگر یاد نہیں آتا۔ بس پھر کسی قدر گرما گرمی کی باتیں ہوئیں اور وہ اُٹھ کھڑا ہوا مجھے یہ خیال کہ اگر اس نے وار کیا تو میں اس قابل تو ہوں کہ اس کا وار روک لوں۔ وہ مسلح۔ آمادہ تلا ہوا۔ میں ہاتھ پاؤں پر لڑنے والا۔ میرا اُس کا مقابلہ کیا۔ کچھ بھی نہیں۔ مگر میں تلا ہوا تھا کہ گر ذرا بھی اُن کی طرف سے پہل ہوئی تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن کاٹوں گا اور اسی کے تمنچہ سے اس کی جان لوں گا۔ باہر گیا اور بڑے غیض و غضب کے ساتھ کہا کہ اچھا تو سپاہی کہ جان لوں تیری۔ میں اس وقت کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا ادھر یہ کہہ کے اس نے گھوڑا بڑھایا ادھر میں دوڑنے ہی کو تھا کہ پیر بخش صاحب نے روک لیا اور کہا وہ اس وقت ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہے اگر تمنچہ سر کر دے تو کیا کرو گے۔ وہ سوار تم پیدل۔ سوار اور پیدل کا ساتھ کیا۔

سوال:۔ آپ نے اس کو پہلے پہچان لیا تھا یا نہیں۔

جواب:۔ مطلق نہیں۔ ذرا بھی شک نہیں ہوا۔

سوال:۔ اور جب اس نے یاد دلایا تب پہچانا۔

جواب:۔ اتنا یاد آیا کہ کہیں اس کو دیکھا ہے۔

سوال:۔ اب یاد آتا ہے کچھ کہ کہاں دیکھا تھا پہلے۔

جواب:۔ اب تو بخوبی یاد ہے۔ وہی شہسوار ہے۔

سوال:۔ وجہ کیا کہ آپ ایسے جری اور جانباز جنرل معرکے دیکھے ہوئے جنگ میں لڑے بھڑے ہوئے اتنے نامی گرامی آدمی اور یوں خاموش ہو رہیں۔

جواب :۔ میں ہر ایک شخص سے بھڑ نہیں پڑتا۔ ہاں اگر ایسی ہی مجبوری ہوئی تو خیر ورنہ حتی الوسع طرح دیتا ہوں۔
سوال :۔ اس وقت اس کی بات چیت سے آپ کو کچھ معلوم ہوا تھا کہ حسن آرا بیگم یا ان کی بہن کے پرانے عاشقوں میں سے ہے اور چونکہ اس ڈر سے ناکام آیا لہٰذا آپ کا دشمن جانی ہو گیا ہے۔ تھا کچھ خیال۔
جواب :۔ مطلق نہیں اسے ہے جو یہ معلوم ہو۔ اگر ذرا شک بھی ہو تو معاذ اللہ دیو کے لشکر سے تو مقابلہ کرتا۔

اب انسپکٹر کے نام جو خط بیرنگ آیا تھا وہ بغور معائنہ کیا گیا اس پر صدر کے ڈاک خانے کی مہر تھی۔ وہاں جاکر تحقیقات کر ہی رہے تھے کہ صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس بھی آن پہنچے اور اس واقعہ کا حال سُن کر اُن کو سخت حیرت ہوئی اِس کے بعد ڈاک خانے والوں سے دریافت کیا گیا کہ یہ خط جو انسپکٹر صاحب کے نام ہے ڈاک خانے میں کیونکر آیا انھوں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا حاشا ہم واقف نہیں ہیں جہاں اور خطوط بکس سے نکالے گئے یہ بھی نکالا گیا ہو گا۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کا راقم کون ہے اور یہاں کون لایا اور نہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ یہاں کیا پتہ ملتا۔ یہاں سے ہوٹل گئے اور وہاں تحقیقات ہونے لگی۔ صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ آف پولیس نے ہوٹل والوں سے دریافت کرنا شروع کیا۔

صاحب :۔ منیجر سے، آپ کے ہاں کوئی اجنبی آن کے ٹکا تھا۔ آج کل یا دو چار روز ہوئے ہوں گے۔
منیجر :۔ ہوٹل میں تو اجنبی کے واسطے خاص کر موزوں مقام ہے اور یہاں جو آن کے ٹکتا ہے اجنبی ہوتا ہے۔ شہر والے کیوں رہنے لگے۔ اپنے اپنے مکان سب کے پاس موجود ہیں۔ لیکن اگر کسی خاص آدمی کا پتہ دیا جائے تو شاید میں بتا سکوں۔
صاحب :۔ کوئی ہندوستانی جنٹلمین آن کے ٹکا تھا۔
منیجر :۔ ہاں ایک سپاہی آن کے ٹکا تھا۔ مدراس کے کسی رسالے کا افسر۔ رسالدار محمد جانفشان خاں نام تھا۔
صاحب :۔ پستہ قامت آدمی ہے یا دراز قد۔
منیجر :۔ کشیدہ قامت آدمی ہیں نہایت خوبرو جوان بہت حسین اور بڑے کرارے رسیلے جوان۔
صاحب :۔ یہاں آپ سے کبھی بات چیت ہوئی تھی کچھ۔
منیجر :۔ مجھ سے ایک بار انھوں نے بیان کیا تھا کہ اُن کے بھائی بڑے جری آدمی اور بڑے جیالے تھے اور اکثر شبخون مارے اور کئی آدمیوں کو شاہی کے زمانے میں قتل کیا۔ مجھ کو ان باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وحشت مزاج میں ضرور ہے۔
صاحب :۔ کتنے دن آپ کے ہاں رہے اور کب گئے۔
منیجر :۔ یہاں ایک شب رہے بس پھر چلے گئے۔

صاحب :۔ اب کس طرف گئے ہیں یہاں سے ریل پر گئے یا اسباب انھوا منگوایا تھا۔

منیجر :۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ ریل پر گئے یا نہیں۔

صاحب :۔ کسی اور آدمی سے دریافت کیجئے۔

منیجر :۔ نور محمد کو بلواؤ تم کو معلوم ہے کہ وہ رسالدار صاحب یہاں سے اُٹھ کے کہاں گئے۔

نور محمد :۔ حضور وہ تو جاتے جاتے ایسے بگڑے کہ الامان الامان اور کہتے تھے کہ مجھ سے اگر بولے تو دم میں قتل کر ڈالوں گا کیا مجال ہے کہ کوئی ذرا چوں بھی کر سکے اے لاحول۔ اور حضور اس قدر خونخوار تھا کہ افوہ۔

صاحب :۔ کیا کہتا تھا کہ ہم قتل کر ڈالنے والے ہیں۔

نور محمد :۔ ہاں حضور منھ سے آگ برستی تھی بڑا سپاہی آدمی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ دیوانہ ہے یا جھک ہے۔

صاحب :۔ ہاں! باتوں سے وحشت ظاہر ہوتی تھی۔

نور محمد :۔ حضور ہم کو تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص پاگل خانے سے بھاگ آیا ہے۔ یا کسی کو اس نے قتل کیا۔ یا اب کسی کو قتل کرے گا۔

صاحب :۔ بھلا کسی سے دریافت ہو سکتا ہے کہ یہاں سے لد پھند کے کہاں گیا۔

نور محمد :۔ حضور ایک قلی کے کاندھے پر اسباب لے گیا تھا اس سے جا کے ضرور دریافت کر لوں گا اور حضور کو اطلاع دیتا ہوں۔

صاحب :۔ ابھی دریافت کر کے بتاؤ تم کو بہت کچھ انعام ملے گا۔ اور ہم تم کو خوش کر دیں گے۔

نور محمد جا کر اُس قلی کو بلا لایا۔ اور صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے اُس سے سوال کرنے شروع کیے۔

سپرنٹنڈنٹ :۔ تم رسالدار صاحب کو یہاں سے کہاں لے گئے تھے

قلی :۔ ہاں سرکار رسالدار صاحب ہتے۔

سپرنٹنڈنٹ :۔ وِل یہاں سے کہاں گیا رسالدار صاحب

قلی :۔ صاحب ہم سر نوجھیے ہیں ہاں صاحب۔

سپرنٹنڈنٹ :۔ تم پاگل ہے۔ یہاں سے رسالدار کہاں گیا۔

نواب :۔ ارے پوچھتے ہیں کہ یہاں سے رسالدار کہاں گئے آج جن کو سویرے لے گئے تھے۔ وہ رسالدار

قلی :۔ ہجور کالے پہاڑوں تک گئے۔ وہاں کپڑے بدلے اور ایک میانے پر سوار ہوتے بس چلے گئے۔

سپرنٹنڈنٹ :۔ اُس میانے کے کہار کہاں گئے تھے۔

قلی :۔ صاحب کیا جانے ے۔ وہیں گئے ہوں گے۔

سپرنٹنڈنٹ :۔ انسپکٹر صاحب اور ایک ڈپٹی انسپکٹر اور دس برقنداز وہاں جا کے فوراً دریافت کریں۔

قلی :۔ دس روپے دیجیے اور کہا جائیے گا تم کسی سے مت بولنا کہ کہاں گیا۔ ہم نے سلام کیا چلے آئے۔

سپرنٹنڈنٹ :۔ تم نے وہ دس روپے کیا کیے کس کو دیے۔

قلی :۔ اپنے پاس رکھے اور کس کو دیتے۔

اس کے بعد انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر اور برقندازوں نے کالے پہاڑوں کی راہ لی اور تھوڑی دیر میں صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ نے صاحب ضلع کو اطلاع دی اور یہ دونوں حکام مع آزاد اور دونوں رؤسا نامدار اور برق اندازوں کے خود بھی کالے پہاڑ کی طرف چلے اور راہ میں تحصیلدار کے نام حکم بھیجا کہ فوراً کالے پہاڑوں پر ہم سے ملو۔ ایک گھنٹے کے عرصے میں کالے پہاڑوں پر تحقیقات شروع ہو گئی پہلے تو بڑی دیر تک ذرا بھی پتہ نہ ملا۔ کسی نے نہ بتایا آخر کار ایک بوڑھے فقیر نے آن کر یوں بیان کیا۔

فقیر :۔ میں یہاں برسوں سے رہتا ہوں۔ سامنے ایک مکان میں ایک عورت رہا کرتی ہے۔ ادھیڑ مگر حسین اور نمکین اس کے ہاں کبھی کبھی ایک جوان آیا کرتا تھا۔ بانکا سپاہی نہایت خوش رو اور ریکا سپاہی۔ ایک روز شراب کے نشے میں چور تھا مجھ سے نشے کی ترنگ میں اپنا کل حال کہہ سنایا اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ مرزا ہمایوں فر کو میں ہی نے قتل کیا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ نشے میں بیہودہ بے تکی باتیں بک رہا ہے اور مجھے اب تک نہیں معلوم کہ ہمایوں فر کا قاتل یہی ہے یا کوئی اور۔

صاحب :۔ وہ عورت اب کہاں ہے کہیں اس کا پتہ ہے۔

فقیر :۔ سرکار مجھے نہیں معلوم شاید وہیں ہو۔

صاحب :۔ (انسپکٹر سے) جس طرح ممکن ہو فوراً وہ مکان گھیر لو کسی کو آنے جانے نہ دو۔ فوراً بڑھو۔

یہ سننا تھا کہ فوراً انسپکٹر چھ برقندازوں کو لے کر اُس مکان پر گیا اور ہر سمت سے گھیر کر آواز دی اندر سے ایک بوڑھی عورت بولی۔ (کون ہے) برقندازوں نے کہا۔ یہاں آؤ۔ دروازے پر آؤ اس نے پوپلے منہ سے کہا ادئی بیٹا یہ للکارنا کیا معنی۔ ہم شریف زادیاں ہیں۔ دروازے پر کوئی مالزادیاں جاتی ہوں گی۔ ایسی۔ ویسی۔ خبردار پھر نہ کہنا اور سنو دروازے پر بلاتا ہے موا دوانہ۔ چل دور ہو یہاں سے۔

برقنداز :۔ تو نیک بخت یہاں تک آؤ گی یا وہیں سے باتیں بناؤ گی۔ تم نہ آؤ گی اور کو بھیج دو۔

عورت :۔ کیا کچھ سودائی تو نہیں ہو گیا ہے۔

برقنداز :۔ بڑی چرچڑی بڑھیا ہے۔ تمہارے ہاں کوئی اور ہے یا نہیں ہے بس تمہیں اکیلی ہو۔

عورت :۔ ہیں کیوں نہیں کیا نگوڑے ناٹھے ہیں کچھ جوان جوان لڑکیاں ہیں۔ ان کو کیوں بھیجیں۔

اتنے میں ایک نہایت ملیح و نوجوان عورت عمدہ لباس زیب بدن کیے ہوئے دروازے کے پاس آئی وضع سے مہری معلوم ہوتی ہے۔ انسپکٹر نے یوں گفتگو کی۔

انسپکٹر :۔ ہم جانتے ہیں تم باہر ہوتی ہو۔ دروازے چھوڑ کے باہر آؤ اور جو کچھ دریافت کیا جائے وہ بتاؤ صاف صاف۔

عورت :۔ اے حضور ہم بہو بیٹیاں ایرے غیرے کے سامنے نہیں ہوتیں۔ ہم تو پردہ نشیں گھر گرہست ہیں۔

انسپکٹر :۔ تم مہری معلوم ہوتی ہے اور مہری کی چھوکریاں برابر باہر نکلتی ہیں۔

عورت :۔ زبردستی کی بات ہی اور ہے۔ ہم کو بھی کیا کم شاق ہے کہ اس وقت ہم یہاں آن کے آپ سے باتیں کریں۔ بھائی تک تو ہماری صورت سے واقف نہیں۔

انسپکٹر :۔ اس مکان میں اس وقت کون کون ہے۔

عورت :۔ اے حضور میں ہوں۔ امی جان ہیں خالو آپا ہیں۔ میری دو بہنیں ہیں۔ میری ایسی جوان جوان اور نمکین اور ایک لونڈی ہے۔ ایک ماما ہے۔ ایک مہری ہے۔

انسپکٹر :۔ عورتوں سے کہو پردہ کریں اندر تلاشی لی جائے گی فوراً پردہ ہو جائے۔

عورت :۔ (اندر جا کر غل مچا کر) اے خالو ابا ذرا اٹھو تو یہ اندھیر تو دیکھو دوڑ آئی ہے تلاشی لی جائے گی صاحب لوگ اور سپاہی اور چوکی کے لوگ دروازہ گھیرے کھڑے ہیں۔

انسپکٹر :۔ کچھ گھبراؤ نہیں۔ کوئی بری بات نہیں ہے فقط تلاشی لی جائے گی۔

بوڑھی :۔ اللہ کرے ایسی ہی اچھی بات تیرے ہاں بھی ہو موئے۔ خدا خیر کرے تیری ماں بہنیں بھی یوں ہی بے پرد کی جائیں۔ موا کہتا ہے فقط تلاشی لی جائے گی اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے اور اب اس سے بڑھ کے کیا ہونا آخر تلاشی سے بڑھ کے اور کیا سختی جھیلتے۔

اتنے میں اس دن جمیل کے خالو ابا جن کا سن سو برس سے متجاوز تھا لاٹھی ٹیکتے ہوئے آئے اور کوتوال کو سلام کر کے صاحب لوگوں کو بہت جھک کے سلام کیا اور کہا حضور آخر کس جرم کی سزا دی جاتی ہے۔

صاحب :۔ تم بتاؤ کہ تمہارے اہاں کوئی سوار کبھی کبھی آتا تھا ٹھیک بولو۔

خ :۔ خداوند میں تو اس مکان میں دس دن سے رہتا ہوں۔ ۲ تاریخ کو آیا تھا۔ آج ۱۲ ہے۔ اندر جا کے دریافت کرتا ہوں شاید کسی کو معلوم ہو۔

صاحب :۔ دیکھو کہ دو کہ اگر سچ سچ بتا دو گے تو تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا نہیں تو تمہارے حق میں بھی مضر ہے آئندہ تم کو اختیار ہے۔

نخ :۔ (اندر جا کر) یہاں کوئی سوار آتا تھا۔ اسی کو ڈھونڈھتے سب کے سب آئے ہیں۔

عورت :۔ (دہی بلیغ) میں چل کے جواب دہی کیے لیتی ہوں۔ (دروازے کے پاس آن کر) کیا پوچھتے ہو کوتوال صاحب جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے دریافت کر لو۔

انسپکٹر :۔ تمہارے مکان میں کوئی شہسوار آیا کرتا تھا۔ اور کل بھی وہ یہاں ہی تھا۔

عورت :۔ حضور یہاں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے ہیں مگر جن کا ذکر آپ نے کیا۔ شہسوار کا نام لیا وہ دوسرے تیسرے مہینے ضرور آتے تھے۔ اور اب کی بھی آئے ہیں مگر صبح سے اُن کا پتہ نہیں ملتا۔

انسپکٹر :۔ کچھ کہہ گئے ہیں کہ کب تک آئیں گے۔ دوپہر کو، شام کو۔

انسپکٹر متحیر ہوا کہ یہ عورت اس قدر طرار ہو کر ایسی صفائی کے ساتھ کیونکر حال بتانے لگی۔ انھوں نے اور بھی سوال کیے اور اُس نے ان کے دل کے موافق جواب بھی دیئے ایک بار انھوں نے دریافت کیا کہ تم سے کبھی مرزا ہمایوں فر کا ذکر تو نہیں کرتا تھا۔ عورت نے کہا۔ ایک مرتبہ مجھ سے اس قدر کہا تھا کہ جان من سنو کے تمہارے اور عورت سے بات چیت بھی نہیں کی۔ مگر ہاں حسن آرا اور سپہر آرا نامی دونوں بیگموں پر البتہ ہزار جان سے عاشق ہوں اور سپہر آرا جان دیتی ہے مرزا ہمایوں فر پر اس کا قتل ضرور ہے۔

ایک مرتبہ بڑا اٹھا کر گئے تھے کہ آج ہمایوں فر کو ضرور قتل کروں گا چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے کچھ پرواہ نہیں اور اسی دن خبر سُنی کہ ہمایوں فر قتل کر ڈالے گئے اب کی یہاں آن کے بہت روئے کہ ہمایوں فر کی جان گئی۔ آدمی۔ بڑا جی دار ہے۔

انسپکٹر :۔ تم کو یہ کب معلوم ہوا کہ ہمایوں فر کو اُس نے قتل کیا تھا اسی روز یا کئی دن کے بعد۔

عورت :۔ کس نے قتل کیا تھا۔ انھیں نے قتل نہیں کیا وہ گئے تھے اسی دعوے سے مگر قتل کسی اور نے کیا۔

انسپکٹر :۔ یہاں کیا کرنے آتے تھے اور اب کی کیا کام تھا۔

عورت :۔ (گردن جھکا کر) حضور۔ عشق۔ عشق تو یہ بلا ہے۔ نہ خدا اس سے نجات دے اور سب کو بچائے۔

انسپکٹر :۔ عاشق کس پر ہوئے شاید تم پر ہوں گے۔

عورت :۔ (گردن نیوہڑا کر) حضور عشق کیا معنی میرے اوپر جان دیتے تھے اور ایک ایک ادا پر لوٹ تھے۔

انسپکٹر :۔ واقعی تم تو ہو بھی اسی قابل۔ بھلا کبھی تم سے یہ بھی کہا تھا کہ قید خانے گئے تھے۔ بڑا سور ما ہے مگر ہم نے خبر پائی ہے کہ اس کو کسی نے زخمی کیا ہے۔ پتا نہیں ملتا۔

عورت :۔ نہیں حضور غلط ہے۔ وہ زخمی ہونے والا آدمی نہیں ہے۔ بڑا جیالا سپاہی ہے۔ وہ تو کسی ملک کے شہزادے ہیں مگر جہاں کسی نے سپہر آرا کا نام لیا بس چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔

انسپکٹر :۔ یہاں سے کس وقت گئے سویرے تڑکے یا دیر کو۔

عورت :۔ علی الصباح حضور نور کے تڑکے سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر۔ چلتے وقت ایک بوسہ لیا اور کہا سپاہی کی محبت بڑی نازک بات اور ٹیڑھی کھیر ہے۔

مسافر سے کر تل ہے کوئی بھی پیت
مثل ہے کہ جوگی ہوئے کس کے میت

انسپکٹر کو سخت حیرت ہوئی اور نواب صاحب اور اُن کے دوست شہزادے نے بھی اس زن شیریں حرکات پر تحیرت نظر ڈالی جب اُس عورت نے بیان کیا کہ ایک دن ہمایوں فر کے نوکر نے ہمایوں فر کے قاتل کو گالی دی اور یہ بگڑ گئے پھر کیا تھا خوب پیٹنا شروع کیا۔

نواب صاحب نے کہا۔ بیوی تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ ہمایوں فر ہی کا آدمی تھا۔ عورت نے مسکرا کر جواب دیا نواب صاحب بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ اور ایسا سوال کریں کیا ہمایوں فر کا نوکر یہاں آئے تو بڑے تعجب کا امر ہے۔ اور آپ مجھ سے دریافت کرتے کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا ان کے گھر بھر کا حال اُسی کے ذریعہ سے ہم کو معلوم ہوتا رہا ہے اور اُسی نے آن کے مجھ سے کہا تھا کہ ہمایوں فر کے قاتل یہی ہیں مگر مجھے یقین نہ آیا۔ اُن سے اس آدمی کا نام پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا مرزا محسن۔

نواب :۔ ایں! مرزا محسن اور ایسے بدخواہ آقا!!!۔

عورت :۔ حضور یہ شہر ایسا ہی ہے اور مرزا محسن کی کون اصل و حقیقت ہے اُن سے بڑھ بڑھ کے نمکحرام پائیے گا۔

نواب :۔ مرزا محسن تو اُن کے بڑے رفیق تھے صاحب۔

عورت :۔ مجھے معلوم ہے حضور۔ اور میں اصل میں مہری ہی ہوں۔ اب چھپانے سے کیا مطلب۔ صاف صاف کیوں نہ بیان کردوں لگی لپٹی سے کیا واسطہ۔ میں خود بھی دو بار ہمایوں فر کے یہاں ہو آئی ہوں اور خورشید لقا بیگم کی نوکری کر آئی ہوں مرزا محسن کی مجھ پر نظر پڑتی تھی۔ میں اُس شہدے سے خوب واقف ہوں صاحب مجھے کوئی کیا سکھائے گا۔

انسپکٹر :۔ اگر آئیں تو کہہ دینا کہ تمہارا دوست گیان سنگھ کوتوال آیا تھا سنا تم زخمی ہوتے ہو تو تمہاری کمک کو آیا۔

عورت :۔ اچھا مگر از برائے خدا اُس سے نہ کہنا کہ تمہاری مطبوعہ سے باتیں ہوئیں۔

اُس رنگین ادا زن ملیح نے بالکل بے حجاب اور برافگندہ نقاب ہو کر اپنے یار وفادار شہسوار جرار کی جی داری وجیالے پن کی تعریف کے پل باندھ دیے۔ کہنے لگیں ایک مرتبہ کسی پہلوان پر جھلائے تو ڈپٹ کر کہا سن او خر نا شخص ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑے بڑے گردان گردن کش کی گردن توڑ کے دھر دی ہے تو اپنی پہلوانی پر بیکار بھولا ہے۔ ہم کسی کے مان کے نہیں۔ دنیا اور دب کے چلنا ہماری وضع کے خلاف ہے اور اس قدر ہٹ چھٹ پیا ہی ہیں کہ بے جان لیے چین ہی نہیں آتا اور انسان کو قتل کر ڈالنے میں وہ ملکہ حاصل ہے کہ واللہ کوئی جس طرح چیونٹی کو پاؤں تلے مل ڈالتا ہے اس طرح ہم انسان کو کچل کے دھر دیتے ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی مقابلہ کر سکے توبہ۔ کسی نے نظر بد سے دیکھا اور ہم نے آنکھیں نکال لیں۔

پھر یہاں تاب کہاں کیا مجال
کبھی کبھی ہم نے بھی زک پائی ہے

مگر آج تک بانکپن کا کسی نے جواب نہ دیا۔ اور یوں۔

دوران فلک کہ بے مدار است | زدگاہ خزاں وگہ بہار است
اس بادہ کہ روزگار دارد | یک مستی وصد خمار دارد
ہم مہرہ دہر بدست وہم دُر | گہ شیشہ تہی کند گہے پُر

سیلاب غم ست در سرورش
طوفان بلاست در تنورش

صبح کو البتہ بہت اُداس ہو گئے اور کئی بار بغل گیر ہوئے اور بوسے لئے اور روئے بھی۔ میں نے کہا۔ ہائیں سپاہی ہو کے رونا کیا معنی۔ تم اور گریہ وزاری! کہنے لگے۔ دل ہی تو ہے اور ہمایوں فر کو یاد کر کے بڑی دیر تک رویا اور اشعار غم پڑھا کیے۔ جن کو میں نے حفظ کر لیا ہے اشعار۔

آتش غم نے گلستاں میں کیا ہے وہ اثر | گل گلنار بھی سوزن ہے برنگ اخگر
نہیں سنبل یہ نظر آتا ہے گلزار میں جو | پھیلا ہے بُلبُل ناشاد کا بس دردِ جگر
برگ سوسن نہیں ٹوٹے پڑے ہیں گلشن میں | بیٹھنے کو صف ماتم کے ہی پھیلی چادر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

اس سبز رتہ گلگوں زن ملیح کے جوش جوانی اور خوش بیانی اور طلاقت لسانی نے سامعین کے دلوں پر جادو

کا کام کیا یہاں تک کہ شہسوار رنا ہنجار کی نسبت جو کچھ سچ جھوٹ اُس معشوقہ ملیح نے کہا سب نے آمنا و صدقنا تسلیم کر لیا۔ جب اُس جادو جمال نے دیکھا کہ نشۂ بادہ عشق سے کوتوال بالکل طافح ہو گئے تو ان کے دھوکا اور مزید فریب دینے کی غرض سے کسی قدر خود بھی اظہار عشق کیا اور غایت رنگین ادائی کے ساتھ اس خوش بیانی سے گفتگو کی کہ کوتوال کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور طائر دل دام زلف دوتا میں پھنس گیا۔ وہ معشوقہ جمیلہ انواع واقسام کے ناز و ادا سے مسکرا مسکرا کر ان سے ہمکلام رہی اور نشہ سرشار شراب عشق میں اُن کو اس قدر خراب و سرمست کیا کہ خانہ تلاشی اور تحقیقات سب کو بالائے طاق رکھ کر اب ان کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ جس طرح ممکن ہو اس کافر کا کلمہ پڑھیں۔ آنکھوں سے اشک اضطراب فروش و سرشک آتشیں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔

اتنے میں صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے ان کو بلا کر حکم دیا کہ برقندازوں کا ایک دستہ لے جا کر اندر تلاشی لو اور دو معتبر عورتوں کو بلا کر کہو کہ جہاں مستورات چھپی ہوں وہاں جا کر بغور دیکھیں کہ کوئی مرد تو عورت کا بھیس کر کے نہیں چھپ رہا ہے۔ انسپکٹر نے تعمیلِ حکم میں کسی قدر تامل کیا مگر اُس پرکالہ آتش نے اشارے سے اُن کو ڈیوڑھی کے ایک گوشے میں بلا کر کہا کہ تم سپاہی آدمی شہر کے کوتوال ہو کر ایسے بدحواس ہوئے جاتے ہو۔ اگر تلاشی لی جائے تو بسم اللہ۔ اس میں کسی کا خوف یعنی چہ۔

ہمارا دامن لوث سازش سے آلودہ نہیں ہے۔ بس پھر ہم کو اندیشہ کیا ہے۔ اس تقریر سحر تخمیر سے اُن کو قدرے تسلی ہوئی اکثر کانسٹبلوں کو اِدھر اُدھر تعینات کر دیا۔ اور کچھ برقنداز دروازے پر کھڑے ہوئے اور معدودے چند آدمی اپنے ہمراہ لے کر تلاشی کے لیے زنان خانے میں گئے یہاں انھوں نے یہ چالاکی اور دانائی کی کہ ان سب کو صحن میں تعینات کر کے خود کوٹھے پر چلے گئے اور ہر چند برقندازوں نے سمجھایا کہ حضور تنِ تنہا ایسے خطرناک مقام میں کیا کرنے جاتے ہیں مگر انھوں نے کسی کی نہ سُنی اور کیونکر سنتے۔ مطلب سعدی دیگر ست کوٹھے پر داخل ہوتے ہی انھوں نے دیکھا کہ وہ سرو قد دررفتار محبوب گل رخسار دو نسترن بنا گوش سیم بدن ہمجولیوں کے ساتھ کہ چندے آفتاب چندے مہتاب تھیں ایک تخت پر متمکن ہے۔

تینوں جواہرات اور زیور گراں بہا سے آراستہ تھیں۔

لب لعلش چو لالہ در بستاں	خندہ شان چوں بہار خورستان
دست ساعد پر از علاقہ زر	گردن و گوش پر ز لولو تر

اس محبوب سامری کیش نے کوتوال کا ہاتھ پکڑا اور بصد کرشمہ و ناز ایک شہ نشین میں جو فرش مکلف اور شیشہ آلات سے مثل نو عروس آراستہ و پیراستہ تھی بٹھایا اور خود ان کی بغل میں با ہزاراں ادائے رنگیں متمکن ہو کر طوطی زبان کو یوں زمزمہ سنج بیان کیا کہ اے جوان رعنا سرو قد سہی بالا جس شہسوار قمر رخسار پر میری جان جاتی

ہے اور جس کی ایک ایک ادا پر میں فدا ہوں وہ ہمایوں فر کا قاتل اور بڑا نامی گرامی ڈاکو اور شاہیں بادی چور ہے جس نے بیسوں بندگان خدا کی مفت جان لی اور دم کے دم میں بڑے بڑے گھر تباہ و ویران اور صدہا آدمیوں کی آرزوؤں کا خون کیا میں ایک شخص کے ساتھ منسوب تھی۔ پستہ قد اور گندم رنگ تو دبلا پتلا آدمی۔ مگر حسن اتفاق سے ہمارے مکان کے پڑوس اس شہسوار جوان۔

لقا مہر طلعت نے بھی رہنا شروع کیا ایک روز میری مہری نے کہ بڑی رنگین طبیعت اور شوخ تھی مجھ سے آن کر کہا، بیوی پڑوس میں جو آن کے رہے ہیں۔ بس میں کیا عرض کروں دیکھنے کے قابل ہیں۔ حضور یہ خوبرو جوان ہے جس کا ثانی ہفت اقلیم میں نہ ہوگا عورت تو عورت مرد تک گھنٹوں گھورنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ ممکن کیا کہ ایک بار کوئی اس کے جمال کا نظارہ کرے اور ہزار جان سے عاشق و شیفتہ نہ ہو جائے۔ اس کمبخت چلبلی عورت نے اُس جوانِ رعنا کے حسن و جمال کا حال اس طرح پر بیان کیا کہ میں بے دیکھے بھالے ہی اس کے طرۂ زلف تابدار کی اسیر ہو گئی اور دست بستہ اپنی خادمہ سے کہا کہ اے نیک بخت از برائے خدا جس طور پر ممکن ہو مجھے اس جوان صنم فریب کی صورت زیبا دکھاوے ورنہ خدا جانے میرا کیا حال ہو گا۔ جھٹ پٹے وقت مہری بے تحاشا ہانپتی ہوئی دوڑی آئی۔ کہا حضور جلدی کمرے میں تشریف لے جائیں بس ذرا توقف نہ فرمائیں ورنہ تیر از کمان جستہ و وقت از دست رفتہ کا نقشہ ہو گا۔ میرے کانوں سینہ میں تو نائرۂ عشق اور آتش شوق نظارۂ جمال جوان یاسمیں بدن مشتعل ہی تھا بمجرد استماع حال پائے چشم سے کمرے میں گئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک عربی دو رکاب گھوڑے پر ایک شخص اس طرح چستی کے ساتھ بیٹھا ہے کہ معلوم ہوتا تھا کسی نے میخ گاڑ دی ہے۔ بس دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو گئی اور چق اٹھا کر بے حجاب گھورنے لگی۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دلوں میں محبت پیدا ہو گئی میں اس جوان ماہ لقا پر اس قدر فریفتہ ہوئی کہ دوسرے ہی روز اُس کو بلوایا اور وقت مقررہ پر بکمال اشتیاق چشم در راہ انتظار تھی کون نہیں جانتا ہے دنیا بھر میں مثل مشہور ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

اتفاق سے اس روز میاں باہر سے جلد آ گئے اور مجھے اس درجہ ملال ہوا کہ جس کی حد نہیں اس کو کیا معلوم کہ یہ اس وقت کس فراق میں تھی۔ میں نے آہ سرد بھری اور علیحدہ جا کے بصد حسرت و مایوسی لیٹ رہی دل کا عجب حال تھا۔ میاں آن کے اختلاط کی باتیں شروع کیں اور میرے دل کو اور بھی رنج دیا۔ بڑی مصیبت میں پڑ گئی۔

میاں :۔ آج کیسی طبیعت ہے از برائے خدا بتا دو۔

جواب :۔ فضلِ الٰہی ہے شام سے سر میں درد ہے۔ بات کرنے کو جی نہیں چاہتا اور کھٹی کھٹی ڈکاریں بھی آئیں بڑی دیر سے بیچین تھی۔ اب خدا خدا کر کے آنکھ لگی۔ بڑی دعاؤں کے بعد ذرا جھپکی لی تھی کہ تم غل مچاتے کھٹ پٹ کھاتے آئے اور نیند اُچاٹ ہو گئی۔ اب کس سے کہوں اور کیا کہوں اب بھی ذرا خاموش رہو تو شاید آنکھ لگ جائے۔

میاں :۔ یہ ماجرا کیا ہے ذرا دوپٹہ تو منہ سے اٹھاؤ۔ ہاتھ لاؤ میں تو دیکھوں۔

جواب :۔ اے ہے تو نبض کیا کچھ بخار ہے!۔ خواہی نخواہی نبض دیکھنا اس سے فائدہ۔ صریحاً کہہ دیا سمجھا دیا کہ سر میں درد ہے سونے سے گونہ آرام ہوتا ہے۔ واہ نبض پر ہاتھ دوڑاتے ہو چلو ہٹو سامنے سے۔

اتنا کہنا تھا کہ میاں سرہانے بیٹھ گئے اور کہنے لگے عجب اُلٹا زمانہ اور اوندھی عقل کے لوگ ہیں ہم تو مارے محبت کے پوچھتے ہیں وہ پچھاڑے کھاتی ہیں۔

اتنے میں مہری نے جو نیچے سڑک پر کھڑی تھی کہا۔ ارے امامی جاگتا ہے۔ یا سو گیا۔ اِس اشارے کے یہ معنی تھے کہ وہ جوان زیبا اندام دروازے تک آن پہونچا۔ امامی تو لونڈا سکھایا پڑھایا تھا ہی اُس نے تڑسے جواب دیا۔ جاگتا تو ہوں مگر سونے سے بدتر۔ چلی آ دبس میں نے جو مہری کی آواز سُنی اور معلوم ہوا کہ وہ حمیدہ طلعت جوان خجستہ شمائل آیا ہے تو کلیجہ منہ کو آنے لگا اور جب مہری نے بصد یاس اس شیر مرد سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے ان کے میاں آ گئے تو اس نے ٹھنڈی سانس کھینچی اور بادل پر درد یہ شعر زبان پر لایا ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

ہائے ہائے اس شعر نے مجھے اور بھی تڑپا دیا۔ اور ستم ڈھایا کوتوال صاحب ایسے محو ہوئے کہ دین و دنیا فراموش۔

اس چالاک عورت نے ایک چُھری ہاتھ میں لی اور قریب تھا کہ فوراً اُن کا کام تمام کر دے کہ اتفاق سے اُن کی نظر پڑ گئی اور فوراً چھری چھین لی۔ چھینتے ہی برقندازوں کو آواز دی اور سب کے سب مٹا کوٹھے پر آن پہنچے۔

ایک :۔ کیا کہیں جھلکی دکھائی ہے۔ ہے پتا کہیں۔

دوسرا :۔ ہوئیے سسر کہیں جرور کرکے ہیں۔

تیسرا :۔ اب کہاں بھاگ سکتا ہے۔ ہو گا تو پکڑا جائے گا نہ ہو گا تو کیا ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ مگر تلاشی ایک ایک جنے کی لینی چاہیئے۔

کوتوال :۔ اس کوٹھری کو کھولو اور دیکھو اس میں ہے۔

برقنداز :۔ حضور اس میں نہیں ہے وہ بھاگ گیا صاحب۔

کوتوال :۔ اچھا اس کوٹھری کا قفل توڑ ڈالو فوراً۔

ضعیفہ :۔ لوگو اس اندھیر نگری کو تو دیکھو۔ ہے ہے۔ مکان کے قلعت توڑے جاتے ہیں۔ ان اموؤں کے ہاتھ ٹوٹیں ان کا جنازہ نکلے۔

برقنداز :۔ چپ بڑھیا کیا کہتی ہے ڈھاٹم چپ رہ۔

کوتوال :۔ اس کے منہ نہ لگو۔ اس کو کہنے دو خواس کا جی چاہے کہے تم اس کوٹھری میں دیکھو۔ اور دس آدمی نیچے کے مکانوں میں جاؤ۔ وہاں تلاشی لو۔

برقنداز :۔ حضور اس کوٹھری میں یہ تیغا کیسا دیا ہے۔

کوتوال :۔ (کوٹھری میں جا کر) اس کو بھی کھود ڈالو۔ بلاؤ بیلداروں کو اور حکم دو کہ فوراً کھود دیں کل گھر بھر کھود ڈالو

ضعیفہ :۔ اللہ کرے تم بھی خانماں خراب ہو جاؤ۔

دوسری :۔ آمین ساری دنیا میں کہیں ٹھکانا نہ رہے۔

کوتوال :۔ خیر سمجھا جائے گا بالفعل تو کھود کے پھینک دیں۔

ضعیفہ :۔ یا اللہ ایسی مصیبت سوائے ان موؤں کاٹوں کے اور کسو پر نہ پڑے۔ یا اللہ ان کا جنازہ اسی اٹھوارے میں نکلے ان کے لڑکے یتیم ہو جائیں۔ بیویوں کو ان کے رنڈاپا نصیب ہو۔ اُن کے ماں باپ لاولد ہو جائیں۔

عورت :۔ (دوسری زن ملیح) اے ہے اماں جان کاہے کو ناحق میں ناحق غل مچاتی ہے۔ دیکھو تو ہوتا کیا ہے ذرا دیکھتی ہی جاؤ کہ ہوتا کیا ہے۔

کوتوال :۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب کیا باقی رہا۔

عورت :۔ معلوم ہو گی قدر و عافیت ٹھہر تو جا تو۔

کوتوال نے سر ٹپکا۔ پتہ نہ لگا۔ تھانے کے لوگوں کو مقرر کر کے چلے گئے تو اثنائے راہ میں ایک مخبر نے ان سے کہا کہ اگر سرکار بھرپور انعام دے تو غلام شہسوار کو گرفتار کرا دے مجھے اس بدبخت شقی القلب کا ٹھک ٹھیک پتہ معلوم ہوا ہے اور بچشم خود دیکھ آیا ہوں کہ ایک جوان زیبا طلعت جس کی جبیں سے نور جرأت نمایاں تھا باغ فرح بخش و دلکش میں مصروف تماشائے ریحان و ضمیران ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس شخص کی سپہ گری کی تمام ہندوستان میں دھوم ہے مگر جہل مرکب نے مزاج میں اس قدر دخل پایا ہے کہ کسی نے ذرا بھی خلاف کی اور انھوں نے تلوار میان سے باہر نکالی اور وہ تُلا ہوا ہاتھ دیا کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا میں اس سے ہم کلام ہوا تو زبانِ سحر بیان سے اُس نے واقعی جادو ہی کا کام کیا۔

باغ پرفضا و دلکشا میں بہار روح افزا اور نسیم غالیہ بار اور گلہائے معنبر اور لبستان گل اندام نیکو منظر اور شاہدان مہر طلعت پری پیکر اور ندیمان بذلہ سنج اور رفیقان جلوہ طراز نکتہ پرداز اور پرستاران حور دش برق کردار نغز گفتار رخسار، اور غلامان با ادب سلیقہ شعار، اور مطربان پریزاد، اور قوالان خوش الحان، ماہ بد نژاد طیور ذی شعور، کے چہچہوں اور کبک دری کے قہقہوں، چشمہ سار کی روانی، آبشار کی کیفیت تازہ سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ جشن جمشیدی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک سمت ساقیان گلبدن دوسری جماعت مہوشان بستہ دہن۔ شراب ناب کا شغل۔ بزم فریدوں سے زیادہ لطف صحبت۔ میں ایک ٹوہی چکلے چکلے میں لوگوں سے دریافت کرلیا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص کسی بڑے شہزادے گردوں مدار وجم اقتدار۔ فخر شہزادگان روزگار کو قتل کرکے قید کرلیا گیا تھا۔ مگر فطرت جبلی اور شرارت خلقی کے سبب سے اس طرح قید خانے سے نکل بھاگا جس طرح نگہ چشم سے باہر ہوتی ہے۔ کوئی سپاہی اور پہرے والے اس مرد ضیغم شکار، شیر افگن، بیل شکن، کی تاب مقاومت نہ لاسکے۔ کوتوال نے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اس مرد مخبر کو جانے نہ دیں۔ اور اس طرح حراست میں رکھیں کہ ناگوار طبع نہ گزرے۔ فوراً اس کے اظہار قلمبند کیے اور کہا اگر آپ کے ذریعے سے اُس لعین ناہنجار مرد نابکار کا پتا ملے، تو سرکار بطیب خاطر و خوشنودی مزاج انعام واکرام عطا کرے لیکن پہلے یہ بتلایئے کہ اس سوائی الوجہ کا حلیہ کیا ہے۔ مخبر نے کہا حضرت وہ جوان بلند بالا خجستہ شمائل شیر اندام فراخ، سینہ ہزاروں میں وہ لاجواب ہے۔ اور چہرے سے پایا جاتا ہے کہ جرأت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

بڑے بڑے سپہ سالاران روئیں تن، اور مبارزران نامی صف شکن، میدان بزد و جنگ میں اس کی تیغ خارا شگاف و سیف خوش غلاف کے مقابل میں منہزم ہوگئے۔ کبھی ختلی بادرفتار پر سوار ہوکر لوائے سپہر سائے سے پرے کے پرے صاف کردیے۔ کبھی توسن عقاب طلعت کے ایک کاوے میں شمشیر لنگردار سے نامی گرامی نبرد آزماؤں کو نیچا دکھایا چنانچہ ایک بار ہزار ہا آدمیوں کی جماعت میں جہاں اس قدر انبوہ کثیر تھا کہ تھالی اُچھالتے تو سر ہی سر جاتی مردانہ وار گھس کر اس طلیعۃ الجیش معرکہ بسالت نے اپنے کسی دشمن کا کہ از بس نامور اور امیر فریدوں فر تھا، ایک ہی وار میں کام تمام کردیا۔ اور اس طرح نلوہ بچ گیا۔ کہ نکسیر تک نہ پھوٹی اور یہ بھی سنا کہ مرزا ہمایوں فر بہادر کی محلسرا اور دیوان خانے اور شیش محل اور ایوان خاص اور کوٹھی میں اُسی شخص کی سازش اور شرارت سے آگ لگی تھی۔ میں تستابان و دوان ہانپتا ہوا پہلے کوتوالی میں آیا۔ بعد ازاں جب سُنا کہ دورے کر گئے ہیں تو اس طرف روانہ ہوا۔ شہسوار کا کل حال دو کے ذریعے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ایک لکھن بھٹیاری جو تیلیوں کی سرا میں رہتی ہے۔

دوسری امیرن کی چھوکری بتا سکتی ہے۔ جس کے ہاں آپ دوڑے کر گئے تھے۔ کوتوال قرینے سے پہچان گیا کہ امیرن کی چھوکری غالبًا وہی زن یاسمین بدن ہوگی جس نے ایک نظر غلط انداز اور ہزار ہا کرشمہ و ناز سے دل چھین لیا تھا۔ پوچھا کہ امیرن کی چھوکری کا حلیہ اگر بتایئے تو شاید کہ سکون کہ میں اس سے واقف ہوں۔ یا نہیں۔ مُخبر نے حلیہ بتایا۔ معشوق سبزہ رنگ۔ شوخ شنگ، کشیدہ قامت، حور طلعت، نوجوان، نوخیز طرار و تیز۔ مست و چالاک، عربدہ جو، بیباک، سراپا، سانچے کا ڈھلا ہوا، عورت کیا حور فریب ہے۔ ہے تو ایک مہری ہی کی چھوکری، مگر امیرزادیوں میں تربیت پائی ہے۔ سلیقہ شعار خواتینِ نامدار کی صحبت اٹھائی ہے۔ چال ڈھال، خوبو، ادائے دلرُبا اور طرزِ کلام سے مستی و مذاق فورًا ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس نے ایک بار دیکھا ہزار جان سے عاشق و شیفتہ، دیوانہ و فریفتہ، ہوگیا۔ ایسا حسن برشتہ کہ لیلیٰ دیکھے تو آتش حسد سے اس کا دل بھی کباب ہو جائے۔ اور لکھن پرانی بھٹیاری ہے۔ جب کسی کو قتل کر کے آتا ہے تو پہلے پناہ کے لیے اسی کے پاس جاتا ہے۔ وہ مکارہ بداعمال ایسے مقامات تیرہ تار، اور ایسے کوچوں اور گلیوں میں اُس کو ٹکاتی ہے، جہاں شاذونادر انسان کا گذر ہے۔

کوتوال نے مخبر سے اس باغ کا پتہ دریافت کیا، جہاں شہسوار کی محفلِ طرب اور بزمِ نشاط آراستہ تھی۔ مخبر نے مسکرا کر جواب دیا کہ پہلے سرکار سے کچھ امید منفعت دلائی جائے۔ کہ میرا دل خوش و خرم اور فرحناک ہو۔ تاکہ کچا چٹھا کہہ سُناؤں۔ اس پر کوتوال نے بہت کچھ ڈھارس دی، اور کہا یاد رکھو وہ نابکار اس قدر پاجی ہے کہ گورنمنٹ کے علاوہ اکثر شہزادے، اور امراء اور عمائدِ شہر تمہارے دامنِ آرزو کو گل ہائے مراد سے بھر دیں گے۔ اور تمہاری جیبِ ہوس نقد جواہر سے مالا مال ہو جائے گی۔ مخبر نے بیان کیا کہ کالے پہاڑ سے جہاں آپ دوڑے کر گئے تھے کوئی چار کھیت کے پٹے پر ایک نالہ ہے۔ اس کے بائیں طرف نیشکر کے کھیت، اور جانب راست ایک نہایت اونچا ٹیلا ہے۔ اس ٹیلے پر کسی رئیس نے شاہی میں ایک باغ بنوایا تھا۔ اور گنگا کے میلے سے جب لوگ واپس آتے تھے تو اس باغ میں بڑا میلا جمتا تھا۔ عہدِ شاہی میں دریائے گنگ جانے کا راستہ یہی تھا۔ اور اسی مقام پر ہندو مہاجن بیلوں کو گڑ اور گھی کھلاتے تھے۔ یہ باغ بہت قدیم اور مشہور ہے؛ مگر چونکہ اب ریل کے سبب سے راستہ بدل گیا اور اس طرف کا حصۂ زمین بالکل ویران ہو گیا، تو حضرت انسان کا ادھر برسوں گذر نہیں ہوتا صرف کسان اور کاشت کار جا بجا رہتے ہیں۔ وہ بھی معدودے چند اور باغ میں تو پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ یہ باغ شہسوار نے مول لیا ہے۔ جب باہر جاتا ہے تو امیرن کی چھوکری اس کی نگراں رہتی ہے۔ شہسوار نے یہ چالاکی کی ہے،

ٹیلا کو بالکل ویرانے کی سورت بنایا ہے۔ کوڑا اور کرکٹ اور اونچا نیچا اور کانٹے اور بدبو اور دلدل اور کیچڑ کے سبب سے نہایت خوفناک اور مضر صحت ہوگیا ہے۔ اس کے اردگرد چمار بسائے ہیں۔ اور ان کو حکم ہے کہ سُوّر ضرور پالیں۔ الغرض جہاں تک کثافت کا تعلق ہے اُس مقام سے زیادہ کثیف تمام شہر میں اور کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن باغ کے اندر جاکر دیکھیے تو سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ عجیب مقام دلکش ہے۔ چمن بندی اور روشوں کی کیفیت، اور پٹریوں کی صفائی اور سُرخی کی کُٹائی اور سبزے کی تحریر، اور پھولوں کی مہک، اور درختوں کی قطار، پُر بہار اور نہروں کی روانی اور مُرغانِ خوش نوا کی چہکار۔ بس قدرت خدا ہر برگ و بار سے عیاں اور لطف بے حد ہر شجر د ثمر سے نمایاں ہے۔ ~

برگِ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار
ہر ورقِ دفتریست معرفت کردگار

کوتوال کو سخت تعجب ہوا کہ اس قدر عرصۂ دراز سے کوتوالی کرتا ہوں اور شہر کے چپے چپے سے واقف ہوگیا ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ آج تک اس باغ ہی کو نہ دیکھا۔ کمال غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھا کر مخبر سے کہا کہ تم نے اگر وہ باغ اسی دم نہ دکھایا تو ایسی سخت سزا دوں گا کہ تمام عمر یاد کروگے۔ مخبر نے کہا۔ خدا نے آپ کو کوتوال مقرر کیا۔ آپ کو غربا کے ساتھ بالطف و نرمی، اور دغابازوں، جعلسازوں کے ساتھ بہ درشتی پیش آنا چاہیئے۔ ~

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

میرے اوپر خفا ہو لیجیے، مگر انصاف کیجیے۔ انصاف اسی کا مقتضی ہے کہ اسی دم سمندِ خوش خرام کی باگ موڑ دیجیے۔ اور میرے ساتھ چلے چلیئے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ؟ دیکھیے تو خدا کیا دکھاتا ہے

کوتوال چالیس برق اندازوں کو ہمراہ لے کر مع مُخبر کے اُس باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے نالے کے قریب پہونچے، تو ان کو شک کی جگہ یقین ہوگیا کہ مخبر دروغ گو آدمی ہے۔ اس کذب بیانی سے اس کا کوئی نہ کوئی ذاتی فائدہ ضرور تھا۔ ڈپٹ کر کہا۔ جھوٹے، بیحیا، بے شرم، چُلّو بھر پانی میں جاکے ڈوب مر، بول اب تیری کیا سزا ہے ؟ زندہ نہ چھوڑوں گا۔ مخبر آگ ہوگیا۔ کیونکہ وہ خود بھی بانکا اور شریف زادہ تھا۔ اس نے کہا۔ سنوں میاں کوتوال! تم کو تو یہ خیال ہوگا کہ نوکری جاتی رہے گی۔ اور یہاں بالکل نڈر ہیں۔ لیکن اس وجہ سے چھوڑے دیتے ہیں کہ تم ہمارے مزاج سے واقف نہ تھے۔ بس اب اگر ایک کلمہ بھی ہمارے خلاف زبان سے نکالا تو یا تم نہیں یا ہم نہیں۔ اگر باغ نہ ملے اور جھوٹ بولتا ہوں، تو توپ کے

مُہرے اُڑوا دے۔ کوتوال نے حسب مقتضائے مصلحت برق اندازوں کو حکم دیا کہ اس کو گھیرے رہو۔ شاید بھاگ نکلے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چلو۔ دیکھو کہاں باغ بتاتا ہے۔ برق اندازوں نے حکم کی تعمیل کی۔ چلے تو اس قدر نشیب و فراز کہ راہ چلنا مشکل تھا۔ ہر قدم پر خار اور اس درجہ بدبو اور کوڑا کہ اَلْحَذَر۔ جدھر دیکھتے ہیں سور چر رہے ہیں۔ آخر بہ ہزار خرابی ایک جھاڑی کے اندر پہونچے، اور وہاں ایک چھوٹا دروازہ نظر آیا۔ اُس دروازے کو برق اندازوں نے توڑ ڈالا۔ اور دراتے ہوئے اندر دھنس گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔

باغ ہے پر عجیب ہے یہ روداد
نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد

یا الٰہی! یہ عجیب باغ ہے۔ کیاریاں سینچی سنچائی۔ روشوں میں پانی کی روانی۔ ہر تختے قرینے کے ساتھ اگر آدمی کا یہاں گذر نہیں تو یہ تیاری کیسی ہے۔ ایک روش میں سیاہ تختے پر کچھ اشعار نظر آئے۔ پڑھا تو لکھا تھا۔

رنجِ فراق ہے نہ وصالِ خیال ہے — شکر خدا کہ اب تو طبیعت بحال ہے
اگلی شرارتوں کا مگر اِنفعال ہے — فکرِ رقیب ہے نہ کسی سے ملال ہے

کہتا ہے جب کوئی کہ مزاج اب بجا ہوا
ہوتا ہے جی ذلیل کہ ہم سے یہ کیا ہوا

مگر ہمایوں فر کو جو میں نے قتل کیا، یہ میرا قصور نہ تھا۔ یہ اس کی تقدیر کا قصور تھا۔ میری خطا نہ تھی۔

بعد قتل ہمایوں فر، در رہائی خود نوشتہ شد۔

کوتوال:۔ حضرت آپ نے واللہ بڑا کارِ نمایاں کیا۔ اور بندہ احسان کیا۔ بلکہ واللہ آپ نے مول لے لیا۔

مُخبر:۔ خیر شکر ہے کہ اب تو انسانیت کی بات کی۔ اس جہالت کے صدقے کہ مانتے ہی نہیں۔

کوتوال:۔ اندھا جب پتیائے جب آنکھیں پائے۔ حقیقت حال تو یوں ہے، واللہ۔

کوتوال نے کل باغ اور املاک کی تلاشی لی، مگر انسان کی صورت نہ نظر آئی تو مخبر کی طرف اشارہ کر کے یوں گفتگو کی۔

کوتوال:۔ عجب سنسان مقام، شہر خموشاں ہے صاحب۔!

مُخبر:۔ معلوم ہوتا ہے اُس کو کسی گو بندے نے خبر کر دی۔

کوتوال:۔ اللہ اللہ۔ اس قدر پتہ ملا ہے تو جائے گا کہاں۔ چالاک آدمی ہے اُفوہ!

مُخبر:۔ میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ آدمی کیا بلا ہے۔

کوتوال:۔ اچھا پھر اس قدر پتا ملا ہے تو جائے گا کہاں۔؟

مخبر:۔ حضور اب میری خیر نہیں ہے۔ مجھے مار ہی ڈلے گا۔ ہرگز ہرگز زندہ نہ چھوڑے گا۔ آپ اب میری ذرا مدد نہیں کر سکتے کوتوال صاحب۔!

کوتوال:۔ اجی خدا خدا کرو صاحب۔ وہ کیا کر سکتا ہے۔ چور کے پانوں کتنے، بھلا اس کی کیا تاب و طاقت ہے کہ مقابلہ کر سکے۔ ہم تمہارے مکان پر پہرا رکھیں گے۔

مخبر:۔ واہ ایک نہیں دو آدمی، اور وہ سو بھیجدے گا۔

کوتوال:۔ ایں! سو، خدا خدا کرو صاحب، وہ ہے کیا بچارہ۔؟

مخبر:۔ اس بھروسے نہ رہیے گا۔ کوتوال صاحب، اس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ بلائے بے درماں ہے۔ اب مجھے اپنی زندگی کا حال معلوم ہو گیا۔ اول تو یقین نہیں کہ آج زندہ رہ سکوں۔ اور اگر زندہ رہ بھی سکا تو کل۔ کل نہیں پرسوں۔ ایک نہ ایک دن جان جانی ہے۔

کوتوال:۔ (برق اندازوں سے) چماروں کو گرفتار کر لاؤ۔ اور وہاں برابر پہرہ رکھو۔ کوئی بھاگنے نہ پائے اور اُن سب کو حراست میں لاؤ۔

مخبر:۔ یہ جتنے چمار ہیں سب کو ڈاکو سمجھئے۔ یہ بنے ہوئے چمار ہیں۔ اصل میں چمار ان میں ایک بھی نہیں ہے۔

کوتوال:۔ دیکھو تو کہتے کیا ہیں آخر۔ یہاں رہ کر یہ تو جانتے ہوں گے کہ اس باغ کا مالک کون ہے۔ ہم بھی اظہار لیتے ہیں۔

مخبر:۔ حضور اگر انھوں نے کہہ دیا کہ امیرن کی چھوکری کا باغ ہے تو ستم ہو جائے گا۔ آپ کا اس پر دل آیا ہے۔ آپ اُس سے مواخذہ کریں گے نہیں۔؟

کوتوال:۔ نہیں اب ہمارا دل قابو میں ہے اس وقت۔

مُخبر:۔ سپہ گری کے تو خلاف ہے یہ کہ عورت پر، اور ایسی عورت پر جو ایسے مجرم کو عزیز ہے کوتوال ہو کر عاشق ہو جائے۔

کوتوال:۔ بیشک ہے تو سپہ گری کے خلاف۔ لیکن ہم نے غور کیا تو ہمیں خود افسوس ہوا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ بہر کیف گذشت انچہ گذشت۔ گذشتہ را صلوٰۃ۔

مُخبر:۔ اگر چلیکے سے پچاس ساٹھ آدمی اس میں بند رہیں تو بڑا لطف ہو وہ تو ہاتھ نہ آئے گا بڑا بانکا ہے، مگر اور لوگ گرفتار ہو جائیں گے۔

چماروں سے کوتوال نے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا۔

کوتوال :۔ تم یہاں کتنے دن سے رہتے ہو۔

چمار :۔ ہجور ہم کا اونچا سنائی دیت ہے۔

کوتوال :۔ ارے تم یہاں کتنے دن سے رہتا ہے۔

چمار :۔ ہماری عمر پچاس برس کی ہوتی ہے۔

کوتوال :۔ ہم عمر نہیں پوچھتا تم کیسے یہاں رہتا ہے۔

چمار :۔ اب لے صاحبو ہم کا کا معلوم۔

کوتوال :۔ ابے تو یہاں کتنے دنوں سے رہتا ہے پاگل۔

چمار :۔ ہم کا دوئی ماس بھے صاحبو پور دوئی۔

کوتوال :۔ تم کس کے بسے ہو۔ کس کے بسے ہو تم۔

چمار :۔ چبئی اہر۔ جوان پار سال مرگوا بکھار مان۔

مخبر :۔ خداوند یہ سب بنے ہوئے ہیں، اور یہ سب کے سب شہسوار تک خبر پہونچائیں گے۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا کہ ممکن نہیں کہ میری جان بچے۔

کوتوال :۔ یہ شخص تو بہرا معلوم ہوتا ہے۔ ہیں۔

مخبر :۔ واہ۔ جھک مارتا ہے۔ بہرا کاہے کو ہے۔ ارے تو اونچ سنت ہے او چمار۔ بول۔

چمار :۔ دوئی ماس سے جاڑ آوت ہے ہم کا۔ ہاں صاحب۔

مخبر :۔ بس جی چاہتا ہے قسم خدا کی اٹھا کے پھینک دوں یا مار ڈالوں، یا کنوئیں میں ڈھکیل دوں، لاحول ولا قوۃ جوبات ہے فضول۔ مگر ایسا سکھایا ہے اور وہ پٹی پڑھائی ہے کہ ممکن نہیں ذرا کچھ قبولے۔

برقنداز :۔ ارے او چمار اس باغ میں کون رہتا تھا۔

چمار :۔ ہاں صاحب ہمار ناؤں ترو اہے۔

برقنداز :۔ ایں! ابے اس باغ میں کون رہتا ہے۔

چمار :۔ ہجور ہمار بکھری دو ٹھائیں ہیں صاحب۔

کوتوال :۔ بیشک یہ سکھائے ہوئے ہیں وہ تو بات چھپی ہی نہیں رہتی نہ۔ سوال از ریسماں جواب از آسمان ہم کہتے ہیں آم۔ یہ کہتے ہیں املی۔

چمار :۔ اب ہم جائے اپنے گھرے سوریاں چرائیے گا۔

برقنداز :۔ (گدا دے کر) آج بے ذبح کیے نہ رہوں گا۔

چمار :۔ تنک جل پیوائے دیو ہمکا۔ آہ جون کھرنی چیڑھت ہے۔ ہمکا۔ ہم کو کل ہو جائیت ہے۔

کوتوال :۔ ایک کام کرو۔ یہاں کون دیکھتا ہے، ان سب کو درخت میں باندھ کے لٹکا دو اور کوڑے مارنا شروع کرو جب ہی مانیں گے۔ بے اس کے نہ مانیں گے۔

مخبر :۔ اور کسی کو بلوائیے جس کو بلوائیے یہی کہے گا۔

کوتوال :۔ اس کو لاؤ۔ وہ جو سامنے کھڑا ہے۔ او چمار ادھر آ یہ کس کا باغ ہے۔ اس باغ کا مالک کون ہے۔

چمار :۔ (گونگا بن کر) اوں اوں۔ آں۔

کوتوال :۔ معقول۔ یہ بے پٹے نہ مانیں گے۔ ان کو سخت سزا دینی چاہیے ورنہ یہ کسی کی نہ سنیں گے۔ اور کوئی لاکھ سمجھائے ایک نہ مانیں گے۔

اتنے میں ایک شخص نے جو کوتوال کے ساتھ آیا تھا آن کر کہا ذرا چل کے دیکھیے تو سپہر آرا بیگم کی نسبت کیا رائے ظاہر کی ہے۔ کوتوال ان کے ہمراہ گیا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑے سیاہ تختے پر یہ عبارت اور اشعار چھپے ہوئے ہیں وھو ہذا۔

ایسا خالق نے دیا ہے صنم خوش اسلوب　　جس کو ہر طور سے ہو دوستی مجھ سے مطلوب

بھولے یوسف کو اگر دیکھ لے اُس کو یعقوب　　ہو وے تو اصل حقیقت میں سراپا محجوب

نکہت گل کی طرح ہوش اڑا دے بالکل　　سنبلیں زلف کی بو سونگھ کے کھاوے سنبل

شوخی چشم پہ صدقے ہو غزال ختنی　　لب جاں بخش سے شرمائے عقیق یمنی

دانت اگر دیکھ لے کھا جائے تو ہیرے کی کنی　　قد موزوں سے شب و روز ہو اعضا شکنی

ہو وے رفتار سے محشر کی علامت پیدا
شور خلخال سے ہو شور قیامت پیدا

یا الٰہی سپہر آرا سے ہم آغوش کر۔ آمین آمین ثم آمین۔ یا الٰہی وہ دن اب کہاں گئے جب سپہر آرا بیگم جھک جھک کر بے حجاب عشاق زار کو جمال مبیں دکھاتی تھیں، اور اُس سے واقف ہی نہ تھیں، کہ دل آنا کسے کہتے ہیں شوخی اور جفا کاری جانتی ہی نہ تھیں کہ کہتے کسے ہیں۔

وہ بھی کیا دن تھے کہ تم شوخ جفا کار نہ تھے　　تیغ ابرو کی طرح خلق کے خونخوار نہ تھے

سرمو مثل سر زلف دل آزار نہ تھے　　شوخ تھے گرم تھے اس طرح کے طرار نہ تھے

صورت برق جو رخسار چمک جاتے تھے
اپنے سائے سے بھی تم آپ جھجک جاتے تھے

اور یا اب وہ دن ہیں کہ شنوائی بھی نہیں ہوتی۔ صحبت اغیار پسند ہے۔ خدا نے چاہا تو ایک دن مرزا ہمایوں فر کی گردن پر ہمارا خنجر ہوگا۔

کوتوال :۔ ایں! اخاہ۔ یہ تو برسوں سے ٹھان چکا تھا۔

مخبر :۔ اور کہیں بھی آپ نے دیکھا تھا کہ دیواروں پر کل حالات لکھے ہوں وہ مارے جوش کے ضبط نہ کر سکا واللہ عجیب قطع کا آدمی ہے ہم نے ایسا آدمی ہی نہیں دیکھا۔

کوتوال :۔ سپہر آرا تو دیکھنے کے قابل ہوں گی اس قدر محو تھا۔

مخبر :۔ ادھر تو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کیا لکھا ہے (یا خدا جلد سے خانہ آبادی ہو ہمایوں فر سے اُن کو چھٹکارا ملے ہماری آغوش گرمائیں۔ دن عید۔ رات شب برات ہو)

کوتوال :۔ اب دن عید رات شب برات ہو چکی بس۔

مخبر :۔ جواب کی نہ ملا نہ تو پھر قیامت تک نہ ملے گا۔

کوتوال :۔ ہاں اس کا تو ہم کو بھی یقین ہے مگر ملے اور پھر ملے۔

مخبر :۔ میں نے تو وہ ٹھیک پتہ بتایا کہ آپ بھی خوش ہو گئے ہوں گے عین باغ میں لایا، اب ملے تو سبحان اللہ نہ ملے تو مجبوری ہے۔

اتنے میں ایک ڈولی باغ میں آئی، اور مہری جو ساتھ تھی کہا کوتوال صاحب کے پاس آئی ہیں۔ اور دو دو باتیں کرنا چاہتی ہیں کوتوال کو شک ہوا کہ مبادا یہ وہی زن ملیح ہو جس نے کمال شقاوت قلبی سے چھری نکالی تھی، لہٰذا انھوں نے ملنے سے انکار کیا۔ مہری کو الگ ہٹا دیا۔ اور برقندازوں کو حکم دیا کہ ڈولی کو گھیر لیں۔ پردہ اُٹھایا تو وہی معشوق سبز رنگ وہی محبوب شوخ و شنگ۔ گو کوتوال اُس زن عجیب الحرکات سے ڈرا ہوا تھا مگر اس کے حُسن نے ایسا چوندھیا دیا کہ پھر بصد شوق اس طرح پر ہمکلام ہوا۔

کوتوال :۔ اس وقت حضور کچھ اداس سی بیٹھی ہیں۔

عورت :۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر بصد حسرت۔)

غیر کے اک اشارے پر اُٹھ گئے مرے پاس سے
آتش یہ مجھ سے پوچھنا بیٹھے ہو کیوں اداس سے

کوتوال :۔ ہائے اس شرر فشانی اور خوش بیانی کے صدقے۔

عورت :۔ جی جلاتے ہو اور پھر باتیں بناتے ہو۔

کوتوال :۔ ہم تو چاند سے مکھڑے کے عاشق ہیں۔

منہ دیکھو حور ہو وے جو ایسی پھبن کے ساتھ

اس میں کہا لکھا ہے اس بانکپن کے ساتھ

عورت :۔ اب آخر ہم کو جو وہاں سے بلوایا تو کیوں بلوایا اگر قتل کرنا ہے تو بسم اللہ۔ اگر اور قصور معاف کرنا ہے تو سبحان اللہ۔ مگر لگی لپٹی سے ہمیں نفرت ہے۔

کوتوال :۔ بلوانا کیا معنی۔ ہم نے تو تکلیف نہیں دی لیکن۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

عورت :۔ ایک دن سب کو اس جہان فانی سے کوچ کرنا ہے۔ کوئی بچ جائے یہ امر محال ہے۔ مگر ایسی زندگی کیا کڑھ کڑھ کے مرے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان جائے۔ اور یوں تو سب آمادۂ سفر ہیں۔

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

یہ کہہ کر اس زن مکارہ نے آٹھ آٹھ آنسو رونا شروع کیا اُس پر کوتوال سے مخبر نے کہا حضور یہ ایک ہی کائیاں عورت ہے جس کے کاٹے کا منتر نہیں۔ آپ اس کے کہنے سننے میں نہ آیئے گا۔ یہ خود قتل کرنے اور جان لینے میں برق ہے۔ مگر وہ صورت زیبا پائی ہے کہ جادو کا کام کرتی ہے، بات چیت، ابرو ادا سب میں سحر ہے۔ بس جفا کار شوخ، عیار نے پھر آہ سرد کھینچی اور رو کر یہ شعر پڑھا۔

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا

ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

کوتوال نے فرطِ محبت سے اشک پونچھ کر اور رخسار زیبا پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ جان من گو تمہاری سفّاکی سے خوف معلوم ہوتا ہے مگر دل نہیں مانتا۔ لاکھ کوشش کی تھی کہ تم سے نہ ملوں نہ بات کروں گا مگر جب آنکھیں چار ہوئیں بے اختیار ہو گیا۔

عورت :۔ یہ بناوٹ کی باتیں رہنے دیجئے۔ وہ تو فقط آزمائش ہی تھی۔ مگر امتحان میں نہ ٹھہرے۔

کوتوال :۔ اس حسن سے خدا سمجھے جس نے ہمیں بالکل چوندھیا دیا۔ ہماری گردن کا خون تمہاری چھری میں لگا ہوتا۔ اور ابھی تک قطرے برابر گرتے جاتے مگر خدا نے ہم کو بچا لیا۔

عورت :۔ ہائے ہائے بس ایک کڑی نہ سہی گئی۔

عاشقان کشتگان معشوق اند

برنیاید زکشتگان آواز

شیخ سعدی تک کا کلام بھولے جاتے ہو۔

کوتوال:۔ میں نے تم کو ہرگز نہیں بلوایا۔

عورت :۔ ہم سے ایک برقنداز نے کہا کہ کوتوال صاحب آئے ہیں اور تم کو انھوں نے یاد کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ ابھی ابھی بلالاؤ۔ اب بتاؤ کہ یہاں آنے سے کیا فائدہ ہوا۔ ممکن نہیں کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے۔ دُو دُو مہینے تک یہ باغ اسی قرینے سے رہتا ہے۔ کوئی آدمی نہ آدم زاد، اور پھر لطف یہ کہ روشیں آراستہ، پٹریاں صاف شفاف اور کیاریاں سینچی جاتی ہیں یہ سب جادو کا کھیل ہے۔

مخبر :۔ حضور اب یہاں تو کوئی پتہ نہ لگے گا۔

عورت :۔ (کوتوال سے) ان سب کو علیحدہ ہٹادو تو کچھ کہوں۔ اب شہسوار تو آنے سے رہا اور میں کسی ایسے ویسے کے پاس جانے سے رہی اب تم سے تو خیر اتنی باتیں بھی ہو چکی ہیں اور کسی سے بھلا ہم کب اس بے تکلفی سے گفتگو کرنے لگے۔ تم سے تو اس قدر بے تکلفی کے ساتھ اس سبب سے بولی کہ مجبوری کا درجہ تھا۔ ہم سوچے کہ دیکھیں تو وہ کون کوتوال دوڑے کر آئے ہیں۔ جو ہماری ادا پہ لوٹ نہ ہو جائیں۔ میں تو دعویٰ کر کے آئی تھی۔ جب شہسوار سا خوبرو جوان رعنا ریجھ گیا تو پھر اور کسی کی حقیقت کیا ہے۔ تم بھلا اُن کا مقابلہ کر سکتے ہو، مگر اس کے بعد اب تم ہی سے لو لگائی ہے۔ اور خدا گواہ ہے دوسری ایسی نہ پاؤ گے۔

کوتوال :۔ یا خدا کس مصیبت میں گرفتار ہوا ہوں۔ نہ یوں چین نہ وُوں چین۔ کیا مجبوری ہے۔ اگر ان کے عشق کا دم بھرتا ہوں، تو ستم ہے۔ اول تو یہ خود ہی کہہ چکیں ہیں کہ وہ تم کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ پھر اپنے منصب کے خلاف ہے اور اگر ضابطے کے موافق کارروائی کرتا ہوں تو کہی نہیں جاتی گو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ تم مجھے زندہ نہ چھوڑوگی، مگر حسن خداداد اور جمال خدا آفریں نے ایسا جادو کر دیا اور وہ فسوں پڑھ دیا کہ کہیں کا نہ رکھا۔

اتنے میں ایک برقنداز نے دور سے کہا حضور تو بڑے پھیر میں پھنسے۔ یہ عورت تو آپ کو کہیں کا بھی نہ رکھیں گی۔ اس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں ہے۔ یہ وہ کالی ناگن ہے جس کا مارا منھ سے بولے نہ سر سے کھیلے۔ اور یہ بہت بڑا سنگین مقدمہ ہے۔ شہسوار نے ہزاروں خون کیے ہیں، اور آخری خون شہزادے کا تو اور بھی ستم تھا۔

کوتوال :۔ پھر میں کیا کروں۔ یہاں پہرا مقرر کر کے صاحب سے ملوں اور اُن سے کل حالات بیان کروں۔

برقنداز :۔ حضور اس کو گرفتار کر لیجئے اسی سے تو سب پتا ملے گا مگر پہرے والوں کو حکم دیجئے کہ اس گھر سے

کسی کو باہر نہ نکلنے دیں۔ یہ کیا غضب کی بات ہے کہ یہ فوراً مکان سے چلی آئی، اور یہاں مزے سے دندنا رہی ہے۔ کس نمی پر سد عجب اندھیر ہے۔

کوتوال :۔ اچھا بی صاحب اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔

عورت :۔ بسم اللہ دو چار پہرے اور بٹھلا جاؤ۔

کوتوال :۔ منصبی فرض ادا کرنا ضروری ہے۔

عورت :۔ اچھا۔ تو بھی ٹھنڈا نہ رہے جی کے جلانے والے۔ یا تو وہ بے تکلفی کی باتیں اور عاشقی کی گھاتیں تھیں یا اب رکھائی اور طوطا چشمی۔ سچ ہے۔ ؂

نگوڑے مردوں کی دیکھی الفت گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے۔

کوتوال :۔ اس باغ میں بھی پہرا رہے اور ہم ابھی جا کے صاحب سے مشورہ کرتے ہیں یہاں بہت زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے کیونکہ شاید کسی وقت وہ مردود یہاں آ جائے اس کے ساتھ بڑی جماعت ہو گی اور سب کے سب جان بکف آئیں گے۔ میں ابھی جا کے بہت سے آدمی بھیجتا ہوں۔

یہ کہہ کر کوتوال نے اس زن ملیح کے رخسار تاباں پر ایک بار ہاتھ پھیرا اور کہا رخصت ہوتے ہیں۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا صرف ٹھنڈی سانس بھری اور کہاروں سے کہا ڈولی اٹھاؤ۔

برقنداز :۔ ڈولی رکھ دو کہارو۔ تم حوالات میں ہو۔

کوتوال :۔ ان کو ان کے گھر بھیج دو وہاں پہرا موجود ہی ہے میں پہرے والوں سے کہہ جاؤں گا اور تاکید کر دوں گا کہ خبردار کسی حالت میں چاہے کوئی کہے بلا حکم خاص کوئی آدمی اندر جانے نہ پائے نہ کوئی آدمی اندر سے باہر جانے پائے۔

برقنداز :۔ حضور مجھے اس پہرے پر رہنے دیں تو سبحان اللہ۔

کوتوال :۔ کیا مضائقہ ہے۔ ڈولی کے ساتھ چھ آدمی جائیں۔ بیگم صاحب کے ساتھ حفاظت کے لیے دس آدمی ہونے چاہئیں۔

عورت :۔ خدا کرے ایسی حفاظت تمہاری ماں بہن کی بھی کی جائے۔ اللہ تم سے سمجھے۔ بڑا بے مروت نکلا۔

کوتوال صاحب گھوڑے پر سوار ہوئے اور چلے اس مکان کے قریب جا کر پہرے والوں کو بہت للکارا اور تاکید کر دی کہ خبردار اب کوئی اندر نہ جانے پائے ان کو معلوم ہوا کہ برقنداز کے بھیس میں ایک شخص نے پہرے والوں کو دھوکا دیا تھا۔ اسی دم وہ محبوب بلقیس لقا نخچیر تیر جور و جفا، نالاں اور گریہ کناں مکان پر آئی اور بصد حسرت و یاس زار زار روتی ہوئی مکان کے اندر داخل ہوئی۔ اور اپنی مادر ضعیفہ و الم رسیدہ کے پاس جا کر کہا۔ اماں جان دیکھو

اس نے ہمارا کیا نہ کیا آخر کار خود بھی گرفتار پنجۂ بلا ہوا، اور ہم کو بھی کہیں کا نہ رکھا۔

زانچہ در حضرت او کردم عرض

ہیچ نشفت بلی میدانم

اب وہ ہم کو اور ہم اس کو بھلا کہاں سے پائیں گے۔ ہم دونوں اسی آرزو میں مرجائیں گے اور کچھ بھی نہ ہوگا چہرے سے شہزادگی پادشاہی ریاست برستی تھی، دونوں کیسے سست اور خود پرست تھے کہ، دین دنیا کی خبر نہ تھی۔ سچ تو جانتے ہی نہ تھے کہ کس کو کہتے ہیں۔

جشن و نشاط و خوشدلی و عشرت نعم | عیش و خوشی میں چین سے خوش وقت ہو بہم
فرخندگی بخت پہ نازاں تھے اپنے سب | ہر ایک نغمہ سنج تھا یا طوطی ارم
فیض سحاب فرح سے تھی مزرع امید | گل گل شگفتہ تازہ و شاداب سبز و نم
بلبل کو یہ طرب نہ ہو ہرگز بفصل گل | غنچوں کو یہ شکست نہیں ہوتی صبح دم

قمری کو وصل سرو کی اتنی نہ ہو خوشی

آہو کو یہ سرور نہ ہووے بوقت دم

مگر کیا معلوم تھا کہ دم کے دم میں یہ ساری خوشی غت ربود ہو جائے گی۔ ہائے شہسوار والے شہسوار مجھے اور کوئی افسوس نہیں ہے اگر ہے تو بس اس قدر کہ اب میں اس سے کیونکر ہم آغوش ہوں گے۔ اور ایسا پاکیزہ مشرب جوان زیبا اندام و گلفام مجھے کہاں سے دستیاب ہوگا۔ اور کیونکر ملیے گا۔

اس کی بوڑھی ماں نے سمجھایا۔ بیٹا وہ ایسا آدمی ہی نہیں کہ کوئی اس کو زک دی جائے، اور تم دیکھ لینا کہ وہ سب کو چٹیل کر کے اور اکثروں کو قتل کر کے نلوہ نکل بھاگے گا اور کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پائے گا۔

وہ شہسوار ہے:۔

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا

پہونچے کب اُس پہ ہاتھ ہمارے غبار کا

یہ کوتوال دو قوال اور پانچ پانچ چھ چھ روپے ماہواری پانے والے سپاہی پیادے اُن کے تو کیا کائنات ہے اگر جنگی فوج اور بادشاہی پلٹن کے لوگ بھی مقابلے کو آئیں تو بے نیچا دکھائے نہ رہے۔ ایسا کرارا سپاہی ہے۔ سو خوب یاد رکھو بابا کہ آٹھ دس دن کے عرصہ میں وہ اِن سب کو قتل کر کے آئے گا اور اسی مکان میں دندنائے گا۔ ایسے سپاہی کو کوئی گرفتار کر سکتا ہے۔ کیا مجال اُس کا تو بال تک بیکا نہیں ہو سکتا۔

زن بلیح کو کسی قدر ڈھارس ہوئی کہا اماجان اب تو دل بے قابو ہے اور طبیعت بے چین اور بازی ہری جاتی ہے۔

ایک شریرالنفس' برقنداز نے باہر سے کہا خوب گلے مل مل کے رولو۔ اب شہسوار کی لاش ادھر سے جائے گی۔ جیتے جی اُس کی صورت دیکھ چکیں تم۔ شہسوار شہسوار ماں بیٹی دونوں کی دونوں رو رہی ہیں اور میرا بس چلا تو شہسوار کی بوٹیاں ہی نوچوں گا۔

اس پر زن ملیح آگ بھبوکا ہو کر ڈیوڑھی میں گئی، اور برقنداز کو اس قدر صلواتیں سنائیں کہ عمر بھر یاد کرتا ہوگا مگر رعب حسن سے جواب نہ دے سکا۔

اَب سنیے کہ کوتوال ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کے بنگلے پر گیا وہاں صاحب سیٹی مجسٹریٹ اور صاحب ضلع اور دو اور یورپین افسر بیٹھے مشورہ کر رہے ہیں۔ اور باہر آزاد پاشا اور وہ دونوں روسائے نامدار، اور کئی شہزادے اور انسپکٹر بیٹھے ہیں انھوں نے جا کر بیان کیا کہ خداوند آج تو ایک نئی بات دیکھنے میں آئی۔ ایک مخبر نے مجھ سے کہا کہ وہ شہسوار تو برسوں سے یہاں رہتا تھا اور ایک باغ میں ہیں نے اس کو دیکھا ہے۔ میں برقندازوں کو لے کر بکمال حزم واحتیاط مخفی طور پر وہاں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اِس مکان سے جہاں ہم اور حضور سب گئے تھے اور جہاں اس عورت نے ہم سے اُس شہسوار کا حال بیان کیا تھا۔ اِس سے کوئی سوا کوس کے فاصلے پر ایک ویرانہ ملا۔ اونچا اور نیچا اور بیہڑ اور کانٹے اور جھاڑی اور بدبو۔ الامان الامان۔ چلتے چلتے ایک مقام پر دیکھا کہ چاروں کی جھونپڑیاں ہیں سُوریاں چر رہی ہیں۔ آگے بڑھ کر ایک جھاڑی سے جو گذرے تو دروازہ ملا اور اُس دروازے کے اندر باغ۔ اب سنیے کہ باغ میں سناٹا آدمی نہ آدم زاد۔ کوئی نہیں۔ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے ادھر دیکھا ادھر دیکھا کوئی نہیں مگر دیواروں پر جابجا تختے لگے ہیں کالے کالے بورڈ جیسے سوداگروں کی دکانوں پر ہوتے ہیں۔ اور اُن میں کہیں تو ہمایوں فر کے قتل کا حال درج ہے۔ کہیں سپہر آرا کا ذکر کہیں افسوس کہیں لوگوں کے قتل کرنے کا تذکرہ عجیب عجیب باتیں لکھی ہیں اور جابجا اشعار بھی ہیں۔ چاروں سے جو بلا کر پوچھا تو ایک بہرا بنگیا اور دوسرا گونگا۔ کوئی دیوانہ۔ کوئی سٹری سودائی معلوم ہوا کہ ان سب کی سازش ہے۔ باغ میں پرندہ تک پر نہیں مارتا تھا۔ لطف یہ کہ کیاریاں سینچی ہوئیں۔ پانی روشوں میں جاری۔ گھانس جو کٹی ہوئی رکھی تھی وہ ہری۔ ہنوز خشک بھی نہیں ہوئی، اور آدمی کا نام و نشان نہیں، یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک برقنداز نے آن کر انسپکٹر کو خط دیا اور کہا یہ خط آپ کے نام آیا ہے۔ انھوں نے خط معًا کھولا اور پڑھا تو یہ عبارت درج تھی۔

میاں ابھی صاحبزادے ہو، تم سپہ گری کیا جانو پولیس میں نوکری کیا کی زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ ایسی چربی آنکھوں میں چھاگئی۔ مگر یاد رکھو میں تم کو لونڈا اور معشوق سمجھتا ہوں، ابھی میں نے خبر پائی کہ میری تلاش میں تم باغ پہنچے مگر مجھ گم شدہ کو نہ پایا نہ پایا۔

شمع رخسار بکف سوے من آئی پویان　　نقش پائے من گم گشتہ زہر سو جویان

در تلاشم کنی بے صرفہ بصحرا جولان ناگہان از من دل سوختہ یابی چو نشان
عذر تقصیر کنی تائب وگریاں باشی زاں جفاہا کہ نمودی تو پشیمان باشی

مجھے اور تم پاؤ۔ اے تیری قدرت ع

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

کجا تم کجا ہم بھلا کوئی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اے لاحول ولا قوۃ۔ اور یاد رکھنا اگر محبوب جان پر نظر بد ڈالی، تو اُسی دم تمہارا سر تن سے جدا ہو جائے گا۔ وہ خود تم کو قتل کر ڈالے گی۔ اور دیکھو تو اتنی ہی دیر میں دو چکمے دیئے۔ ایک یہ کہ محبوب جان کو تمہارے پاس باغ میں بھیجا، اور گو تم پہرے بٹھا گئے تھے۔ مگر کچھ بھی نہ ہوا۔ دوسرا چکمہ یہ ہے کہ نواب الماس علی خاں کا خدمت گار بنا کر ایک آدمی کو بھیجا، اور اب اس کا پتہ بھی نہیں

اتنا پڑھنا تھا کہ کوتوال نے غل مچا کر کہا کوئی ہے۔ یہ خط کون لایا ہے۔ اس کو جانے نہ دینا۔ خبردار۔

برقنداز :۔ ارے بھائی یہ خط کو لاوا ہے۔

دوسرا :۔ چل دیا وہ تو۔ ابھی ابھی تو یہاں تھا۔

تیسرا :۔ ارے خط کون لایا تھا او جوان۔ جواب دو۔

راوی :۔ صدائے برنخاست۔ کیسے الماس علی خان یہ خود شہسوار اپنے ہاتھ میں خط لایا تھا، اور چکمہ دے کر چل دیا۔ اور محبوب جان کے مکان پر بھی شہسوار ہی برقنداز کا بھیس بدل کر پہونچا تھا۔ واقعی اس شخص کی جرات میں ذرا شک نہیں بڑا جی دار آدمی ہے، ورنہ یہ ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

شہسوار کا خط ادھورا ہی پڑھا تھا کہ کوتوال گھوڑے پر سوار ہو کر اور برقندازوں کو ساتھ لیکر اس کی تلاش میں روانہ ہوا اور ادھر باقی ماندہ خط میاں آزاد نے صاحب سٹی مجسٹریٹ و ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو سنایا جس کا مطلب یہ تھا مجھے خوب معلوم ہے کہ تم اہل پولیس شیطان تک کے کان کاٹتے ہو، مگر میں شیطان کے اُستاد کا بھی استاد ہوں، اور ابھی کیا ہے چند روز میں میرے جوہر کھلیں گے۔ جب تیری گردن کا خون میری شمشیر محرابی سے ٹپکتا ہوگا۔ جتنے آدمی دوڑ کے ساتھ کے تھے ان سب کا سر بستر پر تن سے جدا نظر آئے گا۔ اب بھی میرے امکان میں ہے کہ تیری جان بچا دوں، بشرطیکہ اُس نازنیں، زہرہ جبین، نازآفریں کو مصیبت سے محفوظ رکھے۔ میں سن چکا ہوں کہ اس نے اپنا عشق ظاہر کر کے تم صید ادائے دلربا کر لیا تھا۔ اور تم اس کے دام زلف چلیپا میں پھنس گئے تھے مگر عین اُس حالت میں جب کہ تمہارا توسن شوقِ کلیلوں پر تھا اُس نے چھری نکالی، اور گردن پر پھیر ہی دی تھی، مگر اتفاق سے تم نے دیکھ لیا۔ ہمایوں فر کو ہزاروں کی جماعت میں قتل کر ہی چکا ہوں۔ اب اُس کے

دوسرے بھائی کی جان باقی ہے۔ انشاء اللہ صبح شام اس کو بھی تہ تیغ کرتا ہوں۔ سب سے زیادہ اب آزاد کھٹکتا ہے۔ اُس کا مقابلہ گو آسان نہیں، کیونکہ وہ بھی بڑا سپاہی ہے۔ لیکن مجھ میں اور اس میں فرق یہ ہے کہ میں ڈاکو قاتل سفاک بے رحم ظالم ستمگر ہوں اور وہ رحم دل ہمدرد ہیں مردم آزار۔ وہ خدا ترس اُس کی کبھی کوشش نہ ہوگی کہ مجھ کو مار ڈالے، اور میں بیڑا اٹھائے ہوئے ہوں کہ بے قتل کیے ہوئے نہ رہوں گا اِس ہفتے کے اندر ہی اندر اس بات کی کوشش کروں گا کہ حسن آرا اور سپہر آرا کو جا کے ایک نظر دیکھ آؤں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ اُن دونوں معشوقوں کے خلاف کوئی امر سرزد ہو مگر تمنائے دلی ہے کہ ایک بار بوس و کنار کا لطف حاصل ہو۔

یارب ایں آرزوے من چہ خوش ست

تو بدیں آرزو مرا برسان

اب تم ہماری تلاش کو نکلو۔ کنوؤں میں بانس ڈال دو، چوطرفہ ڈھونڈو۔ کیا مجال کہ چھانہ بھی پاؤ۔ اور شب کو ایک بار پھر گشت کروں گا۔ سلام۔ تمہارا دشمن خونخوار شہسوار۔

اتنے میں خبر آئی کہ شہسوار گرفتار ہو گیا۔ صاحب سٹی مجسٹریٹ اور صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ اور آزاد اور کئی آدمی گھوڑوں اور بگھیوں پر سوار ہو کر مقام واردات پر پہونچے دیکھا کہ ہزارہا آدمی جوق جوق جمع ہیں۔ اور تانتا لگا ہوا ہے۔ برقندازوں نے بھیڑ چھانٹی لوگوں کو ہٹایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ دس برقنداز ایک بڑے قوی ہیکل حبشی کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں۔ حبشی کو جو دیکھا تو چہرہ انتہا کا مہیب اور سیاہی ایسی چمکتی ہوئی کہ آبنوس کی کیا حقیقت ہے تن و توش اَلاَمان اَلاَمان۔ بدن کٹا پٹا چست ہاتھ پاؤں کسیلے۔ آدمی کیا دیوزاد تھا۔ صاحب سٹی مجسٹریٹ نے کوتوال سے دریافت کیا کہ شہسوار یہی ہے اس نے کہا ہاں حضور یہی ہے۔ اِن کو سخت حیرت ہوئی کہ اس کی نسبت تو مشہور ہے کہ سُرخ و سفید وجیہہ اور خوبرو آدمی ہے۔ اس حبشی کو انھوں نے کیونکر پھانس لیا حلیہ ملایا تو صورت میں اختلاف۔ ہاتھ پاؤں ویسے نہیں۔ جن لوگوں نے شہسوار کو دیکھا تھا وہ بلائے گئے سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا یہ وہ شخص نہیں ہے۔ اتنے میں کئی گورے آئے اور ایک گورے نے قریب جا کر انگریزی میں کہا یہ تو ڈنیگرو ہے۔ اتنا سننا تھا کہ حبشی نے ایک ڈگ جمایا۔ گورا سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پولیس نے گوروں کو ہٹا دیا اور صاحب ممدوح نے حکم دے دیا کہ بھیڑ ہٹا دی جائے۔ اس کے قریب کوئی کھڑا نہ رہے۔

اب سنیے کہ اس سے جو کوئی گفتگو کرتا ہے یا کچھ پوچھتا ہے تو جواب ندارد۔ آنکھیں نیلی پیلی کر کے اس طرف دیکھتا تھا۔ اور خاموش ہو رہتا تھا۔ صاحب ممدوح نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اگر اُس وقت وہ ذرا بھی بھاگ جانے کی کوشش کرے تو اس قدر آدمیوں کی جماعت وقت سے اُس کو روک سکتی ہے، لہٰذا فوراً باہم مشورہ کیا۔

صاحب :۔ دسٹی مجسٹریٹ)، انسپکٹر تم نے کیونکر اس کو گرفتار کیا۔

کوتوال :۔ مجھ سے لوگوں نے کہا کہ نالے کے پُل میں ایک آدمی چھپا ہے اس کو گرفتار کر لو۔ مجھے شک ہوا فوراً نالے میں گیا۔ مگر یہ جرأت کسی کو نہ ہوئی کہ پُل کے اندر گھس جائے۔ یہ شخص معاً پُل سے نکلا۔ میں نے کہا کہ تم گرفتار کر لیے گئے۔ ہمارے ساتھ ساتھ چلو یہ چپکے سے میرے ساتھ ہو لیا ایک برقنداز نے بے وقوفی سے اُس کا ہاتھ پکڑا۔ بس ہاتھ پکڑنا تھا کہ یہ آگ ہو گیا اور اٹھا کے اس طرح پھینکا کہ جیسے کوئی مٹی کا ڈھیلا پھینکتا ہے۔

صاحب :۔ بھاگنے کی کوشش نہیں کی ساتھ چلا آیا۔

کوتوال :۔ مطلق کوشش نہیں کی مگر بڑ اکڑ رہا ہے۔

صاحب :۔ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ یہی شہسوار ہے۔

کوتوال :۔ لوگوں نے کہا یہی شخص ہے مجھے بھی شک ہوا۔

صاحب :۔ اس کے پہچاننے والے تو کہتے ہیں کہ یہ وہ شخص نہیں ہے اُس کی اِس کی قطع وضع صورت نہیں ملتی زمین آسمان کا فرق ہے۔

کوتوال :۔ وہ پنساری جو سامنے بیٹھا ہے خوب پہچانتا ہے اس سے اور شہسوار سے لین دین ہے۔

صاحب :۔ اُس کو بلاؤ (پنساری سے) تم شہسوار کو پہچانتے ہو یہ شخص وہی شہسوار ہے۔

پنساری :۔ نہیں حضور۔ وہ سرخ و سفید آدمی ہے یہ تو حبشی ہے۔ کئی سال ہوتے بٹاسر کے میلے میں ہم نے اُس کو دیکھا تھا۔ یہ ہاتھی کی دُم پکڑ لیتا ہے۔ تو ہلنے نہیں دیتا۔ فرخ آباد کے کلکٹر صاحب نے ایک مرتبہ آزمایا۔ ایک ہاتھی کسی ریاست سے منگوایا اور فیل بان سے کہا تم اِس کو آگے بڑھاؤ اور اِدھر اس کو اشارہ کیا اس نے دم پکڑی تو فیل بان نے لاکھ کوشش کی مگر ہاتھی آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ حبشی ہے مگر ذرا دماغ میں خلل ہو گیا ہے۔ انگریزی خوب بولتا ہے۔

صاحب :۔ شہسوار کو تم کہاں سے جانتے ہو۔

پنساری :۔ خداوند ہمارے اور اُن کے باپ سے بڑا یارانہ تھا ہم ان کو خوب جانتے ہیں مگر یہ نہیں سُنا تھا کہ قاتل ہے ہم تو حضور اُن کو بڑا مولوی سمجھتے تھے، یہ کیا معلوم تھا کہ مولوی صاحب ایسے سفاک ہیں۔ پیر شو بیاموز۔

صاحب سٹی مجسٹریٹ نے مسکرا کر کہا کہ شہسوار کا ایسا رعب چھایا گیا کہ، اب ہر در و دیوار سے اسی کی صورت نظر آتی ہے۔ کجا حبشی کجا وہ۔ اِس کالے کلوٹے کو جا کے پکڑ لائے، بھلا اس میں اور اُس میں کوئی مناسبت بھی ہے

اتنے میں پولیس کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر جیمس نے حبشی سے گفتگو کی۔

جیمس :۔ تم بات کا جواب کیوں نہیں دیتے (انگریزی میں)

حبشی :۔ (منہ کھول کر) پھر بند کر لیا اور جواب ندارد۔

جیمس :- تم ناحق اپنے کو مصیبت میں ڈالتے ہو بے کار۔
حبشی :- خونخوار ہو کر ان پر نظر ڈالی مگر خاموش۔
جیمس :- اچھا ہم مجبور ہیں۔ تم خود بھگتو گے۔
حبشی :- ہم کیا بھگتیں گے۔ تم زبردستی کر کے پکڑ لائے۔ ہم خاموش کھڑے ہیں اگر زیادہ سختی کرو گے دو چار کو مار ڈالوں گا۔ (انگریزی میں)
جیمس :- ہم نے سختی نہیں کی۔ تم اس شک میں پکڑ آئے ہو کہ شہسوار ہو اگر ہو تو صاف بیان کر دو سپرگی کے یہی معنی ہیں اور اگر نہیں ہو تو اپنے بری ہونے کا ثبوت دو دو ہی باتیں ہیں۔
حبشی :- میں افریقہ کا باشندہ ہوں اور کئی جزیروں میں کاشتکاری کر چکا ہوں۔ ایک صاحب جن کا نام حافظ محمد عبدالستار ہے حج کے لیے گئے تھے مجھے اپنے ہمراہ لائے۔ میں نے امریکہ میں انگریزی سیکھی تھی۔ مجھے مفت میں اس کوتوال نے گرفتار کر لیا اور میں چپ چاپ اس کے ساتھ چلا آیا۔
کوتوال :- تم شہسوار کا کچھ حال جانتے ہو۔
حبشی :- ہم کو کیا معلوم کہ شہسوار کون ہے، اور کہاں ہے۔ ہم تو اس ملک میں بالکل اجنبی ہیں۔ مگر عجب ملک ہے۔ جہاں بے گناہ پکڑے جاتے ہیں اور گناہ گاروں کو کوئی گرفتار بھی نہیں کر سکتا۔ اگر تم لوگ بڑے مرد ہو تو شہسوار کو گرفتار کر لو۔

صاحب سٹی مجسٹریٹ نے اور حکام کے مشورے سے اس شخص کو رہا کر دیا، اور دو دن تک برابر شہسوار کی تلاش رہی۔ تیسرے روز خبر آئی کہ شب کو شہسوار اس مکان میں گھس گیا، جہاں محبوب جان رہتی تھیں پہرے کے برقندازوں میں بعض مجروح ہوئے بعض کی جان گئی۔ مکان کو پھونک دیا اور سب کو لے کر چل دیا۔ شہر بھر میں تہلکہ مچا ہوا ہے کہ شہسوار کسی سے نہیں ڈرتا جس وقت اہل پولیس کو اس واقعہ حیرت انگیز کی خبر ہوئی۔ معًا دوڑ گئی مگر اُس وقت پہونچی جب وہ شریر النفس پوری کارروائی کر چکا تھا۔ دیکھا تو دس جوان مارے زخموں کے تڑپ رہے ہیں اور تین کی لاشیں پھڑکتی تھیں اور چھ آدمی زخم خفیف کے سبب سے پریشان تھے ایک جان کنی کی حالت میں تھا دو کا ہاتھ اُڑ گیا مکان جل رہا تھا۔

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ آدھی رات کو جب آندھی آئی تھی اور بجلی تڑپ رہی تھی ایک شخص نے آن کر کہا بھئی یہ آج یہاں جماعت کیسی ہے برقندازوں نے پوچھا کون ہے ادھر نہ آنا وہ متحیر ہو کر بولا خیر باشد یہ آج روک ٹوک کیسی ہے۔ ان لوگوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور دریافت کیا کہ تو کون شخص ہے۔ اس نے بیان کیا کہ میں اس مکان میں آیا ہوں پہلے میں یہاں نوکر تھا۔ میری دو روز کی تنخواہ باقی ہے اور ایک آفتابہ اٹھا لیا اور

کہا مگر شہسوار آدمی زبردست ہیں۔ اُن سے جب مانگتا ہوں وہ گنڈا دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ برقندازوں نے باتوں میں حال دریافت کیا تو اس نے کہا اس مکان میں محبوب جان نامی ایک بڑی حسین اور کم عمر عورت رہتی ہے۔ اس پر شہسوار عاشق ہیں وہ اُن پر جان دیتی ہے۔ ہم ایک مہینہ بھر کے لیے ان کے ہاں نوکر تھے اس عرصے میں شہسوار فقط چار دن یہاں آئے باقی اِدھر اُدھر رہے پوچھا کہیں نوکر ہیں۔ یا بیکار۔ اگر بیکار ہیں تو معاش کیا ہے۔ کہا یہ تو ہم کو نہیں معلوم مگر اس قدر جانتے ہیں کہ دال روٹی سے خوش ہیں۔ محبوب جان کو دسویں پندرھویں تین چار سو روپیہ دے نکلتے تھے۔ اور فرمائش اور جوڑے اور یہ اور وہ روزمرہ کا خرچ مزید برآں پوچھا بھلا کسی آدمی کو انھوں نے قتل تو نہیں کیا تھا کہا جی نہیں قتل کیا معنی اور شاید ہو۔ ہم نے تو بس چار دفعہ اُن کا کام کیا ہے اللہ اللہ خیر صلاّح۔ پوچھا کبھی کسی شہزادے کے قتل کا حال تو نہیں سُنا۔ کہا مرزا ہمایوں فر بیچارے کو کسی نے قتل کیا تھا اور اُن کی لاش سامنے والے درخت کے نیچے دفنا دی تھی۔ اس پر برقندازوں کو سخت حیرت ہوئی اور سب کے سب مارے شوق اور استعجاب کے پہرا چھوڑ کر اُس شخص کے ساتھ درخت تک گئے اور کھود کر لاش نکالی حالانکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ ہمایوں فر کا مقبرہ بن گیا ہے مگر اُس نے اس طرح پر بیان کیا کہ سب کو یقین آگیا اِدھر سب کے سب پہرا چھوڑ کر روانہ ہوئے اِدھر پچاس آدمی مسلح ہو کر دوڑ پڑے ارے دائیں دائیں کی آواز گونجنے لگی۔ کوئی زخمی ہوا کوئی مارا گیا۔ کسی کا ہاتھ ٹوٹا کسی کا پاؤں ندارد۔ سب گر پڑے اور سہار روبروے محبوب جان کو لے کر اور کل عورتوں اور مردوں سمیت روانہ باشد۔ محبوب جان اس وقت مردانے کپڑے پہنے تھی، اور نہایت ہی بشاش و خوش۔

صاحب:۔ تم لوگوں نے شہسوار کو کیونکر پہچانا۔

جمعدار:۔ خداوند سرداری چہرے سے برستی تھی۔

صاحب:۔ اس نے کوئی بات کی تھی تم سے یا نہیں۔

جمعدار:۔ حضور کچھ بھی نہیں بولا۔ آیا اور چل دیا۔

صاحب:۔ تم لوگ سزا پاؤ گے کہ پہرا چھوڑ دیا۔

جمعدار:۔ سزا کا تو ہم نے کام ہی کیا ہے۔

صاحب:۔ محبوب جان کو کیونکر پہچانا تم نے۔

جمعدار:۔ ہم نے اُس کو پہلے بھی یہاں اس روز دیکھا تھا۔

صاحب:۔ شہسوار کا حلیہ اگر یاد ہو بیان کرو۔

جمعدار:۔ حضور بڑا گرانڈیل جوان ہے کپڑے چست پہنے تھا۔ گوالیار کی سی پگڑی سر پر تھی۔ اور بدن سے

معلوم ہوتا تھا کہ دو دو ہزار ڈنڈ روز پیلتا ہے، اور اس قدر چست کہ کیا عرض کروں۔ بڑا طاقت ور آدمی ہے۔ سُرخ و سفید چہرے سے شجرف کا رنگ ٹپکتا ہے اور بڑا خونخوار ہے۔

صاحب:۔ جو لوگ اس کے ساتھ تھے انمیں تم نے کسی کو پہچانا یا تمہارے کسی اور ساتھی نے۔

جمعدار:۔ حضور سب ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے اور تلواریں لیے ہوئے اور پندرہ آدمیوں کے پاس بندوقیں تھیں باقی کے پاس تمنچے۔

صاحب:۔ تم لوگوں میں سے کسی نے دوڑ کے ہمیں کیوں نہ اطلاع دی۔ کسی تھانے یا چوکی پر تو اطلاع کی ہوتی خاموش کیوں رہے۔

جمعدار:۔ حضور تُرہی ہمارے پاس تھی کوتوال صاحب دے گئے تھے۔ یہ نئے طرز کی تُرہی ہے۔ انھوں نے خود ہی بنوائی ہے۔ مگر تُرہی تو وہیں رکھی رہی۔ ہم سب تو اس طرف چلے آئے تھے اور پھر جب زخمی ہوئے اور کچھ مارے گئے تو جو لوگ بھاگ سکتے تھے، وہ بھاگے۔ مگر چو طرفہ سے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ تو اتفاق سے مہابت علی خاں کسی جانب سے نکل بھاگے ورنہ آپ کو اب تک نہ معلوم ہوتا۔

صاحب:۔ بھلا یہ معلوم ہے کہ کچھ کدھر گئے۔

جمعدار:۔ حضور آئے تو اس طرح جیسے رات کو آندھی آتی ہے اور گئے اس طرح جیسے روح بے خبری میں نکل جاتی ہے۔

صاحب:۔ بہت بڑی بدنامی اور پولیس نے اپنے کو بالکل رسوا کر دیا۔ اب ہم منھ دکھانے کے قابل نہیں رہے مگر مجبوری ہے۔ افسوس۔

جمعدار:۔ خداوند یہ کاغذ شہسوار کی جیب سے گر پڑا تھا۔ (جیب سے نکال کر کاغذ دیا۔)

صاحب:۔ (آزاد سے) مہربانی کر کے ذرا پڑھ کر سُنا دیجئے۔

آزاد:۔ (پڑھ کر) یہ ارشاد نسیم شوقش صومعہ داران گلشن خرقہ پوش۔ دبالہام شمیم ذوقش خلوت گزینان آشیاں در فردوس:۔

نمودہ بہ مستان سرو دسمن | رہ خلوت ذکر در انجمن
کند روز و شب غنچہ حبس نفس | چہ سازد نہ پیچد نفس در قفس
بد مسازیش نغمہ عندلیب | گزشتہ وطن در مقام غریب
بیک جرعہ طوطی تنک ظرف شد | ز اسرار او بر سر حرف شد
کبوتر معلق زن مستیش | ہوا دار سرجوش پالستیش

دل مرغ حق گو مگر خون شود　　　که از چنگش این نغمہ بیرون شود

شد از لطف او ساز روشندلی

مقامات ذکر خفی و جلی

برائے امتحان قلم نوشتہ شد۔

صاحب :۔ اس کے کیا معنی۔ کچھ اس معاملے سے مراد ہے۔

آزاد :۔ جی نہیں یہ طغرا کے کلام سے لکھا گیا ہے۔

صاحب :۔ ہمایوں فر کے قتل یا اُس واقعے سے کوئی سروکار۔

آزاد :۔ مطلق نہیں صرف امتحان قلم کیا گیا ہے۔

جمعدار :۔ دوسرا کاغذ دیا اور کہا یہ اُس کی جیب سے گر پڑا تھا پڑھا تو یہ لکھا تھا۔

نسخہ خضاب مجرب۔ سیندور۔ مردار سنگ۔ کھریا۔ گل اوچاق۔ گل پلدول۔ چونہ در ظرف سرب از دستہ سرب در آب سائیدہ خضاب سازد و از برگ پان بندش نماید۔ دیگر سیسہ۔ پاؤ بھر۔ گندھک آدھ پاؤ سیسہ را در کڑاہی بر آتش نہند و آتش بر افروزند۔ چوں سیسہ آب شود بالائے گندھک انداز ند، واز چوب بسایند تا سرمہ گردد و سپیدی نماند، و سیاہی بدہد۔ وقت ضرورت موافق احتیاج بر آوردہ۔ نصف وزن سنگ جراحت چونہ گرفتہ در کونڈی خوب بسایند و بکار برند۔

صاحب سے آزاد نے کہا۔ یہ خضاب کے دو نسخے لکھے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کسی بڑے تجربہ کار کے بتائے ہوئے ہیں۔ اور ایک نسخہ خضاب حیدر بیگ خان کا بھی ہے۔ مگر کاغذ اس قدر بوسیدہ ہو گیا ہے کہ پڑھا نہیں جاتا اور لکھا بھی پنسل سے ہے۔ صاحب نے مع اہالیان پولیس مکان کے اندر جا کے چو طرفہ معائنہ کیا تو کئی مقاموں پر زمین کھدی ہوئی پائی۔ شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ زیور یا اشرفیاں یا روپیہ دفن تھا پہرا بیٹھا کا بیٹھا ہی رہا اور حریف اپنا کام کر گیا ایک مقام پر دو پائجامے پڑے پائے۔ ایک گرانبہا زربفت کا۔ دوسرا کمخواب کا نہایت قیمتی۔

کوٹھے پر ایک کاغذ پڑا پایا جس میں ذیل کی عبارت درج تھی آزاد نے کمال غور سے یہ کاغذ پڑھا وھو ہذا۔

از دست تو دل کباب تا کی　　　جان در طلبت خراب تا کی

در بحر غمت غریق گشتم　　　این زندگی حباب تا کی

ظلم و ستم و جفات تا چند　　　دیں غنہ و دیں عتاب تا کی

آخر با ہجر او بسازم　　　دل می کند اضطراب تا کے

از خون جگر رقم نوشتم　　　پیغام مرا جواب تا کے

با غیر خوری شراب تا چند

زیں غصہ دلم کباب تا کے

صاحب :۔ کوئی بات اس میں پائی جاتی ہے۔

آزاد :۔ جی ہاں۔ اس میں حسن آرا کا ذکر ہے۔

صاحب :۔ ہاں اس کو پورا پڑھیے کیا لکھا ہے۔

آزاد :۔ میں خود کل از سرتا پا پڑھ جاؤں پہلے۔ سو

آباد نمائے خانہ آباد

ایں کشور دل خراب تا کے

حسن آرا بیگم کی طرف (مخاطب ہو کر) یہ اشعار میں پڑھوں تو می زیبد- میرا خانۂ دل ویران ہو گیا۔ اس کی آبادی اسی وقت ہو گی جب حسن آرا بیگم ہم پر مہربانی کریں گی، اور لطف و کرم سے ہمارے ساتھ پیش آئے گی۔ نالے تا کے ضبط فغاں۔ کہوں تو کس سے کہوں۔

چو طفل مریضم بہ مہد زمانہ

بہر عضو درد ے و گفتن ندانم

مگر ٹھان لی ہے کہ ہمایوں فر اور آزاد دونوں کو قتل اور ذبح کر ڈالوں گا جانے کہاں ہیں۔ انشاء اللہ ایک تو یہاں ہے دوسرا کبھی نہ کبھی واپس آئے گا۔ سمجھ لیں گے۔

چور جالے رہے کہ اندھیارے

جی چاہتا ہے کہ ایک روز بڑی بیگم کے گھر میں جا کے حسن آرا سے ملوں، اور سمجھاؤں کہ اس حرکت لغو سے کیا فائدہ نکلے گا میں آزاد کے قتل کیے بغیر ہرگز نہ رہوں گا۔ اور سپہر آرا کو بھگا لاؤں۔ انشاء اللہ

گھبرانہ دلا شتاب کیا ہے

پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے

سمجھا جائے گا جلدی کیا ہے۔ آج نہیں کل۔

اس کے بعد صاحب ممدوح باغ کی طرف روانہ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ اور باغ میں کئی گھوڑے گئے ہیں۔ اندر جاتے ہیں تو انتہا سے زیادہ حیرت ہوئی۔

ایک سمت برنجی توپ کے ٹکڑے۔ ایک طرف ٹوٹے ہوئے تپنچے۔ اور ایک سمت کھانا پک رہا ہے۔ اور کچھ پکا پکایا تیار ہے۔ شیرمال، باقرخانی، تنکی پراٹھے، کئی قسم کے کباب، قورما پلاؤ، قند کے چاول، بورانی تلی اردیان اور کٹلٹ چاپ، بسکٹ کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ انواع واقسام کے اچار و مربّے لذیذ الغرض ایک لشکر کے کھانے کا انتظام ہے۔ اور آگے بڑھے تو دیکھا کہ میوہ چُنا ہوا ہے۔ انار ولایتی۔ شریفے سیب، چکوترے، مہتابیاں، اننّاس، انگور، رنگترے، سنگترے، نارنگیاں، امرود، یا الٰہی یہ عجب بات ہے۔ آدمی نہ آدم زاد اور زمانے بھر کا سامان موجود ہے۔

صاحب۔ یہ تو کچھ عجب بات ہے۔ وہ جو اس ملک کی کتابوں میں جادو اور طلسمات کا حال سُنا ہے وہی کارخانہ سب نظر آتا ہے۔

کوتوال: اور حضور یہ تو ملاحظہ فرمائیے کہ نہروں میں پانی جاری ہے۔ اور ادھر کھانا پک رہا ہے۔ کچھ پک چکا ہے۔ اور کچھ پکنا باقی ہے۔

صاحب۔ معلوم ہوتا ہے ابھی ابھی کوئی شخص یہاں سے گیا ہے، اور اس کے ساتھ صدہا آدمی تھے۔

کوتوال:۔ اور بے فکری کے ساتھ یہاں آیا تھا۔

صاحب:۔ توپ اسی وقت کی ٹوٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور تپنچے بھی۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ اب جنگی کارروائی کے بغیر مطلب براری معلوم۔

جیمس:۔ تعجب تو سب سے زیادہ ہے کہ ہم کو آج تک یہ حال معلوم ہی نہ ہوا۔

صاحب:۔ اس نے تو شیواجی مرہٹے کے بھی کان کاٹے۔

جیمس:۔ ہاں بس ویسا ہی فطرتی اور دغاباز ہے۔

کوتوال:۔ اب یہاں تحقیقات کیجئے کہ گیا کس طرف ہے۔

جیمس:۔ ایک کوس تک جو ملے فوراً پکڑوا منگواؤ۔ اور ہر سمت بیس سوار اور ایک ایک افسر بھیجا جائے۔

صاحب:۔ اب جنگی کارروائی کیے بغیر بات نہ بنے گی۔

جیمس:۔ ایک توپ تو دیکھی ہے شاید اور ہوں۔

کوتوال:۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ توپ یہاں آئی کیونکر اور جو لوگ پہرے پر مقرر تھے وہ یہاں سے چل دیئے۔

صاحب:۔ کیا! پہرا۔ کیا یہاں بھی پہرا تھا۔

کوتوال :۔ حضور دونوں جگہ پہرا تعینات کر دیا تھا۔

صاحب :۔ پھر پہرے والے کیا ہوئے۔ ایک کا بھی پتہ ہے۔؟

کوتوال :۔ بڑا تعجب ہے کہ یہ کیا ہوا خداوندا۔

جیمس :۔ یہ سب ہماری غفلت سمجھی جائے گی۔

کوتوال :۔ حضور، معلوم ہوتا ہے سب کو مار ڈالا ہے۔

جیمس :۔ ہاں مار نہیں ڈالا تو کہاں گئے پھر۔

اتنے میں ایک شخص نے آن کر کہا حضور اس مقام پر بڑی بو آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ اور وہاں کچھ لکھا بھی ہے۔ اس کے قریب گئے تو انتہا سے زیادہ عفونت اور ایک تختے پر لکھا ہوا۔

یادگار قتل جوانان ناہنجار

جن کو شہسوار جرّار نے حسن آرا اور سپہر آرا کے سبب سے قتل کیا ہے۔

زبان پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا

کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلیے

چنیں حسن و ملاحت باکلک نیست — ملک را حسن اگر ہست این نمک نیست

گل خوباں چو گل عنبر سرشت ست — ولے بوے وفا با ہیچ یک نیست

مرا گر در وفا شک داری اے شوخ — ترا در بے وفائی ہیچ شک نیست

بہ کوئے صبر عاشق رہ نیاید — رہِ عشق و صبوری مشترک نیست

فلک ہرگز بمن الی نہ دیار

مرا ہم چشم یاری از فلک نیست

نہ ہو۔ نہ سہی، چشم یاری فلک سے نہیں ہے نہ سہی۔ کچھ پروا نہیں۔ سمجھا جائے۔ اس مقام پر خاکسار شہسوار جرار نے کل برق اندازان ناہنجار کو قتل کیا اور قتل کر کے یادگار رہے۔ اور لوگ پڑھیں۔ یہ سب مفسدہ کیش حُسن آرا کے حسن پر قربان کیے گئے۔ اب بھی اگر حسن آرا نہ مانیں اور بغل کو گرم نہ کریں تو افسوس ہے۔ ۔ سہ

نظرے فگن کہ دارم تن زار و روے زردے

لب خشک و دیدۂ تر دل گرم و آہ سردے

اپنے ہاتھ سے ہم نے ان ملعونوں کی گردن کاٹی اور اس کنوئیں میں توپ دیا۔ خوب شد بات تیرے کی۔ کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو اس قدر بو آئی کہ دو تین آدمی سخت بیچین ہو گئے۔ لازم آیا کہ ان مقتول اور بے گناہ کشتوں کو وہاں سے نکالیں۔ کنوئیں کا منھ دوایا گیا اور چونکہ اندھا کنواں تھا۔ جب منھ کھولا گیا لاشیں صاف نمودار ہوئیں دیکھا تو کسی کا سر تن سے جدا ہے۔ کسی کو کمر کے پاس سے دو نیم کیا ہے اُن کے ورثا کو اطلاع دی گئی ہے اپنے اپنے مردوں کو لے گئے۔ جو بے وارثے تھے ان کی تجہیز و تکفین کی سرکار نے فکر کی۔

اب تمام شہر کے لوگ باغ میں آ ڈٹے اور سب متحیر کہ یا الٰہی ایسا آراستہ باغ شہر میں تھا، اور آج تک کسی نے دیکھا ہے۔ نہیں یہ بنا کب، اور آراستہ کب ہوا۔ اور ہم لوگوں کو ذرا بھی اطلاع نہ ہونے پائی۔ یہ اور بھی حیرت ہے۔ اس کشت و خون اور شبخون نے شہسوار کو اور بھی مہیب کر دیا۔

بڑی بیگم اور شہزادی بیگم کے چار چار پہرے بیٹھے۔ تو برق انداز اُن کے مکان پر، اور دو سو اُن کے مکان پر کہ مبادا حسن آرا سپہر آرا کی تلاش میں چھاپہ مارے۔ بے خبری میں جماعت کثیر لے کر آئے اور دونوں کو چھین لے جائے۔ تو بڑی بدنامی اور رُسوائی ہو۔ دن میں چار بار اور رات کو چھ مرتبہ دس سوار دونوں جگہ کی خیر صلاح دریافت کرتے جاتے ہیں۔ اور ان کے مکانوں سے ایک کھیت کے فاصلے پر ایک دستہ تعینات تھا۔ کہ اگر فساد ہو تو فوراً حکام کو اطلاع دو۔ اور جنگی فوج سے کہدیا گیا کہ پیکار کے لیے مستعد رہے۔ کیونکہ اس سفاک نے دو مقاموں پر پولیس والوں کو ایسی فاش زک دی، اور قتل کر کے اپنا کام کیا۔ تو عجب کیا ہے کہ یہاں وہ ہی کارروائی کرے، اور اس سبب خاص سے اور بھی خوف ہو گیا تھا کہ۔ برنجی توپ باغ میں موجود۔ سبھی کو یقین واثق تھا کہ اس کے ہمراہ بھی بدمعاشوں اور سپاہیوں اور پہلوانوں اور ریلان نامی کی جماعت کثیرہ ہے۔ گورنمنٹ سے حکام پولیس کے نام بڑے سخت احکام جاری ہوئے۔ اور صاحب کمشنر پولیس کو حکم ہوا کہ خود جا کے انتظام کریں۔ انھوں نے آن کر بندوبست کیا کہ کل شہر کو گھیر لیا۔ رعایا محاصرے کی حالت میں تھی۔ ہرنا کے پر فوج کا پڑاؤ۔ ہر محلے میں دستہ، ہر مقام پر پہرے مقرر کیے گئے۔ شہر کے باہر بھی پانچ کوس تک جا بجا فوج کی جماعت تھی۔ تا کہ شہسوار نکلنے نہ پائے۔

ادھر تو یہ بندوبست ہو رہا تھا، اُدھر شہسوار کی چٹھی صاحب سٹی مجسٹریٹ کے نام آئی۔ عبارتِ ذیل اس میں درج تھی۔

اجی حضرت تسلیم، کہیے مزاج کیسے ہیں۔ خوش تو بہت ہوئے ہوگے۔ میاں، ہم وہ لوگ ہیں جو

ساری خدائی سے مقابلہ کرنے کا دم رکھتے ہیں۔ وہ حبشی جس کو تم نے گرفتار کیا تھا میرا دنے چیلا ہے۔ اور میں نے اس کو وہ پیچ سکھائے ہیں۔ کہ اگر سو آدمی بھی گھیر لیں تو سب کو زخمی کر کے نکل بھاگے بس میری طاقت کا ایک ادنیٰ اندازہ یہ ہے کہ اس ایسے چار کو میں لڑا دیتا ہوں۔ اور یوں چٹکیوں میں دم تو لینے نہ دوں۔ سچ کہنا کس صفائی کے ساتھ محبوب جان کو نکال لایا۔ اس پر میرا دم نکلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے جدا ہو جاتی تو میں اب تک مر گیا ہوتا۔ اگر تم اس محبوب شیریں حرکات کو قید کر لیتے، تو صرف اس کے آخری دیدار کے لیے میں خود دوڑ آتا۔ مگر خدا کو اچھا کرنا منظور تھا۔ اب میں مزے سے دندنا رہا ہوں۔ باغ میں تم نے پہرا مقرر کیا تھا لاحول ولاقوۃ ایک کیا اگر دس پہرے ہوتے تو دسوں کی یہی گت ہوتی۔ میرے ساتھ سات سو جوان ہیں۔ اور سب لڑنے والے ہیں۔ زندگی کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ تین سو حبشی ہیں اور چار سو میں دو سو ہندی، دو سو مغل، ہندیوں میں راجپوت اور سنگھ مگر دس جوان ایک پوری پلٹن کے مقابلے کے لیے کافی ہیں۔ یہ تو ہمیں یقین نہیں کہ ہم کو کوئی گرفتار کر سکے۔ مگر ہاں یہ ممکن ہے کہ ہمارے ہمراہیوں پر شاید آنچ آجائے۔ جس مخبر مردود نے تم کو باغ کا پتا بتایا اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اب چھلکا اور اب چھلکا۔ کوئی دم میں سن لینا کہ مار ڈالا گیا۔ اچھا ہمارے تمہارے درمیان یہی شرط سہی۔ تم مخبر کو ہزار پردوں میں رکھو۔ اور ہم قتل کی فکر کریں۔ دیکھو کون بازی جیت جاتا ہے۔ اور کوتوال کے ماتھے بھی جائے گی۔ اس کو بھی زک دوں گا۔ کیونکہ محبوب جان پر اس بے وقوف نے نظر بد ڈالی ہے۔

راقم شہسوار جرار

یہ خط پڑھ کر صاحب ممدوح اٹھنے ہی کو تھے کہ ایک سپاہی نے آن کر کہا۔ خداوند جس مخبر نے باغ کا پتا بتایا تھا وہ مار ڈالا گیا۔ بڑی حفاظت سے اس کو کوتوال صاحب نے کپتان صاحب کے حکم سے علیحدہ اور محفوظ مکان میں رکھا تھا۔ لیکن خدا جانے کیا ہوا اور کیوں کر قتل کیا گیا۔ حضور اب پولیس کی بڑی بدزعبی ہو گئی، اور مجھے یقین ہے خداوند کہ سب کو وہ چن چن کے مار ڈالے گا معلوم ہوتا ہے کہ پولیس والے بھی سب کے سب اس سے ملے ہوئے ہیں۔ یا کوئی عمل اس کو یاد ہے عقل کام نہیں کرتی کہ کیا ہو رہا ہے۔

شہسوار نے جب خبر پائی کہ پانچ کوس تک شہر برابر محاصرے کی حالت میں ہے اور جا بجا دستے اور چوکیاں قائم ہوئی ہیں۔ اور جنگی فوج سے کام لیا جاتا ہے، تو چکر میں آیا کہ اب کیا تدبیر کی جائے۔ سوچا کہ کل ہمراہیوں کو جو رستم ثانی اور اپنے وقت کے روئین تن ہیں لے کر ایک بار حملہ کر دوں، اور ہزاروں کو مار کر مروں، آخر ایک دن مرنا تو ہے ہی مگر لوگوں نے سمجھایا کہ ابھی جلدی کیا ہے کوئی آپ سے

بولنا تو ہے ہی نہیں۔ اب آپ یہ مشہور کر دیجئے تو شہسوار اسی شہر میں ہے تاکہ پولیس والوں کو ہر دم خوف رہے اور آپ یہاں سے رفتہ رفتہ سب کو ادھر اُدھر منتشر کر دیجیے مگر خرابی یہ ہے کہ آپ کا حلیہ گلی کوچوں میں چھپا ہوا ہے اور قریب قریب ہر بازار میں چار پانچ جگہ آپ کی تصویر آویزاں ہے، جس طرف آپ نکلیں گے گرفتار کر لیے جائیں گے۔ ڈٹکٹیو پولیس کے لوگ بمبئی تک سے اس غرض سے آئے ہیں کہ جہاں شہسوار ہو پتا لگائیں آپ کا یہاں سے جانا خالی از خطر نہیں ہے۔ آیندہ اختیار بدست مختار۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

شہسوار نے کہا ہم بھی اسی فکر میں ہیں، کہ اب کیا کریں، مگر دلی خواہش یہ ہے کہ ایک بار خوب دل کھول کر لڑیں۔ یہ میرے ساتھ کے جوان صف شکن وہ وہ کار نمایاں کریں گے کہ جس کا حق ہے۔ انشاء اللہ ذرا ہیں بھی تو دکھا دوں کہ مرد کیسے ہوتے ہیں، اور مردوں کے منہ چڑھنا کیسا ہوتا ہے۔ مخبر کو تو میرے آدمیوں نے مار ڈالا ہوگا۔ اب آزاد کا نمبر ہے اگر آزاد کو قتل کر ڈالوں اور حسن آرا یا سپہر آرا کو بھگا لاؤں۔ تو فہو المراد ورنہ جان حاضر ہے۔

شہسوار نے اپنے دوست ٹھاکر گیان سنگھ راجپوت کو بلوایا اور اُن سے مشورہ لیا۔

شہسوار:۔ بھائی گیان سنگھ تم نرے راجپوت ہی نہیں ہو پڑھے لکھے آدمی ہو، لہذا ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اب ہم کیا کریں۔

گیان سنگھ:۔ ع۔ صلاح ما ہمہ آنست کان صلاح شماست

شہسوار:۔ ہماری صلاح تو کچھ بھی نہیں ہے۔

گیان سنگھ:۔ بس پھر جہاں ہو وہیں بیٹھے رہو۔

قاتل الرقیب کی گرفتاری

ہوائے انجمن آرائیم بسر افتاد	شراب خوارہ تنے چند خواہم از احباب
کہ می خورند و چو از بادہ رخ برافروزد	بسوز رشک دل حامدان کنند کباب
نوائے ندیم و نوائے ساقی و نوائے مطرب	بسوز عود و بہ پیمائی و صبا زرباب
کجائی اے مہ خورشید و جلوہ ہیں ساغر	کجائی اے بت ناہید نغمہ باں مضراب
معاشران نگو نام فرخی فرجام	پس از دائے سپاس مفتح الابواب

بزنگاہ بہار دیک دو گلشن گل
بر خاک راہ بپا شد یک دو د جلہ گلاب
دہبید بادۂ گلفام وچوں سلام کنیم
ہماں بہ بادہ سلام مراد ہید جواب

ایک گلزار بنیاز سراپا بہار، روکشِ بوستان فرخار میں جس کی ہر روش پر نگارستانِ چین اور شاہد گل پر مہ وشاں ناز آفریں اور حوریاں زہرہ جبیں، کا دھوکا ہوتا تھا شہسوار جرار و مردم آزار، اپنی معشوقہ میانہ وطرحدار کے ہاتھ میں ہاتھ دیے مصروف گلگشت ہے۔ شہسوار عیار۔ محبوب جان ستمگار۔ وہ آشوب دوراں، یہ بلائے جسم وجان، وہ صف شکن شیرافگن، یہ نسرین بدن، پستہ دہن، وہ سروقد یاسمن بو، وہ سیم ساق عنبر مو، وہ شمشیر خون آشام سے بے گناہوں کی جان لینے میں طاق۔ یہ تیغ ابروئے عشاق کے بسمل کرنے میں مشتاق۔ وہ بلبل چمنستان شیوا زبانی۔ یہ طوطی نو بہار جادو بیانی۔ وہ شیر دل جوان طنازیہ سرمست خوبی مو ناز۔ باغ نئی دلھن کی طرح سجا سجایا۔ چپہ چپہ رشکِ جناں زمین چہارم آسمان۔ آب وہوا میں تاثیر مستی وجوش بلبلیں گلوں اور قمریاں شمشاد سے ہم آغوش۔ ہر چمن جنت نظیر ہر روش غیرت کشمیر۔ درختاں پر میوہ کی شاخوں کا زمین کو چومنا اور زمردیں پروبال موریلوں کا فرطِ مستی میں جھومنا۔ پھولوں کی بھینی بو باس خوبرویان بنانی کا سبز سبز لباس،

بھینی بھینی وہ ہوا اور چمن کی وہ بہار
اور پھولوں کی وہ اوٹوں کی ہر اک سمت قطار
ہو نسیم سحری جس پہ دل وجاں سے نثار
نور کی بزم تھی روشن تھے کنول بوٹے دار
تھے چنگیروں میں کہیں ہار کہیں گلدستے
تھے کہیں جام بلوریں کہیں کنٹرمے کے

وہ محبوب شمع بالا اور عاشق رعنا چین لطف وکیفیت میں بہ کمال مستی و جوشِ حُسن پرستی مزے مزے کی باتیں کرتی، باصد ہزار کرشمہ لاجوردی زمین ارم تزئین پر قدم دھرتی روشوں میں تماشائے ریحان وضیمران کرتی تھی۔

نے غم دزد نے غم کالا

کوئی فکر نہیں، غم والم کا ذکر نہیں، فرحناک و دل شاد خوش وخرم، شاداں و فرحاں، مست وغزل خواں، شہسوار کو یہ ناز تھا کہ اگر ساری خدائی میں مشعل آفتاب لے کر کوئی تلاش کرے تو ایسی رنگین ادا معشوقہ رعنا نہ ملے۔ اور اس زن ملیح کو یہ غرور تھا کہ ایسا شیر مرد تمام عالم میں پیدا نہ ہوا ہوگا۔ جیسا شہسوار جرار ہے۔

اس معشوق شمع قدبت عربدہ جو نے اپنے عاشق شیر انداز جوانِ طناز کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس وقت بادۂ طرب انگیز، اور شراب ناب وتیز کے نشے میں بے اختیار جی چاہتا ہے کہ خوب دل کھول کر گاؤں، اور نغمۂ دل کش ورنگین سے روح کو وجد میں لاؤں۔ شہسوار نے اس رَغید عیار وسیم بدن طرار وغنچہ دہن کے لب لعل شکر خا کا بوسہ جان پرور لے کر کہا۔ بسم اللہ۔ مگر اس قدر ضرور یاد رہے کہ۔

روا است شور نشید و ترانہ مستان را
بشرط آں کہ نگویند راز پنہان را

اس کے بعد بصد حسرت یوں بیان کیا کہ اے جان جاں ہماری تمہاری کشتی عیش دو آبۂ امید وبیم میں ہے اس وقت لطف وکیفیت کے ساتھ اس گلستان بے خزاں کے مزے اُڑا رہے ہیں۔ شہنشاہ ہفت کشور اور تاجدار بحر وبر کو بھی یہ عیش خواب میں نصیب نہ ہوا ہوگا۔ مگر جس وقت خیال آتا ہے کہ ع۔ اس طرف ساری خدائی ہے اُدھر کچھ بھی نہیں

سارا مزہ کرکرا اور عیش منغص ہو جاتا ہے۔ یہ تو سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ ایک روز تم سے جدائی ضرور ہوگی مگر تمہاری یاد ہی سے دل بہلائیں گے۔ مرتے دم تک نہ ہم تم کو بھول سکتے ہیں۔ نہ تم ہم کو۔

لبم از زمزمہ یاد تو خاموش مباد
غیر تمثال تو نقش ورق ہوش مباد

اتنے میں ساقیانِ سیم ساق فتنہ دوراں یعنی کنیزانِ تبسم جلوۂ غنچہ دہاں نے مے کے گلابیاں قرینے کے ساتھ چنیں اور شہسوار نے اپنے ہاتھ سے جام بادۂ احمر دے کر کہا۔

بساز عود دیدہ یک شراب وصل مرا
کہ من بسوختم از ہجر تو چو زآتش عود

محبوب جان نے ناز وادا کے ساتھ مسکرا کر شراب کا پیالہ لیا اور پیتے ہی عین مستی میں اپنے عاشق شیر اندام کے رخسار تاباں کے کئی سرجوش بوسے لیے۔ شہسوار نے خود بھی شراب لنڈھائی۔ اور باہم میٹھی میٹھی باتیں ہونے لگیں۔ ناظورۂ زہرہ رُخ نے عاشق فراخ سینۂ نازک میان کی گردن میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ اس باغ کو تم نے ایسا سجایا ہے کہ بہشت میں بھی اس سے زیادہ کیفیت نہ ہوگی۔ الٰہی یہ باغ ہے یا حضرت سلیمان کا شہر زریں ہے

سوادش در نظر از قصر ایواں
بود چوں شہرِ زرینِ سلیماں

اور املاک اور قصرِ سپہر توامان، اور منارِ فلک شکوہ کی وسعت لامکان سے بھی زیادہ ہے۔ مگر اس میں ایک بات کی البتہ کسر رہ گئی ہے کہ کوئی نہر جاری نہیں ہے۔ شہسوار نے کہا یہ کون بڑی بات ہے۔ اس اٹھوارے کے اندر ہی اندر تمام باغ میں انہارِ لطافت بار جاری ہو جائیں گی اور مانی کے عوض انشاءاللہ کیتکی شراب ہو تو سہی۔

زنِ فتنہ جو نے کہا اس قدر شراب کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تم دونوں بادۂ جوانی کے نشے میں مخمور اور چور ہیں شراب کی کیا اصل و حقیقت ہے۔

شہسوار نے بوسۂ چشم غضب مست لے کر کہا۔ ہم مخمور ہوں، یا نہ ہوں مگر یہ تو نرگس مخمور ضرور ہے بے مے مست اسی کا نام ہے۔ تمہاری ایک ادا ہو تو جان و دل دو ہوں، تو دل اور جان دونوں کو نذر کروں جب ایک ایک ادا میں ہزاروں ادائیں نکلیں، اور اُن ہزاروں اداؤں میں لاکھوں ادائیں اور پیدا ہوں، تو کوئی کیا نذر کرے۔ ایک جان تو بس ایک ادا کے لیے کافی ہے۔

زا صد خوبی و بر ہر یکے صد دیدہ حیرانت
مرا یک جان و می خواہم شوم صد بار قربانت

اُس بت خورشید جلوہ نے طوطی زبان کو بہ کمال جادو طرازی یوں زمزمہ سنج بیان کیا کہ اے جوان شیر افگن جس روز میں نے تیری صورتِ زیبا اور مستانہ چال اور چشم ساقی مشرب، دیکھی ہزار جان سے عاشق ہو گئی، مگر سوچتی تھی کہ یا خدا بھلا کیوں کر آرزوئے دلی بر آئے گی، پہلے تو امید وصل منقطع ہو گئی اور سمجھی کہ ملاقات کی تمنا نہ نکلے گی۔

طمع بوسہ ازاں لعل شکر خا دارم
خیر از خانۂ در بستہ تمنا دارم

مگر مسبب الاسباب نے میری فریاد سُن لی اور میری دعائے سحری و نیم شبی مستجاب الدعوات نے قبول کی کس زبان سے اس کا شکریہ ادا کروں۔ مجھے کوئی کھانا نہ دے کپڑا نہ دے مگر تو میری آغوش میں ہو تو کروڑوں اُسایش کے اسباب سے زیادہ ہے۔ اگر اصل میں دیکھو اور چشم بینا سے کام لو تو عاشق معشوق سب ایک ہیں مگر عقل کا پھیر ہے۔ اب۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور صاف ظاہر ہے کہ اگر خدانہ کردہ تمہارے پانوں میں پھانس چبھے تو مجھے اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ

رنج ہو، اور اگر میری طبیعت ناساز ہو جائے تو تم مجھ سے کہیں زیادہ بے تاب اور بے چین ہو، تو اصل میں ہم تم یک جان دو قالب ہیں۔

در حقیقت دگرے نیست خدائیم ہمہ
لیک از گردش یک نقطہ جدائیم ہمہ

شہسوار نے پیاپے جام لنڈھائے اور معشوقہ زہرہ بناگوش کو بھی پلائے اور یہ مست ہو کر لسان الغیب خواجہ حافظ شیراز مضمار فصاحت کے یکہ تاز کے اشعار زبان پر لائے۔

ساقیا برخیز در دہ جام را   خاک بر سر کن غم ایام را
گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں   مانمی خواہیم ننگ و نام را

اُس آہو چشم سے کہا آج یوں تمہارے ہر عضو بدن پر جوبن ہے۔ مگر آنکھ کے دل چاہتا ہے کہ صبح تک بوسے ہی لیتا جاؤں۔ یہ کہہ کر دو تین بوسے لیے۔

محبوب جان نے دریافت کیا کیوں شہسوار اگر خدانخواستہ ہم گرفتار کر لیے جائیں تو کیا ہو۔ شہسوار نے مسکرا کر جواب دیا۔ ہو کیا ہزاروں لاشیں ادھر اُدھر پھڑک رہی ہوں اور کیا ہو۔ پوچھا اگر بھاگ چلو تو کیا کہا۔ ایک بار مع ہمراہیوں کے آمادہ ہو چکے ہیں۔ مگر مصلحت کے خلاف سمجھ کر درگذر کیا۔ محبوب جان نے صلاح دی کہ مع حشم و خدم اور مع حبشیوں اور سکھوں اور مغلوں اور راجپوتوں کے جانا تو صاف پیغام جنگ دینا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اور تم ریل پر سوار ہو کر چپکے سے کسی اور ملک کو روانہ ہو جائیں۔ ہم نے سنا ہے کہ فرانس ڈانڈے میں جس کا نام چندرنگر ہے۔ مفر کی صورت نکل سکتی ہے۔ اگر چندرنگر میں بھاگ چلیں تو کیسا۔ وہاں مزے سے زندگی بسر کریں اور پھر قسم کھا لو کہ ڈاکہ زنی اور چوری اور جعل فریب سے اجتناب کروں گا۔

شہسوار کو یہ بات پسند آئی۔ کہا ہے تو مناسب چپکے سے تم کو لے کر چل دیں، اور وہاں کھلم کھلا رہیں۔ خدا نے کھانے کو نانِ خشک دیا ہے۔ میرے پاس اُس وقت چالیس ہزار کے جواہرات ہیں اور بارہ ہزار کے نوٹ ایک شخصِ غیر کے نام سے یہ رقم ہماری زندگی کے لیے کافی ہے۔ اب واقعی ڈاکہ زنی اور کشت و خون اور جعل و فریب کرتے کرتے تھک گیا۔ اب دم نہیں ہے۔ علاوہ بریں اگر میں پکڑ آگیا تو ضرور ہے کہ پھانسی پاؤں۔ کئی آدمیوں کا خون میری گردن پر ہے۔ اور جب میں نے پھانسی پائی تو تمہاری زندگی بھی تلخ ہو جائے گی۔ پھر تم کس کی ہو کے رہو گی۔ مجھے اپنی جان جانے کا تو خوف نہیں ہے مگر خوف یہ ہے کہ تم پھر یہ مزے یہ لطف یہ آرام کہاں سے پاؤ گی۔ تم کو اس طرح

کیونکر عیش حاصل ہوگا۔ توبہ کی کان پکڑے کہ اب آج سے مردم آزاری نہ کریں گے مگر جانِ من خوب یادرکھو اب ہماری زندگی کا پیمانہ لبریز بھی ہوگیا ہے۔ چاہے یہاں رہو چاہے چندر نگر جاؤ۔ ممکن نہیں کہ جان بچے ہم کو تو یقین ہے کہ فرانس ڈانڈے جاتے ہی گرفتار کرلیے جائیں۔ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا خدا ہی پر بھروسا ہے۔

ما کار خویش بہ خداوند کارساز
بس پردہ ایم تا کرم اُو چہ سازد

زن ملیح کو یہ کلمات سُن کر سخت رنج ہوا، اور شہسوار کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ اس وقت میں نہایت شاد و خرم تھی مگر تمہارے اس بیان نے مجھے سخت ملول اور افسردہ کردیا۔ اور مایوسی چوطرفہ سے صورت دکھانے لگی۔ اب یاس ہی یاس نظر آتی ہے۔ اس بے کسی میں بجز خدا کے اور کون مدد دینے والا ہے۔ مگر تم نے ایسی سفاکی کی ہے کہ خدا سے بھی امید مدد نہیں۔ پھر اب بھلا کون صورت مفر ہے۔ ع

اس کا ہے کون جس کی مدد پر خدا نہیں

جب خدا ہی مدد پر نہیں تو اور کون مدد کرے گا۔

شہسوار معشوقہ گل عذار کو لے کر باغ کی محل سرا میں متمکن ہوئے۔ اور چونکہ دونوں نشۂ بادۂ احمر سے چور تھے باہم جوشش و خروش کی باتیں ہونے لگیں۔

شہسوار:۔ تو لیلیٰ میں مجنوں تو شیریں میں فرہاد۔

زمین کان نمک گردیدہ است از شور سودایم
بجائے گرد مجنوں خیزد از دامان صحرایم

معشوق:۔ ہم اور تم دونوں عاشق، دونوں معشوق، یک جان دو قالب۔ تم لیلیٰ ہم مجنوں۔ ہم لیلیٰ تم مجنوں۔ جب دروازے پر سرکاری پہرا تھا۔ اور دوڑ آئی تھی۔ میں اپنے دل کا حال نہیں کہہ سکتی مگر مجھے اپنے حسن گلوسوز پر غرہ اور ناز تھا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میری پیاری صورت اور دل رُبا ادا دیکھ کر کوتوال ایسا فریفتہ ہوجائے گا کہ میں اپنا مطلب حاصل کروں گی۔ اس تمنا کے پورا کرنے کی غرض سے میں خوب نکھری اور بناؤ چناؤ کرکے کوتوال کے سامنے گئی۔ بس ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ کوتوال نے پوچھا کہ تم غمگین کیوں ہو۔ میں نے کہا

مردم زغم و غم علاج است
با خود چہ کند کسے مزاج است

اتنا بنانا کہ کوتوال نے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور کہا جان من تم پژمردہ وافسردہ کیوں ہو۔ شہسوار نہ سہی ہم تو ہیں۔ میں نے اور بھی لگاوٹ کی باتیں کیں، اور وہ بھی مرنے لگا۔ کہا تم درد دل بتاؤ تو چارہ کروں۔ شہر کا کوتوال برسر حکومت ہوں۔ سارا زمانہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ کوئی میرا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ مگر درد معلوم ہو تو درماں کروں، میں نے کہا، میرے دل کا درد کسی درماں کا محتاج نہیں ہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ شہسوار کے بعد اب کوئی اور جوان شیر اندام سپاہی پیشہ بانکا آدمی ملے اور اُس کی ہو کے رہوں، یہ سُن کر کوتوال نے خود لگاوٹ کی باتیں شروع کیں اور کہا پیاری محبوب جان اگر ہماری ہو کر رہو تو چین بھی کرو گی۔ تمام شہر تمہاری رعایا کوئی تم کو ٹوکنے والا نہیں۔ شہسوار تو ایک ڈاکو چوٹٹا تھا وہ کس میں ہے خان ہیں نہ خان کے اونٹوں میں اور ہم واقعی ایسی ہی معشوقہ طناز کی تلاش میں تھے۔ جیسی تم ہو۔ مگر جو ہم سے دل ملے تو پھر قسم کھالو کہ کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوں گی۔ ہمارے عشق کی قدر کرو تو ہم جان اور دل دونوں قربان کر دیں اور جو معشوق قدر دل عشاق ہی نہ جانے اس سے عاشق اور معشوق کے برتاؤ میں بڑی مصیبت پڑتی ہے۔

کجا قدر دل عشاق داوند پری زادے ۔۔۔ کہ دل روید بجائے لالہ بیگانہ آز کویش

شہسوار جرار نے اس محبوب لالہ رو عنبریں موے ازراہ مذاق دریافت کیا کہ کیوں جان سچ کہنا کہ اُس ہنسی مذاق میں یہ تو جی نہیں چاہتا تھا کہ میں کوتوال ہی کے ساتھ بھاگ جاؤں۔ اُس نے بھرّے تو اچھے دیئے کہ، میں کوتوال ہوں، برسرِ حکومت ہوں، وہ اٹھائی گیرا ڈاکو چور۔ بدمعاش۔ اور ظاہر ہے کہ کوتوال حاکم شہر ہے۔ کل شہر اس کی رعایا ہے۔ شاید دو چار روز اور پٹی پڑھاتا تو بھرّے میں آجاتیں۔ یہ فقرہ سُن کر وہ زن جفا پیشہ بددماغ ہو گئی اور چونکہ نشے میں چور تھی نہایت غیظ وغضب میں شہسوار کو صلواتیں سُنائیں، اور کہا یہ بدگمانی تیں تو جان دیتی ہوں اور تو مجھے ایسی ہرجائی سمجھتا ہے۔ سچ ہے مردوے خود ہردگی پیچے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی سب کو سمجھتے ہیں۔ شہسوار نے بوسہ لے کر کہا۔ اس وقت صرف ازراہِ مذاق یہ کلمہ زبان پر لایا۔ عجب ہے کہ ہنسی کی بات سے تم نے بُرا مانا۔ اس وقت خواہ مخواہ چُہل اور دل لگی کی طرف طبیعت مائل ہے ازبرائے خدا بُرا نہ مانو۔

زمیں زسایۂ ابر بہار ہم دوشس است
زجوش لالۂ وگل خون خاک در جوش ست

اس جوشش بہار میں لطف بوس وکنار اور کیفیت ہم آغوشی عاشق زار ومعشوق لالہ رخسار ہے۔

چمنوں میں نو بہار کی گرمی بازار ہے۔ طوطیان شکر بار۔ تدروخوش رفتار۔ ؎

ہر روش رنگ محبت سے ہے گلشن معمور — اسی گلزار کے گلچیں ہیں گدا و فغفور
طوق قمری نے کیا سرو کے خاطر منظور — قدر گل جان سے بڑھ کر ہوئی بلبل کے حضور

زلف کی طرح سے بلبل کو پریشاں دیکھا
صورت آئینہ نرگس کو بھی حیراں دیکھا

معشوق:۔ تم نے اس وقت ایسی بات کہی کہ طبیعت منغض کر دی۔ (منھ پھیر کر کہا) تمہاری سزا یہ ہے کہ رات بھر تم سے بات نہ کروں اور نہ رساؤں چاہے تڑپو چاہے زار زار روؤ۔

شہسوار:۔ یہ بے اعتنائی۔ یہ کج ادائی۔ یہ عتاب۔ یا الٰہی۔ مگر۔

پامال اِک نظر میں قرار و ثبات ہے
اُس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

معشوق:۔ خیر اگر یہ ہے تو تمہارا مزہ ہر طرح حاصل ہے۔

شہسوار:۔ جلاؤ اور کہو کہ شعلوں سے ٹھنڈک پڑی۔ ؎

شیریں یہ طعن تلخی فرہاد کس لیے
مجھ کو بھی کچھ مزہ نہ ملا تیری چاہ میں

معشوق:۔ انھیں گنوں تو ان داڑوں کو پہونچے۔ (آہستہ سے)

شہسوار:۔ یہ آہستہ آہستہ گو سنا کیا لطف دیتا ہے۔

نہ کیوں کر بس موا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

معشوق:۔ اَب تم لاکھ باتیں بناؤ۔ اس سب کو بجز حسرت و ناکامی کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا تمہیں۔

شہسوار:۔ بدگمان خود کام شعلہ مزاج معشوق سے پالا پڑا ہے۔ ایک تو حسن صبیح آفتِ جان دوسرے نازو عتاب اُس پر طرّہ بلائے بے درماں۔ ان دونوں نے دل چھین لیا۔

فغاں کہ دلبرِ خود کام سے پڑا مجھے کام — حصول کار ہے بیکار وسعی بے حاصل
وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیمان ہو — تو بر عذر کرے ناز ہائے تاب گسل
وہ بے وفا کہ مکر جائے جان شکستن تک — کرے جو وعدۂ روز جزا دم بسمل
وہ شمع انجمن ناز ہائے حوصلہ سوز — جو سمجھے خواری مشتاق رونق محفل

وہ جنگ جو کہ اگر بولے کوئی دشمن بھی　　تو بے حیائی کے طعنے ہوں جان کے قاتل

وہ بے نیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو

نہ پھر کے دیکھے کہ کون آئے ہے کس محمل

فتنہ کاری اور جفا کاری کوئی تم سے سیکھے۔ مردم آزاری کا سبق کوئی تم سے لے۔ از برائے خدا اب اس جور و ستم سے باز آؤ۔ بے حجاب رُخِ زیبا کی جھلک دکھاؤ۔ اللہ جانتا ہے اس قدر تاب دوری کو میں برسوں کے بجے کے برابر سمجھتا ہوں۔ خدارا مکھڑا دکھا دو۔ کیوں بے گناہوں کو قتل کرتی ہو۔ جفا جو ہونا معشوق کی تعریف ہے مگر اعتدال کے ساتھ اِس وقت کا عتاب نیم جان کر دے گا۔

شہسوار زار جس قدر اصرار، اور جدو جہد بسیار کرتے تھے۔ اُسی قدر زیادہ ادھر سے انکار اور غمزہ ہوتا تھا، ادھر بے قراری اُدھر بے نیازی۔ ادھر حرکاتِ مجنونانہ، ادھر انداز معشوقانہ، ادھر حیرانی و پشیمانی، اُدھر چین و پشیمانی، شہسوار نے آہ سرد کھینچ کر کہا محبوب جان، یہ عتاب و جور تو عذاب جانِ ناتواں ہے میں تو اس وقت سو رہتا کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ جو بات تیری زبان سے نکلی اس کے خلاف ہونا محال ہے۔ مگر سو یا بھی جائے۔

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں

اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

اگر اس وقت بستر گل پر لیٹوں تو شعلوں کے سبب سے جو دل سے نکل رہے ہیں وہ بھی جل بھن کے خاک ہو جائے۔ اس سوز دل کا کیا ٹھکانا ہے۔

اُف رے سوز عشق بریاں دل کی تسکین کے لیے

خرمنِ گل پر جو لوٹا وہ بھی گلخن ہو گیا

ابھی یہ اختلاط کی باتیں ہو رہی تھیں، اور اب یہ حال ہے۔ ایسے جلد مزاج کا بدل جانا بھی ہماری جان کے لیے ستم ہے۔ مگر کہیں کس سے معشوق کے مزاج کا کیا ٹھکانا ہے

ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق بڑا کتنا　　مشکل ہے مزاج اتنا یک بار بدل جانا

عشق اُن کی بَلا جانے عاشق ہو تو پہچانے　　لو مجھ کو اطبا نے سودے کا خلل جانا

کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو

نظارہ قاتل کو احسانِ اجل جانا

ناحق اس قدر عتاب کرتی ہو۔ جو دم عیش میں گذرے اس کو غنیمت سمجھو۔ جانتی ہو کہ سرکاری پیادے اور

کوتوال اس فکر میں ہیں کہ گرفتار کرلیں۔ سارا زمانہ دشمن ہے جیسے ہمایوں فر کو قتل کیا تب دنیا بھر ہمارے نام پر لاحول پڑھتی ہے۔ کسی کو ہمارے ساتھ ہمدردی نہیں ہے۔ مگر پھر بھی نہیں سمجھتیں۔

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

معشوق:۔ پھر یہ بدگمانی اور طعنہ زنی کیوں کرتے ہو۔

شہسوار:۔ شکر خدا بات تو کی۔ الحمد للہ۔

معشوق:۔ کوتوال موئے کو ایڑی چوٹی پر قربان کروں۔ اس کی بھی کوئی اصل وحقیقت ہے۔

شہسوار:۔ مجھے کہتے ہو میرا سا خوبرو جوان دنیا میں کوئی پیدا بھی ہوا ہے۔ کوئی نہیں۔

معشوق:۔ پھر یہ بدگمانی کیسی کہ سائے سے بھڑکنے لگے۔

شہسوار:۔ اب رات جاتی ہے یا آتی ہے خدا کے لیے صلح کرلو سویرے تک خدا جانے کیا ہو۔ یہاں تو ایک گھڑی بھر کا بھی ٹھکانا نہیں ہے۔

معشوق:۔ اچھا توبہ کرلو اور قسم کھاؤ کہ اب آئندہ ایسے کلمے زبان پر نہ لاؤں گا۔ تو البتہ شاید کسی قدر عتاب کم ہو جائے ورنہ محال ہے۔

شہسوار:۔ سبحان اللہ اگر توبہ کروں تو شاید کسی قدر عتاب کم ہو جائے۔ یہ نہ کہا کہ گلے لگا لوں۔ عتاب صرف کسی قدر کم ہو جائے گا۔ اور اس میں بھی شاید نگاہوں سے۔ خیر۔

شاد باش اے دل کہ فردا روز بازار جزا
مژدۂ قتل ست گرچہ وعدۂ دیدار نیست

معشوق خوش الحان فخر حسینان جہاں محبوب جان نے شہسوار کے خوش کرنے کے لیے یہ غزل بلحن داؤدی داؤدی اونچے سروں میں گانا شروع کی۔

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خون
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی
ہو آؤں حضرت عیسیٰ تک اتنا حال تو ہے

شب فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہوئے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

اتنے میں دو حبشی بے تحاشا دوڑے آئے اور کہا از برائے خدا و رسول خاموش رہو، سرکاری آدمی آن پہونچے، غضب ہو گیا۔ شہسوار نے فوراً بندوق ہاتھ میں لی۔ اور کہا۔ کچھ پروا نہیں۔ آنے دو مگر محبوب جان بےچاری تھر تھر کانپنے لگی۔ حبشیوں نے کہا ہم نے اٹاری پر سے دیکھا کہ دس بیس آدمی آہستہ آہستہ اس باغ کی دیوار کی طرف آ رہے ہیں۔ اور دو کے پاس بندوق بھی نظر سے گذری اور اسی وقت آپ نے گانا شروع کیا۔ اور بھی آئے حواس غائب ہو گئے کہ یا خدا اب کیا ہوگا۔ وہاں سے سمجھائیں کیوں کر۔ دوڑتے ہوئے یہاں تک آئے۔ اب ہمیں نہیں معلوم کہ وہ لوگ کس طرح چل دیئے۔ مگر پچاس ساٹھ آدمی اٹاری اور دروازے کے پاس سے دیکھ رہے ہیں۔

اتنے میں ایک مغل اور ایک راجپوت دوڑتا ہوا آیا اور کہا خاموش بالکل سکوت اختیار کرو۔

مغل :۔ وہی لوگ ہیں اور جماعت کے ساتھ آتے ہیں بالفعل کوئی دس بارہ آدمی ہیں شاید ان کے پیچھے اور لوگ بھی ہوں۔

راجپوت :۔ ہم کو تو چور معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارا مکان بانگر میں ہے اور ہمارے باپ دادا سب ڈاکو تھے اس طرح پر آنا ڈاکوؤں ہی کا کام ہے۔

مغل :۔ یہ تم کیونکر سمجھے کہ چور ہیں ایسا نہ ہو اسی دھوکے میں رہو اور غضب ہو جائے۔ بخوبی غور کر لو اس وقت۔

راجپوت :۔ ہم اس طرح پر سمجھے کہ آتے ہی انھوں نے سیار کی بولی بولی، اور اس بولی سے ہم بخوبی جان گئے کہ یہ سیار نہیں چور ہے ہمارا ذمہ اس میں۔

مغل :۔ ہاں! ہم اس ملک کا حال اس قدر نہیں جانتے۔

شہسوار :۔ چلو ہم چل کر دیکھیں تو۔ ہیں کس طرف۔

محبوب جان :۔ یا خدا آئی ہوئی ٹل جائے پاک پروردگار۔

شہسوار :۔ ایں! ہماری صحبت اور یہ خوف۔ ڈر کیا ہے۔ سپاہی ہیں یا عورت۔ تلوار کے عوض چوڑیاں پہن لوں واہ واہ۔

شہسوار نے کوٹھی پر سے خود دیکھا تو معلوم ہوا کہ سات آٹھ آدمی ایک کھیت میں بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ مسکرا کر کہا راجپوت کا قول صحیح ہے یہ چور ہیں اور اس وقت کسی

بڑے آدمی کے ہاں چوری کرنے جاتے ہیں۔ راجپوت سے کہا اگر تم اس وقت ان سے جا کر ملو تو بڑی خاطر سے پیش آئیں وہ پرانا ڈاکو اس فن کا نقاد تھا۔ فوراً ایک دریچے کی راہ سے کودا اور آہستہ آہستہ اُن کے قریب جا کر ان سے اشارے اور گفتگو کی۔ کہ وہ سب ان کو اپنا ہمدرد اور خرانٹ ڈاکو سمجھ کر تعظیم کرنے لگے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ یار اس وقت کس کا گلا کاٹنے جاتے ہو۔ کہا ایک بہت بڑا مہاجن یہاں سے دس کوس پر رہتا ہے۔ وہ اور اس کا لڑکا اور اس کی بہو اور لڑکیاں آج تیرتھ کرکے جاتی ہیں۔ اور گھنٹے دو گھنٹے میں اس راہ سے نکلیں گے۔ ہم اسی تاک میں ہیں ان سے روپیہ چھین لیں اور زیور بھی کثرت سے ملے گا۔ ہم سب بیس آدمی ہیں مگر بیسوں ایسے کرارے اور گلچلے اور تلوریے کہ سَو کا مقابلہ کریں۔ راجپوت نے ان کی گفتگو سُن لی اور اپنا راستہ لیا۔ اور اس شخص کو اپنا ساتھی اور بانگر کا چور سمجھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ یہ ہم کو دھروانہ دے گا۔ پوچھا کہاں چلے۔ ٹھہرو تو تم بھی کچھ لیتے جاؤ۔ کہا ہمیں اس وقت ایک بڑا ضروری کام ہے۔ مگر ہماری طرف سے آپ خاطر جمع رکھیں۔ یہ کہہ کر راجپوت نے اپنی راہ لی وہ لوگ تو اُن کی آمد آمد کے منتظر تھے ہی فوراً دروازہ کھول دیا۔ انھوں نے جا کر کل حال بیان کیا تو لوگوں نے رائے دی کہ ان سب کو یہاں بیٹھے کا بیٹھا ہی رہنے دو۔ تم دو کوس آگے بڑھ کر خود ہی ڈاکہ مارو اور زیور وغیرہ چھین کے لوٹ لو راجپوت نے کہا یہ ہمارے دھرم کے خلاف ہے۔ اس وقت ہم اگر ساتھ دیں تو ان ڈاکوؤں کا۔ ورنہ بانگر کے چور نہیں۔ ہم لوگوں کا ایسا ہی بھرم ہے کہ انھوں نے جسے کچّا چٹھا بیان کر دیا اور جب ہم چلنے لگے تو روکا نہیں، اب ہم اپنا بھرم کیوں کھو دیں۔ شہسوار نے کہا بیشک صحیح کہتے ہو مگر اس کے علاوہ ایک سبب اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر اس مقام کے قریب کہیں ڈاکہ زنی ہوئی تو ہمارا ہی نقصان ہے کیوں کہ یوں تو یہاں کوئی نہیں آتا اور جب واردات ہو گی تو موقع دیکھنے کے لیے سب آئیں گے اور ہماری جان معرض خطر میں پڑے گی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کو سمجھا دو اور اگر نہ مانیں تو ان سے کہو کہ جو کچھ جرمانہ چاہو ہم سے لے لو شاید مان جائیں۔ راجپوت پھر ان کے پاس گیا انھوں نے کہا ہمارے پاس خبر آئی کہ اب وہ دوسرے راستے سے چلے گئے۔ لہٰذا ہم محروم واپس جاتے ہیں شہسوار اور اس کے ہمراہی سب خوش ہوئے کہ بڑی بلا ٹلی۔ اگر ان سے مقابلہ کرتے تو گولی چلتی۔ دن ہوتا خبر چھپی نہ رہتی۔ وہ ڈاکہ مارتے تو یہ مقام محفوظ فوراً سب کو معلوم ہو جاتا اور دھر لیے جاتے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ دستیاں پھک رہی ہیں۔ اور سپاہی ساتھ ہیں اور کئی رتھ اور گاڑیاں آتی ہیں اور ہر گاڑی اور رتھ کے ہمراہ ادھر اُدھر ایک ایک جوان پرانے فیشن کے نوڑے اور بندوق لیے ہوئے چلا آتا ہے ہگنا نو دس گاڑیاں چار رتھ اور تین گھوڑے ایک اونٹ تیئس جوان بندوقیں لیے ہوئے

چودہ سپاہی دس آدمی لٹھ لیے ہوئے تین سائیس ایک ساربان اٹھارہ گاڑی بان چار برہمن دس گھر کے آدمی مہاجن اس کے دو لڑکے ایک داماد ایک بھائی۔ تین دوست چار چوکیدار۔ اس جماعت کے ساتھ یہ لوگ آئے شہسوار نے کوٹھے سے دیکھا تو کہا۔ اُفوہ۔ بیس آدمیوں کا ان کا مقابلہ ہوتا تو کچھ دیر تک چلتی۔ راجپوت سے کہا تم جا کے ذرا ان لوگوں سے باتیں تو کرو۔ حکم پاتے ہی وہ دریچے کی راہ سے کودا اور ایک سپاہی سے اس نے یوں مقابلہ کیا۔

راجپوت۔ کہاں جاتے ہو بھیّا، گنگا جی کے میلے۔

سپاہی۔ ہاں راستے سے الگ ہو سواریاں آتی ہیں۔

راجپوت۔ ہمارے پاس کیا کچھ جھگڑا ہے یا فوج لیے ہیں۔

سپاہی۔ وہ جھگڑا ہو یا نہ ہو۔ الگ ہٹ کے کھڑے ہو۔

راجپوت۔ (مسکرا کر) ہم غریب آدمی۔ غریب کی جورو سب کی سرہج، جو چاہو سو کہہ لو۔ ابھی اگر چور یا ڈاکو مل جائیں تو قدر عافیت معلوم ہو جائے میاں صاحب جی۔

سپاہی۔ کیا! قدر عافیت! کچھ بیدھا تو نہیں ہے چور تو ہماری صورت دیکھے بھاگتا ہے تو دھمکاتا ہے کیا۔

راجپوت۔ ہاں! اور جو ابھی ہم چوری کریں تو کیا۔

دوسرا۔ (سپاہی) کوئی سودائی ہے جو ایک گولی ماروں تو ٹیاں سی جان نکل جائے مگر ٹرائے گا ضرور چل الگ ہٹ۔ گدھا ہے۔

اس فقرے پر راجپوت آگ ہو گیا آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ تمنچے کو کل پر چڑھا کے گولی مارنے ہی کو تھا کہ ایک آدمی چلایا راجپوت نے دیکھا کہ یہ اب سب کے سب مل کر مجھے قتل کر ڈالیں گے فوراً تمنچہ بادہوائی سر کر دیا اور اس پھرتی سے بھاگا۔ کہ کئی جوانوں نے اس کا تعاقب کیا۔ مگر بے سود۔ ادھر یہ کیفیت دیکھ کر دو حبشی جو مسلح تھے اس کی مدد کو گئے۔ اور آئی گئی بات ہو گئی۔

اس سحر کے بعد شہسوار عاشق زار نے اپنی معشوقہ باغ و بہار طرار و طرحدار کو آن کر سمجھایا کہ اے جانِ جاں اس وقت بیس آدمیوں کا کھیت میں آ کے چھپنا ستم ہو گیا تھا۔ سب کو شبہ کے عوض کامل یقین تھا کہ سرکاری فوج آ گئی اور کمین گاہ میں آ کر چھپی ہے تاکہ موقع دیکھ کر باغ کو گھیرے اور ہم کو گرفتار کر لیجائے۔ اب گویا یہی وقت ہمارے تمہارے ابدی جدائی کا تھا۔ پھر اب کس زندگی کے لیے یہ ناز و عتاب کرتی ہو۔ ع۔

جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

ہفتے دو ہفتے سے زیادہ اپنے مسکن کا اخفا نہیں کر سکتے پس جو کچھ دل کے حوصلے نکالنے ہوں نکال لو، نہ جانے کس وقت شاہد اجل سے مجھے ہم آغوش ہونے کا اتفاق ہو۔ ؎

رنگ رلیاں گل سے تو مچائے بلبل — شادیانے خوشی کے اب بجائے بلبل

آخر تو کھڑا ہے سر پہ صیاد قضا — دل کھول کے خوب چہچہائے بلبل

اس وقت پھر خیال آتا ہے کہ اگر اب خدا جان بچائے اور یہ مرحلہ بعنوان مناسب طے ہو جائے تو پھر ڈاکے اور چوری اور سینہ زوری اور زنا اور فسق و فجور سے کنارہ کشی اختیار کروں گا۔ لیکن از برائے خدا تم تو چند روز کے لیے مجھے جیتے جی قتل کردو۔

اس زن ملیح نے عاشق طناز کا بصد ناز و ادا بوسہ لے کر کہا۔

ہم سمجھتے تھے گھر کی آبادی — تونے کی ہائے خانہ بربادی

آرزو تھی کہ نکلیں گے ارماں — ہر طرح کے بہم ہوئے ساماں

پر توقع سے اب ہوئے مایوس

آگیا حرف بات میں افسوس

یہ کیا معلوم تھا کہ تم ان حرکتوں سے اپنا یہ حال کروگے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ تم نے ہمارا ابھی خیال نہ کیا۔ خیر اب تو جو ہوا سو ہوا۔ کسی کے کیے سے اب کیا ہوتا ہے۔ مگر جو ممکن ہو تو اب بھی بھاگ چلو۔ بس فرانس ڈانڈے سے زیادہ آرام اور آسایش کا کوئی مقام نہیں ہے اور وہیں مفر ہو سکتی ہے۔ تمہاری ان فضول حرکتوں نے ہماری زندگی تلخ کردی۔

کھا گیا جی غم نہاں افسوس — گھل گئی غم کے مارے جان افسوس

گلِ داغِ جنوں کھلے بھی نہیں — آگئی باغ میں خزاں افسوس

اب ہمارے گلشن دل پر خزاں کا عمل ہے مگر۔ ع

شاید کہ ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال۔ عنقا گردد

جس طرح تم نے جواں مردی کے ساتھ ہم کو ان نگوڑے موذی پہرے والوں سے بچایا اسی طرح شاید اب بھی مفر کی کوئی صورت نکلے۔

شہسوار۔ خدا بڑا مسبب الاسباب ہے محبوب جان۔

معشوق۔ ہاں اس میں کیا فرق ہے مگر اب تو یاس ہے۔

شہسوار۔ نہیں ابھی مایوسی کا درجہ نہیں پہونچا جان من۔

معشوق۔ تم مرد شیر افگن ایسا کہا ہی چاہو۔

شہسوار۔ میں سچ کہتا ہوں کہ سب کو مار کر نکل جاؤں گا۔ مجھے تو ملک بھر کی پلٹنیں بھی روک نہیں سکتیں۔ کیا مجال۔ ممکن کیا کہ ذرا بھی چوٹ کھاؤں۔ کیا طاقت ہزاروں کے بیچ سے نکل جاؤں اور نلوہ برسوں ریاض کیا ہے واللہ برسوں ریاض کیا ہے۔ اچھے اچھے استادوں سے تلوار چلی۔ زخمی کیا اور الگ ساٹھ ساٹھ ستر ستر سو آدمیوں میں گھر گیا اور بچ نکلا۔ چھ چھ سات سات سو کی جماعت میں گھس پڑا اور پرے کے پرے صاف۔ ہزار آدمیوں کی بھیڑ میں جا کے شہزادوں کو قتل کیا اور وجد میں آکر یہ شعر پڑھے۔

بیا ساقی بیا اے دل نوازم — کہ بے تو ہمچو شمع اندر گدازم

ولے دارم بغیر از می دریں باغ — برنگ لالۂ فانوس صد داغ

بہ من یک جام دہ زاں راحت جان — کہ بے او خاطر دارم پریشان

دمے با من گر باشی ہم آہنگ — نوائے بر کشم و ہر پردۂ چنگ

صدائے دل کشی بر خیزد از من — کہ رقصد از سماعش روح در تن

نوائے بر کشم در نشۂ مے

بہ آہنگ بجا رو نالۂ نے

محبوب جان نے شہسوار کو سمجھایا کہ جو کچھ ہونا ہوگا وہ ہوا کرے گا چند روزہ زندگی کے لیے ہر دم دل کو مغموم اور طبیعت کو ملول کیوں رکھیں۔ اب اس وقت سے قسم کھاؤ کہ حرف جدائی زبان پر نہ لاؤں گا۔

شہسوار۔ کیا بات کہی ہے۔ خوشی کے شادیانے بجاؤ۔

معشوق۔ آئی تو ٹلے گی نہیں پھر رونے سے کیا فائدہ۔

شہسوار۔ سچ ہے جو دم خوشی سے گذرے غنیمت ہے۔

معشوق۔ شاید خدا انجام بخیر کرے مسبب الاسباب ہے۔

شہسوار۔ اب تک تو کسی سے دب کر نہیں رہے ہیں۔

معشوق۔ اللہ نے چاہا تو ہمیشہ اسی توپ کے ساتھ رہو۔

شہسوار۔ کسی کی بدی کا خواہاں انسان کو نہ ہونا چاہیے۔

راوی۔ بجا ارشاد ہوا۔ چاہے بے گناہ قتل کر ڈالے۔

معشوق۔ تم کو اس کا خیال نہیں ہے۔ سینکڑوں کو مارا پچاسوں کو قتل کیا اب نیکی کی لیتے ہو اور میرے

سامنے کہتے ہو۔

شہسوار۔ گذشتہ را صلواۃ آیندہ را احتیاط۔

معشوق۔ مجھے حیرت ہے کہ آزاد ایسا کون خوبرو آدمی ہے۔ کہ اس کے مقابل میں حُسن آرا تم کو بھول گئیں۔ اور اُس پر ریجھیں یا تو اپنی اپنی طبیعت ہے یہ سبب ہوا اور زیادہ سچ مچ ایسا ہی حسین اور خوبصورت ہے۔

شہسوار۔ حق تو یہ ہے جانِ جاں کہ آزاد سا خوبرو جوان دنیا میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ ہم نے اس صورتِ زیبا کا آدمی ہی نہیں دیکھا آج تک نک سک سے درست۔ پھرتی اور چُستی اور چالاکی میں کسی سے دبنے والا نہیں اور عالم و فاضل نثار۔ شاعر خوش مزاج۔ خوش پوش۔

معشوق۔ ہم بھی کسی طرح آزاد کو دیکھتے ذرا۔

شہسوار۔ (مسکرا کر) عورت کا کیا ٹھکانا ہے۔

معشوق۔ اے ہے اس قدر بدگمانی کو آگ لگ جائے۔

شہسوار۔ بدگمانی تو نہیں ہے۔ اصل بات ہے۔

معشوق۔ اب کچھ سننے کو جی چاہتا ہے تمہارا کیا۔

شہسوار۔ آخر پھر کیا سبب ہے کہ آزاد کو دیکھا چاہتی ہو۔ کوئی بات بے سبب تو ہوتی نہیں۔ خوبصورت ہی سمجھ کر دیکھا چاہتی ہو نہ بسم اللہ دیکھیئے۔

معشوق۔ (مسکرا کر) جیسے بدمردوے خود ہوتے ہیں ویسا ہی سب کو سمجھتے ہیں جیسے تم ہو ویسی ہی ہماری نسبت بدگمانی کرتے ہو۔

شہسوار۔ بھلا ہم بدی کیا کریں گے تمہاری سی سیم تن۔ بلوریں ذقن، کج ادا بلقیس لقا ہمیں کہاں ملے گی۔

معشوق۔ اور ہم کو تمہارا سا کوئی مل جائے گا بھلا۔

شہسوار۔ عورت کے دل کا کوئی اعتبار نہیں۔ معشوقوں کے مزاج میں انتہا کا تلون ہوتا ہے۔ ؎

حسینوں کی کیا بات کا اعتبار

کدھر تھی طبیعت کدھر ہو گئی

جس دن تم کو دیکھا اُسی دن سمجھ گیا تھا کہ یہ عورت ستم ڈھائے گی اور قیامت بپا کرے گی سراپا دیکھا تو یہ معلوم ہوا کہ حورِ جناں ہے۔

درازازِ زلف اُو عمرِ تسلسل　　عیاں پُر پیچ و تابش سرِ سنبل

حنائی پنجہ اشں خورشید دلہا　　ہلال ناخنش عہد تماشا

دیکھتے ہی دنگ ہوگیا کہ یا الٰہی یہ نور عالم افروز۔ یہ حُسن گلو سوز سراپا سانچے کا ڈھلا ہوا۔

چشم بد دور نہیں باغ سے کم باغ جمال

سرو قد زلف ہے سُنبل گل خنداں عارض

اتنے میں ایک شخص نے آن کر کہا حضور باغ میں تین مقام پر بزم طرب آراستہ ہے اور دور چل رہا ہے آپ کے لیے تینوں محفلوں سے تھوڑی تھوڑی اور کچھ کباب بھیجے ہیں۔ ۶

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

شہسوار نے کہا الحمد للہ کہ جلسے اور بزم طرب کی خبر تو آئی۔ سب جوانان صف شکن اور گردان رو میں تن سے کہدو کہ خوب شادیانے بجائیں۔ اور ہم خود بھی معشوق سیم میں گلعذار سے مصروف بوس و کنار ہیں۔ مے کی گلابیاں چنی ہوئی ہیں۔ نغمہ و سرود دلکش سے جی بہلاتے ہیں دور چلتے ہیں۔ جام پر جام لنڈھاتے ہیں۔ بڑے بھر سے کہدو کہ خوب دل کھول کر عیش کر لے خدا جانے ہاتھی چھوٹے گھوڑا چھوٹے۔ ۶

تا سال دگر مئی کہ خورد زندہ کہ ماند

ایک دم بھر کی تو امید نہیں ہے۔ سامنے دیکھو گورستان ہے ہزاروں آدمی اس میں آن کے خاک میں مل گئے۔ انسان کا انجام بس یہی ہے۔ پھر اس دو روزہ زندگی کو لطف میں کیوں نہ بسر کرو۔ یہ جتنے سوئے ہیں ازل تک یوں ہی پڑے رہیں گے۔ ان میں کوئی شاعر غرا ہوگا مگر اب زبان بند ہو گئی

آناں کہ بصد زبان سخن می گفتند

آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

کوئی ہزاروں آرزوئیں دل میں لیکر کفن پوش ہوا ہوگا۔ جس کی ایک تمنا بھی نہ بر آئی۔

حوصلے سے حوصلے تھے ولولے سے ولولے

آج وہ سب مر مٹے گور غریباں دیکھ کر

محبوب جان نے کہا پھر تم نے وہی حسرت اور یاس اور گورستان کی باتیں شروع کیں جن سے ہمیں نفرت گلی ہے۔ کوئی اور ذکر چھیڑو۔

شہسوار۔ اب بادہ و مطرب کے سوا اور کیا ذکر کروں۔

معشوق۔ تو پھر ایک کام کرو تم ساقی، ہو ہم مطرب۔

شہسوار۔

معشوق۔ جو غزل کہو ایک سے ایک عمدہ یاد ہے۔

مل خون جگر میرا ہاتھوں سے حنا سمجھے — میں اور تو کیا کوسوں پر تم سے جدا سمجھے
دل میں میرے چٹکی لی ایسی ہی کہ درد تھا — معقول چہ خوش اے واہ آپ اس کو ادا سمجھے
ہنگامۂ محشر بھی گر سامنے آیا تو — اس کو بھی تماشائی ایک سوانگ نیا سمجھے

سمجھانے کی جو باتیں کہیں میں نے ولا تجھ سے
اے عقل کے دشمن سو وہ تیری بلا سمجھے

شہسوار۔ سُبحان اللہ چہ خوش چرا نباشد۔ کیا غزل ہے۔
معشوق۔ کیوں کیا بری غزل ہے۔ اچھا اور سہی۔
شہسوار۔ بس اگر ہوس ست ہمیں قدر بس ست۔
معشوق۔ اچھا اب تم کوئی اچھی سی غزل بتاؤ۔
شہسوار۔ آتش۔ ناسخ۔ مومن۔ صبا۔ گویا۔ رند۔ کا کلام ہو۔

محبوب جان نے کہا جو غزل پسند ہو وہ سکھا دو۔ مگر تم تو اڑتی چڑیاں پکڑتے ہو۔ ابھی اس وقت میرے کہنے پر کہ ہم آزاد کو دیکھنے تم اس قدر بدگمان ہو گئے کہ الٰہی تیری پناہ۔
شہسوار۔ وہ ہمارا قصور تھا یا آپ کا قصور۔
معشوق۔ اچھا کسی سے پوچھو جو بات وہ کہے وہی ٹھیک۔
شہسوار۔ میں تو ہزاروں میں پوچھوں لاکھوں میں۔
معشوق۔ اچھا ایک محضر تیار کرو اور سُرخی یہ لکھو۔

تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

شہسوار۔ ماشاء اللہ چشم بددور کیا طبیعت پائی ہے۔
معشوق۔ پھر صحبت کس کی رہی ہے کہاں تک طبیعت حاضر نہ ہو۔
شہسوار۔ اس وقت بے اختیار جی چاہتا ہے کہ غل مچا مچا کے گاؤں اور آسمان کو سر پر اٹھاؤں۔
معشوق۔ ابھی کیا ہے۔ ذرا اور گلے سے اترے۔
شہسوار۔ (غل مچا کر اور فرط مستی میں جامے سے باہر ہو کر)

وہ پیچ و خم طرۂ طرار کہاں ہے — وہ کشمکش کاکل خمدار کہاں ہے
وہ نازکی نرگس بیمار کہاں ہے — وہ تازگی رونق رخسار کہاں ہے

وہ بوے حنا رشک سمن لار کہاں ہے وہ رنگ رخ غیرت گلنار کہاں ہے

گلگونے سے چہرے پہ کدورت ہی نہیں اب

بدلے گئے کچھ تم تو وہ صورت ہی نہیں اب

معشوق۔ (ہنس کر) ماشاء اللہ کیتے خوش گلو ہو واہ۔

شہسوار۔ کیا جھوٹ بھی ہے کچھ۔ استاد فن ہوں میں۔

معشوق۔ دریں چہ شک۔ کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں ہے۔

شہسوار۔ دوسرا ایسا گائے تو خون تھوکنے لگے جی۔

معشوق۔ اے خدا کی مار تیرے اس گانے پر۔ !!!

شہسوار۔ ایں۔ ماشاء اللہ! بہت ہی خوب۔ اور سنیے۔

معشوق۔ اس وقت تمہاری آواز بھی نکلتی ہے کہ گانے ہی چلے ہو بڑے خوش گلو کے وہ بنے ہو۔

شہسوار۔ کھانس کر اچھا۔ اب سنو۔

تیری پا بوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے نقش پا بر نقش پا ظالم کف افسوس ہے

ہائے یاد مرغ مجنوں کی جنوں افزائیاں میرے سر کو سایۂ بال ہما منحوس ہے

چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو فلس ماہی داغ افزائے پر طاؤس ہے

کیا یہ مطلب ہے کہ برعکس وفا ہو گی جفا جو تمہارے عہد نامے میں خط معکوس ہے

غیرتِ آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی جل بجھیں گے اب کہ حالِ مشعل معکوس ہے

نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہو گیا

بس کہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے

معشوق۔ از برائے خدا آپ اپنا گانا رہنے دیں بس۔

شہسوار۔ (چسکی لگا کر) قدر دان قدر۔

معشوق۔ اب زبان لڑکھڑانے لگی۔ بس اب نہ پیو۔

شہسوار۔ (ایک جام اور پی کر) بہت نشہ نہیں ہے۔

معشوق۔ اب اس سے زیادہ اور کیا نشہ ہو گا۔ اب نہ پیو۔

شہسوار۔ (ایک اور جام پی کر) اس کی لابری ہوتی ہے۔

معشوق۔ اتنا ہوش ابھی ہے پھر کیوں پیتے ہو اب۔

شہسوار۔ رہا نہیں جاتا۔ کچھ گاؤں اگر سُنو۔

معشوق۔ آپ گانا نہ کر رکھیے بس اب سو رہو۔

شہسوار۔ اس قدر پیو کہ ہوش نہ رہے۔ بس پھر کوئی رنج قریب نہ آئے گا۔ جب ہوش ہی نہ رہا تو رنج گیا۔ اب چاہے برق انداز آئیں یا آزاد چاہے کوتوال۔ کچھ پروا نہیں۔ مگر اُن میں دم کیا ہے۔

قطع امید ہے سر کاٹنے کو کیا نسبت

مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

سپہر آرا پر جان جاتی ہے اور حُسن آرا پر دل آیا ہے۔ اور دونوں پردہ نشین ہیں۔

بسکہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں

موت سے آتا ہے حجاب ہمیں

مگر شاید خدا روز نیک دکھائے اور اُن دونوں میں سے کوئی عربدہ جو بغل گرمائے۔

اب سنیے کہ شہسوار نے اس قدر پی کہ سیہ مست ہو گیا۔ اور غل مچانے لگا اور ادھر حبشیوں میں ایک شخص نے اس درجہ جام پیے کہ وہ بھی آپے سے باہر ہو گیا۔ ادھر سے یہ اُدھر سے وہ چلے تو باہم مڈبھیڑ ہوئی شہسوار کے ساتھ محبوب جان اور دو جوان حبشی کے ہمراہ دس حبشی دو راجپوت اور ایک پٹھان تاکہ ان کی حفاظت کریں۔

شہسوار۔ ابے او حبشی او۔ بس الگ۔

حبشی۔ گالی نہ دینا گالی۔ ہاں مار ڈالوں گا۔

شہسوار۔ (ہاتھ چھڑا کر) اس کو ابھی قتل کر دو۔

حبشی۔ تو کیا مال ہے بے چل الگ ہٹ دور ہو۔

شہسوار۔ کوئی ہے سب ہمارے لیے اور کوئی نہیں۔

پٹھان۔ یا الٰہی خدا کے لیے ہوش میں آؤ۔

حبشی۔ ہوش میں نہ آؤ بیہوش ہو جاؤ۔

ساقیا دوڑ کہ پھر آنے لگا ہوش مجھے

شہسوار۔ پھر آنے لگا ہوش۔ بزور پاپوش۔ اور۔

حبشی۔ سب حبشی ہمارے ساتھ آؤ۔ اور اُس کو مارو۔

حبشی۔ (ساتھی) ہائیں! یہ کس کی نسبت کلمہ ہے!۔

حبشی۔ تم سب کی نسبت کہ اس شور کو مار ڈالو ابھی۔

شہسوار۔ (تمنچہ سر کر کے) لے اور کیا لے گا۔

حبشی۔ ارے غضب ہو گیا! وہ گرا۔ یا الٰہی۔

راوی۔ حبشی کے عین کلیجے پر گولی لگی اور وہ لوٹ گیا۔ پانی تک نہ مانگا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ اس پر دو حبشیوں کو غصہ آیا اور انھوں نے شہسوار کی طرف حملہ کیا۔ مگر پٹھان اور راجپوتوں نے روک لیا اتنے میں بیڑے میں خبر ہوئی اور سب کے سب دوڑ پڑے۔

اب سُنیے کہ بعض تو شہسوار کی طرف ہیں اور بعض حبشی مقتول کی جانب باہم گفتگو ہونے لگی۔

راجپوت۔ یہ تو نشے کی حرکت ہے اس کا کیا۔

حبشی۔ تو نشے میں کسی کو مار ڈالو گے تم۔

راجپوت۔ مار ڈالنا کیسا۔ اتفاق سے گولی چل گئی۔

حبشی۔ ہاں اتفاق سے گولی چل جایا کرتی ہے۔

راجپوت۔ بھائی اب یہ موقع بگاڑنے کا ہے بھلا۔

حبشی۔ بیشک ہم اس کا خون پی لیں گے مردود کا۔

اتنا فقرہ سُننا تھا کہ ایک مغل نے جو قریب کھڑا تھا آؤ دیکھا نہ تاؤ اُس حبشی کو ایک تھپڑ زور سے دیا چٹاخ اور حبشی آگ ہو کر دوڑا تو دونوں میں گتھم گتھا ہونے لگا۔ لوگوں نے بیچ بچاؤ کیا مگر وہ اس طرح گتھ گئے تھے کہ اُلامان، الامان۔ اس پر حبشی سب ایک طرف ہو گئے مغل اور راجپوت ایک طرف۔ پٹھان فیصلہ کرنے والے تھے۔

حبشی۔ پھر اب دونوں طرف سے آمادگی ہو جائے۔

راجپوت۔ آمادگی ہو جائے کیا معنیٰ۔ آمادہ ہیں۔

مغل۔ ابھی اسی وقت سہی۔ کوئی آگے تو بڑھے۔

پٹھان۔ ہمارا حصّہ جہالت ان سب نے چھین لیا۔

حبشی۔ بس اب مذاق ہو چکا۔ اب جنگ ہے۔

پٹھان۔ اور اس جنگ کا انجام یہ ہوگا کہ سب بندھیں گے اور شہسوار جس کا اب تک نمک کھایا ہے گرفتار ہو جائے گا۔ اس وقت تو وہ نشے میں چور ہے۔ جب ہوش آئے گا تو کیا کہے گا بھلا۔

حبشی۔ ہمارے ایک برادر کو مار ڈالا۔ ایسے نشے کو ہم چٹکیوں میں ہرن کر دیتے ہیں یہ سمجھا کیا ہے اپنے دل میں

پٹھان۔ بھلا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم سب سے عہدہ برآ ہو سکتے ہو۔ اگر سمجھتے ہو تو بسم اللہ۔ لے بس اب ہم بھی آگئے جہالت پر۔ تکمے اڑا دیئے جائیں گے تو سہی۔ بوٹیاں نوچ نوچ کے چیلوں کوّوں کو دی جائیں گی۔

شہسوار۔ مار ڈالو۔ قتل۔ قتل۔ سب کو قتل۔

راجپوت۔ کیا پی پی کے ہلڑ مچاتے ہو خواہ مخواہ۔

شہسوار۔ اُس کو مار ڈالو۔ سب کو ایک دم سے قتل۔

حبشی۔ کیوں بڈیاں چلبلاتی ہیں شہسوار۔

شہسوار۔ (نشے میں پاؤں لڑکھڑائے اور دھم سے گرا۔)

حبشی۔ گر۔ گر۔ گر۔ بدبخت ابھی مر جا۔

لوگوں نے شہسوار کو سنبھالا۔ ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ پلنگ پر لٹا دیا۔ محبوب جان آئیں پانی پلایا۔ آنکھ لگ گئی۔ صلاح ہوئی کہ اب ان کو سونے دو ان کا سونا ہی اچھا۔

اب سُنیئے کہ محبوب جان نہایت حسرت و حرمان کے ساتھ سرہانے شہسوار بیٹھی اس طرح روتی تھی جیسے کوئی کسی مردے کو روتا ہے۔

ایک کمیدان صاحب شہسوار کی حالت دیکھ کر محبوب جان کو سمجھانے لگے کہ اس وقت نشہ تیز ہو گیا دماغ پر گرمی چڑھ گئی۔ مقام اندیشہ نہیں ہے۔ رونے کی کیا ضرورت ہے۔ بے کار رونا فال بد ہے۔ ع

مزن فال بد کا ندرد حال بد

محبوب جان۔ اگر یہی حرکتیں ہیں تو صبح شام گرفتار ہوں گے۔

خان۔ اس میں کیا شک ہے۔ اپنے آپ اپنے دشمن ہوئے ہیں۔

محبوب جان۔ میں کس عذاب میں ہوں خداوندا ہائے ستم۔

خان۔ عیش بھی تو کیے ہیں اب رنج کون سہے۔

محبوب جان۔ اس قدر عیش تو نہیں کیے تھے کہ اب اتنا روؤں۔

فلک نے تو اتنا ہنسایا نہ تھا

کہ جس کے عوض یوں رلایا مجھے

خان۔ اب ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔

محبوب جان۔ ایں! اس کو یوں چھوڑ کے یہاں سے چل دوں۔

خان۔ نہیں نہیں۔ جب ان کو ہوش آئے تو ہم ان کو یہی صلاح دیں گے کہ اب محبوب جان کو

یہاں سے روانہ کردو۔ کیوں کہ خدا جانے کہیں پکڑے جائیں۔ توتم کیوں گرفتار بلا ہو۔
محبوب جان ۔ ہے ہے ۔ یہ گرفتار ہوں اس سے زیادہ رنج اور میرے لیے کیا ہے۔ مگر کوئی تدبیر نہیں بن پڑتی۔
خان ۔ یہ سچ ہے مگر مجبوری ہے۔ جو ہی بچا وہی بچا سہی۔
محبوب جان۔ ان کو چھوڑ کے کہاں جاؤں گی بھلا۔
خانصاحب نے کہا۔ صاحب سنو۔ عقل سے کام لینا چاہیے نہ کہ جہالت سے اگر ان کو نہ چھوڑو گی تو کب تک اور کہاں کہاں۔ ان کا ساتھ دو گی۔ اُن کو چراغ سحری سمجھو۔ صبح ہی نوشام کو نہیں اور شام کو ہی تو صبح کو نہیں۔ یہ گرفتار ضرور ہوں گے اور پھانسی ضرور پائیں گے۔ تم ان کا ساتھ دو گی اگر ان کا ساتھ نہ دو تو کیا مضائقہ۔ محبوب جان نے یہ فقرا سُن کر بُرا حال کیا اور آٹھ آٹھ آنسو روئی اور کہا۔

بھرے وہ آتش عشق اس دل فگار میں ہے
کہ لاکھ برق نہاں جس کے ہر شرار میں ہے
یہ کون پھوٹ کے رویا کہ درد کی آواز
رچی ہوئی جو پہاڑوں کی آبشار میں ہے

صبح کو شہسوار خواب غفلت سے بیدار ہوا تو محبوب جان نے شب کا واقعہ بیان کیا۔ شہسوار نے شب کو اس قدر کثرت سے بادہ نوشی کی تھی کہ اب تک ہوش ٹھکانے نہ تھے۔
شہسوار۔ مجھے شب کا حال مطلق نہیں یاد ہے۔
محبوب جان۔ غضب کیا ایک آدمی کی جان لی۔
شہسوار۔ اُفوہ بڑا غضب ہوگیا۔ وہ کون تھا۔
محبوب جان ۔ ایک حبشی کو تم نے قتل کیا۔ وہ بھی نشے میں چور تھا بڑا بلوہ ہوگیا تھا۔
شہسوار۔ حبشی کو قتل کیا!! افسوس۔ مجھے اس وقت پیاس معلوم ہوتی ہے۔ تھوڑا پانی پلاؤ۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیوں تو ہوش آئے ورنہ اس وقت پھنک رہا ہوں۔
محبوب جان ۔ اب یہ بتاؤ کہ انجام کیا ہوگا۔؟
شہسوار۔ بہت بُرا۔ صبح شام گرفتار ہوں گے۔

محبوب جان۔ (روکر) ہم کو کیا صلاح دیتے ہو۔

شہسوار۔ تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم اب چلی جاؤ۔

محبوب جان۔ میں جاؤں بھی تو نہیں جا سکتی ہوں۔

شہسوار۔ کیوں جا کیوں نہیں سکتی ہو۔

محبوب جان۔ میں بھی تو مجرموں میں ہوں۔

شہسوار۔ ہم دس حبشی ساتھ کیے دیتے ہیں۔

محبوب جان۔ تمہارے ساتھ محبت کرکے یہ نتیجہ نکلا۔ اب یہ تو بتاؤ کہ کس کی ہو کے رہوں اور تمہارا ساساتھی اب کہاں ملے گا۔ دیکھیے منظور خدا کیا ہے۔

شہسوار۔ محبوب جان! دنیا اسی کا نام ہے۔

شاید باید زیستن ناشاد باید زیستن

محبوب جان۔ مجھ سے کل ایک آدمی نے کہا تھا کہ اب تم یہاں سے بھاگ جاؤ تو بہتر ہے۔ مگر میری محبت اس کی مقتضی نہیں ہے۔ اب سوچتی ہوں کہ جاؤں یا تمہارا ہی ساتھ دوں۔

شہسوار۔ ہندوؤں کی عورتیں میاں کے ساتھ جل جاتی ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ کہ ایک ٹھاکر کی بیوی ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر بیٹھی اور ارد گرد لکڑیوں کا انبار کرکے جلا دیا گیا۔ اور وہ جیتے جی جل بھن کے خاک ہو گئی۔

محبوب جان۔ میں تو یہ چاہتی ہی نہیں کہ تم کو چھوڑ کے جاؤں مگر جیتے جی جل بھن کے خاک ہونا کروڑوں میں دو ہی ایک کا کام ہے۔ اگر میں یہاں رہی تو تمام عمر خراب جائے گی۔

شہسوار۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر تم چلی نہ گئیں تو قید کرلی جاؤ گی۔ اور تمام عمر کے لیے مصیبت میں گرفتار رہو گی۔

محبوب جان۔ میں تم کو چھوڑ کر چلا جانا پسند نہیں کرتی۔

اتنے میں ایک آدمی نے آن کے کہا کہ حبشی سب بگڑے ہوئے ہیں اور پٹھانوں سے اُن سے جنگ ہونے والی ہے۔ آپ نے کل شراب کے نشے میں غضب کیا کہ ایک آدمی کو مار ڈالا شہسوار نے کہا کہ مرزا صاحب اب برائے خدا کوئی تدبیر بتائیے ورنہ کشتی ڈوبی جاتی ہے اب بچائے نہ بچیگی ہرگز۔ مرزا اب آپ یہاں سے بھاگنے کی فکر کیجیے۔

شہسوار۔ اس میں کیا شک ہیں مرزا صاحب۔

مرزا۔ سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کہ بھاگ جائیے۔

شہسوار۔ اگر گرفتار ہوا تو مصیبت میں پڑوں گا۔

محبوب جان۔ اور نہ گرفتار ہونے کی بھی امید ہے۔

شہسوار۔ نہیں۔ اگر اس حالت میں گرفتار ہوا تو لڑ بھڑ کے پکڑا جاؤں گا اور دوں تو اس طرح گرفتار ہو جاؤں گا جیسے بھیڑ یا بندر کو پکڑ لے جاتا ہے۔

مرزا۔ آپ کو اختیار ہے۔ ہماری صلاح تو یہی ہے کہ فوراً یہاں سے بھاگ جائیے اور اس معشوق کی جان پر بھی رحم کیجیے۔

شہسوار۔ ع۔ صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شماست

مرزا۔ پہلے تو حبشیوں کے ہاتھ جوڑیے۔

شہسوار۔ واہ۔ ہاتھ تو باپ کے بھی نہ جوڑیں۔

مرزا۔ تو آپس ہی میں سب کے سب کٹ مریں۔

شہسوار۔ چاہے کچھ ہو۔ ہر چہ باداباد۔ سمجھا جائے گا۔ ہاتھ کہیں سپاہی جوڑا کرتے ہیں۔ کیا مجال یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک حبشی نے شہسوار کی طرف مخاطب ہو کر یہ گفتگو بکمال غیظ و غضب شروع کی۔

حبشی۔ اب نشہ دماغ سے اترا یا نہیں ع

شہسوار۔ یہاں ہر دم نشہ نخوت میں چور رہتے ہیں۔ یہ نشہ اترنے والا نہیں ہے۔ مرنے کے بعد تک نشہ رہے گا۔

مرے تو نشۂ اُلفت اتر گیا عاشق
وہ کیا شراب تھی جس کا خمار تک نہ رہا

حبشی۔ اچھا پھر آمادہ ہو رہو جنگ ہوگی۔

شہسوار۔ کیا! (بگڑ کر) جنگ ہوگی تو بسم اللہ۔ ہو۔
حبشی۔ ابتدا آپ ہی کی طرف سے ہوتی ہے حضرت۔
شہسوار۔ اگر صلح کرو تو فنوالمراد ورنہ خیر۔ یوں سہی۔
حبشی۔ جو خون کیا اس کا بدلا کس سے لیں۔
شہسوار۔ ہم وہ ہیں جس نے شہزادوں کو گھس گھس کے ہزاروں آدمیوں میں قتل کیا ہے۔ ہماری تلوار کے کاٹ کی تمام عالم میں دھوم ہے اور بانکپن کا ہر سمت شہرہ ہے۔
حبشی۔ کسی حبشی سے سابقہ نہیں پڑا ہے۔
شہسوار۔ سب کو دیکھ لیا ہے۔ آخر قتل ہی کیا نہ۔
حبشی۔ خیر پھر اب جس کے بھروسے پر بھولے ہو اس کو بلوالو۔ بسم اللہ آج معلوم ہو جائے گا کہ حبشی کیسے کرارے ہوتے ہیں۔
شہسوار۔ ہمارے مقابلے کے لیے بڑے تلواریے کی ضرورت ہے دو سو تک سے تو ہم اکیلے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔
حبشی۔ ایک گولی میں بول جاؤ میاں صاحب جی!
شہسوار۔ محبوب جان اب تم تو رخصت ہو اور ہم اسی دم ان سب کو تہ تیغ کرتے ہیں۔ سمجھا جائے گا۔
محبوب جان۔ یہ آپس میں کٹ مرنا کس نے سکھایا ہے۔
شہسوار۔ یہ لوگ سپہ گری کے رموز کیا جانیں۔
محبوب جان۔ تم جانتے ہو پھر تم ہی کچھ عقل سے کام لو۔ تو تو میں میں سے کیا واسطہ۔
حبشی۔ اچھا اب خدا حافظ ہے۔
شہسوار۔ ہم ہر دم مستعد ہیں۔ بسم اللہ جب مزاج میں آئے۔

اب سنیے کہ حبشیوں نے باہم مشورہ کر کے یہ رائے قرار دی کہ کل سانیوں کو جمع کر کے شہسوار کی ناک کاٹ لیں۔ اور صاحب مجسٹریٹ سے جا کے کہہ دیں کہ خداوند شہسوار کا پتہ ہم نے لگایا ہے۔ یہ رائے قرار دیکر ایک حبشی روانہ ہوا ادھر ایک ٹھاکر نے شہسوار کو اطلاع دی کہ حبشیوں نے یہ ایکا کیا ہے اور اب کچھ دیر دوڑا یا ہی چاہتی ہے۔ شہسوار گھبرایا اور محبوب جان زار زار رونے لگیں۔ شہسوار نے آہ سرد بھر کر کہا فعل بد کا نتیجہ یہی ہوتا ہے ہم نے تمام عمر افعال قبیحہ کیے کبھی نیک کاموں کی طرف مخاطب ہی نہیں ہوئے اس کا خمیازہ کھینچنا پڑتا ہے۔ مرزا ہمایوں فر کو

اس بیرحمی سے قتل کیا کہ الامان اور ایک ٹھاکر کو اس طرح مارا کہ بیان کرتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔
محبوب جان۔ اب پرانی باتوں کے ذکر سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اب اس وقت سوچو کہ کیا کرو گے۔
شہسوار۔ بیشک دوڑ آنے والی ہے۔ پھر اب کیا کریں۔
محبوب جان۔ پھر اب تو بھاگنے کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے بھاگ چلو پھر وقت ہاتھ سے جاتا رہے گا۔
شہسوار۔ اب تو ٹھان لی ہے کہ جس طرح ممکن ہوگا اسی دم فیصلہ کر دیں گے کہاں کا جھگڑا۔ ممکن نہیں کہ ہم گرفتار نہ ہو جائیں۔
محبوب جان۔ بے بس اب کھڑے ہو اور چلو۔ اتنے میں ایک شخص نے سمجھایا کہ اس وقت آپ بالکل بیہہ گری کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں۔ سپاہی ہے کہ۔

نہ مرجائے مرکب توان تاختن   کہ جا ہا سپر بایداندا ختن

آپ نے ایک شخص کی جان لی کہ نہیں۔ اس نے کیا بگاڑا تھا اب ان لوگوں سے باآشتی ملنا چاہیئے نہ کہ بہ سختی۔ ؎

درستی و نرمی بہم در بہ ہست
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ ہست

محبوب جان کو یہ صلاح بہت پسند آئی اور باصرار تمام کہا کہ تم جا کے جلنبیوں سے ملو اور نرمی کے ساتھ پیش آؤ۔

گر دے جو مرے تو زہر کیوں دے

کمیدان نے کہا کہ جب وہ لوگ اس قدر خلاف اور آمادۂ فساد ہیں کہ سٹی مجسٹریٹ صاحب سے پتا بتانے کی ٹھان لی ہے اور اس وقت گئے بھی ہیں تو اب ہمارے نزدیک بجز اس کے اور چارہ نہیں ہے کہ چل کے اُن سے بہ لجاجت پیش آئیے اور مصلحت وقت پر غور کر کے بہ منت و سماجت عرض کیجیے کہ آپ کو معاف کریں اور یا بھاگ جائیے شہسوار نے کہا یہ تو محال ہے کہ ہم جا کے کسی کے ہاتھ جوڑیں یا کسی سے لجاجت کے ساتھ پیش آئیں یا خوشامد کریں۔ سپہ گری کے معنی ہم اُجڈ پن سمجھتے ہیں۔ اجڈ آدمی کو بھلا ان باتوں سے کیا واسطہ۔ مگر ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بھاگ جائیں یہ کہہ کر شہسوار نے جنگی لباس پہنا اور کہا کہ اب تیغ بدست وجان بکف اس باغ سے نکلتے ہیں۔ ہر چہ بادا باد محبوب جان نے سمجھایا کہ اگر بھاگنا ہے تو بھیس بدل کر چلو اس قطع سے تو لوگ جھگیوں میں گرفتار کر لیں گے۔ شہسوار نے کہا۔

سہو حق

اس وقت جوش و حواس باختہ تھا لباس بدل کر اور پوشاک پہنی اور محبوب جان کو مردانہ لباس پہنا کر ہمراہ لیا۔ دو راجپوت اور دو پٹھان ہمراہ کیے۔ باغ کا ایک دروازہ چپکے سے کھولا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر چلے۔ محبوب جان مردانہ چست گھٹنا ڈانٹے و کلا پہنے صندلی عمامہ زیب سر کیے ہوئے اکڑی ہوئی جاتی تھی مگر قدم قدم پر نظر آتی تھیں کہ ایسا نہ ہو رازِ سربستہ کھل جائے۔ برقندازوں کی دوڑ آئے۔ شہسوار کے ساتھ خود بھی صید مصائب ہوں۔ شہسوار کے چہرے سے ذرا بھی ہراس عیاں نہ تھا۔ چاروں ہمراہی اغل بغل میں ادھر ادھر ساتھ تھے۔ مگر کسی قدر فاصلے سے جاتے تھے تاکہ اُن پر کوئی شک نہ کرے چلتے چلتے ایک مقام پر شہسوار نے ایک آدمی سے پوچھا کہ سرا کتنی دور ہے اس نے کہا یہاں سرا کہاں حضرت شہر یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر ہے۔ ہاں البتہ کئی سرائیں ہیں یہاں سے جمنا گنج سات کوس کے فاصلے پر ہے وہاں بھی ایک سرا ہے اور مسافر اس میں آرام پاتے ہیں۔ آپ کس طرف جائیں گے شہسوار نے کہا ہمارے ایک دوست کے ہاں برات ہے وہ مقام جمنا گنج سے تین کوس اتر ہے اور اس کا نام بی بی پور ہے اس نے ہنس کر جواب دیا بی بی پور اس ضلع بھر میں کوئی گاؤں نہیں ہے۔ میں تو جمنا گنج کے ٹھاکر کے ہاں لڑکے پڑھانے پر دو برس سے نوکر ہوں میں نے آج تک بی بی پور کا نام بھی نہیں سُنا۔ سیدھا راستہ نہیں ہے۔ ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان نست

آپ کو دھوکا ہوا ہوگا۔ جمنا گنج کی طرف بی بی پور کسی گاؤں کا نام نہیں ہے اور آپ اُتر چلتے ہیں۔ شہسوار نے پوچھا شہر میں تو سب خیر و عافیت ہے۔ کہا جی ہاں فضل الٰہی ہے مگر آج کل وہ شہسوار جس نے ہمایوں فر کو قتل کیا تھا بڑی بدعتیں کر رہا ہے اور کمبخت کسی سے نہیں ڈرتا چو طرفہ اُسکی تلاش ہے۔ سنا ہے اس نے کئی سپاہیوں کو زخمی کیا اور کئی آدمی مار ڈالے مگر اب کی بڑی فکر کی گئی کہ گرفتار کر لیا جائے۔ شہسوار نے ہنس کر کہا بھلا ایک آدمی گرفتار کرنا کون مشکل بات ہے کہ سرکار کو اس قدر دقت پڑی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی بلا کا آدمی ہے۔ کہا اس میں کیا فرق ہے عجب طرح کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ خدا جانے اس کے ساتھ کتنے آدمی اور ہیں کہ دو مقام پر نقب خون مارا۔ اور برقندازوں کی لاشوں کو کنویں میں ڈال کر بھاگ کھڑے ہوئے تو دوسرے روز خبر ہوئی اور اس کے ساتھ ایک عورت ہے محبوب جان اس پر شہسوار جان دیتا ہے وہ عورت اور کئی بدمعاش لے کر کسی طرف نکل گیا۔ مگر مخبر خبر دیتے ہیں کہ ابھی تک شہر ہی میں ہے۔ اشتہار

دیا گیا ہے کہ جو شخص اس کو گرفتار کرلائے گا اس کو انعام ملے گا شہسوار نے ہنس کر کہا کہ خدا کرے آپ کو مل جائے مزے سے بھرپور روپیہ کمائیے اور دندنائیے۔ کہا ہم مولوی آدمی۔ لونڈے پڑھانا ہمارا کام ہے ہم کو ایسے انعام سے کیا سروکار ہے اگر معلوم بھی ہو اغماض کریں ایسے آدمی کے سائے سے منزلوں بھاگتے ہیں یہ لوگ قابل دار ہیں اور جہنم میں بھیجے جائیں گے۔ دوزخ ایسے مردودوں کے لیے ہے۔ نابکار نے شہزادے کو ناکردہ گناہ مار ڈالا۔ مگر اتنا تو ہم بے شک کہیں گے کہ چور ڈاکو گرہ کٹ ہے سپاہی آدمی نہیں ہے سپاہی ہوتا تو یوں قتل نہ کرتا سپاہی تو نہتے پر کبھی ہاتھ ہی نہیں اٹھاتے اگر اپنے پاس دو تلواریں ہوئیں تو ایک اس کو دی اور کہا لو بسم اللہ اور اگر اس کے پاس تلوار نہ ہوئی تو کبھی حملہ نہ کریں گے۔ سپاہی آدمی نہیں ہے سپہ گری کے فنون وہ کیا جانے یہ کہہ کر مولوی صاحب رخصت ہوئے تو ایک عورت ملی۔ شہسوار نے اس سے پوچھا تم کون ہو نیک بخت۔ کہا نواب ابو جعفر صاحب کے ہاں کی ماما ہوں کچھ سواریاں رتھ پر جاتی ہیں ان کے ساتھ ہوں۔ یہاں ایک موضع میں ان سے عزیز داری ہے۔ پوچھا شہر کی کوئی تازہ تو خبر بیان کرو۔ کہا اور تو کوئی تازہ خبر نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ موا لنگوڑا شہسوار اللہ غارت کرے اس کو آج کل قید خانے سے بھاگ آیا ہے۔ آسمان سر پر اٹھایا ہے موئے کو موت بھی نہیں آتی اور بد معاشوں کو لیکر پھرا کرتا ہے۔ مقابلے میں تو آج تک کسی سے ٹھہرا نہیں ہے مگر ٹٹو شوی کی طرح بے خبری میں قتل کرتا ہے سب کہتے ہیں کہ سپاہی نہیں ہے۔ سپاہی ہوتا تو سامنا نہ کرتا یہ کہہ کر ماما بھی چل دی اور ادھر محبوب جان نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا۔

محبوب جان۔ اس وقت تمہیں کچھ غیرت آئی یا نہیں۔

شہسوار۔ بکتے ہیں ان کو بکنے دو۔ کیا ہوتا ہے۔

محبوب جان۔ مارے شرم کے ڈوب مرو چلو بھر پانی میں۔

شہسوار۔ بھلا کوئی بھی ایسا ہے جو ہم کو سپاہی نہ کہے۔

محبوب جان۔ تم کو سپاہی کوئی نہیں کہتا چور کہتے ہیں۔

شہسوار۔ ہزاروں آدمیوں میں گھس کے قتل کیا ہے۔

محبوب جان۔ تم اپنے منہ میاں مٹھو بنا کرو ہم کو کیا۔

شہسوار۔ دل میں تو خوش ہوتی ہوگی محبوب جان۔

محبوب جان۔ چلو بیٹھو چور مشہور ہو لیے تو کیا۔

شہسوار۔ ڈاکو ہونے کے لیے بھی تو بہادری چاہیے۔

محبوب جان۔ دونوں سے دونوں نے کہا کہ سپاہی نہیں ڈاکو اور چور ہے اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ تم نے تمام عمر اسی میں صرف کی مگر اب تک چور ہی رہے۔ سپاہی ایک نے بھی نہ کہا۔

شہسوار۔ جی چاہتا ہے اس مولوی کو مار ڈالوں۔

محبوب جان۔ بس مار ڈالنا ہی جانتے ہو یا کچھ اور۔

شہسوار۔ کیا دل لگی ہے۔ مار ڈالنا کیا آسان ہے۔

محبوب جان۔ جیسا چوری کرنا ویسا ہی مار ڈالنا۔

شہسوار۔ اچھا کسی اور سے پوچھو ہمارا حال۔ چلتے چلتے راہ میں ایک دراز قد شیخ صاحب ملے علیک سلیک کے بعد شہسوار ان کی طرف مخاطب ہو کر یوں ہم کلام ہوئے۔

شہسوار۔ اجی حضرت تسلیم عرض ہے۔ مزاج شریف سو کوئی نہیں پوچھتے ہر گز وہ مزاج ہم تو کہتے ہیں دعا کرتے ہیں شیخ۔ یا حضرت مزاج اقدس۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں مگر خیال آتا ہے کہ کہیں دیکھا ہے۔

شہسوار۔ خاکسار کو غلام مرتضی کہتے ہیں۔

شیخ۔ بجا۔ میں نے مطلق نہیں پہچانا اس وقت۔

شہسوار۔ سچ کہوں ملا تو بہت تپاک سے مگر دھوکا ہو گیا میں نے خود آپ کو نہیں پہچانا۔ ایک اور صاحب کا دھوکا ہوا۔

شیخ۔ کیا مضائقہ ہے۔ جناب کا اسم مبارک۔

شہسوار۔ عرض کیا نا غلام مرتضی خاں نام ہے۔

شیخ۔ جی ہاں آپ نے ابھی فرمایا تھا سہو ہوا ہے۔

شہسوار۔ کوئی تازہ خبر فرمایئے۔ سنی سنائی ہو تی۔

شیخ۔ آج کل تو ایک مجرم کی خبر بہت گرم ہے جس نے مرزا ہمایوں فر کو قتل کیا تھا جیل خانے سے بھاگ نکلا ہے۔

شہسوار۔ حضرت ہیں تو شقی مگر سپاہی آدمی ہے۔

شیخ۔ اے لاحول ولا قوۃ لو ٹیرا چور ہے۔

شہسوار۔ کیا اس کی سپہ گری میں شک ہے آپ کو۔

شیخ۔ وہ سپہ گری کیا جانے۔ بزدل چوٹٹا۔

شہسوار۔ سُنا کئی ہزار آدمیوں میں قتل کیا۔

شیخ۔ غافل بے خبر سُنے کو بھلا کوئی سپاہی کہیں قتل کیا کرتے ہیں اے لاحول کیا مجال۔

شہسوار۔ مگر سُنتے ہیں کہ بڑا ہنوٹیا اور بانکیت آدمی ہے۔ اور تلوار کی لڑائی اور گولی چلانے میں ثانی نہیں رکھتا۔ بڑا انگل چلا ہے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ وہ سپاہی نہیں ہے اب کس کا باور کریں۔

شیخ۔ اجی جناب سپاہی تو کبھی چوری کرے گا ہی نہیں سپہ گری کے اصول سے تو پہلے واقف ہو لو۔

چلتے چلتے شام کو شہسوار مع محبوب جان اور ان ہمراہیوں کے ایک سرا میں فروکش ہوئے تو وہاں بھی اپنا ہی ذکر خیر سنا۔ بھٹیاری کسی عورت سے کہہ رہی تھی کہ شیخانی جی نہ معلوم کیا سبب ہے کہ کوتوال اور صاحب لوگ تک اس کا پتہ نہیں پاتے اور شہر بھر کو لوٹ رہا ہے۔ کئی دن سے لوٹ مار ہو رہی ہے مگر کس نمی پرسد اس کی داد نہ فریاد کل دو مسافر بھیس بدل کر یہاں آئے تھے اگر سرا میں اس کا پتا لگے تو گرفتار کر لیا جائے ادھر ادھر چوطرفہ سب سے ٹوہ لی تو معلوم ہوا کہ اب پھر کسی باغ میں جا کے بستر جمایا ہے بس تو اسی شہر کی لڑکی ہوں سوچتے سوچتے سوجھی کہ وہ باغ یہاں سے کوئی آٹھ کوس پرے ہے اس میں ہو گا مگر مجھے کیا پڑی تھی کہ کسی کو پھانسی دلواؤں میں بھی سن کے چپکی ہو رہی۔ شیخانی نے کہا اوئی نوج کوئی ایسا بیرحم ہو اس موئے کو تو ایسی جگہ قتل کرے جہاں پانی نہ ملے ہمارے شہزادے کو موئے نے قتل کیا ہے اور تم کو اس پر ترس آتا ہے تم بھی انوکھی ہو بی بھٹیاری ہیں۔ ایسی ہوتی تو اسی دم دھروا تی ایسے پر ترس کیا معنی۔

اتنے میں شہسوار نے شیخانی کی طرف مخاطب ہو کر یوں باتیں کیں۔

شہسوار۔ کیوں بی صاحب بھلا اس کی صورت کا ایسا بھی کہیں ہے ایسے آدمی کا قتل تو واجب ہے جس نے شہزادے سے جوان کو قتل کیا۔

شیخانی۔ اے میاں قتل کیسا۔ زندہ چنوادے موئے کو جو رنگ کرے ایسے کو تو خوش ہوں۔

شہسوار۔ بھلا شکل صورت بھی اس کی کسی نے دیکھی ہے۔ یا کوئی پہچانتا ہی نہیں اسے۔

شیخانی۔ نہیں پہچانتے کیوں نہیں ہیں۔ پہلوان ہے بڑا زبردست جوان ہے۔

شہسوار۔ جو ہم کو مل جائے تو قتل ہی کر ڈالیں ہم مگر ہے سپاہی آدمی۔

شیخانی۔ اے نہیں میاں سپاہی گری وہ کیا جانے سپاہی اور ہی ہوتے ہیں۔

محبوب جان۔ کوئی بودا بزدلا سپاہی بنا ہے سپاہی کہیں چوٹے ہوتے ہیں۔

شیخانی۔ دغور سے دیکھ کر، میاں تمہارا کیا نام ہے ذرا ہم بھی تو سنیں۔

محبوب جان۔ ہمارا نام معشوق علی خاں کیوں ہمارا نام تم نے کیوں پوچھا تھا۔ تمھارا نام کیا ہے۔ بیوی ہم نے تم کو نام بتایا تم ہم کو نام بتاؤ۔

نبنخانی۔ (مسکرا کر) ہمارا نام عاشق علی خاں ہے۔ (ہنسکر) دونوں نام بہت ملتے ہیں۔ عاشق علی اور معشوق علی۔

شہسوار۔ تمھارا کہاں مکان ہے بی صاحب۔ اسی گاؤں کی رہنے والی ہو یا کہیں اور کی۔ بات چیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی ہو۔ گاؤں کی عورتیں بھلا یہ کیا جانیں۔

نبنخانی۔ حضور ہم تو شہر میں رہے۔ شہر میں بڑھے۔ شہر میں نوکری کی۔ گاؤں کا حال ہم کو کیا معلوم مگر اب دس بارہ دن سے یہاں ایک کام کو آئے ہیں سو ہر دم ایک خوف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گرفتار نہ کرلے جائے۔ یہاں بات بات پر زبان کٹتی ابھی پرسوں ہی ایک مسافر کو تھانیدار گرفتار کر لے گئے کہ یہی شہسوار ہے اور وہ بیچارہ ایک بھلا مانس برسوں کا یہاں کا رہنے والا مگر کسی نے شنوائی نہیں کی کہ کون ہے اور کیا کہتا ہے۔ جن عورتوں کو کوئی پکڑ لیجائے تو اس کا کیا کرلونگی۔

ایک سوار جو ہنس ہنسکر اسی شہر کو اپنے گھر جاتا تھا جہاں سے شہسوار بھاگے تھے یہ باتیں سنکر بولا کہ مارتے سا کا کوئی ہاتھ نہیں پکڑ سکتا اس میں چاہے لودا آدمی ہو یا کرارا جب جان پر کھیل گیا تو کوئی اس کا کیا کر سکتا ہے مگر ہم نے بھی شہسوار کا حال سُنا وہ ڈاکو ہے سپاہی نہیں۔ مگر ہاں اتنا کہیں گے بانکا آدمی ہے۔ لیکن سپہ گری نہیں جانتا۔ سپاہی تو کبھی اس طرح پر کسی کو قتل ہی نہیں کرتا جس طرح اس کمبخت شہسوار نے ہمایوں فر کو بے خبری میں مارا۔ توبہ توبہ سپاہی کا ہاتھ ہی نہ اٹھتا مگر ہاں ڈاکو چور جلاد یہ کہو تو ٹھیک ہے۔ باقی سپاہی اور لوگ ہوتے ہیں۔ سپاہی آزاد ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

شہسوار نے کہا کیا آزاد کے سر پر دو سینگ ہیں آزاد پر کیا فرض ہے جو سپہ گری کا برتاؤ کرے وہ سپاہی آزاد کس گنتی میں ہیں۔ ایک گولی لگتی ہے گر پڑتے۔ سپہ گری رکھی رہتی۔ اور شہسوار کی نسبت تو سنا ہے کہ اس نے آتش حسد کے مارے کئی گھر پھونک پھونک دیئے ہیں۔

سرٹپکتا ہوں کہ بس ہم بھی نہ ہوں گھر بھی نہ ہو
دھیان جس وقت یہ آتا ہے کہ وہ ہم بر میں نہیں

اور آزاد سے ہرگز حسن آرا کو لطف نہیں ہے بھلا کسی نے بھی آج تک یہ کہا ہے کہ جنگ پر جاؤ اور وہاں جاکے لڑو اور کٹ مرو یہ تو عداوت ہے اور عداوت دوشنوں کا کام ہے بھلا۔ ۵

دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں
عشق کیوں درپۓ جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف

سوار نے کہا تم رد کئے گئے آدمی عاشق معشوق کیا جانو شہسوار مردود کو دیا ایسا کوئی سپاہی نہ ہیگا لیٹرا چور بٹردار آدمی نہیں سپاہی منہ بنتا ہے کہاں شہسوار کہاں آزاد۔ اس نے روم میں وہ کام کیا سبحان اللہ سبحان اللہ۔

شہسوار نے آہ سرد کھینچکر محبوب جان سے آہستہ سے کہا کہ اس وقت جی چاہتا ہے اس مردود کو دو نیم کردوں مگر کس کے لیے حسن آرا ہماری دشمن سپہر آرا دوسرے کی بغل میں ہے اب ہم ان کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے۔

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا
ٹھنڈا ہے گرمجوشی افسردگی سے جی کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا

گہہ بیدماغی ہی گل تر بیرہن نما
ازبس دماغ چاک گریباں نہیں رہا

یا تو ہم اس قابل نہیں کہ ایسے معشوق کے سزاوار ہوں یا وہ اس لائق نہیں کہ ہم ایسے جوان کو معشوق مانیں بہرکیف شکر و شکایت دونوں کا ہمیں موقع ملا ہے مگر وصال کی تمنا دل سے نکل گئی۔

ناکامیوں سا گاہ گلہ گاہ شکر ہے
شوق وصال و اندوہ ہجراں نہیں رہا

محبوب جان نے مسکرا کر کہا۔ اے از برائے خدا ایسا نہ کرو وہ اس کو مجبور کرتی ہیں کہ ہم کو معشوق بناؤ ورنہ تم نہیں بناتے اے پھٹکار۔ کیا دل کو ڈھارس دیتے ہیں یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ انگور کھٹے ہیں۔ چلو بس چھٹی ہوئی۔ وصال کی تمنا نہیں ہونہہ! شہسوار نے کہا خوبصورت ہو معشوق ہو تیز طرار ہو۔ گل بدن ہو۔ جو چاہو کہہ لو۔

حسنت نمک آمیز لبت نیز چنین ست کان نمکی ہر چہ تو داری نمکیں ہست
ابروے تو دل دزدو محراب مرادست چشم تو رہ دین زندہ گوشہ نشیں ہست

محبوب جان۔ کس مزے سے کہتے ہیں تمنا نہیں رہی اب۔
شہسوار۔ جلے ہوئے کو اور جلانا کب جائز ہے۔
محبوب جان۔ ہمارے سامنے کسی اور معشوق کا ذکر۔

شہسوار۔ ہم تو صاف کہنے والے ہیں مگر یہ عورت سمجھ گئی ہے کہ تم مرد نہیں ہو عورت نامرد کے بھیس میں ہو، عجب نہیں کہ تاڑ گئی ہو۔

محبوب جان۔ تاڑنے والے تو ایک دم میں تاڑ جاتے ہیں۔

شہسوار۔ تم کو یوں ہی کہا فرض تھا، لاحول ولا۔

محبوب جان۔ شامت اعمال۔ ایک کام نہ کرو۔ میں پردہ نشین عورت ہوں اور تمہارے ساتھ ہوں ایک گاڑی کرایہ کر لو۔ ہم تم دونوں اسی پر بیٹھیں اور یوں ٹٹوؤں کی سواری پر الگ الگ کب تک چلیں گے اور کھل جائے گا کہ عورت مرد کے بھیس میں ہے۔

شہسوار۔ ہمارے تو حواس اس وقت بجا نہیں ہیں۔

بشنو ای ہجر الامان کسے | رحم بر حال من بیجان کسے
جانان غیر باش بگو جان کیستی | جانہا فدائے درد تو درمان کیستی

ہائے کیا مصرع کہا ہے۔ ع۔ جانہا فدائے درد تو درمان کیستی

محبوب جان۔ اب لوگوں سے باتیں نہ کرنا تم۔ محبوب جان کو تو کھٹکا ہو ہی گیا تھا کہ بی نسیجانی تاڑ گئی ہیں اور چونکہ شہسوار سے نفرت ظاہر کر چکی تھی اس کو یقین ہو گیا کہ وہ مخبری ضرور کرے گی شب کو کئی بار شہسوار کو سمجھایا کہ دیکھو یہ عورت بڑی بد ہے اس کی باتوں سے ہم تاڑ گئے مگر یہ بد بلا ہے۔ شہسوار اس وقت نشہ شراب میں چور تھا کہا ہر چہ بادا باد۔ اس وقت ہمیں دق نہ کرو کہہ کر محبوب جان کے ہاتھ جوڑے اور کہا جو کچھ کہنا ہو کل کہہ لینا آج ہمیں گانے دو۔

در شب ہجراں دلم از بسکہ غوغا می کند
بلبل سدرہ نشیں ہم آہ و نالہ می کند

مردۂ صد سالہ را بخشد حیات سرمدی | یار من وقت تکلم کار عیسیٰ مے کند

بر طپیدن ہائے بسمل گو بیداایں سفاک من
وہ چہ رقاصے کہ خیلے خوش تماشا می کند

محبوب جان۔ گاؤ اور بغلیں بجاؤ اور شراب میں لنڈھاؤ۔

شہسوار۔ اور تم اس وقت ہمارا مزہ کرکرا کر دیا۔

محبوب جان۔ بدی کا نتیجہ بد ہی ہوتا ہے بس افسوس۔

شہسوار۔ یہاں سے دو منزل نکل چلیں پھر راوی چین لکھتا ہے۔

محبوب جان۔ ان الجھنوں تو جانا بھی نظر نہیں آتا۔

شہسوار۔ سویرے سویرے یہاں سے نکل چلیں اور فوراً گاڑی کرایہ کریں اور دو آدمی ساتھ ہوں اور دو ادھر ادھر بغل بغل آگے پیچھے۔ بس مگر گاڑی کہاں مل سکتی ہے ایک راجپوت نے ہمراہیوں میں سے کہا حضور ہم موجود ہیں گاڑی تڑکے حاضر کریں تو جو چاہے سزا دیجئے۔ اس شخص کے پاس ایک تحصیل کی چپڑاس تھی جس پر (رو بکو) کا لفظ کندہ تھا اور تنا لباف کا منڈا سا بھی تھا سفید کپڑے پہنے۔ تنا لباف کا عمامہ باندھا چپراس لگائی ایک پٹھان کو ہمراہ لیا اور کہا حضور میں تو ان کو لے کر گاڑی پکڑنے جاتا ہوں اور سویرے تڑکے حاضر کروں گا۔ شب کو شہسوار اور محبوب جان نے آرام کیا دو آدمی خفیہ طور پر پہرے کے لیے مقرر تھے۔ صبح کاذب کے وقت ادھر سرا کا پھاٹک کھلا ادھر وہ لوگ گاڑی لے کر حاضر ہوئے۔ شہسوار نے اندھیرے میں جھٹ پٹ محبوب جان کو سوار کر دیا اور روانہ ہوئے گاڑی بان سے کہا گیا کہ میاں بیوی ہیں اور ان دو آدمیوں میں سے صرف ان دو کو ساتھی بنایا جو گاڑی لائے تھے شہسوار نے ریل کے ایک اسٹیشن کا نام بتایا جو وہاں سے دو منزل کے فاصلے پر تھا۔ گاڑی بان نے کہا بہت اچھا۔ مگر میرے مالک سے صرف ایک منزل کا اقرار کیا تھا۔ آپ مہربانی کر کے دو دن کا کرایہ دیجیگا۔

راستے میں شہسوار نے حسب معمول گاڑیبان سے گفتگو کی اور یوں باتیں ہونے لگیں، پوچھا تمہارا مکان کہاں ہے چودھری نے کہا حضور سلیم گڈھ میں مکان ہے کلام کا پوچھا یہ گاڑی تمہاری ہے یا کسی اور کی کہا ہمارے مالک کی ہے ہمیں پانچ سو روپیہ مہینہ دیتے ہیں۔ پوچھا شہر کی طرف کب سے نہیں گئے کہا ابھی پرسوں ہی گیا تھا ایک مہاجن کے ہاں کئی سواریاں لیکر یہ سمجھ گئے کہ اسی مہاجن کے ساتھ گیا ہوگا جس کے لوٹنے کی فکر ہوئی تھی۔ کہا شہر کی کوئی تازہ خبر کہو۔ اس نے کہا حضور اور سب جیسا کا تیسا ہے مل آجکل وہاں بڑا ہلڑ مچا ہوا ہے جس نے نواب کو مار ڈالا تھا وہ پکڑا گیا تھا۔ سو وہ جہل خانے سے بھاگ آیا ہے اور سب کو مارتا پھرتا ہے شہسوار نے پوچھا کیا گولی سے مارتا ہے یا لٹھ سے کہا حضور جان لینا ہے گولی تلوار لٹھ جو ملا مار ڈالا اور بھاگ گیا۔ انھوں نے محبوب جان کے چٹکی لیکر کہا معلوم ہوتا ہے بڑا بہادر ہے۔ کہا۔ نا حضور بھگوڑا ہے شسرا۔ مقابلہ نہیں کرتا کسی سے بھولے چوکے کو مار ڈالا۔ بس۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ سو ایسا آدمی بہادری کیا جانے۔ اب ہم چلے جاتے ہیں کوئی آن کے پیچھے سے گولی مارے یا ایک لٹھ دے تو سر پھٹ جائیگا مرجائیں گے۔ اس کی اس میں کیا بہادری ہے۔ بھلا بہادری کے یہ معنی کر سامنا کرے، مقابلہ کرکے

رہ نہ بھرنے والا نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ محبوب جان نے چٹکی لی اور ہاتھ کے اشارے سے ٹہایس اب تو شرمائیے شہسوار نے اس کے جواب میں چاہا کہ بوسہ لیں گے مگر محبوب جان نے منھ ہٹا لیا۔ شہسوار کئی بار خفیف ہو چکے تھے اور بھی جھیپے اور خفت مٹانے کے لیے یہ شعر پڑھا۔

ہے نہاں لطف و کرم چین جبیں کی تہ میں　　ہاں ڈھپی صاف ہے اک انکی نہیں کی تہ میں

اس مقام پر شہسوار کو اپنے سے خود نفرت ہو گئی۔ کہ جو ملتا ہے توہین ہی کے کلمے ان کی زبان پر لاتا ہے۔ کسی کی زبان سے بھی نہ نکلا کہ شہسوار بڑا سپاہی ہے اور گاڑی بان تک نے ان کی ہجو کی سب سے زیادہ شرم ان کو یہ آتی ہے کہ محبوب جان ان کے ہمراہ تھیں اور معشوق کے سامنے اپنی ہجو سننا سب کو برا معلوم ہوتا ہے مگر قہر درویش بر جان درویش۔ چلتے چلتے دوپہر کے وقت ایک باغ میں دم لیا، اور دوپہر یا منانے کے لیے ٹھہرے۔ منھ کو لپیٹ لپاٹ کر گاڑی سے اترے تو دیکھا کہ ایک مرد پیر زین پوش بچھائے گھاس پر بیٹھے کچھ پڑھ رہے ہیں۔ علیک سلیک کے بعد آپ بھی ان کے زین پوش پر بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔

شہسوار۔ کیا ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ دیوان ہے۔

پیر جی۔ ایک بیاض ہے۔ مجھے شعر و سخن کا عشق ہے۔

شہسوار۔ وہ تو ظاہر ہے۔ کہ سفر میں بھی ساتھ ہے۔

پیر۔ جہاں ہو یہ شغل ضرور رہے گا۔

شہسوار۔ کچھ اشعار آبدار ہمیں بھی سنائیے۔

پیر۔ امیر خسرو کا کلام سنیے۔ میں عاشق ہوں اس پر ؎

از دست تو دل کباب تا کے　　جان در طلبت خراب تا کے
در بحر غمت غریق گشتم　　ایں زندگی حباب تا کے
ظلم و ستم و جفا تا چند　　ایں عفتہ و ایں عتاب تا کے
آخر با ہجر او بسازم　　دل می کند اضطراب تا کے

شہسوار۔ مجھے اس غزل سے خود ایک قسم کا عشق ہے۔

پیر۔ اہا ہا ہا۔ کیا شعر کہا ہے کسی استاد بے بدل نے۔ ؎

تن عاشق ہمائے لا مکان ست
تو پنداری کہ مشت استخوان ست

اور سنیئے گا سبحان اللہ کیا کہا ہے واللہ ؎

تو باغ حسنی و صد عندلیب زار تراست | منم کہ خبر تو ندارم چو من ہزار تراست
مدام خون خورم از حسرت دو نرگس تو | شراب من خورم و چشم پُر خمار تراست

یہ اشعار سنیئے گا۔ قلم توڑ دیئے ہیں بخدا!

موبین و رخ ببین و لب جانفزا ببین | آن چشم مست وآن نگہ دلربا ببین
اجزائے حسن او ہمہ یک یک نگاہ کُن | وانگہ بیا و حال من مبتلا ببین

آپ کس دیار پر بہار سے آتے ہیں اور آپ کا شعار و سار کیا۔

شہسوار۔ خاکسار ملک میواڑ سے آتا ہے اور طالب علم ہے آج تک بجز طالب علمی کے اور کوئی شغل نہیں رہا۔

پیر۔ عربی کہاں تک دیکھی ہے۔ فارغ التحصیل ہو۔

شہسوار۔ طلب الکل فوت الکل۔ اور کیا عرض کروں۔

پیر مرد۔ انگریزی میں کچھ مداخلت ہے یا نہیں پڑھی۔

شہسوار۔ نہیں قبلہ مطلق نہیں صرف عربی فارسی۔

پیر۔ انگریزی میں کچھ مداخلت ہے یا نہیں پڑھی

شہسوار۔ نہیں قبلہ مطلق نہیں صرف عربی فارسی۔

پیر۔ ابھی آج ادھر سے دو آدمی قید ہو کر گئے ہیں اور برقنداز آتا ہے ہو گا سب مسافروں کی صورت سے حلیہ ملائے۔ خدا جانے کیا تباہی ہے۔ مگر بے گناہ پکڑے جاتے ہیں اور جس کی جستجو ہے اس کا پتا ہی نہیں لگتا اور وہ جس معشوق پر جان دیتا ہے اس کی طلب اور امید وصال میں کسی سے خائف نہیں ہے۔

داغ تو اگر شود خر بیدار
آرند چہ سینہ ہا بہ بازار

اور جب کہ اس کو معلوم ہوا ہے کہ سپہر آرا اس کے خون کی خواہاں ہیں یعنی چاہتی ہیں کہ وہ قتل کیا جائے اور اس کا خون کرے تب سے وہ اور بھی جان بکف ہے اگر معشوق کی یہی مرضی ہے تو بسم اللہ خون بہانا کون مشکل بات ہے۔

شہسوار کے ہوش اڑ گئے اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور لرزنے لگا پیر مرد نے پھر کہنا شروع کیا کہ حضرت خدا ہی خیر کرے مجھے اندیشہ ہے کہ مبادا مجھے کوئی گرفتار کر لے یا آپ دھر لیے جائیں۔ شتران را بسخرہ میگیرند کوئی یہ نہ کہدے کہ ایں ہم بچہ شتر است۔ اپنے اوپر آپ پھبتی کہنے کو جی چاہتا ہے۔ خدا ہی اس طوفان بے تمیزی سے بچائے۔

پیر مرد نے ان کو حقہ دیا اور کہا کہ ہم نے شہسوار کی نسبت بڑی روایتیں سنی ہیں اور یہ بھی ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اس نے کئی آدمیوں کو بالکل بے وجہ اور بے گناہ قتل کر ڈالا ہے۔ افسوس کا مقام ہے اور سنا کوئی محبوب جان نامی عورت سے اس سے رسم ہے اس کو لیکر نکل گیا ہے اور آج یہ خبر بھی مشہور ہوئی ہے کہ گاڑی پر سوار ہو کر اور دو سپاہی ساتھ لے کر محبوب جان کو ساتھ بٹھا کر بھاگا ہے۔ یہ فقرہ سنکر محبوب جان کے ہوش اڑ گئے۔ یہ گاڑی میں سے ساری داستان سن رہی تھی شہسوار کے ہوش غائب کہ یا الہٰی یہ کیا ماجرا ہے اور یہ پیر مرد بیانی سے اشعار کسی قدر آواز بلند پڑھنے لگے۔

میے گرد بر من گذر کیست ایں — فتاد آفتاب از نظر کیست ایں
ز شیریں شور گفتار او — نمک آب شد در سفر کیست ایں
ظہوری ہموری سفر میکند
گے آمدہ از سفر کیست ایں

شہسوار۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ دور جانا ہے۔
پیر۔ مجھے معلوم ہے آپ کو بہت دور جانا ہے۔
شہسوار۔ اس کے کیا معنی حضرت میں سمجھا نہیں مطلب۔
پیر۔ اس کا مطلب آپ خوب سمجھے ہوئے ہیں قبلہ۔
شہسوار۔ مگر۔ لیکن۔
پیر۔ اس کی سند نہیں ہے جو اس امر کے دم تک قائم رہیں۔
شہسوار۔ آپ نے شہسوار کو کبھی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔
پیر۔ خدا اس مردود کو غارت کرے اور ایسے بدمعاش پاجی کی صورت کسی بھلے مانس کو نہ دکھائے۔
شہسوار۔ ہاں ہے تو ایسا ہی جناب۔ آدمی شریر ہے۔
پیر۔ شریر نہیں صاحب ہزار پاجیوں کا ایک پاجی۔
شہسوار۔ اور سپاہی ہو کے یہ افعال اس سے سرزد ہوئے۔
پیر۔ سپاہی! لاحول ولاقوۃ سپاہیوں کا ننگ۔
شہسوار۔ یہ تمباکو حضور کہاں سے منگواتے ہیں۔
پیر۔ اب بات تو ٹالیے نہیں۔ میں بھی سمجھا ہوں۔
شہسوار۔ آہ سرد با دل پر درد سے بھر کر بصد حسرت)

ہزار حیف کہ گل کردہ بینوائی من
بچشم آبلہ آمد برہنہ پائی من

ببیر۔ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد۔ اس کو لازم تھا کہ جیل خانے سے بھاگا تھا تو کسی ایسے ملک میں جا کر بستا جہاں اس کو پہچانتا ہی نہ ہوتا کوئی۔ برعکس اس کے وہ مردود مطر دو ہمارے آپ کے پاس آجاتا ہے اور دیکھ لیجیے گا صبح و شام دھرا جائے گا۔ مگر ہم نے تحقیق طور پر سنا ہے کہ وہ بندیل کھنڈ کی طرف بھاگا ہے

راوی۔ سبحان اللہ اچھی گر بزیں ہیں اُستاد۔

شہسوار۔ ہاں یہ تو ہم نے بھی سنا تھا کہ بندیل کھنڈ گیا۔

ببیر۔ اور بندیل کھنڈ ہی کی طرف لوگ اس کو ڈھونڈھنے بھی گئے ہیں۔ یقین نہیں کہ گرفتار ہو کیونکہ اب اس نے اپنی ہیئت بدل ڈالی ہے۔

شہسوار۔ جی ہاں۔ سنا ہے آدمی بڑا گرارا ہے۔ مگر پست قد۔

ببیر۔ جی ہاں پست قامت ہے مگر کٹا پٹا بدن ہے۔

شہسوار۔ اور سنتے ہیں داڑھی بالکل سفید ہو گئی ہے۔

ببیر۔ بالکل سفید۔ بھویں تک سفید ہیں۔ بوڑھا ہے۔

راوی۔ شہسوار اس ہرٹک کو نہ سمجھے اور اب کسی قدر تردد رفع ہو گیا اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگے۔

شہسوار۔ عجب نہیں کہ بندیل کھنڈ میں گرفتار ہو جائے۔

ببیر۔ وہ بندیل کھنڈ نہیں۔ رہیلکھنڈ سہی۔ جہاں ہوگا۔

شہسوار۔ یہاں اس کو کسی نے دیکھا ہے یا کسی نے نہیں۔

ببیر۔ سنا ہے کہ کئی آدمی صورت آشنا ہیں اُس کے۔

شہسوار۔ حلیہ بھی چھپ گیا ہوگا۔ مشکل ہے بچنا۔

ببیر۔ اس کی محبوب جان تک کا حلیہ چھپ گیا ہے۔ وہ چڑیل کہاں بچ کے جائے گی۔ نکلی اور پکڑی گئی۔

شہسوار۔ محبوب جان اس کی منکوحہ بیوی ہے یا۔

ببیر۔ اجی ان بازاری عورتوں کا کون ٹھکانا۔ منکوحہ کیسی خدا جانے کون ہے۔ بازاری تو ہے ہی۔

جب کچھ دیر کے بعد شہسوار یہاں سے روانہ ہوتے تو اثنائے راہ میں ان کو ایک عجیب الخلقت آدمی ملا۔ پتنگ کی ٹوپی سر پر اور پاؤں میں کھڑاؤں اور ہاتھ میں لیموں کا ایک سوکھا ہوا درخت مع جڑ کے لیے ہوئے تھا۔ انھوں نے جو اس عجیب الحرکت کو دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑے اور محبوب جان سے کہا کہ تم بھی دیکھو انھوں نے پردے میں سے دیکھا تو یہ بھی بہت ہنسیں۔ اور شہسوار ان سے ہمکلام ہوئے۔

شہسوار۔ بندگی عرض کی کہیے ہمیں پہچانا یا نہیں۔

جواب۔ اخاہ بندگا مجاز سریپ آپ کا۔

محبوب جان۔ اے تم کیا سچ مچ اس کو پہچانتے ہو۔

شہسوار۔ نہیں دل لگی کرتا ہوں۔ خدا جانے کون ہے (اس کی طرف مخاطب ہو کر) کہیے اب تک کہاں رہے۔ میں آپ کا نام بھول گیا ہوں اس وقت کچھ اشارہ دیجیے تو شاید یاد آ جائے۔

جواب۔ اشارہ محبوب نام شیطان کی آنت۔

شہسوار۔ محبوب! میں ابھی نہیں سمجھا حضرت۔

جواب۔ میرا نام زین العابدین آغا طاہر الزماں محمد حفیظ الدین احمد حیدر قادر بخش بیگ عاشق محبوب جان حسین جہاں فخر حسینان گیہان نوجوان معشوقہ شہسوار۔ بزدل دوران۔

یہ جواب سنکر محبوب جان کے کان کھڑے ہوئے محبوب جان کے عاشق اور شہسوار کی معشوقہ اور شہسوار کو بزدل دوراں کہا۔ خیر فہمیدہ خواہد شد۔ اس میں کوئی لم ضرور ہے۔ محبوب جان نے آہستہ سے چٹکی لی اور کہا کچھ سنا بڑے غضب کی بات کہی۔ شہسوار کو یقین ہو گیا کہ کسی زمانے میں محبوب جان پر یہ شخص ضرور عاشق تھا۔ پوچھا۔ کیوں محبوب جان سچ سچ کہنا کبھی اس شخص نے تم سے عشق ظاہر کیا تھا۔ وہ قسمیں کھانے اور کہنے والے کو گالیاں دینے لگی کہ جانتا میں اس کی صورت تک سے واقف نہیں ہوں۔ یہ کوئی گوئندہ ہے اب تم اس وقت ہوشیار رہو ایسا نہ ہو اس کے ساتھ ادھر ادھر کچھ اور لوگ ہوں، سرا میں شیخانی ہم کو پہچان گئی تھی کہ عورت ہے اور آج اس زین پوش والے بوڑھے نے بھی صاف صاف کل باتیں بیان کر دیں اک ذری اتر پڑو۔ اور اتر کر دیکھو کہ ادھر ادھر اور تو کوئی نہیں ہے۔ شہسوار نے گاڑیبان سے کہا گاڑی روک لے ہم ذرا اتریں گے۔ اتر کر دیکھتے ہیں تو کوئی بھی نہیں۔ صرف وہ عجیب الخلقت آدمی ہے اور چاروں ہمراہی اغل بغل پٹکے پٹکے چلے آتے ہیں۔ اور دو ایک گاڑیاں چرخ چوں کرتی آ رہی ہیں اور دو چار مسافر بھی ادھر ادھر چلتے ہیں۔ گاڑی

پر شہسوار سوار ہوا اور محبوب جان سے کہا کہ کوئی بھی نہیں۔ وہم ہی وہم تھا۔ اتنے میں اس عجیب الخلقت آدمی نے پکار کر کہا او بھائی گاڑی والے مسافر ہمارے شعر سنو گے۔ انھوں نے کہا ہاں سنیں گے مگر ایسے ہوں کہ جی خوش ہو جائے۔ وہ بولا جی خوش ہوا تو کیا سر خوش ہو جائے کان و عادین۔ زبان سُنے۔ ناک داد دے۔ گردن ہلنے لگی۔ مگر ہم موزوں شعر پڑھنا جانتے ہیں۔ تم لوگوں کی طرح سے غیر موزوں اور سکتا شعر نہیں پڑھ سکتے۔ سنو۔

اک شہسوار مردِ بُزدل	قاتلِ شہزادہ ہمایوں فر
ملا ایک روز مجھ کو تادرخانہ	ہاتھ میں گاڑی پاس نشانہ
محبوب جان اندرون بغلش	گفتم کہ اے شہسوار اغلش
اترا گاڑی سے جستجو کے لیے	میں نے جھانسا دیا کہ کھا گئے

مندر میں کوئی براجے گی
گھڑی دو میں مرلیا باجے گی

محبوب جان نے یہ اشعار مضمون خیز سنکر شہسوار کی طرف دیکھا اور شہسوار نے محبوب جان پر نظر ڈالی اور ہمراہیوں میں سے جو شخص قریب تھا وہ یہ مضمون سنکر سرد ہو گیا۔ کہ یہ شخص تو بہت صاف صاف کہہ گیا مگر وہی ایک مڑک کے ساتھ۔ شہسوار سا لفظ بھی آیا۔ گاڑی کا بھی ذکر ہے۔ بزدل بھی کہا۔ شہزادہ ہمایوں فر کا بھی نام ہے۔ محبوب جان اور بغل کا تذکرہ بھی کیا اور پھر یہ فقرہ غضب کا کہد یا کہ دگھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ اس کے کیا معنی کہ گھڑی دو میں مرلیا باجے گی۔ دونوں کا رنگ فق ہو گیا اور شہسوار نے کہا افسوس ہے کہ باغ کو چھوڑ دیا۔ وہاں دل کا حوصلہ تو نکال لیتا۔

اب سُنیے کہ شہسوار اس قدر بدحواس ہوا کہ محبوب جان سے بے تکلف صاف صاف ان امور کی نسبت کل حالات بیان کر دیئے اور یہ خیال نہ رہا کہ گاڑی بان سن رہا ہے جب گاڑی بان کو انکی تقریر سے معلوم ہوا کہ یہی شہسوار ہیں تو فرمانے لگا یا الٰہی کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے اتنے میں دفعتاً محبوب جان کو خیال ہوا کہ چودھری سنتا جاتا ہے۔ اشارے سے دیکھا تو شہسوار نے دانتوں کے تلے انگلی دبائی۔

شہسوار۔ کہو بھئی گاڑی بان خاموش کیوں بیٹھے ہو؟

چودھری۔ بہرے بن گئے۔ جواب ندارد۔

شہسوار۔ ارے میاں چودھری او ہو ہو گاڑی بان۔

چودھری۔ جات نگریا میں بھولی ڈگریا اے جات نگریا۔

شہسوار۔ ایں! گاڑی بان بولتا نہیں۔ اُو۔

محبوب جان۔ اونچا سنتا ہے کیا۔ ذری پکارو تو اسے۔

شہسوار۔ (پردہ اٹھا کر) او گاڑی بان کیا بہرا ہے۔

چودھری۔ صاحب حکم۔ شام کے پہلے سرا پہنچے گا۔

شہسوار۔ (مسکرا کر) کیا تم اونچا سنتے ہو گاڑی بان۔

چودھری۔ ہجور۔ اب تو ہمارے بیل اس سے زیادہ اور کیا چلیں۔

محبوب جان۔ (قہقہہ لگا کر) اے ہے سچ مچ یہ اونچا ہی سنتا ہے۔

چودھری۔ ہجور دوئی گھری دن رہے سرا مل جائے گی۔

محبوب جان۔ چلو یہ بھی اللہ کو کچھ اچھا ہی کرنا منظور تھا کہ یہ موا بہرہ ہے نہیں تو آج اس کے ہاتھ بک ہی گئے ہوتے مگر آز مالو اچھی طرح اونچا سنتا ہے یا بنتا ہے ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں۔

چودھری صاحب اب کوئی دوئی بجے ہوں گے یا تین۔

محبوب جان۔ ارے دو بج گئے ہوں گے تیز تیز چل اب۔

شہسوار۔ کہتی کس سے وہ سنتا کس کی ہے۔ بہری بلا۔

محبوب جان۔ اگر سنتا ہوتو بڑی مصیبت پڑ جائے ہے نہ

شہسوار۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوۃ۔ اگر اس وقت یہ نہ معلوم ہوتا نہ کہ بہرا ہے تو میں آج رات کو ان کو قتل بھی کر ڈالتا۔ میں زندہ نہ چھوڑتا۔ یہ تو بائیں ہاتھ کا کرتب ہے جس وقت دیکھتا کہ نو دس بجے ہیں اور کنویں پر کوئی نہیں فوراً کہتا کہ پانی بھر لا۔ خود ساتھ جاتا اور ڈھکیل دیتا۔ اگر کوئی دوڑ پڑتا کہ کیا ہوا کیا ہوا تو صاف کہہ دیتا کہ پاؤں پھسلا اور کنویں میں گر پڑا۔ اور بہت کچھ افسوس کرتا۔

گاڑی بان نے جو اپنی اس گت کا حال سُنا تو کانپ اٹھا اور رہے سہے حواس بھی غائب غلہ ہو گئے۔ بد حواسی میں قصد کیا کہ شہسوار کے قدموں پر گر پڑے اور ہاتھ جوڑ کر کہے کہ عمر بھر کسی سے اس راز کا حال نہ بیان کروں گا مگر پھر سوچا کہ مبادا اس کا نتیجہ یہ ہو کہ جان جائے اس سے بہتر یہی ہے کہ بہرا بنا رہوں۔

شہسوار کو جب تسلی ہوئی تو محبوب جان کے خوش کرنے کے لیے آپ نے اشعار پڑھنا شروع کیا۔

دشنام بار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے بعد
حال سپہر تفرقہ پرداز دیکھنا
میری نگاہ خیرہ کھاتی ہیں۔ غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنش ناز دیکھنا
کشتہ ہوں اس کی چشم فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعویٔ اعجاز دیکھنا

محبوب جان نے مسکرا کر کہا اب ذرا دل کو ڈھارس ہوئی تو شعر خوانی کی سوجھی سچ ہے بےفکری بھی کیا چیز ہے مگر تم نے قدر نہ کی۔ افسوس۔ اگر اس قدر بدعنیں اور اتنے خون نہ کرتے تو ان ڈھاڑوں کا ہے کو پہنچتے۔ مگر خیر اب تو جو ہوا وہ ہوا۔ مجھ سے اس گمیدان نے کہا تھا کہ تم اُن کے سبب سے اپنی جان کی یوں دشمن ہوئی ہو سانٹھ چھوڑو مگر ؎

اثر ہوتا ہے کب ہم سے وفا داروں کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم خجلت تقریر تو کھینچو

شہسوار نے جواب دیا۔ سنو محبوب جان تمہاری وفاداری کا نقش تو ہمارے لوحِ دل پر مرقسم ہے۔ باقی ہماری بدعنیں یا جی پن کی باتیں ان کا ذکر کرنا فضول ہے۔ اس دنیا میں نہ کوئی جیتا بچا ہے نہ بچے گا اچھے بُروں میں کوئی باقی نہ رہے گا۔

آسمان فتنہ کچھ ایسا نہیں اہل جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا امان ہونے تک

محبوب جان نے آہ سرد کھینچی اور کہا سچ تو یہ ہے کہ ایسے موقع پر شاید میں خود ثابت قدم نہ رہتی اور چلی جاتی مگر دل گواہی نہیں دیتا کہ تم کو چھوڑ کر چل دوں کیونکہ تمہارے بغیر تو زندگی وبال جان ہو جائے گی اگر بھاگوں بھی تو بھاگ نہیں سکتی ہاں اتنا البتہ جانتی ہوں کہ تم سے جدائی ضرور ہوگی خدا مالک ہے جو اسکی مرضی ہو۔

ادھر یہ گفتگو ہوئی تھی ادھر گاڑی بان کو یہ سوجھی کہ بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر میں بول اٹھتا تھا۔ محبوب جان اپنی تقریر ختم ہی نہ کرنے پائی تھی کہ آپ پکار اٹھے (ہجر، چل تو رہا ہوں)، محبوب جان اور شہسوار دونوں ہنس پڑے۔

محبوب جان۔ اچھا ملا ہے کیسے ہی غم میں انسان ہو اُسکی باتوں سے غم غلط ہو جائے گا۔ یہ چونک

اٹھا ہے۔

شہسوار۔ ارے میاں چودھری کیا ہے۔ کہتے کیا ہو۔

چودھری۔ (جواب ندارد۔ بالکل سکوت اختیار کیا۔)

شہسوار۔ گاڑی بان۔ (پردہ اٹھا کر) ہوت!۔

چودھری۔ (چونک کر) کھداوند۔ دوئی گھڑی دن رہے۔ داکھل ہو جائے گا۔ بس ادھر چلے اُدھر داکھل۔ سرا میں ٹکیے چل کے۔

شہسوار۔ بھلا سرا میں دروازے بھی ہیں یا بس کھلی ہوئی ہے۔ پھاٹک ندارد۔ اچھی سرا ہے۔

چودھری۔ کون؟ ہم؟ ہم ہجور پلاؤ کہاں پائیں۔

محبوب جان۔ (قہقہہ لگا کر) بلی کے خواب میں چھیچھڑے ہی چھیچھڑے۔ پلاؤ کھانے کا جی چاہا ہے

چودھری۔ اور ہجور رہے شہر ہی میں ٹل گریب آدمی پلاؤ کھنا کیا جانیں۔ ہجور موٹی روٹی اور نون۔

شہسوار۔ کھا لیا اور پانی پی لیا اور لمبی تان کے سو گئے۔

چودھری۔ تان لگانا ہم کو نہیں آتا ہجور۔

محبوب جان۔ ہم نے جو کہا کہ لمبی تان کے سو گئے۔ تو سمجھا تان لگانے کا حکم دیتے ہیں۔ اب معلوم ہو گیا کہ اصل بہرا ہے۔

چودھری۔ (اپنے دل میں) بہرا تو ایسا ہوں کہ دو چار بہرے بنا کے چھوڑ دوں۔ ذرا سرا میں تو چلو۔

شہسوار۔ چودھری تم گدھے ہو یا آدمی ہو۔

چودھری۔ کیا ہجور۔ یہ بیل یہ ادھر والا ساٹھ روپے کو لیا تھا۔ ہجور ادھر والا پینتالیس[45] کو۔

محبوب جان۔ آگ لگے اس بہرے پن کو توبہ۔

غرض شہسوار اور محبوب جان کو قرین مصلحت ہوا کہ سرا میں محفوظ طور پر دو چار دن رہ کر کسی خاص شہر میں قیام مستقل کی فکر کریں۔ گاڑی بان اس اثنا میں بہرا ہی بنا رہا اور اس کے لیے مقتضائے مصلحت بھی تھا۔ ورنہ شہسوار خونخوار ہٹیک اور بلا شبہ اس کو تہ تیغ کر ڈالتا جب اس کو معلوم ہوا کہ شہسوار مع اپنی معشوقہ طرحدار کے دو چار روز سرا ہی میں قیام کرنے والے ہیں اس کو خوف ہوا کہ مبادا کسی روز ان پر کھل جائے کہ یہ بہرا نہیں ہے تو فوراً قتل کر ڈالیں۔ لہٰذا اس نے جس سے گفتگو کی بہرا ہی بنا رہا۔ بھٹیاری سے گفتگو ہوئی تو بھی دو چار مرتبہ آم کے عوض املی

اور املی کے عوض آم اناپ شناپ بکنے لگا یہاں تک خوف دامنگیر تھا جس سے ملا بہرا ہی بن کے ملا۔

اب سنیئے کہ وہ پیر مرد جو شہسوار کو راہ میں ملا تھا سرا ہی میں انہیں کے قریب آن کے ٹکا۔

محبوب جان نے شہسوار سے کہا اب مفر کی صورت نہیں ہے یہ شخص پھر ہمارے ہی پڑوس سرا میں آن کے فروکش ہوا ہے اور ہمیں خوف ہے عجب نہیں ہے کہ یہ شخص پولس کا آدمی ہو اور بھیس بدل کر آیا ہو۔ شہسوار کے ہوش اڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد پیر مرد کے قریب جا کر کہا آپ سے ہمیں کچھ تخلیے میں عرض کرنا ہے۔

پیر۔ بسم اللہ یہاں بھی تخلیہ ہی ہے فرمائیے نا۔

شہسوار۔ آپ کون صاحب ہیں اور یہاں کیا کام ہے۔

پیر مرد۔ بس وہی ہوں، جو آپ ہیں دونوں مسافر۔

شہسوار۔ میرے اور آپ کے سفر میں بہت فرق ہے۔

پیر مرد۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا۔ وہ فرق کیا ہے۔

شہسوار۔ میں آدمی ہوں زبردست، اور ظالم، اور سفاک، اور ہتھ چھٹ، اور آپ ضعیف اور بوڑھے اور کم طاقت آدمی۔

پیر مرد۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میں اب حاضر ہوں۔

شہسوار۔ (مسکرا کر) ہاں یہ خم و دم!

پیر مرد۔ میں تو پیر خیفر ہوں اور آپ جوان طاقت ور میرا آپ کا مقابلہ کیا مگر دل تو ہے اب اس بارہ میں زیادہ گفتگو نہ کیجیے۔ بیکار طول دینا فضول ہے۔

شہسوار۔ طول دینا کیا معنی میں آپ کو ٹھیک بناؤں گا ممکن نہیں کہ آپ کی قرار واقعی مرمت نہ کروں۔ مگر خیال فقط اس قدر ہے کہ آپ پیر مرد ہیں، ورنہ اگر کوئی برابر والا اور جوان ہوتا تو ابھی دم کے دم میں نہ تیغ کرتا، تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ تم بوڑھے آدمی ہو۔

پیر مرد۔ اگر آپ کو اپنی طاقت اور سپہ گری پر اس قدر زعم ہے تو بسم اللہ بندہ اب حاضر ہے۔ مگر اس سے زیادہ کیا فائدہ۔

شہسوار۔ ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ آپ ہمارے دشمن جانی ہیں اور آپ اس سبب سے ہمارے ساتھ ساتھ رہتے ہیں کہ کسی وقت ہم کو زک دیں اور یہ امر محال ہے۔ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے دب

کے رہیں اور سپھر جبکہ ہم اس قدر گرار سے جوان ہیں اور آپ اس درجہ پیر نانواں۔
پیر مرد۔ ذرا مجھ سے ہاتھ تو ملایئے آیئے بسم اللہ۔
شہسوار۔ (ہنسکر) کیا ہاتھ پاؤں تڑوانے کا جی چاہتا ہے، قضا کھیلتی ہے۔ شامت آئی ہے۔ تو اور ہم سے ہاتھ ملائے۔

بُت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

پیر۔ اچھا ہاتھ تو ملاؤ۔ ہمارا کس تو آزماؤ۔
شہسوار۔ (ہاتھ ملاکر) یہ پنجۂ اجل ہے۔ توڑ دوں۔
پیر مرد۔ اگر تمہارے امکان میں ہے تو بسم اللہ۔
شہسوار۔ مجھے اب بھی تیری حالت پہ رحم آتا ہے۔
پیر مرد۔ اب یہ بتاؤ تم زور کروگے یا نہیں۔
شہسوار۔ (مسکراکر) نہیں پہلے آپ ہی زور کریں۔
پیر مرد۔ اچھا پھر یوں ہی سہی اجازت۔؟

یہ کہہ کر پیر مرد نے ذرا زور کیا تو شہسوار کی انگلیاں توڑنے لگیں تب تو یہ بھی سنبھل بیٹھے اور زور کرنے لگے مگر جس قدر زور کرتے تھے اسی قدر مغلوب ہوتے جاتے تھے۔ پیر مرد نے کہا۔ ناحق مجھ سے جھگڑتے ہو میں انگلیاں توڑ کے رکھ دوں گا مجھے کوئی ایسا ویسا نہ سمجھنا گو بوڑھا ہوں مگر تم ایسے لونڈوں کو ہزاروں میں نیچا دکھا سکتا ہوں یہ کہہ کر پیر مرد نے زور کرنا چھوڑ دیا۔ اور کہا بس اگر ہوس ست ہیں قدر بس است۔

شہسوار نہایت ہی خفیف ہوا اور سخت متحیر تھا کہ یا الٰہی یہ اس قدر ضعیف اور مسّن ہو کر اس درجہ طاقت ور ہے۔ اب ان کے رہے سہے حواس اور بھی غائب ہو گئے کہ اگر مقابلہ کرتا ہوں تو بھی یہ شخص غالب رہے گا۔ اُٹھے اور بکمال ندامت اپنی قیام گاہ میں جاکر بیٹھے۔

محبوب جان۔ کیا باتیں ہوئی اس بوڑھے سے۔
شہسوار۔ فرط خجالت سے زبان بند ہو گئی۔
محبوب جان۔ آخر یہ یہاں تمہارے پیچھے پیچھے کیوں آیا۔
شہسوار۔ خدا جانے کیا سبب ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہم نے تو کہا تھا کہ شہر جاتا ہوں۔ اب یہاں

دیا نے پھسلایا۔

محبوب جان۔ آخر تم نے کچھ بات چیت کی یا نہیں۔

شہسوار۔ وہ تو ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہے سنتا کس کی ہے۔

محبوب جان۔ جہاں تم نے اور صد ہا آدمیوں کا خون کیا اس کو بھی قتل کر ڈالو۔ ہماری تو یہی آرزو ہے۔ ایسے شخص کا ساتھ رہنا ہر گھڑی خطرے میں جان ڈالنا ہے۔

شہسوار۔ نواب اُلو بنائے ہوئے تھا۔ یہ کیا کہتا کہ پیر مرد سے ہاتھ ملاتے ہی انگلیاں ٹوٹنے لگیں۔ محبوب جان کے سامنے کرکری ہوتی۔ خاموش ہو رہا اور کہا اس وقت سونے کو جی چاہتا ہے۔ رات بھر جاگتا گیا ہوں۔ یہ کہہ کر سو رہا۔

ادھر پیر مرد نے اشارے سے گاڑی بان کو بلایا اور کہا ہم تم سے ایک بات پوشیدہ طور پر کہنے والے ہیں اگر مانو تو بہتر ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے اور اگر تم نے اس شخص کو اطلاع دی تو مفت قتل کیے جاؤ گے۔ اول تو یہ بتاؤ کہ یہ آدمی کون ہے اور تم کو کہاں ملا اور تم اس کو کیسے جانتے ہو۔ یہ گاڑی بان بولا۔ صاحب ہم تو یہ دو آدمی پکڑ لائے وہ جو سامنے بیٹھا روٹی پکاتا ہے، اور دوسرا یہ جو ادھر لیٹا ہوا ہے مگر مجھ کو کچھ دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔

پیر مرد۔ ارے بد بخت تو بھی ان کے ساتھ راندا جائے گا۔ اب بھی سویرا ہے بھاگ جا گاڑی لیکے۔

گاڑی بان۔ حضور یہ جبردست ہم غریب آدمی ہیں۔

پیر مرد۔ ہم تم کو مدد دیں گے اور تم ابھی ابھی جاؤ۔

گاڑی بان۔ حضور ایسا نہ ہو کہ ہم کچھ کہیں اور وہ مار چلیں۔ جو حضور مدد دیں تو میں لڑوں۔

پیر مرد۔ ابے مدد کیسی تو گاڑی لے کے بھاگ۔

جب شہسوار کے ہمراہیوں نے دیکھا کہ پیر مرد آہستہ آہستہ گاڑی بان سے باتیں کر رہا ہے تو ان کے دلوں میں کھٹکا پیدا ہوا کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے اس کا سبب کیا ہے کہ اس قدر آہستہ آہستہ باتیں ہوتی ہیں۔

ایک پٹھان نے فوراً شہسوار کو جگایا اور کہا اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ یہ بوڑھا جو ہمارے والی کوٹھری میں گرد فر کے ساتھ ٹکا ہے گاڑی بان سے باتیں کر رہا ہے اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی کے بارے میں ذکر تھا۔ شہسوار نے کہا گاڑی بان تو بہرا ہے جب تک زور سے باتیں نہ کریں ممکن نہیں کہ کچھ سن سکے اگر با آواز بلند اس نے گفتگو کی تو تم بخوبی سن سکتے تھے اور اگر ہمیشہ آہستہ آہستہ بات چیت ہوئی تو یہ کیونکر سن سکتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ زور سے باتیں کرتا لہٰذا ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا معاملہ ہے پٹھان نے کہا اور سب سے بھی آپ دریافت

کر لیجیے کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط۔ یہ شخص ہرگز بہرا نہیں ہے صرف بنتا ہے۔ شہسوار نے اس بات کو باور نہیں کیا۔

اب سنیے کہ شام کو دو مسافر پیادہ پا سرا میں آئے اور ان کے ساتھ دو گھوڑے پیچھے پیچھے اور دو گاڑیاں جن میں سواریاں تھیں یہ بھی شہسوار کے قریب اترے۔ ان میں ایک شخص جو بڑا گراں ڈیل جوان اور گرارا اور خوشرو نہاڈھا باندھ کر شہسوار کے پاس آیا اور باہم لطف و مذاق کے ساتھ دونوں مسافروں میں گفتگو ہونے لگی۔ شہسوار اور مسافر دونوں خوش مذاق اور لائق آدمی تھے۔

مسافر۔ سرا میں جی گھبراتا ہے کہ کس سے بات چیت کریں اور رات کیونکر بسر ہو۔ سرا کی راتیں پہاڑ ہو جاتی ہیں۔

شہسوار۔ دلبر ہم خوابہ کے بغیر لطفِ زندگانی نہیں ہے۔

مسافر۔ (مسکرا کر) سرا میں دلبر ہم خوابہ! معقول! جیسی روح ویسے فرشتے معاف فرمایئے گا۔

شہسوار۔ واللہ میں ایسے بذلہ سنج احباب سے خوش ہوتا ہوں اور میں خود بھی بے تکلف آدمی ہوں۔

مسافر۔ اسم مبارک جناب کا دریافت کر سکتا ہوں۔

شہسوار۔ خاکسار کو محمد عطاء اللہ خان احمدی کہتے ہیں۔

مسافر۔ بہت چھوٹا سا نام ہے آپ کا۔ بالکل ذرا سا۔

شہسوار۔ حضور کا اسم شریف بھی ایسا ہی کچھ ہوگا۔

مسافر۔ بندے کو نوازش علی کہتے ہیں۔ متخلص فرقتؔ

شہسوار۔ آپ شیخ سید مغل پٹھان کیا ہیں اور۔

مسافر۔ جی بندہ مظلوم ہے ظالم سے خدا سمجھے۔

شہسوار۔ اخاہ آپ سادات ہیں آیئے مصافحہ کر دوں۔ سادات کرام کی تعظیم واجبات سے ہے۔

مسافر۔ ہاں اگر خدا توفیق نیک عطا کرے تو۔

شہسوار۔ آپ نے ورزش بہت کی معلوم ہوتا ہے۔

مسافر۔ جناب وہ دن گئے وہ جوش جوانی اب کجا۔

شہسوار۔ یہ کیوں آپ ابھی پورے بیس بائیس برس کے ہوں گے۔ آپ کا سن ہی ابھی کیا ہے۔

مسافر۔ ورزش سے ہمیں کیا سروکار۔ مولوی آدمی۔

شہسوار۔ آپ نے شہسوار کا ذکر بھی سنا ہے۔ سُنا ایک باغ میں خوب جشن کر رہا ہے شہرا؟

بھی ہے۔ معشوق بھی ہے اسباب بھی ہیں باغ کو پرستان بنا دیا ہے۔

مسافر۔ شہسوار وہ جو نام ہمایوں فر تھا حضرت، حق تو یہ ہے کہ وہ بلا کا آدمی پرکالۂ آتش ہے اس کا ثانی یہاں کوئی نظر نہیں آتا سپاہی آدمی ہے۔

شہسوار نے جو اپنی تعریف ایسے بانکے اور کرارے آدمی کی زبانی سُنی تو باغ باغ ہو گیا اور ان کو حقہ دیکر فوراً محبوب جان کے پاس گیا اور کہا تم تو ہم کو للکارا کرتی تھیں کہ لوگ تم کو لیٹرا اور بدمعاش کہتے ہیں اب ایک سپاہی اور بانکے آدمی کی زبانی سُن لو کہ کیا کہتا ہے محبوب جان نے مسکرا کر کہا ہیں سن رہی تھی ایسا اسی کی زبانی تمہاری تعریف سنی باقی تو اور کسی نے بھی تعریف نہیں کی۔ شہسوار اُن کو قسمیں دیکر اس شخص کی تقریر غور سے سُنتا باہر آئے اور آتے ہی کہا حضرت آپ تو اس مرد کے مداح معلوم ہوتے ہیں، مگر یہ بتایئے کہ سفاک کس درجہ ہے۔ مسافر نے کہا حضرت اس میں کیا شک ہے مگر اس کی سپہ گری اور بانکپن اور جوانمردی میں کوئی شخص شک نہیں کر سکتا ہزاروں آدمیوں کی صفوں میں گھس پیٹھ کرکے قتل کرنا دل لگی نہیں ہے اس کے علاوہ جس مقام پر گیا کامیاب ہی آیا جو کام کیا سرخروئی کے ساتھ کسی امر میں ہم نے اس کو دب کے رہتے نہیں دیکھا بڑا جیالا آدمی ہے۔ اب تو بالفعل کوئی لڑکا جواب دینے والا نظر نہیں آتا آپ نظیر ہے ثانی نہیں رکھتا۔ مسافر نے شہسوار کے دل میں جگہ کرلی اور کہا کہ اگر آپ کے خلاف نہ ہو تو از راہ نوازش آپ یہیں رہیں۔ ع

ع۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

ہم سے اور آپ سے خوب بنے گی اور ہم آپ کو کچھ پیچ ایسے سکھلا دیں گے کہ عمر بھر یاد کیجیے گا۔

مسافر نے جھک کر آداب عرض کیا اور کہا اگر مجھے سکھانا چاہتے ہو تو میں بڑے شوق سے ہمراہ رہوں گا۔

شہسوار۔ اچھا آؤ ایک پیچ تو اس وقت بتاتے ہیں۔

مسافر۔ اب اس وقت تو رہنے دیجیے یہ کون موقع ہے مگر یہ فرمایئے کہ آپ ہمایوں فر کے طرفدار ہیں یا شہسوار کے اور مجھ سے قسم کھایئے کہ آپ سچ امر حق بیان کریں گے۔

شہسوار۔ ذرا تامل کرکے، ہم کسی کے طرفدار نہیں۔ اچھا آؤ یہاں ایک پیچ سیکھتے جاؤ۔

یہ کہہ کر مسافر اور شہسوار میں باہم داؤں پیچ ہونے لگے۔ اور مسافر نے اس زور کا پیچ کا نٹھا کہ شہسوار کے ہوش اُڑ گئے۔ جب مسافر نے دیکھا کہ شہسوار میرے قابو میں آ گیا تو سیٹی بجائی اور سیٹی کی آواز سنتے ہی سو آدمی بھڑ بھڑا کے ٹوٹ پڑے۔ لینا لینا مار لیا ہے۔ جانے نہ پائے گرفتار

گرلو، جاتا کہاں ہے۔ وہ مارا خوب جان دہ سے مشکیں کس لو۔ پیر مرد نے قہقہہ لگایا بی تیمانی بھی ایک
کونے سے نکلیں، اس کے چاروں ہمراہیوں نے جو یہ کیفیت دیکھی تو ان کی جرأت نہ ہوئی کہ مدد دیں۔
سوچے کہ اب مدد دینا اور معین ہونا بیکار ہے لہٰذا خواہ مخواہ اپنی جان کا دشمن ہونا اس سے کیا فائدہ
دونوں بھاگ گئے اور باقیماندہ دونوں پکڑ لیے گئے گارڈ بان بھی خوش ہوا اور کمال مسرت
کے ساتھ کہا کہ آج میری آرزو بر آئی۔

انکو گرفتار کرکے اہل پولس لے چلے اور مسافر نے محبوب جان محبوب جاناں کہہ کر پکارا اور رحم کرکے
پیچھے سے اس کو رہا کر دیا۔

شہسوار نابکار کا پھانسی پانا

دست در آغوش با شمشیر و خنجر میکند — شاہد ہمت در عقد کسے کردے جہد
گردگارش در جہاں سردار و سرور میکند — آنکہ پا را بر سر ناز و تنعم می نہد - !
بادشاہی در چمن دادند گل را زانکہ گل
باوجود نازکی از خار سر بر میکند

مبارز صف شکن۔ شجاع روئیں تن آزاد پاشا کی بہادری اور جرأت کا آوازہ چار دانگ ہندوستان بلکہ تمام آفاق میں یوں ہی بلند تھا اب اس شجاعت سے اور بھی جہت شہور قطار جہاں میں منتشر ہوا کہ سرہنگ عیار پیشہ اہل فتنہ و شر کے سردار گرانمایہ شہسوار عیار کو بآسانی تمام و جرأت مالا کلام اس طرح گرفتار کر لیا جیسے عقاب کسی ادنے سے جانور کو دبوچ بیٹھے یا شہباز کسی طائر کمزور کا شکار کرے۔

اب ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ جس مسافر پیلتن مرد شیر افگن نے شہسوار سے پیچ سیکھتے ہوئے عین شاگردی کی حالت میں اس مکار جفا پیشہ پر پیچ کیا تھا اور اس کو نیچا دکھایا وہ آزاد پاشا ہی ہیں۔ گو شہسوار کی گرفتاری بمقابلہ معرکہ ہائے رزم و نبرد آرائی میدان حرب کوئی وقعت نہیں رکھتی، مگر چونکہ اس مردم آزار کی ڈاکہ زنی میں جبر و تشدد ہوا تھا اور جیل خانے سے باوصف حزم و احتیاط پاسبان سرکاری بڑی بہادری اور عیاری کے ساتھ نکل بھاگا تھا اور مرزا ہمایوں فر فریدوں کرے شہزادہ جمجاہ ثریا بارگاہ کو عین برات میں بیرحمی سے قتل کیا تھا اور باغ میں برقندازوں کو تہ تیغ کرکے ان کی لاشیں کنوئیں میں ڈال دیا تھا اور ساری خدائی کو اس کی جستجو تھی لہٰذا آزاد پاشا کا بڑا نام ہوا، شہسوار کو انتہا کا ملال تھا کہ گرفتار بھی ہوئے تو رقیب کے ہاتھوں۔ اور آزاد

ہمامے میں پھولے نہیں سماتے تھے کہ سپہر آرا کے پیارے ہمایوں فر کے قاتل اور اپنے رقیب اور عدوے دلی کو مغلوب کیا۔ حسن آرا انتہا سے زیادہ محظوظ و فرحناک ہوتی ہوں گی کہ شہسوار کو جو ان کے نامدار سما اتنا بڑا مہیب دشمن تھا ہم ہی نے گرفتار کیا۔ ان خیالات سے آزاد اور بھی زیادہ خوش ہوتے تھے اور شہر بھر میں دھوم پڑی تھی کہ فتح و نصرت آزاد کی ڈو خانہ زاد لونڈیوں کا نام ہے۔ جہاں گئے فتح پائی جس پر حملہ کیا اس کی شامت آئی ؎

ہر کجا عزم جہانگیرش گراں ساز د رکاب　　　فتح و نصرت را بداں جانب بگ گردد عیاں

رمح دولت پرورش را ملک و ملت در پناہ　　　تیغ نصرت گسترش را دین و دولت در امان

آزاد نے اس مرد عیار و مکار قاتل شہزادہ جم اقتدار یعنی شہسوار نابکار کی طرف مخاطب ہو کر باواز بلند بہ دبدبہ شوکت کے ساتھ کہا۔ کیوں دوسری بار پھر مغلوب کیا اور اب کی ایسا نیچا دکھایا کہ تمام عمر پنپنے نہ پاؤ گے میدان خارزار معرکہ حرب و پیکار میں ہماری تیغ الماس بار دشمن کے خون کی پیاسی ہو جاتی ہے اور فتح پتہ پوچھتی دوڑی آتی ہے میدان جنگ میں گرز گراں سنگ اور توپ و تفنگ ہمارا نام سنتے ہی لرزنے لگتے ہیں۔ جاندار اور بیجان دونوں کانپ اٹھتے ہیں روز مصاف از روس تا کوہ قاف زلزلہ آ جاتا ہے کہ آزاد پاشا تیغ شرر بار سے جان عدو پہ آگ برساتا ہے۔

یکا یک تیغ زن چون نرگس باز　　　سراسر صف شکن چوں زلف دلدار

ولایت گیر چون حسن حسینان　　　غبار انگیز چون جوہر رقیبان

ہمہ چوں شعلہ ہائے عشق جاں سوز　　　ہمہ چوں غمزۂ دل برجگر دوز

ہمہ چوں چشم خوباں فتنہ انگیز

ہمہ خوں بحر مرداند از و خوں ریز

اب تجھے معلوم ہوا ہو گا کہ حسن آرا نے مجھ کو تجھ پر کیوں ترجیح دی ہم وہی ہیں جس نے تم کو پیشتر بھی ذلیل کیا تھا اور اب پھر خفیف کیا۔ ہم شجاعت کے نہنگ۔ بحر آشام ہیں تم ڈاکو چور مبتذل حالت کے آدمی۔ کجا مرد میدان کجا دزد بے ایمان کہاں سپاہی کہاں چور۔ ہم معرکے لڑے ہوئے۔ جنگ آزما صف شکن۔ تو مردم آزار بیرحم چوٹٹا۔ ہمارا تیرا مقابلہ کیا۔ شہسوار بیچارہ گربہ مسکین بنا ہوا چپ چاپ بیٹھا سنتا جاتا تھا اتنے میں ایک شخص نے انسپکٹر سے کہا حضور اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ مگر ہلڑ میں کہیں بھاگ گئی۔ اسی کی بدولت گئی برقندازوں کی جان گئی۔ آزاد نے انسپکٹر سے بیان کیا کہ مطلب تو اس مرد کے سے تھا اس کو ہم نے گرفتار کر لیا اس وقت اگر

اس کے ہمراہ سو آدمی بھی ہوتے تو کیا کر سکتے تھے مگر میں نے جو دیکھا تو سرا کی کوٹھری میں اس کے ساتھ صرف ایک عورت تھی اس عورت کو دیکھتا ہوں تو سبحان اللہ چندے آفتاب چندے مہتاب اس طرح کہ ملیح عورت آج تک نظر سے نہیں گذری جوانی پھٹی پڑتی ہے اور شوخی کا وہ عالم ہے کہ چل بلے پن کے سبب سے ذرا قرار نہیں اس حالت میں بھی بجلی کی طرح چمکتی تھی. گو یہ معلوم ہوتا تھا کہ برق شرر افشاں میں طرارہ بھر رہی ہو رہی اور زبان ایسی شستہ و رفتہ اور صاف کہ الاماں الاماں ایک لفظ ایسا نہیں کہ گالی سے خالی ہو۔ بات بات پر گالی اور چمک چمک کر ہاتھ پھیلا پھیلا کے مجھے اور سرکاری پیادوں کو گالیاں دیتی تھی مجھے اس کی حالت زار پر رحم آیا اور میں نے چھوڑ دیا۔ اس قدر البتہ کہد یا تھا کہ تمھارے حُسن ملیح نے اس وقت ہمیں چوندھیا دیا، فقط حسن کی بدولت چھوڑے دیتے ہیں مسکرا کر کہا۔ از برائے خدا اس جوانِ رعنا کے صید مصائب نہ کرو۔ میری روح پر صدمہ ہے۔ اس ادائے دل ربا سے بیان کیا کہ مجھے اور بھی رحم آیا اور رگ ترحم جوش زن ہوئی۔ مگر سوچا کہ اب اس کے ساتھ زیادہ رعایت کرنا دلیل جبن ہے۔ وہ سپاہی کیا جس کے مزاج میں سفاکی کے ساتھ بیرحمی نہ ہو۔

محبوب جان۔ آپ جانیے ایک ہی عیار لگی لگاوٹ بازی کرنے ، حق تو یوں ہے کہ ایسی آہو نگاہ آج تک نظر سے نہیں گذری۔ اس طرح کی باتیں کیں کہ دل ہاتھ سے جاتا رہا۔

محبوب جان۔ خدارا ذرا رحم کرو اللہ جانتا ہے جاتونِ جنت کی قسم عمر بھر لونڈی ہی رہوں گی۔

میں۔ محبوب جان ہم لوگ قلعہ شکن اور صف شکن نہیں ممکن کیا کہ کوئی زن حسینہ و ملیحہ ہمارا دل ہم سے چھین سکے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اس وقت شہسوار کے تکے تکے اڑا دیتا مگر ہم تو سپاہی ہیں۔ جو شخص اپنے پنجے میں آگیا اس پر کیا ظلم کرے۔

به بازوان توانا و قوت سر دست

خطاست پنجہ مسکیں و ناتواں بشکست

محبوب جان۔ اگر رنگین مزاج اور چمن طبع ہوتے تو اس وقت شہسوار کو پھنسا کر ہمیں اپنے گھر ڈال لیتے مگر تم آدمی روکھے پھیکے معلوم ہوتے ہو۔

میں۔ محبوب جان قسم خدا کی تمھاری باتیں سن سن کے بے اختیار جی چاہتا ہے کہ دو گال ہنس بول لیں مگر فرض منصبی اسی کا مقتضی ہے کہ تم کو بھی ان کے ساتھ گرفتار کریں۔

محبوب جان بسم اللہ۔ مگر ایک شرط سے۔ ہم اور شہسوار قید خانہ میں بھی ساتھ رہیں۔ ہائے اگر اس طرح کا حکم ہو تو خدا سے دعا مانگیں کہ بار الٰہا ہم کو بھی شہسوار کے ساتھ قید نصیب ہو، ورنہ

درد ہجر اور صدمۂ جدائی مار ڈالے گا۔

بین۔ بس اب لے چلو گرفتار کرکے لے چلو۔ محبوب جان خدا کے لیے کسی طرف سے بھاگ جاؤ۔ ہائے ستم۔ وائے ستم غضب کرتی ہو ہمارا کہا نہیں مانتیں۔ خواہ مخواہ کے لیے اپنے کو مصیبت میں ڈالتی ہو۔ فوراً قید ہو جاؤ گی۔ یہ جوبن اور یہ جوش جوانی سب بالائے طاق رہے گا۔

محبوب جان۔ ہائے میں کیا کروں اور کیونکر دل کو تسکین دوں اور شہسوار کی جدائی کس طرح گوارا ہو۔

بین۔ اے ہے شہسوار کی جدائی تو اب لابدی ہے۔ کیا عمر بھر تمہارے ساتھ رہے گا۔ اب تم الگ وہ الگ۔

محبوب جان۔ خیر خدا حافظ ہے۔ مگر آزاد جی نہیں چاہتا۔

بین۔ دیوانی ہو۔ کوئی اور مرد خوبرو تجویز کرو۔

محبوب جان۔ اے توبہ کیا مجال یہ تو ممکن ہی نہیں۔

بین۔ پھر پچھتاؤ گی اور جوانی خراب جائے گی۔

محبوب جان۔ اب خرابی میں کیا رہ گیا ہے تباہ ہو گئی۔

بین۔ ہماری صلاح تو یہ ہے کہ کوئی خوبصورت آدمی تلاش کرو اور اس سے تعلق کر لو۔

محبوب جان۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کر) پھر تم سے زیادہ اور کون ہے۔ تم شہسوار سے کسی امر میں کم نہیں ہو۔ جرأت میں شجاعت میں مردمی میں۔

بین۔ خیر اس عنایت سے تو مجھے معاف رکھیے۔

محبوب جان۔ اچھا اب کب تک سر مغزن کروں۔ ہر چہ بادا باد مگر جب کبھی ذرا بلوائیں تو الیا نہ ہو کہ آپ کے مزاج ہی نہ ملیں۔

بین۔ ہاں اگر اس قدر معلوم ہو گا کہ گورنمنٹ کو تمہاری تلاش نہیں ہے تو ہم کبھی ملا کریں گے۔ مگر وضع کے ساتھ۔

یہ کہہ کر آزاد نے کہا خدا حافظ اور شہسوار گرفتار ہو کر اہل پلس کی حراست میں چلے۔ ادھر محبوب جان، ہماں قلق و انتشار میں بصد حسرتِ حرماں سرائے سے روانہ ہوئی اور شہسوار کی حالت زار دیکھ کر ٹھنڈا ٹھنڈا آنسو زار زار روئی۔ شہسوار نے آہ سرد بھری اور آزاد پر نظر قہر آلود ڈال کر دانت پیسنے لگا۔ اس کے جواب میں آزاد نے کہا اب دانت پیس پیس کے رہ رہ جاتے ہو اس وقت میں ہمیں ہیچ سکھاتے تھے سچ کہنا ہوٹ کو بھی خدا نے کیا رتبہ بخشا ہے۔ نشان خدا آپ اور ہم سے پکپتی کی لین سے

اَلسیفُ والخنجر ریحانُنا
اُفٍ علی النرجس والآس
شرابنا من دم اعدائنا
وکاسنا جمجمۃ الراس

اور ہم نے آج تک سنا ہی نہیں کہ بد وضع بدکردار بے ایمان آدمی ان لوگوں پر غالب آئیں جو سچے شجاع ہیں الملک والایمان توامان۔ کشور کشائی کے لیے صدقِ دل اور نبرد آزمائی کے لیے صفائی طینت لازم ملزوم ہے۔

شہسوار نے آہ سرد کھینچکر یہ شعر پڑھا ؎

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

اب سنیے کہ جب آزاد نے شہسوار کو گرفتار کیا تو معًا حسن آرا اور مرزا ہمایوں فر کے ہاں لوگوں نے خبر پہنچائی۔ اس وقت معشوقۂ رنگین آرا حسن آرا بیگم اور ان کی گلفام و نازک اندام بہنیں اور ہمجولیاں ایک عالیشان کمرے میں بیٹھی ہیں اور مزے مزے سے باتیں کر رہی ہیں اور جانی بیگم کی طراری اور لسانی سے لطف صحبت دوبالا تھا۔ ایک بڑی بوڑھی عورت جس نے شاہی کے زمانے میں خوب عیش کیے تھے اب ان سب کو طرح طرح کی گفتگو سے مذاق اور مسخرے پن سے ہنساتی تھی حسن آرا نے پوچھا کیوں ممولا سچ کہنا تمہارے کتنے میاں تھے؟ تالیاں بجا کر جواب دیا پہلی مرتبہ تو ایک پٹھان کے ساتھ نکاح ہوا دوسرے مہینے وہ خفا ہو کے چل دیا۔ ہمارے ہاں ایک ٹوپی والا آتا تھا پارچہ والی گلی میں اس کی دوکان تھی اور مجھے پسند دل و جان سے عاشقِ زار اور میاں اس سے کھٹکیں۔ میں نے سمجھا دیا کہ میاں اس کو آنے دیا کرو۔ لڑکپن میں یہ ہم سے کھیلا کیا ہے۔ میں اس کو مثل بھائی کے سمجھتی ہوں، مگر ان کے خلاف۔ میں نے وہاں سے اپنی راہ لی اور ایک نواب کے ہاں نوکری کی۔ وہاں پہلے ایک مصاحب کے ساتھ نکاح ہوا۔ بعد ازاں ایک داروغہ کے گھر پڑ گئی۔ اس کے بعد پڑوس کے ایک مرد آدمی کے ساتھ نکاح پڑھوایا۔ مجھے بڑی تمنا تھی کہ لڑکا ہو مگر آج تک نہ جنی نہ جنی۔ یہ شہسوار جو آج کل خون کر رہا ہے اس کو میں نے دیکھا ہے۔

اتنے میں ایک مغلانی نے کمرے میں آن کر کہا حضور مبارک ہو۔ وہ موا سوار پکڑا گیا۔ یہاں سے کئی کوس پر کسی سرائے میں ٹکا تھا۔ وہاں لوگوں نے جا کے کل گرفتار کیا۔ آج یہاں آیا ہے۔ کہتے ہیں دو سو سوار اس کے ساتھ ہیں۔ اور پچاس آدمی ننگی تلواریں لیے ہوئے آئے ہیں۔ مشکیں کس دی گئی ہیں۔

حسن آرا۔ (فرطِ طرب سے استادہ ہو کر) سچ۔؟

مغلانی۔ اے حضور عسکری میاں خبر لائے ہیں۔

سپہر آرا۔ (متحیر ہو کر) ذری بلاؤ تو ان کو۔

عسکری۔ (صحن سے) بہن مبارک ہو گرفتار ہو گیا۔

سپہر آرا۔ شکر ہے خدا کا۔ سُن لی پروردگار نے۔

حسن۔ اے ذری دریافت کرو کہ ہے کہاں۔

سپہر۔ یہاں ہی گرفتار ہو کے آیا ہے نہ۔؟

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ سپہر آرا کی سسرال سے ایک مہری آئی اور ڈیوڑھی سے اس نے غل مچانا شروع کیا کہ مبارک مبارک۔ بڑی بیگم صاحب کے پاس جا کر جھک کر سلام کیا، اور کہا۔ حضور ہماری بیگم صاحب نے بھیجا ہے۔ وہ مونڈی کاٹا سوار اللہ کرے اس پر آسمان پھٹ پڑے۔ کسی گانوں میں پکڑا گیا ہے۔ کوٹھے پر سب کی سب آڑ میں کھڑی ہو کر کان دھر کے سُننے لگیں۔ بڑی بیگم نے کہا۔ ہاں میں سن چکی اور مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن ڈھارس تب ہو جب اس کی لاش پھڑکتی ہوئی دیکھوں۔ مہری بولی سرکار اب بے پھانسی پائے تھوڑا ہی رہتا ہے۔

بیگم۔ بوٹیاں نوچ نوچ کے چیلوں کو دی جائیں تو میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔

مہری۔ اور حضور ہاں یہ تو کہنا بھول گئی تھی۔ حضور نے کچھ سُنا کس نے گرفتار کیا۔؟

بیگم۔ کسی سپاہی نے پکڑا ہو گا۔ دوڑ گئی تھی۔

مہری۔ اے حضور میاں آزاد نے گرفتار کیا۔

سپہر۔ (خوش ہو کر) ہاں؟ یہ کس نے کہا۔؟

مہری۔ سب میں مشہور ہے سرکار۔ سب کہتے ہیں۔

حسن۔ اے پوچھیو تو کہ آزاد کے تو چوٹ نہیں آئی۔ یہ کس کی زبانی سُنا۔

سپہر۔ بھلا آزاد کے تو چوٹ نہیں آئی ہے۔؟

مہری۔ جی نہیں۔ ہوا یہ کہ وہ موا اللہ اس پر برقِ غضب گرائے۔ ایک سرا میں کسی بیسوا کو لے کے بیٹھا

تھا کہ ٹوہ لگا کے مخبروں سے سُن کے یہ بھی وہاں پہونچے۔ اس نے جوان کو دیکھا تو رات کا وقت تھا پہچانا نہیں۔ مگر خوبصورت جوان اور مرد توانا، اور اچھے ہاتھ پاؤں دیکھے، تو بہت خوش ہوا۔ اور کہا کیوں بھئی جوان کس ملک سے آنا ہوا۔ انہوں نے وہاں فقرہ چست کیا۔ اور نوبت بہ اینجا رسید کہ اُس نگوڑے نے اپنے آپ ہی اپنا ذکر چھیڑا۔ اور ان سے پوچھا کہ شہسوار کا حال تو نہیں سننے میں آیا۔ انہوں نے اس طرح کی بات چیت کی کہ شہسوار ہمدرد معلوم ہوئے۔ اور بہت ہی خوش ہوا اور کہا اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو ہم تم کو بانک اور پٹے میں طاق کر دیں۔ یہ راضی ہو گئے۔ اور وہ بیٹھ کے ان کو داؤں بتانے لگا۔ بس موقع پا کر انہوں نے دبوچا۔ اور سیٹی بجائی تو لوگ۔ ادھر اُدھر کھڑے ہی تھے، دوڑ پڑے، اور گرفتار ہو گیا۔

حسن آرا اس خبر فرحت اثر سے بدرجۂ غایت مسرور ہوئی۔ جانی بیگم ان کے گلے میں ہاتھ ڈال کر بولیں بہن اس وقت تو جی چاہتا ہے کہ جشن کریں! سوچو تو کہ آزاد اپنے دل میں کس قدر خوش ہوئے ہوں گے کہ اپنے رقیب کو نیچا دکھایا۔ کہ اب تمہاری جدائی ان کو شاق گذرتی ہوگی۔

حسن آرا۔ اب جدائی کے دن گئے ہیں اب جدائی کہاں۔

ہو نہ بیتاب غم ہجر بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں، اب فضلِ خدا ہوتا ہے

جانی بیگم۔ ہم کو تو اب اس کی حالت پر افسوس آتا ہے۔

آتا ہے بیکسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سر کشتگان شمع

سپہر آرا۔ اللہ اللہ آج تو اس وقت آپ نے بھی شعر پڑھا۔

جانی بیگم۔ اے کیوں ہم کیا شعر جانتے ہی نہیں۔

حسن۔ اُفوہ! آزاد کا دل کس قدر خوش ہوگا۔

جانی بیگم۔ اس میں کیا کہنا ہے۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ حسن آرا اب اور بھی زیادہ مسرور ہوں گی۔

اتنے میں نازک ادا بیگم نے بات کاٹی اور گنگنانے لگیں۔

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں — آنکھیں ہیں کسی کی فرش تری جلوہ گاہ میں
کیا زخم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل — ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں
جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا — وہ کیوں شریک ہوں مرے حالِ تباہ میں
ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے — اتنا کچھ آ گیا خلل اپنے نباہ میں

اس منھ پہ اس سے دعویٰ حسن اک ذرا نہیں   اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں
ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز   کہہ دے اگر ہو شنگ سخن داد خواہ میں
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

بڑی بیگم صاحب بجزیب ٹیکتی ہوئی صحن میں آئیں۔ اور لڑکیوں کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ آج برسوں کے بعد اُن کو مُسکراتے ہوئے دیکھا تو روح افزا جو بڑی بیگم کی بہت پیاری تھیں۔ ہنس کر بولیں۔ اماں جان آج آپ بھی بہت خوش ہیں۔ اور ہم بھی۔ آج تو خوش روزہ منائیں۔ انہوں نے کہا تمہیں اختیار ہے۔ اس میں دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بہار النسا بیگم نے جو نازک ادا بیگم کے گانے پر عاشق تھیں اصرار کیا کہ کوئی غزل پھر سُنائیں۔ اس وقت یہ موجود نہ تھیں۔ نازک ادا نے یہ غزل شروع کی۔

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں   ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گل عذار کا   خونِ دل اپنا تھا مگر گونہ رخ طراز میں
اُن سے اب التفات کی غنچہ کو ہیں شکایتیں   سُن کے مرا مبالغہ منّتِ احتراز میں
پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ زار میں

یہ خبر سُن کر فنسوں پر فنسیں، اور سُکھپال پر سُکھپال آنے لگے۔ مشہور ہو گیا تھا کہ خود آزاد ہی نے اس کو گرفتار کیا تو ہمجولیاں مبارکباد دینے آئیں، اور سواریوں پر سواریاں اترنے لگیں۔

جعفری بیگم۔ ہم تو حُسن آرا کی شناخت کے قائل ہیں۔
جانی بیگم۔ اس میں کیا فرق ہے۔ بہن آزاد ایسے ہی ہیں۔
جعفری۔ ایک تو یوں ہی دھوم تھی اب اور بھی زیادہ۔
جانی۔ ان کی روز بروز شہرت ہی ہوتی جائے گی۔
جعفری۔ اللہ کی دین ہے۔ یہ کسی کا اجارہ ہے۔؟
جانی۔ حسن میں، شجاعت میں، سب میں طاق ہیں۔
جعفری۔ بڑی خوش قسمت عورت ہیں حسن آرا۔
بہار النسا۔ اب اللہ کرے ان کی جوڑی برقرار رہے۔

سپہر آرا۔ میں دیکھتی ہوں سارے میں مشہور ہوگیا ہے۔

بہار۔ اے لو وہ عباسی خانم آگئیں۔ سلام بہن۔

عباسی خانم۔ آزاد اور حُسن آرا کا حال اور مشہور نہ ہو۔

بہار۔ یہ بے چاری کس گنتی میں ہیں اور ہاں آزاد کو خدا صد وسی سال کی عمر عطا کرے ان کے سبب سے البتہ ان کی شہرت ہوئی ورنہ یہ کس ہیں ہیں۔

عباسی۔ نہیں یہ تو ہم کہیں گے۔ انھوں نے بھی نوک کی بات کی عشق ہیں ضبط بڑے وضعداروں کا کام ہے۔

بہار۔ آزاد نے تو جادو ہی کر دیا ان پر۔

نازک ادا۔ اُن پر! خالی انھیں پر!! اے یوں کہو کہ سب پر جادو کر دیا۔ حسن آرا نے تو بھلا آنکھوں سے دیکھا ہے۔ جنھوں نے فقط نام ہی سُنا ہے، اُن سب پر آزاد نے جادو کر دیا ہے۔

یہ کس کی چشم فسوں گر نے کی فسوں سازی
طلسم جادوے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

عباسی۔ اب تم تو پڑھی لکھی ہو۔ ہم یہ کیا جانیں۔

نازک۔ ہم نے تو سُنا ہے عباسی خانم بھی آزاد کی تصویر دیکھ کر لوٹ ہوگئیں، اور اب اپنے میاں کو چھوڑ کر آزاد کے ساتھ نکاح پڑھوانے والی ہیں۔

عباسی۔ اے ہٹو بھی۔ جھوٹے پر خدا کی سنوار۔ واہ۔

نازک۔ کیا جھوٹ ہے بہن، لے ہمیں کیا معلوم۔

عباسی۔ ہم نے تو تمھیں البتہ سُنا تھا کہ آزاد پر ریجھی ہیں۔ تم اوروں کو کاہے کو بدنام کرتی ہو۔

نازک۔ ہم نے تو پیغام بھیجا ہے آزاد کے پاس۔

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے — آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے
خون دل پینے میں خود کردۂ محنت اے کاش — ساغر دہر میں ساقی مئے بیداد بھرے
چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا — خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناشاد بھرے

بہار۔ اچھی بات ٹال دی۔ چلو بڑا احسان کیا۔

روح افزا۔ عباسی خانم تو اُن سے پیش نہیں پاسکتیں۔

عباسی۔ اے توبہ میرے تو ہوش اس وقت اُڑ گئے۔

نازک۔ ایسی ننھی۔ اے ہے۔ ہوش اُڑ گئے۔ ہونہہ!

عباسی۔ (ہاتھ جوڑ کر) میں تمہارے منہ نہیں لگتی۔

بہار۔ چلو اب تو تو ہیں میں سے کیا واسطہ۔

خیر یہ تذکرہ تو یہاں پر ختم ہوا۔ اب سُنیے کہ جس وقت شہسوار بحراستِ پولیس گرفتار ہو کر شہر میں آیا تو حکام جوق در جوق جمع ہو گئے۔ اور سب نے متفق اللفظ ہو کر آزاد پاشا کی تعریف کی۔ صاحب ضلع نے کہا مسٹر آزاد آپ نے وہ کام کیا ہے کہ میں منجانب لوکل گورنمنٹ آپ کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ع۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو۔ اُن کے اسسٹنٹوں نے بھی ان کی تائید کی اور کہا آزاد تم نے وہ کار نمایاں کیا کہ جس قدر تعریف زیادہ کریں می زیبد۔ اپنے رقیب کو اور ایسے رقیب کو جو اس قدر بہادر اور جری اور ڈھیٹ ہے نیچا دکھانا اور موقع پر اس کا پتہ لگانا واقعی تمہارا ہی کام تھا۔ پولیس کے افرانِ اعلیٰ نے بھی ان کا شکریہ ادا کیا۔ کہ تمہارے سبب سے ایک بہت بڑا مہیب مجرم ہاتھ آیا۔ جس نے بدعت پر کمر باندھی تھی۔ اور جس کے سبب سے تہلکہ مچ گیا تھا۔ سب کی یہی رائے تھی کہ اگر آزاد اس قدر مستعدی کو کام میں نہ لاتے تو شہسوار سا مجرم جرار ہرگز گرفتار نہ ہوتا۔ آزاد نے بہ کمال انکساری جو اس قسم کے اولوالعزم اور سچے بہادروں کا شیوہ ہے نہایت متانت اور عاجزی سے جواب دیا کہ جو کچھ میں نے کہا وہ میرے فرائض میں سے تھا۔ ایک مجھ پر کیا فرض ہے ہر انسان اس کو فرض سمجھیگا۔ کہ جس شخص کے سبب سے ایک نوجوان شہزادہ کی جان گئی۔ اور جس کے ہاتھوں پچاسوں آدمیوں کا خون ہوا اس کو حتی الامکان زیر کرے۔ میں نے بھی بمقتضائے انسانیت ایسا ہی کیا۔ میں ان کلمات توصیف کو آپ کی ذاتی لیاقت اور حُسنِ اخلاق پر محمول کرتا ہوں، ورنہ من آنم کہ من دانم۔ مجھے اس امر کا بھی کھٹکا تھا کہ مبادا وہ مجھے قتل کر ڈالے۔ گو میں خوب جانتا تھا کہ وہ مجھ سے بیش نہ پائے گا۔ اور یہ بھی اس کو کامل یقین تھا کہ اگر اس کے دس آدمی بھی مقابلہ کو آئیں گے تو اُن کے رُخ چھوٹ جائیں گے اور وہ ضرور نیچا دیکھیں گے۔ مگر خوف دامن گیر تھا کہ اگر اچانک دھوکے میں مجھے مار ڈالا تو مفت میں جان جائے گی۔ لہذا میں نے اس مردود و مطرود کی گرفتاری میں جو پاپڑ بیلے، وہ اپنے ہی فائدے کے لیے تھے۔ اور چوں کہ میرا دامن کوثیٔ عصیاں سے پاک ہے۔ اور میں نے سُنا تھا کہ ان اللہ یحب الشجاع، لہذا میرے خیال کو

اور بھی تقویت ہوئی۔ اور میں نے اپنے ارادے کو اور بھی مضبوط کر لیا۔ خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے میں اپنے کام کے لیے روانہ ہوا۔ بس میں ہرگز اپنے کو کسی خاص توصیف کا مستحق نہیں سمجھتا۔ بجز اس کے کہ میں شہسوار کی نسبت جری ہوں اور اس سے زیادہ فنون سپہ گری میں واقفیت رکھتا ہوں۔ دگر ہیچ۔

صاحب ضلع نے ان کی اور بھی تعریف کی۔ کہا یہ انکساری دلیل کمال ہے۔ اس کے جواب میں شہسوار نے کہا۔ میں انگریزی بول نہیں سکتا۔ مگر کسی قدر سمجھ سکتا ہوں۔ آزاد بدبخت کے سپاہی ہونے میں کوئی شک نہیں، مگر اُس نے مکر سے مجھے گرفتار کیا۔ میں اس وقت نیک نیتی کے ساتھ اس کو داؤں پیچ سکھا رہا تھا۔ اس نے مکاری سے مجھے گرفتار کیا۔ اور ہم سپاہیوں میں مکر سے کام لینا وضع کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ یہ سپاہی نہیں مکار آدمی ہے۔ اور ہم سپاہی ہیں۔ آزاد یہ تقریر سُن کر آگ ہو گئے۔ اور بہ کمال غضب انھوں نے کہا سُن اوڈاکو، چور، دغاباز، تو سپاہی پن کیا جانے۔ تو اُٹھائی گیرا ہے۔ سپاہی ہم ہیں اور فنون سپہ گری تجھ کو برسوں، بلکہ تمام عمر سکھائیں، اور مکر کی نسبت جو فضول بک رہا ہے۔ اے لاحول۔ حرب میں خدع مکروہ نہیں ہے۔ الحرب خدعۃ ایک بچہ تک جانتا ہے۔ تجھ ایسے سفاک اور قاتل خونخوار کو مکر اور حیلے اور کید سے گرفتار کر لینا عین سپہ گری ہے اور دلیل بحز دی۔

شہسوار۔ اب تو تمہارے بس میں ہیں، جو چاہو بنکارو۔ مگر یاد رکھو کہ چھوٹتے ہی مار ڈالوں گا۔

آزاد۔ (مسکرا کر) خدا کے لیے مجھ بیکس کی ننھی سی جان پر رحم کرنا بھائی۔ از برائے خدا۔

شہسوار۔ خیر نہیں اور میں قید رہوں کیا مجال، مگر تیری خیر نظر نہیں آتی۔

آزاد۔ غریبوں کے ساتھ سختی سے پیش آئے تو کیا ہم تو بے بس اور مسکین ہیں۔

شہسوار۔ اس وقت دل کا عجب حال ہے۔ مگر مُشتے کہ بعد از جنگ باد آید کا نقشہ ہے۔ خیر۔

آزاد۔ اگر یہ بکتے ہو تو میں اب اس وقت حاضر ہوں اب کی پھر سہی بسم اللہ۔

صاحب۔ اُوہ۔ ہرگز نہیں۔ اب نہیں۔ اب سرکار کا مجرم سرکار کی حراست میں ہے۔

شہسوار۔ حراست میں رہ نہیں سکتا مجرم۔ سُن لیا اور تجھ سے کہہ دیا ہے کہ ہم کل یا پرسوں بھاگ جائیں گے۔ دس ہزار فوج ہمارے ساتھ ہے۔ ہم جیل میں رہیں۔ کیا طاقت۔؟

صاحب۔ وِل۔ اگر تمہارے پاس دس لاکھ فوج بھی ہے۔ تو ہمارے پاس پچیس کروڑ آدمی ہندوستان میں ہے۔

شہسوار۔ (قہقہہ لگا کر) ہاں زن و مرد اور بچے بچ سب کو گن لو تو بیشک صحیح ہے۔

صاحب۔ ہاں! اچھا اب تم بھاگ جاؤ ہم معمولی پہرے سے زیادہ نہیں تعینات کریں گے۔ مگر تم کیا تمہارے فرشتے خان بھی نہیں بھاگ سکتے۔ ہش۔

شہسوار۔ یہ ہنٹ اور پنٹ کی تقریر تو ہم نہیں سمجھتے۔ مگر ہمارے ساتھ اس طرح پیش آؤ جس طرح کوئی سپاہی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ ہم نے یورپ کی کئی تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے۔ یاد رکھو جو پایہ اور اعزاز یورپ کے سپاہیوں یعنی جنرلوں میں ہنیبال، اور ٹالمی، اور جولیس سیزر، اور نپولین، اور ولنگٹن کا تھا وہی ہمارا درجہ اور پایہ ہے کون جانتا ہے کہ نپولین بوناپارٹ جس کے شمسِ بسالت کی شعاعیں اطراف و اکناف عالم میں مخفی نہیں، اس کو ایک گم نام آدمی نے جس کو لوگ ولنگٹن کہتے ہیں زیر کر دیا۔ اور نپولین وہ شخص ہے جس کے نام سے تمام یورپ تھراتا تھا۔ مشہور ہے کہ اگر اس کا کوٹ کسی درخت کی شاخ میں لٹکا دیا جائے اور فوج سے کہا جاتا کہ وہ نپولین آگیا، تو ساری فوج کے قدم اُٹھ جاتے۔ میں جو شہسوار ہوں، مثل نپولین کے ہوں، یہ شخص جو سامنے بیٹھا ہے اور آزاد، میاں آزاد مسٹر آزاد اور آزاد پاشا کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ مثل ولنگٹن کے ہے، مگر افسوس ہے کہ کم سن چھوکری (میں اس کو چھوکری ہی کہوں گا۔ کیونکہ وہ بالکل ناتجربہ کار ہے) آزاد کا نام سُن کر بہت خوش ہوگی۔ ہائے افسوس وائے افسوس۔ میں خوب جانتا ہوں کہ میرے عدو یعنی آزاد نے مجھے گرفتار نہیں کیا۔ بلکہ میرے اوپر احسان کیا۔

وہ علی الرغم عدو مجھ پر کرم کرتے ہیں
ہم ستم لُطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں

طلب وصل کس انداز سے ہم کرتے ہیں
شوق نامہ اُسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں

جب ترے کوچے کا بیتابئ دل سے پھرنا
یاد آتا ہے زمیں بوس قدم کرتے ہیں

نیم بسمل میں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش اُلٹ جائیں شبِ ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

مختصر قتل ہے مکتوب گنہگاروں کا
سرِ قاصد کو وہ فتوے سے قلم کرتے ہیں

دیکھنا اُس دہن تنگ کے بوسے کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں

کشتۂ یار ہوں اس اشک سے سرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو میری موت کا غم کرتے ہیں

کیا ہی بیزار ہے اس زیست سے جی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

صاحب۔ مگر تم کو ہم نے بڑا مستقل مزاج پایا ہے۔
شہسوار۔ ہمیشہ پائیے گا۔ تلوّن کیا شے۔؟
صاحب۔ اس حالت میں اور استقلال مشکل۔!
شہسوار۔ پھانسی کے وقت استقلال دیکھنا۔ بس۔

صاحب۔ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے۔ دس بارہ روز بس اتنا ہو یا ایک مہینہ۔

شہسوار۔ ہائے افسوس۔ کون دن! موت کا؟ تم کو کیا معلوم کہ وہ دن کب ہو گا۔

صاحب۔ (خفا ہو کر) وہ دن ہمارے قلم کی گردش میں ہے۔ بس سمجھا۔؟

شہسوار۔ اتنی چڑھ گئی ہے۔ ذرا خدا سے ڈرو میاں۔

صاحب۔ خدا جانے تم کس فکر میں ہو وائے افسوس۔

شہسوار۔ ہم کو افسوس تمہاری فہم و خرد پر ہے۔

صاحب۔ خیر معلوم ہو جائے گا ایک مہینے میں۔

شہسوار۔ ایک مہینے کی مہلت اگر ملے تو ٹھونک بجا کے بھاگ جاؤں، اور اس طرح جیسے بوئے گل چمن سے نکل جاتی ہے۔ افسوس ہے تو اس قدر کہ جان جائے گی مگر حسرت نہ جائے گی۔ وائے بیکسی۔ اگر آزاد کو بھی مار ڈالتا تو ڈھارس پڑتی۔ مگر یہی امر محال ہے۔

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعدِ مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا ستم

کسی کی خرام کی یاد میں تہِ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لیٹا ئے مجھ کو ورا قلق

پیٔ ہم ہے حالتِ جاں کنی غرض اب تو جان پہ آبنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

یہ کہاں کی جی کو بلا گئی میری ہائے کیونکر ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہوا ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

شب ہجر روزِ وصال کی تری شوخیاں بھی نظر میں ہیں
کہوں کیا تغیرِ حالِ دل کبھی تھا سکون کبھی تھا قلق

صاحب۔ اب تم شعر پڑھتے رہو یہاں بس۔

آزاد۔ جی ہاں اور کیا کر سکتا ہے۔

شہسوار۔ ذرا چھوڑ دو تو مزا دکھا دوں۔ ہاں۔

صاحب۔ اب پھانسی کے وقت تم چھوڑ دیا جائے گا۔

شہسوار۔ اللہ تمہارا بھلا کرے کہ اس وقت تو تم کو رحم آئے گا۔ شکر ہے خدا تمہارا بھلا کرے۔ ہم اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد شہسوار نے جناب باری سے دعا مانگی۔ یا خدا تو خوب جانتا ہے کہ میں کیسا بندۂ گنہگار واجب الدار ہوں۔ مگر۔

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

میں امیدوارِ عفو ہوں مجھے معاف کر، اور میرے گناہ بخش دے۔

آزاد۔ خدا ایسے بدطینتوں کی کبھی نہ سنے گا۔

شہسوار۔ آزاد خاموش۔ تم کون دخل دینے والے ہو۔

آزاد۔ ہم اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں۔ جو کچھ ہو۔

شہسوار۔ قسم خدا کی تم ہمارے مقابل میں لونڈے ہو۔

آزاد۔ امتحان ہو چکا، اب لاف زنی فضول ہے، تو کیا تیرے سے دس ہزار ہوں تو کیا پروا ہے۔

شہسوار۔ ہاں میں پابجولاں تم آزاد۔ میں اسیر تم جہاں چاہو جاؤ مگر وہی شعر۔ ہائے۔

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز

ہم بھی اس باغ میں نکلے قید سے آزاد کبھی

آزاد۔ جب دیکھیے تب کیا تھے۔ ڈاکو چور۔

شہسوار۔ اور حضور۔ شاہ تھے۔ بدمعاش۔

آزاد۔ اب تم پانی پی پی کے کوسو بھائی۔

شہسوار۔ بھائی! پھونک دیا۔ اُف اُف!

آزاد۔ اب اس جرأت اور سپہ گری کو چھوڑو۔

شہسوار۔ کیا طاقت جان کے ساتھ ہے یہ۔

آزاد۔ ہاں۔ تو خیر۔ تم کو اختیار ہے۔ مگر۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن

مصلحت بیں و کار آساں کن

شہسوار۔ میاں۔ ع۔ ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

آزاد۔ والسلام مع الکرام۔ آپ کو اختیار ہے۔

شہسوار۔ آپ میرے مُشیر نہ بنیں۔ خیر قسمت میں یہ لکھا تھا۔ روزِ ازل سے کہ شاہدِ مراد سے ہم آغوش نہ ہونے پائیں یوں ہی سہی۔

بادِ صبا پیغام نہ لاوے | مرغ سلیمان اُڑنے نہ پاوے
تا دمِ مرگ ارمان نہ نکلے | نزع بھی ہو تو جان نہ نکلے
ضعف سے غش بھی ہونے نہ پاؤں | طاقت کیا جو آپ سے جاؤں

جی کی تباہی کہیے کہاں تک　　صبر نہ آوے فید یہاں تک

خیر پھرانے جان ملیں گے

جیتے رہے تو آن ملیں گے

شہسوار نے اس برقت کے ساتھ یہ اشعار پڑھے کہ آزاد پاشا کی آنکھیں پرنم ہو گئیں، اور کہا خود کردہ راچہ علاج۔

اب سُنیئے کہ ادھر یہ گفتگو ہونی تھی اُدھر ایک مرد کشیدہ قامت، سُرخ وسفید، ایرانی کپڑے پہنے ہوئے آیا اور صاحب ضلع سے کہا کہ ہم شہسوار کے دوست ہیں، اور اُس سے ملنا چاہتے ہیں۔ صاحب نے اس اجنبی آدمی پر از سرتاپا نظر ڈالی اور یوں ہم کلام ہوئے۔

صاحب۔ آپ کا نام کیا ہے، اور آپ کون ہے۔ اور اس مجرم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔

جواب۔ میرا نام سلطان علی خاں اور میں شہزادۂ ایران ہوں اور اس مجرم سے میں اپنے روپئے کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

صاحب۔ آپ کو اس شہر میں کوئی جانتا ہے۔ کسی سے آپ سے ملاقات بھی ہے۔

جواب۔ ہاں۔ مجھکو وہ جانتا ہے جو سارے کائنات کو جانتا ہے اور جس کو ساری خدائی جانتی ہے۔ وہ مجھ سے بخوبی واقف ہے۔

صاحب۔ ہم نہیں سمجھے کہ وہ کون ہے۔ آپ صاف صاف بیان کریں کہ وہ کون شخص ہے۔

جواب۔ (آسمان کی طرف دکھاکر) وہ۔

صاحب۔ خدا؟ خدا سے مراد ہے۔ مگر وہ تو یہاں گواہی دینے نہیں آئے گا۔

جواب۔ بیشک دے گا۔ اور ہم کو بچائے گا۔ ہم کو ذاتِ باری پر بڑا بھروسا ہے۔

صاحب۔ (انسپکٹر پولیس سے انگریزی میں) یہ پولیس کے سپرد کیا جائے۔ جہاں جائے لوگ اس کے ساتھ رہیں۔

انسپکٹر۔ اس کو اب زیادہ یہاں باتیں نہ کرنے دیجئے۔ آدمی مشکوک ہے۔

اس مردِ کشیدہ قامت نے سلام کیا۔ شہسوار کی طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

بے سبب کیوں کہ لب زخم پہ افغاں ہوگا

شور محشر سے بھرا اس کا نمک داں ہوگا

سب کو سلام کر کے یہ شخص جس کے چہرے سے ریاست کے آثار عیاں تھے۔ روانہ ہوا۔

پولیس والے ساتھ ہو لیے۔ سات آٹھ سو آدمی دل وجان سے مستعد تھے۔ اور انہوں نے ٹھان لی تھی کہ اپنی جان دے کر شہسوار کو قید سے بچائیں گے۔ حکام نے بڑا اہتمام بلیغ کیا کہ اس مجرم تک کسی کا گذر ہی نہ ہو۔ تین تین گھنٹے کے لیے اس کی کوٹھری کے گرد، دس سپاہی کرچیں لیے ہوئے پہرہ دے رہے تھے اور جیل خانے کے پھاٹک پر پچاس آدمی بھری ہوئی بندوقیں لیے ٹہلا کرتے تھے۔ حوالات کے ادھر اُدھر ننگی تلوار لیے ایک گارد ہم مقرر رہتا تھا۔ جو آدمی ایرانی وضع میں آیا تھا وہ بھی زیر حراست پولیس تھا۔ کیونکہ علاوہ سازش کے اس پر ایک جرم یہ بھی قائم ہوا تھا کہ پولیس والوں نے اس کے گھر سے کئی تمنچے اور تلواریں برآمد کیں مگر لیسنس ایک کا بھی نہیں تھا۔ اس شخص نے صاحب ضلع سے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ لاکھ انتظام کیجیے ممکن نہیں کہ شہسوار دو ہی تین دن میں رہا نہ کر دیا جائے۔ اس کو کوئی قید نہیں کر سکتا ہے۔

صاحب۔ دو تین دن کے عرصے میں تو وہ پھانسی پائے گا۔ اور تم اس کے ساتھ ساتھ سزایاب ہوگا۔ رہا کرنا کیا معنی ہیں۔

شخص۔ معلوم ہو جائے گا جب ہم لوگوں کی کمکی فوج دوڑ پڑے گی اور چوطرفہ سے گھیر کے جیل خانے کو مسمار کر دے گی۔

صاحب۔ تم بالکل پاگل ہے۔ سرکار کو بھلا کسی ایسے ویسے آدمی سے کیا ڈر ہے۔

شخص: شہسوار وہ شخص ہے جس کو خدا کی خدائی میں کوئی ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ اور معاذ اللہ چھوٹا منھ بڑی بات خدا سے بھی اس کو خوف نہیں ہے۔

صاحب۔ تمہارے دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔

انسپکٹر۔ حضور ہی لوگ تو ایسے بدمعاشوں کو اور بھی خیرہ کر دیتے ہیں۔

شخص۔ چپ رہ! ہمارے آقا شہسوار کی نسبت اگر کوئی کلمہ زبان سے نکالا تو زبان کو داغ دوں گا۔

انسپکٹر۔ اب اس وقت جو چاہو کہہ لو ہم کو یہ حکم تو ہے ہی نہیں کہ مار پیٹ کریں مگر تم نے خود اپنے آپ ہی اپنے کو مجرم ثابت کر دیا ہے اس کا خمیازہ اٹھانا پڑے گا۔ کہ کردنیافت۔

شخص۔ نہمیدہ۔ خواہد شد۔ ایک روز تو جان جانی ہے جیسے آج مرے ویسے کل مرے یکساں۔

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

۲۵

یہ بات چیت ہوتی ہی تھی کہ دو برق اندازوں نے آن کر اطلاع دی کہ جیل خانے کے پاس پچیس آدمیوں نے بلوا کیا، چنانچہ، نمبر پلٹن کے سپاہیوں نے ان سے مقابلہ کیا اور دس آدمی مقتول ہوئے۔ اور پندرہ آدمی زخم شدید کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں۔ مگر اس جرأت کے ساتھ لڑے کہ واہ واہ۔ اگر اسی طرح

شہسوار کی طرف سے آئیں گے لوگ نوشہر میں بلوہ ہو جائے گا۔ اور بد معاش اور بھی زیادہ خیرہ سر ہو جائیں گے۔

صاحب ضلع نے مقام واردات پر جا کر دیکھا تو سخت متحیر ہوئے۔ جس جوان کو دیکھا چھ فیٹ اور اس قدر جری اور کٹا پٹا بدن کہ ہر ایک پہلوان تھا۔ ایک پٹھان سے جو مجروح ہو گیا تھا۔ انہوں نے حال دریافت کرنا شروع کیا

صاحب۔ تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو۔

پٹھان۔ ہم بہادر لوگ بہادرستان سے آئے ہیں۔

صاحب۔ بہادرستان تو نیا ملک سننے میں آیا۔

پٹھان۔ ہر روز پچیس پچیس سوار یوں ہی آئیں گے۔

صاحب۔ اس سے کیا نتیجہ نکلے گا۔ کوئی فائدہ!

پٹھان۔ افسوس اس وقت یہ ہے کہ ہم زندہ کیوں رہے۔ ہم لوگ بیڑہ اٹھا کر آئے تھے کہ جیتے نہ رہیں گے مگر مقام حیف ہے کہ پندرہ آدمی جیتے بچے۔ ہائے ان بہادر آدمیوں کی روح اس وقت وجد کر رہی ہوگی جن کی لاشیں ہمارے سامنے پڑی ہیں۔

صاحب۔ اگر تم ہم کو بتا دو کہ یہ سب لوگ کون ہیں، اور کہاں سے آتے ہیں اور تم سب کی جماعت کہاں ہے تو تم کو جاگیر عطا ہو۔

پٹھان۔ (ہنس کر) کچھ خیر ہے، ہونہہ!!!

صاحب۔ اچھا تم ذرا ادھر آؤ ہم تخلیے میں کچھ کہیں گے تم اگر عقلمند آدمی ہو تو فوراً منظور کر لو گے۔

پٹھان۔ ہم تو بجز موت کے اور کسی چیز کے خواہاں نہیں ہیں۔ شاہنشاہ ہفت اقلیم بھی بلائے تو نہ جائیں۔ ؎

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

صاحب ضلع نے لاکھ کوشش کی مگر مطلب نہ نکلا اور اس پٹھان نے بجز اس کے کہ اپنے گرفتار ہونے کا افسوس کرے اور کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ اتنا البتہ کہا کہ پھانسی کے دن اتنی بڑی لڑائی ہوگی کہ دریائے خون چوطرفہ بہتے ہوں گے اور بہت بڑا معرکہ عظیم ہوگا۔ شہسوار بہت بڑا شخص ہے۔ اور بڑا نامی گرامی آدمی کسی ایسے ویسے سے مقابلہ نہیں ہے۔ بہت مشکل ہے۔

تمام شہر کو یقین ہو گیا تھا کہ پھانسی کے روز بڑا تہلکہ مچے گا۔ مگر دوسرے ہی دن شہسوار نے

حوالات ہیں صاحب ضلع کو بلایا اور کہا کہ میں اب اپنے جرم کا معترف ہوں مگر میں خوب جانتا ہوں کہ میری طرف سے کئی سو آدمی جان دینے کے لیے مستعد ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ میں اپنے دستخط سے ایک اشتہار لکھوں اور اس میں اپنے کل احباب جانباز کو آگاہ کردوں کہ اب میری رہائی کی کوشش فضول ہے باز آؤ۔

صاحب۔ ہم آپ سے بہت خوش ہوئے۔ آپ ضرور لکھیں اور اپنے دستخط سے مشتہر کردیں: تاکہ نہ آپ کے احباب کی جان جائے نہ سپاہیوں کی۔

شہسوار۔ جی ہاں مصلحت اب اسی میں ہے۔

صاحب۔ آپ جس سے ملنا چاہیں مل سکتے ہیں۔

شہسوار۔ پہلے میں اشتہار لکھ دوں پھر گفتگو ہو۔

صاحب۔ نہیں اب ہم کو آپ کا پورا اعتبا ہے۔

شہسوار۔ وہ سپاہی کیا جس کی بات میں فرق آئے۔

صاحب۔ آپ کس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

شہسوار۔ اپنی معشوقہ گل عذار محبوب جان سے۔

اے دل بر عشوہ ساز اَحسنتَ اَحسنتَ — بادا عمرت دراز احسنت احسنت

دی مارا و گفتی اِن شاء اللہ!! — احسنت احسنت باز احسنت احسنت

گو میں بڑا گنہگار ہوں مگر دل کو یہ تسکین ہے کہ میں نے آزادی کی حالت میں خیرات بھی بہت کی ہے اور خدا پر بھروسا ہے۔

ہر چند گناہ بس عظیم ست ترا — از سر تا پا تمام بیم ست ترا

انشاء اللہ ہیچ کشویشے نیست — ہر دم سروکار باکریم ست ترا

صاحب۔ بس اَب خداوند کریم کو یاد کرو۔

شہسوار۔ اَب وقت مصیبت خدا کو یاد کیا تو کیا۔ اللہ میاں کو پھسلانا کون دانائی ہے مگر۔

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

یہ کہہ کر شہسوار نے قلم دوات اور کاغذ طلب کیا اور اپنے ہاتھ سے اشتہار کی عبارت یوں لکھی۔

ملاد مروحۂ آہ سرد کو ہرگام — کہ دل کو آگ لگا کر ہوا آرام

در وصال دل آرام دورۂ سائغ — مرا دم حلہ گرد وساوس اوہام

الم مولد سودا و درد گرداگرد   سواد دورۂ صحرا مصور دودام

وہ گرد سورۂ الماس کل ہلاہل دار

ہوا کا حال محل ہلاک ورطہ مسام

شہسوار جرار کے کل متعلقین، ومتوسلین، واحباب، وتابعین کو اطلاع دی جاتی ہے۔ منجانب شہسوار کہ اب ہم بدست پولیس گرفتار ہیں۔ اور اب ہم میں اس قدر یارا نہیں کہ بہ مقابلۂ سرکار آمادۂ حرب وپیکار ہوں۔ لہٰذا بدرجۂ مجبوری ہم کو لکھنا اور مشتہر کرنا پڑتا ہے کہ جو شخص ہماری طرف سے جان بکف ہماری رہائی کے لیے آمادہ ہیں، وہ ازبرائے خدا اس ارادے سے باز آئیں۔ اور میرے اوپر احسان کریں۔ سب صاحبوں کی خدمت میں التماس ہے کہ امور مندرجۂ ذیل پر ضرور لحاظ کریں۔

۱۔ پھانسی کے دن میرے مقتل میں نہ آئیں۔

۲۔ جوش وخروش اور محبت سے کام نہ لیں۔

۳۔ مجھے مردہ سمجھ کر رہائی کی فکر نہ کریں۔

۴۔ دعا دیں کہ خدا میرے گناہ معاف کرے۔

۵۔ میرے انجام سے خود عبرت حاصل کریں۔

۶۔ جن افعال نے مجھے یہ دن دکھایا ان سے احتراز کریں اور کبھی کسی فرد بشر کا دل نہ دکھائیں ورنہ۔ ؎

گر صد ہزار لعل وگہر می دہی چہ سود

دل را شکستۂ نہ کہ گوہر شکستۂ

۷۔ محبوب جان جہاں ہو اس کی مدد کو ضروری سمجھیں۔

۸۔ اگر محبوب جان کے خلاف کوئی شخص ہو تو اُس سے سمجھ لیں۔ اب جس کو مجھ سے محبت کرنی ہے وہ محبوب جان کی مدد کرے اس کو شر آفات سے بچائے۔

۹۔ بقدر وسعت محبوب جان کے ساتھ سلوک کریں۔

۱۰۔ میری رہائی کے لیے ہرگز ہرگز اپنی جان نہ دیں ورنہ مجھے کمال رنج ہوگا۔ اور جس قدر آدمی اس کوشش میں مارے جائیں گے ان سب کا خون ہماری گردن پر ہوگا۔

۱۱۔ ہم یوں ہی صید مصائب میں ہیں اور صدہا خون ہماری گردن پر ہیں۔ اب اُن کی تعداد بڑھاتے ہوئے روح لرزتی ہے۔ ازبرائے خدا اب ہمیں یوں ہی رہنے دو۔

۱۲۔ آزاد پاشا جو مسلمانوں کے بڑے حامی ہیں اُن سے خبردار ہرگز ہرگز دشمنی یا عداوت یا تعصب

نہ رکھنا۔

۱۳۔ اگر میرے گروہ میں سے کسی کے سبب سے آزاد کا بال بیکا ہوا تو میری روح کو صدمہ ہوگا۔

۱۴۔ میرے کل دشمنوں سے کینہ نہ رکھو۔ مضیٰ ما مضیٰ۔

مشرب رندانہ می داریم و می جوشیم ما ‏ ‏ باشمیم تند مے چوں خم ہم آغوشیم ما

طاعت و تقویٰ چہ باشد زاہدی زاہد چہ چیز ‏ ‏ عاشق آوارہ ایم و مست مدہوشیم ما

اے خوشا غفلت کہ از رفتن ہنوز آگہ نیم

ایں قدر ہا در میان خواب خرگوشیم ما

محررہ عاصی پُر معاصی اضعف العباد ردّ خلائق شہسوار جرار مکرر یہ کہ ہم اب بھی اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ بس اشارہ شہسوار کافی ہے۔

اب فکر یہ ہوئی کہ اس کے جس قدر ساتھی ہیں ان سب کو گرفتار کرنا چاہیے مگر یہ امر محال تھا۔ الغرض اس اشتہار کی نقلیں مشتہر ہوئیں اور اخباروں میں بھی اس کا حال درج کیا گیا۔ اور ایک مقام پر خاص اشتہار محررہ شہسوار چسپاں کیا تھا کہ جس کا جی چاہے آن کے پڑھ لے۔ باغ سے اس کے ساتھی پہلے ہی ہُرہو گئے تھے صرف چھ آدمی گرفتار ہوئے۔

ایک ہفتے تک بڑی سرگرمی سے اہل پولیس نے تلاش کیا کہ شہسوار کے رفقا اور سانھیوں میں سے کوئی مل جائے مگر بجز ان چھ آدمیوں اور زخمی سواروں اور ایرانی کے کسی کا پتہ نہ ملا اور کوئی حسب اصرار لجاجت شہسوار محبوب جان کی تلاش کی گئی۔ مگر وہ بھی نہ ملی۔

اب سنیے کہ ایک روز آزاد پاشا اور صاحب ضلع اور کئی اور حکام اور ایک نواب صاحب جیل خانے میں شہسوار سے چند امور دریافت کرنے گئے جیسے شہسوار سے چار آنکھیں ہوئیں ایک صاحب نے غل مچا کر کہا او گیدی خر مُردک مردکان مردود و خر خران مطرود دام لعنتہٗ

صاحب۔ یہ کون ہے۔ تم کس کے ساتھ یہاں آیا۔

جواب۔ (شہسوار کی طرف) کیوں بے مردک۔

جیلر۔ یہ کون شخص ہے۔ تم کون ہے بونے۔

جواب۔ بونا کہاں ہے۔ ارے ہمارا بدن چور ہے۔ اور قد بھی چور ہے۔ اور ہم شاہی کے کیدان ہیں۔

صاحب۔ یہ کوئی پاگل ہے۔ تم کہاں سے آئے ہو۔

جواب۔ کون؟ ہم؟ آئے کہاں سے ہیں۔

جیلر۔ (مسکراکر) خداوندا یہ سٹری ہے کوئی۔

صاحب۔ SAND PIUR TO HOT LNWATSE ASJAHNU

دیکھو سپاہی اس آدمی کو پاگل خانے لے جاؤ۔

ناظرین سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ ذات شریف کون بزرگوار ہیں۔ یہ جناب خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع آں جہانی ہیں۔ جب پاگل خانے کا لفظ سُنا تب تو چکرائے۔ آزاد کی طرف دیکھا تو یہ مسکرا رہے تھے۔

حقوقِ خدمتِ من صد سالہ لعب اطفال ست
بہ کشورے کہ در و کو دکان خداوند ند

صاحب۔ یہ کون ہے مسٹر آزاد ہیں اس سے واقف نہیں۔

آزاد۔ خواجہ بدیع الزماں بدیع یہی ہیں۔

صاحب۔ کون؟ یہ کہیں خوجی تو نہیں ہے جو تمہارے ساتھ روم گیا تھا۔ بیشک وہی ہوگا۔

آزاد۔ جی ہاں وہی ہے۔ بہت معقول آدمی ہیں۔

صاحب۔ مت لیجاؤ پاگل خانے۔ مزاج اچھا ہے آپ کا۔؟

خوجی۔ حضور تے تو اس وقت غضب ہی ڈھایا تھا۔

صاحب۔ ہم نے آپ کی بڑی تعریف اخبار میں پڑھی تھی۔

خو۔ جی وہ میری لیاقت سے بہت کم ہے۔

صاحب۔ آپ کی لیاقت کا کیا پایہ ہے۔

خو۔ حضور میں ذی علم ہوں۔ اور شاعر بھی ہوں اور نثار بھی ہوں اور میں پہلوان، اور سابق کمیدان، اور رسالدار، اور فنون جنگ میں تجربہ کار، اور شہ زور، اور بین کار، اور حکیم، اور شہسوار ہوں۔ روم کی لڑائی میرے ہی سبب سے اتنی دیر ٹھہری۔ ورنہ پہلے ہی ستم بپا ہو گیا ہوتا۔

صاحب۔ تو آزاد پاشا کا نام آپ کے سبب سے ہوا۔

خو۔ دریں چہ شک۔ اس میں کیا فرق ہے۔ میری وحشت نے آزاد کو آدمی بنا دیا جناب والا۔

گام نخستین وحشتم از سدرہ بالا تر زند
سوز و فروغ نور اگر جبرئیل آنجا پر زند

دود از نہادم میرود ہمچوں سحاب اے برق وش
در پنبہ زار طاقتم اے کاش آتش پر زند

خیزد صدا ہائے و ہو از مجمع گرد بیاں
در عالم مستی اگر زندی بہ ساغر سر زند

یارب دگر نشیدہ ام امشب شمیم سنبلش
باشد گلے از چشمۂ خورشید خاور سر زند

بر آفتاب روئی تو خواہد سپند آسا فلک
تا سبعۂ سیارہ ایگشت در مجمر زند

صاحب۔ ہم اس قدر فارسی نہیں جانتے ہیں۔

خو۔ حضور مصر کے کانسل کو جو میں نے اپنی فارسی سنائی تو پھڑک گئے۔ کہا سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ چک و چانہ یہ لفظ نہیں سمجھے۔ میں نے فوراً سمجھا دیا اور پوچھا گل وکرد کیا معنٰی۔ سمجھا دیا اور۔

اے قبائے بادشاہی راست بر بالای تو
مصرع ثانی حذف کردم۔ والائے تو

یہ شعر سُرخی پر لکھا تو اور بھی پھڑک گئے۔

صاحب۔ آپ نے وہاں مس روز سے شادی کرنا چاہا مگر ہم نے سُنا کہ وہ آپ کو نیچ قوم سمجھ کے...

خو۔ اُفوہ۔ (اُچھل کر) اُفوہ! ہائے ہائے۔!

آزاد۔ خیر باشد۔ جناب خواجہ بدیع صاحب۔

خو۔ ع۔ اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔

صاحب۔ شاید بانس والا آپ کو کہا تھا یا۔

خو۔ (بہت ہی خفا ہو کر) ہائے ستم۔ اُف غضب ستم ہو گیا۔ واللہ یہ سب اُن کے (آزاد کی طرف اشارہ کرکے) کانٹے بوئے ہوئے ہیں۔

دی والۂ تو تذکرۂ آہ سرد کرد
موج نسیم منتشر اوراق درد کرد

آزاد۔ مجھ سے کیا سروکار ہے بھئی۔ اخبار میں پڑھا ہوگا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ دریافت کرلو۔ (صاحب کی طرف مخاطب ہو کر) ان کو شک ہے کہ میں نے آپ سے ذکر کیا ہے۔

صاحب۔ ہم نے اخبار میں پڑھا تھا۔ اور ابھی تک وہ اخبار یہاں موجود بھی ہے۔ ہم آپ کو دکھا دیں گے۔

خو۔ حضور خاکسار کا نام خواجہ بدیع الزماں اور بھائی صاحب کا نام خواجہ رئیس الزماں، اور جناب والد کا نام خواجہ بدیع الزماں، اور دادا کا نام خواجہ شریف الزماں۔

آزاد۔ اور مورث اعلیٰ کا نام خواجہ رذیل الزماں رذیل۔

خو۔ جو پاجی ہوگا وہ پاجی کے نام سے چڑے گا۔ بی بی کو کسی نے کہا لونڈی۔ وہ ہنسنے لگی۔ لونڈی کو کہا وہ بگڑ گئی۔ ہم شرفاء ہیں پاجی کے نام سے نفرت ہے۔

آزاد۔ مگر شریف کو آج تک یہ غل مچاتے نہیں دیکھا کہ ہر ایک سے کہتا پھرے بندگی عرض، جناب تسلیمات عرض، کرتا ہوں۔ میں شریف زادہ ہوں، اور جناب والد بھی شریف تھے، اور دو قدم آگے بڑھے۔ جناب شیخ صاحب آداب عرض ہے۔ حضرت یہ بات وہ بات، این و آں، اور چنیں و چناں، اور یہ اور وہ، بندہ شریف ہے۔ اور شریف زادہ بھی ہے، اور کوئی ملا صاحب سلامت بھی مارے بوکھلاہٹ کے بالائے طاق رکھی، اور کہنا شروع کیا جناب بندہ ایں جانب کو پاجیوں سے پوری پوری نفرت ہے۔ مجال کیا کہ پاجی ذرا ہمارے سامنے بھی آسکے۔ وجہ یہ کہ ہم۔

شہ و شہزادہ ہا کرسی بہ کرسی

ہیں۔ ہمارے باپ دادا تک سب شریف تھے۔

خو۔ خوجی تو ان لوگوں میں کوئی اور ہوں گے۔ ہم تو اپنی شرافت مخفی رکھتے ہیں، اور کسی سے کہتے بھی نہیں کہ ہم شریف زادے ہیں۔ کیوں کہنے لگے۔ ہمیں فائدہ کیا۔ خواہ مخواہ کے لیے اپنے کو کیوں نکو بنائیں۔ ورنہ ہمارا خاندان از ایران تا توران، روم سے شام تک مشہور ہے، ہمیں نہیں جانتا کہ یہ شخص کیسا نامی خاندان والا ہے۔ اس زمانے میں کوئی کسی کو پوچھتا نہیں۔ بس یہ خرابی ہے عقل اور فہم و فراست اور دانائی کو کس نمی پرسید۔

اندریں عصر اگر حضرت لقمان باشد

بہر یک لقمۂ نان تابع دونان باشد

جناب والد کو پاجی سے نفرت تھی۔

آزاد۔ مگر خدا چاہے پاجی بنائے۔ لیکن پاجی کی صورت نہ بنائے اور جو چاہے بنائے۔

خو۔ جناب والد کہا کرتے تھے کہ خواجہ بدیع بیٹا تیر انداز چور ہے، اور بدن بھی چور ہے، مگر تو سب سے شہ زور ہے۔

نشے میں آکے جو کل مرشد مغاں سے لڑے

تو بس یہ سمجھو کہ ہم سارے ہی جہاں سے لڑے

اور جناب والد مبرور پہلوان بھی تھے، اور بچپن۔

آزاد۔ جی ہاں مجھے یاد ہے۔ میں نے سنا تھا کہ ایک خاکروب نے ان کو اٹھا کے دے مارا تھا۔ مگر وہ چت نہ ہوئے پٹ ہی گرے۔

صاحب۔ خاک روب کون یہ جو حلال خور ہوتا ہے۔

آزاد۔ جی ہاں ان کے باپ ایک ذلیل آدمی تھے۔

خوجی۔ بس میاں آزاد بس۔ بس اتنے میں ہی خیر ہے۔ اور اب ذرا آگے بڑھے اور ہم نے سختی کی۔ کیا دل لگی ہے۔

دل میں بدولت آپ کے اِک درد ہے سو ہے

وہ آہ سوزناک و دم سرد ہے سو ہے

آزاد۔ اب آپ کے مُنھ کون لگے پاجیوں کے۔

صاحب۔ آپ کی صورت سے تو......

خو۔ بس یہی تو غضب ہے۔ حضور کی صورت پاجیوں کی ہی ہے۔ مگر سیرت مقدم ہے۔

جواہر سے ملاتا کون یا اغراض کا جوڑا

یہ ہے باندھا ہوا خود مبدء فیاض کا جوڑا

چھ روز کے بعد سشن سے شہسوار کی نسبت پھانسی کا حکم ہوا۔ اور پانچ تاریخ اس کے لیے مقرر کی گئی چوتھی کی شب کو شہسوار کے دل میں طرح طرح کے خیالات آئے۔ کبھی سوچتا تھا کہ اگر افعالِ قبیحہ کی سزا اور افعالِ احسن کی جزا سچ ہے تو ہم نارِ جہنم میں ضرور جلائے جائیں گے۔ اور قعرِ دوزخ ہم کو ضرور دیکھنا پڑے گا۔ کبھی سوچتا تھا کہ ایسی حرکات شیطانی سرزد نہ ہوئی ہوتیں، تو اس مصیبت میں بھلا کاہے کو گرفتار ہوتا۔ کبھی شہزادۂ مرزا ہمایوں فر کا سفاکانہ قتل یاد آتا تھا۔ کبھی ڈاکہ زنی کا خیال خون رُلاتا تھا۔ مگر قہر درویش بر جانِ درویش۔ ایک بار سوچ کہ باغ سے ناحق ہی نکل بھاگے۔ اگر وہاں بدمعاشوں کے گروہ میں ہوتے تو کاہے کو اس طرح چپ چپاتے گرفتار کر لیے جاتے۔

ادھر ادھر دونوں طرف کے ہزار ہا آدمی مقتول و مجروح ہوتے، مگر پھر ایک دفعہ ہی خیال آیا اور کہا افسوس اب تک ہمارے دل سے یہ خیال فاسد نہ گیا۔ اب مرتے دم بھی یہی خیال ہے۔ کہ صدہا آدمی زخمی ہوتے اور صدہا قتل کیے جاتے۔ شہسوار کے دل میں ان خیالات نے اس قدر اثر پیدا کیا کہ اپنے اعمالِ بد پر بے اختیار رونا آیا، مگر اس حالت تنہائی میں کوئی سمجھانے والا یا کہنے سننے والا نہ تھا، کہ سمجھاتا، یا پچھلی بداعمالیوں پر غیرت دلاتا۔ الغرض جس قدر اوباشی، اور بدمعاشی، اور بدوضعی اور بدکرداری، شہسوار نے اپنی زندگی میں کی تھی اس نے ان کو اس وقت کمال منغض کر دیا اور جس قدر خوشی تمام عمر میں نہیں حاصل ہوئی تھی۔ اُس سے زیادہ رنج ہوا۔ اس ہجوم رنج و کثرتِ افکار میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ مگر خواب میں بھی یہی دیکھا کہ جلاد سامنے کھڑا ہے اور برق انداز ان کو پھانسی کے قریب لیے جاتے ہیں۔ فوراً چونک اُٹھے۔ اور آنکھ کھل گئی۔ تو اور بھی زیادہ صید الم ہوئے۔

صبح کو ایک شخص نے آن کران سے کہا کہ آزاد نے آپ کے پاس چپکے پیغام بھیجا ہے۔ میں منیجر جیل ہوں۔ مجھ سے کہا تھا کہ شہسوار کو ہماری طرف سے تسلی دو، اور کہو کہ تم نے تو افعال بد کی سزائے بد پائی۔ مگر دو باتوں کا ہم تم سے اقرار کر لیتے ہیں۔ ایک یہ کہ محبوب جان کا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور وہ ہمیشہ عزت و توقیر کے ساتھ زندگی بسر کرے گی۔ دوسرے یہ کہ تمہاری قبر بنوا دوں گا۔ اور بعد وفات کوئی شخص تمہاری لاش کی بے عزتی نہ کرنے پائے گا۔ شہسوار نے اس کے جواب میں کہا اس وقت مجھے محبوب جان کا مطلق خیال نہیں ہے باقی رہا یہ امر کہ بعد وفات لاش کی بے عزتی نہ ہوگی، اس کی بھی کچھ پروا نہیں، اور قبر بنوائیں یا نہ بنوائیں۔ قبر تو نام کے لیے بنتی ہے۔ ہمارا نام ہوا تو کیا، اور نہ ہوا تو کیا۔ کہاں کے بڑے بہادر سپاہی یا نامور جنرل ہیں۔

رہتا ہے آدمی کا نشاں اس جہان میں
بنتی ہے قبر بعد فنا نام کے لیے

ہم نام نہیں چاہتے۔ قبر کا بنوانا محض فضول ہے۔ جب ہمیں نہ رہے تو قبر کب تک رہے گی۔

ہمیں کیا جو تُربت پہ میلے رہے
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہے

منیجر۔ تو میں یہی آزاد سے کہوں گا۔

شہسوار۔ جی ہاں اس وقت ہوش کسے ہے۔

منیجر۔ آپ کی حالت افسوس کے قابل ہے۔

شہسوار۔ ہرگز نہیں میرے اعمال کا یہی انجام تھا۔

منیجر۔ اب اس وقت افعال بد کا کمال افسوس ہوگا۔

شہسوار۔ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید، بر کلہ خود باید زد، اب افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے بھلا۔

منیجر۔ آپ کے پھانسی پانے سے سب کو عبرت ہوگی۔

شہسوار۔ خصوصاً بداعمال اور بدمعاشوں کو۔

منیجر۔ مگر آپ نے واقعی بہت بُرا کیا کہ مرزا ہمایوں فر سے شہزادے کو جو ہر دل عزیز تھا قتل کر ڈالا۔ ہائے افسوس۔

شہسوار۔ اب اس وقت آپ چر کے پر اَور چر کا لگاتے ہیں۔ از برائے خدا یہاں سے دفان ہو جیے۔ اب وقت آخری ہے۔

منیجر۔ اب تو یہ کیجے سے کیا ہوتا ہے۔ مکائدو جہل سے کہیں خدا کو کسی نے راضی کیا ہے۔

شہسوار۔ خیر دل کو کچھ ڈھارس ہو گی۔

منیجر۔ سارا زمانہ خوش ہے کہ تو پھانسی پائے گا۔ دنیا میں کسی کو تیرے ساتھ ہمدردی نہیں ہے۔

شہسوار۔ اس کے اظہار کی کیا ضرورت ہے۔

منیجر۔ تاکہ تو اور بھی زیادہ ملول و مغموم ہو۔ بس اور کچھ نہیں موے پر سو دُرّے۔

سات بجے کا وقت پھانسی کے لیے مقرر ہوا تھا۔ اور چھ ہی بجے سے جیل خانے کے اردگرد اس کثرت سے تماشائی تھے کہ دور تک سر ہی سر نظر آتے تھے۔ جوق جوق آدمی جمع ہوتے جاتے تھے۔ حکام نے بڑا انتظام کیا تھا کہ بلوہ نہ ہونے پائے۔ فوج پیادہ کی ایک کمپنی مقتل میں پَرا جما کر کھڑی تھی۔ بندوقیں ہاتھوں میں، اور سنگینیں چڑھی ہوئیں۔ اس کے بعد ایک سو سوار شمشیر برہنہ لیے ہوئے صف باندھ کر استادہ تھے پھاٹک پر پچاس سپاہی مسلح مستعد، اور تماشائیوں کے ہجوم میں جا بجا دس دس سوار اور دس دس پیادے ہتھیار باندھے ہوئے تعینات تھے۔ اس کے علاوہ دو سو پولس مین دو رویہ دور تک لین جمائے ہوئے تھے۔ آدمی پر آدمی، اور تماشائی پر تماشائی ٹوٹا پڑتا تھا۔ پھانسی دیکھ دیکھ کر عموماً سب کو عبرت ہوتی تھی۔ مگر بد وضع اور بد معاشوں کے کلیجے دہلتے تھے، اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

اتنے میں شہسوار کے آنے کی خبر گرم ہوئی۔ پچاس سوار پچاس پیادے اس کو گھیرے ہوئے تھے۔ تاکید کر دی گئی تھی کہ تماشائیوں میں کسی کے پاس بندوق یا تمنچہ نہ ہو۔ اس وقت شہسوار بھیگی بلی کی طرح دبکا دبکایا آہستہ آہستہ آیا۔ اور ایک مقام پر کھڑا ہو کر تماشائیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ کہ اتنے میں غول میں سے کسی شخص نے تمنچہ سر کیا، اور شہسوار کے بازو پر گولی لگی مگر چھچھلتی ہوئی۔ تمنچے کے سر ہوتے ہی تہلکہ مچ گیا۔ اور جس شخص نے گولی چلائی تھی وہ گرفتار ہو گیا۔ گولی چلا کر اس نے بھاگ جانے کی کوشش کی تھی مگر ایک سوار نے تلوار سے روکا۔ اور اس کوشش میں مجرم مجروح بھی ہوا۔ اور قبل اس کے شہسوار پھانسی پائے مجرم کی طرف سب مخاطب ہوئے اور وہ گرفتار کر کے جیل خانے میں لایا گیا تو شہسوار نے اس کی طرف مخاطب ہو کر یوں گفتگو کی۔

شہسوار۔ اس سے کیا فائدہ ہوا اور کیا نتیجہ نکلا۔

مجرم۔ ہم نے بھی تمہارا ساتھ دیا اس وقت۔

شہسوار۔ افسوس تم لوگ بالکل دشمن عقل ہو۔

مجرم۔ گولی اس لیے چلائی تھی کہ پھانسی سے بچ جائیے۔

شہسوار۔ واہ واہ۔ کیا عقل و خرد ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مجرم۔ خیر اب تو ہم بھی مجرم ہو گئے۔

اتنے میں صاحب ضلع نے تماشائیوں کا اور بھی انتظام اور اہتمام مزید کیا، تاکہ کسی کے پاس کوئی آلۂ حرب نہ نکلے۔ اور ادھر شہسوار نے تماشائیوں کی طرف خطاب کر کے یوں کہا: یار کوئی حسن آرا اور سپہر آرا ان کافر ادا ظالم اور ستمگر معشوقوں کو اتنی تو خبر کر دو، کہ تمہارا عاشق زار شہسوار جرّار اب اس جرم میں پھانسی پاتا ہے کہ تمہارا عاشق دلی تھا۔ از برائے خدا ذرا مقتل تک آؤ۔

بہ جرم عشق توام می کشند غوغائی ست

تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشائی ست

ان سے کہدو کہ خدا را بے حجاب آؤ اور رخ انور سے عاشق کے دم واپسیں نقاب اٹھاؤ۔ چہرہ زیبا دکھاؤ۔ ہم مرنے سے جی نہ چُرائیں گے۔ اپنے ہاتھ سے سولی پر چڑھ جائیں گے۔ ایک جوان طنّاز پر نظر پڑی ہے مگر افسوس کہ نظر ڈالتے ہی اس نے آنکھیں نیچی کر لیں۔

دزدیدہ نظر ہے کیوں دم قتل

کیا مرنے سے جی چُرائیں گے ہم

مجھ میں اب اس قدر طاقت بھی نہیں کہ دو قدم چل سکوں، ورنہ ان سب سے مقابلہ کر کے اپنے معشوقہ زاہد فریب، طاؤس زیب، سے دمِ آخر بھی ضرور ہم آغوش ہو لیتا۔ مگر طاقت نے جواب دیا۔

وہ صید ناتواں ہوں کہ اس اضطراب پر

اُچھلے نہ آبِ تیغ کی طغیانیوں میں ہم

میں تو سمجھا ہی تھا کہ اَجَل کے وصال کے وقت اُن سے بھی وصل ہو گا۔ اے توبہ وصل کجا۔ دور دور سے چار آنکھیں ہو گئیں۔ مگر صد حیف کہ ہماری برسوں کی صحبت میں بھی ابھی یہ حال ہے کہ آنسو ڈبڈبا آئے جانِ جاں تمہارے آنے سے تو میں خوش ہوا کیونکہ آخری دیدار نصیب ہو گئے۔ مگر اتنا نقصان البتہ ہوا کہ جان ذرا دیر میں نکلے گی اور روح بڑے جھگڑوں کے بعد مفارقت کرے گی۔

صد بار پیش مردم از شوق نام تو

جاں منتظر نشستہ بکنج لبم ہنوز

محبوب جان اب وہ آنسو کہاں گئے۔ اللہ اللہ۔ اس قدر جلد خشک ہو گئے، کہ ابھی پٹ پٹ آنسو

گرتے تھے اور اب انہیں پتا ہی نہیں تو وجہ کیا۔

در وداع دوست چشم اشک بارانی نہ کرد
آب کمتر می چکد چوں پختہ می گردد کباب

میں نے تمام عمر میں کوئی کار نیک نہیں کیا۔ بجز اس کے کہ ایک بیوہ جو کمال عفیفہ تھی، اس کو ایک شہوت پرست جوان کی بدعت سے بچایا۔ اس نے مجھے لاکھوں دعائیں دیں مگر کوئی دن میری زندگی کا ایسا نہیں گذرا کہ میں نے مردم آزاری نہ کی ہو۔ میری سوانح عمری کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے۔

۱۔ دس برس کی عمر میں میں نے ایک ہم سن بچے کو جس سے مجھ سے بڑا یارانہ تھا۔ کنوئیں میں دھکیل دیا۔ اور بہت خوش ہوا۔ کہ مجھ سے یہ کار نمایاں سرزد ہوا۔

۲۔ دو مہینے کے بعد میں نے اپنی ایک بہن کو، کہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔ پکڑ کر چولھے میں جلایا۔ جب وہ غل مچانے لگی تو میں گھر سے بھاگ گیا۔ اس روز سے آج تک گھر نہیں گیا۔

۳۔ فوج کی نوکری میں میں نے ایک شب کو دل لگی، دل لگی میں چار سو گھوڑوں کو، جو رسالے کے تھے تلوار سے زخمی اور مقتول کیا۔ کسی کا سر الگ، اور کسی کا کان ندارد، اور کسی کی دم کٹی ہوئی۔ اور کسی کی تھوتھنی نہیں۔

۴۔ ایک بار میں نے ایک بوڑھی عورت کے جوان لڑکے کو جس کا میں کئی سبب سے احسان مند تھا۔ صرف بغرض تفریح طبع گولی سے مار ڈالا، اور اس عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالے کہ پھر کوئی کام نہ کر سکے تاکہ ایڑیاں رگڑ کے مرے۔

تماشائی۔ اے لعنت خدا کا فر مردود!

دوسرا۔ خدا کی مار۔ شیطان کی پھٹکار۔

تیسرا۔ اس کو تو کھڑا چنوا دینا چاہیئے، بدبخت کو۔ خدا کی مار لعنت! اے لعنت خدا۔!

شہسوار۔ میں نے ایک بار مئو کی چھاونی کے پاس ڈاکہ مارا، اور دس مردوں، چھ عورتوں، دو بچوں، اور بارہ آدمیوں کو قتل کیا۔ اُن کا سب مال و اسباب چھین لیا۔ پھر ایک ڈاکہ مارا اُس میں عورتیں اپنے مردوں سے جدا ہو گئیں۔ اور بچے بلک بلک کے مرے، اور ان کا بلکنا اور تڑپنا دیکھ کر میں ہنسا اور خوش ہوا۔

تماشائی۔ کیا فخریہ بیان کر رہا ہے۔ اے لعنت۔

دوسرا۔ اگر میرا بس چلے تو ہاتھی کے پاؤں کے تلے روندوا ڈالوں، یہ اسی کے لائق ہے مگر پھانسی اس کے لیے کافی سزا نہیں ہے۔

تیسرا - اب اس وقت کل باتیں یاد آرہی ہیں۔
شہسوار - مرزا ہمایوں فر کا قتل بھی یاد رہے گا۔
تماشائی - آخ تھو - دور ہو کمبخت نامعقول۔
دوسرا - خدا کی قسم یہ شخص اس قابل ہے اس کو سرد مہری سے اس طرح قتل کرے کہ اس کے تکے تکے کیے جائیں، اور ترسا ترسا کے مارا جائے۔
شہسوار - اگر پھانسی سے تشفی نہ ہو تو یوں بھی سہی - مرزا ہمایوں فر کے قتل کا مجھے بھی تو رنج ہوا اور محبوب جان نے جو میرے سامنے اس وقت کھڑی ہے بہت کچھ لعنت ملامت کی ہائے۔ آہ سرد نزجان دل ہے۔ مگر ضبط کررہا ہوں۔

رخصت آہ وہم گردل شیدائی را
آتشے درزنم ایں گنبد مینائی را

مگر میری اس حالت زار اور انجام سے سب کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار خصوصًا ان لوگوں کو جو میرے سے قاتل اور ڈاکو اور سفاک ہیں۔ میں نے بے شمار احباب کو ہدایت کی ہے کہ حتی الوسع آزاد پاشا کی خدمت کریں۔ اوران کو بہادر سپاہی سمجھ کر تعظیم کے ساتھ پیش آئیں اور محبوب جان کو دامے درمے قدمے سخنے مدد دیں۔ اللہ بس باقی ہوس ہم نے جو کیا اس کا پھل پایا۔ کہ کردکہ نیافت۔ جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔

یہ کیا الم ہے جو ہے چاک چاک جیب سحر
یہ کیا الم ہے جو خورشید ہے برہنہ سر
ہے چاندنی ہیں ولا سیلِ اشک کا عالم
وفور گریہ سے اب ہے سفید چشمِ قمر
سیاہ پوش ہوا ہے الم سے چرخِ کبود
برنگِ داغ دل ماہ ہے ہراک اختر
بنا ہے چاند کا ہالہ بھی حلقۂ ماتم
ہے برج آبی گردوں بشکل دیدۂ تر
وفورِ غم سے تعجب نہیں اگر مریخ
اب اپنے قتل کو مانگے ہلال سے خنجر
نظر میں گنبد گردوں سے گنبد مدفن
بنی ہے چادر مہتاب قبر کی چادر

ہائے اگر حسن آرا کے ہاتھ سے مارا جاتا تو کس لطف کے ساتھ جان جاتی اور کس قدر مزا حاصل ہوتا۔

درد ہوتا مرے زخموں میں تو میٹھا میٹھا
اس شکر لب نے جو شمشیر لگائی ہوتی

اور اگر سپہر آرا کے دست نازک سے جان جاتی تو سبحان اللہ سبحان اللہ۔

عمر بھر میں دہن زخم سے خنداں رہتا
اُس نے ہنس ہنس کے جو تلوار لگائی ہوتی

مجھے اس مرتے دم بھی اُسی زلفِ چلیپا کی یاد ہے۔ اللہ رے عشق اگر کبھی وہ زلف چھوئی ہو تو کالے ڈسیں مگر جب یاد آتی ہے تو کلیجے میں سانپ لگتے ہیں۔

خیالِ زلف ہے یوں عاشقوں کے سینے میں
کہ جیسے سانپ ہوں بیٹھے ہوئے خزینے میں

یارو اس قدر مجھ پر احسان کرنا کہ میرا جنازہ حُسن آرا کے مکان کی طرف سے لیجانا اور اگر سپہر آرا میرے لاشے پر نظر ڈالے، تو سبحان اللہ۔ مگر۔

جنازہ میرا گلی میں اُن کے جو پہونچے ٹھہرا کے اتنا کہنا
اٹھانے والے ہوے ہیں ماندے سو تھک کے کاندھا بدل رہے ہیں

مجھے اس عشق اور حسن گلوسوز نے مار ڈالا۔ نہ سپہر آرا پر دل آتا نہ ہمایوں فر کو قتل کرتا۔ نہ پھانسی پاتا مگر سپہر آرا کا اس میں کیا قصور ہے۔

من نگویم کہ یار کُشت مرا
دل بے اختیار کشت مرا

خود کردہ را چہ علاج۔ جو ہوا سو ہوا۔ مگر فعل بد کا انجام بد ہے گو مرتے کو کروڑوں مرے، اور کروڑوں مریں گے اور مرتے جاتے ہیں، مگر جس تلخ کامی سے میری جان جاتی ہے، وہ کبھی کسی کی نہ ہوئی ہوگی۔ جن جن کو میں نے قتل کیا ہے اس کی صورت اس وقت روبرو ہے۔

۱۔ بھالا ہاتھ میں لیے ہوئے وہ بچہ جس کو میں نے کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ بھالا دکھا کر کہتا ہے عین پھانسی کے وقت بھوکوں گا۔ (کانپ کر)

۲۔ وہ ضعیفہ جس کے جوان لڑکے کو میں نے قتل کیا تھا تکلا دکھا رہی ہے۔ کہتی ہے کہ پھانسی ہی پر چبھووں گی۔ تا کہ جان کنی میں اور بھی صدمہ ہو۔

۳۔ اس کا لڑکا تلوار سے مجھے دھمکاتا ہے۔

۴۔ ڈاکے میں جن لوگوں کو قتل کیا تھا وہ مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔ ہر چہار طرف سے ڈراتے ہیں۔

۵۔ ایک عورت بے طور میری دشمن ہے۔ مگر میں پہچانتا نہیں کہ کون ہے، یا خدایہ کون ہے۔ اس کے

ہاتھ میں انگیٹھی ہے اور وہ کہہ رہی ہے کہ عین اس وقت جب جلّاد پھانسی پر چڑھائے گا۔ میں تیرے جسم کو جھلسادوں گی۔ ہائے ہائے میں کیا تھا اور اب کیا ہوں۔ کیسا چین کرتا تھا اور اب کس افسوس کی حالت میں ہوں۔

آں بلبلم کہ در چمنستان بہ شاخسار | بود آشیانِ من شکنِ طرۂ بہار
آں ساختم کہ از اثر رشحۂ کفم | خمیازہ را بہ موج گل اپناشتی خمار
آں مطربم کہ ساز نوائے خیال من | غیر از کمند جاذبۂ دل نہ داشت تار
آں کوکبم کہ در تب وتاب نور و شوق | اوج من از رسیدن می یافتی فرار
آں ریشۂ نگاہ امیدم کہ دم بدم | بود از نم طراوتِ دل شوقم آبیار

ہر غنچہ از دم بقضائے شگفتگی
فیض نسیم و جلوۂ گل داشت پیشکار

مگر اب اس وقت ہر در و دیوار سے حسرت نظر آتی ہے۔ جس قدر افعالِ بد مجھ سے سرزد ہوئے، وہ میری روح کو کمال صدمہ پہونچا رہے ہیں۔

داغ تلخ گویانم لذت ستم از من پرس
محو تند خویانم حیرت رم از من پرس

گو یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مرنے کے وقت انسان کے خیال کیسے ہوتے ہیں۔ مگر اس قدر ضرور کہوں گا کہ جو میرے دل کا حال ہے وہ کسی کا نہ ہوگا۔

نگاہ مجھے اس وقت پریشان کر رہی ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ مرزا ہمایوں فر کی صورت نظر نہیں آتی ہے جس جس کو قتل کیا سب آمادہ کھڑے ہیں کہ پھانسی کے وقت ضرر رسانی کریں۔

تماشائی۔ وہ قدسی صفات لوگ تھے۔ بادشاہ کی اولاد۔ ان کو ضرر رسانی سے کیا مطلب۔ ان کی طرف سے خدا کا قہر تجھ پر نازل ہوا۔

دوسرا۔ پھانسی کے وقت سب گناہ تجھے اور بھی پریشان کریں گے۔ گو وہ پریشانی ایک ہی ساعت کی ہوگی۔

جو صاحب اس پھانسی کی نگرانی کے لیے افسرِ اعلیٰ مقرر ہوئے تھے۔ انھوں نے چپ چاپ شہسوار کی تقریر سنی، اور کہا۔ اب زیادہ وقت ضائع نہیں ہو سکتا۔ چلو، اور پھانسی فوراً دی جائے۔ یہ سن کر شہسوار رونے لگا۔ بدن تھر تھر کانپتا تھا، اور ایک ایک قدم پر گرا پڑتا تھا۔ تماشائیوں میں ایک شخص نے کہا دیکھو

بھائیو۔ یہ گناہ کبیرہ اس کو اس وقت کس قدر خوف دلا رہا ہے اور کس قدر رلا رہا ہے کہ ایک ایک قدم پر اس کا پانوں لرزتا ہے اور کانپ رہا ہے۔ اور اس قدر گریہ و بکا کرتا ہے جس قدر گناہ اس سے سرزد ہوئے ہیں وہ سب اس وقت پریشان حال کر رہے ہیں۔

اب سُنیئے کہ ادھر تو مچل مچل کے شہسوار پھانسی کے رُخ جاتا تھا اُدھر تماشائیوں کے ہجوم میں ایک آدمی سیاہ عمامہ باندھے ہوئے سب سے زیادہ آہ شیون زار کھینچکر روتا تھا۔ ٹانگوں میں چست گھٹنا سر پر عمامہ سیاہ، اور گرنٹ کا دُگلا، اُتو کیا ہوا، اور جامہ وار کی رضائی اوڑھے ہوئے۔

آزاد پاشا نے جو اس پر نظر ڈالی تو سمجھ گئے کہ کون ہے۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ یہ یا الٰہی کون شخص ہے۔ حُسن نمکین و برشتہ ایسا کہ لاکھوں میں انتخاب۔ اور نک سک سے درست۔ بوٹا سا قد، مگر ڈاڑھی مونچھ ندارد اور کیفیت یہ ہے کہ ساتھ کے دو دو آدمی سنبھالتے ہیں۔ مگر نہیں سنبھلتا۔ دل بے اختیار ہوا جاتا ہے ایک پھانسی کے قریب پہونچ کر شہسوار نے نعرہ مارا اور یہ اشعار زبان پر لایا۔

مرد عشق ستیزہ کار ہے دل   ملک الموت سے دوچار ہے دل

بسکہ مشتاق ناز یار ہے دل   ستم آموز روزگار ہے دل

وصل جاناں کہاں سوائے خیال

ہم ہیں مایوس امیدوار ہے دل

یہ اشعار حسرت بار سُن کر وہ سیاہ عمامے والا جوان ایسا بے قرار ہوا کہ دھڑ سے گر پڑا۔ اور آزاد نے جھپٹ کر اُسے اٹھایا تو غش آگیا تھا۔ پانی چھڑکا۔ بھیڑ سے ہٹانے کو تھا کہ ہوش آگیا اور کہا۔ لوگو۔ مجھ نصیبوں جلی کو یہاں سے لے چلو ہائے ہائے۔ ارے میرے بانکے شہسوار محبوب جان تیرے مقتل سے اب جاتی ہے۔ اُدھر قریب تھا کہ شہسوار پھانسی پر چڑھایا جائے۔ کہ اس نے ایک مرتبہ کانپ کر کہا۔ ارے خدا کے لیے مجھے نہ کونچو۔ ارے یہ بھالا لیے ہوئے لونڈا آیا ہے، ہائے کونچ رہا ہے۔ یہ نکلاے کر بوڑھی عورت آئی۔ ارے آنکھ بچا نیک بخت دہائی سرکار کی از برائے خدا مجھے جلد پھانسی دو۔ دہائی سرکار کی۔ ارے یہ سب کے سب۔ مجھ سے بدلا لے رہے ہیں۔ اُفوہ۔ ہائے مرا۔ یہ آگ کی انگیٹھی سے میرا بدن جلایا جاتا ہے۔

سامعین یہ تقریر سُن کر کانپ رہے تھے۔ کہ اللہ رے انقلاب اور مکافاتِ عمل یہ وہ شخص ہے جس نے ہزاروں آدمیوں کو ایذا پہونچائی۔ اور صدہا کی جان لی، اور پچاسوں کو قتل کیا، اور ہزاروں کے معرکے میں معدودے چند سے چھاپہ مارتا تھا۔ اور سُرخ رُو آتا تھا۔ اور کبھی کسی سے دب کے نہیں رہا۔ اور

ایک وقت آج ہے کہ تھرا رہا ہے، اور گریہ و بکا کرتا ہے۔ جن بے گناہوں کو اس نے قتل کیا ہے۔ ان کی صورت ہر درو دیوار سے نظر آتی ہے۔ افسوس صد افسوس ہزار افسوس۔ خدا نہ کرے کہ ایسا انجام کسی کا ہو۔ کوئی اس کے دل سے اس وقت پوچھے کہ اس پر کیا گذرتی ہے۔ تمام عمر جس قدر عیش کیا ہے اس کا ہزار گونہ اس وقت رنج ہے۔

شہسوار۔ اے زندگی اب تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔

آواز۔ جا جہنم میں مردود۔ دور ہو کہیں۔

شہسوار۔ اُف۔ اُف۔ صاحب اب ہم کو نجات دو۔ ارے یہ صدہا تیروں کی مجھ پر بوچھار ہو رہی ہے۔

آواز۔ موے پر سو دُرّے۔ تو ایسا ہی بد اعمال، اور بد وضع، اور بد کردار ہے۔ اگر میرا بس چلے تو اس وقت تیری ایک ایک بوٹی نوچوں۔

شہسوار۔ اف۔ ئے مرا۔ ارے او بے رحم اب زیادہ نہ بدن جلا۔ ہائے اس کے بعد شہسوار تختے پر چڑھا دیا گیا اور جلاد نے رسّی کھینچ لی۔ اور پھانسی لگ گئی۔ بہت تڑپا۔ ہاتھ پاؤں جھٹکے، اور تڑپ کے سرد ہو گیا گلے سے رسّی کھول لی گئی۔ سول سرجن نے آن کر دیکھا، اور کہا دم نکل گیا۔ جس وقت جلاد نے کھاروے کا ٹوپ پنہایا۔ شہسوار نے نعرہ بلند کیا کہ اکثر آدمی کانپ اُٹھے۔ اور جلاد ڈر کر بھاگنے لگا تو صاحب نے للکارا۔ اب سنیے کہ تماشائی اس سانحے اور عبرت ناک معاملے کو دیکھ کر باہم یوں گفتگو کرنے لگے۔

۱۔ بُرے کام کا بُرا نتیجہ ہے بھائی۔

۲۔ اسی لیے کہتے ہیں کسی کا دل نہ دکھائے۔

۳۔ تھا تو یہ بد بخت اسی لائق۔

۴۔ بلکہ اور اس سے زیادہ سزا کے لائق۔

۵۔ دیکھا کس حسرت کے ساتھ یہ بد بخت مرا۔

۶۔ اُف اُف۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

۷۔ اس میں کیا فرق ہے۔ یہ گناہ کا انجام ہے۔

۸۔ یا خدا ہر آفت سے بچائیو۔ یا باری تعالیٰ۔

۹۔ کر تو ڈر نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔

۱۰۔ ہم اس کے قائل نہیں ہیں۔ بے گناہ کو کیا خوف ہے۔

تو پاک باش برادر مدار از کس باک   زنند جامۂ ناپاک گازران بر سنگ

۱۱۔ افوہ۔ ایک وہ دن تھا کہ سرکار، اور حاکم لوگ اور پولیس والے اور بڑے بڑے آدمی سب اُس سے خائف تھے۔

۱۲۔ جی ہاں اور ایک دن آج ہے واہ۔

۱۳۔ اُفوہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں واللہ۔!!

۱۴۔ عبرت! عبرت!! کیا خراب انجام ہوا۔

۱۵۔ خدا دشمن کا بھی ایسا انجام نہ کرے۔

۱۶۔ اس سرکشی کا نتیجہ یہی ہے۔ خدا کو بڑا معلوم ہوتا ہے اس کے بندوں کی مفت میں کوئی جان لے۔

عزیزے کہ از در گہش سر بتافت

بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اس سے بڑھ کر اور سرکشی کیا ہوگی۔ الامان۔ الامان۔ صدہا خون اس کی گردن پر ہیں۔

۱۷۔ پھانسی پاتے بہتوں کو دیکھا مگر اس حالت زار میں جان دیتے کسی کو نہیں پایا۔

۱۸۔ حق ہے حق ہے۔ یہ اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔

گندم از گندم بروید جوز جو

از مکافاتِ عمل غافل.... مشو

کہ کرد کہ نیافت۔ خوب ہوا۔ واللہ خوب ہوا۔

۱۹۔ خدا کسی کو یہ وقت نہ دکھائے۔ مگر میں تو واللہ خوش ہوا۔

مرزا ہمایوں فر کو اس دوزخی نے قتل کیا یہ تو اگر اس طرح پر مارا جاتا کہ پتھروں سے اس پر نشانے لگائے جاتے تو میں از بس محفوظ ہوتا واللہ۔

شہسوار کی لاش محبوب جان کی نگرانی میں اٹھوائی گئی، اور اسی وقت تجہیز و تکفین کی فکر کی گئی۔ جنازے کے ساتھ آزاد پاشا بھی تھے۔ ہر مقام پر جوق جوق آدمی ساتھ ہوتے تھے اور یوں باتیں کرتے جاتے تھے۔

۱۔ اللہ اللہ کیا شورہ پشت آدمی تھا۔ اُف!

۲۔ جی ہاں سب کا یہی انجام ہے حضرت۔

۳۔ خدا نہ کرے کسی کا ایسا انجام ہو۔ توبہ۔

۴۔ مطلب یہ کہ ایک دن مرنا سب کو ہے۔

۵۔ یہ سچ۔ مگر ایسی موت خدا نہ کرے کوئی مرے۔

محبوب جان۔ ہائے شہسوار۔ وائے شہسوار۔ چھوڑ گئے۔

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو ۔ تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو

ہمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو عبرت ہو ۔ بہم جوہر سے جوہر، تیغ کا جب دست حیرت ہو

کسی کے ابرو خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا ۔ جو میری خاک سے تعمیر محرابِ عبادت ہو

بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم

دلِ نالاں پسِ مردن جو سرگرمِ شکایت ہو

یہ شعر اکثر وردِ زبان رہتے تھے۔ اور مجھ کو بھی کچھ کچھ فارسی پڑھائی تھی۔ ہائے جس دن مرزا ہمایوں فر کو قتل کیا، میری عجب حالت تھی۔ مگر وہاں سے بھی بھاگ کے نکل آیا۔ تو میں نے بڑی خوشیاں کیں۔ ہائے ایک بار مجھ سے کہا محبوب جان ہمیں ایک بوسہ تو دو۔ میں نے کہا بس اب بوسے رہنے دیجیے۔ کہا۔

دے دیا کیجیے بوسہ طلب اول پر

سچ کہا ہے کہ مزا حرفِ مکرر میں نہیں

آزاد۔ بڑا بداعمال آدمی تھا بدبخت۔

محبوب جان۔ انتہا سے زیادہ میاں اور نیت ہمیشہ بدی کی طرف رہتی ہے۔

آزاد۔ افوہ کس حالت میں اس کی جان نکلی ہے۔

محبوب جان۔ میاں رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہائے اب کیسے چپ چاپ پڑے ہیں۔ آرزو مے دلی یہی تھی کہ سو دو سو کو مار کے مرے، مگر تم نے اس طرح چپر غٹو کیا کہ بالکل بس ہی ہیں کر لیا۔

آزاد۔ میں تو جانی دشمن تھا اس کا۔

محبوب جان۔ اے کاش میرے پاس نہ آتا تو شائد بچ جاتا۔ گرفتار نہ ہوتا۔

تڑپتا ہے پڑا شوقِ شہادت خاک اور خوں میں

گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے

شہسوار کے جنازے کے ساتھ جس قدر آدمی تھے اس پر لعنت بھیجتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ ملحدوں کا یہی انجام ہے۔ کوئی کہتا تھا یہ مرد کہ نماز روزہ اور عبادت خدا سے بالکل غافل تھا اور منہیات و معصیات کا مرتکب ہوتا تھا لہٰذا یہ روز بد دیکھنے میں آیا۔ کوئی شخص ایسا نہ تھا جو کلمۂ خیر سے یاد کرتا۔ دفن کے وقت نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ کیونکہ محبوب جان نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ یہ شخص مسلمان نہ تھا بلکہ معبود حقیقی

ماشان میں اکثر کلمات بے ادبانہ زبان پر لاتا تھا۔

اب سنیئے کہ حسن آرا بیگم کے ہاں کئی آدمیوں نے جا کے شہسوار کی پھانسی کا حال بیان کیا۔

عسکری۔ (بڑی بیگم سے) الامان۔ الامان۔ جس مصیبت اور سختی سے اس ناہنجار کی جان نکلی۔ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔

بڑی بیگم۔ بیٹیا۔ اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ سمجھے۔

بہار النسا۔ میں دیکھتی تو بہت ہی خوش ہوتی اما جان۔

بڑی بیگم۔ نا بابا۔ کوئی ایسا کفر کا کلمہ کہتا ہے۔

بہار النسا۔ اس کے ساتھ رحم کرنا تو اماں جان ستم ہے۔

بڑی بیگم۔ وہ جیسا تھا ویسا اس کا انجام ہوا۔ ہم عبرت پکڑیں یا خوش ہوں۔ تو خوشی کیسی ہمیں عبرت ہونی چاہیے۔

عسکری۔ جس جس کے ساتھ اس نے بدی کی تھی اُن سب کی صورت اس کو سامنے سے نظر آتی تھی۔ اور غل مچا مچا کر کہتا تھا کہ ایک بچہ جس کو میں نے کنوئیں میں ڈھکیل دیا تھا اس وقت بھالا لیے ہوئے کو نچ رہا ہے۔

اتنے میں عباسی مہری آئی۔ اُس نے کانپتے ہوئے کہا۔ حضور اُف توبہ توبہ (ناک پر مٹی لگا کر) اللہ دشمن کو بھی ایسا دن نہ دکھائے۔

سپہر آرا۔ پھانسی کیوں کر لگائی جاتی ہے باجی جان۔

حسن آرا۔ چہ خوش۔ جیسے میں نے پھانسی لگائی ہے۔

عباسی خانم۔ میں عرض کروں، ایک اونچے تختے پر آدمی کھڑا ہوتا ہے اور اس کا گلا رسّی میں ڈالا جاتا ہے بس تختہ کھینچ لیا اور لٹک گیا۔

حسن۔ افوہ (کانپ کر) چلو اب اس کا ذکر نہ کرو۔

روح افزا۔ اے ہاں گیا وہ مُوا جہنم میں۔ اب اس کا بار بار ذکر کیا ہے۔ طرح طرح کے خیال آتے ہیں۔

عباسی۔ اس کا بوڑھا باپ کسی بہانے سے اس کی جگہ جیل خانہ میں جا بیٹھا تھا۔ وہی بوڑھا۔ یاد ہوگا۔

سپہر۔ تو کیا جوان اور بوڑھے میں فرق نہ کیا۔

عباسی۔ جب پولیس کے لوگوں نے دیکھا تو تلاشی کی گئی اور ادھر شہسوار اپنی آشنا کے ہاں دندنانے لگا۔

روح افزا اور جانی بیگم کے اصرار سے یہ تذکرہ موقوف کر دیا گیا، اور دوسرا ذکر چھیڑ دیا۔

اب سنیئے کہ ثریا بیگم جو اسی شہر میں وارد تھیں جب انہوں نے یہ حال سُنا تو ہمجولیوں سے اپنے ادر

شہسوار کے حال اور بات چیت کا ذکر چھیڑا۔ اور کہا مجھ سے اور اُس سے عرصے تک مکالمہ رہا۔
میں اس زمانے میں کسی اور نام سے مشہور تھی یعنی جوگن۔ جب ایک مقام پر ملا تو جوگن سمجھ کر یوں گفتگو کی۔

شہسوار۔ میں نے کل سے دل میں ٹھان لی ہے کہ تارک الدنیا ہو جاؤں۔

جوگن۔ تارک ہونا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔

شہسوار۔ یہ سچ ہے مگر میں بوالہوس نہیں ہوں۔ مستقل ہوں۔

جوگن۔ شاید۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔

شہسوار۔ خوب یاد رکھیے۔ مجھے دنیا سے نفرت ہو گئی۔ جس ماہرو کو پیار کرتا تھا اور جس کے عشق کا دم بھرتا تھا، اس نے میرے سامنے میرے رقیب کو منھ لگایا اور مجھے آتشِ غم میں جلایا۔ ؎

رقیباں از آتشِ ہجرش من مہجور می سوزم
نمی سوزی تو از نزدیک و من از دور می سوزم

جوگن۔ رقیب کون؟ رقابت کا کیا ذکر ہے۔

شہسوار۔ وہی جوان رعنا جس کا نام آزاد ہے۔

میں۔ آزاد کا نام سُن کر پھر ملول ہو گئی۔ شہسوار سے پوچھا کہ وہ آج کل ہے کہاں شہسوار نے کہا واللہ اعلم مگر سُنا روم گیا ہے۔

جوگن۔ وہ کون ایسا پرکالۂ آتش، خوبرو جوان ہے، جس کے سامنے تم ایسے گل بدن کی دال نہ گلی۔

شہسوار۔ ایمان سے کہوں، یا لگی لپٹی، بناوٹ کے ساتھ۔

جوگن۔ لگی لپٹی کیا معنی۔ اللہ لگتی کہو۔

شہسوار۔ مجھ سے وہ کمبخت ہر طرح اچھا تھا۔ واللہ باللہ۔

کمبخت کا لفظ جو آزاد فرخ نہاد کی شان میں شہسوار کی زبان سے نکلا تو میں آگ بھبوکا ہو گئی۔ قریب تھا کہ شہسوار کو نکلوا دوں مگر سوچی کہ جھگڑے فساد سے کیا واسطہ۔ جب جوگن کے بھیس میں رہنے اور انواع اقسام کے مصائب سہنے لگی تو اب غم و غصہ کیسا۔ شہسوار بولا۔ کہ روم گئے تو ہیں چڈا۔ مگر خدا ہی ہے جو واپس آئیں۔

میرے شیشۂ دل کو ٹھیس لگی، مگر اظہارِ ملال خلافِ وضع سمجھی۔

شہسوار۔ واہ کیا خوب کہا ہے ؏

بھری وہ آتشِ عشق اس دلِ فگار میں ہے ۔۔۔ کہ لاکھ برقِ نہاں جس کے ہر شرار میں ہے

جوگن ۔ آزاد ہائے آزاد ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر)

شہسوار نے بگڑ کر جوگن پر نظر ڈالی۔ تو اُس شوخ ستمگر نے بات ٹالی، اور کہا، آزاد ہی نے تمہیں خراب کیا ہے۔ یہ کانٹے اسی کے بوئے ہوئے ہیں۔ شہسوار دل میں ازبس خوش ہوا کہ اس مہ لقا نے میرے ساتھ ہمدردی کی، اور میری بے قراری دیکھ کر آہ سرد کھینچی۔ مسرور ہو کر مزید آزمائش کے لیے یہ شعر پڑھا

مل گئے پر حجاب باقی ہے — فکر ناز و عتاب باقی ہے
بات سب ٹھیک ٹھاک ہے لیکن — کچھ سوال و جواب باقی ہے

ناظرین کو یہ بات چیت ضرور یاد ہو گی۔

الغرض شہسوار کی پھانسی کا حال اور آزاد کی جرأت کا ذکر گھر گھر مشہور ہوا۔ اور حسن آرا کے ہاں سب کو انتہا سے زیادہ خوشی ہوئی کہ ہمایوں فر کے قاتل اور آزاد کے جانی دشمن نے پھانسی پائی۔ ثریا بیگم بھی کمال محظوظ تھیں۔ کہ آزاد کو اب کوئی کھٹکا نہ رہا اور جو شخص اس کا رقیب تھا وہ دنیا سے اٹھ گیا۔

شہزادی بیگم کے ہاں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ کہ شہزادے کے قاتل کی جان گئی۔ دونوں بہنیں خوش تھیں کہ ان کے بھائی کی جس شقی نے جان لی تھی وہ کتے کی موت مارا گیا۔ اس پھانسی سے سب سے زیادہ خوشی سپہر آرا، اور حسن آرا اور شہزادی بیگم، اور مرزا ہمایوں فر کے بھائی کو تھی۔

اب سنیے کہ دوسرے روز خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع نئے ٹھاٹھ اور نرالی دھج سے پاتوں میں کمبخت کا چرٹھواں جوتا۔ ٹانگوں میں بہت بڑا ڈھیلا پاجامہ، زنگاری رنگا ہوا کوٹ، کھارے کا وردی کی طرح کا۔ ٹوپی گرنٹ کی۔ اور بیل کے عوض پنیل۔

مہری نے محل سرا میں دوڑتے ہوئے آ کر باآواز بلند کہا۔

مہری ۔ بیگم صاحب ذری کمرے میں چل کر دیکھیے گا۔ یہ کون آئے ہیں۔

حسن آرا ۔ کون ہے۔ اری کون آئے۔ کون ہیں۔

مہری ۔ (ہنس کر، حضور چل کے دیکھ لیجے۔

جانی بیگم ۔ اوئی۔ آخر معلوم تو ہو کہ کون ہے۔؟

مہری ۔ دست بستہ حضور ذری تکلیف کر کے خود ہی چل کے دیکھ آئیے۔ حُسن آرا نے کمرے میں جا کے دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑیں۔ سب ہجولیوں کو بلایا۔ خواجہ صاحب کی انوکھی قطع دیکھ کر سب کی سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

حسن آرا ۔ یہ موا بڑا مسخرہ ہے۔ قطع تو دیکھیے۔

روح افزا۔ اور یہ ٹوپی کاہے کی دیے ہوئے ہے۔

بہار النسا۔ پتیل ہے کیا؟۔ اور یہ کالی کالی کیا چیز ہے اور یہ دگلا ہے یا کیا جانے کیا بلا ہے۔

خواجہ صاحب نے ڈیوڑھی پر آن کر کہا۔ مہری صاحب ذری، یہاں تشریف لائیے۔ ایک مہری باہر گئی کہا۔ ہماری جانب سے بڑی بیگم صاحب کی خدمت میں آداب عرض کرو۔ اور کہو حضور کے اقبال اور دعا سے اب آزاد پاشا کو کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا ہے۔ مہری نے جا کے بڑی بیگم سے کہا۔ انہوں نے دعائیں دیں اور کہا ہماری طرف سے اس قدر کہہ دو کہ خدارا اب کسی سے لاگ ڈانٹ نہ رکھنا۔ اگر کوئی دو باتیں کہے تو سن لینا۔ خواجہ صاحب نے کہا اے حضور رئیسہ و امیرہ حاطمۂ بندہ بندگان امابعد برمیگوید من بدیع الزماں خواجہ۔ کہ۔ سو

جب دوست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

راوی۔ بسحان اللہ۔ واہ واہ۔ کیا خوب جواب ہے ناصح کی دوستی۔ ماشاء اللہ۔

خوجی۔ خط غلامی آزاد کو اچھے اچھے پہلوانوں نے لکھ دیا ہے۔ یہ وہ آزاد ہیں جی۔

مہری۔ اب آپ باہر بیٹھ کر حقہ پئیں۔

اتنے میں پیر مرد آئے اور خواجہ صاحب کو باہر لے گئے اور لطف و کرم کے ساتھ حقہ پلوایا، اور خواجہ صاحب نے شہسوار کی پھانسی کی مبارک باد دی۔

خیر شہسوار کا تو یہاں خاتمہ ہوا۔ اب دوسرا ذکر سنیئے۔

مس میڈا اور مس کلیرسا

ان دونوں پری پیکر لیڈیوں نے دلوں میں ٹھان لی تھی کہ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے، ہم تمام عمر دوشیزگی ہی کی حالت میں بسر کریں گے۔ کلیرسا نے تو قسم کھائی تھی کہ اب کسی کے ساتھ شادی کرنے کا خیال دل میں نہ لاؤں گی۔ مگر مس میڈا خاص اسی غرض سے آئی تھیں۔ کہ یہاں شادی ہوگی لیکن کلیرسا کی جادو بیانی نے بڑا اثر کیا۔ یہاں تک کہ میڈا بھی انہیں کی ہم صفیر ہوگئیں۔ شہسوار کی گرفتاری، اور بلوے اور دھڑ پکڑ، اور ہلڑ کے زمانے میں جبکہ میاں آزاد اپنے ہوٹل میں بہت کم رہتے تھے ان دونوں نے امریکن مشن کی لیڈیوں کے پاس جانا شروع کیا اور ان سے کہا کہ ہم بھی آپ کے گروہ میں شریک ہونے آئے ہیں۔ لیڈیاں بہت خوش ہوئیں۔ کہ جن دوستوں کا حال اس قدر عرصۂ دراز سے سننے میں آتا تھا۔ وہ اب ہمارے کار تعلیم میں خود شریک ہونا چاہتی ہیں لہذا ان کی بڑی خاطر تواضع کی اور ان سے ناظمۂ امریکن مشن

نے چند سوال کیے۔

ناظمہ۔ آپ دونوں میں سے کسی کی شادی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی۔؟

میڈا۔ نہ ہوئی ہے اور نہ خواہش ہے کہ شادی ہو۔

کلیرسا۔ میں نے تو پیشتر ہی سے ٹھان لی ہے۔

ناظمہ۔ آپ کس قسم کی شرکت کرنا چاہتی ہیں۔؟

کلیرسا۔ جس سے اس ملک کی لیڈیوں کا فائدہ ہو۔

میڈا۔ ہم اپنی بہنوں کو گمراہی اور ذلت کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم ان کو سیدھے ڈھرے پر لائیں، اور کوشش کریں کہ ان کے دلوں میں پڑھنے لکھنے کا شوق خود بخود پیدا ہو۔

گو امریکن مشن کی لیڈیاں ان دونوں کم سِن مسوں سے بخوبی واقف تھیں اور ان کے حالات مختلف اخباروں میں پڑھ چکی تھیں۔ تاہم ناظمہ نے ان کو محک امتحان پر کسا، اور مختلف سوال کیے۔ یہ دونوں فضل خدا سے علم و ہنر میں برق تھیں۔ اعلیٰ درجے کی تربیت یافتہ، اور ہوشیار اور اچھی اچھی صحبتوں میں رہی تھیں۔ ہر سوال کا جواب اس قابلیت کے ساتھ دیا کہ سامعین پھڑک گئے اور عش عش کرنے لگے۔ اس کے بعد انہوں نے ان سے با صرار کہا کہ آپ اس وقت ہمارے ہی ساتھ ما حضر تناول فرمائیں۔ اور مس میڈا اور کلیرسا نے خوشی سے اس بات کو منظور کر لیا۔

کھانا کھانے کے وقت اکثر لیڈیوں نے اُن سے اصرار کیا کہ جنگ کے حالات بیان کرو۔ چنانچہ مس کلیرسا نے جو خود میدانِ حرب میں گئی اور شریک مصاف ہوئی تھیں، آزاد کی توصیف کی، اور درپردہ اپنا بھی ذکر کیا۔

ناظمہ۔ ہم نے تمہارا حال کئی اخباروں میں پڑھا۔

کلیرسا۔ میں کیا بیان کروں کہ کن کن مصیبتوں سے دوچار ہوئی کھانا کھانے کے بعد یہ دونوں رخصت ہوئیں۔

مس کلیرسا اور مس میڈا نے باہم مشورہ کر کے یہ بات تجویز کی کہ جہاں تک مذہبی امور متعلق ہیں یہ ان سے مطلق سروکار نہ رکھیں۔ صرف تعلیم نسواں کی ترقی اور نیکی کی اشاعت کے مسلک کی سالک ہوں۔ اور ہندوستان کی لیڈیوں اور شریف زادیوں کو راہ راست بتائیں۔ ان کو سکھائیں کہ بچوں کی پرورش اور تعلیم کا کون آسان ذریعہ ہے۔ اور پڑھی لکھی مائیں بچوں کو کس قدر فائدہ کثیر پہونچا سکتی ہیں۔ ان دونوں

نے پہلے اردو اور ہندی سیکھی، اور تھوڑے ہی عرصے میں اُردو ہندی پڑھنے لکھنے میں طاق ہوگئیں۔ بعدازاں شریف زادیوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئیں۔ شہر میں ان کی عفت، اور پاکدامنی کی اس قدر دھوم مچی کہ انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا۔ جس میں کئی مسلمان اور ہندو عفیفہ لیڈیاں تعلیم کے لیے مقرر کی گئیں۔ جہاں اعلیٰ درجے کی تعلیم دیجاتی تھی۔ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اُردو۔ اور ہندو لڑکیوں کے لیے، ہندی اور ناگری تجویز کی گئی تھی۔ اور انھیں زبانوں کے ذریعہ سے ان کو حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مدرسے کی لڑکیاں سینے پرونے اور کاڑھنے میں بھی مشاق تھیں۔ مس کلیرسا نے ہندی زبان میں اس قدر مہارت حاصل کی کہ بہت تھوڑے زمانے میں کتابیں تصنیف کیں۔ اور کتابائی اور دُہروں کی تصنیف میں درجۂ اعلیٰ حاصل کیا۔ اور مس میئڈا نے زبان اردو میں دستگاہ کامل بہم پہونچایا۔ مس میئڈا اور مس کلیرسا سے ہندو مسلمان عیسائی ہر فرقے کے لوگوں کو دلی ہمدردی تھی۔

ان دونوں ہمدرد لیڈیوں نے کوشش بلیغ کرکے ایک ایکٹ پاس کرایا کہ شہر کے بڑے بڑے، اور خاص خاص بازاروں میں فاحشہ اور بدوضع عورتیں نہ رہنے پائیں۔ ان کی کوشش سے تمام ہندوستان میں ایک خاص مقام اس قسم کی عورتوں کے لیے مقرر ہوگیا۔ جو شہر خاص سے علیحدہ تھا۔ اور جہاں ان کے سوا کسی اور کو بودوباش اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جن بازاروں میں دورویہ کمروں پر بدوضع عورتیں دوگھڑی دن رہے یعنی نکھر نکھر بیٹھتی تھیں، وہ اس فرقۂ پلید سے پاک کردیے گئے اور اس سے ملک کو بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ ان دونوں مسوں نے اپنی جادو بیانی سے اس ملک کے مردوں اور عورتوں کو افعال بد سے بازرکھا۔ اور ان کی تعلیم کا یہاں تک اثر ہوا کہ نیکی دن دونی رات چوگنی ترقی پائی۔ ان کے اعتبار اور عفت کے بھروسے پر اکثر شرفا نے اپنی صاحبزادیوں کو ان کے ذریعے سے تربیت دلوائی۔ اور بہت سی کمسن شریف زادیاں لکھنے پڑھنے، سینے پرونے میں طاق ہوگئیں۔ گو مس میئڈا بھی نیکی اور امور خیر میں کلیرسا سے کم نہ تھیں۔ مگر یہ شیوہ انھوں نے کلیرسا ہی کی تلقین وصحبت سے حاصل کیا۔ چونکہ امور مذہبی میں یہ مطلق دخل نہیں دیتی تھیں۔ لہٰذا اور لیڈیوں سے زیادہ عوام کو ان پر بھروسہ تھا۔ اُن کو ہندو مسلمان مثل اپنی ملک کی شریف زادیوں کے سمجھتے تھے۔ باہم ذرا مغائرت نہ تھی۔ مس کلیرسا اور مس میئڈا نے ہندیوں کا طرزِ معاشرت اور طریق نشست برخاست اور ملنے جلنے کا طریقہ اور اس ملک کی رسوم اور اخلاق میں یدطولیٰ حاصل کرلیا تھا۔ اس سبب سے اور بھی زیادہ ان کی قدر ہوتی تھی اور عوام کے دلوں میں ان کی جگہ ہوگئی تھی۔ کون جانتا تھا کہ مس میئڈا جو کوہ قاف میں پیدا ہوئی اور جارجیا کی رہنے والی تھی ہندوستان میں آکر یہاں کی لیڈیوں کو تعلیم دے گی۔ کون جانتا تھا کہ مس میئڈا جن پر

صدہا امراءِ فرنگ نہ دل سے عاشق تھے، آزاد کے ساتھ شادی کا اقرار کر کے ہندوستان میں آئیں گی۔ اور یہاں نیکی کا خیال ان کے دل میں اس قدر جاگزیں ہوگا کہ شادی بالائے طاق تعلیم کی طرف مخاطب ہوں گی۔ کون جانتا تھا کہ مس کلیر سا جو آزاد کے خون کی پیاسی تھیں اور جنہوں نے آزاد کی جان لینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا وہ آزاد سے اس قدر مل جل کے رہیں گی اور انھیں کے سبب سے آزاد کی جان بچے گی۔ اور وہ آزاد کی طرف سے سینہ سپر ہو کر روس سے ان کو نلوہ بچا لائیں گی۔ اور اپنا وطن مالوف چھوڑ کر ان کے ہمراہ ہندوستان آئیں گی۔ اتوار کے دن گرجا کے بعد صبح کو ان کے مکان میں اکثر یورپین لیڈیاں جمع ہوتی تھیں۔ اور یہ دونوں ان کو ترغیب دیتی تھیں۔ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اس ملک کی لیڈیوں کو مدد دینا چاہیے۔ استانی جی سے بھی ان کو بڑی مدد ملتی تھی۔ چنانچہ ایک بار کا مکالمہ لکھنے کے قابل ہے۔

استانی۔ آپ دونوں کی جانفشانی قدر کے قابل ہے اور ہم سب آپ کے مدّاح ہیں۔

کلیر سا۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ اس ملک کی لیڈیاں اور جنٹلمین عورتوں کے حقوق سے واقف ہوں اور کوشش کریں کہ عورتیں زیور تربیت سے متجلی ہو جائیں۔

استانی۔ آفرین بیشک یہاں اس کی بڑی ضرورت ہے۔

کلیر سا۔ اس ملک کو عورتوں کی جہالت سے نقصان پہونچتا ہے۔

میڈا۔ اور مردوں کی تربیت یافتگی کما حقہ، نتیجہ نہیں دیتی۔

استانی۔ جب تک دونوں تربیت یافتہ نہ ہوں یہ محال ہے۔

میڈا۔ اسی سبب سے یہاں تعلیم نسواں کی اشد ضرورت ہے۔

کلیر سا۔ بڑی خرابی ہے کہ مرد تربیت یافتہ اور عورتیں جاہل ہوں۔ کیونکہ پھر ان دونوں میں اور بھی نہ بنے گی۔

میڈا۔ یہی سبب ہے کہ اس ملک میں مردوں اور عورتوں کے خیالات میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ مرد چیچک کو عارضہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے تعلیم پائی ہے کہ چیچک بھی منجملہ امراض کے ہے مگر ہندوؤں کی عورتیں اس کو اور امور مذہبی پر منحصر رکھتی ہیں۔ مرد ٹیکا لگانے کو ضروری اور مقدم سمجھتے ہیں۔ عورتیں خائف ہوتی ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ دیوی اس سے ناراض نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے امور میں اختلاف ہے۔

استانی۔ میں نے اکثر لڑکیوں کو فارسی اور اردو سکھائی اور نماز پڑھنے کی ہدایت کی اور نیکی کی باتیں سکھائیں۔ اور یہ بھی ہدایت کی ہے کہ ہر صبح کو اٹھ کر اخلاق کے قطعے اور رباعیاں اور اشعار پڑھا کرو جن میں سے

چند بطریق نمونہ سناتی ہوں

(۱)

اے تازہ جوان بشنو ازیں پیر کہن | یک نکتہ کہ ہست بیگمان اصل سخن
باحق بادب باش وعبادت می ورز | باخلق بر فق باش ونیکی می کن

(۲)

نکوئی کن چو اکنوں می دہد دست | بدی بگذار اگرچہ قدرتت ہست
کہ نیکوئی نکوئی آورد پیش | وگر بدمی کنی بد آیدت پیش

(۳)

مشو مغرور مال وجاہ ودینار | کہ دنیا یاد دارد چوں تو بسیار
دمادم بگذری دور گذاری | بدشمن ہرچہ داری واسپاری

(۴)

ہمنشیں گو لطیف وکامل ست | راحت روح ست وآرام دل ست
وانکہ نادانی وغفلت وصف اوست | صحبتش مانند زہر قاتل ست

(۵)

ہرکس کہ اماں دین ودنیا طلبید | بے بدرقۂ خرم بمنزل نرسید
آئینۂ فکر را بزن صیقل خرم | تاروئے مراد اندراں بتواں دید

(۶)

ہرکرا مایۂ ادب باشد | گر بجائے رسد عجب نبود
چوں ادب ہست از حسب کم نیست | ہیچ شے بہتر از ادب نبود

کلیر سا۔ آپ اگر ان قطعوں اور رباعیوں کا اردو نظم میں ترجمہ دے سکیں تو مہربانی ہوگی مگر کم سے کم دو سو ہوں۔

ہیڈ ڈا۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ ہم اُردو کو فارسی سے زیادہ ترقی دیں فارسی زبان میں محنت کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

استانی۔ میں نے آج تک کسی لڑکی کو کریما یا مقیمان خالق باری وغیرہ کتابیں پڑھائی ہی نہیں۔ فارسی کی وہ کتابیں پڑھائی ہیں جو سررشتہ تعلیم کے کورس میں ہیں۔

کلبیرسا۔ بالفعل ہم اسی کو ضروری سمجھتے ہیں کہ حساب سے لڑکیاں واقف ہو جائیں اور اُردو آسانی سے لکھ پڑھ سکیں۔

ہنیڈا۔ یہ کافی ہے۔ انگلستان اور امریکہ میں عورتیں ڈاکخانوں اور ریل اور تار کے دفتروں میں برابر نوکریاں کرتی ہیں۔ ان کو زیادہ تحصیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کلبیرسا۔ اس ملک میں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

استانی۔ اور نہ یہ میری خواہش ہے کہ عورتوں کو اس درجہ آزادی دی جائے، ہر شے میں اعتدال اولیٰ اور انسب ہے۔ اور زیادہ مطلق العنانی خلاف اصول عفت سمجھی جاتی ہے۔

ہنیڈا۔ عورتوں کو عموماً نوکری کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں وہ عورتیں شامل ہیں جو شریف زادیاں ہیں۔ اور قسم کی عورتیں تو یہاں بھی سینے اور کاڑھنے اور خدمت کرنے میں بند نہیں۔

ان دونوں لیڈیوں نے کچھ دن کے بعد اپنی پوشاک بھی بدل دی اور ہندوستانی لباس پہننا اختیار کیا تاکہ اس ملک کی لیڈیوں سے اور بھی یکجہتی اور ربط وضبط کے ساتھ رہیں۔

آزاد پاشا سے ان کو بڑی مدد ملتی تھی اور وقتاً فوقتاً اکثر اخلاقی باتوں کی نسبت اُردو نظم سلیس زبان میں تصنیف کر دیتے تھے۔

رفتہ رفتہ ان کی نگرانی میں تعلیم نسواں کے لیے ایک کالج مقرر ہوا جس میں حسب شرائط ذیل لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔

۱۔ پانچ برس سے کم اور سات سال سے زیادہ لڑکی نہ ہو۔

۲۔ اگر کسی کے والدین کی خواہش ہو کہ سات سے زیادہ سن کی لڑکی کو کالج بھیجے تو اس کے لیے خاص انتظام کیا جائے گا۔

۳۔ اس کالج میں تعلیم کے ڈپارٹمنٹ مقرر ہوئے ایک امرائے عظام کی صاحبزادیوں کے لیے۔ دوسرا عوام شرفا کی لڑکیوں کے لیے۔ تیسرا درجۂ ادنیٰ کے واسطے۔

۴۔ فیس بہت ہی قلیل برائے نام۔

۵۔ اُردو اور ہندی اور ناگری کی تعلیم ہوتی تھی، اور کسی قدر فارسی اور کچھ یوں ہی سی سنسکرت اور حساب۔ سینا۔ کاڑھنا۔ پکانا۔

۶۔ پکانا سکھانے کے لیے ہفتے میں دو دن مقرر تھے مگر اس میں چند ہی لڑکیاں شریک ہوتی تھیں۔

۷۔ ہر لڑکی کے ساتھ ایک خادمہ کا رہنا فرض ہے۔

۸۔ اگر درجۂ ادنیٰ کی لڑکیوں کے ساتھ کوئی خادمہ آئے تو مضائقہ نہیں درجۂ اوسط کے لوگ یہ بندوبست کریں تو فی محلہ جہاں سے لڑکیاں آتی ہوں ایک خادمہ مقرر کر دیں۔ مگر امرازادیوں کے ہمراہ کہاری یا مغلانی یا استانی کا ہونا ضروری تھا۔

۹۔ ان کی نگرانی میں اعلیٰ درجے کی احتیاط ملحوظ خاطر تھی۔

۱۰۔ دس بجے کالج کے سب دروازہ بند کر دیئے جاتے تھے۔

۱۱۔ ہر درجے میں تاکید تھی کہ کوئی لڑکی کلاس کے باہر نہ جانے پائے اگر کوئی ضرورت واقع ہو تو خادمہ ساتھ جائیں اور فوراً واپس لے آئیں۔

۱۲۔ عیسائی اور ہندو اور مسلمان لڑکیوں کو سکھایا جائے کہ بلا لحاظ مذہب ایک دوسری کو اپنی بہن سمجھیں۔

۱۳۔ ممکن نہیں کہ کوئی مرد کالج معائنہ کر سکے۔

۱۴۔ اگر کوئی شریف زادی چاہے کسی مذہب اور قوم کی ہو کالج معائنہ کرنا چاہے، تو اس کو لازم ہے کہ ایک روز قبل سے ناظمۂ کالج کو اطلاع دے۔

۱۵۔ مذہبی امور سے کالج کو سروکار نہیں ہے۔

۱۶۔ انگریزی سنسکرت فارسی کی اخلاق کی باتوں اور مسئلوں اور کلام منظوم کا آسان زبان ہندی اور اردو میں ترجمہ ہوا۔

۱۷۔ کتابیں وہی شامل کورس کی گئیں جو اخلاق سے مملو تھیں۔

۱۸۔ استانی جی سے ان کو بڑی مدد ملتی تھی۔ لہٰذا اُن کو آزادی حاصل تھی کہ جب چاہے چلی آئیں۔

۱۹۔ چوتھے مہینے مس کلیرسا اور مس میڈا کسی حاکم جلیل القدر کی میم صاحبہ کو ضرور یہاں لاتی تھیں تاکہ عوام میں اس کالج کی قدر و منزلت ہو اور انہیں کے سبب سے اکثر معزز لیڈیاں یہاں آ کر اور انعام دیا کرتی تھیں۔

۲۰۔ سینا سکھانے کے لیے ایک بہت لائق مغلانی مقرر تھیں۔

۲۱۔ قس علیٰ ہذا کھانا پکانے کی تعلیم کے واسطے بھی۔ الغرض مس کلیرسا اور میڈا اس درجہ ہر دل عزیز تھیں کہ عوام اور خواص سب نے ان کے ساتھ انتہا کی ہمدردی ظاہر کی اور اس کالج نے وہ فروغ روز افزوں پایا کہ باید و شاید۔

یہاں سے روس اور انگلستان تک ان دونوں کی دھوم پڑ گئی تھی کہ ہندوستان میں جا کر ان دونوں

نے وہ نام نیک حاصل کیا اور وہ بات پیدا کی کہ سبحان اللہ گو مس کلیرسا سے روسیوں کو ہمدردی نہ تھی مگر یہ سُن کر کہ یہاں ان کے ملک کی نوجوان امیر زادی نے اپنا چال چلن درست رکھا تھا وہ بھی نہایت خوش تھے۔

شادی کی چھیڑ چھاڑ

سُنا ساقیا اب نوید برات بھرے دن کہ آئی مرادوں کی رات
یہی عاشقوں کی شب قدر ہے یہی حُسن ہیں لیلتہ البدر ہے
عجب وقت ہے اور عجب فصل ہے شب وصل ہے یہ شب وصل ہے
وہ بادہ پلا ساقیِ مہ جبیں! کہ دے لذت جرعۂ اولیں
فرح بخش خاطر ہو وہ جام دے طبیعت ہے پُر کسل آرام دے
قدح کش ہیں عشرت کی امیدیں
مئے ناب دے جام جمشید دے

آج مضمون کا دماغ عطر عشرت سے آسودہ ہے۔ اور کیوں نہ ہو برسوں کے بعد مسبب الاسباب نے بچھڑے ہوؤں کو باہم ملایا۔ عاشق و معشوق کو ہم آغوش پایا۔ شہسوار کے پھانسی پاتے ہی حسن آرا بیگم کے اعزہ و اقربا اور آزاد کے احباب سنجیدہ اور اصحاب فہمیدہ نے یہی رائے دی کہ اب شادی اور آزاد کی خانہ آبادی میں تساہل و تعویق امر فضول ہے جس قدر جلد ممکن ہو شادی کی تقریب سعید انجام پائے دولھا دُلھن کی یکجائی عاشق کی آرزوئے دلی بر آئی۔ ادھر حُسن آرا کی افزونی اشتیاق۔ برسوں کی جدائی اور باہم کا فراق اِدھر آزاد کی بے قراری کہ یا خدا جلد دُلھن کی صورت زیبا دیکھوں اور سالہا سال کی مشقت کی بعد لُطف اُٹھاؤں۔

اب سنیے کہ شہسوار کے پھانسی پانے کے تیسرے روز حسن آرا بیگم، اور ان کی نازک بدن بہنیں اور غنچہ دہن ہجولیاں ایک فراخ و فرح بخش کمرے میں کوٹھے پر بیٹھی ہوئی چہل اور مذاق میں مصروف تھیں۔ اور حُسن آرا کی شادی ہی کی باتیں ہوتی تھیں۔

بہارالنسا۔ بس اب شادی ہوئی داخل ہے۔
جانی بیگم۔ ہم آزاد کے دھول ضرور لگائیں گے۔
مغلانی۔ اے ہے یہ کہیں ایسا خیال بھی نہ کرنا۔
جانی۔ یہ کیوں جو ریت رسم ہمارے ہاں کی ہے وہ ادا ہوگی، وہ کیا مسلمان نہیں ہیں۔

مغلانی۔ مگر آدمی آدمی کو دیکھ لینا چاہیے۔

جانی۔ حسن آرا ہماری بہن ہیں یا نہیں ہیں۔

مغلانی۔ حضور بیشک ہیں مگر آزاد تو اور طرح کے آدمی مشہور ہیں۔ ان کے ساتھ یہ باتیں نہ ہونی چاہئیں۔ وہ سپاہی آدمی ٹھہرے۔

جانی۔ سپاہی پن سب رکھا رہے گا۔ جس وقت ہماری ملائم انگلیاں اور نازک ہاتھ سے دھول پڑے گی اس وقت سپاہی پنا سب رکھا رہے گا۔

نازک ادا۔ آہاہ حُسن آرا ذری ہوشیار رہنا۔

جانی۔ واہ ہم کو سب جانتے ہیں اس بات کی تو ہم کو پرواہی نہیں ہے۔

سپہر آرا۔ تم کو پروا کس بات کی ہے وہ تو معلوم ہو۔

جانی۔ اگر ہمارا سا دھن تنگ اور مکھڑا کبھی دیکھا ہوتا تو آزاد تو حسن آرا کی طرف کبھی رُخ بھی نہ کرے۔

غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں

قافیہ کیا تنگ ہے وصف دہن کی فکر میں

روح افزا۔ برات تو یقین ہے بڑے دھوم سے آوے گی۔

جانی۔ اے لو اس میں بھی کچھ شک ہے کیا۔ آوے ہی گی۔

بہار۔ ہم کو اس سے کیا۔ یہ اُن کے اختیار میں ہے۔

سپہر۔ تو ابھی کوئی دن تو قرار پایا ہی نہیں۔

مغلانی۔ وہاں مشورہ ہو رہا ہے باہر۔ ایک دن مقرر ہوا تھا مگر بڑی بیگم صاحب نے منظور نہیں کیا اب کوئی اور دن مقرر ہو گا۔

سپہر۔ اماں جان کے مزاج میں تو اس قدر شک ہے کہ بس کیا کہیے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر دم یہی خیال رہتا ہے اور نکاح کے وقت دیکھنا گھر میں کسی کو بات تک کرنے تو نہ دیں گی۔

جہاں آرا۔ کوئی آیا ہے۔ گاڑی ڈیوڑھی پر رکی۔

مغلانی۔ چق سے جھانک کر حشمت بہو آئی ہیں۔

حشمت بہو نے آن کر بڑی بیگم کو مبارکباد دی کہ آزاد کو جو کھٹکا تھا اب جاتا رہا۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں کر کے کہا۔ آپ نے سنا ہی ہو گا کہ آزاد شرعی نکاح چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں میری

برات میں انگریزی باجے کا غول، اور شہنائی اور ڈھول اور تاشا اور ہاتھی گھوڑے کچھ نہ ہوں گے۔ شرعی نکاح چپ چپاتے پڑھوا لیا جائے گا۔ اس میں کچھ لوگ تو اُن سے اتفاق کرتے ہیں اور کچھ ان کے خلاف ہیں۔ مگر وہ دھن کا پکا ہے، بڑی بیگم بولیں ہم کو اس میں ذرا احتراز نہیں ہے چاہے جس طرح نکاح ہو۔

حُسن آرا بیگم یہ باتیں اور نکاح کا ذکر سُن کر دل ہی دل میں خوش ہوتی تھیں۔ اور دعا مانگتی تھیں کہ یا خدا چاہے دھوم سے برات آئے، چاہے شرعی نکاح ہو، مگر اب ایک ایک دن ایک ایک سال کے برابر ہے برسوں سے آزاد کو نہیں دیکھا ہے۔ اور بقول آئے:

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک

آتش شوق تیز تر گردد

دل اور بھی زیادہ بے قرار اور آنکھیں دیدار کے لیے ترستی ہیں۔ ادھر اپنے دل میں حُسن آرا یہ سوچ رہی تھیں اُدھر نازک ادا بیگم نے ٹوکا اور کہا حسن آرا بھلا جب جانیں کہ جو باتیں اس وقت ہو رہی تھیں وہ بتا دو، ہمجولیوں نے پوچھا اس کے معنی کیا خدانخواستہ ان کے دشمن بہرے ہیں۔ نازک ادا نے کہا تم لوگ یہ باتیں کیا جانو۔ ہم نو اللہ کی عنایت سے قیافہ شناس ہیں۔ چتونوں سے تاڑ لیا کہ اس وقت یہ تو یہاں بیٹھی ہیں مگر ان کا دل کہیں اور ہے۔

حسن آرا۔ آپ کی ایسی ہی باتیں ہیں۔

نازک ادا۔ اچھا پھر کہو نہ۔ کیا باتیں ہوتی تھیں۔؟

حسن۔ ایک آدمی تو بولتا نہیں تھا۔

نازک۔ کیا۔ چہ خوش۔ اس کے معنی کیا ہیں۔

حسن۔ اچھا جو آپ سوچی ہیں، وہی سچ سہی

بہار النسا۔ اس وقت بیشک حسن آرا کسی سوچ میں تھیں۔

گیتی آرا۔ پھر اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔

حسن۔ میں تو کچھ نہیں سوچتی تھی۔ سوچ کیا ہے۔

نازک۔ بہن ابھی کل کی لڑکی ہو۔ ہم سے فقرہ بازی تم یہ سوچتی تھیں کہ اب تو صبح شام نکاح ہو جائے تو بہتر ہے۔

جانی۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ یہی سوچتی تھیں۔

حسن۔ (مسکرا کر) اب یہاں تو جو ہے بقراط ہے اپنے وقت کا۔

بہار۔ تمہارے مسکرانے اور شرمانے سے تو پانی مرتا ہے۔
حسن۔ چلیے یک نہ شد دو شد۔ صحیح ہے۔
نازک۔ اللہ جانتا ہے ہماری رائے صحیح۔
سپہر۔ تو پھر آخر اس میں حیرت کا کون مقام ہے۔
نازک۔ بوییں بہن کی طرف سے نا آخر۔
بہار۔ ذری ان سے بھی تو پوچھو شرعی نکاح چاہتی ہیں یا نہیں۔
روح افزا۔ واہ واہ۔ ان کو اس سے کیا واسطہ۔ ان کو تو۔ آزاد سے مطلب ہے۔ نکاح سے سروکار ہے۔
وہ شرعی ہو تو کیا ہرج ہے اور دھوم دھام سے ہو تو ان کو اس میں کیا مل جائے گا۔
نازک۔ ان کو تو خواب میں بھی نکاح سوجھے گا۔
جانی بیگم۔ بیشک چونک چونک پڑیں گی۔

آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم

بہار۔ تم سب اپنی اپنی بیتی بیان کر رہی ہو۔
نازک۔ ہاں ہاں۔ اس میں کیا فرق ہے مگر آپ اپنے کو کیوں اس سے مستثنیٰ کیے دیتی ہیں۔
بہار۔ خواہی نخواہی کسی کو چھیڑنا کیا معنیٰ!
جانی۔ ابھی چھیڑ کہاں ہے۔ آزاد کے سامنے چھیڑا ہو تو سہی۔
حسن۔ بسم اللہ بسم اللہ۔ ہمارا اس میں کیا ہرج ہے۔
نازک۔ وہ بات تو ادھوری ہی رہ گئی۔
سپہر۔ اماں جان جانیں۔ بزرگ جانیں ہم کو اس سے کیا۔ مطلب کہ برات دھوم سے آئے یا شرع کے موافق نکاح پڑھوایا جائے۔
بہار النسا۔ یہ سب دکھانے کی باتیں ہیں۔ کسی سے دو ہاتھی مانگ کسی سے دس بیس خاص بردار۔ کہیں سے سپاہی آئے۔ کہیں سے برچھی بردار۔ لو صاحب برات آئی ہے۔ مانگے تانگے کی برات سے فائدہ۔؟
نازک ادا۔ اخاہ۔ اب یہ ساری خدائی کی رسم پر منہ آنے لگیں۔ دنیا بھر میں برات یوں ہی جاتی ہے۔
بہار۔ ہاں انگریزوں میں بھی اونٹ، اور ہاتھی، اور نشان کا ہاتھی اور تاشا اور باجا ہوتا ہے۔
مغلانی۔ حضور کانوں کان خبر نہیں ہوتی کسی کو۔

سپہر آرا۔ دیکھوں اماں جان کیا کہتی ہیں۔ ان کی رائے کیا ہے۔ جو ان کی رائے ہوگی آزاد پاشا کو ماننا پڑے گی۔

نازک۔ عدول حکمی کر سکتے ہیں۔

بہار۔ حسن آرا کی رائے سب پر مقدم ہے۔

سپہر آرا اٹھکر بڑی بیگم صاحب کے پاس گئیں اور ان سے کہا اماں جان اب توڈھیل نہ کرنی چاہیئے جہاں تک ممکن ہو سکے جلد نکاح ہو جائے تو بہتر ہے۔ وہ بولیں چشم ماروشن دل ماشاد۔ اس سے بہتر اور کیا ہے۔ مگر زیادہ جلد بازی بھی نہیں چاہیے۔ دو ایک کو بلایا ہے۔ جو سب کی صلاح ہوگی دیا کیا جائے گا۔ بہر حال یہ مہینہ ٹل نہیں سکتا۔ بیٹیا اس میں چاہے جو ہو۔ نکاح خدا نے چاہا ضرور ہو جائے گا۔ خدا ان کی جوڑی برقرار رکھے بڑی بڑی سختیاں دونوں نے سہی ہیں۔ سپہر آرا نے کہا اماں جان ہم سب کی خواہش تو ہے کہ دھوم دھام سے شادی ہو۔

بڑی بیگم۔ بٹیا۔ اگلے وقتوں میں یہ بال کی کھال کوئی نہیں نکالتا تھا۔ اب دن بدن ایک ایک بات بڑھتی ہی جاتی ہے۔ شرع کا کسی کو خیال نہیں۔

سپہر: اے تو اماں جان چپ چاپ شادی ہوتی تھی کیا۔

بڑی۔ بہت سی رسمیں واہیات ہیں مانجھے کے کپڑے پہنانا کیا معنی۔ مولوی لوگوں کے ہاں یہ رسم کبھی جائز نہ رکھی جائے گی۔

سپہر۔ نوشہ اور اوروں میں کچھ تو فرق ہو۔

بڑی۔ واہ کیا اچھا فرق ہے۔ ہونھ!

سپہر۔ تو کیا اب باجا بھی نہ ہوگا۔

بڑی۔ مجھے تو باجے اور ڈھول دمامے اور شہنائی اور قرنا اور انگریزی باجے کی کوئی فکر نہیں ہے مطلب تو اس سے ہے کہ شرع کی رو سے شادی ہو جائے گی۔ بس۔

سپہر آرا یہ تقریر کر کے اوپر آئی، اور کہا لو صاحب اماں جان بھی ان کی رائے سے متفق ہیں۔ وہ کہتی ہیں مقدم تو شرع کا خیال ہے۔ باجا اور ہاتھی اور گھوڑے ساتھ ہوئے تو کیا انھوں نے بڑی بوڑھیوں کو بلوایا ہے۔ ساعت سعید مقرر ہو جائے گی۔ نازک ادا نے کہا۔ انشاء اللہ۔ اللہ کرے بہت جلد کی ساعت نکلے یا میرے پروردگار۔ اب تو حسن آرا کو کوئی بات بھاتی ہی نہیں۔ بس ایک آزاد کا خیال ہے اور کوئی شے بھاتی ہی نہیں۔

نہ کوئی زہرہ جبیں بھاتا ہے نہ کوئی لعبت چین بھاتا ہے
نہ کوئی شوخ جبیں بھاتا ہے کوئی انداز نہیں بھاتا ہے

اور کوئی بھائے کیوں کر بھلا۔ آدمی کاہے کو چاند ہے۔ بلکہ چاند میں بھی میل ہے اُس میں میل نہیں:

آنکھوں میں اک سرور ہے حسن و جمال کا گو چاند ہے پہ ناز ہے اپنے کمال کا

ہم تو جانتے ہیں جو عورت اسے دیکھے گی ہزار جان سے عاشق ہو جائے گی۔ جانی بیگم نے تنگ ہو کر کہا تم ایسی عاشق ہو جاؤ تو ہو جاؤ۔۔ بہو بیٹیوں کو عشق سے کیا واسطہ۔ نازک ادا نے کہا۔ نہ کہو بہن۔ حسن عجب شے ہے۔

وہ نازنین سے آنکھ ملا کر نکل گیا چلائی وہ یہ کون کلیجے کو مل گیا
جس گل سے کچھ مزاج ذرا بھی بدل گیا ایک شوخ اور پھانس لیا جی بہل گیا
رونا تھا اپنی جان کو چرخ کہن پڑا
اقبال تھا جو کام کیا خوب بن پڑا

بوڑھی مغلانی نے مسکرا کر کہا حضور نے کہیں آزاد کو دیکھا بھی ہے، کہ حسن جمال کی توصیف ہی کرتی ہیں۔ کہا۔ اوئی اور سنو۔ نہ دیکھنا کیا معنی باتیں ہو چکی ہیں۔ مجھولی سے پوچھا اُن کا کیا اسم مبارک ہے۔ میں نے کہا نازک ادا بیگم۔ فرمایا۔ میں نے آپ کی بڑی تعریف سُنی تھی کہ آپ لگاوٹ باز ہیں۔ میں نے کہا۔

مجھ کو بھی کچھ حضور کے معلوم حال ہیں مشہور ہے کہ آپ بھی یوسف جمال ہیں
گانے میں اور ستار میں بھی بے مثال ہیں میں سن چکی ہوں آپ بھی صاحب جمال ہیں
رکھتی ہوں التماس مگر جی و سست ہو
مشتاق میں بھی ہوں جو طبیعت درست ہو

مسکرا کر کہا بسم اللہ فرمایئے۔ میں نے کہا۔ میں نے سُنا ہے آپ
عزیز و حق تعالےٰ کبریا ہے
اس کو خوب گاتی ہیں۔

اس فقرے پر قہقہہ پڑا اور روح افزا نے کہا۔ دوسری عورت کی زبانی کبھی یہ تقریر نہیں سننے میں آئی تھی کہ فلاں مرد نے ہم کو لگاوٹ باز کہا۔ افوہ۔ اللہ جانتا ہے بڑی بیباک ہو۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ اور کوئی تم کو جانتا نہ ہو تو اس کو یقین آجائے کہ یہ سچ کہہ رہی ہیں اور آزاد سے اُن سے ضرور باتیں ہوئی ہوں گی۔ مگر ہم تو

اُن کے رگ و ریشے سے واقف ہیں۔

بڑی بیگم نے اپنے ہاں اعلیٰ درجے کی تیاری کی اور اپنے کل اعزہ و اقربا کو بُلوایا۔ دو تین دن میں مہمانوں کی کثرت سے ایوان سپہر نوا مان میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اور حسن آرا کی ہمجولیاں اور بہنیں اس قدر شاد و خرم تھیں کہ دن رات قہقہے اور چہچہے تھے۔ دن عید رات شب برات اور طرح طرح کی مذاق انگیز باتوں سے بزم طرب میں ہر دم چہل پہل رہتی تھی۔ ایک رشک قمر نے باتوں باتوں میں پوچھا وہ جو دو میمیں ساتھ آئی تھیں اُنہوں نے شادی سے کیوں انکار کیا۔ اس پر نازک ادا بیگم سے بحث ہونے لگی۔ انہوں نے کہا اُن کے دل کی خوشی۔ اس میں کسی کا اجارا تو ہے نہیں۔ بیگم صاحب نے یوں جواب دیا۔

بیگم۔ اگر حُسن آرا بیگم اُن کے احسانات پر نظر ڈال کر رنج رقابت گوارا کریں تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

نازک ادا۔ پہلے اصل حال تو سُن لو بہن۔

بیگم۔ ہم نے تو یہی سُنا ہے کہ حُسن آرا نہیں مانتیں۔

نازک۔ غلط ہے سارا زمانہ جانتا ہے۔

بیگم۔ اچھا پھر کیا سبب ہے کہ شادی سے انکار ہوا۔

نازک۔ اول تو یہ بالکل غلط ہے کہ مئیڈا اور کلیر سا دونوں سے شادی ہونے والی تھی۔ کلیر سا سے تو شادی کا ذکر ہی نہیں آیا۔ مئیڈا سے البتہ یہ وعدہ ہو گیا تھا۔ مگر اب یہاں آن کے مئیڈا نے بھی انکار کر دیا۔

بیگم۔ کیا قیامت ہے کہ ایک پری وش حور نژاد، اپنا ملک و مال چھوڑ کر ایک تمنا میں ہزاروں مصیبتیں اٹھائے روم سے ہندوستان آئے اور یہاں آ کر شادی بالائے طاق۔ اُستانی بن جائے کلیر سا اگر معلمہ بن جائے تو خیر مضائقہ نہیں۔

نازک۔ اللہ جانتا ہے وہ مانتی ہی نہیں ہیں۔

بیگم۔ اُن کا ارادہ تو ہمدردی اور خوش نیتی پر مبنی ہے۔ مگر یہ آزادی تو بعد شادی بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے گھر پر لڑکیوں کو تعلیم دیں یا دوسری مس کو مدد دیں۔ شادی نہ ہونا کیا معنیٰ۔

نازک ادا۔ ہم سے ملاقات ہو تو ہم صلاح دیں، کہ دونوں کی دونوں مشرف باسلام ہو جائیں۔ علاوہ بریں مسلمانوں کے مذہب میں اہل کتاب کے ساتھ اکل و شرب اور نکاح مباح ہے۔ اس میں کیا قباحت ہے۔ مسلمان چاہے نہ ہوں۔ مگر شادی تو ہو۔

بیگم۔ اس میں کوئی رمز ضرور ہے بے سبب شادی سے انکار نہیں کیا ہے۔

نازک - مشہور تو یوں ہے کہ کلیرسا نے سمجھایا ہے۔
بیگم - اور وہ ثریا بیگم اب کہاں ہیں۔ جوگن۔
نازک - ثریا بیگم کا حال سُنا ہے مگر جوگن کون۔
بیگم - ہم سے ایک مہری نے کل حال بیان کیا۔ وہ جوگن ہو گئی تھیں۔ یہ دلدادہ حسن آزاد ہیں اور جنگل جنگل ہیں گھومیں۔ صحرا میں رہنا اختیار کیا۔
نازک - آزاد نے خدا جانے کتنے گھر گھالے۔
بیگم - مگر عشق صادق حُسن آرا ہی سے ہے۔
نازک - خدا کرے اب جلد نکاح ہو جائے۔

خرم آں روز کہ مشتاق بہ بارے برسد
آرزو مندِ نگارے بہ نگارے برسد

ہم نے سُنا تھا کہ کسی زمانے میں آزاد آپ پر کچھ ریجھے تھے۔
بیگم - کیا، اے واہ ماشاء اللہ سے کیا زبان صاف ہے آپ کی ہم اس تقریر کے عادی نہیں ہیں۔
نازک ادا - تو آپ خفا کیوں ہوتی ہیں۔ اللہ رے غرور۔

یہ گھمنڈ آپ کو ہے شان خدا کی کیا خوب
بات کرنا بھی سمجھتی ہو نہیں ہم سے خوب

روح افزا نے آن کر کہا۔ لو بہن مس کلیرسا اور میڈا کی خبر آ گئی کہ وہ دونوں ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر اس میں رہتی ہیں۔ اور سُنا ہے بڑی لکھی پڑھی ہیں۔ اور بہت اُجلا خرچ ہے۔ اماں جان کے پاس ایک عورت آئی تھی۔ اور آزاد کی طرف سے پیغام لائی تھی۔ کہ دونوں مسیں برات کے دن یہاں آئیں گی۔ ان سے اچھی طرح اخلاق کے ساتھ پیش آیئے گا۔ اماں جان نے کہا۔ آئیں بسم اللہ۔ ان کا گھر ہے۔ جیسی ہماری اور لڑکیاں ہیں ویسی وہ ہیں وہ عورت چلی گئی۔ کہتی تھی کہ دونوں کی دونوں بڑی قبول صورت اور خوبرو ہیں۔ چاند میں داغ ہے اُن میں داغ نہیں۔ ابھی اُردو نہیں سمجھتی ہیں۔ مگر قصد ہے کہ سیکھیں۔ تعجب کی بات ہے کہ اس قدر کم سن اور نو عمر ہو کر شادی نہ کریں، اور آزاد کی پاکدامنی کی بھی قسم کھانی چاہیئے کہ بدی کی طرف مائل نہ ہوئے۔ بہت مشکل ہے۔ ورنہ یہاں کے رئیس زادے تو معاذ اللہ دو چار دس بیس پر بند نہیں۔ دو گھر ڈال لیں چار کا ساتھ ہے تین نکاحی ہیں۔ کوئی حد ہی نہیں اور پھر بیسوائیں الگ۔
حُسن آرا نے یہ باتیں سُن کر بیگم صاحب سے اپنے طور پر کہا۔ بہن یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ ہماری سازش

سے آزاد نے مس میڈا سے شادی نہیں کی۔ ظاہرا تو کوئی تمہیں معلوم ہوتا ہے آپ کو تعجب ہوگا کہ میں نے کئی دن تک اصرار کیا تھا کہ ضرور شادی ہو۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ کسی کی دل شکنی اپنی وضع کے خلاف ہے۔

مجھ سے کسی کی دل شکنی ہو نہ عندلیب
توڑوں کبھی نہ پھول چمن میں گلاب کا

نازک ادا بیگم بولیں ہم سمجھ گئے۔ تم دونوں آپس میں کیا گفتگو کر رہی ہو۔ ہمارا ذکر کرتی ہو گی کہ یہ بڑی بیباک ہے۔ ہم نے تو میاں سے کہہ دیا ہے کہ آزاد سے ہم ضرور باتیں کریں گے۔ پھر کسی کو کیا۔ اول تو ہم جانتے ہی ہو کہ میں بڑی پاک دامن ہوں۔ دوسرے اگر تم کو یہ گمان ہے کہ یہ ایسی نہیں ہے تو کیا پروا ہے۔

یہی نہ غیر سے کی ہم نے محبت تمہیں کیا — جا و بے جا ہے اگر خلق و مروت تمہیں کیا
جو کیا خوب کیا پھر مری رغبت تمہیں کیا — اپنا دل اپنی خوشی اپنی طبیعت تمہیں کیا

کیا زلیخا کی طرح عشق کیا تھا تم نے
مثل یوسف مجھے کیا مول لیا تھا تم نے

ہم توجہ نہیں کرتے تھے ذرا تم ہو وہی — چوم سکتے نہ تھے نقشِ کفِ پا تم ہو وہی
ہاتھ کیا باندھ دیا وہ بھول گیا تم ہو وہی — ناک رگڑا کیے پانوں پہ سدا تم ہو وہی

ایک بوسے کے لیے کرتے تھے منت میری
لاکھوں لیتے تھے بلائیں یہ سماجت میری

بیگم۔ کیا یہ میاں سے تقریر ہوئی تھی۔!
نازک ادا۔ کیوں کیا میاں کے ہاتھ کوئی بک گیا ہے۔
روح افزا۔ اے بہن! یہ ان کی باتیں ہیں سنا کرو۔
نازک۔ انھیں یقین ہی نہیں آتا۔ اس کو کوئی کیا کرے۔
بیگم۔ اگر سچ مچ تم نے یہی کہا تو اللہ کی سنوار۔
نازک۔ ہم تو اپنی ہی تقریر کرتے ہیں بہن۔
بہار۔ ایسی تقریر کرو تو۔ اب کیا کہوں یہاں جو چاہو باتیں بنا لو۔
بیگم۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ ان کی زبان سے یہ کلمے ہم سب کے سامنے کیوں کر نکلے۔
روح افزا۔ ان کی ایسی ہی زبان درازی ہے بہن۔

بہار۔ مگر یہ یہاں آپس ہی میں ایسی باتیں کرتی ہیں بس۔ ان کے سامنے بھلا یہ کیا کہتیں کہ جو کیا خوب کیا پھر میری رغبت تمہیں کیا۔

سپہر آرا۔ اے ہے۔ چوین کا میاں بھی نہ سن سکے۔

نازک۔ حسن آرا کیا سوچ رہی ہو۔ کس فکر میں ہو۔

گیتی آرا۔ فکر ہو ان کے دشمن کو۔ فکر کیسی ہوتی ہے۔

نازک۔ ان کو یہ فکر ہے کہ دن جلد جلد ختم ہوں۔

بے تو برمن ماہتاب امشب شبے دیگر شد است

نور چشمم چوں طلائی گشتہ خاکستر شدست

اچھا یہ اس وقت ایمان سے کہدیں کہ یہی سوچ رہی تھیں یا نہیں۔ آزاد کے نام سے ان کو عشق ہے اگر کوئی آزاد کا نام لے تو ان کا جی چاہے کہ اس کے بوسے لے لیں۔

بپا بوس لبم ہر دم دلم صد بار می آید

چہ منتہا کہ از نام تو بر کام وزباں دارم

آزاد کی خانہ آبادی جس قدر جلد ہو اُسی قدر بہتر ہے۔ بزرگان گفتہ اند۔ کہ پدر ندارد۔ سایہ سر ندارد۔ و ہر کہ برادر ندارد قوت بازو ندارد۔ و ہر کہ زن ندارد۔ آرام تن ندارد۔ و ہر کہ ہیچ ندارد۔ ہیچ غم ندارد۔

بیگم۔ و ہر کہ پسر ندارد نور بصر ندارد۔

نازک۔ ہاں یہ رہ گیا تھا۔ جائے استاد خالی ست۔

روح۔ بہت بڑے دشمن شہسوار سے نجات پائی۔

نازک۔ تھا وہ بدبخت اسی قابل خوب ہوا۔

موئے آزار ہی میں ہائے افسوس   اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی

ابتدائے عشق ہی میں جان گئی اُس کی

حسن آرا۔ اب اس موئے کے ذکر سے کیا مطلب ہے۔ از برائے خدا اُس کا بالکل ذکر ہی نہ کرو۔

بہار النسا۔ میں کہنے ہی کو تھی ہنسی خوشی کی باتیں ہونی چاہئیں کہ رنج کی تھوڑا غم کیا ہے۔

اب سنیے کہ خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع آزاد پاشا کا پیغام لے کر آئے۔ اور پیر مرد سے کہا ذرا جا کے حضور لامع النور فیض گنجور نواب بڑی بیگم صاحب سے عرض کر دیجیے کہ کمیدان خواجہ بدیع الزماں آئے ہیں۔ ان کو کچھ عرض کرنا ہے۔ پیر مرد نے ان کے واسطے حقہ بھروایا۔ بڑی بیگم صاحب سے پیغام کہا

انھوں نے کہا جو کچھ کہنے ہیں سُن لو اور مجھے اطلاع دو۔

پیر مرد۔ آپ فرمایئے میں جا کے اطلاع کر دوں گا۔

خوجی۔ عرض کرنا یہ ہے، مگر لفظ بہ لفظ کہیے گا کہ۔ لیکن خدا کے واسطے کوئی لفظ رہ نہ جائے عرض یہ کرنا ہے کہ یار تم نہ کہوگے۔

پیر مرد۔ یا خدا کچھ کہوگے بھی۔ لاحول ولا۔

خو۔ آپ پڑھے لکھے آدمی تو ہیں نہیں۔

پیر مرد۔ میں تو بالکل نگرا ہی ہوں ماشاء اللہ۔

خو۔ اچھا تو پھر لفظ بہ لفظ یوں کہیئے گا۔ اول تو حُسن آرا بیگم سے فرمایئے کہ ان معمائے خوب و مرغوب کو حل کیجیے۔

۱۔ کیفیت وصال بس اب کچھ نہیں رہی — کیونکر نہ ہوں ملول ہیں شب کچھ نہیں رہی

۲۔ بنے کیوں کر کہ ہے سب کار اُلٹا — ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا (مہتاب رائے)

پیر مرد نے یہ دونوں شعر کاغذ پر لکھ لیے اور حُسن آرا کے پاس بھیجے، وہاں صرف حُسن آرا اور نازک ادا اور سپہر آرا پڑھی لکھی تھیں۔ اور دو اور صرف حرف آشنا۔

بہار النسا۔ رہ نہ جانا حسن آرا خبردار۔

نازک ادا۔ یہ انوکھی شادی اور نئی ریت ہے۔

روح افزا۔ سرے سے انوکھی باتیں ہوئیں۔

حُسن آرا۔ یہ تو چیستان ہے جنھیں پہیلی کہتے ہیں۔

کیفیت وصال بس اب کچھ نہیں رہی۔

اس سے کیا مطلب ہے۔ یا خدا یہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آیا مگر دوسرا شعر ذرا سہل ہے۔

ہم اُلٹے بات اُلٹی یار اُلٹا

ہم کو اُلٹو۔ مہ ہوا۔ بات کو الٹو۔ تاب ہوا۔ یار کو اُلٹو۔ رائے ہوا۔ سب ملا کر مہتاب رائے ہوا۔ یہ مہتاب رائے کے نام کا معمّا ہے۔

سپہر آرا بہت ہی خوش ہوئیں، اور نازک ادا نے پیٹھ ٹھونک کر کہا شاباش بہن۔

بنے کیوں کر کہ ہے سب کار الٹا

ہم اُلٹے بات الٹی یار اُلٹا

مگر جب جانیں کہ پہلے شعر کو بھی حل کر دو۔

پیر مرد کو بلا کر کہا۔ جا کے یہ رقعہ دے دو۔ اس میں حل معما ہے۔ اور کہہ دینا کہ ایک منٹ میں حل کیا ہے اور دوسرا شعر املا کی غلطیوں سے مملو ہے۔ وصال سین سے اور کیفیت میں کے الگ اور فیت الگ درج ہے، پیر مرد نے خواجہ صاحب کو رقعہ دیا۔ اور پیغام کہا۔ یہ یہاں سے رخصت ہوئے اور آزاد کے پاس آئے۔

آزاد۔ کہیے حضرت کیا خبریں ہیں وہاں کی۔

خو۔ چٹکی بجاتے معما فوراً حل کر دیا جی۔

آزاد۔ کہیں حل نہ کر دیا ہو۔ تم کیا جانو۔

خو۔ اجی روشن مثل مہتاب رائے ہے ان کی۔

آزاد۔ ہنس کر۔ بھئی یہ تو بہت صحیح ہے۔

خو۔ جی۔ دوسرا شعر نہ حل ہو سکا۔ ٹال دیا اس کو۔

لچھے ریشم کے نہ ہاتھوں میں پہن
دیکھ نازک ہے کلائی تیری

راوی۔ بہت ہی خاصے۔ یہ بھی برجستہ شعر پڑھا۔

رقعہ پڑھا تو یہ مطلب درج تھا۔

ہے لطف بناوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں
یہ طور لگاوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں

چیستان میں کوئی اور الجھتے ہوں گے۔ مگر خدارا اب اس طرح بے جھجک نامہ و پیغام سے درگزرو۔ مصنی ما مضیٰ پہیلیوں میں کیوں بیکار ہنسواتے ہو۔ بھلا یہ حل چیستان بھی کوئی رسم شادی ہے۔ شعر اول تو مہمل ہے اور املا کی غلطیوں سے مملو۔ دوسرے شعر کا مطلب کہہ دیا گیا۔ یہ مہتاب رائے کون ہیں۔ شرمائے تو نہ ہو گے۔ کوئی مشکل معما بھیجا ہوتا۔ اتنے میں بازار سے ایک آواز آئی جس نے سب کو اپنی طرف مخاطب کیا۔ ایک آدمی یہ اشعار گاتا جاتا تھا۔ ؎

وہ نوجوان عابد و زاہد کہ سب جسے | کہتے تھے مومن اور بہت دیندار تھا
کل ایسے حال سے نظر آیا کہ کیا کہوں | جو تھا سو اس کو دیکھ کے زار و نزار تھا
عبرت کی جا ہے یوں صنموں نے کیا خراب | ملنے سے جن کے معتقد ننگ و عار تھا

بیمار کردیا شب ہجراں بتاں نے آہ — کیا ہو گئے وہ روز کہ پرہیز گار تھا
یا تو ہمیں ڈراتے تھے خورشید حشر سے — یا اپنے سر پہ داغ جنوں شعلہ بار تھا
اختر شماری شب غم نے بھلا دیا — جتنا خیال پرستش روزِ شمار تھا
ہر ایک کی طرف نگہ بیکسانہ تھی — کس کی نگاہ لطف کا امیدوار تھا

ہمت سے اور ناز اٹھانے کی آرزو
باقی تھی گو کہ ضعف سے جتنا بھی بار تھا

آزاد نے اس شخص کو بلوایا اور کہا بھئی تم اس وقت بڑے خوش معلوم ہوتے ہو۔ اس نے کہا حضور ایک بہت بڑے رئیس کے لڑکے ہیں۔ مگر طبیعت میں آزادی ہے۔ گھر بار چھوڑ کر اس قطع سے تمام دنیا کی سیر کرتے پھرتے ہیں۔ عاشق تن آدمی ہیں۔

بسکہ طبیعت مشغلہ جو تھی — اپنی سدا سے چاہ کی خو تھی
اہلِ جفا میں دھوم تھی اپنی — جورکشی معصوم تھی اپنی
شوق نہاں مشہور تھا اپنا — دیکھو جہاں مذکور تھا اپنا
بچپن سے چاہ کا پکا — عشق و دل جانکاہ کا پکا
مہروشوں سے لاگ تھی دل کو — گرم رکھے اک آگ تھی دل کو

جس نے ہمیں ناکام کیا ہے
سچ تو یہ ہے کیا کام کیا ہے

ہماری خوشی کا سبب کچھ نہ پوچھیے۔ جیسے سُنا ہے کہ آزاد نے شہسوار کو گرفتار کر لیا، اور وہ قید ہو گیا تب سے روح فرحناک ہے اور ادھر ادھر گاتا بجاتا پھرتا ہوں، اور خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ آزاد معہ اپنی معشوقہ پری رُو کے خوش و خرم رہیں۔ پہلے ہم بڑے پارسا تھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ تیسوں روزے رکھتے تھے۔ وظائف بھی شروع کر دیئے تھے۔ صبح کو مناجات بھی پڑھتے تھے۔ مگر ایک روز ایک بُت عربدہ جو کی تصویر دیکھی اور سُنا کہ جس گلبدن کی تصویر ہے وہ اسی شہر میں رہتی ہے بس دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور پارسائی سے کنارہ کش ہوئے۔ ؎

بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بے خود ہو گئے تم دیکھ کر تصویر شیشے کی

لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ کوئی بڑی بیگم ہیں ان کی بیٹی یا نواسی یا شاید پوتی کی تصویر ہے دوبار

اُس بُت پندار کو خود بھی دیکھا مگر ایک علت میں ماخوذ ہوئے، بلوے کا جرم ہم پر قائم کیا گیا۔ قید ہو گئے برس بھر بعد رہا ہوئے سیاح نے مگر ان کا پتہ نہ ملا۔

آزاد۔ اس بتِ پندار کا نام یاد ہے۔

سیاح۔ نام تو اس وقت ذہن سے اتر گیا۔

آزاد۔ اکیلی ہے یا کوئی بڑی چھوٹی بہن بھی ہے۔

سیاح۔ ہاں ایک بہن بھی اس کی ہے اس کا نام البتہ یاد ہے۔ دیکھیے بھولا جاتا ہوں۔ بھلا ہی سا نام ہے۔ ہاں یاد آیا اُن کا نام۔ سپہر آرا بیگم ہے دونوں بہنیں خوبصورت ہیں غضب کی ادا ہے حضور مگر حسرت ہی حسرت رہ گئی۔

کشتۂ حسرتِ دیدار ہیں یارب کس کے　　نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے
وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے　　اس کو نہ تھاموں کہ اُسے پاؤں پڑوں کس کس کے

کیوں نہ ہم شمع کی مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعث گرمی ہوں تری مجلس کے

ایک مہری نے جس کا میاں ہوٹل میں نوکر تھا۔ روح افزا بیگم سے کہا کہ یہ جو بوتے آج آئے تھے اُن سے آزاد مشورہ کر رہے تھے کہ نکاح پڑھوا کر ایک باغ میں جا کے رہیں گے۔ شہر سے کوئی دو کوس ہو گا۔ لالہ مہتاب رائے بخشی کا باغ ہے۔ سُنا ہے اُس سے بہتر یہاں کسی کا اور باغ نہیں ہے۔ سات دن اسی باغ میں رہیں اور حسن آرا بیگم بھی وہیں رہیں گی۔ اس کے بعد پھر اور کوئی کوٹھی لیں گے۔ روح افزا بولی۔ اُن سے کچھ بعید نہیں کیونکہ اُن کی جتنی باتیں ہیں سب انوکھی ہیں۔ بالکل نرالی اور ادھر عنایت ایزدی سے حُسن آرا نے وہ باتیں کیں، جو آج تک دیکھی نہ سُنیں۔ دونوں اچھے ملے۔ مگر ہے۔ کیا کہ دنیا ان دونوں کے خلاف نہیں ہے۔ روح افزا نے اور سب سے بھی یہ حال کہا۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ اور سب نے مل کر حسن آرا کو بنانا شروع کیا۔

بیگم۔ دولھا دولھن باغ میں رہیں گے۔

روح افزا۔ اب حسن آرا جائیں۔ اور وہ جائیں۔

گیتی آرا۔ ہمارے نزدیک کلکتے چلے جائیں تو اچھا۔

نازک۔ ہاں دو کوس پر باغ میں رہے تو کیا۔

روح۔ اور جو لندھن چلے جائیں تو کیسا۔

سپہر آرا۔ واہ کیا کہنا انوکھی شادی ہوگی۔

نازک۔ اول تو میاں بیوی کی شادی کے قبل یہ باتیں ہی نہیں سُنیں کہ تم روم جاؤ اور وہاں جنگ کرو۔ اور واپس آؤ۔

بیگم۔ (ہنس کر) نکاح کی شرطیں ہی تو ہیں۔

نازک۔ ایسی کڑی شرطیں کم سنی ہوں گی۔

جانی بیگم۔ اور مہر کا حال تو بتاؤ کس قدر ہے۔

نازک۔ یہی لاکھ روپیہ اور کیا۔ بہت ہے۔

سپہر آرا۔ شریفوں میں اس پر زیادہ جھگڑا نہیں ہوتا۔

نازک۔ یہ نہ کہو بہن جیسی جس کی رائے ہوئی اب ثریا بیگم کا مہر نواب سنجر سطوت نے چھ لاکھ باندھا ہے۔

سپہر آرا۔ تو ان کو ہم کب بڑی عفیفہ سمجھتے ہیں۔

بیگم۔ ہائیں! خبردار پھر کبھی ایسا نہ کہنا بہن۔

جانی۔ خدا گواہ ہے۔ ایمان کی قسم کھا کر کہتی ہوں ممکن نہیں کہ ایسی عفیفہ کوئی اور ہو۔

سپہر۔ جب ہی جوگن ہوئی۔ پھر شادی کرلی۔ ہونھ!

نازک۔ سُنو سنُو۔ وہ تو مرتے دم تک نکاح کا قصد اور خیال ہی نہ کرتیں، مگر کیا کریں مجبور ہوگئیں۔ سوچیں کہ آزاد سے تو نکاح کسی طرح نہیں ہو سکتا یہ تو امر مُحال ہے پھر کیا کرتیں۔

جانی بیگم۔ اور بہن مصلحت بھی اسی میں تھی۔

نازک۔ ٹھان لی تھی کہ اب شادی نہ کریں گے لیکن پھر عقل نے ہدایت کی کہ اس سے بجز مصیبت کے اور کیا نتیجہ نکلے گا۔

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

مہری نے کہا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم حسن آرا کو انگریزی ضرور پڑھوائیں گے۔

روح افزا۔ کیا۔ ہاں مبارک ہو۔ بسم اللہ۔

نازک ادا۔ تو بہن اب سایہ پہنو اور میم بنو۔

سپہر آرا۔ یہ کیوں انگریزی پڑھنے سے کچھ ضرور ہے کہ سایہ ہی پہنے اور میم صاحب ہی بن جائے۔ اے واہ۔

نازک۔ اچھا اسکول میں تو جایا ہی کرو گی۔

سپہر۔ کیوں یہ مس میڈ اور کلیر سا کس پہ ہیں۔

روح افزا۔ ہاں سچ کہتی ہو بہن۔ یہ دونوں ان کو برق کر دیں گی۔ اول تو اللہ کی عنایت سے خود ہی ذہین ہیں۔ اُس پر طرّہ یہ کہ تعلیم ایسی اچھی ہوگی۔

نازک۔ ہم بھی پڑھیں گے۔ ہم آزاد سے پڑھیں گے۔

اس پر فرمائشی قہقہہ پڑا، اور بعض نے جو ازبس نستعلیق تھیں، دانتوں کے تلے اُنگلی دبائی، کہا اُوئی نوج کوئی ایسی بیباک ہو۔ زبان میں لگام نہیں۔ جو منہ پر آیا تڑ سے بک دیا۔ واہ واہ۔ بالکل کسی کی حیا ہی نہیں ہے۔

اب سنیے خواجہ صاحب نے بڑی کوشش کی کہ وہ شعر جو حسن آرا سے نہیں حل ہو سکا تھا اس کو حل کریں۔ مگر حضرت کی قابلیت کا حال ناظرین پر روشن ہے۔ بڑی دیر تک اُلجھے رہے لیکن خاک سمجھ میں نہ آیا۔ ناچار آزاد کے پاس آئے اور کہا جناب دو گھنٹے کامل سے کوشش کر رہا ہوں۔ مگر حل نہیں ہوتا۔ لیکن خدا نے چاہا تو صبح شام یہ شعر کیا معنی ایسے ایسے دس حل کر ڈالوں گا۔ اور معما تو کوئی شے ہی نہیں۔ جس شخص نے بدر چاچ پر حاشیہ لکھا ہو۔ اور قصائد شاعر موصوف سے بھی گوئے سبقت لے گیا ہے اس کو بھلا کوئی دھمکا سکتا ہے۔ آزاد نے کہا بھائی صاحب یوں کہنے کو آپ جو چاہے کہیں مگر اس میں شک نہیں کہ جس کا کام ہوتا ہے وہی خوب جانتا ہے۔ ہر کارے و ہر مردے۔

ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

آپ کے ہاں کوئی پڑھا لکھا پہلے کاہے کو تھا۔ اب البتہ کچھ شُد بُد جاننے لگے۔ اُس پر خواجہ صاحب بہت ہی خفا ہوئے اور بہ کمال غیظ و غضب یوں جواب دیا۔

خوجی۔ ہم سے اور غرور قابلیت! شان خدا۔!

آزاد۔ واہ بس خاندان بھر کو دیکھ لیا۔

خو۔ بجز ہمارے اور کسی شخص کو آپ نے کہاں دیکھا۔

آزاد۔ بجا ارشاد ہوا۔ خواجہ رئیس الزماں۔

خو۔ وہ ہمارے حقیقی بھائی نہیں ہیں سوتیلے ہیں۔

آزاد۔ یعنی سوتیلے کیا معنی جناب۔

خو۔ مطلب یہ کہ سگے بھائی وہ نہیں ہیں ہمارے۔

آزاد۔ آپ کی ان کی والدہ تو ایک ہیں نہ۔

خو۔ (جلدی میں) جی ہاں والدہ ہماری ان کی ایک ہیں۔

آزاد۔ (قہقہہ لگا کر) تو والد دو ہوں گے۔

خو۔ (دانت کے تلے انگلی دبا کر) ارے ارے۔

آزاد۔ بس اب یاد رکھیے گا حضرت۔ اداب۔

خو۔ لاحول ولاقوۃ۔ بہت بُرے پھنسے واللہ۔

آزاد۔ آپ نے جو کچھ کہا اپنے ہی منہ سے کہا۔

خو۔ ذکر تو قابلیت کا تھا اس میں ہم کسی مردک سے کم نہیں۔ اور یہ آپ نے کیا فرمایا کہ ہمارے ہاں کوئی پڑھا لکھا ہی نہ تھا۔ جناب والد شاعر تھے اور شتر تخلص کرتے تھے۔

آزاد۔ تخلص کیا تھا آپ کے والد کا خر؟

خو۔ دیکھیے ایک ہوئی۔ ہاں لے اب کلام سنیے مغلق کہتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

من آں غلیثیق چقماقم کہ ضدیف ازل دارم ولیکن صنعت تو شیخ ہم اندر بجل دارم

اگر مولوی بدیدے موؤت باج خواہ آید بہم در کنتق معنی عجائب در بغل دارم

آزاد۔ شاعر کاہے کو پوچ گو تھے۔ لاحول۔

خوجی۔ بس قابلیت عالم بالا معلوم شد۔ خوب سمجھے۔

آزاد۔ کنتق کیا معنی اور غلیثیق کرامی گوئید۔

خو۔ آپ کیا جانیں۔ ہم گرھیا میں کنول کھلے ہیں۔ جی جناب۔

آزاد۔ (قہقہہ لگا کر) اے سبحان اللہ بہت ہی خوب۔ یعنی آپ کا خاندان گرھیا تھا اور آپ اس میں کنول کھلے ہیں۔

خو۔ ارے (تھپڑ لگا کر) لاحول ولاقوۃ !!!

آزاد۔ اس کے یہ معنی آپ کے باپ دادا اور کل آباؤ اجداد سب کے سب گدھے تھے ایک آپ کنول کھلے ہیں۔ اے لعنت خدا۔

خو۔ اس زبان کو کیا کروں۔ کاٹ ڈالوں۔ کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خیر۔ فہمیدہ خواہد شد۔ ہائے افسوس میں اس سے کچھ اور مطلب سمجھا تھا مگر لینے کے دینے پڑے۔

آزاد۔ اب یہ فرمائیے کہ ہماری شادی کی کون ساعت قرار پائی ہے۔ ہم تو باجے اور جلوس کے دشمن ہیں۔

خو۔ ایں! ماشاء اللہ! بھئی واہ ہے۔ روس تک میں تو ہم نے دھوم مچا دی تھی۔ نہ کہ خاص ہندوستان میں۔ سونی برات کس کام کی۔ آرائش ہو۔ آتشبازی ہو۔ گھوڑے ہوں۔ ہاتھی ہوں۔ اونٹ ہوں۔ سانڈنیاں

ہوں۔ ٹانگھن ہوں۔ خاص بردار ہوں۔ بلم بردار۔ جھنڈی بردار۔ فوج کے سپاہی ساتھ۔ لال لال کرتیاں چمکیں تب البتہ برات کا لطف ہے۔

بڑی بیگم صاحب نے ٹھان لی تھی کہ اس تقریب میں زر کثیر صرف کریں، اور بعد مدت دل کا حوصلہ نکالیں۔ یہ تقریب ان کے عمر کی آخری تقریب تھی۔ کئی بڑی بوڑھی بیگمیں قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

بڑی بیگم - اب کیا میں دوبارہ زندہ ہوں گی۔

۱۔ اے توبہ کرو بہن۔ اس زندگی کا کیا اعتبار۔

۲۔ ایک دم بھر کا تو اعتبار نہیں ہے انسان کو۔

۳۔ حسن آرا اور سپہر آرا صدوسی سال کی ہوں اب ان کی تقریب سعید میں آخری وقت دل کا حوصلہ نہ نکالو گی تو پھر کب۔

بڑی۔ ہم غریب آدمیوں کا حوصلہ ہی کیا۔

۱۔ وہ جس کی جو حیثیت ہے اس کے مطابق کرتا ہے۔

۲۔ اگر ایسے ہی ایسے دو چار اور غریب ہوں تو شہر بھر امیر ہو جائے۔

۳۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ دونوں طرف سے دھوم ہو۔

۴۔ اور یہاں طرف ثانی شسدی ہے۔

بڑی۔ ہم کو تو یہ تمنا نہیں ہے کہ برات دھوم ہی سے دروازے پر آئے۔ مگر جو شخص اپنے لاکھوں روپیے صرف کرے گا وہ یہ ضرور چاہے گا کہ دوسری طرف سے بھی دھوم دھام ہو۔

۱۔ اور وہ مولوی آدمی شرع کے پابند۔

۲۔ یہ سپاہی پن اور مولوی پن سے کیا نسبت ہے۔

۳۔ اے بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ خواہی نخواہی شرع کی آڑ میں اپنی ہی سی کرتے ہیں برات کی دھوم اور لوگوں کے ہجوم ان کے خلاف ہوں گے۔ چلو شرع کا بہانہ کر دیا۔

۴۔ حیف تو اسی میں کہ دروازے پر باجے کی آواز سے دھوم مچ جائے کان پڑی آواز نہ سنائی دے

بڑی۔ ہم لوگوں کی تو گھٹی میں یہ بات ہے۔

۱۔ پھر ایک کام کیجیے۔ لکھ بھیجیے اور سمجھائیے۔

۲۔ سمجھانے سے کام نہ چلے گا۔ وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اس طبیعت کے آدمی کسی کی سنتے ہیں بھلا۔

بڑی۔ اچھا آؤ خط لکھوا کے بھیجدیں۔ ذری عسکری کو بلاؤ۔

محمد عسکری صاحب تشریف لائے۔ وہی گلبدن کا پائجامہ ڈھیلے پانچوں کا۔ سبز اطلس کا اُتو کیا ہوا دگلا۔ اس پر سیاہ گرنٹ کی صدری چوگوشیہ ٹوپی۔ وارنش کا بوٹ۔ اس قطع سے آئے بڑی بیگم صاحب کو سلام کیا، اور باادب بیٹھے بڑی بیگم صاحب نے کہا عسکری ایک خط آزاد کے نام اپنی طرف سے لکھو، کہ آپ مہربانی کر کے اس آزادی سے درگذر کریں کہ بالکل شرع ہی کے مطابق کارروائی ہو۔

عسکری۔ بہت اچھا۔ مگر وہ ماننے والے نہیں ہیں۔

بڑی۔ ہاں دھن کے پکے ہیں مگر لکھو تو سہی۔

عسکری۔ تو اپنی طرف سے لکھوں یا آپ کی طرف سے۔

بڑی۔ میری طرف سے لکھنا فضول ہے۔ تم ہی لکھو۔

عسکری۔ بہت خوب۔ قلم دوات کاغذ لے کر لکھنا شروع کیا مگر وہی پُرانے فیشن سے۔

جناب برادر صاحب عنایت فرمائے مخلصان محمد آزاد پاشا صاحب دام مجدکم۔ بعد ادائے مراسم تسلیم عرض آنکہ خار بجا شنا گیا کہ جناب کو اس امر میں کد ہے کہ برات میں دھوم دھام، اور باجا اور ہجوم مرد ماں کہ سلف سے خلف تک رسم ہے، نہ ہو اور محض بہ پابندی شرع متین کہ احسن و اولیٰ ہے کارروائی عمل میں آئے۔ لیکن گو۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آساں کن

از آنجا کہ طرف ثانی کی دل جوئی باعث سعادت عزیزان ہے لہٰذا لکھا جاتا ہے اور آپ خود بقول شخصے کہ دانا و بینا ہیں۔ لکھنا اس کا امر فضول ہے۔ اور سب پر مبرہن ہے کہ آپ کیسے ہیں اور دانائی میں فرد ہیں۔ مگر۔

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

اور یہاں سب کی یہی خواہش ہے کہ واسطے دکھانے مرد مان کے اور بنا بر ازدیاد کرنے محبت کے، اور نیز بجہت وصول نیک نامی، و شہرت حاصل کرنے کے آں شفیق ضرور برات کو منظور اور دھوم دھام کی تیاری فرمائیں۔ راقم آثم۔

ننگِ کائنات محمد عسکری عفی اللہ عنہ پرانے فیشن میں یہ خط لکھ کر محمد عسکری صاحب نے ایک چوبدار کے ہاتھ بھیجا۔ اس نے سلام کیا اور ادب کے ساتھ میاں آزاد کو خط دیا انھوں نے پڑھا تو مسکرائے اور یوں

مختصر و موزوں جواب لکھا۔

حضرت سلامت میں کر و فر کی برات کو نا پسند کرتا ہوں یہ صرف بچوں کا کھیل ہے۔ مگر نکاح اور شادی بازیچۂ اطفال نہیں۔

نیاز مند آزاد

حسن آرا کی ہمجولیوں نے ان کو آن کر خبر دی کہ آزاد کے نام خط بھیجا گیا ہے، اور آزاد نے اس کا جواب بھی لکھ بھیجا۔

حسن آرا نے خط منگوایا اور جواب پڑھ کر کہا ناحق لکھا تھا بھلا اس سے کیا ملا۔ مگر اماں جان کی رائے

روح افزا۔ تم کو ان باتوں میں کیا دخل ہے۔

بہار النسا۔ اے ہاں اب دو دن تو دلھن کی سی باتیں کرو۔ بہن۔

حسن آرا۔ بہت اچھا۔ اب اسی وقت سے سہی۔

نازک ادا۔ واہ بن چکیں۔ دلھن کہیں سکھائے سے یہ باتیں سیکھتی ہے۔

بہار۔ اتنا اچھا ہے کہ یہاں کی بات کوئی جا کے ادھر اُدھر نہیں کہتا۔

نازک ادا۔ تو وجہ کیا۔ سب کی سب شریف زادیاں ہیں۔

جانی بیگم۔ سب میں تو تم بھی آ گئیں بہن۔

نازک۔ بس ایک جانی بیگم کے سوا اور سب شریفوں کی بہو بیٹیاں ہیں۔ اور ہم کو کوئی کیا کہے گا۔ کوئی ڈومنی تو مقابلہ کر لے۔

ہے چشم بند تو بھی ہے آنسوں رواں ہنوز — جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز
یہ دن دکھائے ہیں شبِ فرقت نے ہم کو اور — وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز
مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کے پر — آیا نہیں زباں پہ دردِ نہاں ہنوز
ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے — کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز
یاں امتحانِ مرگ سے غافل ہوتے ہیں یار — واں اپنے ہی پہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز

باغِ جہاں میں گو مہ خرداد آ گیا
یاں ہے اُسی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز

اب تو ہر روز دھما چوکڑی مچے گی۔ بھلا کوئی ہمارے مقابلے میں گائے تو آن کے۔

بہار۔ ہمیں تمہاری آواز سب سے پیاری معلوم ہوتی ہے۔

نازک۔ اور ہمیں اپنے میاں کی آواز۔ سنو گی۔

بیگم ۔ آپ کے میاں کی آواز آپ کو مبارک رہے۔

اب سُنیے کہ بڑی بیگم صاحب کو جو اُن کی ہمجولیوں نے بہکایا تو ان کو بھی کد ہوئی کہ جب تک دھوم سے برات نہ آئے گی تب تک شادی ہونا محال ہے۔ محمد عسکری سے خط لکھوایا جس کا یہ مضمون تھا۔

جناب برادر صاحب کرم گستر بندہ پرور دام مجدہٗ۔

بعد کورنش معروض رائے فیض انجلائے گردانیدہ می آید کہ احوال ایں نواحی بفضل نامتناہی الٰہی مقرون خیریت ست و مژدۂ اعتدال مزاج وہاج از بارگاہ خداوند کریم مستدعی حال یہ ہے کہ عنایت نامہ سامی، حضور بڑی بیگم صاحب کو حرف بحرف سُنا دیا۔ اور انھوں نے سُنا و کہا کہ پھر اُن کو سمجھاؤ کہ مرضی ہماری بنابر دھوم و تیاری برات کے ہے۔ اور چونکہ تم خرد اور چھوٹے ہو۔ ہم سے لہذا کارروائی کرنا مطابق رائے ہماری کے تم پر فرض ہے۔ پس اب لکھا جاتا ہے کہ آں برادا مزراہ عنایت منظور فرمائیں تو عنایت ہے ورنہ موجب ان کی ناراضی کا ہو گا جس کو آں شفیق ہرگز منظور نہ کریں گے۔

نوشتہ بماند سیہ بر سفید

نویسندہ را نیست فردا امید

العبد العاصی پُر معاصی محمد عسکری عفی اللہ عنہ

راوی ۔ بہت ہی خاصے۔ آخر میں یہ سطور بڑھائیں۔

مکرر آنکہ بنابر انصرام برات و جلوس اگر آں مشفق کو وقت ہو لکھ دیا جائے کسی اور صاحب سے جو ان امور میں دخل رکھتے ہوں جواب طلب ضروری۔ ع۔

تھوڑا لکھا بہت سمجھنا۔

جواب بمدست حامل مطلوب ست۔

یہ خط پھر آزاد کے پاس بھیجا۔ انھوں نے جواب لکھا۔

بندہ نواز۔ اس امر میں اصرار فضول ہے۔ برات کا کروفر وضع کے خلاف۔ بچوں کا کھیل ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے بڑی بیگم صاحب کے حکم کی تعمیل میں عذر نہیں مگر اس امر خاص میں معذور اور مجبور ہوں۔ لہذا معاف فرمائیے۔

جب حسن آرا بیگم نے سُنا کہ بڑی بیگم نے مکرر آزاد کو لکھا اور اس مرتبہ اصرار بلیغ کیا کہ آپ اپنے ارادے سے درگذریں تو ان کو بڑا رنج ہوا اور بہار النسا بیگم سے انھوں نے یوں کہنا شروع کیا۔

حسن آرا۔ باجی ہمیں بڑی شرم آتی ہے۔

بہار النسا۔ پھر اب ان کو کون سمجھائے بھلا۔

حسن ۔ روح افزا بہن کو بھیجیے وہ سمجھائیں۔

روح افزا۔ وہ اگر برات میں دو گھوڑے زیادہ ہوئے۔ تو کیا۔

بہار۔ واہ وا اس میں تو ہم کو بھی کد ہے۔

گیتی آرا۔ ہمارے خاندان میں کبھی ایسا ہوا ہی نہیں۔

حسن ۔ تو مذہب اور شرع کے خلاف تو نہیں ہے۔

گیتی ۔اس سے کیا مطلب مذہب کا حال مولوی جانیں۔

بہار۔ چپ چپاتے دولھا آیا نکاح پڑھوایا گیا چلو۔ صاحب شادی ہوگئی۔ واہ وا سارا زمانہ طعنے دے گا

روح ۔ اب سارے زمانے کا حال تو تم کو معلوم ہوگا۔

بہار۔ اچھا کسی کا نام تو بتاؤ کہیں بھی ایسا ہوا ہے کہ یوں شادی ہوئی ہو۔ ہم نے تو آج تک نہیں سُنا۔

گیتی ۔ دُھنیے جولاہوں کے ہاں تک تو انگریزی باجا برات کے ساتھ ہوتا ہے اور کسی کا کیوں ذکر کرو۔

اس پر قہقہہ پڑا اور نازک ادا نے کہا ماشاء اللہ سے کیا اچھی مثال دی ہے۔ مگر ہم تو اس بات پر عش عش کرتے ہیں کہ ان دونوں کی ایک رائے۔ خیال ایک بات ایک ہے۔ جو وہ کہتی ہیں وہ یہ بھی کہتی ہیں۔

اتر حسن و عشق تھا بے مثل

تو مرا میں ترا عدیل ہوا

دونوں کی ایک طبیعت ہے شانِ خدا۔

حسُن ۔ پھر اس میں بھی کوئی برائی یا عیب ہے۔

نازک۔ اے ہے کیا خفا ہو کے پوچھا ہے:

پنجۂ شانہ سے تو زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ

دل دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

دیوانہ را ہوئے بس ست۔ اس وقت تو یہ اُس سے خوش ہوں جو اُن کی سی کہے بس۔ جو یہ کہیں وہی کہے۔ بہار النسا بیگم کی رائے سے تو ہمیں ذرا بھی اتفاق نہیں ہے کہ برات دھوم سے آئے۔ اور دروازے پر خوب زور زور سے باجا بجے۔ اس سے فائدہ شادی وہ جو شرع کے مطابق ہو۔

حسن ۔ گویا اپنے حساب ہم کو بنا رہی ہیں۔ (مسکرا کر)

نازک ۔ بہار النسا اور گیتی آرا کی رائے بالکل غلط ہے۔

حسن۔ نہیں نہیں۔ برات وہ جس میں پچاس ہاتھی بلکہ فیل خانے کا فیل خانہ ہو۔ اور سانڈنیوں کی قطار دو محلے تک جائے، اور شہر بھر کے گھوڑے اور پالو اور ہوادار اور نامدان ہوں اور کئی رسالے اور برق اندازوں کی کمپنیاں اور گوروں کا رسالہ بلکہ توپ خانہ بھی ضرور اور قدم قدم پر آتشبازی چھوٹتی ہو اور گولے دنغ رہے ہیں اور معلوم ہو کہ برات کیا قلعہ فتح کیا جاتا ہے۔ اور دروازے پر فیل بان نوشہ کو اترنے نہ دے کہ ہمارا انعام پہلے لائیے یا کوئی بات کیجیے گا۔

نازک۔ یہ گویا بُری باتیں بیان کر رہی ہیں۔

حسن۔ جی نہیں۔ خدا نہ کرے بُری کاہے کو ہیں۔

نازک۔ اچھا وہ جانیں ان کا کام جانے۔ ہمیں کیا۔

حسن۔ (تنک کر) پھر آپ کیوں دخل در معقولات دیتی ہیں بے وجہ۔

نازک۔ اُف رے غصے۔ اللہ اللہ مگر بقول

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی

قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اس طرح

حسن۔ (مسکرا کر) اب میں آپ سے سوال جواب تو کر نہیں سکتی جو چاہیے کہہ لیجیے آپ کو اختیار ہے۔

نازک۔ ابھی کل کی لڑکی ہو باجا نہ ہو اور یہ نہ ہو۔ اور وہ نہ ہو۔ واہ کیا کیا باتیں۔ کیوں نہ ہو باجا ضرور ہوگا کیا یہاں خانہ جنگی کریں گے آن کے۔

آزاد۔ گھر میں نہیں چلتی ہے کسی کی۔

مقدمہ جریدۂ افتراح وکامرانی۔ شاہ بیت دیوان نشاط و شادمانی

یعنی مانجھے اور ساچق کے جشن جمشیدی کا انعقاد اور بتان سیم بر کا جھرمٹ اور ہجوم مہوشان پری زاد

لوحش اللہ کز جوش گل کہ دہر — عرض گنجینۂ صبا و شمال

بخت گوید بجز می کہ نیاز — عیش پیچد بتازگی کہ سال

رنگ را بو رسد بعذر قدوم — لالہ را گل دود باستقبال

ہمہ می میچلد ز مغز غبار — ہمہ گل مید مدز شاخ غزال

باغ از نقشہائے رنگا رنگ — نیکواں راست نامۂ اعمال
سرو ہا در ہجوم جنبش شاخ — قمریاں زمرّدیں پر و بال
شاخہا در نمائش شبنم — حلہ پوشان گوہریں تمثال
دہر گوئی شدست سرتا سر
بزم طوبےٰ جوان با اقبال

بڑی بیگم کے خانہ طرب کاشانہ میں ہر سمت سامان شادمانی و اسباب کامرانی مہیا تھے خواتین نسرین بدن، اور مہوشان غنچہ دہن کا جھرمٹ۔ بانکی اور رنگین، خوبرو ماہ لقا۔ طرار اور حاضر جواب، لگاوٹ بازی میں انتخاب۔ خوش پوش، نسترن بناگوش۔ قیامت کبریٰ سے دوش بدوش۔ ہر طرف گل بانگ، مبارکباد، اور صدائے تہنیت بلند تھی۔ بزمِ طرب کی کیفیت جشن جمشیدی سے بھی ہزار چند تھی۔ عرائس سیم ساق۔ سیم غبغب۔ وعرائس شبیریں حرکات شکر لب کی چہل پہل۔ اور چہل بل نے محفل کی رونق کو دوبالا کر دیا تھا۔ مغلانیاں سلیقہ شعار پختہ کار مہربان پرفن وعیار۔ پیش خدمتیں سمن عذار خواصیں باغ بہار۔ شہر کی نامی نامی ڈومنیاں بلوائی گئی تھیں۔ ایک ایک ڈومنی علم موسیقی میں فرد، اور لاجواب دل ربائی اور رنگین ادائی میں انتخاب۔ ایک ایک تان پر سامعین وجد کریں اور عاشق تن مردا ان کے عشق کا دم بھریں۔ نغمۂ دلکش سے صورت باریدی آشکار۔ لحن داؤدی ہزار جان سے نثار جو تھی ناہید نغمہ جادو فن۔ تیز طبیعت شیریں سخن۔ ادائیں دلپذیر و حسن بے نظیر۔

بڑی بیگم نے جہیز کی بڑی دھوم سے تیاری کی تھی۔ اور حسن آرا کے لیے زیور و لباس بڑے حوصلے سے برسوں سے آراستہ کر رکھا تھا۔ اور کئی غنچہ لب و ماہ طلعت خواصیں ہمراہ جانے کے لیے نوکر رکھی تھیں۔ کہ حسن آرا بیگم کی شادی جن کا ساری خدائی میں اس قدر نام ہوا، شہزادے کی طرح ہو۔ اور واقعی وہ تھیں بھی اسی قابل۔ اول تو نواب زادی عالی نسب والا حسب نجیب الطرفین شریف الجانبین امیر کبیر۔ لاکھوں کی حیثیت زر و جواہر کی انتہا ہی نہیں۔ بنگلے کوٹھیاں۔ بارہ دریاں۔ محلسرائیں املاک، باغ کثرت سے بڑی بیگم کے پاس تھے۔ اور حسن آرا کے حسن ملائک فریب طاؤس زیب، ادائے دل رُبا، اور اعلیٰ درجے کی خوبصورتی میں جو شک کرتا وہ کافر سمجھا جاتا سراپا گویا سانچے کا ڈھلا ہوا اور ان سب باتوں اور خوبیوں پر طرّہ یہ کہ خواندہ و تربیت یافتہ اور شاعرہ عفت و پاک دامنی اس پر بھی مستزاد۔ روح افزا نے کان میں جھک کے کہا بہن وہ دن یاد ہے جب اخبار میں کوئی خبر پڑھی، اور دنیا سے جی ہٹ گیا تھا۔ ایک وہ دن تھا۔ جو خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے، اور ایک آج کا دن ہے۔ حسن آرا نے کہا۔

روزِ ہجراں وشبِ فرقتِ یار آخر شد — زدہ ام فال وگذشت اختر وکار آخر شد
آں ہمہ نازو تنعم کہ خزاں می فرمود — عاقبت در قدم بادِ بہار آخر شد
شکر ایزد کہ باقبال جگر گوشۂ گل — نخوت بادِ دی وشوکت خار آخر شد

صبح امید کہ بُد معتکف پردۂ غیب
گو بروں آئے کہ کار شب تار آخر شد

حسن آرا نے اس افتراح اور خوشی سے یہ مبارک شعر پڑھے کہ روح افزا نے مسکرا کر کہا۔ بہن اس وقت تمہارے لبوں کی جنبش اور آنکھوں اور ہر ادا سے انتہا کی بشاشت برستی ہے۔ اللہ یہ خوشی برقرار رکھے۔ آمین آمین۔ حُسن آرا زیر لب تبسم کر کے بولی پھر اس میں آپ کو تعجب کیا ہے۔ اس وقت خوش نہ ہوں گی تو پھر کب ہوں گی۔ اتنے میں نازک ادا بیگم ان کو آہستہ آہستہ باتیں کرتے دیکھ کر قریب آئیں اور حسن آرا کے حسن گلوسوز کی تعریف میں رطب اللسان و عذب البیان ہوئیں۔ کہا۔ بہن۔ سچ تو یوں ہے کہ یہاں اس وقت خدا کے فضل سے اتنی خوبرو اور کمسن بیٹھی ہیں، اور سب کی سب اللہ کی عنایت، روپے والی متمول اور نک سک سے درست ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر۔ مگر جو بات تم نے پائی ہے اللہ جانتا ہے وہ ایک میں نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے۔ جواب نہیں رکھتی ہو۔

آگے تیرے جو ہو کھڑا شمشاد — جان دے دے وہ صورت فرہاد
اور سنبل جو رو کرے یک سو — پیچ کھائے وہ صورت گیسو
سُرخیِ پان کو دیکھ کر مہندی — روئے خون اور اپنا دے دے جی

کرے شبنم نثار دُر شب بھر
جاں تصدق کرے مہ انور

مشاطگان سلیقہ شعار نے جو سلاطین باوقار کی سرکاروں خواتین نامدار کی خدمت میں برسوں باریاب رہی تھیں۔ دُلھن کو ہر ہفت آرائش سے ایسا مزین کیا کہ ایک ایک عضو بدن سے اور بھی زیادہ جوبن ٹپکنے لگا۔ غیرت بتان لندن و جرمنی۔ رشک نگار رومی روکش۔ لعبتان فرخار۔ شمع قد گل عذار۔ سومست بادۂ ناز۔ سرو سرافراز۔ یاسمن بدن۔ حور فریب۔ زہرہ رخ طاؤس زیب۔ حُسن عالم آشوب وشوخیِ جلوۂ آتش زن کالائے ہوش۔ رخسارۂ تاباں شنگرف رنگ گل پوش۔ خوش منظر۔ خورشید پیکر۔ آنکھیں آہو فریب خدنگ افگن۔ ساقی مشرب غمزہ زن۔ شور انگیز۔ سرمہ بیز۔ لبہائے شگفتہ جرعہ نوش می چکان۔ یاقوت خام شکر فشاں۔ گردن دستۂ عاج فوارۂ نور بقول میر الٰہی مبرور۔

رخش آئینۂ گردن دستۂ عاج　　پری رویان یان آئینۂ محتاج

ساقِ سیمیں ونگاریں۔ ساعد پُر نور بلوریں: ـ

کے دیدہ می کشایم بر چشمہ سار ماہی　　ازساعدِ تو دارم ذوق شکار ماہی

ازچاک استینت بیند چو حُسن ساعد　　از تاب رشک افتد آتش بنجار ماہی

زلفِ عطر پاش عنبر پوش۔ سیہ بہار۔ زنار فروش۔ الہٰی یہ زلف سرانداز ہے۔ یا چنگل شہباز ہے نہیں نہیں یہ نسخہ عمر دراز ہے یا الہٰی یہ زلف فتنہ گر ہے یا مار ہفت سر ہے۔ سچ یوں ہے کہ صبح کی بغلطاق ہے اوران اشعار کی مصداق ہے۔

چہ زلفے ہندوے زاہمان زمید　　سیاہی یاے بر مصحف کشیدہ

چہ زلفے دود آہے تار و مارے　　بکنج حسن مارے بے قرارے

چہ زلفِ کو برنگ دود آید　　کز و بوے کباب دل بر آید

برشتہ سوختنہ چوں آہ دل سوز　　چو خط دفتر سنبل نو آموز

بہر عمرے درازی دام دادہ　　بصیادان گیتی دام دادہ

بخود پیچیدہ عمرے پیچ پر پیچ
بلندی کم نگر دیدہ از و ہیچ

ابروانِ سیہ تاب مطلع دیوان رعنائی۔ شاہ بیت قصیدہ شیریں آدائی

دو شمشیر اندر یک قبضہ ابروے سیہ تابش
کہ ہر دم می دہد آں تند جو از زہر چشم آتش

اتنے میں استانی جی آئیں اور حسن آرا کے پاس آن کر بیٹھیں کہا ہیں بھی جا کے آزاد کو دیکھ آئی۔ گویا اللہ نے یہ جوڑی اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ دونوں نے عجب صورت زیبا پائی ہے۔ جب مس میڈا کا آزاد پر دل آیا تو پولینڈ کی شاہزادی روس کے اخباروں میں اُن کے عشق کا حال پڑھ پڑھ کر ہنستی تھیں مگر جب خود آزاد کو دیکھا تو خود دل ہاتھ سے جاتا رہا۔

اے ناصحو آہی گیا وہ فتنۂ ایام لو
ہم کو تو کہتے تھے بھلا تم تو دل کو تھام لو

اب سنیے کہ آزاد پاشا کے اوصافِ حمیدہ میں سب سے زیادہ دو صفتوں کی تعریف ہوتی تھی۔ شجاعت اور حُسن مگر بعض بعض مرد اُن کے حسن کی تعریف سُن کر اس قدر بدگمان ہو گئے تھے کہ برات کے روز

دُلھن کے ہاں اپنی بیوی کا بھیجنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ نازک ادا اور ان کے میاں نواب انور علی خاں کی نوک جھونک لکھنے کے قابل ہے۔ نواب صاحب سے کسی فقرہ باز نے کہہ دیا تھا کہ آزاد بڑے خطرناک آدمی ہیں، اور گھر گھر اُن کے حسن خداداد کا چرچا ہے۔ جب نازک ادا بیگم نے آزاد کے جمال عالم آشوب کی انتہا سے زیادہ تعریف کی تھی تو یہ اور بھی بدظن ہو گئے۔

نازک ادا۔ حسن آرا کی تصویر دیکھیے کیا حسن پایا ہے۔

انور۔ ہمیں خوف ہوتا ہے۔ مبادا۔

نازک۔ یہ کسی اُو ماتی سے خوف ہو تو ہو۔

انور۔ تم کو آزاد کے حسن سے کیا مطلب۔ واہیات!

نازک۔ اللہ ری بدگمانی! کچھ ٹھکانا ہے۔

انور۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر تم جلنے نہ پاؤ گی یہ اَنہونی بات ہے واہ رے زمانے لاحول۔

نازک۔ ہم تو بیچ کھیت جائیں اور پھر جائیں۔

انور۔ اچھا پھر ہم بھی دیکھتے ہیں کون جاتا ہے۔

نازک۔ کیا کوئی ہمارا اتالیق ہے۔ خدا کے واسطے۔

انور۔ اور اوپر سے اور ضد کیے جاتی ہو۔ چپ رہو۔

نازک۔ آخر تمہاری اس بدگمانی کا علاج کیا ہے۔ بدگمانی کا ہے کو ہے۔ یہ تو خاصہ جنون ہے۔ ابھی آس پاس اڑوسی پڑوس لوگ سنیں تو کیا کہیں گے بھلا۔

انور۔ ہم نے آج تک کسی بہو بیٹی سے کسی نامحرم کے حُسن کی اس قدر تعریف سُنی ہی نہیں۔

نازک۔ تو غیر مردوے پر یہاں کس کے دشمن پھسل پڑے تمہیں یہ ہوا کیا بیٹھے بٹھائے ناحق کا جھگڑا مول لیتے ہو۔

انور۔ تمہاری نیک عفت پارسائی میں شک نہیں مگر ہزار بات کی ایک یہ ہے کہ۔ ع۔

عشق ست و ہزار بدگمانی

نازک۔ اس کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا۔

انور۔ اچھا آخر تمہیں اس قدر اصرار کیوں ہے۔

نازک۔ میں نے اس بات پر ضد کب کی تھی پہلے۔

انور۔ تم در پردہ قبول دیں کہ آزاد کا عشق ہے۔

نازک۔ اے ہے اس جھوٹ کو آگ لگے۔ تم حلف اٹھاؤ گے کہ میاں نے معشوق کو چیتی بنا لیا۔ کسی سے کہا سن کے آئے تو ہم اُدھر رخ نہ کریں۔ تم جیسے کوئی اور بھلا یہ تہمت تراشے تو دل لگی دکھا دوں۔

انور۔ اچھا اب کی بار ہمارا ہی کہنا مان لو۔ یوں سہی۔

نازک۔ ایک نہیں ہزار باری۔ مگر ہم ہمجولیاں اس طرح کی باتیں نہیں سننا چاہتی ہیں۔ ہمارے پردہ کو صدمہ پہونچتا ہے۔ اس سے بڑھ کر رسوائی شریف زادی کے لیے اور کیا ہے کہ میاں ہی بدگمان ہو جائیں اور اس کی عفت کے شیشے پر ٹھیس لگے۔ مگر اس بدگمانی کا کیا علاج۔

انور۔ نہیں ہم نے تو یہ نہیں کہا۔ سپاہی کہیں برداشت کر سکتے ہیں۔ اگر بیوی بچہ چور بھی ہو تو ایک ضربت شمشیر میں کام تمام کر ڈالیں۔ ان باتوں کا جواب شریف زادے زبان سے نہیں دیا کرتے ہیں۔ ان باتوں کا جواب تلوار سے دیتے ہیں۔

نازک۔ پھر بسم اللہ گردن حاضر ہے لیجیے۔

انور۔ ہائیں! لاحول ولا قوۃ۔ کچھ خیر ہے۔ واہ۔

نازک۔ (رو کر) بس اب ہم اپنی جان دے دیں گے۔

انور۔ ہائیں! ہائیں! تم کو یہ ہوا کیا ہے کیا دشمنوں کو جنون ہے۔ واہ۔! خدا کا واسطہ یہ کیا ماجرا ہے۔

نازک۔ آپ ہی ظلم ڈھاؤ اور آپ ہی دیوانہ بناؤ اچھا انصاف ہے۔ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

انور۔ تو از برائے خدا آنسو تو روکو۔

نازک۔ دل بھر آیا ہے۔ تم نے ان باتوں سے دل کو جلا دیا۔ اب دھواں نکلے یا نہ نکلے۔ اس ظلم کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ لوگو کہ دل جلوں پر تاکید ہے کہ دھواں نہ نکلنے پائے۔

انور۔ بے منہ دھو ڈالو۔ اب ہمارا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے واللہ۔ بس اب تو صفائی ہو گئی۔

نازک۔ اگر سلامتی سے تلون کا یہی حال ہے تو اس وقت نہیں کل پھر اس سے زیادہ بدگمانی ہو گی۔ لو صاحب اب اپنے گھر میں کوئی کسی کا ذکر بھی نہ کرے۔ بات کرتے زبان کٹتی ہے سبحان اللہ۔

انور۔ کتنی سادہ مزاج ہو۔ باوجود شوخی و شرارت جو رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے یہ سادگی حیرت انگیز! کچھ ٹھکانا ہے۔

نازک۔ وہ بات کون تھی جس پر تم اتنے بگڑے۔

انور۔ اول تو بھلمنسی کے خلاف ہے کہ میاں کے سامنے کسی مرد غیر کی تعریف کرے۔ اگر یہ کہے کہ فلاں

شخص بڑے عالم و فاضل یا مولوی ہیں۔ یا فلاں آدمی ستار خوب بجاتا ہے یا بڑا سپاہی ہے تو خیر
مگر کسی نامحرم کے حسن کی تعریف کرنا اپنے کو چور بناتا ہے۔ وہ صاف سمجھ جائے گا کہ دال میں کالا کالا ضرور ہے

با سایہ ترا نمی پسندم
عشق ست ہزار بدگمانی

نازک۔ اے توبہ کتنے شکی ہو۔ اُف ری بدگمانی۔
انور۔ مگر اب ہم بالکل صاف ہیں واللہ باللہ۔
نازک۔ یہاں تو طبیعت ہی نگوڑی ایسی پائی ہے کہ ایسی ویسی بات کا دھیان آئے مگر جب تم ہی خلاف ہو جاؤ تو پھر ہم کس کے سامنے روئیں اور کس سے انصاف چاہیں۔ اس وقت تم نے ہمارا دل دکھایا۔
انور۔ اچھا جو کچھ اب ہوا وہ ہوا۔ گذشتہ را صلوات۔ مگر چلو صفائی تو ہو گئی۔ یا اب بھی خلش باقی ہے۔
معشوق۔ ماہ سیما نازک ادا بیگم نے اس ناز و انداز اور حرکات شیریں سے روٹھ کر باتیں کیں کہ انور علی خاں بہادر کا دل سخت پسیج گیا۔ اور کہاں تو بدگمان ہو گئے تھے۔ کہاں لگے خود منانے اور صفائی جتانے لگے۔ اور بیگم صاحب کے رخسار گلگوں پر قطرہائے اشک دیکھ کر اس قدر مضطر ہوئے کہ گلے لگا کے پیار کیا اور کہا جان جان۔ اللہ جانتا ہے کہ ہمارا منشا وہ نہ تھا جو تم سمجھیں۔ اب خدا کے لیے ذرا ہنس دو، دو، ورنہ زندگانی میں یہ لڑائی فساد انسان کو نازیبا ہے۔ تم خوشی سے جاؤ روکتا کون ہے۔ ہم تمہاری عادتوں سے تھوڑی واقف ہو گئے ہیں۔ تیسر بھی بھول جاتے ہیں۔ پھر آخر میں پچھتاتے ہیں۔ نازک ادا ناز سے بولی۔ بس بس اب جانے آنے کا نام نہ لینا۔ جا چکی۔ کیا کچھ زندگی وہیں آنے جانے پر منحصر ہے۔ یہی نا کہ دو گھڑی بہنوں میں جی بہلاتی۔ ہمجولیوں سے ہنس بول آئی۔ دنیا کا یہی کارخانہ ہے۔ اگر سب کے سب اپنی اپنی عورتوں کو بند کر کے بٹھا رکھیں اور گھر سے باہر نہ نکلنے دیں تو مکان قفس اور قید خانہ نہ ہو جائے۔ چلو خیر اب ٹھائیں ٹھائیں کا ہے کی ہے۔ ہم کو اپنی طبیعت پر اختیار ہے ہم نہیں جاتے۔ اس بے رُخی نے اُن کو اور بھی مجبور کیا۔ کہ اب جانے کا اُلٹا اصرار کریں۔ پھر گلے لگایا۔ اور بوسے لیکر کہا۔ خدارا اب بات کو نہ بڑھاؤ۔ سکھپال نکلواؤ۔ اور جاؤ۔
نازک ادا تو لگاوٹ بازی میں طاق تھی۔ جھڑک کر بولی۔ صاحب اس جھنجھٹ سے کیا واسطہ۔ دبے تو وہ جو ادماتی ہو جس کے دل میں چور ہو کہ ایسا نہ ہو کہ بات کھل جائے۔ اور جب دل ہی صاف ہے تو ہمیں کس کا خوف ہے تین ہی طرح کا عورت کو خوف ہوتا ہے۔ ایک تو اپنے میاں کا خوف۔ دوسرے اللہ میاں کا خوف تیسرے دنیا میں رُسوائی کا خوف۔ پھر جب ان تینوں میں ایک کا بھی خوف نہیں تو اور کس کا ڈر ہو گا۔
انور۔ (ہنس کر) تم کو زبان سے بھی کہنا نہیں ہے۔ اس کے یہ معنی کہ نہ خوف خدا، نہ خوفِ شوہر، نہ خوف دنیا

کی رسوائی کا پھر جس کو کسی کا خوف ہی نہیں وہ کیوں نہ کُھل کھیلے گی۔

نازک۔ (زیرِ لب تبسم کرکے) اُلٹے ہی معنی پہناتے ہو۔

انور۔ (پھر گلے لگاکر) وہ ہنسی آئی شکر ہے شکر ہے۔

نازک۔ تم نے جو یہ کہا کہ جب کسی کا خوف نہیں تو خواہی نخواہی کُھل کھیلے گی یہ غلط ہے۔ خوف ہونے کیوں لگا خوف تو جب ہی ہوگا جب کوئی جرم کرے۔ جب ہم صاف ہیں تو ہم کو خوف کس بات کا ہے۔

انور۔ مگر یہ کیا سبب ہے کہ سب خوفوں سے بڑھ کر تم نے میاں کا خوف بنایا اور خوفِ خدا کو دوسرا درجہ دیا۔

نازک۔ خوف خدا تو کسی کو کم ہوتا ہے۔ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ بڑا خوف تو رسوائی اور جگ ہنسائی کا ہے۔

انور۔ اب ہم چوک جاتے ہیں۔ ہمیں دیر ہوتی ہے۔ تم اگر نہ جاؤ گی تو ہمیں کمال رنج ہوگا۔ اور خدا کی قسم کھاکے کہتا ہوں آج سے تم کو صورت نہ دکھاؤں گا۔

یہ کہہ کر نواب صاحب باہر جانے لگے۔ ادھر نازک ادا نے ہزاروں قسمیں دیں۔ اگر واپس نہ آئے تو ہمیں کو روئیے۔

عظمت النسا۔ آخر یہ بہار النسا سے پردہ نہیں تو ہم سے کیوں پردہ کرتی ہو۔ ہم سے تو آتو جی کہہ چکیں تھیں کہ نازک ادا بیگم کے پڑوس میں کوئی ڈومنی رہتی ہے، جب اُن کے میاں چلے جاتے تھے تو وہ ڈومنی کوٹھے پر سے ان کے ہاں آتی تھی اور ان کو گانا سکھاتی تھی۔

نازک۔ اس جھوٹ پر خدا کی مار۔ واہ۔ وا۔!

عظمت النّسا۔ اچھا بہار النسا بہن جو کہہ دیں وہ سچ۔ یہ ہماری بڑی بہن ہیں اور ہم ان کو باجی جان کہتے ہیں۔

نازک۔ آپ کی باجی جان کی طرف مخاطب ہو کے کہتے ہیں۔

تم بڑی قہر ہوا ے باجی جان۔ نوج تم سی کوئی چھتیسی ہوے۔

عظمت۔ اے لو اور سُنو۔ یہ تو گالیاں دینے لگیں۔

زینت النسا۔ اے ہے یہ نہ سمجھنا۔ یہ بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ مگر بڑی مجبتی ہیں۔

نازک۔ بڑی بات کہ آپ نے کوئی طعنے کی بات نہیں کی۔

عظمت۔ اب بات تو ٹالو نہیں۔ ہم کو کچھ سنادو۔

نازک۔ حسن آرا کے پاس چل کے بیٹھو وہیں سُنا دیں گے۔ وہ سب کہتی ہونگی کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ تینوں کی تینوں وہاں کیا مصلحت کر رہی ہیں۔

عظمت۔ تین کون چار نہیں۔ ہم تم۔ یہ اور یہ۔

زینت۔ اے بہن ذرا سے گانے پر اور یہ مان ؟

نازک۔ خدارا اب اس کا ذکر نہ کرو کسی دن کسی موقع پر سنا دوں گی۔ اب یہ کوئی موقع ہے بھلا۔ مجھے شرم آتی ہے اپنی جان پہچان ہجولیاں ہوں جن سے ملاقات ہے تو خیر کچھ پروا نہیں مگر جب اجنبیوں کا ساتھ ہو تو مجبوری ہے۔ ناحق اپنے کو بدنام کرنا اور نکو بنانا کس نے بتایا ہے۔

یہ باتیں کر کے یہ چاروں معشوقان پری وش، ماہ رخ وہاں سے اُٹھ کر حسن آرا کے پاس آکر باتیں کرنے لگیں۔ نازک ادا بیگم نے کہا۔ آج حسن آرا کا چہرہ اس قدر سُرخ ہے کہ افوہ جیسے گلاب کا پھول اور آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایتی (نام نہ لوں گی) کی پوری بوتل چڑھائی ہے خون ٹپکتا ہے اور شباب کا خمار، اٹھتی جوانی ہے، جوبن پھٹا پڑتا ہے، ایک تو اور یوں ہی جوبن تھا اب مارے خوشی کے اور بھی دوچند ہے۔

حسن آرا۔ حد کی صاف گو اور بے پاک ہیں

نازک۔ اچھا پھر ہم بے باک ہیں تو اس کی فکر ہمارے میاں کو ہوگی۔ تم کون ٹوکنے والی ہو۔ ہمارے میاں ہم سے خوش ہم اُن سے راضی اب کیا کرے گا قاضی۔

روح افزا۔ اتنی دفعہ زینے پر چڑھو اُترو تو معلوم ہو جائے اور یوں باتیں بڑھ بڑھ کے بنانا تو اور شے ہے۔

نازک۔ کس کی لاگ پر وہاں جاتی ہو بہن سچ کہنا۔

روح۔ ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ۔ بہت ہی خوب!! بہارالنساء سے بی بی اماجان نے تو خزانوں کے منہ کھول دیئے روپیہ اشرفیاں لٹائے دیتی ہیں۔ ایک اور کوئی آئی ہیں کوئی سو بلکہ خدا جھوٹ نہ بلوائے سوا سو برس کی ہوں گی۔ آتے ہی کہنے لگیں۔ اللہ کرے خیر و عافیت سے نکاح ہو جائے تم بھی اس فرض سے جیتے جی ادا ہو جاؤ۔ اماں جان نے کہا اور سب فرضوں سے تو سبکدوش ہو گئی۔ اب یہی ایک اللہ اس کی عمر میں برکت دے اور اس کی جوڑی برقرار رکھے۔ اسی کی شادی باقی تھی۔ اللہ آمین کر کے اتنی بڑی ہوئی ہیں۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ گھر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا کبھی کچھ سنا کبھی کچھ۔ طرح طرح کی منحوس خبریں آتی تھیں۔ مگر بخیر گذشت۔ ؎

اے برآرندۂ مرادِ جہاں   اے کشایندۂ درِ احساں

کس زبان سے ادائے شکر کروں
عرض کیا میں سوائے شکر کروں
واہ کیا رحم کیا عنایت ہے
اپنے بندوں پہ کیا ہی شفقت ہے
یہ فقط بندہ پروری ہے تری
ورنہ میری بھی یہ حقیقت تھی
مجھ گنہگار پر عنایت کی
روسیہ کی دعا اجابت کی

اسی طرح کی باتیں ہو رہی تھیں اور خدا جانے کن دفتوں کا ذکر کرتی ہیں۔ غازی الدین حیدر کے وقت میں یہ ہوا تھا۔ اور نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں یہ ہوا تھا۔ اور محمد علی شاہ یوں تخت پر بیٹھے۔ مگر وہ جوائی ہیں وہ شہ دے رہی ہیں کہ چپ چپاتے ہوئے تو مزہ نہ نکلے گا۔ بھلا کم سے کم پچاس ہاتھی تو ساتھ ہوں۔ گنگا جمنی اور سونے چاندی کے ہودے ہوں اور فیلبان بھاری بھاری جوڑے پہنے ہوئے جواہر نگار رگجتا نکیں لیے بڑی دھت میل کرتے ہوں اور قدم قدم پر نشان کے ہاتھی کے سامنے پھلجڑی اور انار اور ہزارے چھوٹ رہے ہوں، اور مہتابیں روشن ہوں۔ کارچوبی جھولیں پڑی ہوں۔ اور گھوڑے زیور سے آراستہ چھم چھم کرتے نکلیں۔ ادھر اُدھر جو دیکھے عش عش کرے۔

حسن آرا۔ افوہ۔ ایسا نہ ہو اماں جان پھر بدل جائیں۔

نازک ادا۔ عجب کیا ہے اور لطف بھی اسی میں ہے۔

روح افزا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا لطف ہے۔

نازک۔ تم روکھی پھیکی اس لطف کو کیا جانو بھلا۔

عظمت النسا۔ آخر پھر روپیہ اللہ نے کس کام کے لیے دیا ہے۔

نازک۔ ہاں کیا بات پوچھی ہے بہن۔ جواب دو۔

روح۔ واہ ری عقل بس روپیہ اسی لیے ہے کہ آتشبازی میں پھونکے یا آرائش میں لٹائے اور کوئی کام ہی نہیں۔

نازک۔ اور آخر کیا کام ہے۔ گوڈر کی دکان کھولے گدڑی بازار میں پرچون کی دکان کرے۔ چنے بیچے۔ کچھ معلوم تو ہو روپیہ کس کام میں صرف کیا جائے۔ یہی باتیں ہیں۔ بس دل کا حوصلہ اور کیوں کر نکالے۔

روح۔ اپنی اپنی سمجھ اور اپنے اپنے خیالات ہیں۔

نازک۔ اللہ نہ کرے کسی کی ایسی اُلٹی سمجھ ہو جیسی تمہاری ہے لو صاحب اب برات بھی گناہ ہے۔ ہاتھی گھوڑے باجا سب عیب میں داخل ہے۔

حسن۔ ان سے بحث ہی نہ کیجیے روح افزا بہن۔

نازک۔ ہاں ہاں سچ کہا ہم تو بیوقوف ہیں سب۔ اور سب جو برات نکالتے ہیں سب گدھے ہیں، ایک تم اور دوسری حسن آرا اور تیسرے میاں آزاد۔ ذری آنے تو دو میاں کو ساری شیخی نہ نکل جائے تو سہی۔

روح۔ اس میں تو شک نہیں تمہیں ٹھیک بناؤ گی۔

بہار۔ بہت لڑائیاں سرکیں جب جانیں کہ تم سے جیت سکیں آزاد

روح۔ اے توبہ کرو کیا طاقت ہے۔

بہار۔ اس کی کیا مجال کہ کوئی نازک ادا بیگم سے مقابلہ کرے، اور مقابلے میں غالب ہو جائے۔

نازک۔ اچھا پھر جب آئیں گے تو خود ہی دیکھ لینا۔

اتنے میں ایک ڈومنی نے گانا شروع کیا اور سب کی سب مخاطب ہو کر سننے لگیں۔ ؎

بیاؤ درد ہجراں را دوا دہ | زشربت خانۂ وصلم شفادہ
ترا کان ملاحت آفریدند | ازیں کان نمک بخشش بمادہ
صفائے کعبہ را باکعبہ بگذار | بیاد خانۂ دل را صفا دہ
بہ تلخی کوہکن می مرد و می گفت | الٰہی جان شیریں را بقادہ

نجوبان ہمعناں اہل چو کردی
عناں در دست تسلیم و رضا دہ

نازک۔ آواز تو اچھی ہے مگر فارسی کی غزل ڈومنی کی زبان سے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

ڈومنی۔ اسلام کرے، یہ حضور کی قدردانی ہے۔

نازک۔ کوئی اردو کی غزل کہو مگر اچھی ہو۔

ڈومنی نے اردو کی غزل گائی اور بزمِ طرب میں چہل پہل دونی ہو گئی۔

اب ادھر کا حال سنیے کہ خواجہ صاحب بہادر آزاد کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت اگر فارسی میں کچھ دخل ہے تو ہماری قدر کیجیے گا۔ لال رقعے چھپواؤ گے یا نہیں۔ اس کے لیے عبارت لکھنا ذرا مشکل ہے۔ مگر آدھ گھنٹے کے غور میں لکھا ہے فارسی بالکل ایرانیوں کی سی ہے۔ داد دیجیے اور سنیے بسم اللہ الحمد للہ الذی جل شانہ، دریں زمان فرخ توامان، شورش غیبی، مژدۂ نور و سرور بمشام جان رسانید کہ باہتزاز نسیم بہار تنا خسار امید گل شگفت۔ و دماغ مشتاقان بہ ترادسنجی بلبل، و نغمہ پردازی غنچہ و گل۔ بفلک ہفتم رفت۔ باستماع غلغلۂ جلسۂ نشاط زہرہ با ساز و سرود و سماع دل کش برقص

در آمده، بکمال خوش ادائی، نوید مبارکباد بعالمیان داد و دزد حنا دل دادہ و شیفتہ جمال گل رُخاں گلگوں بدنان باغ باغ گردیدہ دست بستہ ساعد شوق بہ پنجۂ رنگیں عروس نہاد۔ باغیان فلک سبد ہائے مینا رنگ، چمن چمن بسر و چشم نہادہ، نوائے حنابندی پیشکش طالب و مطلوب نمودہ، نازنینان چمن لباس رنگارنگ و پیراہن گلرنگ زیب بدن کردہ گلبازی افزودہ بمشک بیزی نسیم بہار مشام قدسیان معطر و چشم انتظار بسرافرازی احباب صداقت مآب منور ساخت تر صد کہ بتاریخ ۔یوم۔ سرشام قدم رنجہ فرمودہ بتقریب حنابندی ہمشیرۂ عزیزہ شریک شدہ ماحضر بہ غریب خانہ تناول فرمایند۔ و بشرکت ہمراہی مہندی نیاز مند را مرہونِ منت و رہین عنایت نمایند۔

العبد

ریخ مرزا ضعف العباد خواجہ بدیع الزماں کمیدان پلٹن دگلے والے عفی عنہ

آزاد نے یہ سب پڑھ کر قہقہہ لگا کے کہا۔ تصنیف تو خیر۔ مگر نقل کرنے کی بھی لیاقت نہیں ہے۔ ارے بدبخت اس میں سے ہمشیرۂ عزیزہ کا لفظ تو نکال ڈالا ہوتا۔ اے لعنت خدا میری شادی ہے یا آپ کی ہمشیرہ عزیزہ کی۔ اور یہ آپ العبد کے بعد اپنا نام لکھنے والے کون ہیں۔ جی چاہتا ہے بینٹ لگاؤں نکال کے بدمعاش کہیں کا۔

خواجہ صاحب بگڑ گئے کہ قدر دانی دنیا سے اٹھ گئی۔ اب کوئی جوہر شناس نہیں ہے۔ آپ کو بڑا غرّہ اپنی فارسی دانی کا تھا۔ مگر قدر دان ہوتے تو میرے سامنے زانوے ادب تہ کرتے اگر اس کا جواب لکھ دو تو ٹانگ کی راہ نکل جاؤں۔ آدھ گھنٹے خون جگر کھایا ہے۔ دل لگی بازی نہیں میاں صاحب کیا زمانہ آگیا ہے جہلا کا زمانہ ہے۔ واللہ افسوس۔

آزاد۔ سبد مینا رنگ کے کیا معنی ہیں بتاؤ۔

خوجی۔ اجی بس جائیے بھی۔ خبط الحواس۔ چلے وہاں سے سبد مینا رنگ کے کیا معنی ہیں، تم کیا جانو سبد کسے کہتے ہیں اور مینا رنگ کے کیا معنی ہیں۔

آزاد۔ دزدِ حنا والا فقرہ تو سمجھاؤ ہمیں۔

خو۔ ہاں اسی بہانے سب پوچھ لو۔ ہونھ!

آزاد۔ جی چاہتا ہے پیٹتے پیٹتے بے دم کردوں۔

خو۔ قصور تو ایسا ہی کیا ہے۔ یہی صلہ ہے۔

حقوق خدمت صد سالہ لعب اطفال ست

بہ کشورے کہ درد کو دکان خداوند!

لونڈوں سے کسی بات کی امید کرنا یا ان پر اعتبار کرنا بیوقوفی اور حماقت کی نشانی، اور انتہائے نادانی ہے۔

آزاد پاشا خواجہ صاحب سے باتیں کرتے تھے۔ کہ ایک کمسن مہری نے جو عمدہ لباس پہنے ہوئے تھی جھک کر سلام کیا، اور کہا حضور کی خدمت میں مجھے کسی نے بھیجا ہے۔ اور خط دے کر کہا۔ یہ خط دیا ہے۔ حضور تخلیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ آزاد نے خط لیا۔ تو دیکھا کہ نہایت قیمتی لفافہ ہے۔ عطر میں بسا ہوا اور سنہرے حرفوں سے اس پر آزاد پاشا کا نام لکھا تھا۔ کھولا تو یہ عبارت نظر سے گذری۔

آزاد! چچا سعدی کا قول بھول گئے۔

نہ ہر جا ی مرکب تواں تاختن

کہ جاہا سپر باید انداختن

مانا کہ تمہارے خیالات اعلیٰ ہیں۔ مگر کسی رسم میں خواہی نخواہی دخل دینے سے کیا نتیجہ نکلے گا۔ اماں جان اصرار کرتی ہیں اور تم انکار۔ خدا ہی خیر کرے۔ بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ از برائے خدا ہماری خاطر سے مان لو۔ اور جو وہ کہیں وہ کرو۔

یہ خط پڑھ کر آزاد نے کئی بار چوما اور یوں جواب لکھا۔

جانِ آزاد۔ قسم لو جو مہری سے تمہارا نام پوچھا ہو۔ عبارت ہی سے معلوم ہوا اور ہم نے تاڑ لیا کہ حُسن آرا بیگم کا خط ہے۔ اگر امر معلوم میں ذرا عذر کروں تو سزاوار سزا۔ آزاد۔

مہری سے کہا لو یہ خط دے دینا اس نے مسکرا کر خط لیا اور جھک کر سلام کر کے روانہ ہوئی۔ یہاں آکر حسن آرا بیگم سے کہا حضور جواب لائی ہوں۔ اور اللہ نے چاہا تو باصواب ہو۔ خط پڑھ کر کئی بار بوسے لیے حسن آرا نے خط پڑھا تو تسکین ہوئی۔

حسن آرا۔ (نازک ادا سے) بہن جواب آگیا۔

نازک ادا۔ فتح ہے دل پسیجا یا نہیں پسیجا آزاد کا۔

حسن۔ نہ ماننا کیا معنی ہیں بھلا۔

نازک۔ چلو اب اماں جان کی بھی تسکین ہو گئی۔

حسن۔ مفت کا جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ تھا۔

نازک۔ (حسن آرا کو سینہ سے لپٹا کر) خوب ہوا۔

مہری۔ حضور خط پڑھتے ہی جھومنے لگے۔

نازک۔ اے ہے اب تک تو خط ہی چومتے ہیں اب رفتہ رفتہ گال چومیں گے۔

حسن۔ (جھینپ کر مسکرا کے) توبہ توبہ!!

نازک۔ اِیں توبہ کا ہے کی ہے۔ ہاں۔

بہار۔ کتنا صاف روزمرہ ہے ان کا۔

نازک۔ کیا کہنا۔ ہمارے شہر کو سب شہروں پر سبقت ہے۔

بہار۔ اس وقت ہمیں بڑی خوشی ہوئی بہن۔

نازک۔ کیسی کچھ پہلے ہی پہل جھگڑا شروع ہوا تھا۔

آج اتنی پلا مئے سرجوش
سر و پا کا رہے نہ مطلق ہوش

چھری۔ حضور عطر میں تو لفافہ بسا ہوا تھا کہنے لگے۔ یہ جوئی کا عطر ہماری دل جوئی کے لیے لگایا ہے۔ مگر آدمی بڑے مذاق کے معلوم ہوتے ہیں۔

مغلانی۔ ان کی لیاقت داری میں کیا شک ہے۔

نازک۔ مگر ذری خودکام ضرور ہیں آزاد۔

مغلانی۔ اور پاس آبرو بہت ہے۔ باوضع ہیں آزاد۔

سپہر۔ بی مغلانی ابھی تم نے دیکھا کیا ہے۔

مغلانی۔ اے لو۔ اوئی میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ آپ بڑی جہاندیدہ ہیں، دو کم پچاس برس کی عمر ہونے کو آئی میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

سپہر۔ اے ہے میں نے یہ نہیں کہا بی مغلانی۔

نازک۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ آزاد کا حال تم نے ابھی دیکھا ہے۔ جب ساتھ ہوگا تو اور بھی زیادہ تعریف کرو گی۔

سپہر آرا۔ یہ گانا کیوں موقوف کروا دیا گیا۔

نازک ادا۔ اب گانے سے جی بھر گیا ہے سب کا۔

ڈومنی۔ (حیدری) کیا حضور ہم سے خفا ہیں۔

نازک۔ تم امیروں کے ہاں جایا آیا جایا کرو۔ ہم غریبوں سے تم کو کیا سروکار ہے بھلا۔ بلواتے بلواتے عاری ہو گئے۔ اور تم نہ آئیں نہ آئیں۔

حیدری۔ اے حضور نہ آنا کیا معنی۔ سر کے بل آؤں آنکھوں کے بل حاضر ہوں۔ ذری سُن گن پہونچ جائے

سر کے بل دوڑ ے آئیں۔ مگر میں اس دن بہت علیل تھی۔ اور پرسوں تک طبیعت ناساز رہی۔ ہمارا اللہ جانتا ہے اس بات کو۔ اور غریب و امیر کیا معنی حضور کو اللہ نے وہ بات دی ہے جو اچھے اچھوں کو نہیں حاصل ہے۔ ہماری کیا اصل وحقیقت ہے بھلا۔ جو آپ سے اُستادگی کریں ہمارا کام تو استادگی ہے۔ آپ ہی کا دیا تو کھاتے ہیں واللہ۔

نازک۔ باتیں تمہاری کوئی بیٹھا سُنا کرے۔

چیدرہی۔ (مسکرا کر) یہ بھی حضور کی ہی جوتیوں کا صدقہ ہے جب اس قدر آبرو دی کہ پاس بٹھایا تو ؎

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

جب سمدھنیاں بیٹھیں تو گلوریاں دی گئیں اور میراثنوں نے خوب دل کھول کر گالیاں دینا شروع کیں۔

سپہر۔ (روح افزا سے) یہ کیا خراب رسم ہے۔

روح۔ ہاں اس گالی گلوچ سے ہمیں بھی نفرت ہے۔

سپہر۔ اور گالیاں کھا کے پھر انعام دیں گے۔

روح۔ اے ان کو سمجھا دو کہ بس اب نہ واہیات بکیں۔

نازک۔ واہ وا۔ ریت رسم میں کیا دخل ہے۔

روح۔ بس تمہیں ایسوں کے سبب سے تو یہ باتیں ہوئیں۔

نازک۔ میرا بس چلے تو تم دونوں کو گالیاں دلواؤں۔

روح۔ گنجے کو خدا ناخن نہیں دیتا ہے بہن۔

نازک۔ (کان میں) حسن آرا دیکھو اب کچھ سنیگی۔

روح۔ ہاں ہاں ضرور میراثنیں۔ سمدھنوں کو گالیاں دیتی ہیں۔ تم ہم کو گالیاں دو۔

حسن۔ (مسکرا کر خاموش ہو رہیں۔ اور ہنسی ضبط کی۔)

نازک۔ جب جانیں کہ اس وقت حسن آرا بیگم کچھ کہیں۔

سپہر۔ اب واسطے خدا کے اُن کو ہنساؤ نہیں بہن۔

نازک۔ ہم تو منگنی کے دن کھِلکھِلا کر ہنستے تھے۔

سپہر۔ تمہارا کیا کہنا۔ تمہاری کل باتیں انوکھی ہیں کوئی نئی تھوڑا ہی ہے اور تم نہ ہنستی ہو تو تعجب ہے۔

روح۔ بھلا پہلے ہی روز میاں سے بولی تھیں۔؟

نازک۔ کیوں! نہ بولنا کیا معنی! کیا میاں سے بولنا بھی گناہ ہے کچھ۔ وہ بھی نامحرموں میں ہے کوئی۔

روح۔ مطلب یہ کہ سب کے سامنے بولی تھیں۔

نازک۔ ہاں ہاں سب کے سامنے۔ اُدھر سسرال میں داخل ہوئی اور میاں سے گفتگو کی وہ جھینپتا تھا۔ مگر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں میاں تو ہمارے ہیں بولے گا کون۔

روح۔ تو بہن جب ایسا دیدہ دلیل ہو نہ۔

نازک۔ وہ عورت کیا جو میاں سے بولتے ہوئے شرمائے۔

خیر جب میراثنوں نے گالی دینے سے فراغت پائی تو لڑکے والوں نے انعام دیا۔ اس کے بعد جہاں دُلھن بیٹھی تھی وہاں سمدھنیں چڑھاوا لے کر گئیں۔ دولھا کی بہنوں نے دلھن کو مصری کھلائی۔ جوڑا پنھلیا۔ دُلھن کو رُونمائی دی۔ اور بہت ہی مسرور ہوئیں کہ حسن آرا بیگم اس درجہ حسینہ اور جمیلہ ہیں یہ گردن جھکائے چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ نازک ادا نے کئی بار چھیڑا تا کہ حسن آرا کو ہنسی آئے مگر وہ بالکل بیٹھی رہیں چُپ۔ اور جوڑا اور پھولوں کا گہنا پہنایا گیا۔

آزاد پاشا کی والدہ معظمہ اور ان کی بہنوں کو معمولی خوشی سے زیادہ مسرت تھی کیونکہ آزاد کی آزادی سے ان کو یقین نہ تھا کہ وہ اپنی تقریب شادی میں بلوائیں گے۔ سب نے دلھن کی تعریف کی، اور کہا آزاد ہی کے قابل ہے۔

اس گفتگو اور مذاق کے بعد سمدھنیں رخصت ہوئیں۔ اور اسی روز دلھن کے ہاں سے دولھا کے لیے چڑھاوا بھیجا گیا۔ سات طرے بدھی۔ پھولوں کی چھڑیاں۔ پھولوں کے ہار، جھوٹی مصری۔ گلوریاں اور یہاں بھی وہی رسمیں ادا ہوئیں۔

دوسرے روز بڑی دھوم دھام سے اور بلیغ اہتمام سے مانجھے کی تیاری ہوئی۔ جس کو دیکھ کر باوصف پیرانہ سالی پیروں کی عقل عاری ہوئی۔ سمدھیانے میں بھی خوجی مہتمم اعلیٰ تھے۔ آنحضرت نے پرانے فیشن کی زربفت کی چپکن زیب بدن کی۔ دستہ لگا ہوا۔ جیب کٹی ہوئی۔ قیمتی بیل ٹکی ہوئی، سر پر حضور نے ایک بہت بڑا شملہ رکھا۔ گلبدن کا پائیجامہ۔ کاندھے پر کشمیر کا سبز رنگ، دوشالہ۔ پاؤں میں روپہلی گھٹیلا جوتا۔ سات روپے کی اوگی۔ ہاتھ میں سیاہ جریب یہ کپڑے پہن کر اپنے کمرے سے باہر آئے تو لوگوں نے تالیاں بجائیں اور خواجہ صاحب بہت ہی خفا ہو کر بولے کہ واہ یہ ہم پر تالیاں نہیں بجاتے ہو۔ یہ اپنے باپ دادا پر تالیاں بجاتے ہو۔ یہ خاص ان کی وضع ہے۔ ایک صاحب نے ہنستے ہنستے کہا۔ خداوند یہ شملہ تو بہت ہی چھوٹا ہے۔ ذرا اس سے بڑا شملہ سر پر رکھیے۔ فرمایا۔ سُنا نہیں

شملہ بمقدار۔ مگر علم کی مقدار کا شملہ کس کے گھر سے آئے لہذا ہم نے اسی پر قناعت کی۔ لونڈوں اور کم سن لڑکوں نے اُن کے منہ پر ہنسنا شروع کیا۔ اور قریب تھا کہ ایک آدھ شریر لڑکا پگڑی اچھال دے مگر دو چار صاحبوں نے سمجھایا اور ان کو اس حرکت سے باز رکھا۔ خواجہ صاحب قلم دوات کاغذ دستِ مبارک میں لیے ہوئے جلوس کی فہرست لکھ رہے تھے۔ مگر علبۂ ذکاوت سے سب اُلٹا پلٹا۔ فیل کے لیے راس۔ (دو راس فیل بلکہ افیال از مطبخ نواب نوازیش) اے سبحان اللہ۔ اس گدھے پن کو دیکھیے کہ ہاتھی کے لیے راس، جو گھوڑے کے لیے لکھتے ہیں۔ اور فیل لکھ کر پھر افیال بتایا۔ فیل خانہ کے لیے مطبخ لکھنا بھی آپ ہی کا کام ہے۔ نواب کے ہجے کتنے فصیح لکھے ہیں۔ اور نوازش علیخاں کے لیے نوازیش کا اشارہ بھی ماشاء اللہ کس قدر جامع ہے۔ اب گھوڑے قلمبند کرنے لگے (دہشت عدد اسپ) اے سبحان اللہ دُم کی کسر ہے۔ سانڈنیوں کو عجب ٹھاٹھ سے لکھا۔ (پنج زنجیر بعیرن) اہو ہو ہو۔ زنجیر ہاتھی کے عوض اونٹ کے لیے۔ ماشاء اللہ حضرت کی بھی کوئی کل درست نہیں ہے اور سانڈنی کو مونث سمجھ کر بعیرن کر دیا۔ واہ رے شتر غمزے ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ خاص برادروں نے کہا حضور ہمیں فہرست پر چڑھائیے۔ مسکرا کر ایک لطیفہ بولے۔ اب آپ گدھے پر چڑھائے جائیں گے۔ اس پر کسی نے ٹیسو کی پھبتی کہی۔ کسی نے کہا نوتونائی معلوم ہوتا ہے مانگے کے کپڑے پہن کر آیا ہے یا کہیں سے انعام ملا ہے مگر جوتا چوری کا ہے۔ کوئی ادھوڑی استر کا چور ہوتا ہے یہ ٹاٹ بافی اوگی کا چور ہے۔ خواجہ صاحب نے فہرست کی تمہید میں دیکھیکر ابتدائی سطر یوں لکھی۔ محرست (فہرست تعداد (جملہ) جملا اس باب (اسباب) برائے مان جھادمانجھا)، مکومہ معظمہ نوواب (نواب) بڑی بیگم صاحب بعافیت باشند کہ دریں محرست افیال و گھوڑے (بعیران)، و مردمان و اثنامیان (آسامی)، بمہ حسب ذیل درج نمودہ شدہ بودہ است۔

ماشاء اللہ کیا کہنا ہے کیا بات ہے۔ املا درست۔ فقرے چست غلطی سے کوئی واسطہ ہی نہیں آدمی کیا کان صحت ہے۔

اب مانجھے کا سامان ہر آیا۔ پانچ سو کی گنگا جمنی چو کی نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی۔ سات سو کا مرصع لوٹا۔ مرصع جام اور کٹورا۔ چاندی کی سلفچی اور آفتابہ اور لگن نقرئی چنگیر دان اور پاندان لالچی سنار تجربہ کار کے اہتمام میں یہ کل اشیا نہایت صفائی اور آب و تاب کے ساتھ تیار ہوئی تھیں۔

اور اکثر معمر آدمیوں کا قول تھا کہ ہم نے اپنی عمر میں اس گر ہٹ کی اشیا نہیں دیکھیں۔ سب میں مشہور تھا کہ بڑی بیگم نے اس شادی میں دل کا حوصلہ خوب نکالا ہے۔ مرصع لوٹا اس مرتبہ لال سانول داس نے ایک نئی ترکیب سے بنوایا تھا۔ جس کے دیکھنے کے لیے تمام شہر اُمنڈ آیا تھا۔ اب پارچ اور زیور کا

حال سنیے۔ کنگنا مرصع مع مروارید۔ دو ہزار کا سونے اور چاندی کے چھلّے کنگنے میں ڈالے گئے۔ پانچ سو کی یاقوت کی انگوٹھی نیمہ جامہ ململ کا۔ بیش بہا بنارسی ٹپکا زربفت کا پائجامہ انگرکھا۔ تاج مندیل دوشالہ رومال ۔جیغہ۔ سرپیچ۔ نورتن۔ باردست بندسات سفید ریشمی رومال جوڑا کشتیوں میں۔ اور پینڈیا خوانوں میں لگائی گئیں۔ خواجہ صاحب شرف ہر دو طرف پھتے ہوئے اس طرف سے مصروفِ انتظام تھے۔ اور اس طرح دل سے انتظام میں مشغول کہ کسی کی سنتے ہی نہ تھے۔ اپنے کام میں بالکل محو تھے۔ ہمہ تن مستعد۔

خوجی۔ ہاتھیوں کو اس جانب رہنے دو۔ خبردار۔

ایک۔ اجی خواجہ صاحب آداب عرض ہے۔ اجی حضرت۔

خوجی۔ ہاتھی ادھر بڑھا لاؤ جلدی سے۔ فوراً۔

دوسرا۔ یاالٰہی اے نواب صاحب کیا پوچھتے ہیں۔

خو۔ بس اسی لین میں ہاتھی لگا لاؤ لا کے۔ تم بھی لاؤ۔

لوگ۔ ماشاءاللہ سب کا بھرتہ بنائیں گے۔ آپ۔

خو۔ دیکھو کچھ گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ خبردار یارو۔

لوگ۔ خواجہ صاحب چشم بددور کیا انتظام ہے۔

خو۔ (مسکرا کر) آداب عرض ہے قدردانی آپ کی۔

لوگ۔ سبحان اللہ سبحان اللہ واہ جی واہ۔ اے لاحول۔

خو۔ آگ بھبوکا ہو کر، کیا کہا داکڑ کر، منہ پر کوئی کہے تو دیکھ لیں۔ اتنی قرولیاں بھبوکوں کہ یاد کرے۔

لوگ۔ منہ پر نہیں تو کیا پیٹھ پیچھے کہا ہے۔ پھر کہیں۔

خو۔ اتنی قرولیاں بھبوکوں گا کہ یاد کرو گے بچہ۔

لوگ۔ حضور سواریاں تو اتروائیے جا کے وہاں۔

خو۔ سب انتظام ہوا جاتا ہے ابھی دم کے دم میں۔

لوگ۔ مگر آپ کا رعب سب مانتے ہیں جناب خواجہ صاحب۔

خو۔ ارے میاں ہم ذرۂ بے مقدار ہیں بھائی جان۔

لوگ۔ واہ آپ آزاد جیسے جنرل کے نوکر ہیں۔ خواجہ صاحب۔

خو۔ نوکر! ماشاءاللہ۔ دوست یا نوکر۔ ہونہہ!!!

لوگ۔ آپ اور آزاد دوست دوست ہیں بجا ارشاد ہوا۔

خو۔ بیشک نوکر تو ہم اس رئیس کے ہیں۔

بادائے ادب سپہر شکوہ ۔ عدائے گرم سحاب نوال

بہ حسن ازل سی بہشت نطلہ ۔ قمر حشم از برتری سپہر مثال

بسر از دہ تہ سر اباالاجلہ

بہ نشاط اثر ہمایوں فال

اس کے نوکر ہیں۔ شہزادہ بلند ارادہ۔ ہزبر رزمگاہ وفا پسندی دبرتری فرسش میدان سخا گستری

دست وری، شاہ فلک و عرش پایگاہ بعافیت باشند۔

لوگ۔ سبحان اللہ۔ ہزبر کس کے کہ رزمگاہ کے۔ واہ۔

دوسرا۔ فرس نہاد یا یعنی جو پائے ہیں۔ ماشاء اللہ۔

تیسرا۔ سخا گستر و سروری یعنی عمدہ بندش ہے ماشاء اللہ۔

چوتھا۔ اور فلک و عرش دونوں کے دونوں پایگاہ۔

پانچواں۔ مگر اس قدر بڑھائے گھٹایا بھی خوب آپ نے۔

چھٹا۔ جی ہاں۔ خلد اللہ ملکہ و دولتہ نہیں کہا۔

ساتواں۔ بعافیت باشند۔ اس سے بڑھکر اور کیا دعا ہوگی۔ واہ جناب خواجہ صاحب واہ بارک اللہ

خواجہ صاحب سمجھے کہ سب کے سب میرے مداح ہیں۔ بہت ہی مسرور و محظوظ ہوئے اور کہنے

لگے۔ بابا من بدیع ہستم۔ فارسی گوید وار دو نہ گوید کہ اردو از چوب است و فارسی بہتر از ان گفتہ اند

اسپ لاغر میان بکار آید ۔ بکذلک

روز میدان نہ گاؤ پرواری

جلسے طوی آزاد ہے۔ لہذا کام کی کثرت وگرنہ اس وقت سے فارسی بولتا تو دس دن تک برابر فارسی

ہی بولتا جاتا اور کون فارسی لیٹا نرسنا و دھوتی نہ رسید۔ نہیں جم کی فارسی اور قصیدہ تو آزاد کی شادی

کا کہنا شروع کیا ہے۔ مطلع سنیئے۔

شادی زدہ خوش بخت مبارک باشاد

مبارک سلامت سلامت مبارک باشاد

گلے سے بھی گرتا ہوں۔ بین کار بھی ہوں اور شاعر بھی ہوں۔ اتنے کمال جناب باری نے مجھ ناچیز میں عطا

کیے ہیں۔

الغرض نہایت تزک و احتشام اور بڑی دھوم دھام سے مانجھا خانہ طرب کاشانہ میں پہونچا۔ سواریاں اتریں۔ ریت رسم ادا ہوئی۔ میراثنوں نے سمدھنوں کو گالیاں دیں۔

اتنے میں ایک مغلانی نے کہا حضور اس دھوم سے مانجھا آیا ہے کہ میں کیا بیان کروں۔ دو ہزار خوان۔ سوا سو کشتیاں، ساتوں باجے، اور نقیب ٹھاٹھ سے کہتا تھا کہ سواری ہے۔ شیران بہادر کی۔ بڑھائیو عمر و دولت کو دور باش۔ ادب۔

اب سنئے کہ میاں آزاد باہر سے بلوائے گئے۔ اور اُن سے کہا گیا کہ منڈھے کے نیچے بیٹھے۔ آزاد تو ان مراسم فضول کے خلاف تھے۔ انھوں نے کہا یہ تو نہ ہونے کا۔ مگر عورتوں نے ایک نہ سنی اور مجبور کرکے ان کو بٹھایا۔ ان کی بھاوج نے کہا۔ یہ روم روس کی جنگ نہیں ہے بیوی بیاہ کے لانا ہنسی ٹھٹھا نہیں کچھ خیر ہے۔ دولھا ریرشا میانہ اُس چوکی پر بٹھائے گئے جو دلھن کے سے آئی تھی۔ اور اب اصرار ہونے لگا کہ مانجھے کا جوڑا پہنو یہ جھنجلا اُٹھتے تھے اور جھلاتے تھے مگر عورتیں قہقہے لگاتی تھیں۔

بھاوج۔ اب چپ چپاتے پہن لو بس۔ یہ لو۔

آزاد۔ لاحول ولاقوۃ !!! کیا رسم فضول ہے۔

بھاوج۔ ایں! لاحول کیا معنی۔ کوئی نظر پڑ گیا۔

آزاد۔ صاحب آخر یہ کوئی پابندی شرع ہے۔

بھاوج۔ شرع سے کیا واسطہ۔ ہماری رسم یہی شرع ہے

آزاد۔ تو ہم ان مسلمانوں میں نہیں ہیں صاحب۔

بھاوج۔ تم نہیں ہو ہم تو ہیں۔ لے اب پہنتے ہو یا بات کو خواہی نخواہی بڑھاؤ گے ہم سے جنزیلی نہ چلے گی۔

ڈومنی۔ اے حضور جن بڑے بڑے ملاؤں کے بیاہوں میں طبلے پر ہاتھ رکھنے کی اجازت نہیں ہے اُن کے یہاں تک تو ڈنکے اور نقارے ہوتے ہیں اور کسی کی کون کہے۔

بیگم۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ مانجھے کا جوڑا نہ پہنیں گے۔ واہ۔

آزاد نے کہا اچھا خاطر ہے۔ لاؤ ٹوپی دے لوں بس اب آگے خیر صلاح ہے۔ خیر جب انھوں نے کسی کا کہنا نہ مانا تو دُلھن کی جھوٹی مصری کھلائی گئی۔ گلوری کھا کے آزاد اٹھنے کو ہی تھے۔ کہ ان کی بہنوں اور بھاوجوں نے ہزاروں قسمیں دیں، اور کہا جب تک مانجھے کا جوڑا پورا نہ پہنو گے چوکی سے اُٹھنے نہ پاؤ گے۔ آزاد نے دیر تک ہاتھ جوڑے اور گڑگڑا گڑگڑا کر کہا۔ خدارا میرے اوپر رحم کرو۔ بحق محمد و آل محمد مجھے اس زرد جوڑے سے بچاؤ۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ انگرکھا پہنایا۔ کنگنا بندھا۔ کل باتیں خاطر خواہ

ہوئیں درجہ مجبوری تھا۔

اس کے بعد سمد ھنوں کو شربت پلایا۔ کشتیاں نکالی گئیں الائچی چکنی ڈلی گلوریاں آئیں۔ عطر ملا گیا چہل ہونے لگی۔

میراثنوں نے گالیاں دیں۔ انعام پایا۔

آزاد نے باہر ڈیوڑھی میں جوڑا اتار کر اور کپڑے بدل کر باہر گئے وہاں دل لگی ہونے لگی۔

احباب نے تکلف سے اُن سے کہا کیوں حضور اب تو جوڑا زیب بدن تھا وہ چاہے ڈیوڑھی میں اتارو۔ چاہے باہر مگر پہننا تو پڑا۔ کہتے تھے کہ ماں بہنوں میں رہ کر یہ ہیکڑی نہیں چلتی۔ برسوں سے یاں بہنوں سے علیحدہ تھے جب دیکھو اپنی ہی ضد کرتے تھے اب بتایئے۔

آزاد نے کہا جی ہاں اب اس وقت تو آپ کی چڑھ بنی ہے جو چاہے کہیے اختیار ہے۔ میں تو ہرگز نہ مانتا مگر عورتوں کے اصرار نے مجبور کر دیا اور مجھے سوانگ بننا پڑا۔ ایک بذلہ سنج دوست نے جواب دیا۔ یار کیوں ناشکری کرتا ہے۔ ارے مرد خدا حُسن آرا سے دلھن کے لیے تو انسان زرد جوڑا کیا معنی اگر اصل میں سوانگ بنایا جائے تو ہنسی خوشی بنے۔ ہم کو اگر ایسی پری چہرہ عروس، قمر طلعت سیم پر حور پیکر ملے تو واللہ کس مردک کو سوانگ بننے میں عذر ہو مگر آپ نے عجب طبیعت پائی ہے۔

مانجھے کی تقریب تو بخیر و عافیت ہنسی خوشی ادا ہو گئی۔

اب سُنیئے کہ بعض خواتین کو شوق ہوا کہ بڑی بیگم صاحب کے باغ دل کشا کی روح افزا بہار دیکھیں اور نسرین و نسترن اور نظارہ جمال سبزان چمن سے آنکھوں کو نور بخشیں۔ جا کر دیکھا تو روشیں دودھ کی دھوئی ہوئی خس و خاشاک کا نام نہیں۔ ع

لالہ برکف گرفتہ جام شراب — نرگس از مستی اوفتادہ بخواب

کشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے — سبزۂ نو دمیدہ بر لب جوے

سو بسو از درخت میوہ قطار — شاخ سر بر زمیں فتادہ زبار

ہر کجا گام زو جہانے دید — پیش ہر صفحہ بوستانے دید

ہر نمونہ عمارتے پُر کار — گلشنے بود صد ہزار بہار

دیدہ در باغ سو بسو تمثال — کا دمی را نہ گنجد آں بخیال

گر فرشتہ درآمدی در باغ

ہم چو پروانہ سوختی بہ چراغ

اس گلزار سراپا بہار میں وہ معشوقان لالہ عذار و لعبتانِ طرار رشک خوبان فرخار ادائے دل رُبا و شاہدانہ سے ادھر اُدھر چمنوں اور روشوں سے خرام ناز سے فتنے ڈھانے لگیں۔ گیتی آرا نے شوخی سے ایک پھول توڑ کر جانی بیگم کی طرف پھینکا۔ اور اُس زہرہ بنا گوش نے پھول دونوں ہاتھوں میں روک کر اُن پر تاک کے مارا تو آنچل سے لگتا ہوا چمن میں گرا۔ پھر کیا تھا باغ میں ہر سمت گل بازی ہونے لگی۔ ہر خاتون زہرہ تمثال، پر پرستان کی پری، اور گلشن بیخار پر بہشت بریں کا دھوکا ہوتا تھا۔ گیتی آرا۔ ابرو ہلال۔ روح افزا جادو جمال۔ سپہر آرا سیم ساق۔ دلبری و عشوہ گری میں طاق۔ بہار النساء سرو صنوبر خرام سمن اندام۔ جانی بیگم حاضر جواب لالہ بدن نازک ادا زبان دراز پر فن۔ گلشن آرا رنگین مزاج غنچہ دہن مبارک محل جادو نگاہ غیرت مہر رشک ماہ۔ جوتھی سرو چمن طراز۔ جوان طنازہ۔ غمزے سحر آفریں اسلام دشمن۔ ادائیں جادو فریب نشتر زن۔ خرام ناز سے زاہدوں کے دل پایمال کریں۔ میسحان ملاءِ اعلیٰ اُن کے عشق کا دم بھریں۔

بہر چمن قد موزوں او خرام کند
ز طوق فاختگان سرو چشم دام کند

کسی نازک میاں کی کمر سینکڑوں بل کھاتی تھی۔ کوئی جوانی کی مستی میں جھومتی جاتی تھی کوئی اٹھلاتی تھی کوئی گلوں کو شرماتی تھی۔ کسی نے ناز دل رُبایانہ سے گلاب کا پھول توڑ کر کہا۔ دُلھن اس کی پنکھڑی سے بھی زیادہ نازک ہے۔ کسی نے چھوئی موئی کو چھو کر قہقہہ لگایا اور کہا اے ہے اس موئی کے بھونڈے غمزے تو کوئی دیکھے۔ کسی نے گیندے کے پھول کو توڑ کر الڑھ پنے سے کھچڑی دانتوں کے تلے دبائی۔ کسی نے باغبان سے فرمایش کی کہ ہزارے کا گلدستہ بنا دے۔ کسی نے حکم دیا ہمیں بیا کا جھونجھ ڈھونڈھ کے لادے۔ اس پر دداجی نے کہا اے بیوی بھلا خانہ باغ میں بیا کا جھونجھ کجا۔ وہ تو جنگلوں میں ہوتا ہے۔ ببول کے درخت پر یا تاڑ یا کھجور میں جہاں بندر یا اور چنور نہ پہونچ سکیں۔ باغبانوں سے پردہ نہ تھا۔ وجہ یہ کہ ان موؤں کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ اور وہ بیچارے مارے خوف اور رعب حُسن کے خود ہی نیچی نظر کیے ہوئے رہتے تھے۔ کیا طاقت کہ آنکھ بھر کر دیکھ سکیں۔

نازک ادا۔ یہ مالی موے بڑے مزے لوٹتے ہیں۔

سپہر آرا۔ اے چپ رہو بہن۔ بے ادب ہو جائیں گے۔

نازک۔ اے ہے ہمارا بس چلے تو اُن کی آنکھیں نکلوالیں۔ ایسے خوش نصیب ہیں۔

سپہر۔ (ہنس کر) خدارا خاموش رہو بہن۔

نازک۔ کیا لنگوروں کا ڈر پڑا ہے کچھ۔

سپہر۔ تو ان سے دل لگی ہازی کیسی۔ واہ!۔

نازک۔ تم مالنوں کو کیوں نہیں نوکر رکھتی ہو۔

سپہر۔ تمہارے میاں کے باغ میں مالنیں ہی نوکر ہوں گی۔ مالی کوئی نہیں ہوگا۔

نازک۔ دہنس کر، ایک بات کہنے کو تھی مگر نہ کہوں گی جانے بھی دو۔ بیکار خفا ہو جاؤ گی۔

جانی۔ اے ہے ذہن نہ کند کرو کہہ ڈالو۔

نازک۔ نا بہن۔ بہت اچھلیں کودیں گی یہ۔

سپہر۔ تو پھر از برائے خدا وہ بات رہنے ہی دو۔

اتفاق سے اس وقت کسی کی برات کے لیے نشان کا ہاتھی جاتا تھا نشان دیکھ کر سپہر آرا کو خدا جانے کیا یاد آیا کہ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور رونے لگیں۔ ان کی ہجولیوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس گریہ و بکا کا کیا سبب ہے۔ مگر عباسی مہری اور ایک مغلانی بخوبی سمجھ گئیں۔ اور آہستہ آہستہ بھلانے لگیں کہ حضور اب آج تو کسی اور بات کا خیال ہی نہ کیجیے جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ اور خصوصاً اب تو آپ کو وہ سارا قصہ بھلا دینا چاہیئے۔ سپہر آرا نے پانی منگوا کر منہ دھویا۔ ان کی ہجولیاں اور مہمان خاتونیں جو باغ میں سیر کرتی تھیں۔ یہ حال دیکھ کر دنگ ہو گئیں۔ اصرار کرنے لگیں کہ اصل کیفیت کیا ہے۔ روح افزا نے اشارے سے منع کیا کہ اس امر میں اصرار فضول ہے۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک روز دو گھڑی دن رہے حسن آرا اور ان کی نوجوان اور خوبرو بہنیں بڑی شوخی سے اسی خانۂ باغ میں گیند کھیل رہی تھیں۔ کہ ناگاہ ایک خاتون پری پیکر نے دیکھا کہ دیوار باغ کے قریب کوئی رئیس زادہ فیل فلک شکوہ پر سوار اُن سب کو دیکھ رہا ہے۔ جیسے ہی اس محبوب دلربا کی نامحرم پر نظر پڑی فوراً ادائے دلربا کے ساتھ جھپٹ کے ایک طرف بھاگی اور اس کی کیفیت دیکھ کر اور خاتونیں بھی ادھر اُدھر چھپ گئیں۔ کوئی بدحواسی میں پائینچے اٹھائے شرم کے مارے اُسی رُخ گئی جہاں رئیس موصوف اور بھی اچھی طرح گھور سکتے۔ کوئی گھبرا کے چلی تو دوپٹہ سر سے کھسک کر گر پڑا۔ اور اس وقت جسم کو چھپا کر ناز و ادا سے جھپٹنا اور سمٹنا اور بھی ستم ڈھانے لگا۔ سپہر آرا اور اس رئیسِ باوقار کی چار آنکھیں ہوئیں تو دونوں نے دید کے مزے لوٹے۔ ادھر اظہار شرم و حیا۔ اُدھر اشارۂ وصل معشوق دلربا۔ ادھر استغنا و بے نیازی اُدھر گرمی ہنگامہ عشق و نظارہ بازی۔ ادھر غرور حسن و جمال اُدھر آرزوئے وصال۔ اور ان کے ساتھ سپہر آرا بھی بدن چُرائے ہوئے ایک طرف جھپٹ گئی۔ یہ رئیس زادہ جو بڑی آرزو سے فیل آسمان رفعت پر سوار ہو کر قریب دیوار باغ آیا تھا شہزادہ ہمایوں فر تھا۔ جس نے بڑی دیر تک باغ میں آن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پریوں کی چہل پہل اور چہل بل کے مزے لوٹتے تھے۔ ہاتھی دیکھ کر سپہر آرا کو وہ سماں یاد آیا اور بے اختیار اشک اضطراب فروش جاری ہوگئے۔ الغرض عرصے تک یہ گلبدنان گل پوش خانہ برانداز ہوش باغ میں گلگشت کرتی رہیں۔ چوتھی شوخ و چالاک مست و بیباک۔ ؎

زلفِ شان مشک برسمن بیزاں   زیر ہر موے صد دل آویزاں
نرگس مست شان بہ فتنہ ذقن   پارسا سوز بلکہ توبہ شکن
ہر یکے شوخی و ستمگارے   خانہ ویراں کنی و خونخوارے
ہر یکے ناز آفریں گل پوش   گیسو عنبریں کشیدہ بدوش
خانہ ویران کن ہزاراں دل   گیر زنار بند سبحہ گسل

غمزہ را تیغ کافری دادہ
ناز را شغل دلبری دادہ

بہار النسا اور نازک ادا سب سے علیحدہ ایک روش میں کرسیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ نازک ادا نے کہا اس وقت سپہر آرا کی یہ حرکت ہم کو بہت ناپسند آئی۔ مجھ سے حسن آرا کہہ چکی ہیں کہ ایک دن باغ میں ہاتھی پر سوار ہو کر آئے تھے۔ اور سب کو بے حجاب دیکھ گئے ہیں۔ بہار النسا بولی باغ میں تو نہیں آئے تھے۔ مگر باغ کی دیوار کے قریب تک آگئے اور سپہر آرا کو تو ہم کئی بار سب کے سب سمجھا چکے ہیں اور وہ خود بھی سمجھتی ہیں مگر بعض اوقات پچھلی باتیں یاد کر کے ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خیر اس ذکر کو جانے ہی دو۔ کچھ گاؤ بہن۔ نازک ادا نے کہا تم میں یہ بہت بڑا عیب ہے کہ جا بجا فرمائش کر بیٹھتی ہو اور جو وہ سب سن لیں تو ایک تو یوں ہی کہتی ہیں کہ نازک ادا بڑی اُدماتی ہے اور اب اور بھی زیادہ طعنے دیں مگر تمہاری خاطر ہے۔ دو ایک شعر سنائے دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر نہایت نازک آواز سے گانے لگیں۔

نہیں کچھ غم گلستاں سے جو فصل گل روانہ ہے   وہ بلبل ہوں کہ گل کھا کھا کے تازہ گل کھلانا ہے
کہو اس برق وش سے آج لازم ساتھ جانا ہے   جنازے پر ہمارے ابر رحمت شامیانہ ہے
گریباں پھاڑ کے دستِ جنوں سے ہوگی کب فرصت   ابھی تو دامن صحرا کے بھی پُرزے اُڑانا ہے

چلوں گا سر کے بَل شوقِ شہادت دستگیری کر
جہاں تلوار چلتی ہے اُسی کوچے میں جانا ہے

بہار۔ جی چاہتا ہے تمہاری آواز کے بوسے لوں مگر یہ ممکن نہیں۔ کیا گلا ہے ماشاء اللہ۔
نازک۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ تمہاری تعریف کو چوم لوں۔ مگر یہ محال ہے یہ کہاں ممکن ہے بھلا۔

بہار۔ اتنی ڈومنیاں ہیں مگر ہمیں ایک کی آواز پسند نہیں۔ سوائے تمہارے۔

نازک۔ (مسکرا کر) بندگی۔ کیا اچھا لطیفہ کہا ہے تو ہم بھی ڈومنیوں میں ہیں۔

بہار۔ نہیں اوئی تمہارے دشمن ہوں ہم نے یہ تھوڑا ہی کہا کہ تم خدانخواستہ ڈومنی ہو۔ ہم تو تمہاری آواز کے عاشق ہیں۔

نازک۔ آپ کی عنایت مہربانی مگر کوئی خوبصورت مرد عاشق ہو تو بات ہے تم ہم پر ریجھیں تو کیا۔ کچھ بھی نہیں۔

بہار۔ بس انہیں باتوں سے لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ اور تم نہیں چھوڑتیں۔

نازک۔ زبانی داخلے سے بھی گئے گذرے۔ بہن۔

بہار۔ انھیں باتوں پر لوگ کہتے ہیں کہ بڑی بے باک ہے مگر یہ اُن سے نہ چھوڑی جائیں گی۔

اس وقت باغ کی ہر روش میں نہالانِ چمن نہال تھے۔ اور جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے کہ پریزادوں نے قدوم میمنت لزوم سے باغ کو زیبائش بے اندازہ اور آرایش تازہ بخشی ہے گلوں پر عنادل چہچہہ زن نوروشوں میں کبک دری قہقہہ زن۔ سرو و شمشاد پر قمری و فاختہ کی دستک زنی عجب لطف دکھلاتی تھی۔ بہار رضوان بھی اس بہار سے شرماتی تھی۔ پٹریوں کے ادھر اُدھر دورویہ دوب کی سبزی اور بیچ میں سڑک کی سرخی سے آنکھوں کو نور حاصل ہوتا تھا تو روح کو سرور موفور ہر سمت ساز خرمی مہیا۔ ہر طرف عیش و طرب ہویدا۔؎

در بزم گہش فرش بود اطلس گل

افروختہ شمع لالہ از آتش مُل

استادہ ہزار سرو در جائے خواص

ساقی شدہ طفل غنچہ مُطرب بُلبل

ادھر شاہدان لالہ و قوس ابرو کا گلزار بیخار و چمنستان پر بہار میں اٹھلانا اور ہرن کی سی چھل بچل دکھانا اور ادھر بزم طرب میں میراثنوں کا دلربا اور دل کشا تانیں لگانا اور صورت باربدی و نغمۂ دل کش سے سامعین کو وجد میں لانا عجب سماں دکھاتا تھا خوشی اور طرب کو خود حال آتا تھا۔؎

صدائے مطربان با نغمہ و ساز	دریں بزم طرب گردیدہ دمساز
برقص افتادہ ہر سو شوخ و شنگی	بہ کار دلربائی تیز چنگے

همہ رنگین وہاں از صوت سقے تے — چو مینا از سر مے قلقل مے
اصول شاہدان رقص پرواز — دو صد دل میر بابد در یک انداز
زدست افشاندن رقاص دلکش — رمیدہ از چراغ صبر آتش
تدرو نغمہ از ہر سو بہ پرواز — گسستہ آشیاں از شاخ آواز

زمین تا آسمان در راگ در رنگ است
خموشی را مقام جلوہ تنگ است،

راگ اور راگنی گو یا رست بستہ حاضر تھے۔ اور چونکہ ڈومنیوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہاں اکثر ایسی بیگمات تشریف رکھتی ہیں جن کو علم موسیقی میں کمال دخل ہے اور جو خود بھی گلے بازی کرتی ہیں لہذا اور بھی دل لگاکر گاتی ہیں اور فہمیدہ بیگمات موقع اور محل پر داد دیتی جاتی تھیں۔

نازک ادا: ماشاء اللہ کیا اچھی لیاقت حاصل ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ اور آواز بھی خوب ہے۔

ڈومنی: (ادب کے ساتھ سلام کرکے) حضور کی قدر دانی ہے۔

نازک: معنی یہی ہیں کہ جہاں جاتے کچھ پایا ہی کرے۔

ڈومنی: یہ سب حضور کی قدر دانی ہے۔ ہم لوگ تو پیٹ پالنا جانتے ہیں مگر حضور ماشاء اللہ سمجھتے ہیں۔

دوسری: یہ آپ نے ہماری قدر دانی کی کہ اس قدر تعریف فرمائی، ورنہ ہم لوگ کس لائق ہیں؟

جانی بیگم: خوش آوازی کو بھی خدا نے کیا رتبہ بخشا ہے۔

نازک ادا: کیا کہنا۔ ہم جانتے ہیں، اب دو ہی چیزوں میں تاثیر باقی ہے۔ ایک علم موسیقی، دوسرے حسن، بس باقی اللہ اللہ۔

خیر صلاح: حسین کو دیکھ کر سب کی نظر پڑے گی چاہے مرد ہو چاہے عورت، جو دیکھے گا عش عش کرنے لگے گا۔ کہ واہ اللہ نے کیا صورت پیدا کی ہے، کیا حسن عطا کیا ہے۔ یہ حسن ہے کی تاثیر۔ یہ حسن ہی کا اثر ہے کہ آزاد پاشا روم تک دوڑے گئے اور وہاں جان کو ہتھیلی پر لئے رہے۔ ورنہ ممکن تھا کہ روم کا قصد کرتے۔ یہ حسن ہی کا اثر ہے کہ حسن آرا سی پریزاد پر ریجھے پولینڈ کی شہزادی جس کا حال ابھی پرسوں ہی یہاں بیان ہو رہا تھا، آزاد پر کیوں عاشق ہوتی۔ حسن کے سبب سے ہماری میاں ہم پر کیوں ریجھے۔ اگر ہم کو اللہ نے ایسا حسن اور یہ جوبن نہ دیا ہوتا کہ چودھویں رات کا چاند ہمارے مقابل میں باندھے تو کاہے کو میاں کا دل ہم پر آتا اور ہم اپنے میاں کو کیوں پیار کرتے اور دوسرے گانے کا اثر، اگر خوش گلو ہو، اور دل لگاکر گائے تو سبحان اللہ کیسی ہی روکھا پھیکا آدمی کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ اس کے کانوں کو گانا بھلا نہ معلوم ہو۔

بہار النساء: ایک ہم ہی ہیں کہ تمہاری نازک آوازے پر مٹے ہوتے ہیں، اسی طرح اور بھی ہوں گے۔

نازک :۔ تم کیا اچھے اچھے زاہدوں کی جان جاتی ہے۔ ہمیں اللہ نے اچھی صورت کے ساتھ اچھی آواز بھی عطا کی ہے۔

ساقی ہیں بہ روز ہائے گلگشت ہے غیرت باغ ہر برو دشت

اب دور فلک سے دل ہوا شاد ہے نام حمل کا مہر آباد

ہیں جلوۂ نو بہار کے دن بد مستی بادہ خوار کے دن

تزئین سمن کے ہیں یہ ایام گلگشت چمن کے ہیں یہ ایام

یکسا رنگ چمن بہار پر ہے

عالم گل و لالہ زار پر ہے

..کیوں بہن سچ کہنا، مثنوی ہو چاہے غزل چاہے ٹھمری، چاہے پٹا جو ہم سے کہو اسی طرح گائیں۔ اور پڑھیں کہ کوئی کیا مقابلہ کرے گا مگر اس کے لیے سمجھ دار چاہیے سو خدا کا نام ہے' سمجھدار کہاں ہے۔

بہار :۔ کیوں۔ کیا یہاں کوئی سمجھدار رہی نہیں ہے؟

نازک :۔ ایک تم سمجھ دار ہو۔ باقی خیر صلاح۔

نازک ادا بیگم اور جانی بیگم اور جہاں آرا نے بڑی بیگم سے جا کے کہ جہاں آپ نے اسقدر رکیا کہ زر کثیر صرف کیا ہے اتنا یہ بھی کیجیے کہ بارات ادر جانے تک ہر روز دس بارہ طائفوں کا باہر بھی ناچ ہوتا رہے کیونکہ سب سے زیادہ نیک نامی اسی میں ہے۔ بڑی بیگم نے کہا، بابا جو تمہارا جی چاہے دل کھول کے خرچ کرو، میں روکنی کب ہوں، مجھ سے کہلا بھیجو یا خود مجھ سے کہو یا تم اپنے پاس سے خرچ کر کے مجھ سے روپیہ لو اور کیا کروگی۔ مجھے اب یہ روپیہ کس کے واسطے رکھنا ہے۔ سوائے حسن آرا اور سپہر آرا اور ان لڑکیوں کے اور کون ہے۔ اتنے میں ممبئی کی بیگم نے آن کے کہا۔ اماں جان ذرا سی کسر رہی جاتی ہے۔ لوگ شاکی ہیں کہ اور تو سب کچھ اللہ کی عنایت سے عمدہ طرز سے انجام پا رہا ہے مگر گم دانے میں ذری طائفے کم ہیں۔ اتنے میں روح افزا نے آکے کہا۔ اماں جان دولہا بھائی کہتے ہیں کہ بنارس کی منا بھی آتی ہے اور دو طائف اور کہیں سے آتے ہیں۔ ان سب کی بڑی تعریف سنی ہے کہ گانے اور بجانے دونوں میں طاق اور شکل وصورت بھی اچھی ہے تو آپ اگر اجازت دیں تو کچھ ٹی بھیج دی جاوے۔ بڑی بیگم نے کہا، بیٹا یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ خورشید دولہا کو یہاں بھیج دو تو ان سے کہدوں۔ مہری باہر گئی اور بلا لائی۔ بڑی بیگم نے ان سے کہا کہ صاحب ادھر ادھر کہنے سے کیا مطلب۔ جس شے کی حاجت ہو مجھ سے مانگ لو، جس قدر صرف کرنا ہو مجھ سے صرف روپیہ مانگو اور کچھ نہیں روح افزا کے نام رقعہ بھیجدیا۔ اور انھوں نے مجھ سے فوراً روپیہ طلب کر لیا' یا خود چلے آتے اور لے گئے۔ میں تو پکار پکار کہتی ہوں کہ مجھے اب روپیہ کی اصلا ضرورت نہیں ہے اور اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، نہ تو وہ خرچ جس کو امید ہو کہ آئندہ کوئی اور کام ضروری اگر آن پڑے تو کیا کیا جائے گا۔ جو کچھ کہ ہے اسی میں صرف ہو اور کہاں تک صرف ہوگا۔ جب حسن آرا کو اس بات کی خبر ہوئی

نواغھوں نے اپنی اماں جان کے نام خط بھیجا اور اس میں لکھا کہ اماں جان فضول باتوں میں روپیہ ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ وہ کام کرو جس سے دس کا بھلا ہو اور خدا بھی خوش رہے۔ ایک تو یہ کرو کہ پچاس ہزار روپیہ میری شادی کی یادگار میں جمع کرادو۔ پچاس ہزار کے نوٹ اگر چار فیصد کے حساب سے ہوں تو اس کا دو سو روپیہ ماہواری سود ہوا۔ اور یہ خاصی بھلی چنگی رقم ہے۔ یہ وظیفے کے طور پر ان طالب علموں کو ملے جو عربی کے امتحان میں در آئیں مگر کس طرح کا امتحان ہو، یہ میں تجویز کروں گی۔ یہ میری رائے پر چھوڑ دیجئے۔

۲۔ پچاس ہزار روپیہ مسلمان شریف زادیوں کی پرورش کے لئے جمع کرادیا جائے جو بیوہ ہو کر سخت مصائب برداشت کرتی ہیں۔ وہ بیوہ جو بالکل بیکس ہوں اور بالکل بے بس۔ جن کا کوئی عزیز نہ ہو، کوئی مددگار نہ کسی کا بھروسا۔ ساری خدائی میں ان کی پرورش کا کسی کو خیال نہ ہو۔ ان کے لئے کھانے کپڑے اور رہنے کی فکر کی جائے۔ اس سے زیادہ فائدہ اور کیا پہنچا سکتے ہیں۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر ایک نیا گل کھلا کہ صاحب مجسٹریٹ اور انسپکٹر پولیس دو برقندازوں کو ساتھ لیکر آزاد کی کوٹھی پر گئے اور ان سے کہا کہ آپ چوکس رہیئے گا کہ ہمارے پاس ایک خط آیا ہے اور اس میں خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ آزاد نے مانگا۔

صاحب:۔ خط تو موجود ہے مگر مخفی رکھئے گا۔

آزاد:۔ بیشک اس کا اظہار فضول ہے۔ دیکھوں۔

صاحب:۔ کئی سبب سے اس کو پوشیدہ رکھنا چاہیے۔

آزاد:۔ دلہن کے ہاں تو اس کی خبر نہیں ہوئی۔

صاحب:۔ بالکل نہیں۔ مگر ہم ان سے کہیں یا نہ کہیں۔

آزاد:۔ میں پہلے خط پڑھوں پھر عرض کروں۔

صاحب:۔ خط کا منشاء غور سے پڑھئے اور سمجھئے۔

آزاد:۔ اب کون میرا دشمن پیدا ہوا ہے۔ بھئی۔

صاحب:۔ ول۔ اب یہ خط لے کے آپ پڑھ لیں۔

آزاد نے خط کھولا تو یہ مضمون اس میں درج تھا۔

قدر مشتاقان چہ داند درد ما چند ش بود   آنکہ دائم کار با دلہائے خرسند ش بود

تم نے تو تمام عمر لو بیان شہر آشوب اور مہوشان غارتگر ہوش میں صرف کی۔ جہاں گئے دو ایک کم سن خاتونوں کو گھائل کیا اور وہ کون ہے جس نے تمہیں دیکھا اور زخمی نہیں مگر یہاں حسرت اور تلخ کامی سنئے کہیں کا نہیں رکھا اور اب

حسن آرا بیگم سے تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ خیر اور ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم یا خود چھری پھونک کے مر جائیں یا تم کو پھونک دیں۔

نشتر بہ با سلیقۂ شکایت فرو برم | خون دل از رگِ مژۂ تر بر آدرم
مرہم زداغ تازہ بہ زخم جگر نہم | پیکان ز دل بہ کاوش نشتر برآدرم

اب صلاح یہ ہے کہ تم کو بھی ہمایوں فر کی طرح قتل کریں۔ شہوار نے تو مفت پھانسی پائی۔ قاتلِ ہمایوں فر تو خاکسار احقر ہے۔ جس طرح اس کو نیچا دکھایا اسی طرح انشاء اللہ تم کو بھی نیچا دکھاؤں گا۔ راقم اثم قاتل ہمایوں فر۔

کانٹوں میں نہ ہو اگر الجھنا
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

آزاد پاشا نے کہا۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ کسی فقرہ باز کی فقرہ بازی ہے۔ اس شہر میں ہر قسم کے بے فکرے ہیں۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ صرف دل لگی دیکھنے کے لئے خبر مشہور کر دیتے ہیں۔ شہوار اگر زندہ ہوتا تو بیشک ہر دم کا کھٹکا تھا اور اب تو گپ بازاری ہے۔ کس نے بیفکری نے خط اڑا دیا بیرنگ۔ صاحب موصوف کو آزاد کی رائے بہت پسند آئی اور کہا خیر اب ہم کو تشفی ہو گئی مگر دلہن تک خبر نہ پہنچے ورنہ ان کی ماں کی روح سنتے ہی تحلیل ہو جائے گی۔ وہ بہت ڈری ہوئی ہیں۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کے پیتا ہے۔ سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے۔

جب حسن آرا بیگم کے ہاں شدہ شدہ خبر پہنچی کہ آزاد کی نسبت ایک گمنام خط آیا ہے اور شہوار کی طرف سے کسی نے بھجوایا ہے تو گھر میں کھلبلی مچ گئی اور سب کی سب انتہا کی پریشان ہوئیں۔ بڑی بیگم صاحب کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ اور عجیب کیفیت ہوئی۔ استانی جی سے کہا بہن ہم بھی کس قدر بدقسمت لوگ ہیں کہ عین خوشی کے وقت جب دنیا بھر کی فکر انسان بھول جاتا ہے، اس وقت فلک کج رفتار و حقہ باز ہم کو چرکا لگاتا ہے۔ اب تو ایک نیا گل کھلا۔ اللہ کرے جھوٹ ہو۔ یا خدا بالکل غلط نکلے آیتیں۔ ہوش اڑے ہوتے ہیں۔ استانی جی عورت تھیں۔ مستقل مزاج۔ گو دل میں تو خود گھبراتی تھیں مگر بڑی بیگم کی یہ کیفیت دیکھ کر سمجھانے لگیں کہ اب خدانخواستہ تشویش کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بڑا کھٹکا اس موئی شہشوار کا تھا۔ اس کو پھانسی ہو گئی۔ لنک کے تڑپ کے موا۔ اب یہ کسی و ہو کے باز لڑکا کام ہے اور یہ خبر اڑائی کس نے آزاد سے خود نہ دریافت کر لو یہ کہہ کر انھوں نے قلم دوات منگوا کر آزاد کے نام یوں خط لکھا۔

"عزیزم مولوی آزاد پاشا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

آج خارجاً سنایا گیا کہ کسی بدبخت بدکردار نے تم کو خوف دلایا ہے کہ اگر حسن آرا کے ساتھ شادی کرو گے تو تمہارے حق میں خدا نا کردہ اچھا نہ ہوگا۔ سات قرآن درمیان ہمایوں فر کا سا حال ہوگا۔ دشمنوں کو سخت ملال

اور تشویش ہے۔ کیا یہ امر صحیح ہے۔ مرسلہ استانی جی جواب طلب ضرور ہے۔

یہ ایک خط چوبدار کے ہاتھ آزاد کے پاس بھیجا۔ پڑھ کر سوچے کہ کیا جواب لکھوں۔ بعد غور جواب میں لکھا کہ افترا پرداز کی افترا پردازی اور مفسدوں کی فتنہ انگیزی سے خود بھی بچئے اور مجھ کو بھی بچاتے۔ یہ کسی نے خبر مشہور کر دی ہے خدا کی پناہ۔ کیا کیا فقرہ باز لوگ ہیں۔ اب بھلا ہمارا دشمن کون ہے اور کون جانے یہ راز ہے کہ پھانسی پانے کی تیاریاں کرے۔ گپ سے گپ ہے معاذاللہ آپ ان فقروں پر لحاظ نہ فرماتے۔

آزاد نے جواب باصواب بھیجا تو حسن آرا، کو بڑی ڈھارس ہوئی۔ بڑی بیگم کی جان میں جان آئی۔ روح افزا اور سپہر آرا نے خدا کا شکر ادا کیا۔ بہار النساء نے مبارکباد دی۔ گیتی آرا نے فوراً مٹھائی منگوا کر تقسیم کی۔ الغرض پھر بدستور وہی چہل پہل، وہی رونق تازہ ہوئی بلکہ اب کی اور بھی زیادہ لطف بزم طرب تھا۔ ادھر صاحب مجسٹریٹ نے آن کر بڑی بیگم کے اعزہ و اقربا اور ڈمپٹی والے مرزا صاحب اور نواب خورشید علی خاں بہادر اور روح افزا کے میاں کو تشفی دی اور سمجھا دیا کہ اس خط کے مطابق خیال نہ کریں جب محل سرا میں یہ خبر ہوئی تو اور بھی زیادہ تشفی ہوئی مگر کسی قدر کھٹکا ضرور تھا۔ دو گھڑی کے بعد نواب مبارک محل کے خواجہ سرا میاں زمرد محل سرا میں آئے اور بڑی بیگم کے پاس جا کر آداب عرض کیا اور کہا کہ حضور کے اقبال سے وہ شخص گرفتار ہو گیا جس نے آزاد کو فرضی نام سے خط بھیجا تھا۔ یہاں ایک شخص ہے رام اوتار۔ نام ہے مجنون، ایک بار پاگل خانہ جا چکا ہے۔ اس کے دستخط سے ایک آدمی نے یہ ڈاک خانہ میں روانہ کیا تھا۔ سٹری تحریر ہے ہی۔ اس کو ضبط کیا۔ فوراً زمانے بھر میں مشہور کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ممتن نامے ایک جعلساز نے جو اکثر بندۂ خدا کے نام سے گمنام عرضیاں اڑایا کرتا ہے۔ فقط دل لگی دیکھنے کے لئے یہ شعبدہ کیا تھا۔

بڑی بیگم اور بھی محظوظ ہوئیں اور دفور طرب سے محلدار کو کچھ حکم دیا اور تھوڑی ہی دیر میں میری ایک کشتی لائی جس میں چار سو روپے کا ایک نادر دوشالہ تھا اور ایک زرد رومال قیمتی تخمیناً اسّی روپیہ کا یہ انعام خواجہ سرا کو دیا گیا۔ خواجہ سرا کی بن آئی سات بار سلام کر کے کشتی کو آنکھوں سے لگایا اور دعا دی۔ بڑی بیگم صاحب کے حکم سے یہ خبر محل میں مشتہر ہو گئی اور شادمانی دو چند زیادہ ہو گئی سپہر آرا نے کہا بیٹھے بٹھائے ایک شگفتہ دل میں ہو گیا تھا۔ یارے چلو بخیر گذشت۔

حسن آرا بیگم کے ہاں نوجوان نازک بدن اور خاتونان پسندہ دہن میں خوب چہل آپس میں ہوتی تھی کہ اتنے میں نازک ادا بیگم نے بہار النساء کو دلہن کے پاس بلوایا اور وہ نگار کے بالوں کو سنوارتی ہوئی خوش ادائی کے ساتھ خراماں خراماں آئیں۔ نازک ادا نے کہا۔ اس خرام ناز کے صدقے کبک دری تم تو بہت غضب ڈھاتی ہو گی۔ سسرال میں یہ چال تو ایسی مستانہ ہے کہ سارے زمانے کا دل اس پر لوٹ ہے اور ہزار جگہ سے بل کھاتی ہے، خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ یوں تو عنایت ایزدی سے ہر ادا اور ہر عضو بدن قابل ہزاران ہزار توصیف ہے مگر۔ ع

ہم تو عاشق ہیں تمہاری چال کے

نازک ادا بیگم اس قدر وجد میں آئیں کہ تالیاں بجا بجا کر اس مصرع کو بار بار گانے لگیں۔ ؎ ہم تو عاشق ہیں تمہاری چال کے۔ اب یہ خیال نہیں کہ کوئی غیر نو ہتیں بیٹھا ہے۔ بہار النساء نے آہستہ سے چٹکی لی تو ہوش میں آئیں اور دانتوں کے تلے انگلی دبا کر مسکرائیں۔ اور گرد جو ہم جولیاں بیٹھیں تھیں، انہوں نے قہقہہ لگایا۔ مبارک محل نے کہا۔ بہار النساء میں یہ بات تو عرصے سے ہے کہ یہ دن میں ہزار بار منہ دھوتی اور بناؤ چناؤ کرتی رہیں۔ ہاتھ تو بالوں پر ہر دم پھیرا جاتا ہے اور یہ جو نازک ادا نے کہا اس سے ہمیں بھی اتفاق ہے کہ ان کی چال مارے ڈالتی ہے۔

نازک ادا بولی شکر ہے کہ ہم کو تو ان سب نے مل کر نکو بنا لیا تھا۔ بارے ہمارا حیبذ بھی کسی نے کیا۔ یہ چال کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ مور ابر کو دیکھ کر مستی میں جھوم رہا ہے۔ طاؤس کو یہ بات کب نصیب ہوتی۔ جب گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جاتا ہے اور بادل صحن گلزار پر جھومتے ہوتے آتے ہیں اور یہاں ہر دم چال کا یہی حال ہے۔

بسکہ جانبخش خرام آں پری ——— سازو از نقش قدم کبک دری

بہار النساء نے مسکرا کر کہا اگر ہمیں بھی تمہارے سے نفاظ ہوتی تو اس کا جواب دیتی اور آخر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کو بناؤ چناؤ اور دن بھر آراستگی میں کس نے دیکھا۔ نازک ادا نے کہا بہن۔ دن بھر تو تمہارے میاں دیکھتے ہوں گے مگر ہاں جب کبھی تم ہمیں یا ہمارے یہاں آئیں یا کہیں اور ملاقات ہوتی ہم نے یہی دیکھا کہ تم کو بات بات پر بننے ٹھننے کا خیال رہتا ہے۔ اور گو ہم سے دو تین سال بڑی ہی ہو گی مگر بارہ برس کی بنی رہتی ہو۔ ہیں تمہارے میاں قسمت کے دھنی کہ بیوی ایسی پائی کہ جو ہر دم پری کا سا جمگڑا دکھاتے نہیں تو کسی پوپلی چیر ان سے پالا پڑتا تو دیکھتیں۔ بہار النساء نے کہا۔ سنو بہن ہماری رائے یہ ہے کہ اگر عورت فہمیدہ ہو اور تمیز رکھتی ہو تو مرد کی طاقت نہیں کہ باہر کا چسکا پڑے۔ بیوی خود ہی خوش پوش کیوں نہ رہو۔ خود ہی سولہ سنگار کر کے اپنے جوبن کو کیوں نہ چمکائے۔ میاں تو پانی بھرنے لگیں۔ اس پر اور سب تو خاموش رہیں مگر گیتی آرا نے آہستہ سے اس قدر جواب دیا (بہن ذرا ادھر تو چار آنکھیں کرو بندگی (براٹن صاحب بھی یاد ہیں) اس پر سپہر آرا، روح افزا، اور گیتی آرا اور جہاں آرا اور بھتی کی بیگم سب کی سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور بہار النساء جھینپ کر خاموش ہو رہیں اور نازک ادا نے بھید لینا شروع کیا کہ یہ براٹن صاحب کون ہیں۔

روح افزا:۔ یہ باتیں کسی سے کہنے کی نہیں ہیں بہن۔

نازک ادا:۔ یہ بتاؤ خیریت تو ہے۔ یہ ہے کون۔

بہار النساء:۔ کالا چور۔ تم سے کیا مطلب ہے۔

گیتی آرا:۔ بتا دوں بہار النساء بہن کیا حرج ہے۔

بہار:۔ اے ہے۔ اے لو، از برائے خدا کہیں ایسا ستم بھی نہ ڈھانا۔ اوئی یہ ایک ٹھٹول ہیں۔

نازک:۔ نہیں اللہ جانتا ہے کسی سے نہ کہوں گی بہن۔

روح :۔ اچھا پھر کسی وقت کہدیں گے تم سے۔

نازک :۔ کچھ دال ہیں کالا ضرور ہے!

جانی بیگم :۔ کوئی صاحب ان پر ریجھے ہوں گے بس۔!

نازک :۔ ہاں خدا جانے کہاں جھپک دیکھ لی۔

بہار :۔ روح افزا کی یہی باتیں تو ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ بھلا اس ذکر کے بغیر کیا حرج تھا۔

روح :۔ ایں! اے لو، میں نے کیا کیا۔ واہ وا کہا گیتی آرا نے اور جھنجھلاہٹ ہم پر۔ خوب بات ہے۔ ان کو پوچھ سے کیا مطلب۔ خاصی بات ہے۔

بہار :۔ گیتی آرا کی یہی باتیں ہیں۔ ابھی بچپنے کی بو نہیں گئی ہے۔ بھلا کہنا کیا فرض تھا۔

آخر کار مجبور ہو کر روح افزا نے بہار النسا کی اجازت سے نازک کو ایک کونے میں لے جا کر کل حال بیان کر دیا اور پراٹن صاحب کی حقیقت حال سے مطلع کیا۔

پانچ دن کے بعد ساچق کی تیاری ہوئی۔ شب کو سامان اور جلوس آراستہ ہوا۔ ریت کا جوڑا اور چوتھی جوڑا کشتیوں میں رگایا گیا۔ چاندی کا پٹارا باہر آیا۔ چوغی، شیشیاں، عطر کی شیشیاں، کیوڑے گلاب کی کنٹر، ساتوں گہنے ناڑا، یہ سب اس میں قرینہ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ خواجہ صاحب بار بار پٹارے کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھتے تھے کہ خبردار شیشیاں نہ گرنے پائیں موتیئے کا عطر خدا جانے کن وقتوں سے لایا ہوں، یہ وہ عطر ہے جو آصف الدولہ بہادر کے ہاں سے بادشاہ بیگم کے لئے گیا تھا۔

لوگ :۔ (ہنس کر) اللہ اللہ یہ بڑا پرانا عطر ہے خواجہ صاحب حضور کو کہاں سے مل گیا اللہ ری تلاش!!!

خوجی :۔ ہونھ! کہاں سے مل گیا۔ مل کہاں سے جاتا۔ جو بندہ پا بندہ یہ شاہی کوٹھوں کی چیزیں بڑی تلاش سے ملتی ہیں۔

لوگ :۔ اور یہ برسوں کا عطر چکٹ نہ گیا ہو گا۔ کچھ ٹھکانا ہے۔ آصف الدولہ کے زمانے کا کوئی آدمی تو اب زندہ نہیں رہا۔ یہ عطر کہاں سے مل گیا۔ بڑی تلاش سے ملا ہو گا۔

خو :۔ ہونھ۔ عقل بڑی کہ بھینس۔ یہ وہی مثل ہوئی اے گیدی۔ بادشاہی کوٹھوں نے، عطر کہیں چکٹا کرتے ہیں۔ یہ بھی ان گندھیوں کا تیل ہوا جو پیلا چنبیلی، متی بھیلیں کہتے پھرتے ہیں۔ طبلہ لئے اور چلے پھیری کو اور اس کے کیا معنی کہ آصف الدولہ کے زمانے کا اب کوئی آدمی ہی نہیں رہا۔ ہم دو ہزار دکھا دیں اور وہ آدمی رہے یا نہ رہے۔ عطر تو وہی ہے جو خاص بادشاہ بیگم کے لئے آصف الدولہ کے ہاں سے ساچق کے دن بھیجا گیا تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی اسی وقت پھولوں کو توڑ کے عطر کھینچا ہے۔ عجیب بو باس ہے۔ واہ رے موتیے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ تختہ کھل گیا۔ جونپور اور قنوج سب کو گرد برد کر ڈالا۔

لوگ :- اور کیوں صاحب یہ کیوڑا کہاں کا ہے ؟

خو :- کیوڑاستان ایک مقام ہے۔ کجلی بن کے پاس وہاں کے کیوڑے سے کھینچا گیا ہے۔ عجب کیوڑا ہے۔

لوگ :- کیوڑستان ! یہ نام تو آج ہی سنا۔

خو :- ابھی تم نے سنا کیا ہے۔ ؎

ایک ذرا ہوش سنبھالو ذرا دنیا دیکھو

ایک کیوڑستان کا نام سن کے ہی گھبرا گئے۔

لوگ :- اور کیوں حضور یہ کجلی بن کون سا ہے۔ وہی نا جہاں گھوڑے کثرت سے ہیں۔

خو :- (ہنس کر) اب بناتی ہیں آپ (کجلی بن میں گھوڑے ہیں۔ کجلی بن خاص ہاتھیوں کا جنگل ہے۔)

راوی :- ہنسی مچ گئی۔ خواجہ صاحب کو ہنستے ہوئے لوگوں نے آج ہی دیکھا ہوگا۔ ہم تو سمجھے تھے گیدی قروی نکالے گا، مگر ہنس دیتے۔ الحمد اللہ اب منہ ضرور برسے گا۔

لوگ :- اور کیوں جناب کیوڑستان سے تو کیوڑا آیا اور گلاب کہاں کا ہے۔ گلابستان کا ہوگا شاید۔

خو :- شاباش۔ دیکھو یہ ہمارا فیضان صحبت ہے کہ اپنے پروں اب آپ اڑنے لگے۔ گلابستان سے گلاب آیا ہے۔

لوگ :- کیوڑا تو کیوڑستان سے آیا جو کجلی بن کے پاس ہے اور گلابستان کہاں ہے۔

خو :- گلابستان یہ کیا ! اجی نام لو۔ تو بہ کام دیب چھپا کے پاس جہاں کا جادو مشہور ہے۔

الغرض خواجہ صاحب نے انتظام بلیغ کیا کہ سب سامان نہایت قرینے سے آراستہ ہو۔ چاندی کے مٹکے میں وہی رکھا گیا اور سونے سے مٹکی کا منہ باندھا گیا۔ اس پر ناڑا باندھا گیا دو پہلا سنہرا لچکا ٹانکا گیا۔ اردگرد گنگا جمنی مچھلیاں پروئی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ مصری کے کوزے، قند کے کوزے، بادام، چھوہارا، ناریل، انار، سیب وغیرہ فواکہ خوانوں میں لگائے گئے آرائش کے تخت اور جلوس قرینے کے ساتھ آراستہ ہو کر سانچق چلی، قدم قدم پر آتش بازی کے انار چھوٹتے جاتے تھے اور مہتابیں روشن تھیں۔ خواجہ صاحب کی نسبت دل لگی بازوں نے تجویز کی کہ ان کو بھی آرائش کے ساتھ ایک تخت پر بٹھائیں اور ان سے کہیں کہ اندھے بڑ کے چانڈ پیتے رہیں مگر خوجی عقل کے دشمن تھے لیکن اتنے بڑے گدھے نہ تھے کہ آرائش کے تختوں کے ساتھ خود بھی کاٹھ کے الو بنتے۔ یہ ادھر ادھر اچکتے پھرتے تھے۔ پنشاخے والیوں سے اور ان سے خوب چھوٹ چھیڑ رہتی تھی۔ ایک پنشاخ والے کا ہاتھ پکڑا اور کہا دوڑو ہمارے ساتھ وہ بگڑ کر بولی، دُو موئی داڑھی جھلس دوں گی ہاں۔

آیا وہاں سے بمات کا داروغہ نبکے موا بولنا۔ سوائے وہی م ہے پن کے دوسری بات نہیں۔ خواجہ صاحب

بلبش کھاکر اور بگڑ کر گالیاں دینے لگے۔

خو :۔ نکال دو اس حرامزادی کو یہاں سے۔

عورت :۔ نکال دو اس مونڈی کاٹے کو۔

خو :۔ ارے کوئی ہے اس چڑیل کو نکالو۔

عورت :۔ ارے کوئی ہے اس پھکنے کو نکال دو۔

خو :۔ اب میں چھری بھونک دوں گا بس۔

عورت :۔ اپنے پنشاخے سے منہ جھلس دوں گی۔ ہاں موا دوانہ۔ عورتوں کو راستوں میں چھیڑتا چلتا ہے۔ کچھ پڑے گیا ہے کیا۔ باپ لے وارثی سمجھا ہے۔

خو :۔ ارے میاں کانسٹبل۔ اس کو دھکے مار کے یہاں سے نکال دو، چڑیل کو۔ جاتی ہے چرخا۔

عورت :۔ تو خود نکال دے پہلے !!!

اتنے میں ایک نواب زادے نے جو ساچق کے ساتھ تھے سمجھایا کہ جانے دیجئے۔ آپ اپنی وضع کی طرف دیکھئے۔ یہ بازاری عورتیں اس قابل نہیں کہ ان کے منہ لگے کوئی۔ اب غصے کو تھوک دیجئے۔ خواجہ صاحب نے آہستہ سے کہا۔ خداوند اگر اس نے سزا نہ پائی تو اپ جناب کی بڑی کرکری ہوگی اور بدر یبی ہو جائے گی۔ ادھر خواجہ صاحب باتیں کرتے تھے، ادھر دکاندار تماشائی۔ رہرو۔ ساتھی قہقہہ لگاتے تھے اور یہ بھی جھلا جاتے تھے۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ خواجہ صاحب اس عورت کو نکال دیں اور حضرت کمر کس، ٹوپی اتار کر بڑے اہتمام کے بعد پنشاخے والے کی طرف جھپٹنے۔ جھپٹنے سے رہی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مٹا پنشاخہ سیدھا کیا اور کہا اللہ کی قسم ہے نہ جھلس دوں تو اپنے باپ کی نہیں اور لوگوں نے پھبتیاں کسنی شروع کر دیں۔

۱۔ اجی کیدان صاحب اب تو ہاری مانی۔

۲۔ دگلی والے پلٹن کے کیدان صاحب ہیں۔

۳۔ اب اس وقت قرولی اور چھری کیا ہوئی۔

۴۔ لاحول ولاقوۃ۔ ایک پنشاخے والی سے نہیں جیت پاتے۔ بڑی سپاہی کے دم بنے ہیں۔

۵۔ او گیدی سنبھل کر لڑ۔ یہ مردوے بنے ہیں۔ اسے پھٹکار اری میاں عورت سی نہیں جیت پاتی۔

عورت :۔ کیا دل لگی ہے۔ ذرا جگہ سے بڑھا اور میں نے داڑھی اور منہ دونوں کو جھلسا دیا۔ پھٹے سے منہ۔ یہ مردوا ہے۔ عورتوں سے بدتر۔ جا چلو بھر پانی میں ڈوب مر۔

خو :۔ دیکھو سب کی سب دیکھ رہی ہیں کہ عورت سمجھ کر ہم نے اس کو چھوڑ دیا ورنہ اگر کوئی دیوتا بھی ہوتا تو ہم

قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے اس وقت سے

لوایم خامہ و لفظ ست لشکر
بمیدان آمدم اللہ اکبر

عورت :- پہلے تو میں نے طرح دی کہ اس شہدے کے منہ کون لگے مگر جب میں نے دیکھا کہ یہ مانتا ہی نہیں ہے تو میں بھی اس کے ساتھ شہدی بن گئی۔

جب ساچق دلہن کے ہاں پہنچی اور سواریاں اتریں تو دلہن کی بہنوں نے صندل سے سمدھنوں کی مانگ بھری اور سمدھنیں اُن کے دلہن کے گھرے میں بصد ناز و انداز بیٹھیں۔ حسن آرا کا نکھار اس وقت قابل دید تھا جس نے دیکھا پھڑک گئی۔ دلہن کو پھولوں کا گہنا پہنایا تو ایک تو عروس نازنین یوں ہی گلفام و گلبدن تھی۔ اس پھولوں کے گہنے نے اور بھی جوبن کی آگ بھڑکائی اور اس طرح پھبن تھی جس طرح ایک گل پر عنادل کا ہجوم ہوتا ہے۔ اسی طرح خواتین نوخیز اس گل، تو شگفتہ چمنستان رعنائی کے اردگرد کھڑی تھیں۔ اس کے بعد جواہرات کا گہنا پہنایا گیا۔ سواشرفیاں دلہن کو دیں اور چھڑیوں کی مار ہونے لگی۔ ڈنڈیوں پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔ نازک ادا اور جانی بیگم اور بہار النساء کے ہاتھ میں منقیش اور پھولوں کی چھڑیاں تھیں۔ سمدھنوں پر اس درجہ چھڑیاں پڑیں کہ بعض ان میں سے اٹھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ نازک ادا نے کہا بہن یہ مانجھے کے دن کا بدلا ہے۔ ہم تو سمجھاتے تھے کہ یہ وقت یاد رکھنا۔ تم نے ایک نہ سنی۔ الغرض تھوڑی دیر تک چھڑیوں کی مار رہی۔ فراشنوں اور مہریوں وغیرہ نے اس قدر چاندی لوٹی کہ بن گئیں۔ میراثنوں نے گالیاں دیں۔ گانا شروع ہوا۔ سمدھنوں کو شربت پلایا اور وہ رخصت ہوئیں۔ جب سمدھنیں چلی گئیں تو بہار النساء نے عباسی مہری کو بلایا اور کہا تم نے آج بڑی بدتمیزی کی کہ سمدھنوں کی کہاری سے لڑ پڑیں۔ اس نے کہا حضور میری جو خطا ہو تو جو سزا چاہیے دیجیے مگر میں مجبور ہو گئی۔ مجھ سے کہنے لگی کہ بڑی بیگم ہیں۔ کیا بے چاری۔ ہم ان کے اگواڑے نہ پچھواڑے لینے میں نہ دینے میں۔ کیا کچھ ان کا دیا کھاتے ہیں۔ میں نے آپ تک سے نہیں بیان کیا۔ حضور نے پوچھا یہ کیا کہتی تھی میں نے منہ پر بھی نہیں رکھا مگر وہ خواہی نخواہی بے سمجھے بوجھے الجھ پڑی۔ پھر سرکار میں بھی انسان ہوں۔ اور ضبط کی بھی کوئی حد ہے۔ مجھ سے نہیں رہا گیا۔ اس وقت میں آگ ہو گئی مگر اللہ نے کچھ دل میں ڈال دیا کہ پھر میں بہانے سے ٹل گئی۔

نازک ادا :- وہ بڑی طرار تھیں وہ تم سے بڑھ کے نکلی۔

عباسی :- اے حضور ہمیں تو اس نے گھاتے میں بٹھال دیا۔ بڑے بلوں پر ہے۔ ایسی عورت ہی ہم نے نہیں دیکھی۔

نازک :- اب تم اس کے منہ نہ لگنا۔ وہ میر کے پالے سے ہے۔ ایسے ویسے کی مہری نہیں ہے۔ دولہا کے ہاں کی مہری ہے۔

روح افزا۔ اماں جان سن لینیں تو موقوف کر دیتیں۔

اتنے میں ایک فراش نے آکے کہا حضور مانجھے کے دن تو دولہا کے ہاں بڑی دل لگی ہوئی۔ مانتے ہی نہ تھے۔ کسی طرح نہیں مانتے تھے۔ لاکھ لاکھ سمجھایا مگر نہ مانا، نہ مانا جب تو ان کی بھاوج نے آڑے ہاتھوں لیا اور کہا بھلا دیکھیں تو کیونکر جوڑا نہیں پہنتے ہو، پہننا کیا معنی؛ یہاں آپ کی ایک نہ چلے گی۔ تم ہو کیا بے چارے۔ بڑی دھینگا مشتی کے بعد ٹوپی دے لی مگر ان کی بھاوجوں اور بہنوں نے یہ زبردستی پہنایا۔ مگر حضور کیا مکھڑا ہے۔ نور برستا ہے چہرے سے۔ اللہ نے اپنے ہاتھ سے صورت بنائی ہے۔ ہم نے تو اس سن میں ایسی صورت نہیں دیکھی اور آنکھیں میں کیا بیان کروں، بس چندے آفتاب چندے مہتاب جب دولہا دلہن کے پاس بیٹھے ہوں گے، چاند سورج کی جوڑی معلوم ہوگی۔ نازک ادا نے دلہن کو آہستہ سے گدگدا کر کہا، دلہن تو خوش ہوتی ہوگی۔ وہ ہنس دیں۔ بہار النساء بولی :۔ خوش ہونے کی بات ہی ہے۔ فراشن سے پوچھا گیا کہ اب برات کی نسبت کیا راتے ہے۔ کہا حضور سب کچھ ہو گا۔ یہ سب نخرے بازیاں تھیں۔ ماں سے لڑے بہنوں سے لڑے، بھاوجوں سے لڑے۔ زمانے بھر سے لڑ پڑے لیکن دلہن کے ایک خط نے موم کر دیا۔ بھاوجیں تو ہنستی ہیں کہ ہمارا کہنا نہ مانا اور بیوی کا کہنا مانا۔ اس قدر کا خوف ہے۔

حسن آرا کو فراشن کی یہ تقریر از حد بری معلوم ہوئی، آہستہ سے بہار النساء کے کان میں کہا۔ باجی جان ایسا نہ ہو کہ یہ بھی سارے زمانے میں مشہور ہو جاتے کہ دلہن نے شادی کے قبل دولہا کو خط بھیجا ہے۔ بہار النساء مسکرا کر بولی چلو بس اب ان باتوں کا خیال نہ کرو۔ تم کو اور آزاد کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔ کون نہیں جانتا کہ یہ ماں باپ کے ذریعے سے نہیں ہوئی۔ خود بخود دولہا دلہن نے راضی ہو کر وعدہ کر لیا اور اگر مشہور ہوا بھی تو کیا آج اللہ کی عنایت سے ساری خدائی میں تم دونوں مشہور ہو اور سب تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ ادنیٰ سی بات ہے کہ خط بھیجا یا نہیں بھیجا۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ نازک ادا نے با اصرار دریافت کیا کہ دلہن کس امر کی نسبت تذکرہ کرتی ہیں اگر مضائقہ نہ ہو تو ہم بھی سنیں۔ بہار النساء نے کہا۔ اسوقت فراشن نے آن کر کہا نہ کہ دلہن نے خط بھیجا تھا اور بھاوجیں طعنے دیتی ہیں کہ ہمارا کہنا نہ مانا، دلہن کے خط پر راضی ہو گئے نازک ادا بولی اوہ جی۔ یہ بات کون ہے۔ یہ فضول خیال ہیں۔ وہ سارے زمانے کو معلوم ہو جاتے تو کیا۔ اس کے بعد نازک ادا نے مثنوی کے اشعار آہستہ آہستہ پڑھنے شروع کئے۔

منہ سے تو کچھ نہ بول لی وہ پرفن	پاؤں سے پر دبا لیا دامن —
اٹھتے اٹھتے وہ ماہ بیٹھ گیا	گلے لپٹا کے پیار کر کے کہا
جانی اس وقت مجھ کو جانے دو	دن نکل آتے گا ہو آنے دو
لو بھلا جانے جاں تمہیں بولو	جی مرا چاہتا ہے جانے کو
کیا کروں بس نہیں مرا اے حور!!	ہاتھ سے آسماں کے ہوں مجبور!

مجھ سے کچھ بے مزا نہ ہونا تم — دل میں اپنے خفا نہ ہونا تم

جس طرح ہو سکے تم اے گل تر

ٹال جاؤ یہ اور آٹھ پہر

حسن آرا نے آہستہ سے کہا۔ بہن اس مثنوی میں ہم کو سب سے زیادہ یہی شعر پسند ہے جو آپ نے سب کے پہلے پڑھا تھا۔

منہ سے تو کچھ نہ بولی وہ پُرفن — پاؤں سے پر دبا لیا دامن

اور جہاں جو ذکر کیا ہے نیا اور نرالا۔ نازک ادا بولی۔ تمہارے آزاد کی بڑی تعریف سنی ہے وہ وہ شعر پڑھوں اور سناؤں کہ پھڑک پھڑک جائیں۔ حسن آرا نے کہا۔ بہن بس انہیں باتوں سے تم بدنام ہوئی ہو اور سب زبانی داخلہ۔ بھلا تم ان کے سامنے شعر پڑھو گی اس کا تم کو یقین ہے۔ پھر اپنے کو مفت میں کیوں بدنام کرتی ہو۔

ایک روز شام کو محمد عسکری بڑی بیگم کے پاس دوڑے آئے اور تخلیہ میں کہا۔ چچی جان نواب محمد حسین خاں اور آغا بنو صاحب اس وقت باتیں کرتے تھے کہ اب حسن آرا کو اس قدر سمجھا دینا چاہیئے کہ جس طرح مسلمان شریف زادیاں دلہن پن کے زمانے میں برتاؤ کرتی ہیں از برائے خدا اسی طرح برتاؤ کریں۔ ان سے کسی نے کہا ہے کہ حسن آرا نے کوئی خط حال میں آزاد پاشا کے نام بھیجا ہے۔ یہ بری بات ہے آپ سمجھا دیں۔ بڑی بیگم کو سخت حیرت ہوئی کہ کیسا خط۔ کس امر کی نسبت، کس نے بھیجا۔ کب بھیجا۔ بہار النساء کو بلا کر دریافت کیا۔ یہ قبول دیں کہ ہاں جب آپ نے اصرار کیا تھا کہ برات اسی طرح سے آئے جس طرح نواب زادوں کے ہاں جاتی ہے تب مجبور ہو کر آزاد کو انہوں نے بہت پوشیدہ طور پر خط بھیجا تھا مگر کیا معلوم۔ یہ بات کیوں کر پھوٹی۔ آپ سے کس نے بیان کیا۔ انھوں نے محمد عسکری کی طرف اشارہ کیا اور کہا ابھی انہوں نے آن کر مجھ سے بیان کیا منع کر دو کہ اب یہ لڑکپن نہ کریں، اس سے بڑھ کر اور بے باکی کیا ہو گی۔ آج تک کہیں ایسا بھی ہوا ہے۔ بہار النساء نے ان کی تشفی کی کہ امی جان آپ اس کا خیال نہ فرمائیں، کوئی امر اب آپ کی مرضی کے خلاف نہ ہونے پائے گا۔ آپ اطمینان رکھیں اور ادھر اشارے سے محمد عسکری کو علیحدہ بلا کر ڈانٹا۔

بہار النساء :۔ واہ واہ۔ تم اب بھی باز نہیں آتے۔

عسکری :۔ نہیں بہن۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔

بہار :۔ چلو بس۔ سُن چکے۔ یہ باتیں ہم نہیں سنتے۔

عسکری :۔ تو سن تو لیجئے۔ پہلے میری تو سن لیجئے۔

بہار :۔ تم کو بڑی بیگم سے پرچہ جڑنے کی کون سی ضرورت تھی۔ نہ کہتے تو کھانا ہضم نہ ہوتا۔

عسکری :۔ مجھے خورشید دولہا اور نواب محمد حسین خاں اور آغا بنو صاحب نے ذکر کیا کہ تم جا کے بڑی بیگم صاحب

کو سمجھادو۔ میں نے کہدیا۔

بہار :۔ تو تم ان باتوں میں دخل دینے والے کون ؟

عسکری :۔ اچھا صاحب قصور ہوا۔ معاف فرمایئے بس۔

بہار :۔ تم کو تو بالکل دخل ہی نہ دینا چاہئے۔

عسکری :۔ آج سے اگر دخل دوں تو پاجی سمجھو بس۔

بہار :۔ یہ باتیں ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتی ہیں۔

عسکری :۔ توبہ ان کی عقل میں آن کے خواہ مخواہ الّو بنا۔ اب کان لئے بیٹھے۔ کون مردک اپنے حساب کسی بات میں دخل دے۔ توبہ۔ توبہ۔ گر :۔

بات پر جب زباں کٹتی ہے

بہار :۔ زبان نہیں۔ تمہارا کلام کوئی باور نہ کرے گا۔ یہاں ایک دفعہ کی چلے ہوتے ہیں۔ تم وہ شخص ہو۔

عسکری :۔ جب آپ بڑی بہن ہو کر ایسا کہیں گی تو بس پھر اور کسی کو کون کہے۔ خدا جانتے ہماری قسمت نے کیسا پلٹا کھایا اچھا کام کرتے ہیں تو برا ہو جاتا ہے ؎

صورت گردونِ گرداں خود بخود پھرتا سدا ہوں وہ سر گرداں جو مٹی میری ملتی چاک میں

بہار :۔ اے خدا کے لئے کوئی اور شگوفہ نہ چھوڑنا۔

عسکری :۔ قسم کھاتی کہ اب میں یہاں قدم نہ رکھوں گا۔

بہار :۔ یہ حسب ہیں لوگوں کو اور بھی قوی بدظنی ہو۔

عسکری :۔ نہ یوں چین۔ نہ دوں چین ہے۔ لاحول۔

بہار :۔ اتی جان کی چوری سے خفا گیا۔ تم جاکے جرّ دینے والے کون اور جس کا جی چاہے کہے۔ تم کو کیا پڑی تھی۔

عسکری :۔ اچھا اب یہ قصور معاف کرنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اگر معاف ہونے کے قابل ہے تو خیر ورنہ سزاوار۔

یہ کہہ کر محمد عسکری اپنا ساتھ لے کر روانہ ہوتے اور باہر جاکر کہا کہ حضرت آپ سب نے اچھّا دھر ادیا۔

جب مانجھے اور ساچق کی رسم ادا ہو چکی تو ایک دن عباسی نے آن کر یوں بیان کیا کہ میں اس وقت دولہا کے ہاں سے آتی ہوں بڑی چہلیں ہو رہی تھیں مگر اور دتوں کی نسبت آزاد پاشا آج سرخوش بادۂ مسرت تھے اور کہتے تھے کہ عقل و مصلحت آموز کی رہنمائی سے ہم کو مقتضائے خردمندے یہی معلوم ہوا کہ بود و باش اور تدبیر منزل میں انگریزوں کی تقلید کریں۔ نازک ادا نے قہقہہ لگا کر کہا تو اگر یہ خیال ہے تو پھر حسن آرا بیگم کا جمال جہاں آرا بھی لوگوں کی نظر سے گذرے گا اور تماشائی ان کے حسن بالغ عیار اور ان کی جوبن کا نظارہ کریں گے جو اس قدر انگریزیت ہے تو انکو

باہر ہوا کھلانے ضرور لے جائیں گے۔ ایک فقرہ پر صدر میں بی حسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیٹھی ہیں اور سامنے غلام بنے ہوتے آزاد پاشا ہاتھ جوڑے بیٹھے ہیں اور عاشق تن جوانانِ طناز باہم کہہ رہے ہیں کہ واللہ کیا حورِ سرشت خاتون ہے۔ حسن بالغ بعیار کا کیا کہنا اور گلبرگ رخسار کے مقابل ہیں۔ گل تر خجل ہے۔ ابرو بھیاں نے کیا رخ زیبا عطا کیا ہے۔ جو دیکھتا ہے عشق عشق کرتا ہے اور عاشقی کا دم بھرتا ہے۔ ہر عاشق کے تنور سینہ میں طوفانِ جنون جوش زن ہوگا اور آزاد پری کو بغل میں بٹھاتے ہوتے اسے باتیں کرتے جاتے ہوں گے۔ اور کوٹھیوں میں لے جاکر سیر دکھائیں گے اور شرابیں پلائیں گے۔ اس فقرہ پر حسن آرا نے تنگ ہو کر کہا اللہ نہ کرے اسے واہ کیا اچھی باتیں کرتی ہو۔ کالا پانی ہمارے دشمنوں کے حصے میں آتے۔ نازک ادا بولیں کیا آزاد نہیں پیتے ہیں۔ تم ان کی طرف سے قسم کھاؤ گی انھوں نے جواب دیا کہ پینے کی نہ کہو مگر سنا نہیں:۔

آدمی را بچشم حال تنگر   از خیال پری روئی بگذر

اب تو توبہ کرلی۔ پھر التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔

کی مے سے جو ایک بار توبہ

اے ساقی وائے بہار توبہ

بس کیجئے معاف مجھ سے تقصیر ہوئی   توبہ توبہ ہزار بار توبہ

نازک ادا نے تو یہ فقرہ پر چھیڑنے کی غرض سے کی تھی۔ جب حسن آرا کہہ چکیں تو انھوں نے از سر نو ذکر چھیڑا کہ بہن تم تو ذری سے میں بگڑ جاتی ہو۔ بھلا یہ ممکن کب ہے کہ آزاد اور تم کو پردے میں رکھیں اور وہ تو کہہ ہی چکے ہیں کہ پردے کی کیا ضرورت ہے۔ بڑا پردہ تو اپنے دل کا ہے۔ دل کی صفائی عبادت روزے نماز سب سے ہندو مسلمان دونوں کے مذہب میں مقدم ہے۔ پھر جس کی یہ رائے ہو وہ اپنی بیوی کو کیا سات پردوں میں رکھے گا اور تم ابھی ہو کیا؟ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش۔ یہاں خدا جانے کیا کیا دیکھ ڈالا ے

عالم کے بھی ہم نے طور کیا کیا دیکھا

معشوقوں کے لطف و جور کیا کیا دیکھے

شادی و غمی و وصل و ہجراں انشاء   کیا کیا دیکھیں گے اور کیا کیا دیکھے

روح افزا نے کہا۔ تم آخر اپنے کو سمجھتی کیا ہو۔ ان کی تو جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ضرور ہے، تم اپنی تو کہو آخر تمہارا سن کیا ہے تم بھی تو انہیں کی ہمسن یا کچھ او دو تین برس کی چھوٹائی بڑائی بھی کس گنتی میں ہے۔ نازک ادا نے کہا، بجا ارشاد ہوا۔ دو برس آپ کے نزدیک کچھ ہوتے ہی نہیں اور برسوں کو جانے دو۔ ہمارا تجربہ ان سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ کجا یہ ناکردہ کار کجا ہم پختہ سفر۔ زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ یہ کیا جانیں دنیا کسے کہتے

ہیں۔ ہمارا اور انکا مقابلہ کیا ہوسکتا ہے۔

اب سنیئے کہ جب گمنام خط کی خبر آئی تھی، بڑی بیگم کے ہاں سب کی سب گھبراگئی تھیں کہ مبادا خدانخواستہ ہمایوں کی طرح آزاد کی برات میں بھی پھر بھنڈی ہوجائے۔ بڑی بیگم اور بہار النسا نے منت مانی تھی کہ اگر یہ تشویش رفع ہوجائے گی تو ہم امام جعفر طیار کا کونڈا کریں گے۔ ساچق کی رسم کے بعد اس فرض سے بھی ادا ہوتے۔ تر حلوا پکا۔ سادات اور مومنین کو کثرت سے کھلوایا گیا۔ نازک ادا نے کہا ہم تو شیخ سدو کو بکرا چڑھاتے وقت وہ ضرور ستاتا ہے۔ اس پر مغلانی نے کہا۔ وہ کوئی اماموں میں تھوڑا ہی ہیں۔ ابھی چھیت میں بھی کر چکی۔ لڑکی کی شادی کی تھی۔ دو مہینے بعد بکرا شیخ سدو کی نذر کیا اور نہ کرتی تو کیا کرتی۔ دوسرے روز بڑی بیگم نے آٹے کی چوکھ بنوائی۔ مہری نے اس میں بتیاں ناڑے کی بٹی ہوئی رکھیں۔ مگر بڑی بیگم نے حکم دیا کہ کوری روئی کی بتیاں ہوں۔ ہمارے یہاں ناڑی کی بتیاں نہیں رکھتے۔ چومکھ میں گھی ڈالا گیا۔ بازار سے پیڑے منگوائے۔ سپہر آرا اور روح افزا کو تو ان باتوں کا خیال نہ تھا۔ بہار النسا بیگم اور گیتی آرا چومکھ لے کر مسجد گئیں۔ مسجد بڑی بیگم کے ایک باغ میں تھی۔ اس پر نذر دلوائی، چراغی چڑھائی۔ مسجد کے طاق کے لئے سہارے گئی تھیں۔ نذر دلواکر سوار ہوئیں اور گھر آئیں۔

روح افزا:۔ کہو باجی جان! ہو آئیں مسجد سے۔

بہار النسا:۔ ہاں یہ فرض بھی ادا ہوگیا بہن۔

روح:۔ باغ تو آج کل خوب آراستہ ہوگا۔

بہار:۔ کیا معلوم۔ رات کے وقت کون جائے۔ ہم تو بس مسجد گئے اور سوار ہوکر۔ رات کو میوہ توڑ نہیں سکتے۔ پھول توڑ نہیں سکتے۔ پھر اندھیرے میں جاکر کیا کریں۔

سپہر آرا:۔ ہم تو رات کے باپ میں پھول توڑیں۔

بہار:۔ تم بہادر رہو۔ اپنی نہ کہو۔ تم ہوئیں، روح افزا ہوئیں اور تم سب کی استاد حسن آرا ہیں۔ وہ تم دونوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں مانتیں۔

بڑی بیگم کے اعزہ میں ایک لڑکے کو جو اپنی ماں کے ساتھ ان کے ہاں مہمان تھا، کئی روز سے تپ آتی تھی۔ جب حکیم صاحب کے علاج سے خفت ہوئی تو بڑی بیگم نے کئی ٹوٹکے کئے۔ پہلے کھڑا منگواکر۔ چودہ تار گن کے اس بچے کو گلے میں ڈال دیئے۔ دوسرے روز قدرت خدا سے وہ بچہ اچھا ہوگیا اور تیسرے روز بخار نے بالکل مفارقت کی۔ اب تو بڑی بیگم اور بھی بشر ہوئیں کہا لے اب روح افزا اور حسن آرا سے کہا کہ دیکھو ہم نے ایک روز میں اچھا کر دیا کہ میری یہ باتیں آزمائی ہوئی ہیں۔ بڑوں اور بزرگوں نے کوئی بات بے سوچے سمجھے بغیر آزمائے تھوڑا ہی پسند کرلی ہے۔ حکیم جی کے علاج سے کیا ہوا۔ کچھ بھی نہیں۔ اور ہم نے چٹکیوں میں اچھا کر دیا۔ اگر یہ تدبیر نہ ہوتی تو نہ معلوم آج تک کیا ہوتا۔

روح : تو میں آپ کے خلاف کبھی کہتی ہوں۔

نازک ادا : یہ سب ان کی باتیں ہیں۔ خلاف کہتی نہیں ہو تو زبان سے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ دل سے جو بات ہو اس کی سند ہو۔

روح :۔ تو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ دل سے نہیں ہے۔

نازک : من خوب می شناسم پیران پارسا را۔

اس پر استانی جی نے ہنس کر کہا بیٹی یہ تو بڑی بیگم پر ہوتی ہے۔

من خوب می شناسم پیران پارسا را

بڑا قہقہہ پڑا اور نازک ادا نے کہا۔ جی نہیں۔ میں اس قدر بے ادب نہیں ہوں مگر بعض اوقات زبان سے بے تکی بات نکل جاتی ہے اور پیچھے پچھتانا پڑتا ہے۔

روح :۔ اچھا ہوا۔ سزا، اور ہمارے خلاف کہو۔

بڑی بیگم :۔ نہیں روح افزا تو اس قدر نہیں مگر حسن آرا کی باتیں ان معاملوں میں سنو تو بس دنیا سے نرالی ہیں۔

مغلانی :۔ حضور کیسا ہی بخار کیوں نہ ہو ٹھہر نہیں سکتا۔

مہری :۔ یہ تو ہم نے بھی آزمایا ہے کئی بار۔ کبھی فرق نہیں پڑتا۔

بہار :۔ اور ایک بات اور آزمائی ہے اگر کسی دن دو بجے یا تین بجے ضرور ضرور اٹھنا ہو تو سہل ترکیب یہ ہے کہ سوتے وقت تکیے سے کہدے کہ تکیے مجھے فلاں وقت جگا دینا۔ ہزار بار آزمایا ہے جس وقت کہا کھٹ سے اسی وقت آنکھیں کٹورا سی نکل گیئں۔

نازک :۔ تکیے سے نہیں ہمزاد سے۔ کہکے سوتی ہیں۔

روح :۔ اور اگر آنکھ سے کہدے ، کہ آنکھ آنکھ مجھے چار بجے جگا دینا تو اور بھی وقت پر آنکھ کھل جاتے۔

اس پر فرمائشی قہقہہ پڑا اور بڑی دیر تک ہنستی رہی۔ بہار النساء بولی۔ امّی جان ان سے کچھ نہ کہو۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش ہے اور دعویٰ یہ کہ ہم چوں من دیگرے نیست۔ ہمہ دانے کا دعویٰ ہے۔ ان لڑکیوں کو بڑی بیگم ان سے بہت خوش تھیں۔ بڑی تعریف کی۔ شاباش بیٹا اللہ نہ کرے کہ ان معاملوں میں تم پر بھی ان کا سایہ پڑے۔

دوسرے روز ڈھائی سیر کے دو میٹھے روٹ پکوائے۔ سوا سوا سیر کے یہ روٹ تنور میں پکواتے گئے تھے۔ ان پر نذر دلوائی، اور برداری میں بانٹے گئے۔ اور خود بھی باہم مل کر کھاتے۔ کھانا کھانے کے بعد حسن آرا بیگم اور نازک ادا بیگم اور روح افزا بیگم ایک کمرے میں علیحدہ جا کر بیٹھیں جوش و نشاء، بادہ نشاط میں باہم یوں گرم گفتار ہوتیں۔

حسن آرا : (نازک ادا سے مخاطب ہوکر) باجی جان آج کا دن تو نگوڑا پہاڑ ہی ہو گیا۔ کسی طرح کٹتے ہی نہیں آتا اللہ کب سے صبح ہوئی ہے کچھ ٹھکانا ہے۔ دن کیا ہے روم و روس کی لڑائی کا سلسلہ ہو گیا۔

نازک :- (مسکراکر) روح افزا کی طرف کنکھیوں سے دیکھتی ہوئی۔ ہاں بہن تمہاری آنکھوں میں دن کیونکر پہاڑ نہ معلوم ہو اور ابھی کیا ہے آج تو دن ہی پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔ آج کا دن گذر جانے دو، پھر دیکھنا کل کے دن کی گھڑیاں برس معلوم ہونگی

روح : (نازک اداسے) تم کل دن کی گھڑیوں کو کہتی ہو، میں کہتی ہوں دیکھئے آج کی رات خدا کیونکر کاٹتا ہے کل دن کی گھڑیاں اگر برس ہوں گی تو آج رات کے منٹ گھنٹے بھی ضرور سمجھو اور کیوں نہ ہو حق بجانب ہے ۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک

آتش شوق تیز تر گردد

حسن :- (کھسیانی ہوکر روح افزا سے مخاطب ہو کے۔) واہ باجی واہ نازک ادا تو تھیں ہی آپ اللہ رکھے ان سے بھی بڑھ گئیں۔ سچ ہے خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ بھلا ان واہیات خرافات باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کچھ فائدہ۔ اس سے تو کچھ شعر ہی پڑھو تو بہتر ہے۔

کیا شعر پڑھیں۔ اچھا تو شعر پڑھتے ہیں ۔

وعدۂ وصل چون شود نزدیک ـــــــ آتش شوق تیز تر گردد ـــــــ

روح :- (نازک اداسے) باجی جان کیا خوب شعر ہے۔ ذرا پھر پڑھنا۔

نازک :- وعدۂ وصل۔

وعدۂ وصل چون شود نزدیک ـــــــ آتش شوق تیز تر گردد ـــــــ

روح : کیا پیارا مضمون ہے میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ بس کوئی اس شعر کو پڑھتا رہے اور میں سنا کروں۔

نازک : ہاں بہن شعر تو یہ ایسا ہی ہے۔ ہمیں بھی بہت پسند ہے۔

روح : بہن چلو حیدری (ڈومنی) کو بلوائیں اور اُس سے فرمائش ہو کہ انعام لینا ہو تو اس وقت اس شعر کو گاؤ اور جہاں تک بڑھ گھٹ سکو اسی میں گھسٹو پڑھو۔

حسن :- اہو ہو ہو! کیا کہنا ہے!! ماشاء اللہ!!! دیکھنا باجی کہیں شعر پڑھتے پڑھتے دشمن چلنے نہ لگیں۔ خدا کی شان شعر کے معنی تک سمجھی نہ ہوں گی۔ یہ شعر انھیں بہت پسند ہے۔

روح :- آخر تم اتنا کیوں تنگی ہو تمہیں آخر اس شعر سے اتنی نفرت کیوں ہوتی ہے۔

نازک :- (روح افزا سے) کیا نفرت، نفرت کیسی یہ نہیں کہتی ہو کہ جوں جوں یہ شعر پڑھا جاتا ہے دوں دوں انکا شوق بڑھتا جاتا ہے۔ مگر شرمندگی مٹانے کو اتنا بھی نہ بنیں، اتنی بھی نہ بگڑیں۔

حسن :- ہم کو اور آپ بنائیں خدا کی قدرت ہے پہلے ساری محفل مل کے تو ہم کو بنالے، پھر آپ بنائیے گا۔ ہاں اس کی نوبت ہی اور ہے کہ تم کچھ کہو اور ہم تمہارا بڑا پن مان کے چپ ہو رہیں۔ جواب نہ دیں یا جان بوجھ کے شرمندہ جیسی

بن بیٹھیں ورنہ کیا آپ اور کیا روح افزا بہن اور کیا کوئی ہم ایسی بیوقوف نہیں کہ ایسی ایسی باتوں میں جھینپ جائیں۔ نہ کوئی رونے ہیں کہ ہنسی میں لڑنے لگیں یا منہ پھلاتے بیٹھیں۔ ہم نے تو ایک بات کہی تھی کہ بیکار کی دل لگی سے تو شعر شاعری کی بحث اچھی ہوتی ہے۔ تو تم نے پھر وہی ہنسی میں بات کو ڈال دیا۔

روح : ہاں صاحب جانتے ہیں کہ آپ بڑے شاعر ہیں۔ بڑے شعر فہم ہیں۔ اچھا لیجئے شعر شاعری ہی کی بحث سہی، لیجئے اب دل لگی موقوف۔ ایک خفائی غزل کا ایک مصرع پڑھتے ہیں، جب جانیں اس پر مصرع لگا دیجئے۔

حسن : بسم اللہ۔ پڑھیے ہمیں دعویٰ تو ہے نہیں، ہاں جو کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ تو لگا دیں گے۔

روح : سنیئے۔ ع:

جدائی کا تو اک دن اک برس ہے

حسن :۔ باجی تم بڑی شوخ بڑی بے باک ہو۔ یہ بات وہ بات ٹکا دھرو میرے ہاتھ۔ وہی دل لگی شروع کردی۔ مصرع بھی پڑھا ہے تو کیسا اور اس پر مصرعہ کیا لگائیں، یہ غزل تمہیں بھی یاد ہے، ہمیں بھی یاد ہے۔ تراب۔ شاہ کی غزل ہے۔ وہ جو کاکوری میں بڑے پہنچے ہوتے فقیر کا مصرعہ ہے۔ دل پر نقش ہے۔ ع

نہیں کاٹے سے کٹتی ہجر کی رات

مگر دوسرے مصرعے میں تم نے خاص میرے چھیڑنے کے لئے (دم) کی جگہ (دن) داخل کردیا۔

روح :۔ توبہ بہن یہ تو بڑی خرابی ہوتی۔ مجھے تمہاری طرح سے نکتہ چینیاں تو آتی نہیں بہن مجھے جس طرح مجھے یاد تھا، اسی طرح پڑھ دیا۔ تم نے اس میں ایک پخ لگادی۔ تمہاری سی لیاقت میں کہاں سے لاؤں کہ ہندی کی چندی کر کے تمہیں قائل کردوں۔ ہاں نازک ادا بہن۔ تم سے خوب پٹینگی۔ جیسی تم ویسی وہ۔

نازک :۔ باجی اب زیادہ نہ چھیڑو ایسا نہ ہو کہ حسن آزردہ ہو جائیں۔

روح :۔ (گالوں پر آہستہ سے تھپیڑ لگا کر) اچھا باجی تو اب توبہ ہوئی اور کچھ باتیں کرو۔

اب ادھر کا حال سنیئے کہ خواجہ صاحب بہادر آزاد کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو اور کوئی رقعہ تہنیت فارسی میں لکھوں لیکن اگر کچھ قدردانی کیجئے۔

آزاد کی طبیعت گو اس وقت شگفتہ نہ تھی لیکن خوجی کے اس فقرہ سے کسی قدر شگفتہ ہوگئی اور یوں جواب دیا۔

آزاد :۔ بھلا ہم اور قدردانی نہ کریں۔ کیا ہم سے بڑھ کے کوئی آپ کا قدردان ہے مگر ابھی تو حضور نے ابتدا میں جو رقعہ شادی میں لکھا تھا اسی کے خواص کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہیں کہ دوسرے کا کیا ذکر ہے اور صاف تو یہ ہے کہ آپ کے مضامین اور آپ کی انشا پردازی ہماری سمجھ کے مافوق ہے۔ حق یہ ہے کہ جیسے آپ لاجواب ہیں ویسی ہی آپ کی فارسی بھی لاجواب ہے۔ اے سبحان اللہ۔

آزاد کے ان کلمات سے خوجی سمجھ گئے کہ آزاد در پردہ ہمیں بناتے ہیں۔ بس بگڑ گئے اور کہنے لگے ! یوں کہنے کو جو جی چاہے کہو لیکن ہاں جس طرح ہم نے قلم برداشتہ لکھایا تھا اسی طرح لکھو تو جانیں کہ ہاں بڑے تیز ہو۔ بندہ پرور یہ حسن آرا کا عشق نہ ہوا روم روس کی لڑائی نہ ہوئی۔ حضرت فارسی کی انشاپردازی میں عمریں گذر جاتی ہیں اور آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ کردن کا استعمال کہاں ہوتا ہے، ساختن کا کہاں اور نمودن کا اس معنوں میں کن کن موقعوں پر دل لگی بازی تھوڑا ہی ہے۔ برسوں ایرانیوں کی جوتیاں سیدھی کیں ہیں۔ جب جا کے کہیں یہ ملکہ حاصل ہوا ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو جو حق فارسی ذالی ہے اس کی ابھی تک ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

جب یہ تقریر ختم ہوئی تو آزاد پاشا نے قلم برداشتہ ایک رقعہ تہنیت لکھا اور خواجہ صاحب کو سنا کر کہا دیکھئے۔ رقعہ تہنیت یوں لکھتے ہیں۔ خوجی پھڑک گئے اور ایک مہری کو وہ رقعہ دے کر کہا کہ کل نور کے تڑکے یہ رقعہ اور ہمارا خط حسن آرا بیگم کے پاس لے جا کر چپکے سے پڑھ کر سنا دو۔

دوسری صبح کو خشل دلِ عارفانِ خدا آگاہ و خدا سے حان معرفت دستگاہ نورانی تھی۔ محبوبہ یوسف لقا جانانہ نیئر ادا برج حسن آرا بیگم مرغ سحر کی آواز سن کر خوابِ ناز سے بیدار ہوئیں اور لا الہ اللہ کہہ کر بستر سے اٹھیں۔ خواصوں نے منھ دھلایا۔ وضو کر کے نماز صبح پڑھی اور حضرت فریدالدین عطار کی مناجات پڑھنے لگیں۔ اتنے میں سپہر آرا اور بہار النسا بھی بیدار ہوئیں۔ سپیدہ طلعت نشان صبح نمودار ہوا۔ حسن آرا اور روح افزا مناجات کے اشعار نازک آوازی سے پڑھتی ہوئی خانہ باغ کیطرف بصد ناز دلربا چلیں اور وہاں جا کر روشوں میں مثلِ نسیم سحر بیک خرامی کیساتھ گلگشت کرنے لگیں۔ دونوں کے دل فرخناک دونوں شوخ و چالاک، دونوں سرخوش بادہ نشاط۔ دونوں کے دامن پراز گلہائے انبساط، دونوں شاداں و خنداں، دونوں خوش و نغز الخواں۔

روح افزا نے اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں اور کہا کہ یہ شادی بھی یادگار رہے گی۔ ہمارے خاندان میں ایسی شادی کم ہوئی ہوگی کہ دولہا دلہن پہلے سے ایک دوسرے سے واقف ہوں گے۔ مگر سچ کو آنچ کیا۔ اگر ذرا سی بات کوئی سن لیتا ہے تو مدتوں طعنے دیتا ہے مگر واہ ری حسن آرا کسی نے آج تک یہ بھی نہ کہا کہ کیسی شوخ لڑکی ہے کہ بوڑھی ماں کو خبر ہی نہیں اور آزاد سے وعدہ نکاح کر لیا اور کوئی کہے تو کیوں کر کہے۔ بے درجہ بے سبب کوئی کہہ سکتا ہے۔ بھلا اس عشق کا صادق اس کا نام ہے کہ آزاد اس قدر خطروں سے بلوہ بچ گئے۔ اللہ کی عنایت سے واپس آئے۔ بہار النسا یہ باتیں سن رہی تھیں۔ انھوں نے کہا بھلا عشق صادق کے اثر کی تو قائل ہوئیں۔ کسی امر پر تو عقیدہ جما۔ سچے آدمی جو خدا اور خدا کے رسول کو تہ دل سے مانتے ہیں اور پاک پروردگار کو معبود اور حقیقی اور مسبب الاسباب جانتے ہیں ان کا قول ہے کہ اگر آگ میں پھاند پڑیں تو ممکن کہاں کہ ایک رونگٹا تک جلے خود دیکھا ہے کہ لوہے کا جلتا جلتا گولہ ہاتھ میں لے لیا اور ہاتھ کو ضرر ذرا نہ پہنچا۔ صدق دل کو خدا نے یہ رتبہ اور درجہ اعلیٰ بخشا ہے مگر تم دنیا میں کسی کو مانتی ہی نہیں۔

حسن آرا بولی۔ باجی جان ہم خدا کو اپنا خالق اور جناب رسالت مآب کو نبی اور پیغمبر خدا مانتے ہیں اور ائمہ کی تعظیم کرتی

ہیں اور جس قدر بزرگانِ دین گذر گئے ہیں ان سب کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بس باقی اگر فال کو ہم نے نہ مانا تو کون بات ہے۔ اہل حکمت خواب کو نہیں مانتے مگر کیا کوئی ان کو بے ایمان کہہ سکتا ہے اور یوں تو جس زمانے میں چیچک کا دورہ ہوتا ہے۔ اچھی اچھی پڑھی لکھی بیوی ہندوؤں کی طرح رسمیں کرتی ہیں اور ان کے گھر میں مالنیں برابر جاتی ہیں۔ پریشان حالی اور گھبراہٹ کی بات ہے، بس اور کچھ نہیں جس کو خدا نے عقل سلیم دی ہے وہ چیچک کو مرض سمجھتے ہیں اور کبھی کوئی پکا مسلمان یہ کرے گا کہ گدھے کو چنے کھلاتے۔ مگر ہاں ایک بات ہے کہ انسان کا دل بے قرار ہو جاتا ہے اور اولاد کی ممتا تو بہت بُری ہوتی ہے۔ ایک مولوی صاحب کا ذکر ہے۔ کہ ان کے نواسے کو چیچک نکلی۔ بیوی نے کہا۔ مولوی صاحب چوراہے پر جا کے گدھے کو چنے کھلاؤ۔ مولوی صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور گدھے کو لے کر چوراہے پر چنے کھلاتے۔ ان کے مرید سب بگڑ گئے اور کہا آپ نے ہم کو بھی غارت کیا۔ انھوں نے سمجھایا کہ بھائی ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔ اگر میں نہ جاتا اور لڑکا کام جاتا تو خواہ مخواہ یہ سب عورتیں مجھ کو بُرا بھلا کہتیں۔ اور یہ کلمات کفر زبان پر لاتیں کہ مولوی صاحب نے گدھے کو چنے نہ کھلاتے اسی سبب سے لڑکا کام گیا ورنہ مجھے اور اس امر کا عقیدہ:۔

اِیں خیال ست و محال ست و جنوں

اتنے میں ایک مہری آئی اور اس نے آداب کے ساتھ کہا حضور یہ کاغذ ملاحظہ فرمائیے۔ حسن آرا نے کاغذ لے کر کھولا اور پڑھا تو مسکرا کر روح افزا کو دیا۔ کہا خوجی مسخرے نے خط بھیجا ہے۔ خط پڑھ کر سنایا تو یہ عبارت تھی:۔

محذرات حسن بدیع بزرگ سلمہا ———— حسن بدیع حسب فرائش

آزاد صاحب کہ گل گلدستۂ عنایت و شوہر عروس باجمال و زیبن ست گفتہ کہ خط رقعہ زنگبین بنام محبوبۂ زنگبین بہ فرست اصلیتش بنسبت کہ میں نے ایک رقعہ بنام اربابِ قوم نسبت شریک ہوتے واسطے شادی کے لکھا تھا اور جو کہ یہ رقعہ فارسی میں تھا۔

لہٰذا آزاد کو بُرا معلوم ہوا کہ یہ اور فارسی زبان لکھے۔ لہٰذا انھوں نے بھی ایک رقعہ تہنیت لکھا اور مجھے ہدایت سراپا بلکہ سراسر افادت دی کہ حسن آرا بیگم کو لکھ بھیجو کہ ہم نے تمھاری اس قدر تعریف کی ہے یہ رقعہ آزاد نے قلم برداشتہ لکھا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

راقم خواجہ بدیع الزماں مہرور سابق
بکیدان وگلے والی پلٹن سلمہ اللہ تعالے

حسن آرا:۔ (ہنس کر) مبرور کے معنی نیک کیا گیا۔ بر کے معنی نیکی۔ مرحوم کی جگہ مبرور لکھتے ہیں۔ مردے کے لیے بے سمجھے بوجھے الفاظ استعمال کرنا بھی گدھے پن کی دلیل ہے اور پھر اپنے آپ کو سلمہ اللہ تعالیٰ لکھنا اور بھی گدھے پن کا ثبوت دیتا ہے۔ یہ مواتر کی ٹانگ مردر توڑے گا۔

روح افزا: اس میں لکھا کیا ہے آخر کچھ معلوم تو ہو؟
حسن: رقعہ شادی۔ اے وہی جو سرخ کاغذوں پر چھپنے بھی جاتا ہے۔۔۔۔ اس کے لئے آزاد نے عبارت لکھی ہے۔ رقعہ پڑھ کر سنایا۔

ہوا عبیر فشاں مست و ابر گوہر یار — جلوس گل بسپیر چمن مبارکباد
رباب نغمہ نواز ست فی ترانہ فروش — خروش زمزمہ دار انجمن مبارکباد
بزم نغمہ چنگ و رباب از زرانی — بباغ جلوۂ سبر و سمن مبارکباد

زہر دو در رقص بصد نیاز و طرف زین شادی
چرخ خم گشتہ بہ تسلیم مبارکبادی

چون قاضی قضا روح مجرد را انگبین نند رستی عقد بستہ عروس روح بہ جلوۂ تمام در حسن آرائش پیوستہ امروز در شش جہت عالم پنج نوبت طرب می نوازند و بہ نوائے جان افزامی ساز تہنیت و تہائی عالمیان بزم عیش مسازند ایر جہار نزہت بار خرگاہ گوہر نگار بر افراختہ در مین از گلہائے رنگا رنگ فرش قالین انداختہ۔ سقائے سحاب آبپاشی باران گرد کلفت از ساحت گیتی دور کردہ و فراش بہار بگشتردن بساط زرنگار ریاحین عرصہ زمین را پر نور کردہ مرغان ہمایوں فال بر ہوا برنگ طائر شوق سرگرم بال افشائے و قطرات باران بہار، بسان گوہر غلطاں پر آب و نورانی۔ کاروان صبا بار نامہائے ختن در صحن چمن عالم کشادہ و عطار نسیم عطر روح افزائے ریاحین کہانیاں در دادہ۔ زبان سبزہ را گلستان قدرت ایزدی بر زبان و گوش گل یا سماع مضامین روح افزائش سرمایہ دار دیا دکان مرغان خوش آہنگ باواز صدائے بربط و چنگ دادہ و شاہدان چمن از فرط ناز و ادا پہلو بہ پہلو ایستادہ۔ عنادل بلند صفر بہ ترتیب زیر و بم و ترنم۔ و غنچہ ہائے ناشگفتہ از ہبوب نسیم در تبسم سرد آزاد را میل تماشائے این بہار زنجیر آبروان برپانہادہ و حلقہ کمند محبتش بہ شکل طوق در گردان قمری فتادہ۔ زبان سبزہ کاشف راز جنان۔ دہان غنچہ مفسر اوراق گلستان بنفشہ از فرط مستی بپای سرو غلطیدہ و لالہ از دفور شادی در پوست نہ گنجیدہ سرخی شگوفہ ہائی بادام چشمک زن نرگس غمور ناز نینان گلفام۔ زبان سوسن آزاد بہ توصیف و حنائی سلطان بہار گویا و خطیب عندلیب بہ سبز شاخ بہ مناقب خسرو گل گرم نوا ساکنان ملاء اعلیٰ ارتازگی رمان متوجہ بسیط زمین و زہرہ بہ آہنگ رقص و سرد دیہ بتمیہ رونق افزوری محفل بہشت آئین فلک با ہزاران دیدہ تماشائی بہار و مرغ زریں خورشید بہ فرد و آمدن بال افشان اضطرار ے

جہاں زمقدم باد صبا گلستانست — زمین ز لالہ و گل رشک باغ رضوان ست

دریں چنین وقت سعیہ و ہنگام حمید کہ ماہ و مشتری را قرآن است بہ ساعت ہمایوں ترازر دز وصال، دز ماتہ فرخندہ وبتراز حصول آمال انعقاد جشن شادی و انتظام محفل وامادی عاشق دلدادہ نہ ویدے اور بند وصال

افتادہ۔ محو دیدار زیبا نگار در ایمنہ خیال مشتاق سبق خوانی صحیفۂ جمال دست پروردۂ رنج و عناد در آرمیدہ آغوش تمنا بسر جبل برہنہ پایان دادی نامُرادی پس ماندگان منازل مسرت وشادی۔ نشتر، شکستہ غمزۂ محبوبان، دلربا اور رگِ جانِ مجروحِ تیغ نگاہِ خوبانِ تغافل تو امان گرمرد، صحرائے آفت زای درد و محنت یکتہا ز میدان محشر نشان رنج و کلفت، آبلہ پائی بادیۂ وحشت زائی رنج و محن سینہ فگار پیکان دل شگاف جگر شکن۔ نور نظر آبادی و امہات عشق و محبت، لختِ جگر والدین سوزِ الفت بزم افروز یکجہتی اتحاد، گرفتارِ دام محبت، میاں آزاد کہ عمرش چون طول امل دراز و بخشش چون ہمت عالیش بلند باد باجمیلہ دو دیان دلربائی سایہ پرورد امہات رنگین ادائی کمند انگین زلف گرہ گیر در گردن عاشق سراپا اضطرار، ناوک انداز نگاہ دارد، سینہ دلہائی خستگانِ محو دیدار بہ تاب ابرو خمدار خنجر خونریز و سینۂ دل دادگانِ فرو بردہ و بہ آب تیغ نگاہ دل ہائی بسملان را لخت لخت کردہ صفوف مژگانش۔ سرجہاں ہوش و ہواس طالبان ناوک افگن بوجیوش غمزہ بر لشکر قوائے عاشقانِ تیغ زن و لہائی ملائک بہ دام محبتش اسیر و دیدہ ہائے کواکب محو دیدار رخسار پُر تنویر۔ دست نگاریش پنجۂ آفتاب را تاب واوہ در رخسار نور آگنیش داغ کلفت بر دل نا نہادہ حسن خداد ادش بندہ ہائے خدارا پابند وحلقۂ زنجیر زلف نمودہ ولہای جانفزائیش حضر را اسیر چاہ ذقن فرمودہ نزاکت بنا ہے کہ برگِ گل بر فرق نازکش بار گران ست و لطافت دستگائے کہ خوبگاہ محفل جسم لطیفش را سخت تر از خار مغیلان، از چشم نیم خوابش سرمۂ خموشی در گلوی عشاق دشور خندہ نمکنش در در اطرافِ بلا دو آفاق۔ سوادِ چین در قبضۂ زلف مشکینش و دیار سارا مسخر خط عنبر آگنیش، فرش راہش دیدۂ دیدہ دران و خاک پاکیش نور نظر صاحبان خانۂ پنجۂ نگارینش از خونِ دل مجرحانِ نیم بسمل۔ و سرمۂ چشم فتنۂ آگنیش از خاک قتیلان سوختہ دل۔ جانہای شیرین شیفتہ طرز کلامش خوبان فرخار مولای نامش، صدِ نافہ مشکِ ختن در چین زلف پیچانش دہزار عطرِ جانِ، پر در آلودہ در جیب دگر بیانش، جلوہ طرازِ وسادۂ دلبری، زینت افزای بزم خوش منظری مردیک دیدۂ عفت وحیا۔ نور العین لطافت وصبا۔ معشوقہ عاشق مزاج محبوبۂ محبت امتزاج اغینہ رنگین ادا و مخدرہ ماہ سیمائش آرا قرار پذیر فتنہ بتاریخ۔ جشن برات قعین یافتہ چشم دادست از ازباب چشم عشق و محبت اصحاب سوز و الفت وامید از ہواخواہان وفا شعار و حسن پرستانِ محو دیدار و رجا از عشقبازان صحرانشین و عاشق مزاجان رنگین و ترصّد از پیمانہ کشان خمخانۂ محبت و سرجوش زنان مصطبۂ الفت کہ بر لوحۂ دل نقش نقش تعشق نگاشتہ شیفتہ حسن حیاپر در دیدہ بر نقش پائی خوبان و دختہ در گرد محبوبان نیکو منظراند انست کہ بہ مقتضائی جوش ہمدردی و محبت و طغیان ہواخواہے و فور شفقت با قافلۂ شوق و تمنا جمیعت آرزو

ومدّعا بیشریف آدر وہ بزم شادی را زیب وزینت تازہ ونور ضیائی بے اندازہ بخشند: ؎

قدمے رنجہ نما چشم بہ راہت داریم
امی فدای کف پائے تو سر و منزل ما

رفتن منہدی از خانۂ عروس یاقوت لب پریرلو بطرف کاشانۂ داماد فرخ نہاد

بیا ساقی ای در رخت صد بہا
مے سرخ در ساغر زرنگار

بمن وہ کہ از رنج یابم فراغ
بیک جرعہ سعیٔ شوم نزد ماغ

بیا ساقی ای من سگ کوئے تو
بدہ مے کہ شاید بہ بیروی تو

شرابی کہ دل را دہد شست وشو
از وچاک خمیازہ یابد رفو

برنگی کہ برد آبروئے بہار
بہ نشۂ کہ شد خو نبہائی وخمار

دہد صبح را پرتو اد جواب
بود عطنہ شیشہ اش آفتاب

خرد گرد د از جام مے در جنوں
شفق غلط از سُرخی ادبخون

بیا ساقی آن آبجوی بہشت
درافگن بہ آں جام آتش سرشت

ازان آب دانش ہیجان سرم
بمن دہ کزاں آب آتش برم

بیا ساقی از شربت نوش و ناز
یکے شربت امیز عاشق نواز

بہ تشنہ وہ آن شربت دلفریب
کہ تشنہ نہ داروز دریا شکیب

بیا ای بخوبی قیا وا احتشام
عبث کمتر بن جذہ بردار جام

آج عروس وبر پر اس غضب کا جوبن اور ستم کا نکھار ہے کہ قاضی وعابد شیخ وزاہد تک کو نشہ مے کا خمار ہے۔ کہیں اس مست وطناز کہیں مطربیان خوش آواز نازنیناں سروکدا ور پریرویاں گلزار وبرنگ شمشاد دست نگارین مین گلدستہ ہا رنگین لئے ہوئے، ہزاران ناز خرامان دبہ نہایت اداز چمان چمان صحن خانہ میں مستی کے ساتھ جلوہ افگن ہیں۔ ؎

رخ آراستہ دستہا پر دگار
بشادی درید ند اندازہر کنار

معانہ مے لعل برداشتہ
بیاد مغان گردان افراستہ

ہمہ کارشان شوخی ودلیری
کہ افسانہ گوئی کہ افسوں کری

فرافسوں چراغے نیفروختہ
جز افسانہ چیزی نیاموختند

فرو ہشتہ گیسو مشکن پر شکن
یکے بائے کوب ویکے دست زن

دلہن کے ہاں بزم طرب بھی دلہن بنی ہوئی تھی اور محفل رشک ارم میں ایشائی سرخ کی کثرت سے گل و لالہ کھلا

کھلا ہوا تھا۔ کمرے آراستہ۔ سامان دل خواستہ۔ بانویاں بدیںزاد، روکش خوبان فرخار اور سامان شادی پر جشن جمشید و بزم فریدونی نثار۔

گلاب صفاہان و مشک طراز
سر نافہ و دستہ را کردہ باز
یکے مجلس آراست از رو در وے
کہ بینوز شرمش بر آوردہ خوے
شفق سرخ گل گشت بر سور شاہ
طبق پر شکر کرد خورشید و ماہ

معشوقہ پریزاد نازک ادا بیگم بادل شاد بار بد نژاد، ڈومنیوں سے فرمائش کرتی جاتیں اور سامعین کو بار بار وجد میں لاتی تھیں۔ دلہن کا حسن عالم آشوب و خداداد تھا۔ رشک جمال خوبان نوشاہ تھا۔ نازک ادا نے بہ کمال ناز یہ شعر پڑھے:۔

استنب ایں مجلس رنگین رحنا بندان ست
بہ خوشی ولولہ شوق چہ دو چنداں ست
دیدہ چون روشنی دست نگاریں آن ماہ
پنجہ مہر بصد رشک بخود لرزاں ست

کمرے کی دیواریں شنجرف اور گوندے اس طرح رنگی ہوئی تھیں کہ دیکھنے والوں کی نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ یہ خود بڑی بیگم کی فرمائش سے منوں شنجرف اور صرف کثیر سرمایۂ خبطہ سے رنگی گئی تھیں اور چھت گیر کے عوض گران بہار سرخ زربفت لگایا تھا اور سنہری کلابتوں کی جھالر جگمگی تھی۔ سرخ کاشانی مخمل کی کارچوبی مسند اس میں سنہری مقیشی جھالر ٹکی تھی اور تکیے سرخ مخمل کے اور ان پر کار چوبی کام بنا ہوا ؎

درخشندہ ہر سقف دالان کی
ہر دیوار جیسے چراغیان کی
کسی کو ہو جس چمن کا اشتیاق
نظر آتے وہ چمن بالائے طاق
مکانوں میں مخمل کا فرش و فروش
بخط سلیمانی اتنے پر نقوش
دیا چین و گل اس میں انواع کے
طلسمات گل اس میں انواع کے

اس پر بڑی بیگم نے یہ بات ایجاد کی کہ سرخ گر۔ بب کا ہلکا پھلکا شامیانہ نصب کیا تھا۔ اس کی جھالر بھی سنہرے بادلے کی تھی۔ سنہرا لچکا اور سنہری کرن ٹکی ہوئی۔ چنگی کا جال کیا ہوا۔ شامیانہ بڑے اہتمام بلیغ سے بنوایا گیا تھا اور سونے کی چوبیں اس میں لگی ہوئی تھیں۔ اس ایجاد کا یہ اثر ہوا کہ اور شہزادوں نے بھی ان کا تتبع کیا اور مسند کے لئے شامیانہ ہر مقام پر جاری ہو گیا۔ فرش بھی سرخ مخمل کا تھا اور کہیں پشمینے کے سرخ قالین بچھے ہوئے تھے اور کہیں ریشمی بیش قیمت سرخ دریاں زیب بزم تھیں۔ پشمینے کے غالیچوں پر عجب جوبن تھا۔ جھاڑ اور کنول اور مردنگ ہانڈیاں تب

سرخ سرخ اور سرخ ریشمی ڈوریوں اور طلائی زنجیروں سے لٹکائی گئیں تھیں۔ دیوار گیر بان سرخ شیشے کی، کمرے کو شیش محل کردیا تھا۔ خواصوں مغلانیوں، بیش جشنوں محلداروں کو سرخ گرنٹ اور گلبدن اور کمخواب نک کے جوڑے ملے تھے۔ الغرض جہاں تک نظر جاتی تھی، ہر شے سرخ ہی سرخ نظر آتی تھی اور خواتین یسیم غبغب شکر لب کے رخسار تاباں سے بزم نشاط اندر کے اکھاڑے اور پرستان پر رشک زن تھی:۔

سرو سر کردۂ خوبانِ کشمیر — صباحت از لب حبان چاشنی گیر
لب چون غنچہ لبریز تبسم — دہان راہ خندیدن در و گم
سخن از تنگی راہ دہانش — بلب می امر از اظہار جانش
لب شان گر نمی شد خندہ آلود — ملاحت تا قیامت بے نمک بود
پے نظارہ مہر از تاب آن رو — گرفتہ دست را بالائے ابرو

نزاکت بستہ موئے میانش
عدم گم گشتہ راہ دہانش

جب بانوی بلقیس مرتبت اس محفل مینو آیین اور بزم رنگین میں آئی تھی۔ اس کر و فر کو دیکھ کر یہ شعر زباں پر لائی تھی:۔ ؎

نگاہم از تماشا گشت گل گوں — بہار ایں چنیں جوں میکند خون

اتنے میں ایک سکھیاں لے کر مہربان صحن محل سرا میں آئیں اور سب کی نظر اسی رخ تھی کہ ایک شہزادی قمر طلعت زیبا اندام نازک خرام ادائے رنگینی سے اتری، اور کبک دری کو پامالِ خرام ناز کرتی ہوئی چلی۔ ان بیگم صاحب کو ہمجولیاں بانو پری کہتی تھیں۔ پہلے بڑی بیگم سے ملیں۔ بعد ازاں دلہن کے پاس آئیں۔ دلہن کو دیکھ کر مسکرا کے کہا:۔

برس پندرہ ایک کا سن و سال — نہایت حسین اور صاحب جمال
وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھاتے — وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آتے
جو کچھ چاہئے ٹھیک نک سک سے رنگ — نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ
کچھ اک تمکنت اور کچھ بانکپن — غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن
وہ ابرو کہ محراب ایوانِ حسن — جھکے شاخ نخل گلستانِ حسن
وہ رخسار نازک کہ ہو جاتے لال — اگر اس پہ بوسے کا گذرے خیال
وہ دست حنا بستہ خوبی کا باب — شفق میں جوں ہوں پنجہ آفتاب
نہیں رطب و یابس کا یاں کچھ حساب — بیاض گلو سب کے سب انتخاب

قدو قامت آفت کا ٹکڑا تمام　　　قیامت کرے جس کو جھک کر سلام
تغافل حیا ناز و عشوہ غرور　　　ہر اک اپنے موقع سے وقت ضرور
نگہ آفت و چشم عین بلا
مژہ دیں صفوں کو الٹ برملا

سپہر آرا :۔ ہاں اب نازک ادا بہن کی جواب دینے والی آ گئیں۔ برابر کی جوڑ ہے یہ کم نہ وہ کم۔
روح افزا :۔ ہاں اور صورت بھی دونوں کی ملتی ہے۔
نازک ادا :۔ کیا اچھے شعر پڑھے ہیں۔ پری بانو نے۔
روح افزا :۔ اے ان کا نام کیا ہے پری بانو پری بانو سب کہتے ہیں مگر نام تو پیارا ہے۔
نازک :۔ پیارا کیوں نہ ہو۔ ان کے میاں نے یہ نام رکھا ہے۔ پھر پیارے کا نام رکھا ہوا کیوں نہ پیارا ہو۔
پری بانو :۔ اور تمہارے میاں نے تمہارا نام کیا رکھا ہے۔ ہم تو جانتے ہیں۔ چربانک محل نام رکھا ہو گا۔
جانی بیگم :۔ کیوں پری بانو سچ کہنا کیسا کمرا سجایا ہے۔
پری :۔ بڑی بیگم بڑی ذی حوصلہ ہے۔
جانی :۔ اس وقت یہاں دو دلہنیں ہیں بتاؤ کون کون ؟
پری :۔ ایک تم دوسری حسن آرا بیگم۔ یہی دو نا۔
جانی :۔ واہ۔ تم کیا بوجھو گی بچاری عقل پڑی کہ بھینس ؟
پری :۔ ہنیں آپ بھی اپنے کو کوئی چیز سمجھتی ہیں۔
جانی :۔ ایک دلہن حسن آرا اور دوسری دلہن محفل۔
نازک :۔ اس وقت جو خوشی ہمیں ہے وہ بیان ہنیں ہو سکتی۔

تری آنکھیں ہیں دو پیمانہ مے　　　اگر اے ساقی ہیں ہم دیوانہ مے
تو پھر دل سے بھریں کیوں سرد آہیں　　　لڑیں کچھ دم نگاہوں سے نگاہیں
نشیلی دو سے ہوں جب چار آنکھیں　　　نہ جھپکیں شوق میں زنہار آنکھیں
اگر یوں بے پئے ہو جائیں سرشار　　　نہ دیں تکلیف ساغر تجھکو زنہار
چرانا آنکھ کا ساقی غضب ہے　　　مناسب مہرباں تجھ کو کب ہے
بدل ہم سے نہ دم بھر اور تیور　　　کہ رکھتے ہیں ابھی امید ساغر
پلا ایسی کہ بھولیں دو جہاں کو　　　کریں یوں زیب لب حرف بیاں کو

پری :- ہمارے ہاں ایک قلماقنی کل کہتی تھی کہ آزاد نے جوڑا پہننے سے انکار کیا تھا۔ سنا پہلے بہت رنگ لاتے تھے۔ ساچق کے زور، مگر جب بہنوں نے قسمیں دیں تو مجبور ہو کر پہننا ہی پڑا اور ربا بجے کا جوڑا پہن کے۔ جلدی سے اتار ڈالا انگریزیت مزاج میں بہت ہے۔

نازک :- بھلا ان کے حسن کی نسبت قلماقنی کیا کہتی تھی۔

پری :- کچھ نہ پوچھو اتنی تعریف کی کہ مجھے ان کے دید کا اشتیاق ہو گیا اور نکاح کے دن ضرور دیکھوں گی۔ اگر نہ آسکی تو برات تو دیکھوں ہی گی۔

نازک :- جو جاتا ہے اور جو دیکھتا ہے وہ حسن کا مداح آتا ہے اور کہتا ہے :- ؎

کیا خداداد حسن پایا ہے

پری :- شبو جاں نے اُن کی تصویر کہیں دیکھی تھی۔ وہ تصویر دیکھ کر عاشق ہو گئیں۔ کہتی تھیں ہم نے ایسا حسین جوان آج تک دیکھا ہی نہ تھا۔ ؎

چند سے خورشید چند سے مہتاب

نظر نہیں ٹھہرتی ہے رخ انور پر۔ یہ نور ہے :-

جانی :- حسن آرا اس وقت اپنے دل میں خوش ہوئی ہوں گی۔ کہ جو آتا ہے آزاد کے حسن کی تعریف کرتا ہے۔

جانی بیگم کی مہری عید دان کی گنگا جمنی۔ گڑگڑی بھر آئی تو تمام بارہ دری مہک اٹھی۔ تین سو کا حقہ پیچے ملے کا پنچہ، یاقوت کی تی گڑ ہٹ کی مہنال، عدیم المثال، کل بیگمات کی نظر اس گڑگڑی پر پڑی اور تمباکو کی خوشبو نے دماغ کو طبلۂ عطار بنا دیا۔ نازک ادا نے گڑگڑی لے کر یہ شعر ان کے کان پڑھے:-

جب سے اس بزم میں آیا ہے قدم حقے کا
حقہ کش بھنتے ہیں سب بھرتے ہیں دم حقے کا

چرخ چارم سے جو خورشید زمین پر آدے
زیر انداز ہے تیرا ہی صنم حقے کا

دانت مہنال پہ رکھتے ہو تو میں ڈرتا ہوں
اس ادا ہی میں نکل جائے نہ دم حقے کا

دم بدم بوسے یہ لیتا ہے لب جاناں کے
ہم سے دیکھا نہیں جاتا یہ ستم حقے کا

گرچہ لم تم نہ نکالو تو کہوں اک پھبتی
پیچ کا کل کے دہو اندار ہیں خم حقے کا

دسنگی جلد ابھی جاکے بنا لائے پری
حور دش تم کو جو ہو شوق بہم حقے کا

نازک ادا نے یہ اشعار پڑھ کر ایک کش لیا تو وجد کرنے لگیں۔ کہا بہن یہ کس دکان کا تمباکو ہے۔ واہ کیا بو باس ہے۔ دھوئیں کی سیاہی رشک زلف خوبان فلخ و نوشاد ہے۔ گڑگڑی پر بیزاد ہے۔ جانی بیگم۔ لو لیں تمباکو تو اچھا ہی

ہے مگر دام بھی اچھے ہیں۔ دو روپیہ سیر کا تمباکو ہے۔ اس شہر کے بڑے بڑے شہزادے دو سیر سے زیادہ نہیں پیتے۔ جو دو ایک بڑے شوقین مشہور ہیں وہ روپیہ سیر والا پیتے ہیں۔ پوچھا یہ کس دکان سے منگواتی ہو۔ کہا دکانیں تو یوں شہر میں بہت ہیں مگر سچ پوچھو تو محمد علی اور اعظم علی لکھنوی کی دکان کو ان سب سے وہی نسبت ہے جو ستاروں کو چاند سے۔ وہ ستارے ہیں تو یہ چاند۔ اس دکان کا تمباکو مہینوں کی راہ پر جاتا ہے۔ اس ملک کے جتنے نواب اور رئیس شوقین ہیں منوں تمباکو یہاں سے منگواتے ہیں اور اس کی بوباس پر عاشق ہیں لطف اس میں یہ ہے کہ اول سے آخر تک ایک ہی طرح کا دھواں آتا ہے۔ چاہے جل جاتے سوختہ ہو جاتے مگر رنگ نہیں بدلتا۔ پارسال ایک آدمی دلی سے تمباکو لایا تھا اور اسّی روپیہ تولہ بیچتا تھا۔ چھوٹی شہزادی کے مکان کے پاس دکان ہے۔

نازک :۔ (اسّی روپیہ تولہ سخت متحیر ہو کر)

جانی بیگم :۔ ہاں ہاں اسّی روپیہ تولہ۔ سیر نہیں۔

نازک :۔ اس میں کیا بات تھی۔ جواہرات کوٹ کے ملا دیتے تھے یا کوئی نسخہ ملایا تھا۔ جالینوس نے کسی ترکیب سے بنوایا تھا۔ آخر بات کیا تھی اسّی روپیہ تولہ۔

جانی :۔ بات یہ تھی کہ توے پر ایک لکیر کھینچ دی اور آگ رکھدی اور پینا شروع کیا۔ خوشبو مزہ تو منہ در تھا مگر امیروں کا چونچلا۔ جو بات اس میں ہے وہ اس میں کہاں۔ زمین آسمان کا فرق، کہاں وہ کہاں یہ۔

نازک ادا بیگم نے تمباکو کی بڑی تعریف کی اور ہجولیوں کو جو حقہ پیتی تھیں، گڑگڑی دی اور سب عش عش کرنے لگیں تو نازک ادا نے کہا بہن ہم کو بھی منگوا دیا کرو۔ جانی بیگم بولیں۔ ہمارے ہاں کارونا جاکے آٹھویں روز لاتا ہے۔

بارہ بجے شب کے مہندی روانہ ہوئی۔ محل سرا سے سوا سو کشتیاں باہر نکالی گئیں۔ ان میں دولہا کا جوڑا لگایا گیا۔ تاج مرصع مع جیغہ و سرپیچ و کلغی و پر ہما جامدانی کا انگرکھا گلنار رنگا ہوا۔ بنت اور لچکا ٹکا ہوا کریب کا جامہ، کارچوبی پٹکا اور پائجامہ، آرام پائی زردوزی اور پھندنا اور شمسہ دوشالہ خاص کشمیر کے برفن اور مسلم الثبوت کاریگروں کا بنا ہوا دور وار رومال سرخ کرنٹ کا حنا بند رنگ اور شوخی میں یاقوت سے دوچند۔ ایک طرف ناڑا رکھا گیا۔ پھول اور مقیش کی چھڑیاں۔ چپکھر دانتوں میں بدھی اور طرہ چاندی کا پان زیوروں میں نورتن رو کش درعدن پہنچ بند پیش بہار۔ دست بند اور دلڑا پیا گلوبند وغیرہ وغیرہ جب جلوس سجایا گیا تو خواجہ صاحب آن موجود ہوئے اور آتے غل مچانا شروع کیا۔ سب شے قرینے کے ساتھ لگاؤ اور انہماہ دھوم دھام سے جلوس بڑھاؤ اور خبردار زینہار بلا حکم خواجہ صاحب مشاعر وقار شاہی کے رسالدار و مدکیدان جرار یعنی بندہ بدیع سلیقہ شعار کی کوئی فرد بشر از قسم اناث و مرد و مذکر و مونث و نر و مادہ ہمراہی بغیر اجازت خواجہ درکری کام از قسم انتظام و اہتمام و انصرام نکرے ورنہ مستوجب سزائے اخراج فہمیدہ شدہ خواہد بود (اے سبحان اللہ)۔

آرائش کے تخت تھے۔ بڑے کاریگروں سے بنواتے گئے تھے جس نے دیکھا دنگ ہو گیا اور تعریف کے پل باندھ دیئے۔

۱۔ بھئی یوں تو ہر شے بے نظیر ہے مگر تخت سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ واہ واہ بڑی کاریگری کی ہے۔

۲۔ کمال صناعی ظاہر کی ہے، ہر تخت بے بدل ہے۔

۳۔ بڑا روپیہ انھوں نے بھی صرف کیا ہے صاحب۔

۴۔ بیر و مل کی سوکھی کا لطف آتا ہے۔

۵۔ دریں چہ شک۔ پھول کیسے شاداب بنے ہیں۔

۶۔ بس انتہا یہ ہے کہ سچ مچ کے پھول معلوم ہوتے ہیں۔

۷۔ معلوم ہوتا ہے ابھی کلیاں چٹکی ہیں۔ اے سبحان اللہ اور اس مرور کو دیکھئے گا۔ سرور کا بہادر کا جو یدار ہے۔

۸۔ چاندی کے تخت بڑے لطف کے بنے ہوتے ہیں۔

۹۔ ارے یار چانڈوں بازوں کے تخت کہاں ہیں؟

۱۰۔ چانڈو بازوں کا تخت کجا یہاں۔ یہاں پھول باغ سرو بہار آبشار ہاتھی گھوڑے اب کل کو آپ کہیں گے کہ شراب خواروں دھوبی کہاروں اور مدکیوں اور چرسیوں اور کنجڑوں اور بھنگڑوں کے تخت ہوں۔ کیا عقل ہے ماشاءاللہ۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ چانڈو بازوں کا تخت بھی نظر سے گذرا اور قہقہہ پڑا۔ لوگوں نے کہا دیکھیے۔

چانڈو بازوں کا تخت بھی آگیا۔ اہو ہو۔ سب کے سب اوندھے پڑے ہیں۔ بجت نگو کی طرح خود بھی دانتر حاذ گوں ہیں۔ اور ان نیکبخت کو تو دیکھیے کس لطف سے مردے کا سر زانو پر رکھے ہیں۔ دوسرا بولا اجی یہ بھی تین چار چھینٹے اڑا چکی ہوں گی۔ آنکھوں سے چانڈو بازی کا حال نظر آتا ہے مگر خدا کی قسم تصویر کھینچ دی ہے۔ کمال کے یہ معنی ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ سچ سچ چانڈو خانہ ہی ہے اور وہ دیکھئے پونڈا کس مزے سے چھیل رہے ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا بناتے یہ سامنے کیا بنا ہے۔ کئی آدمیوں نے تشخیص کی مگر ایک دبلے پتلے آدمی نے کہا۔ یار دیہ ہم بتا سکتے ہیں اور کوئی نہیں بتا سکتا۔ ہم تو خود چانڈو باز ہیں۔ یہ لونڈے کے چھلکے ہیں۔ حضرت ان کی پیٹھ ٹھونکی گئی اور بڑی تعریف ہوئی اور چانڈو باز صاحب اکڑنے لگے فرمایا دیکھئے اس شہر میں وکیل بھی ہیں اور عدالتیں بھی ہیں اور تاجر بھی ہیں اور دکانیں بھی ہیں اور سب کچھ ہیں مگر تخت ہمارا بھی بنایا گیا اور کوئی کسی کو نہیں پوچھتا:-

نمی پرسد   کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو   ایک ہو یا ڈیڑھ ہو یا پون ہو

تو سبب کیا۔ چنڈو باز تو مقبول بندگان خدا ہیں نہ۔

اتنے میں ایک تخت پر بہت بڑا ہاتھی بنا ہوا سامنے آیا۔ اس ہاتھی میں بڑی صناعی کی گئی تھی۔ اس کے بعد ترک سواروں کا تخت آیا۔ گھوڑے طاؤس دم زریں لگام تند خو آہو خرام۔

آتش مزاج وکوہ توان و ہوا نہاد گشتی گذار و بحر نورد و زمین سپر

چراگاہ این اسپ آہو شکم رمیدہ نز ہمشیرگی ارم —

ترک سوار گردانِ گردن کش، جوانان رعنا، کرتیاں سرخ بانات کی لالہ زار کھلا ہوا سر پر بانکے ترچھے خود اور انکے اوپر کلغی لگی ہوئی۔ بوٹ چڑھائے ہوئے، ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ رسالے نے اب دھاوا کیا اور اب دھاوا کیا، بانکپن اٹھاتے ہوئے بکٹٹ دوڑا ہی چاہتے ہیں۔ بعد ازاں ایک تخت پر ہوادار نظر آیا۔ آٹھ کہار ساتھ میں تین تین ادھر ادھر ہوادار اٹھائے ہیں اور ایک ایک کاندھا بدلنے کے لئے ہمراہ، ہوادار بالکل چاندی کا بنا ہوا نظر آتا تھا اور اس میں پرانے فیشن کی ایک نواب صاحب متمکن تھے۔ خدمت گار کے ہاتھ میں حقۂ پیچوان پیتے جاتے تھے۔ خدمتگاروں کی ہری ہری وردی اور لال لال پگڑیاں اور مچھلیاں دور سے بعینہٖ اصلی ہوادار ہی کا دھوکا ہوتا تھا۔ بعد ازاں ایک فنس آئی۔ مہریاں ادھر ادھر ہمراہ اور سواری کے ساتھ چار سپاہی بان کی بتیاں دستے اور ایک فقیر گویا دوڑتا ہوا ساتھ جاتا تھا۔ ایک مہری کی چتون اس درجہ تیکھی تھی کہ نقل کو اصل کر دکھایا۔ بر گویا فقیر کو ڈپٹ رہی تھی کہ در ہوئے۔ کان نہ کھا الگ الگ سواری پر کیوں پلا پڑتا ہے۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع نے للکارنا شروع کیا کہ لال مہتابیں۔ برابر روشن رکھو تاکہ چوک میں ادھر ادھر کمروں پر جھمگڑا نظر آئے۔ ہم چوک کے کمروں ہی کو تکتے ہوئے نکلے۔ اس جلوس میمنٹ مانوس کے ساتھ رنگین طبع جوان رنگیلے آدمی بہت ہیں۔ روشنی ایسی ہو کہ دن کو مات کر دے۔ روز روشن گرد برد ہو جائے یہ ہنجشاخے چڑھاؤ، ہنجشاخے والے بڑھاؤ۔ باجے بجاؤ، گھوڑوں کو چمکاؤ، ہاتھی ڈٹاؤ۔ مگر اس ہنجشاخے والے کو نہ آنے دینا خبردار خبردار کہہ رہا ہے مگر آج آئی تو ہلکو چرے ہی کاٹ ڈالوں گا۔ اس روز اس کی موت نہ تھی۔ ورنہ دم کے دم میں قتل کر ڈالتا۔ او مشعلچی ادھر مشعل لا۔ ادھر دکھا۔ دیکھو ہر سواری کے ساتھ دو دو ایک ادھر ایک ادھر مگر گھوڑوں کے ہمراہ دو دو ادھر اور دو دو ادھر چار چار مشعلچی، آگ لگا دو بازار میں سب پھکا ہوا نظر آئے۔ لالہ زار چراغانی چکا چوند ہو۔

مرجان کھے دیکھ روشنی کو

مہندی کی طرح میں پسنگا ہوں

اور جس قدر سائیس ہیں سب کو تاکید کی جاتی ہے کہ فوراً اور معاً گھوڑوں کو چمکائیں اور ہر مقام پر گھوڑے چالاکیاں دکھائیں۔

جی ابھی نکلا نہ تھا تن سے کہ وہ راہی ہوا

توسن جانان سمند عمر سے چالاک ہے

اور فیلبانوں کو حکم دو کہ دو ہاتھیوں کو ذرا آتش بازی کے پاس لے جائیں جس میں خوب بھڑکیں۔ لوگوں نے

بنانا شروع کیا۔

لوگ :۔ ہاتھی بھڑکیں تو خوب ہی لطف ہو خواجہ صاحب۔

خوجی :۔ اس سے زیادہ لطف خدا کا نام ہے جناب۔

لوگ :۔ بھلا ارشاد ہوا گر دھرے بھی جاتے۔

خوجی :۔ کیا مجال۔ دھرے جانے کی ایک ہی کہی آپ نے۔

لوگ :۔ ہاتھی بھڑکیں اور دو چار سو آدمیوں کا خون کریں اور سو دو سو بلکہ ہزار دو ہزار مجروح تو دل لگی دیکھئے۔

خو :۔ سب ہاتھی تو بگڑنے سے رہے، اگر دو تین بھی بگڑے تو کچھ پروا نہیں، دم پکڑ لوں تو ہمس نہ سکے۔

لوگ :۔ تو دم ایک ہی پکڑیئے گا اور باقی ماندہ کو کیا کیجئے گا۔

خو :۔ ایک کی دم، ایک کی سونڈ اور ایک کو ڈانٹ بتائی۔ بھلا بے بھلا خبر دار جو آگے بڑھا۔ خبر دار۔ بس مجال کیا کہ بڑھ سکے اور کیا چنگھاڑ کے منزلوں کو بھاگے۔

لوگ :۔ تو پھر ایک آدھ ہاتھی کو پیل دیکھئے نہ۔

خو :۔ نہیں صاحب آج نہیں۔ اب اپنی شادی کے دن۔

گرچہ کس بے اجل نخواہد مرد

تو مرو در دہاں اژدر ہا۔

جلوس کے ساتھ باد بہاری نے عجیب لطف دکھایا۔ بینڈ نوازوں کا اعجاز، بگل والوں کی خوش آئند آواز۔ سامنے ماہی مراتب عالیشان، ادھر اُدھر ذوالفقار، محرابے لنگردار، کلہ شیر و پیر مچھلی لٹو۔ ایک ملنگا کوس پہیاڈ کھلکتے جاتا تھا اور نقیب کی آواز دور باش و ادب سے شان اور بھی دوبالا تھی۔ سواریوں کے آگے ڈنکا بیگمات عصمت سمات اور خواتین عفت مآب سکھپال پینج کلسے لوچے پالکیوں میں سوار ادھر ادھر خواص خاص بردار مہریاں طرحدار طرار پیچھے رتھوں پر خواصین مغلانیاں۔ پیش خدمتیں، اس طرح پر دولہا کے ہاں پہنچیں۔ دولہا کی بہنیں اور بھاوجیں اور چند اور رشتہ دار بیگمات نے

کی نادرہ خانہ پیشوائی

اور حسب رواج صندل کی کھلی ٹکیوں سے مانگ بھرے۔ پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے جب سمدھنیں اتریں، تو سپہر آرا بیگم اور مبارک محل کے لوچی ڈیوڑھی تک آتے۔ اور مہریوں نے لوچے اٹھائے اور محل سرا کے اندر لائیں جب سمدھنیں بیٹھیں تو ڈومنیوں نے مبارکباد گائی اور پھر گالیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ آزاد پاشا کو جو خبر ہوئی تو بہت ہی بگڑے۔ بھاوج سے کہا از برائے خدا ان کو منع کرو۔ ہمارے گھر میں اور گالیاں۔ گو بہت ہی خفا ہوئے مگر

کسی نے ایک نہ سنی اور جب ڈومنیاں گالیاں دے چکیں تو ان کے بھسلانے کیلئے کہا اب اگر گالیوں کی آواز تمھارے کان میں آئی تو جب ہی کہنا۔ آزاد اس رسم فضول کے خلاف تھی۔ ان کو سخت افسوس ہوا مگر مجبوری تھی۔ اس روز انھوں نے مارے رنج کے مہندی کا جوڑا نہ پہنا۔ فقط تاج سر پر رکھ لیا اور فوراً اتار ڈالا۔ بہ اصرار تمام بہنوں اور بھاوجوں نے مجبور کیا کہ مہندی لگائیں اور عروس شیر۔ بن و دلبر رنگین نیا پہلے آرا بیگم نے نے اپنے پیارے۔ پیارے ہاتھوں سے داہنے ہاتھ میں مہندی لگائی اور ان کے بعد روح افزا بیگم نے دوسرے ہاتھ میں۔ سپہر آرا بیگم کو تمام عمر میں اسقدر خوشی نہیں ہوئی تھی جس قدر خوشی اس وقت ہوئی۔ جب آزاد پاشا کے ہاتھوں میں مہندی لگائی، گو آزاد پاشا کا ارادہ تھا کہ صرف ایک ہی انگلی میں مہندی لگائیں مگر سپہر آرا کے ہاتھ سے مہندی لگانا ایسا نہ تھا کہ ان کو وہ خیال آئے یا اس قدر جرأت ہو کہ ہاتھ کھینچ لیں۔ ہنسی ہنسی میں انہوں نے کہا۔ ہندوں کی دیکھا دیکھی ہم لوگوں نے بھی رسم سیکھی ہے ورنہ عجم اور عرب اور روم اور شام اور کابل اور ماوراالنہر میں مہندی لگانا کیا معنی۔ مرد کو حنا سے کیا کام۔

سپہر آرا :۔ اس طرح پر دیکھ کر کوئی ہنس نہیں سکتا۔

آزاد :۔ جب ہم اوروں کو ہنسیں گے تو وہ ہمیں کیوں نہ ہنسیں گے؟ مرد کے ہاتھ میں مہندی سخت معیوب ہے۔

سپہر :۔ جن ہاتھوں سے تم نے شمشیر چلائی اور جن ہاتھوں سے بندوق سر کی اور جن ہاتھوں سے دشمنوں کے سر قلم کئے اور جن ہاتھوں سے خنجر چلائے ان ہاتھوں کو کوئی ہنس نہیں سکتا۔ سپاہی کو کون ہنسے گا بھلا۔

روح :۔ کیا بات کہی ہے جواب دو نو جانیں؟

آزاد :۔ اب مقام غور ہے کہ جس شخص نے تلوار اور

سپہر :۔ قطع کلام ہوتا ہے۔ آج کے دن تو ہم تمھاری ایک نہ سنیں گے۔ اگر تم ذرا انکار کرتے مجھے بڑا رنج ہوتا۔ برسوں کی سختیوں اور پریشانیوں اور مصیبتوں کے بعد آج خدا نے یہ دن دکھایا ہے۔ آج جھگڑے کو نہ کر رکھو۔

روح :۔ مہندی لگانا معیوب کیوں سمجھتے ہیں؟

سپہر :۔ معیوب ہے مگر کن مردوں کے لیے؟

آزاد :۔ یہ تو مثل وہی ہوئی کہ اچھا اچھا سب ہپ بُرا بُرا تھو تھو مردم سب ایک۔ جو بات ایک مرد کے لیے معیوب ہے وہ دوسرے کے لیے کیوں نہ معیوب ہو۔

سپہر :۔ سکھ اور پنجابی جری ہوتے ہیں یا نہیں۔ پھر وہ زیور کیوں پہنتے ہیں۔ سونے کے کڑے وہ پہنیں۔ بالے وہ پہنیں۔ ان کو کون ہنس سکتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بہ زنانہ پن کے سبب سے زیور استعمال نہیں کرتے۔ ان کی جو وضع ہے وہ بانکپن اور سپہ گیری کی ہے۔

آزاد :۔ ان کے ہاں تو یہ رسم ہے کہ زیور پہنیں۔

سپہر :- (ہنس کر) اے لو یہ تمہارے ہاں کی رسم نہیں ہے۔ وہ ان کے ہاں کی رسم؛ یہ تمہارے ہاں کی رسم ہے۔

آزاد :- خیر صاحب ہم ہارے، تم سب جیت گئیں۔

سپہر :- ہم اپنے ہاتھ سے مہندی لگائیں اور تم اس پر اعتراض کرو تو بھلا رنج ہو یا نہ ہو۔

آزاد :- تو جب ہم اعتراض کریں نہ۔ ہم تو اعتراض ہی نہیں کرتے۔ تم کو اختیار ہے۔ آج ہی تو تمہارے بس ہیں ہیں۔ آزاد پاشا کی بہنوں اور بھاوجوں نے طعنے دینے شروع کیے کہ ہمارے کہنے سے نہ مانا۔ سالی کے کہنے سے فوراً مان لیا۔

سپہر :- تو یہ وجہ ہے کہ ہم سے تو پہلا ہی سابقہ ہے نا۔

بہن :- نہیں۔ یہ سبب نہیں ہے کہ پہلا ہی سابقہ ہے۔

سپہر :- ہم تو غیروں میں ہیں تم بہن ہو۔

بہن :- سالی کی محبت بہنوں سے زیادہ ہوتی ہے۔

سپہر :- اس کی شکایت ہے تو یہ شکایت ہے۔

بہن :- کل سے گھر بھر ایک طرف تھا اور یہ ایک طرف۔ کہتے تھے کہ نہ مہندی لگاؤں گا نہ جوڑا پہنوں گا مگر اس وقت چپ چپاتے ہاتھ بڑھایا۔ بے تابی کی یہ محبت ہوتی ہے۔

آزاد :- تم سے تو یہ خوف نہ تھا کہ تم بُرا مانوں گی اور یہ تو بُرا مان جائیں۔ بس یہی فرق ہے۔

سپہر :- اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم کو غیر سمجھے۔

آزاد :- چہ خوش۔ تم بھی ناخوش وہ بھی ناخوش۔

سپہر :- ہماری خوشی تو ہو گئی۔

اس کے بعد سپہر آرا اور روح افزا کو بیگ کی دو دو اشرفیاں دیں۔ سمدھنوں کو شربت پلایا اور وہ رخصت ہوئیں۔ اب باہر کا حال سنئے کہ یہاں محفل طرب بعنوان مناسب آراستہ تھی اور ایک شاعر ڈومنی اس غزل سے لوگوں کو وجد میں لائی۔

بخونِ گل بہ آیئنے کہ رای دلربا بستی	کہ دستِ صد گلستانِ را بکاکل برقضا بستی
صدائے تہنیت از عرش تا فرش زمین آمد	حنا بستی حنا بستی۔ حنا بستی، حنا بستی
بہ مثلش تند خوتی در جہاں ہرگز نمی بینم	کشایم تا گرہ را از جبین ہرگز نمی بلنیم بند قبا بستی
چمن از حسرت رنگینی ناز تو می سوزد	زدی آتش بگلشن تا بدست خود حنا بستی
فروغ طرۂ خورشید ابر خاک افگندی	بسی تا خیرۂ زر تار ای گلگو نقبا بستی

نہ بودہ شاہد دیگر یہ بیداد توای ظالم
نشکستی از جفا عہدی بہ غالب گو وفا بستی

جب عروسِ شوخ و طناز سرمست خوبی محو ناز لیلیٰ لقا حسن آرا بیگم کے پیارے پیارے گورے ہاتھوں میں مہندی لگائی گئی تو جوبن اور بھی دو چند ہوگیا۔

لطافت جلوہ آراتے بر رودش — زلال نازکی در موج آغوشش
خمار آلودہ چشم مست و بیمار — در آوردہ بگردش جام سرشار
نگہ در صید مرغ دل جو شہباز — بر آوردہ ز مژگان بال پرواز
بسی چوں مصحف یاقوت خوش حرف — شدہ از رنگ پانش مد شنجرف
مصور چوں کشد زاں چہرہ تمثال — بکنج لب گذارد نقطۂ خال
بزیبائی مستی مالیدہ دندان — چو انجم در شب تیرہ نمایان
سیاہی ہاے دندان از تبسم — شدہ در دیدۂ آئینہ مردم

درخشاں ساعدی چون شعلۂ طور
کف چون پنجۂ خورشید پُرنور،

اس شب کو آزاد نے احباب اور روسائے اولوالالباب کی دعوت بھی کی تھی اور انواع و اقسام کی اغذیہ لطیف پکوائی تھیں۔ جب حسن آرا نے اس دعوت کا ذکر سنا تو دوسرے روز قلم برداشتہ یہ چند سطور لکھیں۔

صفت۔ مائدہ گستردن۔ دستر خوان کشیدن بخورش ہائے گوناگوں شیریں کلاماں پختہ سخن خوان گفتار، زانمکدان معنی حسن آراستہ اند، کہ چون کردہ نفقانِ خورشید از پیسیدۂ صبح شیرِیال گردید وشیلا پچی کہ ہنجم کش ہفت خوان بود۔ طبقہ ندیجان نمکشناس راطلبیدہ، و تا بر سر دستر خوان حاضری جویندہ آنکہ از مائدہ نعمت اد بہرۂ وافر برند۔ آفتاب ردیان آفتابہ دار آب داستان آوردند بہ آب داستانِ ششتند و بریں آب دستان کردند عقب۔ آن بیشکاران در صحن مجلس بہشت آیین، خوان کشیدند، و مائدہ الوان نعم درمیان آوردند۔ از ہر سو صدای حی علی المائدہ بلند بود و بگوش ارباب مذاق کلوا واشربوا اول پسند۔

خوانی آراستہ چو صحن بہشت
مائدہ جان فزا و روح سرشت

قرص چون روی محبوبان گندم گوی دلفریبی کردا۔ شکنہ چو خوبان نمکین شائستہ مذاق آمد سمبوسہ زا سعادت بہ تثلیث دست دادہ۔ گردہ سرمایۂ لذت گرد گردو شیرمال باوجود شیرخوارگی پختگی اظہار کرد کہ سنگ پشت از بردباری

سنگ خوشنمود ؎

مایهٔ نان چو پنجهٔ کشش افزود — پنجه از قرص آفتاب ربود

نان خمیر که از آب کوثر خمیر کرده بودند چنان نرم و بامزه بود و دهن‌ها و مزه‌ها اظهار مینمود. لوزینه موجب زینت خوان گردید مغزی حاشیهٔ سفره را آرایش بخشید آب دندان حریف آب دندان شد پشتک مغزی سن قندرا مویمو شرح داد کعب غزال دلها را لقید خویش نهاد، ساق عروسان جانها را پابند خود ساخت. مقراضی شکر خندهٔ خیال، شیرین لبان از دل درباخت. دماغ کلهٔ سر بلند شد، و مایهٔ نهار ے پنیر مایهٔ چنان که در ذائقهٔ شیرین و نمکین بود خسرو منشا زادل پسند.

زان خورشهای حلاوت آمود

کام امید همه شیرین بود

عسل که آیت حلاوت در شان اوست نوش دارو ے جانها گشت زبده که خلاصه خوشهاشت وربردن دلها چرب دستی مینمود، شیر همشیر لبن من ابنار مصفی بود سفید کاری خود آشکار گردانید و پنیر اداهای نمکین سر کرده شکوهٔ تلخ ارباب ذائقه را بشکر رسانید، حلوه سوهان دندان شکر شکنان را تیره ساخت، چرب دستان چنگ در خوردن روندو مالیده را به چرب دستی تمام مالشها دادند.

ذائقه سنجان حلاوت اثر

گشت همه چرب تر از یک دگر

رشتهٔ ماهیچه چون رشتهٔ جان لشیرینی موصوف گردید. قبولی مقبول طبائع گشت. مزعفر و چینی و پیر پیچ و جمله اقسام برنجی سر رشتهٔ حلاوت بر برنج به چنگ آورده. دو پیازه به نمکینی اداها از رعشهٔ ظهور خمیر زد و کوفته کوفت از دلها. بدرم دو بر برنج زرده چنان برنگ زعفران سبق برده که گوئی زرده و ربی پیشکش زردروئی کرده و سفیده که بهر تر بخشش. مانند نخنان شیرین کار ملاحت بذائقه افزود و با سفیدی و مثل سفیدی دندان پریوشان چهره روشن نمودار نموده.

ملاحت هم نمک پرورده او

بالجمله چون کارگزاران خوان برداشتند برگ تنبول از بهر رنگین ساختن مجلس بهره برداشت.

نه پان مشک و جان سخن پروران

عقیق سهیل لب دلبران

هر یکے از مجلس نشینان ابریشم از بیره تنبول کشادند تو گوئی بستم از میان سبزان زنار گسیختند و چون راک از

برگِ پان بیرون کشیدند پنداری به بیرنگ موئی از مینا برآوردند ولال لبها شفق گون گردید گویی دندان همرنگ دانهٔ مرجانِ گردانید.

دهان از رنگ و بوی برگ تنبول
برنگ غنچه شد رنگین و بویا

نیام ایزدچه تنبول گلگونه کش لبهای پریرخان بود چونه از سفید کاری خود را پیشش او سفید کرده و فوفل از جانسپاری دردل جای ساخته ظرفه زمردی که سمونش هم وارید را دربغل گرفته و عجب طوطی که بیبنه باز را در شکم پنهان کرده

طراوت را ازو گردد چمن سبز
شود ناگفته در وصفش سخن سبز

به لعل دلفریب نوشخندان
جز او نبود حریف آب دندان

بود بازار رنگ از رنگ او تیز
که برگش آب یاقوت ست لبریز

ازان در تازه روئی خون بهارست
که چون نوشید نش رسم و شعارست

شود آخر رخ او زعفرانی
بی گل میکند خون نهانی

بود او خضر و سرسبزی زکانش
لب نوشین لبان آب حیاتش

شده آئین شناش بزم سازی
به خوبان کرد طرح بوسه بازی

زرنگش لعل خوبان را بود قوت
خط ریحان او سر خط یاقوت

از اول سبز بختش بود اگر نام
شد آخر سرخ رو از حسن انجام

زبان گل چیں شود از صحبت او
سخن رنگین شود از مدحت او

زبس راندم سخن از حسن آن سبز
زبان چون بسته ام شد در دهان سبز

بوصفش معنی سنجیده بستم
طلسم بیره اش پیچیده بستم

چون رنگین طبعانِ ظراوت نشان لطافت توامان از دست کارکنان خنده جبین اول این بیت خوانده مذاق ظاهر و باطن را صفائی بخشیدند.

ز برگِ فیضش پان ممنون احسان مو بمو گشتم
به باطن قوت دل شد به ظاهر سرخرو گشتم

بکمال خنده روئی و سرخروئی لطیفه های روح افزا و بذله های لطیف و فرح را دلچسپ برگزیده با هم گویان و به کمال

خوش وقتی مانند نذر و قہقہہ زنان، ہمچو مہوشان آزاد روش خندہ کناں در سخناں پیوستند و تا در دولت عروس کہ حور العین از لب بشیریں اوشکر خور دلبصد ناز و اندازا احرام کعبۂ حرم و لبستند دیدند چہ دیدند در بادی النظر آثار جزمے دیبا کاشانۂ دولت مدار بہشت شعار بہ ایں مضمون گزیدند۔

رہے صفائی عمارت کہ در تماشا ئیش

بہ دیدہ باز نگر دو نگاہ از دیوار

یہ عبارت حسن آرا نے خوشخط لکھ کر آزاد کے پاس بھیجی۔ پیر مرد نے جا کر سلام کیا اور کہا حسن آرا بیگم نے ایک تحفہ بھیجا ہے آزاد نے مسکرا کر خط لیا لفافہ کھولا تو وہ عبارت نظر سے گذری۔ نہایت مسرور و محظوظ ہوئے۔

آزاد :- سبحان اللہ، سبحان اللہ کیا خوب عبارت ہے۔

پیر مرد :- حضور اس رقعۂ تہنیت کا جواب دیا ہے۔

آزاد :- (مسکرا کر) ہاں یہ کیسے۔ خیر، بہتر

پیر مرد :- ہے کچھ عبارت عمدہ یا نہیں۔

آزاد :- کیا کہنا۔ نہایت عمدہ عبارت۔ فقرے چست و درست۔ ع

ہاتف آورد ایں سخن یا جبرئیل

گشتہ با عندلیباں ہم صفیر وہ چہ خوش گفتی کلام بے نظیر

طرز ایجاد و نشر فش دمبدم در جہاں وحدت افرار و علم

بارک اللہ غنچۂ سر بستہ ایست

وہ غلط گفتم عجب گلدستہ ایست

یہ اشعار لکھ کر اس کے جواب میں بھیجے اور اپنے ایک دلی دوست سے کہا۔ یہ عبارت آپ کے نزدیک کیسی ہے۔ ان کے دوست نے بڑی تعریف کی۔

آزاد :- یہ حسن آرا بیگم کی طبع مواج کا لہرا ہے۔

دوست :- واللہ۔ اللہ اکبر۔ بڑی طبیعت دار ہیں۔

آزاد :- اب طبیعت داری کا حال تو ظاہر ہے۔

دوست :- مگر آپ کو یقین ہے کہ ضرور انھیں کا لکھا ہوا ہے۔

آزاد :- ایں بادریں چہ شک۔ اس میں کیا فرق ہے۔

دوست :- پان کا تلازمہ بھی خوب لکھا ہے۔

زبرگ پان چہ چان ممنون احسان مو بمو گشتم
بہ باطن قوتِ دل شد بہ ظاہر سرخرو گشتم

کیا خوب شعر ہے۔ شکر ہے کہ اس ملک میں ایسی خاتون طبیعت دار بھی ہیں ہر گو دو ہی ایک بلکہ شاید دوسرے کوئی نہ نکلے یہ تو بے نظیر ہیں۔ کیا حسین کلام ہے۔

پیرمردنے جواب لیا اور گھر آن کر کہا کہ بڑی تعریف کی اور یہ جواب دیا ہے۔ حسن آرا نے کاغذ کھولا اور اشعار توصیف پڑھ کر مسکرائیں۔ پوچھا وہاں کوئی اور بھی تھا کہا ہاں ایک ان کے دوست تھے۔ وہ بڑے مداح تھے۔

دوسرے روز بھی محل میں دھما چوکڑی مچی اور اصنام نازک اندام و مہرویاں گلفام خانہ باغ میں دو تین گھڑی دن رہے سیر اور گلگشت کرنے لگیں۔

سماں قمریاں دیکھ اس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا
دو ادائیاں اور مغلانیاں
پھریں ہر طرف اس میں جلوہ کناں
خواصوں کا اور لونڈیوں کا ہجوم
محل کی وہ چہلیں وہ آپس کی دھوم
تکلف کے پہنیں پھرین سب لباس
رہیں ان دنوں حسن آرا کے پاس
رنگیلی کوئی اور کوئی شام روپ
کوئی چت لگن اور کوئی کام روپ
کوئی کیتکی اور کوئی گلاب
کوئی مہر تن اور کوئی ماہتاب
کوئی سیوتی اور ہنس مکھ کوئی
کوئی دل لگن اور تن سکھ کوئی
کہیں چٹکیاں اور کہیں تالیاں
کہیں قہقہے اور کہیں گالیاں

ادھر اور ادھر آتی جاتی تھیں وہ
بصد ناز جوبن دکھاتی تھیں وہ

ان بتان جادو جمال اور لعبتیان زہرہ تمثال نے گلشن کو نہال کر دیا تھا۔ کوئی روش ایسی نہ تھی جس میں دس بارہ کم سن اور نازک بدن اور متوالی پریاں مستی کے ساتھ جھومتی نہ ہوں اور چونکہ جیش و نشاط کی گرم بازی تھی۔ کم سنی اور سیہ مستی نے اور بھی گدگدایا تھا۔ ہر پری پیکر ایک نئی ادا اور انداز دکھاتی تھی۔ کوئی دلربائی میں طاق ــــ کوئی کج ادائی میں شہرۂ آفاق، کسی کو غرور حسن و جمال کسی کو لگاوٹ بازی میں کمال، کوئی مست بادہ جوانی، کوئی قمری سر و دستان نکتہ دانی، کوئی بذلہ سنج حاضر جواب، کوئی تیز طبیعت، لطیفہ گوئی میں انتخاب۔ کوئی مہر سپہر صباحت کوئی بدر منیر آسمان ملاحت کوئی سرمست خوبی۔ کوئی طوطی نوبہار محبوبی، کوئی بادۂ نوجوانی کے نشے میں چور، کوئی بے پئے مخمور، کوئی دل لگی باز کوئی زبان دراز، کوئی مصروف ترنم و ترانہ، کسی کی زبان پر اشعار عاشقانہ ہے

گلابی پھول سے ساقی رہو گلرنگ — کہ دل کو نظم رنگین کا ہے آہنگ
وہ لائی رنگِ چرخ آبنوشی — بنے یہ بزم مے بزم عروسے
دلہن کا حسن درخشت زرد کھائی — یہ باہر خلوت شیشہ سے آتے
لب ساغر ہوں ہم رنگ گل تر — کھلیں شمشیر موج مے کے جوہر
پڑے چورنگ کا پھر ہاتھ ساقی — ہے تسمہ گردن مینا میں باقی
بط مے ہے شکارِ ناوکِ شوق — زباں کو ہے شراب نظم کا ذوق۔

نازک ادا:۔ اللہ جانے اس کالے پانی میں خدا نے کیا تاثیر بخشی ہے۔ جسے دیکھو اس کا عاشق ہے۔ یہ عذر تو وہ دامق ہے۔ لسان الغیب حافظ شیر از میدانِ سخن کے یکہ تاز تھے مگر پیر مغاں کے ہمدم و ہمساز تھے اور شاعری تو اس کے بغیر محال ہے۔ شاعر بادہ گسار نہ ہو یہ خواب و خیال ہے۔

پلا ساقیا آب پیر مغاں
کہ بھولے مجھے سرد و گرم جہاں

یا خدا اس مردار پر لوگ کیوں مٹے ہیں۔

جانی بیگم:۔ بہن۔ رع رنگ بدلتا نظر آتا ہے خدا خیر کرے۔ تعریف یدڈصب کی۔ اس میں کوئی فی ضرور ہے۔ اللہ تم کو بچائے۔

نازک:۔ جس طبیعت میں گداز نہیں وہ کیا۔ کچھ نہیں۔

جانی:۔ کیا خواجہ حافظ صاحب نے مرنے کے بعد بھی رنگ جمایا۔ ایسا نہ ہو آس پاس کے لوگ اڑوسی پڑوسی حرف رکھیں۔

نازک:۔ (نہایت استغنا اور بے پروائی کے ساتھ!)

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلان
مانمی خواہیم ننگ و نام را

ہم کو ایک رات اس وقت یاد آتی۔ ہے ہے بہن ناکردہ کاری بھی کیا بری چیز ہے۔ عجیب قیامت کی رات تھی۔

—۔ شبِ گہوارۂ روز قیامت — کزو چون دوش انگیز ندقامت
برنگِ آہ عاشق پیچ در پیچ — شکنج تار و سواس ودگر ہیچ

جانی:۔ اس وقت یہ خیال کیوں آیا بہن۔ کوئی سبب خاص ضرور ہے ہرگز نہ مانوں گی۔

نازک:۔ حافظ کا ذکر جو ہوا تو مجھے یہ شعر یاد آیا۔ ع

گرچہ بدنامی ست نزد عاشقاں ۔۔۔ ۔۔۔ اخ اور اسی کے ساتھ اس شعر کا خیال آگیا۔

اے صنم بند قبا را باز کن ۔۔۔ شوق با افزاید از پہلوی تو

اتنے میں ایک ڈومنی نے آن کر کہا: حضور نے کچھ دینے کو فرمایا تھا۔ وعدہ وفا ہو۔ ہم لوگ اسی دن کے منتظر رہتے ہیں۔

کہاں میرا مجرا ہے اب لائیے
جو دینا کہا تھا سو دلوائیے

نازک ادا بیگم نے کہا ہم باھسر تھوڑا ہی ہیں، جو قول ہارے اس کا خیال ہر دم رہتا ہے اور تمہارے انعام میں بھلا کسر کر سکتا ہے۔ یہ کہہ کر ایک خواص کو اشارہ کیا اور اسے اسی دم ایک اشرفی ڈومنی کو انعام دی۔ ڈومنی نے اشرفی لے کر سلام کیا اور دعائیں دینے لگی۔ نازک ادا بولیں تم نے اس وقت ہمیں خوش کر دیا۔ ہماری فرمائش کو اس طرح پر ادا کیا کہ باید و شاید جی خوش ہو گیا۔ ڈومنی نے پھر جھک کر سلام کیا اور کہا حضور کے خوش کرنے کی، تو لیاقت نہیں ہے اور نہ اس قدر کا ریاض کیا ہے کہ دعویٰ کر کے بیٹھوں کہ حضور کو خوش کر دوں گی باقی ہاں حضور کا اقبال اور بن پڑے کی بات ہے۔ کئی ڈومنیوں نے نازک ادا بیگم کی تعریف کی اور کہا حضور کی پرورش کرنا بھی امر محال ہے۔

مہندی کے دوسرے دن سب کو دو بجے کے وقت کچھ کھٹکا سا ہوا۔ قلماقنی جو پہرے پر تھی اس نے غل مچا کر کہا۔ کون ہے ارے کون ہے۔ اتنا کہنا تھا کہ اندر باہر جاگ ہو گئی۔ اور سب کے سب بیدار ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ قلماقنی سے پوچھا کہ کس قسم کا کھٹکا ہوا تھا۔ بیان کیا کہ پورب کی ایک شہ نشین میں آدمی نظر آیا۔ چپ چاپ اور آدمی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی تو میں اس طرف گئی۔ وہاں کی جبشن پہرے پر اونگ گئی تھی۔ جیسے ہی میں وہاں پہنچی یہ معلوم ہوا کہ کسی نے قہقہہ لگایا۔ میرا پاؤں آگے نہ بڑھا۔ مگر میں وہاں سے ہلی نہیں۔ اتنے میں جاگ ہو گئی۔ جب یہ حال معلوم ہوا تو اب شہ نشین کی طرف کوئی رخ نہیں کرتا۔ خوف معلوم ہوتا ہے کہ مبادا چور ہو اور ہاتھ چلا بیٹھے۔ لہذا باہر سے خورشید دولہا اور زمینی کے مرزا صاحب اور چار پانچ سپاہی مسلح ہو کر آتے اور شہ نشین کی سمت جانے لگے۔ شہ نشین کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک گوشہ سے پھر قہقہے کی آواز آئی اور یہ ذرا ٹھہر گئے کہ اتنے میں کسی نے ناک سے غنغنا کر کہا خبردار۔ اندھر کیں طرف نہ آہان) یعنی خبردار ادھر کی طرف نہ آنا۔ بہار النساء بیگم نے کوٹھے پر سے کہا۔ یہ تو روح افزا کی سی آواز ہے اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ آخر کار قلماقنی آگے بڑھی اور ہنس کر بولی۔ واہ حضور گھر میں خدانخواستہ تہلکہ ڈال دیا۔ نواب صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا حضور آرام فرمائیں صرف مذاق ہی مذاق تھا۔

نواب صاحب اور مرزا صاحب اور سپاہی باہر گئے ادر ادہر روح افزا اور نازک ادا اور گیتی آرا کھلکھلاتی ہوئی گوشہ نشین سے باہر آئیں۔ معلوم ہوا کہ گیہر و گھول کے کئی۔ مہریوں اور حبشنوں کے منہ بے خبری میں رنگے تھے اور اب پہرے والی کی فکر میں تھیں کہ اتفاق سے اس میں رہ گئیں۔

بڑی بیگم: واہ وا۔ کوئی بچہ ہو تو خیر کہیں اس نے ہنسی کی۔ ماشاءاللہ سن تمیز کو پہنچی ہو مگر لڑکپن نہیں جاتا۔

روح افزا: امی جان یہ پہرے والیاں سب اونگا کرتی ہیں۔ ان پر کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ یہ سب خراٹے لے رہی تھیں۔ ایک نہیں جاگتی تھی۔

قلماقنی: حضور اگر میں سو گئی ہوتی تو جاگ کیوں کر ہوتی۔ جیسے آہٹ پائی کہ غل مچادیا کہ چور ہے چور۔

روح: ہم ایک گھنٹہ بھر سے یہاں ہیں اور جو طرفہ بارہ درے میں ہو آئے، منکا تک نہیں۔

گیتی آرا: میں نے ان کو منع کیا تھا مگر یہ سنتی کب ہیں؟

روح: بس بہن۔ یہ جھوٹ ہی تو برا معلوم ہوتا ہے۔

گیتی: اچھا گیہر و کس نے پیسا اور کس نے گھولا تھا۔

روح: تمہاری مہری نے پیسا اور اسی نے گھولا۔

اب سنئے کہ جن جن کے منہ رہ گئے تھے جب ان کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت ہی جھینپیں اور دو ایک بڑی بیگم صاحب کے پاس گئیں اور کہا حضور سرخرو ہوتے۔ مہندی کے دوسرے دن روح افزا بیگم صاحب نے منہ پر گیہر و ملا۔ انھوں نے آہستہ کہا۔ روح افزا کو تو ان باتوں کا خیال بھی نہیں ہے۔ یہ سب نازک ادا کے ہتھکنڈے ہیں مگر چلو خیر ان کی خوشی۔ جب ہمارا ان کا سا سن تھا تب ہم بھی یہی چہلیں کرتے تھے۔ یہاں تک تو خیریت تھی کہ مہریوں اور حبشنوں کے منہ پر گیہرو پھر اگیا۔

اب سنئے کہ جانی بیگم جو یہ آواز اور شور و غل سن کر اٹھیں اور ہجولیوں کی ان پر نظر پڑی تو اور بھی قہقہے پڑنے لگے۔

جانی: یہ آج ماجرا کیا ہے۔ محفل زعفران کا کھیت بنا ہوا ہے۔ ہر کوئی دیوار قہقہہ ہے۔

روح: گھبراؤ نہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔

نازک: جس سے ڈری وہی منہ پر آیا۔

گیتی: جانی بیگم کو منہ دیکھنے کی محبت ہے بس۔

سپہر آرا: اچھا گل کھلا۔ کچھ بسنت کی بھی خبر ہے۔

جانی: کیا یاقوتی کسی نے کھلادی۔ یہ ہے کیا۔

سپہر: ہم نے یاقوت اور تم نے منہ کی کھاتی ہے۔

گیتی :۔ یہ منھ ۔ (اشارہ کر کے) یہ منہ کھلئے پر جولائی۔

نازک :۔ کوئی بتاؤ نہیں ۔ خبردار جو کوئی بتائے۔

مبارک محل :۔ کچھ اپنے چہرے کی بھی خبر ہے۔

نازک :۔ (قہقہہ لگا کر) تم اپنے چہرے کی تو خبر لو۔

اتنے میں جانی بیگم کی نظر مبارک محل پر پڑی تو انہوں نے فرمائشی قہقہہ لگایا اور ادھر مبارک محل نے ان کو ہنسنا شروع کیا اور یہ نہیں معلوم کہ دونوں ایک ہی رنگ میں ہیں۔ جب ہی نازک ادا بیگم نے قہقہہ لگا کر کہا تھا کہ تم اپنے منہ کی تو خبر لو۔ جب جانی بیگم نے مبارک محل کے ایک رخسارے کو رنگا ہوا دیکھا تو کہا بہن مبارک ہو اس پر مبارک محل بسر ہوئیں اور بولیں ۔ گال پر ہاتھ پھیر اتو، سرخ ہو گیا۔ آئینہ کے پاس جا کر دیکھتی ہیں تو رخسار پر چپ رنگا ہوا ۔ آئینہ اٹھا کر جانی بیگم کو دکھایا اور اسقدر قہقہے پر قہقہہ پڑا کہ بارہ دری گونجنے لگی۔ آخر کار بڑی بیگم صاحب کے خوف سے قہقہہ بازی موقوف ہوئی اور جس جس کے چہرے رنگ گئے تھے انھوں نے منہ دھو ڈالا۔ جانی بیگم کی تو رگ رگ میں شوخی اور چلبلاہٹ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔ اس وقت تو سو رہیں مگر تڑکا ہوتے ہی بکی ہو ہو کر باتیں کرنے لگیں۔ اچھا کیا۔ مضائقہ ہے خیر مگر اچھے گھر بیعانہ دیا۔ آج رات تو ہونے دو۔ انشاء اللہ ! ایسا بدلہ لوں گی کہ یاد ہی کریں۔ جانی کہاں ہیں مجھکو کوئی وہ سمجھی ہیں، نازک ادا نے ہنس کر کہا۔ ہم دروازے بند کر کے سو رہیں گے ۔ پھر کوئی کیا کرے گا۔ جانی بیگم بولیں۔ ع جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے ۔ ہم سوچتے تھے کہ یا اللہ یہ کس کی عنایت ہے ۔ بارے اتنا تو معلوم ہو گیا۔ دروازہ بند کر کے سوئے کوئی بیادس من کا قفل ہو۔ ہم اس سیاہی سے منہ رنگیں گے۔ جس سے جوتے صاف کئے جاتے ہیں بڑھئی کو بلایا ہو تو سہی دروازہ چیر ڈالے، قفل توڑ ڈالے۔ چھت کاٹے دیکھو تو کیا ہوگا۔ نازک ادا نے کہا بہن از برائے خدا معاف کرو ۔ دو گھڑی کی دل لگی تھی اگر تم بڑھیں تو بڑی بیگم کو خلاف ہوگا اور یوں ہم حاضر ہیں جوتوں کا ہار گلے میں ڈال دو ۔ بڑی دیر کے بعد جانی بیگم نے کہا اچھا ہم نے معاف کیا۔ اگر اتنی لجاجت اور منت وسماجت نہ کرتیں تو ہم ہرگز نہ مانتے۔

الغرض مہندی کی رسم بڑی بیگم کی خاطر خواہ بڑی دھوم سے انجام کو پہنچی اور اب برات کے دن کی تیاریاں ہونے لگیں ۔ ایک عورت نے بیان کیا کہ کل دولھا کے ہاں شہر کے سب مولوی جمع ہوں گے اور ان کی بڑی تعریفیں کریں گے۔

بڑی بیگم نے ہنس کر جواب دیا ۔ دولھا کا باوا آدم ہی نرالا ہے جو بات سنتی ہوں دنیا سے نرالی اور ساری خدائی سے انوکھی کہو ابھی مولویوں کے جمع ہونے کی کون سی ضرورت ہے۔ نکاح تو ہو لینے دیکھئے مگر کون کہے جس بات کو ان کے بزرگ اُن کی ماں بہنوں نے جائز رکھا اس میں ہم کون دخل دینے والے بھلا یہ بھی کہیں سنا ہے کہ دولہا مانجھے کے کپڑے نہ پہنے۔ مہندی کے دن جوڑے کے عوض ٹوپی دے لی، واہ اور سنا وہ اس کو سوانگ بتاتا ہے۔ کہا ہم سوانگ نہیں بننا چاہتے ۔ یہ روح افزا بولی ۔ امی جان سچ تو یہ ہے کہ دولھا مانجھے کے کپڑے پہن کر سچ مچ سوانگ

ہی بن جاتا ہے۔

نازک:۔ سارے دنیا کے دولہا مانجھے کے کپڑے پہنتے ہیں۔

روح:۔ ساری دنیا کے آدمی نہ کہو، اس شہر کے امیروں کا چوچلا ہے۔ اور تو کوئی قوم ایسی نہیں ہے۔

نازک:۔ سب میں دولہا کو خلعت پہنایا جاتا ہے۔ ہندو مسلمان سب کے ہاں کا قاعدہ ہے وہ دولہا کیا جس سے اور لوگوں سے فرق نہ معلوم ہو۔

روح:۔ انگریزوں میں کہاں یہ رسم ہے بھلا۔

بڑی بیگم:۔ اے ہے تو وہ اور ملک کے ہم اور ملک کے۔

روح:۔ تو مسلمانوں کے کس ملک کی رسم ہے۔

بڑی:۔ اب تو جہاں ہو وہاں کی رسم کی پابندی کرو۔

نازک:۔ اور وہ کون ملک ہے جہاں دولہا ننگا رہتا ہے۔ یا برات کے دن اس کو قیمتی خلعت یا لباس نہیں پہنایا جاتا ہے ہر ملکے وہر رسمے۔

با ہمیں مرو ماں بباید ساخت

چہ تو انکر دم دمان آ تبند

اب تو ہندو مسلمانوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس جھگڑے کا تصفیہ استانی جی کی رائے پر چھوڑا گیا۔ انہوں نے بسہولت تمام جواب دیا کہ ہم کو تو خود یہ رسم اچھی نہیں معلوم ہوتی مگر یہاں کے امیرزادوں میں کیسا ہی شرعی آدمی کیوں نہ ہو۔ عورتیں ایک نہ مانیں گی۔ ہزاروں لاکھوں قسمیں دیں۔ خفا ہوں بگڑ جائیں، دولہا کو پہننا ہی پڑے گا اور شرع کی پابندی تو بہت مشکل ہے۔ رسم ریت کی پابندی البتہ مقدم ہے میں نہیں جانتی کہ یہ اس مانجھے کے جوڑی پر لوگ اس قدر کیوں لٹو ہیں۔ خاصی اچھی بھلی چنگی صورت کو شیملے سے بگاڑ دینا کون عقل کی بات ہے۔ گڈا بنانا اس سے فائدہ کیا۔ آزاد تو بڑے فہمیدہ ہیں۔ مگر ان پر کوئی ایسا ہی زور ڈالا گیا ہوگا جب انہوں نے مجبور ہو کر مانجھے کا جوڑا پہنا ورنہ وہ ایک ماننے والے نہ تھے۔

نازک:۔ اے لو یہ بھی روح افزا کی طرف ہو گئیں۔

روح:۔ نہیں تمہاری کہیں جس کا سر نہ پیر۔

سپہر:۔ مہندی لگانے پر بھی وہاں بڑے بڑے جھگڑے ہوئے تھے مگر کچھ پھر بولی نہیں۔ ان کی بہنوں اور بھاوجوں نے بڑے طعنے دئے کہ سالیوں کے ہاتھ سے مہندی لگائی اور ہم سے کہتے تھے کہ کیا مجال جو سوائے چھنگلیا کے اور کسی انگلی میں مہندی چھو بھی جائے۔

استانی جی :۔ ہمیں بڑی حیرت ہے کہ کیوں کر مان گئے۔

روح :۔ آپ کو۔ ای سب کو تعجب ہے اس بات کا۔

سپہر :۔ اِس کے کئی سبب ہیں۔ استانی جی یہ وجہ نہیں ہے۔

نازک :۔ اب دیکھیں برات کے دن کچھ سوانگ لاتی ہیں۔ یا نہیں۔ اب کیا کہیں گے۔ یہ خلعت پہنے ہوئے آنے نہ پائیں گے اور کہیں بھی ایسا ہوا ہے۔

اب ایک نیا حال سنیئے کہ آزاد پاشا مہندی کے دوسرے روز بارہ دری میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر سلام کیا۔ اور خواجہ صاحب سے کہا کہ اگر مضائقہ نہ ہو تو ہم آزاد پاشا صاحب سے کچھ عرض کریں۔ پوچھا آپ کون صاحب ہیں۔ کہا مجھے خواجہ محمد اسمٰعیل کہتے ہیں۔ آزاد نے ان کو اجازت دی کہ آپ کو جو کچھ فرمانا ہے، بسم اللہ ارشاد کیجئے۔ انھوں نے مسکرا کر کہا۔ خادم نے آپ کو کہیں دیکھا ہوگا۔ آپ کو شاید یاد نہ ہوگا مگر مجھے بخوبی خیال ہے کہ ایک بار آپ ہم پر ہنستے تھے مگر شکر ہے کہ اب ہم کو بھی ہنسی کا موقع ملا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک روز میں مانجھے کے کپڑے پہنے جاتا تھا اور آپ نے قہقہہ لگایا تھا کہ ڈاڑھی مونچھ پر بیٹھے کے کپڑے پہنے ہو۔ اب یہ فرمائیے کہ حضور نے یہ بد پرہیزی کیوں کی۔ آزاد بہت ہنسے کہا میں گھر میں پہنتا ہوں اور گھر ہی میں اتار ڈالتا ہوں۔ ممکن نہیں کہ باہر پہن کے نکلوں اور میں واقعی اب بھی اس رسم کے خلاف ہوں اور یہ رسم بھی لوچ ہے۔

القصہ بڑی بیگم اور آزاد پاشا دونوں کے ہاں بڑا لطف طرب اور دھوم دھام ہوئی۔

بیان اوصاف حمیدۂ آزاد زبانی علمائے اعجاز نہاد

دم صبح ہے ساقیِ گلعذار — عنایت ہو جامِ مئے خوشگوار
وضو کر کے کچھ ذکر ہو اور کروں — دہن میں زبان خشک ہی تر کروں
پڑھوں میکدہ میں نماز اللہ، — بنے خشت زیریں خم سجدہ گاہ
جو سورہ پڑھوں قل ہو اللہ کا — ہو لکنت سے قل قل کی پیدا صدا
کروں شیشہ آمینا رکوع و سجود — رہو اٹھنا قیام اور کرنا قعود

آزاد قدسی نہاد سے علمائے اجل اور فضلائے اکمل اس درجہ محظوظ و مسرور ان کے کارنمایاں اور مہمات جلیلہ کا حال سن کر سرخوش بادۂ نشاط تھی کہ عین شادی کے دنوں میں ایک جلسہ بیسجنتے بانوس آزاد پاشا کے خانۂ طرب کاشانہ میں منعقد کیا جس میں مولویان شہر اور ملائے دہر اور نستعلیق گویان خرد آگاہ و سیف زبان و شعرا سخندانان طلیق اللسان

وجادو بیان ان کی توصیف میں رطب اللسان اور تعریف میں عذب البیان ہوئے۔ پہلے مولانا محمد عبد الودود صاحب مجددی نے استادہ ہو کر یوں بیان فرمایا کہ ہمارے زمرۂ علماء میں کہ زندگی درس وتدریس میں گذری اور تواریخ بھی ہماری گروہ دانش پروہ دپر ختم ہے، ایسا شخص شجاع صاحب جرأت وفتوت بموجب مصرعہ۔

تجھ سا دنیا میں بہادر کوئی دیکھا نہ سنا

الحق وراست تو یہ ہے۔ بیت

کفِ ہمت دمِ شمشیر جرأت　　　چراغ ہوشمندی مغز فطرت

ذرا بھی غور سے دیکھو تو۔ یہ روح شجاعت ہیں۔ گو قرآن مجید میں خلق الانسان ضعیفا خطاب حضرت آدم علیہ السلام ہوا مگر اصل یہ ہے کہ حضرت انسان کو جناب کبریا نے وہ طاقت عطا کی ہے اور وہ قوت عنایت فرمائی ہے کہ بیحد وہزار عالم اس کے روبرو سرنگوں اور مقابل میں عاجز اور زبوں۔ کوہ کو کاہ مہر کو ذرہ، قطرہ کو دریا، کر کے دکھانا ادنی کام اس ضعیف اور ناتمام کا ہے جو غور سے دیکھو نہیں نہیں سراسر ہی دیکھا جاتا ہے روبروئے چشم ظاہر ہوتا ہے اور روشن ہو جاتا ہے کہ اس انسانِ ضعیف البیان سے وہ وہ کام کئے کہ وہم وگمان جن وملک سے باہر ہے۔ علی الخصوص یہ مرد آزاد، کہ بتفاریق الف ونقطہ آزاد کتنا زیبا ہے پہ معنی زاد بہتر وخوش طبع مرد ہیں۔ ان سے ظہور ہوا افراسیاب ورستم واسفند یار وسہراب ایک ایک اُن کی تمثیل میں کنجشک پیش باز آور روباہ مقابل شیر انداز رکھتا ہے۔ آیات بینات کہ مجاہدین دین کی شان ہیں۔ خداوند خالق آسمان وزمین نے فرمائی ہیں بے تصنع وبے خوش آمد ایسی ہی لوگ گذرے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ وجاہدونَ فی سبیل اللہ باَمْوالِھم وَاَنفسِھم۔ یعنی جو ہمارے بندے خاص ہیں اور ایمان ان کا آمیزش شک وشبہ سے پاک ہے، لڑتے ہیں، وہ راہ خدا میں اور نہیں ڈرے ملامت کرنے والوں سے، اور نہیں خوف کرتے تلفِ جان وصرفِ مال سے ہم ان کو دوست رکھتے ہیں۔ ایسے اشخاص مہاجرین اور انصاف سے گذرے کہ جن سے خدا اور رسول خوش ہو اور مخاطب رضی اللہ عنہم ورضوعنہ سے کیا یعنی خدا ان سے خوش ہے۔ اور وہ خدا سے راضی اور خوشنود دنیا اور عقبیٰ ہیں۔ مدارج اعلیٰ ومعارج والا پائیں گے اور اقوال واحادیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی مجاہدین کے بارے میں ایسا ہی آیا ہے۔ مہاجرین اور انصار چالیس چالیس ہزار کس تھے۔ کہ وہ جانثاران رسول تھے اور رہر وقت کمریں باندھے رہتے تھے۔ قصص وحکایات ان امور کی مشہور ومعروف ہیں۔ قلم دو زبان اگر صد زبان بلکہ ہزار زبان پیدا کرے۔ ان قصص اور حکایات کو قلمبند نہ کر سکے اس مرد آزاد کی ذات نے ہزار ہا ہزار کا نمونہ ومصداق دکھایا، دیکھو ایک حدیث ہے۔ کہ موتو اقبل ان تموتو یعنی مر جاؤ تم قبل اس کے کہ موت آئے تم کو اور جگہ فرمایا کہ رجعنا الی جہاد الاکبر من جہاد الاصغر امی رجوع لاتے اور پھر تا گیا ہم نے بڑے جہاد سے طرف چھوٹے جہاد کے یعنی نفس کا مارنا اور ہوا وہوس کا مٹانا جہاد اکبر ہے اور یہ جہاد کہ کفار اور منافقین سے لڑنا اور ملک گیری کرنا جہاد وجنگ صغیر اور چھوٹی ہے اس سے مطلب یہ ہے

کرنفتن کشتی بھی بڑا اچھا دہرے ۔ غور سے سمجھو کہ عشق اور محبت سے سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں ۔ جیساکہ مرد آزاد نے محبت ظاہری سے رجوع طرف محبت اور دوستی باطنی موافق حدیث شریف کی یعنی آمادہ ہوکر راہِ خدا میں مشہور ہوا ۔ ایسا پائے ثبوت زمین کیں میں گاڑا کہ نہ کسی کے اکھاڑے سے پھر بدون اور جو کچھ داد جواں مردی اور بہادری اور شجاعت اور ہمت تھی نمودار اور ظاہر کی ۔

اے صاحبان علم و ذکا کیا تم کو یاد نہیں کہ عشق مجازی مظہر حقیقی ہے، عشق و محبت ظاہری رفتہ رفتہ نرد بان الفت باطنی ہوجاتی ہے ۔ اس جوانمرد کریم النفس نے ریاضت روح ومشقت بدن و محنت و سختی و تکلیف ۔ راہِ محبت والفت کے روبرو آسان اور گوارا کی مصداق اس کا کہ جو پائی راہ ظاہرے سے طریق باطن پائی مفت میں دین ملا ، دنیا کی بھی ناموری حاصل ہوئی ۔ ایسے ایسے لوگ مومن اور مسلمان ہیں ۔ نہیں نہیں رہنمائے اسلام ہیں بلکہ دین کے ستونِ کرام ہیں ۔ عرب و عجم ، مخالف و موافق ، مجردات و نباتات ، جمادات وحیوانات میں علی قدر ، مراتب ، شہرہ آفاق ہوا ۔ سرخروئی اور علو ہمتی طلب حقیقت میں زبر نہ رواق طاق ہوا کہ ہر ایک ادانی و اعالی وضع شریف ، ہزار دل سے مشتاق ہوا ۔ اللہ اللہ جلشانہٗ دعم نوالہ ایسے ایسے بندے یکتا جیسے کہ آپ ہیں پیدا کئے کہ بہ محوای جبکہ الشئی یعمی و یصم و دوستی شئی کی اندھا اور بہرہ ، کر دیتی ہے ۔ ناموری چاہے دنیا کی حاصل سرخروئی عقبیٰ کی ہے ۔ دونوں دین و دنیا نقد کف آرزو و تمنا میں حاصل ۔ اسی سبحان اللہ ۔

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمدز پسِ پردۂ تقدیر مدیر

سبحان اللہ کس قدر ثابت قدمی کی کہ بیان سے باہر ہے ۔ طرفہ یہ بات سنو کہ عرب بھی اس شخص کی تعریف میں سرگرم ہیں :۔

کل عرب یقول فی مدحک ۔۔۔ لیس فی الانس مثلک بشیر

اور محققانِ فارسی کو وصف اپنی زبان میں یوں کرتی ہیں :۔

ہمہ گردویلان روئے زمین ۔۔۔ ہم شجاعان زیر چرخ بریں
ہم دلبران روم و روس و فرنگ ۔۔۔ کردہ ہر یک بیازوش تحسین
علیک سلام اللہ فی کل لیلۃ ۔۔۔ من اول مساء الی مطلع الفجر
بلغ عن امر الجلادۃ زینتہ ۔۔۔ ہم انظروا ما کان ماقبتہ الامر
اتذکرنی اعلی المناہر خطبتہ ۔۔۔ لقد ایدک المولی بالایدہ النصر

ان کے بعد قاضی محمد مظہر اللہ صاحب نے نہایت طہارت لسان ونظافت زبان سے یوں فرمایا :

احمد اللہ تعالیٰ کہ علیٰ رغم حسود ۔۔۔ بر سر خیل عدو ہمت وجرأت بنمود

صبح امروز خدایا چہ مبارک بدمید   کہ ہمی از نفس بوئے عبیر آید و عود
مسمح الدہر بہ تیسیر قلوب الاعمال،   سمح الیطر بہ تیسیر حصول المقصود
رحمتِ رب جلیلی کہ لطیف ست وکریم   کرم بندہ نوازی کہ رحیم ست و ودود
گر کسی شکر گذاری کند این نعمت را   نتواند کہ ہمہ عمر برآید ز سجود
خبر آورد مبشر کہ دریں معرکہ   وفد منصور ہمی آید در فد مرفود،
ہمہ را نعمتے از غیب فرستاد خدائے   ترک را آمدہ بر سر ہمہ ظل ممدود
شمس دین سایہ آفاق جمال الاسلام   صدر آزاد و سر جیل و سپہدار جنود
صاحب عالم و عادل حسن الخلق حسین   آنکہ در عرصہ گیتی و نظرش مفقود
بہ جوانمردی و درویش نوازی مشہور   بہ توانگر دلی و نیک نہادی مشہود
بدنباشد سخن من کہ تو نیکش گوئی   زر کہ نافذ بہ پسند و سرہ باشد منقود
در حسود از سر بے معرفتیش گوید   ظہر مریم چہ تفاوت کند از جہر یہود
حسرت مادر گیتی ہمہ وقت آن بودست   کہ نزاید چو تو فرزند مبارک مولود
من چہ گویم کہ گر اوصاف جمیلت شمرند   خلق آفاق بماند طرف نا معدود
ہمہ آن باد کہ در بعدر رضائے تو رود   اہل اسلام و تو در بند رضائے معبود
صدر دیوانِ امارت بتو آراستہ باد   بدسگالان ترا عاقبت نا محمود
بر روانِ پدر و مادر و اسلاف تو باد   مدد رحمت ایزد عدد ریل و زرود

اس قصیدے کے بعد حسب موقع دو چار صاحبوں نے عبارت نثر جس کی ہر فقرے اور ہر لفظ پر عقد ثریا اور سلک شرہ نثار ہو، بکمال ولولہ شوق و غایت استیلائے ذوق پڑھی۔

ایک صاحب نے فرمایا کہ این وقت نسب کہ دیدہ امید بر شاہراہ ازمنہ و دار انتظار ساعت سعید مبدا نشت و خیال کمال وقت خجستہ بنیاد میمنر دو وصول این بشارت دل افروز می شمرد لطیفہ دلنواز و مقدمہ پابرگ و ساز رسطوع نیر جہان آرا سامعہ پیر اگشتہ فصحت کدہ تمنا را بلوامع حصول مامول نورانی گردانید و نفای ولہار البشوارق شادمانی فروغ جاودانی، بخشیدہ فتاح حقیقی علم نصرت و نشان شوکت بر نام نامی و اسم گرامی از روز ازل و یوم اوّل نصیب گردد، و در چنین معرکہ مہنر، بران شیر توان و رستم تواماں مانند روباہ ناتوان جان بازند گوی سبقت بروہ در چوگان دلاوری غلبہ جستن ہمت ست کہ ؎

این کار از تو آید و مردان چنین کنند   بر تیغ و بازوئے تو ہمہ آفرین کنند

صدای الامان الامان از جانب اعدا بلند و تکبیر الله اکبر از طرف عساکر سلطانی دل پسند بر عالمیان عالی مرتبت و ناظمان معانی منزلت که به لعبدا تامل اندیشه راه گره بر گره افتاده و حواس خمسه آن منتشر و پراگنده گردیده، ہمچو خورشید علی اربعة النہار نور پذیر باد که انچه در صفات انسان در کتب مذکور ست و ازان مسطور در ذات بابرکات حضرت آزاد یافته ایم الحق یک شخص یکے از خردمندان دانش گستر و آگاه دلان معنی رو بر و باریک بینان و قائق علوم و دقیقه، شناسان حقائق فہوم بوده که معلم اول نظیر و ثانی خود نداشت زانوی سبق خوانی رانه کرد ن سعادت سروری انگاشت واز لمعات انوار افضال سبحانی داشفقات اکرام ربانی به واطن قدس سو اطنش جلای دافر اندوخته بود واز روشن ضمیرے دیباک نہادی جہاجہا و تاویل خرد فروز سخنان شائسته و کلمات بائسته و بر کام بلند ہدایت افروخته که گمراہان بادیه ضلالت و رہروان فیافی بطالت مصابیح آگاہی بمشکوة دماغ عستور و صورت حال و ماضی و استقبال، در آئینه خاطر مستور. آرے اگر آزاد قمقام پیکر زیبای مجاہدات سحن برالواح آفرینش نه کشیدی نگارخانه، عالم بنقوش بوقلمون این نقوش رنگارنگ بچشم مثال ندیدی و فسق و باطل در آئینه دل ظہور نه پذیرفتی فی الحقیقت این عیسی النفس، روحانی مزاج از مریم فکر به فکر بکر تازک بلعان بعرصهٔ وجود قد کشیده و به ترتیب وابهٔ انفاس سمید زبان آرمیده۔ یوسف طلعتش بدل عزیزان عزیز بر سلیمان شوکتش پسندیده ارباب تمیز۔ یمتین جوہری از ارکان قدسی برآمده. و نادر گوہرے از قلزم نثر به سر بر آورده این قدسی پیکر برنگے برمی آید و این ہیکل روحانی ہر نفس به لباس دیگر جلوه مینماید شریعت راجسم و طریقت راجان حقیقت را قالب معرفت راروان کحل الجواہر عیون ادراک است و قرة العین افلاک طوبی عمرش از رشتهٔ متین و شہور تر از نثر و ابقای حیات شیر ین کامان آبحیات ممتاز تر عقل راچون حیرت در دل افتاده وخرور امالیخولیا، اندیشه بدمانع راه یافت که ایان این لیلی دلربا چه صورت دارد که ہمه کس مجنون دار خود رایشمارد۔ دریں شیریں ادا چه سان خاطر نشین ست که ہر کس چون فرہاد مفتوں اوز نقطهٔ سویدای دل ست یا مرکز پیکار حکمت ازل موج دریائی آگاہی ست. یا سیل عمان فیضان نامتناہی :-

اگر رزم ست رنگین از جسامش
دگر بزم ست عینستان جامش

ہر ہنگام گه این شیر دل ہز بر توان نه تنتدی و دلیری عالم ہے۔ تیز خرام در میدان حرب رانده عیش پیرا عدا تلخ کرده و پیمانهٔ غم فشان. بر پیری دمرگ ناگہاں شیشهٔ حیات جیاد را بر سنگ ممات زده و خون شان چون جرعهٔ باده خاک ریخته۔ بدسگالان را بخرابی انداخته در دمستان را پامال نموده چند انگه از صدمه و ہیبت این مردیگانه فرزانه مخز از سرہا چون پنبه از سر مینائے میخواران جلا گشته و پای از رکاب برون رفته دہر بار از تیغ سر افشان، پلنگ افگنان که مدام بر شیر غران اُہو میگر فتند مثال گومی بر زمین غلطانید، آفرین بر زور بازوئے خود از جانب

بلانِ اعدا شنیدہ۔

ان کے بعد ایک سخندانِ سحر بیاں قصیدۂ العصر وحید الدہر نے شاہد سخن کو یوں حلیۂ بیان سے آراستہ کیا۔

ایہا السامعین۔ آزاد فرخ نہاد نا خدائے کشتی مروت و جرأت یکہ تاز میدان فتوت و شجاعت کی جوانمردی کی توصیف اور مدحت سرائی کرنا احیز تحریر سے خارج اور حیطۂ تقریر سے باہر ہے۔ اہل ہند کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً اس مرد میدان اور غازی ہنر پرتواں کا تہ دل سے شکر گذار ہونا چاہئے کہ اس شیر دلی سے صرف بپاس خاطر روم میں عدو سے مہیب سے مقابلہ کیا اور اس ثابت قدمی اور استقلال سے لڑا کہ دشمن تابِ مقاومت نہ لاسکے۔ یہی سبب تھا کہ دو خوبان پریزاد غیرتِ محبوبان نوشاد ہزار جان سے عاشق ہو کر کلمہ ان کا پڑھنے لگیں آزاد کے دیکھتے ہی ہوش و حواس خم بادۂ دوائی کہہ کر سدھارے۔ ~

بہر واز من ردان سرور دائے — بتے شوخی لطیفِ دلستانے
مہے مہرے گلے مشکیں عبیرے — خوشی خوی جیبے مہربانی
فریقے دلبرے غمزہ دلبرے — ظریف نازک ابرو کمانی،
طبیبے دارو درد بلاستے — قضا سی محنت رنج قرانے
کمند ناوک تیر خد نگے — امیرے بادشاہ ہے پہلوانے

شریفے شاہدے خمر و خماری
لطیف سرکش جان جہانے،

اس کے بعد جناب مفتی میر محمد عبد الرؤف صاحب قبلہ نے یوں تقریر فرمائی کہ عالم اجل و فاضل اکمل تھے۔ ~

اگر رزم است رنگین از حسامش
دگر بزم است عیشستان جامش

چوں ہر دو صفات در ذات والا درجات اعلیٰ سمات ایں مرد آزاد دود اور مصداق ایں آیت سراسر ہدایت وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق وجعلنی من لدنک سلطانا نصیرا۔ یعنی اے پروردگار من در آرمیرا آوردنی پسندیدہ دراست روی وبی ندامت وبیرون آرمرا از دپیرون۔

آوردنی ستودہ داستوری و — بدہ مرا از نزدیک خود حجتی یاری

دہندہ وقوتی اعانت کنندہ چنانچہ بمقابلۂ ہزارہا کس قیام و ثبات وپائی استقامت در زمین کیس افشرہ بہ فحوای ~

ہر آنکہ برخدا راہ نفس بربندو
ملک نہ مرش بفرمان او کمر بندو

درینوقت معرکہ آرائی مولید سہ گانہ در ربع مسکون دشش جہت اقالیم کوس ناموری، دنقارہ جرأت پروری و ہمت گستری را بلند آوازہ گردایندہ وبجد نوبت دلبری تا قصور ہشت جنت ونہ افلاک وعقول عشرہ بگوش ہوش رسا بیندہ واللہ یعصمک من الناس یعنی الحمد اوند تعالیٰ کہ فتاح حقیقی ست دبیدہ ازمنۃ الاشیا، ودردست اوعنان ہمہ چیز ہا را آزاد میان نگاہدار وودرحفظ وامان خود ہنگام مقابلہ کہ نو کنند حافظ شود توکلت علی اللہ تعالیٰ دریں محاربہ مذکورہ برزبان راندہ بقصد دل صادق وبنیت واثق درہرجا دہر مقام غلبہ بعد صولت واحتشام برا ای بدفرجام جبنۃ چنانچہ درروایت است ازابی امامہ آنجا کہ فرمودہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ صلعم من احب اللہ والبغض اللہ واعطی اللہ و منع اللہ فقد استکمل ایمانہ یعنی گفت ابو امامہ کہ گفت رسول خدا صلعم کیکہ دوست دارد کسے را محض برای خدا ودشمن اندو وبغض ورزد محض برائے خدا وعطا کند وانعام نماید محض برائے خدا دمنع کند ومحروم گذارد وازعطیۃ محض برائے خدا پس تحقیق کامل کرد ایمان خود را امرادانیکہ ایں افعال اربعہ چارونا چار محض رضامندی دا دروا دارد خوشنود ے کردگار باشد دوردے ہیچ شائبہ غرض خود نباشد لاجرم ایمان وکامل شد سبحان اللہ والحمد اللہ وفضلنا ہم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً یعنی افزونی وفضیلت دادیم ایشان یعنی انسان رابر بسیارے ازانچہ آفریدہ ایم افزونی دادنے چون علماد ادر تکریم انسان وتفضیل ایشان سخن بسیار وشایگان ست اما درین مقام باندگی از بسیار اکتفا بہ ود باید دانست کہ کرامت ایشان بردو قسم است جسدانے وروحانے جسدانی تمام ایشان را ازمومن دکافر کہ تخمیر طینت انسان ست بیدین وتصویر در رحم وحسن صورت ومزاج قریب بہ اعتدال دراستی قامت واخذ بیدین وکل باصابع وتزئین بلحیہ و ذوائب وغیرہ بعقل وافہام نطق واشارت وراہ یافتن اسباب معیشت وتمکن ازحرفہ وصناعت وروحانی دوقسم است عامہ وخاصہ اما آنچہ عام است مومن وکافر وران شریک اند چون نفخ روح درایشان واخراج اوصلب واستماع قول الست بربکم و انطاق بجواب بلےٰ وعہدہ بر عبودیت ودرایدن برفطرت وارسال رسل برایشان وانزال کتب برای ایشان وترغیب دمثوبات جنانی وتخویف ازعقوبات یزدانی، واظہار آثار قدرت ودلائل معجزات برامی ایشان اما کرامت روحانی خاصہ انبیاؤں ومومنان راہبران گرامی ساختہ ازنبوت ورسالت وولا. یت ہدایت وایمان واسلام وارشاد وجہاد فی سبیل اللہ واکمال واخلاق وآداب وسرالی اللہ وفی اللہ وباللہ وعبور بروترقی ازمضائق ناسوتی بجذبات لاہوتی، وفنا ازانانیت وبقا بہویت وکرامانی کہ درحد حصر نیاید علی الخصوص کہ کرامات انسان بدانست کہ حضرت نبی آخرالزمان محمد مصطفیٰ صلعم ازایشان ست

اے شرف دودۂ آدم تبو | روشنی دیدۂ عالم تبو
کیست بریں خوان کہ طفیل تو نیست | کیست دریں خانہ کہ خیل تو نیست
از تو صلائے باست آمدہ | نیست بہانی، ہست آمدہ

در اکثر کتب دیده شد کہ گفت خدائے تعالیٰ ما گرامی ساختیم آدمیان را بہ معرفت و توحید و برداشتیم ایشان را در ہر نفس و بہر قلوب۔ درین نکات لطیفہ گفتہ اند بر آنست کہ ظہور دارد بہ قوت وصفا دبحر آنکہ مستور است از حقائق ذات چنانچہ در تاویلات کاشی مذکورست کہ بر عالم اجساد لود بحر عالم ارواح در ما شتق ایشاں در ہر دو کتب انسان است از ہر دو روزی دادیم ایشان را از طیبات علوم و معارف و تفصیل ارزانی داشتیم بر بیشتر مخلوقات با آنکہ ایشاں را بعیوب ایشاں بنیا ساختیم و مستثنیٰ اجنس ملائکہ اند با خواص ایشان و علما را در بتفضل ملک و بشر مباحث دور و دراز است اما انچہ جمہور اہل سنت بر آنند آنست کہ رسل نبی آدم فاضل تر انداز رسل ملائکہ و رسل ملائکہ افضل انداز اولیائے بنی آدم و اولیائے آدم شریف تر انداز اولیا۔ بنی آدم و شریف تر انداز اولیا۔ ملائکہ وصلی و اہل ایمان۔ افضل اند بر عوام ملائکہ و عوام ملائکہ بہتر اند از فساق مومنان۔ امام قشیری گفتہ کہ مراد از بنی آدم مومنا شند نبض و من یمن اللہ فالہ من مکرم یعنے کسے را کہ خدا خوار کند و اہانت نماید از تکریم، ہیچ نصیبے نیست بوی و تکریم مومنان بدانست کہ ظاہر ابتوفیق مجاہدت۔ یار است و از جملہ مرتبہ رضا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ و درجہ محبت یحبونہم کحب اللہ او یحبونہ و یحبونہم و تشریف فاذکرونی اذکرکم۔ پس ہر نوع ایں آیت خاصۃً دلیل فضیلت انسان و جامعیت ایشاں ست کہ از ہمہ مخلوقات مرات صافی جہت انعکاس صفات التی ہمہ اوست و بس چنانچہ از مضمون ایں ابیات حقائق سمات معلوم و مفہوم توان کرد۔

گشت آدم جلائے ایں برأت — شد عیاں ذات او بجملہ صفات
مظہر گشت کلی و جامع — سر ذات و صفات زو لامع
نہ نمود نداد بوجہ کمال — صورت ذوالجلال والافضال
شد تفاصیل کون را مجمل — بر مثال تعین اول

بوی ایں دائرہ مکمل شد
آخر ایں نکتہ عین اول شد

ایک صاحب نے بکمال جوش و خروش کہا کہ :۔

حضرت سامعین بندہ اس وقت اس لئے نہیں آیا ہے کہ آزاد فرخ نہاد کی شان میں کوئی قصیدہ پیش کرے۔ یا نظم میں ان کی اوقات برگزیدہ کا حال معرض بیان میں لاتے یا غزل کے الفاظ ادق اور فقرات مغلق کے ذریعے سے ان کی توصیف میں رطب اللسان ہو بلکہ خاص اس غرض سے خاکسار اس جلسے میں شریک ہوا ہے کہ آزاد پاشا کی سچی تعریف جس میں ذرا بھی مبالغہ یا اغراق غلو یا شاعری نہ ہو بیان کر دی لیکن اس میں اصلاً شک نہیں کہ ممدوح میری مدحت سرائی سے مستغنی ہے۔ جب بڑے بڑے پہلوانان ہفت خوان منازل فصاحت و نکتہ رانی نبرد آزمایان معرکہ بلاغت و شیوا زبانی آزاد کی تعریف میں عاجز رہے اور یہ بھاری پتھر ان سے نہ اٹھ سکا اور انھوں نے چوم کر چھوڑ دیا تو مجھ کج مج

زبان اور تہذلیدہ بیان کی کیا تاب و توان ہے تو اس میدان میں قدم رکھ سکوں۔ بھلا بحر ناپیدا کنار کی تعریف قطرہ اور خورشید عالم تاب کی توصیف ذرہ بھی کر سکتا ہے۔ کیا مجال۔ ایسے ہر دل عزیز آدمی کا مداح بھی ویسا ہی زبان اور فصیح البیان ہونا چاہیئے نہ کہ آزاد سا ہر دل عزیز :

چہ خوش کو بود محبوب دلہا — سر آغاز بہار آب و گلہا
رخش چنداں گل خنداں شگفتی — کہ غنچہ در شگفتن یا نہفتے
زلعلش ہم سر جوشی گرفتہ — در معنی سر گوشے گرفتہ
بہ قلب عصمت میدان جانہا — بہ جوہر دادن تیغ زبان ھا
کفش آن دم کہ تیغ تشنہ بار است — گہر خونا بہ ابر بہار است

حیاتش خضر عمر جاوداں باد
بہ جوشش چشمہ حیوان نہان باد

میں نے پیشتر عرض کیا تھا کہ میں شاعری اور لفاظی سے کنارہ کر کے اصل حال ظاہر کروں گا۔ مگر۔

کجا بود منزل کجا تاختم

میاں آزاد صفت شکنوں کی جان روح ہیں۔ سپہ سالاروں میں معزز و ممدوح ہیں، ہر دشت بلاخیز میں جوانمردانہ کام کیا کہ ہر جنگ میں اپنا نام کیا۔ جن جن مقاموں میں توپ اور تفنگ آتش بار تھی، وہاں انھوں نے بہ کمال بسالت فتح پائی۔ ظفر اور نصرت جلوہ داری کے لئے قدم قدم پر دوڑی آئی۔ اس جنگ عظیم کا حال ہمیں بخوبی یاد ہے۔ آزاد پاشا نے لشکر روسیہ کا مقابلہ اور تعاقب کیا تھا۔ اور روسیوں کو مجبور ہو کر گھوڑے دریا میں ڈال دینے پڑے۔ یہ وہ دریا تھا جو قلعہ معلی کے متصل بڑی عظمت و شان سے لہریں مارتا تھا اور جس سے نہریں کٹ کر قلعہ معلی کے ارد گرد جاری تھیں۔ روسیوں نے جس وقت دیکھا کہ ہم آزاد پاشا کے مقابل میں تاب مقاومت نہیں لا سکتے اور مجبور ہو کر دریا میں گھوڑے ڈالے۔ اس وقت ہمارے آزاد فرخ نہاد نے فوج کو حکم دیا کہ باڑھ مارو اس مقام پر روسی اس طرح بکمال شجاعت پلٹ پڑے جس طرح گولی کھا کر شیر پلٹتا ہے۔ دوسرا جنرل ہرگز مقابلہ نہ کر سکتا مگر آزاد پاشا نے فوراً الفت سے زیادہ کالم کو فی النار کر دیا۔ اگر روسی دریا میں گھوڑے ڈال دیتے اور پھر اسی فکر میں رہتے کہ دریا کو عبور کر جائیں تو ترکی ایکسوار کو بھی زندہ نہ چھوڑتے۔ گھوڑے اور سوار سب طعمہ نہنگ اجل ہوتے۔ جب روسیوں نے دیکھا کہ آزاد نے نصف سپاہ کو بھون ڈالا تو مرتا کیا نہ کرتا معاً تلواریں سوت سوت کر چڑھ دوڑے اور ایک سوار جرار نے خاص آزاد پاشا کے گھوڑے کو زخمی کیا۔ دوسرے نے گھوڑے کے پٹھے پر ایک اور چرکا دیا کہ آزاد نے اسی دم اس بدبخت کا کام تمام کیا۔ تیسرا جھپٹا تو انہوں نے ایسا تلا ہوا ہاتھ دیا کہ پھنڈار الگ کھل گیا۔ اسی طرح کئی سواروں روسیہ کو

ته تیغ کر کے فتح کامل پائی اور غنیم کو شکستِ فاش دی۔ آفریں

پولینڈ کی قمر طلعت شہزادی جس کے رخسارِ تاباں دیکھ کر عابد شب زندہ دار، قبلیا تمام اور چشم بیمار سے آہو رام ہو جاتے۔ اس مرد خوبرو پر صرف تعریف یا بسالت سن سن کر ریجھی تھی۔ سچ ہے :

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کین دولت از گفتار خیزد

ان کی خوی عنبر بو دل پذیر دلخراش نے اس کو ایسا مست کر دیا کہ شادی کے لئے زبردستی کی، جس طرح کاجری جنابِ باری نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اسی طرح خوبصورتی بھی ازل سے ان کے نام لکھ دی ہے :

بر کرد عارضت خط مشکین نوشتہ اند

یا بوستان بزیر گلستان نوشتہ اند

اور اس قدر ریجھی اس قدر فریفتہ ہوئی کہ لب لعل کا بوسہ لے لیا۔ یہ شہزادی واقعی پرستان کی پری ہی ہے۔ دوسرا ہوتا تو فوراً پھسل پڑتا۔ کلیرسا نے صرف ان کی جوانمردی ہی کے سبب سے روس کو چھوڑا اور ان کے ہمراہ چلی آتی۔

الغرض ایسا جوان مرد شیر دل پیدا نہیں ہوا۔

جب یہ تقریریں ختم ہوئیں تو ایک مولانا صاحب نے آزاد کی طرف مخاطب ہو کر جلسہ عام میں کہا کہ اگر آپ زبان فارسی میں جنگ کا کچھ حال بیان فرمائیں تو ہماری خوشی اور افتخار کا باعث ہوگا۔ مگر پرانے فیشن کے خیالات کے بموجب رنگین زبان در مبالغہ جویان کلام ہیں۔ ان دونوں سے آپ کی عبارت کو معرا نہیں چاہتی۔ آزاد نے کہا کہ مبالغہ میری عادت نہیں مگر تعمیل ارشاد بسر و چشم منظور ہے۔ اس کے بعد یوں تقریر کی :

شیریں گفتار لطافت شعار از زبان فصاحت نشان حضرت آزاد با نصرام کار فرہاد پیش علماء سے تقدس بنیاد و ناظمان اعجاز نہاد و نثاران سحر ایجاد ہنگام زیر و زبر کردن اعدائے فریب زاد بکمال صدق و سداد بہ نخواہی واللہ رؤف م بالعباد

ساقیا برخیز خدا را بزود — مست مرا ساز خمارم فزود

من کہ فدا بادۂ و جام توام — بندۂ ناچیز و غلام توام

مرحبا ای عشق سلام علیک — روحی و جسمی و فوادی لدیک
وادی مراهمت و مردانگی — در همه عالم شده فرزانگی
کز طرفی مژده کامی رسید — سیر من آخر بمقامی رسید
چون پی گوهر سو دریا شتافت — هیچ گهر جز گهر خود نیافت
شاهد خلوت گه غیب از نخست — بود پی جلوه گری گرد چست
داد حقیقت بجوابم وهید — گوش کرامت به خطابم نهید
کرد چون این تند کشائی مرا — داد ز هر بند رهائی مرا
قطرهٔ ناچیز به بحر آرمیده — هستی خود را همگی بحر دید
رشتهٔ من از گره قید رست — بر گهر هم گوهر اطلاق بست
گشت سلامت چو مرا از سلام — پیش گرفتم سبق احترام
ناظر و منظور همین بود و بس — غیر من این عرصه نه پیمود کس
حسن ز هر جا که زد از قصه سر — عشق شد از جای دگر جلوه گر
حسن ز هر چهره که رخ برفروخت — عشق ازان شعله دلی را بسوخت
حسن ز هر لب که شکر خنده کرد — عشق دلی را به غمش بنده کرد
حسن بهر طره کو آرام یافت — عشق دلی آمده در دام یافت
حسن چو از عشق بگیرد عزای — عشق هم از وی نگریزد بپائے
قالب و جان اند بهم حسن و عشق — گوهر و کان اند بهم حسن و عشق
عشق دهد برگ گهی را شکوه — پست شود پیش بلندیش کوه
آب دهد عشق شود خار گل — روبه دهد جزو شود همچو کل
از ازل این هر دو بهم بوده اند — جز بهم این راه نه پیموده اند
حسن نه آنست که ماند نهان — گرچه بود پرده جهان در جهان
حسن که در پردهٔ مستوری ست — زخم هوس خوردهٔ منظوری ست
هستی ما هست ز پیوندشان — نیست کشاد همه جز بندشان
حسن کس از عشق گرفتار نی — جنس نفیس ست خریدار نی
تا ز غم عشق چو شیدا نبود — کوکبهٔ حسن هویدا نبود،

سرمہ زخاکِ قدمِ عشق گیر — زندہ بزیر علمِ عشق میر
ہر دو طرف اہل جہاں ملتجی — جا ئرالی التحرف و نعیم نعم المجی
داد دعا ہر یکی مردان کار — ہم بہ نہانی دہم از آشکار
آنچہ بود در دو جہاں احتیاج
ہمچو ظفر باد ترا از دواج

الحمدللہ کہ جامع المتفرقین وواصل المہاجرین از صدق دعای سحری و مناجاتِ نیم شبی این جیسنر اندیش راستی کیش را باز بملازمت ہمگنان صداقت عنوان و برخورے مخلصان وداد توامان رسانید و باہم بزم اختلاط و بساط انبساط گستر آیند:۔

گر ہر موی من گردد زبانی — ز تو رانم بہر یک دوستانی
نیرم گوہر شکر تو سفتن — سر موی ز احسان تو گفتن

ہر آنچہ مصائب درین مدت فراق و زمانہ افتراق گذشت از صد یکے و از بسیار اندکے گذارش میرود بموجب:

چو عشق ست باعث محبت سبب — بہرام آزاد گشتہ لقب
محبت مسبب محبت مسبب — کہ گردید عشق کار عجب

ہر چند از محبت دلی و الفت قلبی و عنایت خاص و قدر دانی باختصاص من مور ضعیف و نحیف را چندان ستودند کہ برگ کاہ را کوہ گردانیدند و چنان فوق و تفوق را بر روی کار آوردند کہ پستی ارض را بہ بلندی آسمان رسانیدند۔ آری این ہمہ حسن ظن بزرگان قدر شناس مدارج اساس ست و الا حقیقتِ حال بدین منوال کہ برای دفع عین الکمال در صحن خانہ باغ از خار و خس ناچار و بر کنارہ دریا از جلاف و خزف ضرور در کار بہ نہایت بردباری و حلم و زاری، سوگند بجناب باری میگویم نہ بطریق اعتلا و خود نمائی۔ بنابران بر اصحاب اولوالالباب ارباب والاالقاب بلاغت خطاب فصاحت نصاب در احتجاب مباد کہ ستایش و نیایش گوناگون او را سزا وار است کہ بادشاہان روئے زمین بر آستانہ کبریائش روئے بر زمین نہادہ و خسروانِ پاک جبین بر درگاہ جبروتش، چون نقش بخود تن بہ خاکساری در دادہ:۔

بلندی دہ افسرِ سروران — سری بخش تاجِ بلند افسران
طرازندہ بزم کار آگہی — فرازندہ چتر شاہنشہی

و سر بر بلند پایۂ اہر مسندِ خلافت مربع نشانیندہ و تاج والا گہر را سر آمد سروران گردانیندہ و ماہی خنجر را از آب فولاد انداختہ و نہنگ شمشیر را گرفتار دام جوہر ساختہ و فیل را در سیہ مستی آوردہ و کمیت را مائلِ رکاب،

گرداینده و تفنگ را صاحب خزانه نموده و تیغ را در بند مشتِ زر انداخته۔

شده تیر از غم او خشک چوبی ازان گشته گیتی راستی کیش،
کمان گردیده دم ساز حیا کیش پے طاعت شده زان حیله اندیش

آن خدای که سعادت داران سپهر کوکبه را باوج بر افراشته و بلند اختران والا منزلت را اکلیل بر سر گذاشته بر ناصیه حلول فیروزکنان، خط اقبال کشیده و پردهٔ لشکر اقبال مندان را کلید فیروزمندی بخشیده و زره پوشان رزم را آئینهٔ تیغ صورتِ ظفر نموده، دخانه نشینانِ زین را از حلقهٔ کمان در فتح کشوده۔ قندیل تیر و از روغن کمان برافروخته و چراغ ظفر را افروزش گسری آموخته، سنبل جوهر را از آب تیغ طراوت ارزانی داشته و در زمین رزم گاه از خون گلگونِ سواران لاله کاشته:۔

عرصهٔ نادر و رنگین ساز واز بهر نو آئینه
بر زبانِ تیغ مرصبغة الله آورد

رایت بلند اختران، را چون علمِ نور برافراخته و تیغ والا گوهران را چون مجرهٔ انجم آموز ساخته۔ سپاهی لشکر شب را بر تیغ رخشانِ خورشید از جا برده، و قلب کوکبه کواکب را بماه صاحب اکلیل سپرده، زماه نو بر سعد زنگی لب ایا قه نهاده و خرچ منقوس را شیوه کمانداری باد داده تیغ بهرام فلک را روشن ساخته سماک رامح نیزه داری فرموده و مهر را بایئن بادشاهان بلند پایه بر تخت روان فلک نشاینده و ماه را بر کردار خسروان همایون بر راشهب سیاه شب سوار گردانیده و کمال هلال را از خط شعاعی زه بسته و تیر شهاب را چون تیر هوائی در هوا شکسته و سهراب بحر را تیغ موج برکف نهاده و کمان ابروی تیر قدردان را بی زه فتنه تو زه کرده، و تیغ غمزهٔ محبوبان را بخون دلها آبے داده و کمند زلفِ خوبان را از رشتهٔ جانها تابے داده، در هر رزمی که میر سیدم بمدد آدرون افراسیاب نشان که ردبروی، که میر سیدم بمدد آدر دن حمایت حافظ حقیقی یلان رستم توامان وگردانِ افراسیاب نشان که رد بروے نشان زهرهٔ فرام زد سهراب آب بیشد از هر سمت جوق جوق داز داز هر طرف جمله آدر د معرکه آرا بیشد ند چون شمشیر آبدار از غلاف مثل برق خلطف ایں مور ضعیف بر آدر د اعدا از خوف لرزان شد ند و هر جا به نخوا بی و ما النصر الامن عند الله فتح نمایان آشکار و نمودار می گردید، چنانچه شمسه ازان انست که چو نوری خورشید از زنگاری قفس سپهر بر آمد این ناتوان پرورش اهلِ اسلام بر رخش اوج پرداز بر نشست وزیبا صورتان را بجز دار سپر ترکش برکم لبسته و قوی بالا یان را چون جعفر طیار در شاخ پر بهار جا داده و هد هد مهر شتان دیو سار را کلاه سلیمانے بر سر نهاده نو جوانانِ سر و قد را بجم جوشن فاخته گوں کرده صفت سر ها چون صف های کلنگ مرتب ساخت و لشکر را بال مرغ رساینده پرواز کنان بمیدان تاخت جوانانِ نوخیز چون قمری بر سر سر و ز بینده بود و هر یکی از خود آرائی خویش را در میدان رزم وا نموده،

مبازران پرعقاب خدنگ صدپر را بشکل سبزهای بال طاؤس از هم می شگافتند و بال مردان نبرد ابکردار مرغان شهیم صد شاخ میگردانیدند، طایر روح بر شاخ کمان آشیان می بست و شاهباز سر مرغ جان اعدا را شکار میکرد جانباز انکه هوا ئے نادر وره رسر شان جاکرده بود تیر هوا بر فرق اعدا چون تاج شاهانه بر شاخ شاخ می تاختند غازیان جوهر تیغ ابدار از تن بدسگالان سرخاب روان میکردند ظفر کیشا دررہ بکردار مرغان بدام افتاده مے طپیدند۔ اندازہائے نیزه و زره تیغ دانان رزم سگال گره باز میکردو سوفارہائے خدنگ تن جوانان فارغ البال را در دام بلا می انداخت و در آن آشوب کہ ہر سو پے تیز فنادی در بریدن چشم رہگیر حلقه کمان بشکل حلقه پر طاؤس خمیده بود و پیکان تیر برنگ منقار طوطی سرخ میکشت و شہبازان رزم ہزار داستان میکردند بچندین عنادل می نہاا ند بعضے چون کبک بر تیغ کوه فولاد جا می گرفتند و برخے چون بط در آب شمشیر شناوری دلیران رزم فساد زاغ بیمار امی پرانیدند بقد منقار گنجشکی فروگذاشت نمیکردند، بنزه پایۂ سرداران راکہ پر بر سر نہاد بودند می سنجیده دشمن بے سنگ را من ترازو بال و پر میگردانیدند سر مبارزان از باد حملہ چون برگ تاج اخروس صبا میپرید. و بال مرغان ہوا چون پر طاؤس نگارین میگردید تیغ دال گرد سرہا میگشت و نیز از جگرہا می پران می گذشت کبوتر پائے زندگانی حکم عنقا پیدا کرده بود، و مرغ روح از قفس تن پرواز مے نمود۔ کرگس و زغن از ین کشتگان قوت می یافتند و تیہو و دراج از رشک خستگان دانه می چہد زخون آن قدر بلند شد که گنجشک سیاه اگر در ہوا می پرید سرخ فیلشد و بر زمین چندان خونریزی کرده بودند که از بیضه خاکی شراب می برآمد ؎

ہمه بودند از آہن پیکار

چو بوتیمار در اندوه تیمار

پس ہنگام آن فرار سید که این تخیف بر ہمنوتی بحت تیره در دنبال کلاهِ نطرت راکہ چون طاؤس الجہم بایۂ فساد بود بجہنم فرستند و آئینه ضمیران طوطی منش راکہ چون طوطیا نوش دم از شیرین زبان میزدند شاد بہر گرداند ؎

بدام خویشش آرد صید ورا   زکین سازی پے پامال کردن

سیه سازد بسان بلبلان روئے   چو قمری طوق ش انداز بگردن

ناگاه مرغ زرین افتاب باشیان مغرب شتافت و طوطی ماه بال کشان گردید. ہر دو لشکر بنگاه خویش پرداز د آہنگ فارغ البالی ساز کردند۔ روز دوم چون لاعب سپہر مہره خورشید از خانہ مشرق براند ہر دو لشکر را در عرصه مصاف باہم مقابله رو داد و اتفاق جنگ بر روئے کار افتاد سواران چابک و پیادگان شاطر صغیر چه و چه کبیر بساط، نادر را اندا ختند اسپان را جولان دادند در خصم نہادند پیلان فیل شکوه را بعرصه آوردند و بہ فیل بند پرداختند منصوبه انگیختند که بازی حریف قائم نماید پس فرزین نہادان بر بطفے خونریزی کج کج ؛ خوامیدند و شاه سواران پیاده مات می کشتند پس ابن بازی آموز نرادِ چرخ برین رو در میدان نادر و نہاد گردان راکہ پشت بر پشت تیغ زن بودند یکسر فراہم آورد

جمع شد لشکرے تہمتن دشش پُردل وچیرہ دست دگردن کُشش

زبردستانِ قوی بازو کہ بر تیغ شان اثرِ سیخ دست جائے انگشت نہادن. خود بہ نیرِ دی یداللہی دست بہ قبضہ شمشیر بردند دبخت مساعد بمشتی راکہ بدعوی ہمدستی بدستور انامل گرد آمدہ بودند ناخن وار سر بریدہ بخاک سپردند ے

درعرصۂ مصاف نمودند دست برد بستہ کمر چو نیزہ بہر شکست خصم

انداختند دردم ہیجا بزور تیغ چون ناخن بریدہ کماں از دست خصم

جوہرِ تیغ مانند زلفِ پیچان باشانۂ قوی پنجگان آشنا گردیدہ وحلقۂ کمند بکردار زہ گزنیان گلوگیر گردن فرازان گشت دشمنانِ بیدست وپا شدند وور دست وپا افتاد ندپای نتوانستند قائم کرد۔ دست نتوانستند برداشت ے

حملہ راشمشیر از پیکار ماند

کار رفت ہر دو دست انکار دند

دستہ آئینۂ زانو ست خشک بوی گشت دوست کہ سرچشمۂ جوئبار ساعد ست بے آب شد چشم چون حلقۂ زیگیرہا سوفارِ بجشم گردید ومژگان چون پر تیر باتیر پیوند گرفت. تیغ محرابی در گردن ہا حائل گردید ودلہا در صندوق سینہ سی پارہ گشت۔

رہ آزارم راناوک رہاکرو

چو دل پیکان دردن سینہ جاکرہ

پیکان از خون جگر لعل پیکانی شدہ وخط جوہر خط یاقوت گردید تیغ زبان صاحب جوہر چون تیغ دست دریکدگر وند چون جوہرہائے تیغ دریکدگر پیچیدہ ید۔ زبان ہا چون پیکان خشک گشت دہن ہا چون سوفا رواماند۔ جان از زخم تیغ بلب آندہ بود ودماغ از بوی خون بہ بینی رسیدہ دلیران آبروی خود گوش میداشتند ومیخواستند کہ از خون خویش سرخروئی حاصل کنند پیکر سادہ رویان را مانند کاغذی بریدند وسر نوخطان رایکقلم بکردار قلم قلم میکردند ے

بیکہ سرکشان چو بال قلم

بیشد از تیغ شاخ شاخ ہمہ

القصہ این طلب گار یداللہی بہ تندی تمام یکیت درمیدان راندند وہمہ عیش براعد اتلخ ساختند پیمانۂ عمر شان پر کرد شیشۂ حیات عصا در ابر سنگِ زدند خون شان چون جرعۂ بادۂ برخاک ریختند۔ بدسگالان را بحرانی انداختند سران یکیت سوار را انشاء رزمسازی درسر افتادو دواز صدمۂ دست رزمستان پایمال گردانید گرز مغز از سرہا چون پنبہ از سرملی بنباتے میخواران جدا کردہ پای از رکاب ہا بیرون رفت دبادا از سرہا بیرون شد، از نشار رزم مستانہ دش، کمانہ بے تیر خمیازہ کش۔ پلنگ بہ آہنگان کہ اشیر ہو می گرفتند اسپ آہو رفتار را پوست شیر پوشانیدہ جولان داد وتیغ

اجسام حساد قطع قطع میشد دلیران فردرا دو بینی مے ساختند و موصل را مقطع میگردانیدند، ازگو به تیغ ترکیب چشم مو شخ میشد داز صفت سیف مجسم تن منشجر میگشت ؎

زشیر افگنان چون رقم گیر شد
نے خامه در دست من زیر شد

بینی از ضرب گرز چون بینی کتاب فرد میرفت دگوش از زخم تیغ چون گوش مکتوب بریدن مے شد بعضے را دوات، مانند گهار در تن سیاه شده بود دبرخے را قلم کردار موے در تن پیچ و تاب خورده. سرها را چنان میبرید که قلم را قط میزنند و ستهارا چنان می پیچیدیم که مکتوب را در نوردند. ع۔

گشته هواگیر هزاران کمند

سطح هوا صفحه نظر شده این جزو ضعیف که خط جنبش مضمون فیروزمندی داشت یک قلم بارنامه تمام سرکشان راننده قلم درخطاکرده مکنون نیاز ساخت و ورریان: را بحدار مسطر رشته درگردن افگنده اسیر گردانند سپاه کارانی راکه هم از خط فرمان پیچیده بودند همه را سر بریده با آبش قلم درقلمدان دریک تابوت انداخت در دسیاهانی راکه پیمان شکنی کرده بودند خامه کاغذ دار افگند و بحد دار خط شکسته دستی در ترکیب بگذاشت۔

تنیفش رقم حیات اعداد
از صفحه روزگار بسترد

نزدیک بود که سرداران لشکر خصم رایک قلم مانند نال قلم در پیچ و تاب افگنده و دریای حصار محبوس گردانند۔ ناگاه سپهر بو قلمون طومار روز دنوشت و سواد شام را درمیان آورد و خط خورشید از صفحه ایام سترده گردید و ظلمت شب آسمان را سیه مداد ساخت هر دو لشکر استره گرمی در نوشتند و بعنوان خط درنامه جایگاه خویش آرمیدند روز سوم چون شاه کبود جامه سپهر تیغ درخشان آفتاب را از بام مشرق بیرون کشید هر دو لشکر بمیدان نادر در خش را جولان دادند و تیغ گزاری آغاز نهاد ؎

گشتند به تیغ فتنه اندوز | هم عربده ساز دهم عدو سوز
بستند کمر بزرم سازی | کردند بخون خویش بازی

آلات رزم را از روز بازاری پدید آمد و اسلحه را قدر و قیمت افزون گردید۔ سپر مردمک دار از عزت جای در چشم یافت کمان ابرو کردار از تعظیم بر سر دیده مے نشست و تیغ انداز بهزار گوهر می ارزید و خنجر بے قبضه زر بدست نمی آمد مردم بریک زره هزار چشم دوخته بودند و از انتظار چار آئینه چار چشم گردیده یک تیره را بیک نیزه بالای زر میخریدند کند را مانند رشته جان جان بجان برابر مے داشتند۔ ترکشی بدست می آورد که سهیم السعادت در طالع داشت

دقوس کسے می یافت کہ مانند چرخ مقوس باد بود۔ دستانہ ہر گز دست نمی داد این نحیف سپاہی لشکر خویش را از لعنت کردار پُر دل ساخت و سایہ وار ترکش در کمر بست چار آئینہ پوشان را روشناس ظفر گردانید و جوہر مانند رو در تیغ آورد۔ پرچم علم را چون کاکل خوبان پیراست و ماہ رایت چون روئے محبوبان آراست۔ پائے در رکاب آورد۔ و آتشیں کمیت را در میدان راند۔

پیادہ شہر گران در رہ کا بش
چو موج بادۂ تیغ شعلہ تابش

تہمتان جان را پدرود کردند و روئیں تنان روئے بہ تیغ آہن می آوردند، تیغ زنان پرچم چندین فریدوں را ضحاک می گردانید ند و پلنگ افگنان چندین از شیران را بابتین بہرام گور میکردند خون سیاد شان را از جوئبار تیغ آب مے دادند و تن بر وتر دستان را از پیکان تیر پر وبزن مے ساختند اسپ دارا کیشیان در ان عرصہ گاہ اسکندری مینورد و در شتہ جان سکندر آئینان تار دارائی تافتہ میشد۔ از قبضہ تیغ پوردستان با وجود زبردستی از دست میرفت واز میزان تیرۂ بہمن با وجود گران سنگی از زندگانی سیر میشد۔ در ہنگام درخشیدن تیغ برق تاب چشم کے تاب می آورد وخسرو جان شیرین میداد و ہلالِ دل بہلاک مے نہادند ے

شدہ کینہ اندیش پیکار جوئے
دران رزمگہ پہلوانان ہمہ
بہ تیغ آزمائی کمر بستہ چست چو مردان کاری جوانان ہمہ

تیغ سوسن رنگ لالہ خون از نہال قامت نوجوان کہن قد بیرون میکشید وہر گل زمینے را مے ساخت، شاخ کمانِ اجل بار می آورد و از غنچۂ پیکان گل مرگ می شگفت۔

رہواداران رزم گلگون را صبا رفتار می ساختند و ابرش را قطرہ زن میگردانیدند شمشیر آبدار مثل جوئی آب روان بود واز خنجر سوسنی برنگ برگ سوسن جوہر موج میزد۔ دبیران سخن خود ار بسنر می ساختند وحرف خود را آب میدادند تیر چون رگ ابر روح گرانی مینمو۔ کمان چون قوس قزح دلیل تیر باران بود۔

اندران عرصہ نوجوانان را تیر راشے در دن سینہ خزید
جامی پیکانِ گرفت سوفار غلیچہ گوئی شگفت وگل گردید

بالجملہ آہنگ ہا آراستہ شد و برآراہنگی در گوشۂ آرمید دران مقام کہ آوازہ رزمسازی باوج رسیدہ بود۔ پہلوانان سند پہلوانان پیش میگرفتند۔ کمان با صول ثقیل وحقیقت پرداخت دتیغ ضرب الفتح برگزیدہ آوازۂ کرنای کوس بارا کہ ساخت وطبل نغمہ فتح در پوست میزد و در دائرہ لشکر کوچک و در رگ بجنگ پیوستند ولبیب مخالفانِ زیر ہانگی ابر کوش گردیدند۔ تیغ را کار فرمودند واز خنجر عمل نمودند۔ پیشروان رزم بمیانِ خانہ زین دسر خانہ

کمان درآمدند درۂ برنا سازان بستند دد رہر کوچہ بہ تیر کار بر کفار تنگ کردند بر آیتین ہو سیقار تیرہا را باہم جمع ساختند۔

بہ دلہای مردان خنجر گذار نوای نی تیر میکرد کار

چو دف داشت زان لشکر کینہ ور بزیر بغل بربیجے صد سپر

بہر سو ہزاران یلِ ارجمند جو تیر کمانچہ اسیر کمند

زافزونی لشکر پر ستیز

نہان چون رہ نغمہ راہ گریز

آواز جرس نے جگران را مغلوب گردایند۔ وصورت زنگلہ شیر دلان را بے جگر ساخت۔ رزم سازان نیز خار اشگاف کشادند درواہاے کج آہنگان بیرون کشیدند۔ پس ہنگام آن رسید بود کہ این مور ضعیف مانند سلیمان جمیع مخالفان را کہ اصل فتنہ ومایۂ فساد بودند بچنگ آوردہ روان شان چون نفس رامشگران بباد دہد تا بتایید کارساز کار راست شود واز ہر گوشہ طنطنہ بلند گرود ے

رزمسازی کند بقانونی کہ شود جان دوستان مسرور

دشمنان را بپای خر افتد کاسہ سر چو کاسہ طنبور

ناگاہ جرم خورشید کہ جلاجل زرین دائرۂ سپہر شب رخ در پردہ مغربی نہفت دہر دو لشکر آہنگ مقام خویش کرد۔ پس روز چہارم چون توسن زرین عنان خورشید در عرصۂ مشرق بجولانگری آمد ہر دو لشکر تیغ آتش آمیغ بر آہیختند درخش بمیان نادر ابر انگیختند ے

گردید زگرد باد پایان آئینۂ آفتاب تیرہ

شیر علم ظفر سگالان بر شیر سپہر گشت خیرہ

چون وصف غبار آن لشکر سر کنم اگر خامہ در دستم برخاکی شود می سزد چون سخن از سپاہی آن لشکر رانم اگر بخوبی منت سیاہی۔ رقم پذیر گردد ے شاید ے

سپاہی قوی تر از فولاد ہند بہ بے باکی آزاد چون قوم رند

ہمہ خانہ زاد کمان چون خدنگ چو شمشیر جوہر شمار وز جنگ

پی وصف این فوج نصرت صفات سیاہی نفکر کستم درد وات

بہ توصیف این فوج رزم آفرین زبانم جو شمشیر بشد آہنیں

ربس گرد وز خانۂ زین سوار نوشتہ کتابہ بخط غبار

ہوا پایۂ گرد ناکی شدہ کمان خانہ اش برج خاکی شدہ

بادپیمان بکردار گرد دور گرد پنہاں شدند دکید گنان بچرخ رزم آمد و گلگون نان بایش گل سرخ گشتند۔

دا از سبک خیزی صبا رفتار گردیدند از غبار لشکر بیم آن بود که آب تیغ گل شود و از موکب جای آن داشت که آئینه شن تیره گردد و آشهب چون شهاب پنداری آتش زیر پا داشت که هر ساعت چراغ پا می شد ابرش چون ابر گویم که هوای قطره، موزون گرفته بود که هر ییش از یاد میگذشت ے

بسکه میشد نه فرط خونریزی | همه جا چهرهٔ زمین گلگون
کاسه هم باد پایان بود | راست همچون حباب دجله خون

رتبهٔ علم والا شد و به برق پایه دارائی یافت۔ شیر دلان از خرمی افتادند و پلنگ افگنان شعر گوئی میکردند۔

یکے میکرد از خونخواری تیر | ز غم تلب تہی مانند رہگیر
یکے از زخم تیغ گوہر آمود | بسانِ لعل در خون غوطه زن بود

سران راشغل تیغ رانی بگردن افتاده بود و دلیران را هوای بلند پروازی در سر جا میکرد در چشمها تے جستن وابروان نیم بسمل گرفت۔ گوش از پوست گرگ آواز کشید و زهره پر آب گردید۔ صیت کرنا از گوشهٔ برخاست و گوشهای دیوان را کر ساخت من نحیف پا در رکاب گذاشته میدان مصاف را بکیفیت تمام پیراستم د میمنه و میسر بکمیت سواران جور اندیش آراستم۔ طغرل فشان را بیعنهٔ فولاد بر گنداشتم تا بفراغ بال در جناح اسپان گرفتند و پردلان را دادم تا در میان قلب جای ساختند ے

گشت آماده لشکر خونریز | چون گهر های تیغ گرم ستیز
هر همه رزم ساز و دشمن مال | جر همه تیغ بار و کینه

مهرهٔ پشت قوی پشتان با این بیتر و تفنگ از هیبت بیرون افتاد کمان چون ابرو دی دل آشوبان دو فتنه نوردی طاق شد و پیکان چشم خوبان در خونریزی تر گردیده چه حرفها که از شاخ کمان سبز نمی شد۔ د چه گلها ناز پیکان نمی شگفت۔ جمع بر آیش شمشیر سے پیوست نه ہوسے دردا ده باعدای آهنی دل تیغ نشاند و مشتی بجر دار خنجر در عریان جوهر خویش آشکار اکرده با حسود بد گوهر دست بکمر چشم زره از آب پیکان تیر اشک آلوده شد وابروے کمال از کشاکش تیر انداز ان جستن گرفت۔ سر انگشت زبر دستان از دم خنجر چون پیکان تیر آهنی شد و تن دلاوران از بیم تیغ خونی گردید۔

هنگام او غاتِ دلیران
چون تیر ز تیر پر بر آورد

گل سپر از تیغ کماندار آن گل صد برگ شد۔ و دامن زین از سیلاب چون دامن گلچیں گشت۔ چشم زه گیر راه کمان رشد اشک گردید و نرگس بر آیش پوست پوشان از تیر الف باکشید ے

چکید از لب سوفار زہر خند عتاب — کہ بوی جسم زخمیازۂ کمان آمد

دل حیات خراشیدہ شد بسان ہدف — چو زخم تازہ لب عمر خونچکان آمد

شفیع زنان از ہجوم تیغ چون جوہر در آہن وطن گرفتند و شیر نران از ہجوم تیر چون شیر در نیستان جا کردند. شاخ کمان از سر گلستان قبضہ کران غنچہ ہا بہر آورد و غنچۂ پیکان از خون گلگون سواران گل کرد۔

ریخت از بسکہ خون مت گلرویان — تیغ را آستین پر از گل شد

آبہ بحنان گشت تیر ورو م زہ — کہ سنانش زبان بلبل شد

سپہر کشادہ پیشانی در آمد و کمان بازوے فراخ جلوہ گر گردید دل در سینہ ہا از ہراس چون برگ بید لرزان شد و استخوان در تن ہا از صدمت استخوان خرد شکست۔ جوہر چار آئینہ از کاوش تیر حلقۂ زرہ گشت و زاغ کمان از خونریزی سرخ گرد دید سیلاب خون از سر گلگون در گذشت دخانہ زین خانہ رنگین گشت ؎

بگویم کہ آمد بہنگام کین — زشمشیر آبے بروی زمین

زمین گشت با آب تیغ آشنا — درود ندصد گشت مردم گیا۔

زکس خون گرد نکشان تیغ بخت — ازیم اسپ در خانۂ زین گریخت،

زاند از پیکان بہنگام جنگ — اگمان شد بہ قربان تیر خدنگ

ہر آنکس کہ شد از کمان گوشہ گیر — تن او در زرہ گشت از زخم تیر

خدنگ جگر دور ہنگام کین

بیفگند حرف کسے بر زاین

نزدیک بود کہ بتائید بخت بلند اختر کوکبہ اعدر الشکنم درایت فیروز مندی باوج سپہر رسانم کہ ناگاہ آفتاب سپہر انداخت وسیاہی لسکر شب گیتی را فرد گرفت۔ ہر دو لشکر رجعت نمودند بمنزل خویش شتافتند۔ پس روز بہجم چون خسرو بخم تیغہائے رخشان بر آہیخت وخون ہندوی شب برزمین ریخت ہر دو لشکر دلبعرصۂ گاہ رزم آوردند دیتغ رانی سر کردند۔

ہمہ مانند تیغ تیز شدند

باہم از کینہ درستیز شدند

میدان جنگ از ہجوم کمانداران چون میدان کمان تنگ شد از تنگی جان تیر اندازان را مانند زہ کمان رگ از تن جدا کردند افراس عقاب ہیبت گرم عنان گشتند و توسنان برق رفتار در جستن آمدند۔ مو بر اندام دلیران صاحب جوہر از جوہر موی برتن خاست اشہب سواران عنبریں توسین رابوی مرگ بہ مشام جان رسید و بہ آن جنون دو در ہوای آتشین در سر افتاد۔ دا آتش سنان علم چون شمع یک نیرہ بالا رفت پیکان تیر چون فتیلہ چراغ قندیل برافروخت قبضۂ دست تیغ،

زنان مشت تیغ گردید و سر انگشت تیر افگنان پیکان تیر گشت. ے

پیکر مردان رزم آرا بهنگام ستیز　　در زره پوشی بسان تیغ جوهر دار بود

تیغ تابدار جوزای قمر طلعتان را آفتاب گردید و خنجر آبدار بجر دست نهنگ صولتان را ماهی گشت تیغ جانگزای عمر شان را بسر رسایند و تیر سر شگاف زندگانی سرداران را سیر مے گردایند. پیش سپاهی لشکر ایچ یکے سفید نتوانست شد و نزد کبودی تیغ هیچکس حرف خود را سبز نیارست ساخت آتش طبعانی که مانند آب در آهن غرق بودند آتشین کمیت را گرم رفتار ساختند و از تیغ آبدار آتش در آب و آتش انداختند تیر از جا جست و کمان در کشمکش افتاد - از صدمت گرز جوهر تیغ چون نفس در نگین فرو رفت داز سهم تیر زه در کمان چون رگ در پوست پنهان گشت. سپهر آفتاب کردار از کاوش تیر تا تار گردید و علم شمع دارا آز آتش تیغ بگداخت سلیمان از مورچه شمشیر بیم داشت و زوال زرا زاهن خنجر در هراس بود - مبارزان خنجر بخوان دشمنان آب میدادند و تیغ را از دلهای سنگدلان بر نشان میزدند - چون شانه انگشتان دست زبردستان کار تیز میکرد و چون دسته آئینه گردن گردن کشان بار فولاد بر سر میگرفت - آفتاب دار هزاران رمح جلی از پنجه دلیران می خاست و آسمان کردار زره هزار میخی از تن مبارزان میرست - تیغ اهل تجرید از پوست برآمد و قطع پیوند ها نمود و تیر چون اهل تقریر گرسنگی کرد و تا ماجگاه مقصود رسید پیکار جویان کے آسا تیر را مے کشیدند و تیره جویان بر آستان اجل میخوابیدند چون ابرش سبک رفتار قطره میزد آب روان خود می افزود و چون اشهب آتش عنان چراغ پا می شد شمع زندگانی مے برد. ے

اجل را هوا داری از جنگ بود　　ز جا نها هوا تے قفا تنگ بود
دران عرصه که داشت هنگام جنگ　　کمان گوشه خاطری پا خدنگ
کسے را چو ربا خانه کارے نبود　　بغیر از کمان خانه داری نبود
ظفر با کمان گشتے الفت پذیر　　زره میزدی بسکه چشمک به تیر
بهر دل که در روے زنا درد بود　　دم تیغ افسون آن درد بود

ز فتح و ظفر با دل هوشمند -
تفنگ گرا نمایه کردے بلند

کمانرا بمرگ حسو دان زکین　　شدی چاشنی شربت واپسین

آب تیغ از جوهر در موج آمد و شاخ کمان از پر تیر برگ آورد و پیکان مانند غنچه صد پاره شد و سر بریده کردار مانند گل از هم ریخت شد بر از رنگ خون گلگون گشت و گلگون از سیاهی لشکر شیدیز شد آب تیغ از سر ها گذشت و آب سنان یک نیزه بلند شد آشوب فتنه تیغ گردید و فتنه مفتون خنجر گشت. ے

پنہاں ہنگامۂ نادرد شد گرم — کہ گردید آب خنجر آتش میغ
رفرط کینہ اندیشی زجوھر — ہم پیچید رگہا درتن تیغ

دلیران آب تیغ را مانند شربت می نوشیدند و نے تیر را نیشکر دار می خوردند و از چاشنی کمان جانبازان و خیر خواہان این ناتوان شربت شہادت می چشیدند و ایام حیات را عید قربان مے ساختند گوہر ہای تیغ در صندوق سینہ جا گرفت وزین آتش پایان از گرمے جنگ پُر زین گشت بیضہ خود از تیر وے گز نرم پر شکست زرہ بر تن قوے بالایان مرغ روح را دام بلا گردید۔ شہیدان را آب تیغ غسل مے دادند۔ کشتگان را از نیام تیغ در تابوت مے کردند۔ جوہر خنجر ماہی ظفر را در دام مے کشید و آب تیغ سپاہی لشکر را فرد می شست :۔

آئین یلان تیغ زن بود — پُر خاش گری و رزمسازی
کردند ز آب تیغ ھر دم — دامان حیات خود نمازی

یعنے چون کمان در کمند افتادند بر تحے چون تیر پیکان فرد بروند سپاہی لشکر سرمۂ چشم ظفر گردید و دغبار موکب و شمشیر ابروی فتح گشت ۔

شد چناں اوج گزیں رتبۂ فیروز معنی — کہ چمن گشت دل دشمن خرم دل دوست
تیر را پای نہ آمد بزمین از شادی — تیغ شد شادی انسان کہ نگنجید بپوست

القصہ نسیم ظفر وزیدن گرفت و غنچہ فتح شگفتن در آمد جب آزاد پاشا نے تقریر ختم کی تو اکثر علماء اور حاضرین نے غلغلہ سبحان اللہ بلند کیا اور محفل برخاست ہوئی۔

افیمیوں کے ولی گھنگھا اور گرو گھنٹال چانڈو بازوں کے سرغنہ سگ زرد برادر شغال دگلے والی پلٹن کے کمیدان میاں خواجہ بدیع الزماں کی تقریر حماقت تخمیر

ہٹو بچو۔ دور باش و ادب۔ حضرت خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع آلجہانی کی سواری آتی ہے۔ کول، خوجی، خواجہ بدیعا، خواجہ من بعدا خواجہ بدیع الزماں بدیع بدیعا بی چنیا بیگم کے آشنا دیرینہ۔ دگلے والی پلٹن کے کمیدان انہوں نے جو دیکھا کہ آزاد کی چو طرفہ تعریف ہوتی ہے اور ہمیں

کس غنیم سد کہ بھیّا کون ہے

تو بہت ہی جھلاتے اور کل شہر کی افیمیوں کو جمع کر کے انہوں نے بھی جلسہ منعقد کیا اور یوں اسپیچ دی ۔

بیا ساقی مشک رو سبزہ رنگ — بدہ جام افیون مرا بید رنگ۔

بدہ ساقی آن مالوے کی افیم
افیمی کہ بے ہوش سازد مرا
افیمی کہ باشد سیہ مثل زاغ
بیا ساقی ای مایہ روح و تنم
شب جمعہ در روز آدینہ چیست
پیاپے پیاپے پیاپے پیوں،
خدا کے لئے اٹھ ذرا ساقیا
ہوا بعد مدت کے فضل خدا
کہ پینک میں ملک سیر گلشن کروں
مجھے جام افیون پلا برملا
بہت داستانیں الم کی سنیں
دواتوں میں گھول آ کے افیون ناب
پلا ساقی افیون پینک فزا
مراحل مصیبت کے طے ہو گئے
قسم ملک چین کی تجھے ساقیا
وہ افیوں کہ تیزی ہو تیں رشک مرچ
کہ چہرے سے چھلکے سیاہی مرے
دل عارفان کی سویدا ہے وہ
وہ افیون جو ہو جان جانان ہند
کہ ظلمات ہو دیکھ کر اسکو دنگ
حبش کا سیہ رو بھی اس کو نپاتے
بدہ ساقیا ساغر او پیم
مری جان پر ساقیا کر نگاہ،
سیہ مار یعنی وہ افیون تر
بلا جام افیون پیر مغاں.

بنام خدا ای غفور الرحیم
غم دین فراموش سازد مرا
افیمی گزد گل شود ہر چراغ
افیم بدہ تا دعایت کنم
بدہ افیم مالوا بہر کیست
کہ تا حشر پینک میں میں غین رہوں
مرے منہ سے دے جام افیون لگا
مجھے بھر کے افیون کی پیالی پلا،
ترانے ذرا بلبلوں کے سنوں
کہ ہوتے ہیں بچھڑے ہوتے ایک جا
مصیبت کی اور درد غم کی سنیں
کہ کلک یدیعا ہو پیکر خراب
بہت غم سے جی میرا گھبرا گیا.
افیمی بھی پینک میں سب ہو گئے.
مرے منہ میں افیون کے قطرے چوا
جگر پیمہ کرے میری وہ کار کرچ
کہ بشرے سے برسے تباہی مرے
شب قدر کی شب سے پیدا ہو وہ
خجالت دہ زلف خوبان ہند
خنجل آگے اس کے ہو زلو کا رنگ
سیہ چشم کشمیر غیرت میں آئے
تو دشنام وہ من دکنم
کہ معشوق میرا ہے مار سیاہ
بھگا دے جو پینک میں سو شیر تر
کہ پینک میں لکھ جاؤں اکداستان

بہت جلد پلا ساقی ادہم | خراب و سیہ مست و تر دامنم
کدھر ہے تو اے ساقی سبزہ رنگ | کہ افیون کی ہے میرے دل کو ترنگ
زبان پر مری ہے ترا نام خوش | پلا ساقیا مجھ کو اک جام خوش
کدھر ہے تو اے ساقی نشب غدا | کہ ٹھٹسے نسے آتی چمن میں بہار
بس آگے نہیں تاب کچھ ہو رقم | کہ پینک میں اب جھومتا ہے قلم
بنام خدائے بصیر و سمیع | ہمیں گفتہ شدہ بودہ است خواجہ بدیع
کہ در وقت سعد و زمان سعید | بو ہنگام نیک داوران حمید
جوانی فلک رتبہ عالی مقام | جوانمرد و ہمدرد آزاد نام
گلی تازۂ بوستان جمال | شہنشاہ اقلیم عز و جلال
رئیس و امیر و غریبا نواز ، | زسرتاپا خلق و انداز و ناز
در درج دانش فلک بارگاہ | مہ اوج بینش فلک پائیگاہ
سمندیق یکران تعبوقہ | صمانقال فندیق تاجوقہ
فقیق پوش پولاد گرد نکشتان | بہ سنجوق طمطاق پیل و مان
نمیقال کتر دم آوارگان ۔ | بنام ایزد آزاد آزادگان ۔
بہ فطرت فلاطونِ یونان زمین | بہ حکمت چو لقمان ابن یمین ،
وہ لونڈی کہ نصرت ہو جس کا نام | کمر بستہ خدمت میں حاضر مدام
بُت سیمتیں پردہ عاشق ہوا | وہ غدر ہوتی تو بہ واحق ہوا
وہ دخت شکر لب پری پیکرے | بُت لالہ رد سیم بر دلبرے
زعید طرحدار جادو نگاہ ۔ | بت گلبدن غیرت مہر و ماہ
وہ دولہن کہ ہو فرد تار دم و شام | قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن | مرادوں کی راتیں جوانی کے دن
غضب کا نکھار اور ستم کی پھبن | کسی نے نہ دیکھا تھی ایسی دلہن
وہ بالوی سحر آفریں لالہ فام | بسان تدرو چمن خوش خرام
مہ چاردہ دیکھ کر شرم کھائے | فرشتہ جو دیکھے تو ایمان لائے
کہا اس نے اک روز ای مردنیک | کروں عقد گر مان لی بات ایک

ندانند ترا کس درین مرز بوم
همیں یہ کہ منزل گذینی بروم

شنید ستم از مردم نامور ____
کہ با تیغ و خنجر سنان و سپر

شہہ روس بر روم یورش نمود
بوقتے کزیں پیشتر روم بود ،

چہ باشد کہ بے حیلہ و ریو و ننگ
همیں دم کنی با شہہ روس جنگ

بلا عذر و حجت ازیں مرز بوم
همیں دم شوی عازم ملک روم

نبرد آزما شوز مردان کار ،
کہ جنت بیابی پس کارزار

چو آزاد شد مطلع زیں خبر
کمر بست فوراً بعزم سفر

ندیم خردمند و فرخ نہاد
ہمہ دان و ذی علم و عالی نژاد

بفضل خدائے بصیر و سمیع ،
من روسیہ نام خواجہ بدیع

بہ طلبید آزاد خاقان کلاہ
ندیم چو من غیرتِ مہر و ماہ

بسان بزرگان بداد یم پند
کہ بشنو ز من نکتہ سودمند

نصیحت کہ خالی بود از غرض
چو دارو بے تلخ ست دفع مرض

رسیدیم القصہ در ملک روم
کہ آنجا نہ بینی یکے چغد و بوم

طرب مسکن و پاک ملکے چنین
ندیدہ کسی تا با قصائے چین

ز حوران فردوس آراستہ
ہمہ خوبرویان نوخاستہ

چہ حسن گلو سوز زاہد فریب
ہمہ نازنینانِ طاؤس زیب

بتان پری چہرہ جادو جمال
بحسن و بخوبی عدیم المثال ،

زسرتا بپا عالم نور ہے ،
تجلّی میں وہ رو کش طور ہے

دہانِ مجمع دلبران جہاں
ز ملک چگل تا بہ ہندوستان

ہر اک شوخی و حسن میں بے نظیر
غضب کی پھبن اور ادا دل پذیر

بروز مصاف آن .. یلِ نامور
بڑھا فوج کے آگے جوں شیر نر

ندیم پہلوان خواجہ بدیع ، ،
نبرد آزماؤں میں سب سے رفیع

بڑھا فوج کے آگے مثلِ نقیب
رجز خواں باواز حی الحبیب

سُنی روسیوں نے جو آواز شیر
لگے کانپنے روس کے سب دلیر

بیا ساقیا زاغ رو کولہ فام
پلادے مجھے ایک افیون کا جام

اب آیا ہے جی بیٹھے بیٹھے بہ تنگ — کہ آتی ہے آواز توپ و تفنگ

عدو کی جفائیں ستانے لگیں — صدائیں دنا دن کی آنے لگیں

کدھر ہے نوا سے ساقی زاغ رنگ — کہ بے جام افیون نہیں قصد جنگ

سپہ شادیانے بجانے لگی — دنا دن کی آواز آنے لگی ،

پیادے اور اسوار تننے لگے — جو کمزور تھے شیر بننے لگے ،

خوشی سے پلا ساقیا اب افیم — کہ بھاگا ہے نامرد روسی غنیم

کدورت مرے دل سے دھو ساقیا — افیم سیہ رو کی پیالی دکھا

وہ چینی کی پیالی وہ افیون ناب — طلائی ہو جس میں ذرا سی شراب

افیم نخالص پلا ساقیا — ذرا خوب دھو دھو کے لا ساقیا

سنو ایک شب کی یہ تم داستان — کہ جنرل خواجہ بدیع الزماں

وہ جنرل نامی کہ ہے جس کی دھوم — ز ہندوستان تا با قصائے روم

ہزاروں پیادے ہزاروں سوار — ہزاران سمندان آہو شکار

جلودار نصرت ہر ایک کام پر — وہ گھوڑے پہ پریزاد ضرغام پر

چلے سوئے میدان شادی کناں — بڑھے سب کے آگے بدیع الزماں

کہا سب نے پیل دماں ہی بڑھا — ظفر بول اٹھی مرحبا، مرحبا

عدو کی عساکر میں ہلچل مچے — کہ کلے پہ ترکوں کے فوج آ گئی

وہ فوجوں کا دل اور وہ کوہ رفیع — اکیلا لڑا سب سے خواجہ بدیع

شپا شپ وہ آواز تلوار کی — وہ اٹکھیلیاں اسپ رہوار کی

وہ چھل بل وہ شوخی وہ اسکی پھبن — پری تھی کہ گھوڑا بقول حسن

کہوں کیا کہ بس اس اسپ کی خوبیاں — پرندوں میں ہوں کب یہ محبوبیاں

ذرا کل کو موڑی فلک پر ہوا ، — جو کہیے تو کہیے اسے بادپا

نہ کھادے نہ بیوی نہ سووے کبھی — نہ ٹاپے نہ بیمار ہووے کبھی ،

نہ ساپن نہ ناگن نہ بھونریکا ڈر — ہر اک عیب سے وہ غرض بے خطر

نہ حشری نہ کگری نہ شبکور وہ — نہ وہ کہنہ لنگ اور نہ منھ زور وہ

وہ خواجہ بدیعا کا اسپ سرنگ — پرے دیکھ کر جس کو ہو جائے دنگ

لگے بہنے دان خون کے چشمہ سار
ہوئے قتل لاکھوں کروڑوں سوار

ہوئے رومیوں کے وہاں سر قلم
پیادے مرے دس کروڑ اک دم

کہا روسیوں نے بصد رنج و درد
کہ ترکوں نے ہم کو کیا گرد برد

ڈکارا ابن اسدم کہ خاموش باش
لگے روندنے روسی اپنی ہی لاش

ہوئے ٹکڑے ٹکڑے وہ سب نابکار
پیادوں کے دو اور سواروں کے چار

کہ اتنے میں ناگاہ دشمن کی فوج
کمین گاہ سے اٹھی مانند موج

کمک کو جو آئی سوارانِ روس
بجے دونوں جانب سے تشکریں کوس

پلا ساقیا ساغرِ مشک بار
کہ ہے گرم ہنگامۂ گیر و دار

اجل پھر عدو کو ستانے لگی
پھر آواز توپوں کی آنے لگی

دمادم کی ہیں پھر صدائیں بلند
اُڑے ہوش اعدا کے مثلِ پرند

بڑی طپش کھا کے سپاہ جری
پھر افواجِ دشمن میں کھلبلی مچی

سواروں نے ہتھیار سب رکھ دیے
تفنگ اور تلوار سب رکھ دیے

اسیرِ بلا ہو گئے، نابکار
گئے قید دس لاکھ پچیس ہزار

ہوئے جب ظفر یاب خواجہ بدیع
بہ فضلِ خدائے بصیر و سمیع

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا
کہ نقار خانے میں دو حکم جا

کہ نوبت خوشی کی بجا دیں تمام
خبر سن کے یہ شاد ہوں خاص و عام

یہ مژدہ جو پہنچا تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ اور زری،

بنا ٹاٹھ نقار خانے کا سب
مہیا کر اسبابِ عیش و طرب

تصدق تری جان و دل ساقیا
شبِ مہ میں مے آفتابی تو لا

پلائی بہت تو نے افیونِ ناب
ہو پینک پہ اس کی دوبالا شراب

رہے دورۂ جام دہ درمیان
برابر لگیں شیشے کو ہچکیاں

مجھے وصلِ عشرت کی دارو پلا
کسی طرح مجھ نیم جان کو جلا

نچنے لگی جان سے عیش و نشاط
خوشی کا بہم دل سے ہو اختلاط

توجہ سے سب تیرے آسان ہو
سب انجام نصرت کا سامان ہو

جگر پر مرے داغ ہیں بیشمار — سو آنکھوں سے ہو ان کی ظاہر بہار
نہیں اشکِ عشرت کے اب اسقدر — کہ ہوں دامنِ آبرو تر بتر
میں قربان ترے ساقیا اٹھ شتاب — ملادے برانڈی ہیں افیون کباب
اٹھا ابر ساقی بہار آ گئی — گھٹا گلشنِ دہر پر چھا گئی
گھٹا کالی کالی دھنک لال لال — کنہیا کے ابرو پہ جیسے گلال
بھر اب جام میں بادۂ پُر نگال — بھرے رنگ سے قمقمے کے مثال
بلائیں میں لوں تیری سر تا بپا — پھروں گرد تیرے برنگ صبا
ہوں گل گل شگفتہ میں پھر گل کے طور — کروں نغمہ سنجی میں بلبل کے طور
کہ اس جنگ میں اب یہ ہی بند و بست — کہ پھر ہو عدو ایک حملے میں پست
پھر اک دم میں روسی ہوں زار و تباہ — پھر اکدم میں دشمن ہنیں روسیاہ
نصیبے میں دشمن کے لکھا ہے صاف — کہ بھاگے گا بے شبہ روز مصاف
اٹھا لنگر کشتی سے اٹھا — کہ ہوتی ہے اب جنگ بحری بپا
وہ فوجوں کا مجمع لب جوئبار — وہ سبزہ وہ چشمہ وہ رنگین بہار
وہ ہر سمت توپ اور ہر سو تفنگ — وہ باجے ظفر کے وہ کوس اور وہ چنگ
وہ قرنا کی آواز وہ دھوم دھام — سپہ کا وہ غٹ اور وہ اژدہام
ادہر اور اُدھر مورچے فوج کے — تماشے وہ دریا کے اور موج کے
ادھر گولہ انداز مغفر شگاف — ادھر فوج کا سک دلیران قاف
صدا ایک روسی نے دی اے غنیم — نہیں ہے ذرا تو عقیل و فہیم
مقابل میں شیر و نکے آتا ہے تو — ارے گنے ہاتھی سے کھاتا ہے تو
جواب اس کا میں نے دیا برملا — کہ خاموش اے مردک بیحیا
مرے سامنے یوں اکڑتا ہے تو — بھلا ہم سے کیا کھا کے لڑتا ہے تو
سکندر ہے مرا ایک ادنیٰ غلام — خدائی میں مشہور ہے مرا نام
میں ہوں رو کش رستم داستان — نہیں کوئی دنیا میں مجھ سا جوان
ہوئیں الغرض فوجیں آراستہ — ادہر روم ادھر روس دل باختہ
لگیں چلنے اتواپ اژدر دہان — زمیں سے ہوا شور تا آسمان

ہوا گرم ہنگامۂ رستخیز — صدائیں اٹھیں قاتلو اور بریز
برابر رہی ایک شب تک مصاف — ہوا صبح کو سارا میدان صاف
ہوئے نصب جھنڈے ادھر روم کے — ادھر فتح کے شادیانے بجے،
سنا روسیوں نے جو احوالِ جنگ — ہوا فق اسی وقت ان سب کا رنگ
بجھے آفریں اے بدیع الزمن، — کہ دشمن کو مارا بقولِ حسن،
ہوئے دیکھ یہ حال حیران کار — کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگا، — کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگا،
کوئی بلبلایا سا پھرنے لگا، — کوئی ضعف کھا کھا کر گرنے لگا
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر تھا — کوئی بیٹھ ماتم کی تصویر تھا
رہا کوئی انگلی کو دانتوں میں داب — کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب ـــ
کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال — طمانچوں سے جوں گل کئے سرخ گال
کہاں چھپ رہا ساقی لالہ فام — بلوریں گلابی میں دے بھر کے جام
کہ مے پی کے بدمست و بیخود رہوں — سحر سے مسا تک برابر پیوں
مرے نام کے خوب ڈنکے بجے — کہو جا کے ساقی سے کر کے سجے
افیمی کہا اور کہا رزمگاہ — کہا چانڈو باز اور کہا فوج شاہ
خوشا پینک خواجۂ پہلوان، — خوشا بستۂ اوپیم بے گمان
اگرچہ ہے رنگت میں کالی افیم — مگر سب نشوں سے ہے عالی افیم
تو اجس پہ بکتی ہیں سب رنڈیاں — ہے رنگت میں کالا ہی وہ بیگمان
وہ مجنوں کی معشوقہ سیم بر — پریزاد و خوش رو و فرخ سیر
سیاہی میں تھی مثل افیون سیاہ — ملاحت میں تھی غیرتِ مہر و ماہ
سیہ نرگسیں اور مستی خراب — دو ہندو یہ یعنی دو جادو بخواب
چھپا ہے کدھر ساقی گلبدن — کہ ہے جنگ سے چور میرا بدن
گلابی خدا کے لئے لا شتاب — پلا دے مجھے جام شیریں شراب
کہ یاد آئی ناظورۂ گلبدن — وہ مس روز معشوق بستہ دہن
ہوا صید بخنجر تیز محن — بڑا عشق کا بقول حسن

غزل

یہ کیا عشق آفت اٹھانے لگا — مرے دل کو مجھ سے چھڑانے لگا
ملا میرے ساقی کو مجھ سے خدا — نہیں تو میرا دل ٹھکانے لگا
گنہ چشم خونبار کا کچھ نہیں — مرا دل ہی مجھ کو ڈبانے لگا،
نہیں مجھ کو دشمن سے شکوہ حسنؔ — مرا دوست مجھ کو ستانے لگا،
سنیں حال یاران فرخندہ خو — کہ ایک لعبت گلبدن خوبرو،
زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا — وہ بیٹھی عجب آن سے دلربا،
کہ زانو پہ اک پاؤں کو دھر لیا — اور اک پانوں مونڈھے سے لٹکا دیا
نہ پوچھ اس کے پائے نگاریں کا حال، — زبان ثنا وصف میں جس کے لال
کفک اور فندق سے لالہ کو داغ — نہ ہو ایسی کیفیت پائیں باغ،
طلائی کڑے اور کفک کا وہ رنگ — سنہری شفق جس کو ہو دیکھ دنگ
جواہر کے چھلے بھرے پور پور — زری کی نکی جیسے مخمل پہ قور
خماری وہ آنکھیں، وہ انگڑائیاں — وہ جوبن کے عالم کی سرسائیاں
جوانی کا موسم شروع بہار — وہ سینے سے ان کے کچونکا ابھار
خواص ایک حقہ لئے تھی کھڑی، — کہ لالے کی پتی تھی ان میں پڑی
وہ شیشے کا حقہ مرصع کا کام، — مغرق زری کا وہ پیچ تمام
لب نازک اوپر وہ مہنال دھر — نکالے تھی پردے سے دود جگر
ادھر اور ادھر ہر طرف تھی نگاہ — کسی کی کوئی جیسے تکتا ہو راہ،
خواصین کھڑی اس کے سب گرد پیش — جو تھیں اپنے عہدے پہ حاضر ہمیش
کوئی مورچھل لئے کوئی پیکدان — کوئی نے چنگیر اور کوئی ہار مان
رسیلی چھبیلی بنے تنگ و چست — لباس اور زیور سے ہر ایک درست
کھڑی نیچی آنکھیں کئے با ادب — اسی شرم سے پر قیامت غضب
کئی ہمدم اسکی جو تھیں ماہرو — بچھائے ہوئے کرسیاں سو بسو
برابر برابر ادھر اور ادھر — وہ گرد اسکے بیٹھیں تھیں یکدگر
سماں اس گھڑی کا کہوں کیا میں آہ — ستاروں میں تھا جلوہ گر ایک ماہ

بعد حمد بیچوں امابعد برمی گوید اسعدک اللہ تعالےٰ نے الدارین کہ معشوقہ مہر سپہر ستم برای وزن بیت کم خم بے چینیا بیگم زاد عفتہا وہ محبوبۂ سیہ تاب و سنبل رد کنیا ابروہین کہ اگر من بدلیعا ہزار بار جی کر مرے تو بھی ایسی دلہن نہ ملے۔ اس پری رو میں اس قدر اوصاف ہیں کہ بس گومگو کا معاملہ ہے۔ ایک صفت ہو تو بیان کروں، دو صفتیں ہوں تو عرض کی جائیں تین صفتیں ہوا نو کہہ چلوں، چار صفتیں ہوں تو معرض بیان میں لاؤں۔ جب اس قدر صفاتِ حمیدہ ہوں جس قدر ریت کے ریزے اور آسمان کے تارے اور دنیا بھر کے آدمیوں کے سر کے بال اور درختوں کے برگ و نہال کی چھال اور پانی کے حباب اور شعاعِ آفتاب تو پھر خیبر بیان سے خارج اور حیطۂ التماس سے باہر کیونکر نہ ہو۔ چینیا بیگم کو خدا بخشے (ماشاء اللہ کیا دعا دی ہے م ان کا دم بھی ہزار غنیمت ہے۔ اور لطف یہ کہ ایک یہ اور ہزار دن بلکہ لاکھوں۔ اسے تو بہ حضرت کروڑوں، آشنا جیسے دیکھئے چینیا بیگم کا عاشق زار ہے۔ اسی لیلیٰ سیہ فام پر دل و جان سے نثار ہے۔ جو ہے اسی کی بلائیں لیتا ہے اور دعائیں دیتا ہے، ایسی پیاری معشوقہ دیکھی نہ سنی۔ سانولی رنگت سیاہی ہر بن مو سے جھلک رہی ہے۔ چہرے سے لیلۃ القدر کی ضیا چمک رہی ہے اور کرور حسن کا ایک حسن تو یہ ہے کہ اینجانب کی زوجۂ مکرمہ ہیں (ماشاء اللہ، جناب والدہ کی بھی بدلیعا نے اس درجہ خاطر داری اور تعظیم نہیں کی تھی۔

سامعین :۔ آفریں۔ آفریں۔ مرحبا خواجہ بدیع۔

راوی :۔ یہ آواز جو بلند ہوئی تو بعض افیمی جو پینک میں اونگتے تھے، چونک پڑے۔ دو ایک مارے ڈر کے بھاگنے کو تھے، سب ہکا بکا کہ یہ آواز کہاں سے بلند ہوئی۔

الغرض خواجہ صاحب کی بڑی تعریف ہوئی کہ اپنی زوجۂ مکرمہ بی چینیا بیگم کی ماں سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ جب اور افیموں نے سنا تو وہ بھی مداح ہوئے اور متفق ہو کر سب نے کہا۔ واہ برادر کیوں نہ ہو۔ ؏

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

وہ نام کیا کہ بایدو شاید۔

ایک :۔ اجی کل افیمچوں کی ناک رکھ لی۔

دوسرا :۔ دریں چہ شک۔ اسمیں کیا فرق ہے۔

تیسرا :۔ مگر اب کوئی افیم کو برا کہے تو ہمارا ذمہ۔

چوتھا :۔ برا کہے! ہونہہ!!! اجی سب کے سب افیمی ہو جائیں تو سہی وہ کام کیا ہے انھوں نے۔

پانچواں :۔ مگر یار ایک خرابی ہوگی۔ ہاں!!!

چھٹا :۔ وہ کیا۔ خرابی ہم بھی تو سن لیں ذرا۔

جواب :۔ یار افیم مہنگی ہو جائیں گی۔ گراں بکے گی۔

ایک :۔ تمہارے منھ میں خاک۔ اے لعنتِ خدا۔

دوسرا :۔ ع مزن فال بدکار در و حال بد۔

تیسرا :۔ بہ نابکار اس قابل نہیں کہ افیم پیتے۔

چوتھا :۔ افیم کا دشمن مہنگا ہو۔ افیم مہنگی ہو جائے گی۔

ہونہہ! مہنگی کیوں ہو جائے گی۔ جب امیر رئیس حاکم محکوم سب پئیں گے تو چین سے زیادہ مانگ ہوگی۔ ہر ملک میں افیم ہی کھیتوں میں بوئی جائے گی۔

خوجی :۔ سنیں سب افیونی اس شخص نے ایک اعتراض ما بدولت واقبال پر کیا ہے کہ افیم ہمارے سبب سے گران بکے گی اکثر افیم دوست بزرگوں نے اسکا جواب دیا مگر علمی جواب نہ تھا۔ اب علمی جواب ہمسے سنو، اسکے کلام کا لب لباب یہ ہے کہ جب لوگ کثرت سے افیون کے شائق ہونگے تو گران بکنے لگے گی، کیونکہ جس شے کی مانگ زیادہ ہوتی ہے، وہ گران بکتی ہے۔ سلمنا یعنی تسلیم کیا۔ ہم نے اس بات کو، مگر کیا خاصہ جواب ہے۔

سامعین :۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ کیا جواب دیا ہے۔

راوی :۔ بہت ہی خاصہ۔ اس وحشت کے قربان۔ جواب ابھی سنا ہی نہیں اور تعریف کے پل باندھ دیئے۔ کاتا اور لے دوڑی۔ خیر۔ خواجہ صاحب نے اس کے کلام کی یوں تردید کی۔ جواب یہ ہے کہ سب سے زیادہ ضرورت دنیا میں غلے کی ہے۔ غلہ کیا یعنی گیہوں گندم اور چاول برنج اور دال از قسم خورش اور گوشت لحم اور ترکاری بقولا اور چنا نخود اور پونڈا یا گنا نیشکر۔

راوی :۔ غلہ کا لفظ اس قدر ادق تھا کہ خواجہ صاحب جناب کو سمجھانا پڑا کہ غلہ گیہوں اور چاول اور دال کو کہتے ہیں، اور اس ذکاوت کے صدقے کہ گیہوں اور چاول اور ترکاری اور گنے کا ترجمہ کرتے گئے۔ اردو داں لوگ کم تھے۔ لہذا فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا واہ گیدی کیوں نہ ہو، اس کے بعد یوں فرمایا، دنیا میں جس قدر ضرورت غلے کی ہے اس قدر اور کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر فروخت اور مانگ کی کثرت سے اشیا گران ہو جائیں تو غلہ بھی اب تک گران ہو جاتا مگر اس قدر ارزان ہے کہ جولاہے اور تیلی اور خاکروب اور کوری اور چمار سب خریدتے اور کھاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب لوگوں نے دیکھا کہ غلے کی ضرورت زیادہ ہے تو غلہ زیادہ بونے لگے۔ جب غلہ زیادہ بویا گیا تو ارزاں ہو گیا۔ اسی طرح جب افیم کی خواہش ہوگی تو غلے کی مثل بوئی جائے گی اور سستی بکے گی۔

سامعین :۔ اعجاز، اعجاز۔ وہ برادر واہ۔

ایک :۔ کرامت ہے تقریر نہیں ہے یہ ـــــ یہ کرامت ہے۔

دوسرا :۔ اجی ہمارے تو اس فن کے خدا ہیں یہ۔

تبسرا :۔ خدا نہیں بلکہ فن کے پیغمبر اور اوتار۔

راوی :۔ اللہ اللہ کس قدر درجہ بڑھا دیا ہے۔ خدا نہیں بلکہ اوتار، اس ذکاوت کے نثار۔ خیر سے افیون نوشی کے علاوہ محقق بھی زبردست ہیں۔ اللہم زد فزد۔

اب سنئے کہ جس شخص نے یہ خرابی بیان کی تھی کہ افیم گران ہو جائے گی۔ اس کو لوگوں نے ذلیل کرنا شروع کیا اور کہا اس جواب سے تم پر سیکڑوں جوتے پڑ گئے۔ خبردار اب افیم کی نسبت کوئی کلمہ بد زبان پر نہ لانا، اس نے مجبور ہو کر خواجہ صاحب کے پاس جا کر ان کے ہاتھ جوڑے اور کہا خداوند قصور ہوا۔ میں بھی افیمی آپ بھی افیمی۔ فرق اتنا البتہ ہے کہ آپ افتخار الافیونیان ہیں اور بندہ نو آموز مگر از بزرگان خطا و از خردان عطا۔

راوی :۔ ماشاء اللہ۔ کتنی ٹھیک مثل یاد ہے۔ خیر خواجہ صاحب نے کہا کہ یہ شخص اس قدر منت و سماجت اور گریہ و زاری اور فروتنی اور انکسار کے ساتھ میری درگاہ میں کہ میں اس فن کا خدا اور پریشر ہوں التجا لایا۔ میں نے اس کو معاف کیا، گو میں وہ شخص ہوں کہ اگر اپنے لئے ما بدولت و اقبال کا جملہ بھی استعمال کروں تو مے زیبد، مگر انکسار مانع ہے۔ میں تو اپنی زبان سے یہی کہوں گا کہ میں بالکل ناچیز ہوں اور ذرہ بے مقدار ہوں اور ارذل خلائق اور روسیاہ اور بدترین مخلوقات اور اضعف العباد اور بیچمیرز اور ہیچمدان اور کج مج زبان اور ژولیدہ بیان ہوں مگر دنیا تو جانتی ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ میں اپنی زبان سے تو یہی کہوں گا کہ میں بالکل حقیر ہوں۔ مجھے مصر کے پہلوان نے اٹھا کے دے مارا تھا اور میں جہاں گیا۔ پٹ کے آیا، گو دنیا واقف ہے کہ خواجہ بدیع الزماں ساری خدائی کے پہلوانوں کا سرمایہ ناز اور ذریعہ اعزاز ہے مگر میں اپنی زبان سے کیوں کہوں، میں تو یہی کہوں گا کہ بوا زعفران نامی جلبشی نے مجھے چپتیایا یہ نہ کہوں گا کہ بوا زعفران افیون رنگ ہیں اور اس مشابہت رنگ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اس نے جو جو سختیاں کیں سب اٹھائیں مگر واہ رے میں اف تک نہ کی۔

سامعین :۔ خدا بخشے آپ کو کیا کہنا ہے استاد۔

ایک :۔ پٹ گئے اور اف تک نہ کی۔ یہ انکسار۔

دوسرا :۔ ہمارے ہادی حضور خواجہ صاحب نے مار کھائی مگر افیم کے لگاؤ کے سبب سے ذرا اف تک نہ کی۔ ایک یہ معنی کہ گو پہلوانی میں برق اور یادگار ہیں۔ مگر جوتی خوروں کے بھی سردار ہیں۔

سامعین :۔ ٹھ :۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو۔

راوی :۔ خواجہ صاحب کی اس درجہ تعریف ہوئی کہ اگر جامے میں پھولے نہ سمائیں تو مے زیبد۔ اب اس سے بڑھ کر خوبی کی تعریف کیا ہوگی کہ جوتی خوروں کے سردار ہیں۔ با وصف شجاعت و جوانمردی جوتے کھاتے ہیں مگر کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے ہیں لیکن ہم تو اس صفائی کے قائل ہیں کہ کس مزے سے اپنی سوانح عمری بیان کی ہے

مانتا ہوں۔ استاد فرماتے ہیں کہ گو ہم پہلوان ہیں مگر ہم تو یہی کہیں گے کہ بوا زعفران نے ہم کو چنبیا لیا۔ گویا اس میں کچھ شک بھی ہے۔ اس فقرے پر بے اختیار ہنسنے کو جی چاہتا ہے اور وہ بھول گئے کہ لوگ ان کو کانجی ہوس دکھاتی تھے۔ کانسٹبل نے للکارا تو حوض میں گر پڑے اور جہاں گئے بے پٹے اور بے ٹھکے نہ آئے۔

اس کے بعد خواجہ صاحب نے یوں تقریر کی اور سنیں :۔ برادران انیم دوست کہ میں بدیع اگرچہ اپنی شان میں بہت کچھ کلمات توصیف کہہ سکتا ہے مگر جب کبھی یہ کہے گا کہ بدیع اس وقت یہ جھک مارتا ہے اور جب اپنا ذکر کروں گا تو یوں کہوں گا کہ میں پاجی ہوں، میں شریف نہیں ہوں۔ چنانچہ ایک بار آزاد پاشا سے کہہ چکا ہوں کہ میں بانس والا ہوں یعنی میں یہ چاہتا ہوں کہ میری حقارت مشہور ہو نہ کہ امارت۔

سنیں سب۔ بزرگان و برادران افیم دوست کہ میں اپنی شہرت نہیں چاہتا مگر تشہیر ہونا چاہتا ہوں تاکہ میرا نفس مغرور نہ ہو اور ہمیشہ مجھ کو ملامت کرتا رہے۔ ؎

بڑے موذی کو مارا، نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا

سنیں سب برادران افیون دوست۔ سب سے بڑا ریاض اور سب سے بڑی ریاضت نفس کشی ہے جس نے اپنے نفس کو مارا وہ مقبول بندۂ خدا ہے۔ اب مقام غور ہے کہ افیون سے زیادہ بہتر ذریعہ نفس کشی اور کیا ہے؟ کوئی نہیں۔ کیسا ہی سرکش اور مغرور اور متکبر آدمی کیوں نہ ہو، ایک قطرہ حلق سے اترا اور منکسر مزاج ہو گیا۔ اس زمانے میں عجز و انکسار بڑی قیمتی اور نایاب شے ہے۔ ذرا اڑے اور گئے گذرے۔ ذرا ٹیڑھی بات کی اور دھر لئے گئے۔ کسی کو ایک دھول لگائی اور چالان ہو گیا اور مجسٹریٹ نے مع دس روپیہ جرمانا کر دیا یا دو مہینے کی قید سخت، اب بیٹھے ہوئے چکی پیس رہے ہیں چکیا گھر گھر۔

سامعین :۔ اس ظرافت کے قربان۔ واہ خواجہ بدیع الزماں شجاعت اور بسالت کے علاوہ بذلہ سنجی میں فرد ہیں حضور

ایک :۔ بڑے پکے ظریف اور ہنس مکھ آدمی ہیں۔

دوسرا :۔ منہ پر کہنا تو خوشامد کرنا ہے درجہ اول کے مسخرے ہیں یا یوں کہو کہ مسخرا ان سے پیدا ہوا ہے، یہ مسخرے اور ان کے باپ مسخرے۔

خوجی :۔ یہ سب آپ لوگوں کا حسن خلق ہے ورنہ من آنم کہ من دانم میں خوب جانتا ہوں۔ ؎

زیور ہیں نہ دستار کے سنے زیب ہیں سر کے
مثل گل بازی نہ ادھر کے نہ ادھر کے

من بدیع الزماں ان کلمات کو آپ کی ذاتی لیاقت اور حسن اخلاق پر محمول کرتا ہوں۔ کلّ انا یترشح بمافیہ۔

از کوزہ ہمان برون تراود کہ دردست۔

سامعین :۔ اگر ساری خدائی کے کھیت پوست کے کھیت ہو جائیں اور ہر کھیت سے نوتے کرور قلم اور کرور دواتیں بنیں تو بھی آپ کی ثنا وصفت کا شمہ ادا ہونا مشکل ہو جاتے۔

خو :۔ اے برادران افیون دوست اگر ایسے کلمات کہتے گا تو میں مغرور ہو جاؤں گا۔ من بدیع ہیچمدانست در ہیچ مدانستہ شدہ بودہ است ہمہ مردمان کہ نیک گفتند احسان آن ہمہ گردن پدر بدیع الزمان۔

سامعین :۔ حضور کی زبان سے اوصاف ومحاسن معشوقہ پری چہم بی چنیا بیگم سننا چاہتے ہیں۔ اگر تکلیف فرماکر حضور پرنور کچھ فرمائیں تو زہے نصیب۔

خو :۔ میں فرطِ انکسار سے اپنے کو اس خطاب کے قابل نہیں سمجھتا کہ آپ میری نسبت فرمائیں کا لفظ استعمال کریں مگر ہاں یوں کہیے کہ (تو جھک مار)

سامعین :۔ تو جھک مار۔ اللہ رے انکسار۔

خو :۔ (اکڑ کر) میں وہ مرد شیر دل ہوں جس نے میدانِ وغا یعنی رن کی زمین میں کروروں کو نیچا دکھایا اولا کھوں کو خانہ خراب کیا اور بدمعون کے سر اس طرح تن سے اڑا دیتے جیسے بھٹا۔ میں وہ ہوں :۔

منم فخر ہندوستان بلکہ دہر	منم افتخار ہر اک ملک و شہر
منم آن کہ از خنجر آبدار،	تہ تیغ کردم ہزاران سوار
منم آن یل پیل تن ذی وقار	کہ از ہیبتم لرز داین کوہسار
بیک ضربتِ تیغ خارا شگاف	دو کردم عدو را ز سر تا بناف
بدیعا توئی، خواجہ خواجگان	یل نامور فخر ہندوستان
منیزہ منم دخت افراسیاب	برہنہ نہ دیدہ تنم آفتاب

سامعین :۔ کیا برجستہ شعر پڑھا ہے بارک اللہ بارک اللہ۔

ایک :۔ یہ بھی انکسار ہے ورنہ منیزہ سے بڑھ کر ان کی حیا کا شہر میں تذکرہ ہے۔ وہ کیا تھی اس میں کون بات تھی جو ان میں نہیں۔

سامعین :۔ کیا بات کہی۔ حضور تو مجموعہ ہیں، ظرافت اور فصاحت اور بلاغت کے، اینمبو۔ فخر ومباہات کا مقام ہے اینمبو۔ ناز کرنے کا مقام ہے کہ ایسے شیر مرد۔ دریا دل۔ باذل۔ لطیفہ گو تمہارے ہادی اور پیشوا ہیں۔

ایک :۔ یہ اس قابل ہیں کہ ڈبیا میں بند کر دیں۔ اچھیں۔

دوسرا :۔ ڈبیا! افسوس۔ اگر ان کی خاک لے کے چاٹیں۔ اور اس کا تعویذ بنائیں تو ممی سنرد۔ یہ تو اس فن کے خدا ہیں

خو :۔ اے برادران۔ سنو داستان از زبان بدیع الزماںؒ کہ میرا نفس ایسے سخنان سے مخزور ہو جائے گا۔

سامعین :۔ اے سبحان اللہ کیا قافیہ بولے ہیں، آپ برادران اور داستان اور سخنان اور کیا جانے الم غلمان۔

راوی :۔ کیا خوب۔ ایک سے ایک بڑھا ہوا ہے :۔

وزیری چنین شہر یارے چنان

جہان چون بگر و قرارے چنان

خوجی :۔ قافیہ کا تو میں قافیہ تنگ کر دینے والا آدمی ہوں، مگر میرے مزاج میں انکسار ہے۔ میں شعر کے بحر میں غوطے کھاتا ہوں لیکن میرا بیت کہنہ ہے۔ سنیں برادرانِ افیون دوست کہ میں نے اس وقت تلازمے فن شاعری کے کہے قافیہ کا قافیہ تنگ۔ شعر کی بحر میں غوطے کھانا۔ بحر کے معنی سمندر اور عروض میں بحر جس کو کہتے ہیں سب جانتے ہیں اور میں نے جو کہا کہ :۔ بیت کہنہ ہے تو بیت کے معنی دو ہیں، گھر اور شعر۔ من بدیع بے سوچے ہوئے اتنے الفاظ تلازمہ اُگلے مگر پھر بھی غرور نے دل میں جگہ نہیں کی ہے :۔

تکبیر عزرائیل را خوار کرد ؛

بزندان لعنت گرفتار کرد ؛

مثلاً پان کا تلازمہ کوئی بولے ہم جواب دیں گے۔

ایک :۔ حضور تو میدانِ جنگ سے بھی سرخرو آئے۔

خوجی :۔ وجہ یہ ہے کہ ہم بنگلے کے رہنے والے ہیں۔

دوسرا :۔ مگر ایسا نہ ہو کہ پیچھے لم لگائیں حضور کو۔

خوجی :۔ یہ چکنی چپڑی باتیں کام نہ آئیں گی میاں۔

جواب :۔ آپ کی گھر کی چار دیواری میں چونا لگا ہے۔ اور چونے سے سفیدی ہوتی ہے مگر میں تیرا یار کب تھا۔

خوجی :۔ ہشت۔ بالکل بے تکی کہی اس نے۔

سامعین :۔ نکال دو اس بے تکے کو۔ خداوند حضور کا مقابلہ! کیا مجال۔ ای لاحول۔ توبہ توبہ۔

خوجی :۔ نا بابا۔ ثنائے من بگو۔ من بدیع کہ از ہمہ ہر یعنی از ہر ہمہ در افیون بازی یکتا ہستم مگر میدانم کہ بندہ حقیر ست اگرچہ در ملک مصر کہ منسوب بہ پہلوان ست۔ ہمہ مردان آنجا خوب منظر پہلوانان ہستند بندہ در ہوٹل پہلوانی را مگر تم لوگ تو فارسی سمجھتے ہی نہیں مطلب یہ کہ مصر وہ ملک ہے جہاں سب پہلوان بستے ہیں مگر اتفاق سے میں ان سب کے استاد کو اُٹھا کے دے مارا۔ میں آپ جانئے بڑا استاد ہوں۔ اکھاڑے میں جیسے ہی وہ آیا۔ میں خم ٹھوک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دیو میں مرا ہوا آدمی۔

سامعین :۔ واہ رے عجز۔ اور اف رے انکسار!!! آپ مرے ہوتے آدمی ہیں اگر ایسی ہی دوایک مرے ہوتے، آدمی اور ہوں تو شہر بھر پہلوانوں کی کھان ہو جاتے۔ خواجہ صاحب۔ آفریں صد ہزار آفریں۔

آفریں خواجہ بدیع زمان

ہمچو تو کس ندیدہ است جہاں

خوجی :۔ کل انا ءِ یترشح بما فیہ۔

ایک :۔ حضور عربی خوان بھی ہیں۔ اے سبحان اللہ۔

دوسرا :۔ اس میں کیا تعجب ہے۔ وہ زبان کون ہے جو نہیں جانتے۔ فارسی، عربی، ترکی، سیستانی۔ نادر دانی اردو

تیسرا :۔ اردو! اردو، لونڈی ہے ان کے گھر کی۔

چوتھا :۔ لونڈی! لونڈی کی لونڈی کہو صاحب۔

پانچواں :۔ میاں یہ سب چنیا بیگم کی دم کا ظہور ہے، دگر ہیچ۔ چنیا بیگم عجیب خوبرو پاکیزہ خو، برق دم، پری چہم نگار، رعنا ہیں۔

خوجی :۔ اس شخص کی زبان چومنے کے قابل ہے۔

سامعین :۔ جھک کر سلام کر۔ ادب کے ساتھ۔

خوجی نے کہا ہم میں اور افیمیوں میں فرق زمین اور آسمان کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم تو چانڈو باز زادے ہیں کیونکہ اینجانب کے پدر بزرگوار سلمہ اللہ تعالیٰ اسی نشے کی کثرت سے راہی ملک عدم ہوتے۔

راوی :۔ اے سبحان اللہ۔ خدا جانے حضور کے پدر بزرگوار کب مرے پھیلے لیکن آپ ابھی تک سلمہ اللہ تعالےٰ ہی کھے جاتی ہیں۔

خو :۔ اور دادا جان قبلہ بھی چنیا بیگم کے عاشق دلدادہ تھے، ان کے بعد والد عاشق ہوتے۔ اُن کے بعد بندہ درگاہ۔

سامعین :۔ ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

ایک :۔ حضور ہم لوگ تو بس ایک ہی پشت کے افیمی اور چانڈو باز ہیں۔ ہم آپ کے سامنے بھلا کس گنتی میں ہیں۔

دوسرا :۔ یہ حضور کے دم کا سب ظہور ہے۔

خو :۔ بھئی نقل ہے بنیں سب مردان افیون دوست کہ ایک روز بازار نخاس میں ایک شخص بوم صفت چغد رو نے ایک چڑی مار سے الو کے دام پوچھے؟ کہا آٹھ آنے۔ اسی کے پاس ایک اور چھوٹا الو بھی تھا۔ پوچھا اسکی قیمت کیا ہے کہا ایک روپیہ۔ تب تو گاہک نے کان کھڑے کئے اور کہا۔ بس!۔ اتنے بڑے الو کے دام آٹھ آنے اور اس ذرا سے جانور کا مول ایک روپیہ۔ چڑی مار نے کہا۔ آپ تو ہیں الو، اتنا نہیں سمجھتے کہ اس بڑے الو میں صرف یہ صفت ہے

ہے کہ یہ الّو ہے اور اس چھوٹے میں دو صفتیں ہیں، ایک یہ کہ خود الّو ہے، دوسرے الّو کا پٹھا ہے۔

سامعین:۔ تعریف کا دونگڑا برسا دیا۔

خوجی:۔ تو سنئیں برادران کہ من بدیع صرف الّو ہی نہیں بلکہ الّو کا پٹھا ہے۔

راوی:۔ اس میں کیا شک ہے، کسی گاؤدی کو نہ شک ہوگا۔

سامعین:۔ اللہ رے انکسار اور اف رے تیری عاجزی۔

خوجی:۔ جی انکسار کے یہ مدارج کوئی پا سکتا ہے۔ لوگ فرطِ عجز سے اپنے کو ہیچمدان ہیچمیرز خاکسار، خادم بندۂ احقر اذل خلائق اضعف لکھتے ہیں مگر بدیع اپنے کو جب لکھتا ہے الّو کا پٹھا لکھتا ہے۔

ایک:۔ ہم آج سے اپنے کو الّو کی دم فاختہ سمجھیں گے۔

دوسرا:۔ ہم اپنے نام کے ساتھ بجوڑے کا لفظ لکھا کریں گے۔ آج سے ہم انکسار سیکھ گئے۔

تیسرا:۔ ہم تو جاہل آدمی ہیں مگر جب اپنا نام لیں گے تو گدھے کا لفظ ور بڑھا دیں گی۔ چاہے جو ہو۔

چوتھا:۔ ہم یوں اپنے دستخط کیا کریں گے۔ بچہ الّو روسیاہ گبو۔

پانچواں:۔ کوئی اپنے نام کے بعد عفی عنہ لکھتا ہے کوئی عفی اللہ عنہ۔ ہم دام دوزخہ اور دام جہنمہ لکھیں گے۔ اس کے یہ معنی کہ ہم اپنے کو بندۂ گنہ گار سمجھتے ہیں اور اس فہمیدہ کے سبب سے امید نہیں رکھتے کہ ہمارے قصور معاف ہوں۔ اس سے زیادہ انکسار خدا کا نام ہے۔

خوجی:۔ ایہا السامعین۔ من بدیع الزماں الّو کے پٹھے نے جو جو کام کیا کوئی کرے تو جانیں اور جو جو مصائب برداشت کیئے کوئی برداشت کرے تو ٹانگ کی راہ نکل جائیں۔ کوہستان کو ہم تے کاٹا اور بڑے بڑے پتھر اٹھا اٹھا کے دشمن پر پھینکے۔ ایک روز چوالیس من کا ایک پتھر ایک ہاتھ سے اٹھا کر روسیوں پر مارا تو دو لاکھ پچیس ہزار سات سو انسٹھ آدمی کچل کے مر گئے۔

ایک:۔ کیا خداداد زور ہے۔ ان دبلے ہاتھ پاؤں پر یہ طاقت!!! اللہ رے انکسار۔

خوجی:۔ (مسکرا کر) کیا کہا۔ دبلے پتلے ہاتھ پاؤں! اے تیری قدرت۔ ع

شعر گفتن سہل باشد شعر فہمی مشکل ست

یہ ہاتھ پاؤں دبلے پتلے نہیں ہیں مگر بدن چور ہے۔ یہ بھی اللہ کی دین ہے۔ دیکھنے میں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرا ہوا آدمی ہے مگر کپڑے اتارے اور دیو معلوم ہونے لگا۔ اسی طرح میرے قد کا بھی حال ہے کہ گنوار آدمی دیکھنے میں تو کہے پستہ قد ہے مگر اس فن کے مبصر خوب جانتے ہیں کہ میں کس درجہ کشیدہ قامت آدمی ہوں اور روم میں (مسکرا کر) مجھے کہتے ہوئے ہنسی آتی ہے۔ روم میں دو ایک گنواروں نے جب مجھے بونا کہا تو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ یہ خدا کی

دین ہے کہ ہوں تو میں دراز قد، بالا بلند مگر کوئی کلجگ کی کھونٹی کہتا ہے، کوئی بونا بناتا ہے۔ ہوں موٹا تازہ سنڈا ابنا ہوا مگر جو لوگ مصر نہیں وہ سمجھتے ہیں نازک بدن ہے، ہوں شریف زادہ اور خود شریف ابن شریف ابن شریف بتین لپشت کا حال معلوم ہے۔ کہ شریف زادہ ہوں۔ آگے پتا نہیں چلتا باایں ہمہ شرافت جو لوگ ناواقف ہیں، دیکھتے ہی کہتے ہیں کہ یہ کوئی پاجی ہے۔ صورت سے پاجی پن برستا ہے۔ مگر سبحان اللہ نے وہ دی ہے کہ کسی شریف کے باپ کو بھی بنصیب نہیں ہوتی۔ عقل اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ افلاطون اگر زندہ ہوتا تو شاگردی کرتا اور لقمان زانوئے ادب تہ کرتا۔ یونان کے حکیم جوتیاں من بدیع کی سیدھی کرتے مگر اس کی کرمی کے صدقے جو دیکھتا ہے۔ یہ شخص تو گدھا ہے۔ اس کو عقل کہاں۔ ایک شخص نے مصر میں کہا کہ خواجہ بدیع تو عقل بٹنے کے وقت بغیر حاضر ہو گئے تھے۔ دوسرا بولا بیچارے بالکل سادہ لوح عقل سے خارج ہیں، ہیں دل ہی دل میں ہنسوں گا اللہ کی کیا دین ہے کہ بنایا عقل مجسم اور یہ لوگ گدھا سمجھتے ہیں۔ اس بندہ نوازی کے قربان واہ میرے مولا واہ۔ صدقے اس بخشش کے۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ اکڑ کر کہا سنیں سب برادران افیون دوست کہ نفس کشی جس سے من بدیع نے یہ درجۂ اعلیٰ حاصل کیا۔ کیا شے ہے اور اس کے فوائد کس قدر ہیں۔ واضح ہو کہ نفس کشی کے یہ معنی کہ اپنے نفس کو کشت کرے یعنی قتل کرے۔ کشت ماضی مطلق ہے۔ مصدر اس کا کشیدن۔

راوی:۔ جھوٹے کی ایسی تیسی۔ کہو پیش باد۔

سامعین:۔ سبحان اللہ۔ آمد نامے تک حادی ہیں۔

راوی:۔ کیسے کچھ آمد نامے سر ادق اور مشکل کتاب کو بالکل محو ہی کر لیا۔ کشت ماضی مطلق ہے کشیدن کا۔ پھٹکار ــــــ

خوجی:۔ نفس کشتے کے معنی نفس کا مارنا۔ میں نے اس میں وہ ملکہ بہم پہنچایا ہے کہ تم لوگ سن کر دنگ رہ جاؤ گے یہ سر جو دیکھتے ہو آدیہ من بدیعا کا سر نامبارک۔ کیونکہ میں اس سر کو گو وہ مبارک ترین سر ہے۔ نامبارک ہی کہوں گا۔ اور یہ بھی انکسار اور نفس کشی ہے۔ خیر یہ میرا نامبارک سر جو تم دیکھتے ہو اس پر کم سے کم سو دھولیں بھی نہ پڑی ہوں گی۔ ہزار چپتیں بھی نہ لگی ہوں گی مگر قسم لو جو ذرا بھی اف کی ہو۔

سامعین یہ تو کوئی تعریف کی بات نہیں ہے۔ دھولیں کھاتے کھاتے آپ کو مشق ہو گئی۔

خوجی:۔ اچھا سلمنا۔ یعنی تسلیم کی من بدیع نے یہ بات مانا کہ دھولیں کھاتے مشتاق ہو گئے۔ مگر اس کا جواب کیا کہ ابتدا ابتدا میں تو کھوپڑی اس کی عادی نہ تھی کہ چپت گاہ بنائی جائے۔ جب اس قدر ریاض کیا اور اتنی افیم پی تب تو یہ بات حاصل ہوئی کہ اگر کوئی شخص جوتوں سے سر نامبارک من بدیع کا پیٹے تو چون نہ کروں۔ یہ درجہ

دین ہے کہ ہوں تو میں دراز قد، بالا بلند، مگر کوئی کلجگ کی کھونٹی کہتا ہے، کوئی بونا بناتا ہے۔ ہوں موٹا تازہ، سنڈا بنا ہوا، مگر جو لوگ مبصر نہیں وہ سمجھتے ہیں نازک بدن ہے، ہوں شریف زادہ اور خود شریف ابنِ شریف ابنِ شریف تین پشتوں کا حال معلوم ہے کہ شریف زادہ ہوں۔ آگے پتہ نہیں چلتا۔ باایں ہمہ شرافت جو لوگ ناواقف ہیں دیکھتے ہی کہتے ہیں کہ یہ کوئی پاجی ہے۔ صورت سے پاجی پن برستا ہے۔ مگر سیرت اللہ نے وہ دی ہے کہ کسی شریف کے باپ کو بھی نہیں ہوئی۔ عقل اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ افلاطون اگر زندہ ہوتا تو شاگردی کرتا اور لقمان زانوئے ادب تہ کرتا۔ یونان کے حکیم جوتیاں من بدیع کی سیدھی کرتے مگر اس کی گرمی کے، صدقے جو شخص دیکھتا ہے کہ یہ شخص تو گدھا ہے۔ اس کو عقل کہاں۔ ایک شخص نے مصر میں کہا کہ خواجہ بدیع تو عقل ملنے کے وقت غیر حاضر ہو گئے تھے۔ دوسرا بولا بیچارے بالکل سادہ لوح عقل سے خارج ہیں۔ میں دل ہی دل میں ہنسوں کہ اللہ کی کیا دین ہے کہ بنایا عقلِ مجسم اور یہ لوگ گدھا سمجھتے ہیں۔ اس بندہ نوازی کے قربان۔ واہ میرے مولا واہ۔ صدقے اس بخشش کے۔

خواجہ بدیع الزماں صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ اکڑ کر کہا سنیں سب برادران افیون دوست کہ نفس کشی جس سے من بدیع نے یہ درجہ حاصل کیا ہے، کیا شے ہے اور اس کے فوائد کس قدر ہیں، واضح ہو کہ نفس کشی کے یہ معنی کہ اپنے نفس کو کُش کرے یعنی قتل۔ کُش ماضی مطلق ہے۔ مصدر اس کا کشیدن۔

راوی: جھوٹے کی اے تیسی۔ کہو بیش باد۔

سامعین: سبحان اللہ۔ آمدنامے تک حاوی ہیں۔

راوی: کیسے کچھ آمدنامے سی اوق اور مشکل کتاب کو بالکل محو ہی کر لیا ہے۔ کُش ماضی مطلق ہے کشیدن کا۔ اے پھٹکار۔

خو:۔ نفس کشی کے معنی نفس کا مارنا۔ میں نے اس میں وہ ملکہ بہم پہنچایا ہے کہ تم لوگ سن کر دنگ ہو جاؤ گے۔ یہ سر جو دیکھتے ہو یہ من بدیع کا سر نامبارک۔ کیونکہ میں اس سر کو گو وہ مبارک ترین سر ہے۔ نامبارک ہے، کیونکہ اور یہ بھی انکسار اور نفسی کشی ہے۔ خیر یہ میرا نامبارک سر جو تم دیکھتے ہو، اس پر کم سے کم سو دھولین بھی نہ پڑی ہوں گی۔ ہزار چپتیں بھی نہ لگی ہوں گی، مگر قسم لو جو ذرا اُف بھی کی ہو۔

سامعین: یہ تو کوئی تعریف کی بات نہیں ہے۔ دھوییں کھاتے کھاتے آپ کو مشق ہو گئی۔

خو:۔ اچھا سلمنا۔ یعنی تسلیم کی من بدیع نے۔ یہ بات مانا کہ دھولیں کھاتے کھاتے مشاق ہو گئے مگر اس کا جواب کیا کہ ابتدا ابتدا میں کھوپڑی، اس کی عادت نہ تھی کہ چپت گاہ بنائی جائے۔ جب اسقدر ریاضت کیا اور اتنی افیم پی تب تو یہ بات حاصل ہوئی کہ اگر کوئی شخص جوتوں سے سر نامبارک من بدیع کا پیٹے تو چوں نہ کروں۔

یہ درجہ ہر افیمی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

شرح مجموعۂ گُل مرغ سحر داند و بس
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

علاوہ بریں یہ بات بھی فرطِ انکسار سے حاصل ہے کہ اگر کسی نے گالیاں دیں تو خوش ہو گئے۔ کسی نے کہا خواجہ بدیع گدھا ہے۔ ہنس کر جواب دیا کہ صرف وہی نہیں بلکہ من بدیع کے والد بزرگوار بھی ایسی ہی تھے۔ دادا جان بھی ایسے ہی تھے۔ من بدیع نے اپنے باپ کی روح کو بھی شاد کر دیا۔

راوی:۔ ہونہار پیدا ہوئے ہو کہ باپ کو بھی ایسے وقت پر یاد کر لیا کرتے ہو۔ شاباش۔

خو:۔ رحم دلی اور نیکی اور انکسار کے ساتھ اینجانب جری بھی پرلے سرے کے ہیں اور چونکہ سپاہی آدمی ہوں۔ بات کی تاب نہیں۔ ادھر کسی نے اعتراض کیا اُدھر ہم نے چانٹا جڑا۔

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

کسی نے ذرا ٹیڑھی بات کہی اور ہم نے سیدھا بنایا۔ او گیدی جاتا کدھر ہے۔ لاتا قروں لاتا فرار پینجہ مصر کے نامی پہلوان کو، مارا چاروں شانے چت۔ افیمی کمزور ہوا کرتے ہیں۔ مگر یہ بات کسی افیمی میں نہ دیکھی، نہ سنی اور صاف یہ ہے کہ گو جناب والد بھی تولوں افیم پیتے تھے اور دن بھر چانڈو کے چھینٹے اڑایا کرتے تھے اور ساقنوں کی دکانوں پر چلمیں بھرتے تھے مگر یہ جرات ان کی بھی نہ تھی۔ بندہ گڑھیا میں کنول پھولا ہے،

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

سنیں برادران افیموں دوست و شائقین مزرع پوست کہ اس زمانے میں افیمی اور چانڈو باز ہونا دلیل انسانیت ہے۔ اس کی وجوہ موجہ سنئے۔

۱۔ اول تو چانڈو پینا بغیر اس کے کہ انسان لیٹ جائے محال ہے اور ظاہر ہے کہ جس شئی کی ابتداء لیٹنے کی ہو وہ انتہا کے انکسار سے مملو ہے کہ اپنے کو گرا دے اور خاک میں ملا دے۔

خاک شو پیش از آن کہ خاک شوی

جو سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ قبل موت کے تو چانڈو پی اور مولانا روم نے مثنوی میں بھی اسی کی تعریف کی ہے:

بشنو از نے چون حکایت میکند
واز جدائی ہا شکایت میکند

نے مراد ہے چانڈو کی نے سے مگر اسکا سمجھنا امر مشکل ہے صرف چانڈو باز ہی سمجھ سکتے ہیں نہ کہ ایسے ایسے عوام۔

ہزار نکتہ باریک ترز مو اینجاست

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

الغرض فروتنی اس کا اوّل قطرہ ہے۔ قطرے کے معنی زینہ اس قطرے پر چڑھے اور چانڈو کی اسرار نہانی کا مشاہدہ ہونے والا ہے۔ کہتے ہیں کہ بھئی فلاں شخص ایسے نیک آدمی ہیں کہ اگر ان سے بیٹھنے کو کہو تو لیٹ جائیں، پس جبکہ بغیر فروتنی کے چانڈو کا استعمال امر محال ہے تو جاننا چاہئے کہ عاجزی اور انکسار اور فروتنی اس سے پیدا ہیں اور چونکہ یہ ہم سے پیدا ہے لہذا ثابت ہوگیا کہ خواجہ بدیع الزماں چانڈوں بازوں کی قبلہ گاہ اور پشت پناہ ہیں

سامعین:۔ بیشک ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

ایک:۔ اجی ہمارے قبلہ گاہ کے قبلہ گاہ سہی۔ بس۔

دوسرا:۔ بلکہ اور اس سے بھی بڑھ چڑھ کر سہی۔ جب ان کو اپنا باپ بنایا تو جیسے باپ ویسے دادا۔

خو:۔ باپ بنانا کیا معنی۔ یہ تو ہم پر پھبتی کہی۔ خیر ایک ہوئی یاد رکھئے گا۔ (مسکرا کر) باپ بنانا۔ یعنی انسان وقت پر گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے تو ہم کو گدھا بنایا مگر۔

مسکین خرا گرچہ بے تمیز ست

چون بار ہمی برو عزیز است

۲۔ دوسری ثنا و صفت چانڈوں کی یہ ہے کہ ہر دم لو لگی رہتی ہے، جس کو ہندو جاگتی جوت کہتے ہیں ہر دم لمپ روشن جب دیکھو چانڈو خانہ عارفوں کی دل کی طرح جگمگاتا ہے۔

افیم میں یہ بڑی صفت ہے کہ اس کی پینک میں انسان کے قریب غم اور فکر آتے ہی نہیں پاتی۔ جھپکی لگاتی اور غوطے میں آتے۔ صبح تک موجیں لیتے ہیں۔

۴۔ افیمی شب زندہ دار بزرگوار ہیں۔ رات بھر نیند نہیں آتی اور یہ نعمت ہر ایک کو نہیں حاصل ہے۔

۵۔ افیمی سحر خیز ہوتے ہیں۔ تڑکا ہوا اور آگ لینے چلے اور سحر خیز ہونا ہزار تندرستیوں کی ایک تندرستی ہے۔

۶۔ افیمی کی غذا وہ ہوتی ہیں جو شیریں شے ہے۔ پونڈا، گنا، کتارا، بالائی، ربڑی، اگرا، گھیر، فیرنی، میٹھے چاول، میٹھے ٹکڑے، دودھ، ریوڑیاں، گوشت کا چنداں شوق نہیں اور اس سے رحم دلی ثابت ہوتی ہے، کہ اپنے ذائقے کے لئے کسی کی جان کیوں لیں۔

۷۔ افیونی پرلے سرے کے بذلہ سنج ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی مختلف کہانیوں سے ظاہر ہے۔ اب اگر کسی کو کوئی شک ہو، تو بسم اللہ بیان کرے۔

اس پر ایک پرانے خرانٹ افیونی نے جو سن رسیدہ اور گرگ باراں دیدہ تھا۔ کہا کہ ہمیں چند امور میں شک ہے۔ اولاً افیمیوں کی عمر کم ہوتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ چین گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہاں تیس برس سے زیادہ سن کا آدمی ہی نہیں۔

خواجہ صاحب نے مسکرا کر یوں جواب دیا۔ اوّل تو یہی غلط ہے کہ اس ملک کے لوگ چین گئے آپ لوگ بسم اللہ کے گنبد میں پڑے ہیں، آپ ان باتوں کو کیا جانیں۔ ہم سیاح اور جہاں دیدہ ہیں۔ ہم سے پوچھئے تو ہم بتائیں۔ سنئے چین کے باشندے غیر ملک والوں کو اپنے ملک میں نہیں جانے دیتے۔ لہٰذا قول قائل غلط ہوگیا۔ پھر یہ بھی غلط ہے کہ چین کے باشندے تیس برس کی عمر میں مر جاتے ہیں۔ میں مورخ اور سیاح اور جہاں دیدہ جہان گرد مجھ سے سنئے۔ چین میں افیون کی کثرت سے تیس برس اور پورے تیس برس کے بعد لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

سامعین :۔ (کان کھڑے کر کے) کیا! افوہ! تیس کے بعد لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

ایک :۔ اس کا تو کسی مردود ہی کو یقین آئے گا۔ اپنے حساب۔

دوسرا :۔ ہاں، ہاں، ہوگا، اس میں یقین نہ آنے کی کون بات ہے۔

میاں :۔ مطلب یہ ہے کہ جب تیس برس کی عورت ہوتی ہے تب کہیں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

خوجی :۔ واہ، واہ خوب سمجھے، یہ مطلب نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جب تیس برس حاملہ رہتی ہے تب لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

سامعین :۔ اف رے جھوٹ۔ خدا کی مار اس کذب پر۔

خوجہ :۔ (بہت ہی بگڑ کر) کیا کہا۔ یہ آواز کدھر سے آئی (غل مچا کر) ارے یہ کون بولا تھا۔ یہ کس نے کہا کہ جھوٹ ہے ——

ایک :۔ حضور اس کونے سے آواز آتی تھی شاید؟

خوجہ :۔ پھونک دو، جلا دو، جھلسا دو اس کونے کو۔

دوسرا :۔ خداوند یہ غلط کہتے ہیں۔ انھیں کی طرف سے آواز آئی تھی کہ اس جھوٹ پر لعنت خدا۔

خوجہ :۔ قتل کر ڈالو ان کو اور ان کے سب شرکاء کو۔ ہم اور جھوٹ مگر (انکسار کے ساتھ) ہم ہی چوکے۔ اس قدر غصہ نہ چاہیئے۔ اچھا بابا سے من بدیع۔ ہم کاذب۔ اور دروغ گو ہم جھوٹے، بلکہ ہمارے باپ بے ایمان اور جالساز اور زمانے بھر کے دھوکے باز۔ خیر۔ ع

ع کجا بود منزل کجا تاختم

انا کہ افیم پینے سے عمر کم ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے مطلب سنا نہیں ؎

کار دنیا کسے تمام نہ کرد ہر چہ گیرید مختصر گیرید

افیون کی بدولت انسان کو قوائے مختلف کو اس درجہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ بایدو شاید۔ اسی سبب سے مرد پیر جوان اور جوان بچہ معلوم ہوتا ہے۔ بھلا کیا خیال کرتے ہیں برادران افیم دوست نسبت عمر و سن و سال من بدبعا کے۔

ایک :۔ حضور کوئی چہل و شش ہوں گے (ہنس کر)

دوسرا :۔ ع۔ چہل سال عمر عزیزت گذشت۔ الخ۔

تیسرا :۔ آپ کوئی پچاس کے پیٹے میں ہوں گے بس۔

چوتھا :۔ نہیں نہیں۔ پچاس نہیں حضور کوئی ستر کے ہوں گے۔

خو :۔ ایک ہوتی یاد رکھئے گا حضرت۔ جی۔

جواب :۔ (ہنس کر) ع

کر مہائے تو ما را کرد گستاخ

خو :۔ ہمارا بدن چور۔ قد چور، لیاقت چور، عمر چور، سن و سال چور، ہمارا سن نہ پچاس کا نہ ساٹھ کا، ہم، دو اوپر سو برس کے ہیں۔ جس کو یقین نہ آئے۔ وہ کافر ملعون، دو اوپر سو برس کا سن ہمارا۔

جواب :۔ اللہ اللہ۔ دو اوپر سو برس کا سن ہے!

خو :۔ جی دو اوپر سو برس کا سن ہے۔

جواب اگر یہ صحیح ہے تو وہ اعتراض اڈ گیا کہ افیمیوں کی عمر کوتاہ اور قلیل ہوتی ہے۔ حضور نے افیمیوں کی سبب سے دو اوپر سو برس کی عمر پائی۔ اب بھی اگر کوئی افیم کو بُرا کہے تو بس انتہائی حماقت ہے۔

خو :۔ دو اوپر سو برس کا سن ہوا اور ابتک وہی خم دم ہے ذرا آنکھ نہیں جھپکتی اور کہو ہزار سے مقابلہ کریں کہو لاکھ سے، کہو کروڑ سے مقابلہ کریں اور آگ میں کود پڑنا تو ہمارا خاص کام ہے جہاں لاکھوں کروڑوں توپیں درغ رہی تھیں اور ہزارہا آدمی برابر ادھر اُدھر گر رہے تھے ؎

پھر تو پکار تھی یہ ادھر وہ ادھر گرا
یہ مورچہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سر گرا

اور میں نے پیرانہ سالی میں انھیں ہاتھوں سے ہزاروں سر قلم کئے اور لاکھوں کو قتل کر ڈالا۔ ہماری شمشیر محرابی لنگردار ہے ؎

بولی یہ تیغ دم سر اعدا پہ لوں گی میں
برش پکاری توبہ ٹھہرنے نہ دونگی میں

اس سن وسال کو دیکھئے اور اس حال کو دیکھئے۔ واہ رے میں اور واہ رے میری جرات وہمت آفریں۔

خواجہ بدیع صاحب نے اپنے سب افیم دوست بھائیوں سے کہا کہ جس جس میں جو جو صفتیں ہوں، وہ سب کے روبرو بیان کرے سب کے پہلے گٹو صراف قوم کلوار نے جو برسوں سے افیم پیتا تھا استادہ ہو کر اپنی یوں تعریف کی۔

بھائی پنچو! میں کلوار ہوں مگل شراب ہمارے یہاں نہیں بکتی۔ پشپاپست (پشت ہاپشت) سے۔ سو ہمارے داد اور بھائی بند سب صرافی کرتے ہیں۔ ہم جب لڑکے ہی تھے، کوتی مساکر کے بارہ چودہ برس کی عمر ہوگی سو تب سے اپھیم (افیم) پیتے ہیں۔ دن بدن ہمارا حال یہ ہوا کہ اب کوتی چار باتیں کرے تو جواب نہ دیں۔ ایک روج جین ہولی کے دن ہم جو گھر سے نکلے۔ اسے بس ایک جگہ کوتی پچاس، پچپن، پینتالیس ہوں استنے آدمی کھڑے تھے اور کسی کے ہاتھ میں پچکاری، کسی کے ہاتھ میں لوٹا اور چار پانچ گھڑی رنگ کے اور گلال اور عبیر سب منون اور کمکے (قمقمے) ہم ادھر سے جو چلے تو ایک آدمی نے پیچھے سے جوتا دیا۔ تو کھوپڑی بھنا گئی۔ اور آگے بڑھا ہی تھا کہ ایک اور جوتا پڑا تڑاق مگر اُف نہ کی۔ اگرچہ کرتا تو ان سب کو ڈپٹ لیتا مگر چپ ہو رہا اور جس شخص نے جوتا مارا تھا اس کی قدموں پر سر رکھدیا اور کہا بابا دو جوتے کس کے اور لگاؤ لیس جتنے تھے وہ سب ہماری تعریف کرنے لگے اور سب نے کہا واہ آدمی ہو تو ایسا ہو۔

خو:۔ شاباش ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔ گٹو۔

گٹو:۔ (سلام کرکے) حضور کی دعا سے یہ سب ہے۔

ان کے بعد نور خاں نامی ایک افیمی اٹھے۔ کہا صاحبو ہم ہاتھ جوڑ کے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کئی سال سے افیم اور چانڈو پینا شروع کیا ہے۔ ہم افیم اور چانڈو کے پینے سے اس قدر منکسر مزاج ہوگئے ہیں کہ ایک روز ایک دل لگی باز آدمی نے جس کے کھیت میں ہم بیٹھے لوٹ کھا رہے تھے ہمارے کان پکڑے اور ہم کو کانجی ہوس لے چلا۔

ایک:۔ ہنس کر کیا لدو ٹٹو سمجھا تھا آپ کو۔

دوسرا:۔ یا شاید کسی دھوبی کا گدھا سمجھا ہو۔

تیسرا:۔ ان کو گدھا ہی سمجھ کر کانجی ہوس دکھایا۔

چوتھا:۔ مگر آپ بھی کان دبائے ہوئے خوب چلے گئے۔

خو:۔ (ہنس کر) بابائے من بدیع من ہم وقتے درہمیں حال بودہ باشد بائدہ ست مگر چون نکرو آخر کار ایک جفادری افیمی نے استادہ ہو کر سب کو مخاطب کر کے کہا کہ آج تک ہمارے افیمی بھائیوں میں کسی نے ایسا نام نہیں کیا تھا لہٰذا ہم سب پر فرض ہے کہ اپنے قبلہ و کعبہ کو کوئی خطاب دیں۔ سب نے مل کر نعرۂ خوشی بلند کیا اور کھڑے ہو کر با آواز بلند منظوری ظاہر کی اور ذیل کا خطاب حسب تجویز خواجہ صاحب دیا گیا۔

(چھپے رستم) بدن چور، پیل توان، بہنیہ زور قبلہ و کعبہ افیمیان جہاں۔ چینا بیگم کے یکے از شوہران من بدلیعا خواجہ بدیع الزماں بدیع صف شکن فہمیدیان جناب پینک مآب لانا میری قدر ولی۔

افیمیوں نے اس خطاب اور زبان کی بندش کی بڑی تعریف کی اور کہا کبھی کل باتیں اس میں آگئی ہیں، کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا ہے۔ خصوصاً چینا بیگم کے یکے از شوہران کی سب سے زیادہ تعریف ہوئی۔

اور خواجہ بدیع الزماں صاحب نے پھر استادہ ہو کر شکریہ ادا کیا۔ (بہت اکڑے ہوئے)

اور خواجہ بدیع الزماں صاحب نے ایستادہ ہو کر شکریہ ادا کیا۔ (بہت اکڑے ہوئے) برادران جملہ افیمیان، حاضر و غائب زندہ و مردہ، پیدا شوندہ، نحیف و ضعیف من بدیعا کے خاندان میں آج تک کسی نے خطاب نہیں پایا تھا۔ بندۂ خاکسار اپنے خاندان میں فرد ہے۔ گویا گڑھیا میں کنول پھولا یا یوں کہوں کہ ولی کے گھر میں شیطان پیدا ہوا۔

راوی:- اہو ہو ہو دونوں تعریفیں صحیح ہیں۔

خو:- یا یوں کہوں کہ چوروں کے گھر میں شاہ بوشندہ دہ بود ہماری باپ تو اچھے تھے ہی مگر ہم اُن سے بڑھ گئے اور سچ یوں ہے کہ ہم اپنے باپ کے بھی باپ ہیں، اگر وہ الّو کے پٹھے تھے تو ہم الّو کے باپ ہیں۔ اور اگر وہ چھوٹے گدھے تھے تو ہم بڑے گدھے ہیں۔

سامعین:- اللہ رے انکسار۔ بس انتہائے عاجزی ہے۔

خو:- میاں عاجزی ہی خدا کو پسند ہے۔ اس میں چاہے جو ہو بس یہ نکتہ یاد رکھنا بھولنا نہیں۔

ان سب تقریروں کے بعد سب نے چینی کی پیالیوں میں افیم گھولی اور خواجہ کی تندرستی کی پیالیاں پییں اور غبن ہوگئے۔

کالج کے طلبہ کا ڈیپوٹیشن

دکھا دے ساقیا پھر صورت شام
جمائیں رنگ تازہ شیشہ و جام

پھر آیا جھک کے ابر شام سر پر
ہوئی پھر بارش باران اختر

ارے ساقی گیا دن آگئی شام
فراہم پھر ہوئے سب شیشہ و جام

دکھائی شام پھر ساقی ایک بار
ہوئی مہتاب سے روشن شبستار

کہاں ساقی ہے اب پھر شام آئی
ضیاء کی ماہ نے چادر بچھائی،

پلا ساقی وہ جام آب گلگون
کہ ہو کچھ نثر رنگین تازہ موزون

نیا گل بادۂ رنگین کھلائے
سر بزم آج ساقی رنگ لائے

یہ ذکر میکدہ ورد زبان ہے،
ہر اک محفل میں اس کی داستان ہے

حناتی رنگ کا دے ساقیا جام　　گرا خورشید پر پھر لشکر شام،
پلادے جام ساقی سحر آمیز　　طلسم زہد ٹوٹے بن کے پرہیز
پھر آتی ساقیا تو یہ شکن شام　　گلابی سے لادے اب لب جام
وہ مہکے پھول گلدستہ بنے جام　　گلابی آب رنگین سے ہو گلفام
مہار گل تصدق جام مے پر　　ہنسیں گل کی روش بہائی ساغر

کہاں تک انتظار جام ساقی
تمنا تھی رہوتی پھر شام ساقی

آزاد فرخ نہاد والانژاد کا گھر گھر چرچا تھا جس بازار گلی کوچے برزن سڑک پر نکل جاتے۔ آزاد کی نسبت کچھ کچھ ذکر خیر ضرور سننے میں آئے گا۔ گو: ؎

بلبل یہ زمانہ نہ ایک گل کا نہ ہوا　　محکوم ائمہ و رسل کو نہ ہوا،
انسان کو عبث غرور یکتائی ہے　　اللہ پہ اتفاق کُل کا نہ ہوا

لیکن تائید ایزدی سے آزاد پاشا کا نام سب کی زبان پر نیکی کے ساتھ آتا تھا۔ مدرسے کے طلبہ نے ایک جلسہ کالج میں منعقد کر کے آزاد کی خدمت میں ڈیپوٹیشن بھیجا کہ ہم طلبا کالج کی طرف سے اس عرض کے اظہار کے لئے حاضر ہوتے ہیں کہ جو جو کار نمایاں آپ نے کئے ان کی تعریف کریں اور آپ کو اطلاع دیں کہ گو ہم لوگوں کو بحیثیت طالب علم ان امور میں چنداں دخل نہیں ہے لیکن چونکہ ہم نے مختلف اور متعدد اخبارات ولایت روم اور صحائف یورپ و ہندوستان میں آپ کے کارناموں کا ذکر خیر پڑھا اور چونکہ ان سب سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کی ذات سے نہ صرف آپ بلکہ کُل اہل اسلام کا بڑا نام ہوا۔ لہٰذا ہم اس کو عین فرض اور فرض عین بلکہ ذریعہ حصولِ سعادت دارین تصور کرتے ہیں کہ آپ کا شکریہ ادا کریں، افسوس کہ ہمارے اہلِ وطن جو کسی زمانہ میں اعلیٰ درجے کے شائستہ تھے اور جن کی علمیت و تہذیب ساری خدائی میں ضرب المثل تھی۔ جن کے خرمن قابلیت کے مصری خوشہ چین اور خوان علم و فضل کے حکماء یونان زلہ ربا تھے وہ اب اوج لیاقت و شائستگی سے حضیض نادانی میں ہبوط کرتے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ ستارۂ علوم چراغِ سحری کی طرح ٹمٹماتا نظر آتا ہے، ہم آپ کی ذاتِ بابرکات کو ہزار غنیمت سمجھتے ہیں۔ آپ نے اس ملک کا نام روشن کیا اور تمام عالم پر ظاہر کر دیا کہ ہند میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بسالت، لیاقت، ہمدردی اور حکمت میں کسی سے دب کر رہنے والے نہیں۔ آپ نے ہندیوں کا نام روم سے شام اور ہندوستان سے تا بافقائے روس بلند کیا۔ اب دنیا میں کوئی شائستہ ملک ایسا نہیں ہے جہاں آپ کو لوگ نہ جانتے ہوں۔ روسیوں کے جرار سپاہیوں نے آپ کا لوہا مانا۔ کارسک سے بہادر اور جیوٹ آپ کی شمشیر لیاقت کے جوہر دیکھ چکی۔ بڑے

بڑے سپہ سالاروں کو آپ نے نیچا دکھایا اور جس جنگ میں شریک ہوتے، سرخرو اور فائز و غرام آتے۔ پلونا کی جنگِ عظیم میں جس پر کل محاربۂ روم کا دارو مدار تھا اور جس میں طرفین سے لکھوکھا آدمی میدانِ کارزار میں تھے، آپ نے وہ کارنمایاں کیا جو آجتک غالباً کسی سپہ سالار نامدار سے شاذ و نادر ہی عمل میں آیا ہو۔

جنابِ باری نے آپ کی ذات مستغنیٰ از صفات میں ہر قسم کے جوہر کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ علم و فضل و معقولات و حکمت عربی و فارسی و انگریزی و فرانسیسی السنہ کی قابلیت شعر و سخن کی لیاقت درجۂ اعلیٰ کے علاوہ فنون سپہ گری میں وہ ید طولیٰ حاصل ہے کہ کل جنگِ روم و روس میں نہ سلطنتِ عثمانیہ کا کوئی افسر آپکا نقطۂ مقابل تھا نہ روس کا کوئی جنرل آپکی برابری کر سکا، جو جو مہم آپ نے سر کیں، اسکی تصویر اسوقت ہماری آنکھوں کے روبرو ہے۔ جس مصاف میں آپ شریک ہوئے روسیوں کے سر اس طرح گرتے تھے جیسے جھڑی لگتی ہے:

بسر ہا نیزہ ہا انگشت با زان | دو میدانِ یک علم از کاسہ بازان
زسم تیز کز فرق آب میخورد | اثاثہ سر بزیر آب می برد
فرس در زبار نقش راکب | فگندے دست و کندے کوچہ چپ
پلارک زخم پرالماس میدوخت | ببالائے ہوا چون شعلہ می سوخت
جہان را تیرہ بختی تیغ گشتہ | اجل پروانہ نازک شمع گشتہ
بہ نعل توسنت گز فتح دم زد | بہ پیشانی ہلال رنگ غم زد

رکابت را ظفر شد حلقہ درگوش
عنایت را قیامت موج سر جوش

جہاز جنی ڈینس کے عرقاب اور تباہی کے وقت جزیرہ پیرم کے قریب جو جوانمردی آپ نے ظاہر کی وہ ابدالآباد تک یادگار رہے گی۔ واقعی اس وقت مصیبت میں بنی نوع انسان کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ہر فرد و بشر کا کام نہیں۔ آپ ہی کا کام تھا۔ ورنہ ایسے موقع پر اچھے اچھے بہادر آدمی اس قدر سراسیمہ ہو جاتے ہیں کہ اپنی جان کا بچانا مشکل ہوتا ہے نہ کہ اپنی جان کا مطلق خیال نہ کرنا ؎

ایں کار از تو آید و مردان چنیں کنند ؎

ہمیں امید کامل ہے کہ گورنمنٹ آپ کی اس جوانمردی کا بہت جلد صلہ عطا کرے گی۔ کیونکہ ادنیٰ سے ادنیٰ کارنمایاں جن لوگوں سے سرزد ہوئے ان کو خطاب مل گئے ہیں۔ آپ تو اُن سے کہیں زیادہ اعزاز کے مستحق ہیں۔ ہم آپ کے رفیق اور صافی مذاق مرد باخدا حضرت خواجہ بدیع الزمان صاحب بدیع دگلے والی پلٹن کے یکیدان اور شاہی کے رسالدار بہادر کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، اگر ہم اس مقام پر اُن کا ذکر خیر نہ

کریں تو کفرانِ نعمت ہے کیونکہ خواجہ صاحب نے باوصف کبر سنی و عدم واقفیت فنون جنگ میدان نبرد میں آپ کا ساتھ دیا۔ سب سے زیادہ توصیف کے قابل ہے خواجہ صاحب کی وہ جرأت ہے جو آپ نے ایک دریا کے قریب کی جنگ میں ظاہر کی تھی اور ہزاروں آدمیوں کی جماعت کو تن تنہا منتشر کر دیا تھا۔ خواجہ صاحب یہ تقریر سن کر اٹھ کھڑے ہوتے اور بگڑ کر بولے (آپ سب صاحبان طالب علموں کا قطع کلام ہوتا ہے مگر بندۂ خاکسار اضعف العباد اذل خلائق نابکار روسیاہ ہیچمیر (خواجہ بدیع) اس قابل نہیں ہے کہ آپ ان الفاظ سے یاد فرمائیں۔ یہ تعریف نہیں ہجو ملیح ہے۔ فرماتے ہیں کہ باوصف کبر سنی و ضعف و عدم واقفیت فنونِ جنگ بجا ہے، کبر سنی کیا معنی۔ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ بندۂ درگاہ پیر فرتوت ہے، ابھی مجھے یہ دعویٰ ہے کہ اچھے جوان بلند بالا اور قوی ہیکل کا ہاتھ پکڑ لوں تو چھڑائے نہ چھوٹے۔ کیا دل لگی ہے۔ مصر کے پہلوان کو اٹھا اٹھا کے دے دے مارا اور جہاں گیا ایک بھی ہم پلہ نہ ملا۔ ضعف کی اچھی کہی۔ ہمارے ہی ایسے اگر دو چار ضعیف اور ہوں تو ہندوستانی دیو کہلانے لگیں مگر ہے کیا کہ ہمارا بدن چور ہے اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ فنونِ جنگ سے عدمِ واقفیت ہے۔ ہونہہ! کمیدان ہم رہے۔ سالہا سال ہم نے کیں۔ مصر کے ہم لڑے۔ اختری اور نادری پلٹنیں اور ترچھا اور بانکا رسالہ ان سب کے افسر ہم رہے کالے کا نگرہ کی لڑائی میں ہم لڑے اور ابھی تک ناواقف ہی ہیں اس وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔)

اس تقریر پر بڑا قہقہہ پڑا اور طلبہ نے بلجاجت خواجہ صاحب سے معافی مانگی اور خواجہ بدیع الزماں صاحب بدیع نے استادہ ہو کر کہا شاباش۔ یہ نشانِ سعادت ہے۔ من بدیع کا اعزاز کیا اور من بدیع کارہا ے سترگ کردہ شدہ بود آمد۔

اس کے بعد آزاد پاشا نے ڈیپوٹیشن کا جواب دیا اور بفصاحت اپنا عجز ظاہر کیا اور طلبہ کی قدردانی کا شکریہ اور نصیحت کی کہ دل لگا کر اپنی کتب درسیہ کو یاد اور ان کے مطالب و غوامض کو فی الذہن کریں۔ افعالِ قبیحہ سے بچیں اور اپنے ملک کے کام آئیں۔ آزاد فرخ نہاد نے بیان کیا کہ میرے ناقص علم و یقین میں اس ملک کے طلبہ کو امور مندرجہ ذیل پر کامل غور کرنا چاہیے۔ اوّلاً اکثر اوقات تجربہ کیا گیا ہے کہ اس ملک کے طلبہ تھوڑی سی انگریزی پڑھ کر فرطِ غرور سے زمین پر قدم نہیں رکھتے۔ سمجھتے ہیں کہ ہمچو من دیگرے نیست کوئی برنارڈ و اسمتھ کی ارتھ میٹک کے چند صفحے دیکھ کر اپنے کو ریاضی دان اور مجسطی خوان سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالانکہ علم ریاضی ایک بحر زخار و ناپیدا کنار ہے، جس کا اور نہ چھور، مقامِ غور ہے کہ جو طالبِ علم اربعہ متناسب تک حساب پڑھ کر یہ دعویٰ کرے کہ ہم ریاضی داں ہیں، وہ بھلا کیا ترقی کرے گا۔ جغرافیہ طبعی کے دو چار ورق پڑھے اور علماء و فضلا اور نیوٹن اور ہرشن کا مقابلہ کرنے لگے، انگریزی میں ایک خط بھی اچھی طرح نہیں لکھ سکتے۔ مگر خیال یہ ہے کہ ہم مکالے اور ایڈیسن سے بھی گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ میں نے ایک طالب علم کی زبانی سنا کہ (فرانسیسی زبان ہم خوب بول سکتے ہیں) سمجھا شاید کسی قدر واقفیت ہو۔ ایک

فقرہ زبانِ فرانسیسی میں بولا تو جواب ندارد۔ اردو میں پوچھا آپ نے فرانسیسی کہاں تک دیکھی ہے۔ کہا میں تین دن چندانگر فرانس ڈانڈے میں رہا تھا۔ وہاں دوکانداروں سے گٹ پٹ کرتا تھا۔ اب فرماتے جو شخص تین دن فرانس ڈانڈے میں رہ کر یہ دعویٰ کرے کہ زبانِ فرانسیسی اچھی طرح بول سکتی ہیں اس کے غرور کی بھی کوئی انتہا ہے۔

آنکس کہ نداند و بدانہ کہ نداند — او نیز خویشن بمنزل برساند

وانکس کہ بداند و بداند کہ نداند — اسپ طرب از گنبد دوار براند

وانکس کہ نداند و بداند کہ بداند

در جہل مرکب ابد الدہر بماند

اس ملک کے طلبہ کو جاننا چاہیئے کہ اعلےٰ درجے کے تربیت یافتہ یعنی جو لوگ کلکتہ اور بمبئی اور مدراس کی یونیورسٹیوں میں ایم، اے اور بی، اے کی امتحان دے کر ڈگریاں حاصل کرتے ہیں ان تک کی تعلیم مقابلہ طلباء دار العلوم یورپ بالکل خام ہو، اور ذرا وقعت نہیں رکھتی۔ ممکن کیا کہ ہند کی یونیورسٹیوں کے ڈگری یافتہ وہاں کے ادنیٰ طلبہ کے سامنے زانوئے ادب نہ کریں۔ ہم کو بجز کمسٹری اور کسی قدر علم ہیئت اور علم مثلث جغرافیہ طبعی وغیرہ کے اور کیا پڑھایا جاتا ہے، کچھ نہیں اور اس میں بھی ہمارے ملک کے طلبہ بالکل خام رہتے ہیں۔ علم ہیئت۔ جو نتیجہ نکلنا چاہیئے وہ مفقود ہے۔ یہ سب علوم ہم کو تھیوریٹیکل طور پر پڑھائے جاتے ہیں نہ کہ پریکٹیکل طور پر یعنی عملاً اور جبتک عملاً ان سے کوئی نتیجہ نہ نکلے ان کا پڑھانا نہ پڑھنا ایک ہی جہاز رانی اور علوم جیالوجی، درجۂ اول تجارت اور طرز تمدن سے ذرا ہم کو واقفیت نہیں ہے۔ ہم کو لازم ہے کہ صرف ایم اے اور بی، اے کی ڈگریوں کے ہی عاشق دلدادہ نہ ہوں بلکہ یہ صرف برائے نام خالی خولی عزت ہے۔ مقصد ہے کہ علوم دانستہ میں قابلیت اصلی حاصل کریں۔ یونیورسٹیوں کے طرز تعلیم میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے طلبہ۔

Jack OF all Trade and master OF none

کے مصداق ہیں۔ کسی امر میں پختگی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ پیش قاضی شاعر وہ پیش شاعر قاضی و پیش بر دو ہیچ و پیش ہیچ ہر دو۔ اچھے اچھے ایم، اے عموماً انگریزی آسانی اور فصاحت اور صرف نحو کے لحاظ سے عمدہ نہیں لکھ سکتی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں ایک ایک سطر میں غلطیوں پر غلطیاں کر رہیں، بڑی کوشش اس امر کی کرنی چاہیئے کہ حتی الوسیع پختگی حاصل ہو خامی نہ رہے۔

دوسرا امر جس کی طرف میں آپ کو مخاطب کرتا ہوں یہ ہے کہ اس ملک کے طلبہ عموماً نوکری کے عاشق و دلدادہ ہیں اور یہ سخت عیب ہے۔ ہر سال ہندوستان کی یونیورسٹیوں سے ہزارہا طلبہ انٹرنس اور ایف اے اور بی اے اور ایم اے کے امتحانوں میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ان سب کو گورنمنٹ عہدے دے سکے۔ ان لوگوں کا دلی شوق یہ ہے کہ امتحان دے کر اکسٹرا اسسٹنٹی اور مقتضی کے عہدے ہائے جلیلہ حاصل کریں اور یہ امر محال ہے۔ مجنونانہ خیال ہے اب تو متمول لوگوں اور مالدار رئیسوں اور زردار مہاجنوں اور اہل ثروت آدمیوں اور نامدار تاجروں کے لڑکے اپنے معزز آبائی پیشوں کو خیرباد کہہ کر اسی ادھیڑبن میں رہتے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو گورنمنٹ کی نوکری کریں۔ منصفی اور ڈپٹی کلکٹری یا نا تو بجز کوئی بیس روپیہ ماہواری کا لوکل فنڈ کلرک ہو گیا کسی نے پندرہ بیس کی آسامی پائی۔ اب فرمایئے ان عہدوں پر امیر زادوں کا نوکر رہنا تضیع اوقات ہے یا نہیں۔ اگر اس کے برعکس وہ تجارت کی طرف متوجہ ہوں تو سبحان اللہ سبحان اللہ دنیا کے پردے پر کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس نے نوکری کے ذریعہ سے ترقی پائی ہو۔ فرانس کو دیکھو۔ بعد جنگ تجارت کی بدولت وہ درجہ حاصل کیا کہ آج خدا کی خدائی میں کوئی ملک اس کا مدمقابل نہیں ہے۔ ہر قسم کی ترقی ملک کو ثروت ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور ثروت کے حصول کا بہترین اور آسان ترین طریقہ تجارت ہے۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ پرانے فیشن کے خیالات والے تجارت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ وجہ یہ کہ ان کے وقت میں اس ملک میں نہ تو تجارت کا وسیلہ آسان تھا اور نہ ایسے اسباب جمع تھے کہ سوداگری فروغ پاتی اول تو سڑکیں ندارد دوسرے ڈاکہ زنی کی کثرت تھی۔ ریل کا نام نہیں اخباروں کی اشاعت اور تار برقی جس پر تجارت کی ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے ان کے وقت میں بالکل مفقود تھا۔ علاوہ بریں جو ٹٹ پونجئے تاجر ان کے زمانے میں یہاں تھے ان کو وہ اس سبب سے بنظر حقارت دیکھتے تھے کہ وہ کم سرمائے کے لوگ تھے۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے اب تجارت کے اسباب اور وسائل ایسے آسان ہیں کہ بایدوشاید جو لوگ کلکتہ اور بمبئی گئے ہیں وہ تجارت کے بےشمار فوائد سے بخوبی واقف ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ تاجروں کے مقابلے میں نوکری پیشہ کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ جو ثروت اور عزت اور آسودگی اور عیش تاجروں کو حاصل ہے۔ اس کے عشر عشیر کا دسواں حصہ بھی کسی نوکری پیشہ کو نہ حاصل ہے اور نہ حاصل ہو سکتا ہے۔ پس ایسی شے کا عاشق دلدادہ ہونا غلطی ہے یا نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ فرض ہے کہ امیر و کبیر مہاجن کا لڑکا اپنے باپ دادا کے معزز اور زرخیز پیشے کو چھوڑ کر پچاس روپیہ کی پیشکاری کو غنیمت سمجھتا ہے یا تاجر نامور کا صاحبزادہ جس کے باپ کے پاس کروڑوں روپیہ ہے تجارت سے قطع تعلق کر کے ساٹھ روپے کی نوکری پر ناز کرے۔ وہ شخص جس کے باپ

کسی کے پاس پانچ پانچ سو کے ایجنٹ نوکر ہیں، اگر خود ساٹھ ستر کی نوکری کی جستجو کرے اور اس کے لیے ہر ایک کی خوشامد کرتا پھرے، تو مقام حیف ہے اس نوکری سے وہ ملک کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ تجارت سے ملک کی ثروت ترقی روز بہ پاتی ہے۔ اور ثروت سے آسودگی فارغ البالی آرام و عیش کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی ہے۔ ہاں جن لوگوں کے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہے وہ البتہ مجبور ہیں ان کے لیے نوکری کے علاوہ اور کوئی ذریعہ حصول رزق نہیں ہے۔ مگر جن خوش نصیب آدمیوں کو خدا نے متمول کیا ہے۔ وہ اگر اس دولت سے محروم ہیں تو دلیل ادبار ہے۔

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

جب آپ لوگ سفر کریں گے تو آپ کو معلوم ہے کہ تجارت کے کیا کرشمے ہیں۔ کہ یہاں کے امراء کے باشندے بڑا امیر و کبیر سمجھتے ہیں تاجروں کے نزدیک بالکل کم سرمایہ لوگ ہیں ان کی تجارتیں کوئی قابل اعتنا کی نہیں اور کلکتہ اور بمبئی کا ایک ایک تاجر کروڑ پتی ہے، جو دو دو ہزار روپیہ صبح تمام صرف تاریں صرف کرتے ہیں۔ صبح ہزار کی تھیلی لیکر ایجنٹ ریل گھر گیا اور شام کو خالی تھیلی لیے ہوئے چلا آتا ہے اور لبعض بعض ملکوں میں اس سے کہیں زیادہ صرف ہوتا ہے۔ تجارتی کوٹھیوں میں جا کر دیکھو تو سر افلاک کشیدہ کروڑوں کا مال جمع ہے اور مختلف شہروں میں تاجر اور ایجنٹ ہیں اور لاکھوں آدمی پرورش پاتے ہیں۔ یہ شہر جس میں اس وقت ہم اور آپ موجود ہیں مرکز دائرہ ادبار ہے جہاں وہ شخص بڑا مالدار سمجھا جاتا ہے جس کے پاس پانچ سات لاکھ روپیہ ہوں۔ ع

ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

اس امر کا بھی طلبہ کو خیال چاہیئے کہ جس امر میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ دیں۔ دخل در معقولات یعنی چہ۔ اس ملک کے نوجوانان تربیت یافتہ کا میلان طبع کا عموماً یہی ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے خلاف مضامین لکھیں اور نکتہ چینی کریں کہ گورنمنٹ نے یہ غلطی کی اور وہ غلطی کی۔

مانا کہ گورنمنٹ کی نسبت اخباروں میں آزادانہ رائے دینا دلیل خوش فکری و تربیت یافتگی ہے۔ مگر بے سمجھے بوجھے محض اس نظریے سے رائے زنی کرنا کہ لوگ ہم کو بھی استعداد و قابل سمجھیں اور یہ تصور کر لینا کہ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ شائستہ نہیں اور اس کی تعلیم خام ہے۔ انتہا کی غلطی ہے۔

بڑا نقص ہم لوگوں میں یہ ہے کہ ہم باوصف مقدرت و متمول اپنے لڑکوں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے بے بہرہ رکھتے ہیں یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کہ ملک عسرت کی سبب سے اعلیٰ تعلیم نہیں حاصل کر سکتا۔

کیونکہ جو متمول طبقے کے لوگ ہیں وہی عموماً تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ مثلاً مہاجن۔ اس طبقے کے آدمی سوائے کیتھی اور ہندی کے اور کچھ نہیں سیکھ سکتے اور بالکل ناخواندہ ہوتے ہیں۔ ان کو بجز اس کے اور کوئی شوق نہیں کہ روپیہ جمع کریں اور سود پر دیں۔ پڑھنے لکھنے درس و تدریس علم و فضل شعر و سخن سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی امراء ناز و نعم سے اپنے صاحبزادوں کا پرورش کرنا اس کو سمجھتے ہیں کہ بارہ چودہ برس کی سن تک بے دوا چھو چھو کے باہر نہ نکلنے پائے اور بعد ازاں مولوی صاحب کی سختیوں سے بچے اس پر خواہوں تو موقوف کر دیں۔ ہ

بادشاہی پسر بہ مکتب داد لوح سیمیش در کنار نہاد
بر سر لوح او نوشتہ بزر جورِ اُستادہ بہ ز مہرِ پدر

اس کے مفہوم پر مطلق نظر نہیں ڈالتے۔ روسا خود مختار اور تعلقداران کے لڑکے شاذ و نادر پڑھے لکھے ہیں مگر بعض بعض ریاستوں میں اب چند روز سے کچھ کچھ شوق تعلیم پیدا ہوا ہے۔

ایک امر ضروری کی طرف ہمارے ملک کے طالب علموں کو ضروری توجہ کامل کرنی چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ انگریزی تعلیم کے سبب سے عموماً طلبہ کا میلان طبع نیچریت کی جانب ہے یعنی اور مسلمانوں کے انگریزی خوان نوجوان عموماً مذہب میں آزادی پسند کرتے ہیں اور قید مذہبی سے منزلوں بھاگتے ہیں۔ یہ امر پرانے بزرگوں کو سخت شاق گزرتا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں کے لڑکے بت پرستی کو برا نہ سمجھیں سچو کے ہیں کھانا کھانے کو معیوب نہ قرار دیں۔ پرانوں کے مسائل کے مطابق چلیں اور ہندو دھرم میں جو باتیں آج کل مروج ہیں۔ ان کا تتبع کریں۔ علیٰ ہٰذا القیاس اہل اسلام کی خواہش ہے کہ مسلمانوں کے نوجوانان انگریزی خواں جناب رسالت مآب کو نبی سمجھیں۔ قرآن شریف کے کلام ربانی ہونے میں ذرا شک نہ کریں۔ اور وہ ہر بیت جو مزاجوں میں دخل پا رہی ہے۔ دلوں سے دور کر دیں مگر عموماً تجربہ ہوا ہے کہ ہنود کے تربیت یافتہ نوجوان اس امر کے معتقد نہیں کہ ہنومان جی پہاڑ کو جڑ سے اکھاڑ لاتے ہوں یا سمندر کے پار کود گئے ہوں، یا بتوں کی پرستش سے دنیا یا عقبیٰ کا فائدہ متصور ہے۔ نہ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ مردوں کے نام پانی دینا حکیمانہ فعل ہے نہ وہ تناسخ کے قائل ہیں۔ علیٰ ہٰذا مسلمان تربیت یافتہ نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ شق القمر کیونکر ممکن تھا اور معراج کی اصلیت کیا ہے اور اصحاب فیل والی روایت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے۔ میں اس وقت کوئی مذہبی بحث کرنے نہیں آیا ہوں مگر اس قدر البتہ کہوں گا اور ضرور کہوں گا کہ ہر طالب علم پر فرض ہے کہ اپنے آباو اجداد اور والدین اور بزرگوں کا دل نہ دکھائے

اور وہ امر نہ کرے جس سے اس کے بزرگوں کے شیشۂ دل پر ٹھیس لگے۔ یہ لوگ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ پرانے خیالات اور حال کے خیالات میں باہم مطابقت ہو لیکن تاہم اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ کوئی بات ایسی نہ سرزد ہو جس سے بڑھے بوڑھے ہم کو نظر حقارت اور نفرت سے نہ دیکھیں۔

الغرض یہ نہیں کہتے کہ جو افعال اور خیالات آپ کے بزرگوں کے تھے بعینہٖ وہ ہی خیالات آپ کے بھی ہوں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اچھے اچھے علماء اکمل زمین کو جسم ساکن سمجھتے تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ بھی اسی لکیر کے فقیر بنے رہیں میرا مقصد اصل یہ ہے کہ اگر ہم کو یہ معلوم بھی ہو کہ فلاں باتوں میں ہمارے بزرگ ہم سے کم ہیں تو غرور تکبر کے ساتھ ان سے نہ پیش آئیں اور پھر یہ نہ ثابت ہونے دیں کہ ہم اپنے کو بلحاظ علم ان سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اگر تمہارا لڑکا تم سے زیادہ عالم ہو اور یہ ممکن ہے اور وہ تم کو نظر حقارت سے دیکھے یا اس کے حرکات و سکنات اقوال و افعال سے ثابت ہو کہ وہ اپنے سے کم سمجھتا ہے تو تم کو رنج ہو یا نہ ہو۔

پس ع

انچہ بر خود پسندی بہ دیگرے ہم پسند

اس ملک کے نوجوانوں کی طبائع میں ایک سخت عیب یہ واقع ہوا ہے کہ وہ آزادی کے زعم میں بادہ گساری کے زیادہ شائق ہوتے جاتے ہیں۔ حق یہ کہ مذہبی قیدی اور شرح متین اور دھرم شاستر کو تو وہ مانتے نہیں اور جب ان کو اس امر کا عقیدہ نہیں کہ شراب خواری کی سزا عاقبت میں پائیں گے اور وہاں اس کا خمیازہ کھینچنا پڑے گا تو وہ بیدھڑک شراب لنڈھاتے ہیں۔ اس کے دو نتیجہ ہیں لنگوٹی یا موت۔ مطلب یہ کہ اگر مفلس ہوا اور شراب خواری کا عادی ہو گیا تو ستم ہے ضرور مقروض ہو جائے گا اور ہزاروں لاکھوں کروڑوں آدمی اسی کی بدولت تباہ ہو گئے اور بھیک مانگنے لگے۔ اسی طرح کروڑوں نوجوانوں نے اس کی بدولت جان دی ہے جہاں منہ لگی بس غارت کر دیا نشے کی حالت میں بس یہی جی چاہتا ہے کہ جام پر جام لنڈھاتے اور برابر پیتا ہی چلا جائے۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان صبح دوپہر سہ پہر شام اور آدھی رات ہر دم یہی جی چاہتا ہے کہ نشہ میں غیں رہوں۔ اور نشہ بازی سے آخر کار صحت میں فتور واقع ہوتا ہے اور انسان مر جاتا ہے۔ بارہا سنا ہوگا کہ شب کو کثرت سے شراب پی تو صبح کو راہی ملک بقا ہوئے۔ کانٹا لگا اور مر گئے۔ مانا کہ اگر انسان اعتدال کے ساتھ پیئے تو ان سب باتوں سے بچ سکتا ہے مگر اس کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اعتدال ہی کے ساتھ شراب کا استعمال

کرے گا اس کا کیا ثبوت ہے کہ کسی زمانے میں وہ کثرت سے شراب خوار نہ ہوگا جب ہم نے یہ تجربہ کیا ہے کہ صدہا آدمیوں نے جو بڑے عالم اور عاقل اور فاضل اور ادیب اور فلسفی اور منطقی اور مولوی اور پنڈت تھے شراب خواری میں دائرہ اعتدال سے قدم نکالا اور تباہ اور روسیاہ ہوئے تو ہم کسی کے اس دعوے کو قابل اعتبار نہیں سمجھ سکتے کہ وہ کسی حالت میں کثرت سے شراب نہ پیئے گا۔ بڑی خرابی یہ ہے کہ اردو اور فارسی کی کتب علم ادب میں بھی قدم قدم پر شراب ہی کا ذکر ہے اور اسی کی تعریف ہے۔ ساقی نامہ نہ ہو تو مثنوی کا لطف نہیں جو بیان شروع کیا اُس میں ساقی نامہ کے اشعار ضرور ہوں۔

صبوحی دے کہ ہوں مخمور ساقی　　طبیعت کسل سے ہے چور ساقی

نہ کیوں ساقی سے ہو دست و گریباں　　کہ دامن گیر ہے فصل گلستاں

شگفتہ گل ہیں سب جامے سے باہر　　بچھا ہے فرش سبزہ کا زمیں پر

چمن میں بلبلوں کے دل ہرے ہیں

مثال جام مستی میں بھرے ہیں

جب یہ اشعار نوجوان کی نظر سے گذرتے ہیں تو پڑھتے پڑھتے دل بھر بھر آتا ہے کہ دیکھیں تو بادہ خواری میں کیا مزا حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لطف سے تو واقف ہو جائیں جس دیوان کو اٹھاتے ہیں شراب کی تعریف موجود ہے۔

من و انکار زمے ایں چہ حکایت باشد

غالباً ایں قدم عقل کفایت باشد

گو اکثر اصحاب نے اس کے معنی اور قرار دیئے ہیں۔ مگر یہ سب باتیں ہیں۔ بندہ اس کا قائل نہیں۔

انگلستان میں اب ہمدرد اور نیک نفس بزرگوار برابر کوششیں کر رہے ہیں۔ کہ انسداد بادہ خواری کے لیے جلسے قائم کریں اور امریکہ میں بھی لاکھوں آدمیوں نے عہد کر لیا ہے کہ شراب نہ پئیں گے۔ مجھے کامل امید ہے کہ آپ میری اس نصیحت دوستانہ پر ضرور لحاظ رکھیں گے۔ میں کمال افسوس اور حسرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں خود بھی کسی زمانہ میں اس کا شائق تھا گو بہت ہی کم اور بعض ہی شاذ و نادر شراب پیتا تھا مگر مجھے عذر نہ تھا۔ اب خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایک قلم ترک کی اور توبہ کی کہ چاہے جان جاتی رہے اس کی طرف طبیعت نہ مائل کروں گا۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جوانی کے عالم میں بادۂ گلگوں پی کر رندی و مستی سے تمام عمر بسر کرے اور پیرانہ سالی میں توبہ پڑھے۔ یہ تو گویا اللہ میاں کو پھسلانا ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی ایمان دار آدمیوں کی وضع کے خلاف ہے کہ لوگوں کے دکھانے کے لیے توبہ پڑھ لے اور خفیہ طور پر برابر استعمال جاری رکھا۔ اگر نوجوان تربیت یافتہ مذہب کی رو سے بُرا نہ سمجھیں تو سوسائٹی کے لحاظ سے تو ضروری ہی اس کو برا اور حیرت انگیز قرار دیں گے۔

حسن آرا پری زاد کی شادی اور نوشاہ آزاد کی خانہ آبادی

دم صبح ہے ساقیٔ خوش جمال
عنایت ہو جام مے پُر تگال
وہ خوشبو کا دے جام جس سے مدام
معطر ہو رندوں کا ساقی مشام
ذرا شیشہ و جام دھو دھا کے لا
شرابِ مصفا اچھوتی پلا
میں قربان ساقی ذرا اٹھ شتاب
تو دے جام مہتاب میں آفتاب
بچھاؤں میں ہر سمت عشرت کا فرش
زمیں آسماں فرش ہو تا بعرش
وہ روشن پلا مے کہ پُر نور ہو
ہر اک قطرہ چوں شعلۂ طور ہو
اٹھا ساقیا ساغرِ مشک بو
کہ مستی میں بر آئے سب آرزو
میرا خضرِ رہ ہو دے آب حیات
خوشی میں لکھوں عیش و عشرت کی بات
پلا ساقیا بادۂ پُرتگال
کہ گل اور بلبل میں ہو گا وصال
خوشی میں ہیں مصروف سب خاص عام
مبارک سلامت کی ہے دھوم دھام

پلا ساقیا مجھ کو جام شراب
کہ ملتے ہیں باہم مہ و آفتاب

اللہ اللہ:۔ آج کس ٹھسے سے گلزار دہر میں عروس بہار کی سواری رشک باد بہاری آئی ہے کہ رضوان تک بصد شوق دیدۂ دل سے تماشائی ہے۔ سبحان اللہ کیا فیض بہار ہے کہ خوبرویانِ چمن پر قیامت کا نکھار ہے۔ زلیخائے گل یوسف بلبل سے ہم آغوش ہے بحر مستی و عشرت پرستی کا جوش ہے ادھر گلوں پر نکھار ادھر عنادل کی چہکار، بوستان جہاں پر نشاط و طرب کی گھنگھور گھٹا چھائی۔ رندوں نے دھوم مچائی۔ ؎

برق چشمک زن بہ طرف کوہساران میرسد
ساقیا سامان ساغر کن کہ باران میرسد

زہاد صد سالہ گیے جام لنڈھاکر قید مذہب سے آزاد ہوئے شوالے اور مسجدوں کے عوض میکدے آباد ہوئے۔ ہر شیخ و شاب مع پیر مغاں ہے۔ حافظ جی کا خدا حافظ نگہبان ہے۔ شیخ جی باانیہمہ شیخوخیت بھٹیوں پہ ہولیاں گاتے ہیں۔ برہمن چھپ چھپ کر مندروں میں بادۂ گلگوں کے جام لنڈھاتے ہیں۔ بانگ تکبیر اور آواز ناقوس کے عوض ہو حق کی صدا بلند ہے اور لطف طرب دہ چند ہے۔ ؎

عید ست و نشاط و طرب و زمزمہ عالم ست
مے نوش کنہ برمن دگر بادہ حرام ست

دلہن کا خانۂ طرب آستانۂ رشک باغ ارم تھا ہر در و دیوار پر نور کا عالم تھا۔ سراپا طلسمات تھا غیرت دہ گلزار جنات تھا۔ ؎

اس مکان کا وصف کس کے منھ سے ہو
سر سے صدقے جس کے زلفِ ماہرو
یہ مکاں ایسا سجا ہے بالیقیں
جیسے ہو آرایش خلد بریں
اس مکاں پہ ہاہزاراں انکسار
پنجۂ مژگاں سے ہر لیل و نہار
قدسیانِ آسمان ہشتت ہیں
ہوتی ہیں جاروب کش باصد یقیں
حسن اس شب کا لکھوں کیا ہو بہو
کلک کو دیکھا تو سرمہ در گلو
خال رخسارہ ہے اس کا بیگمان
مردم چشم بت ہندوستان
نور سے پُر نور تھا ایسا مکاں
جیسے نورِ مہر یہ سارا جہاں
ہوگئی وہ شب جو روشن مثل روز
شب کہ اشکیا روزِ عید دلفروز
شادیانے ہر طرف بجنے لگے
اہل گلشن ساز سب سجنے لگے
مہتمم تھیں سب کی سب بستہ دہان
خوبصورت خوب سیرت نورجواں
سیمتن نازک بدن پاکیزہ دوش
غنچہ لب گل پیرہن عشوہ فروش
نار پستاں سرو قد گلبرگ رنگ
فتنہ گر آشوب دوراں شوخ و شنگ
دلفریب و دل ستان و دلنواز
شمع رو کافور بو عاشق گداز
مہ جبیں خورشید طلعت خوشخرام
حور وش عیسیٰ نفس شیریں کلام
غمزہ پرداز ستمگر سیم بر
عشوہ ساز و مو پریشان موکمر
نوجوان کم عمر اور نوخاستہ
سر سے پا تک مثلِ حور آراستہ
تھا کسی کا دان لباس سرخ رنگ
واسطے عشاق کے قیدِ فرنگ

رنگ آبی اس قدر تھا پُر بہار — دیدۂ نظارگی گر ایک بار
جا پڑے اس پر نعوذ باللہ العظیم — آ پڑے آنکھوں میں دل ہو کر دو نیم
اور کسی کا واں لباس زرد تھا — رنگ عاشق جس کے آگے گرد تھا
بہر تفریح قلوب عاشقان — تھی وہ کافر رنگ کشت زعفران
صبح اس کافر کی شام عاشقان
بے تکلف راہزن اسلامیان

الٰہی یہ بارہ دری ہے یا روضۂ رضوان۔ یہ خانہ سعادت آشیانہ ہے۔ یا پرستان۔ مکان مہبوط پریان ہے یا فردوس بریں رشک باغ نسیم غیرت ارم یا تزئین۔ کارکنانِ گردوں زر رنگ شطرنجیوں کی آب و تاب دیکھ کر شرمائیں۔ چاندنیاں اس صفائی سے بچھائیں کہ ضیائے نیر عالم افروز اور چاندنی رو برو نہ آئیں آنکھیں چرائیں ؎

یہ ایسی خوشی کی بچھی تھی بساط
کہ صدقے ہو جس پر سے ہر دم نشاط

تمامے سے منڈھے ہوئے دیوار و در سونے کا گھر آئینہ بندی کی یہ شوکت و شان تھی کہ سکندر کی روح دیکھ کر حیران تھی۔ موقع موقع پر جا بجا جڑاؤ پلنگ کہیں مسہریاں خوش رنگ۔ اس پر اونچے کسے ہوئے۔ زری باف کے رشک دینے والے آئینہ صاف کے پایوں کے چاروں طرف ریشم کی ڈوریاں اس لطافت سے کشید کہ گوش چرخ شنیدہ نہ چشم عرش دیدہ۔

تعالی اللہ عجائب بارگاہے — کہ یا باغ رضواں کوچہ راہے
برہمن سجدۂ میکردش بامید — غلط شد شمسۂ ایوان بخورشید
مگر از ہر دو نیر چرخ آنجا — نہادہ عینک از مہر تماشا
در و دیوار قصر خلد آئیں — تجلی زار فانوس بلوریں
گلستاں کرد جا را بر جہاں تنگ — چو باغ آرزو بشگفت صد رنگ
ز رشک غنچہ ہائے گل کہ شد باز — بہر جا غنچہ شد گل غنچہ شد باز
زمین آن نہ خاک ایں جہان ست
تفاوت از زمین تا آسمان ست

حسن آرا کا ابھرتا ہوا جوبن اور ستم کا نکھار اگر حوران بہشتی دیکھ پائیں تو ہزار جان سے عاشق ہو جائیں۔

پھر روضۂ جنان کا نام زبان پر نہ لائیں۔

مطلع الشمس من وجہا بنت الدر فے فیہا یلفظ الوردنی خدہا۔ مغرس الغصن فی قدہا والیل نے شعرہا باتکا والعیون والقلوب نثر بہا۔ خواتین ماہ لقا مہر سیما اور بانویان شیریں ادا دلربا کا جھرمٹ ان کا نکھار ادھر ادھر ہمجولیاں طرحدار اور بیچ میں عروسِ گل عذار ے

بھر روزن بتی دل ذرود سر مست
چو باد صبح و برگ لالہ تر وست

نازک ادا۔ بھئی آج تو دھما دھمی ناچ ہونا چاہیئے۔

جانی بیگم۔ دولھا کے ہاں میراثنیں دھما چوکڑی مچا رہی ہیں۔

نازک۔ رسم تو رسم کے طور پر ہوا ہی چاہے بہن

جانی۔ پہلے تو ہم سنتے تھے کہ دولھا کے چہرے سے وہ جلال برستا ہے کہ ایکا ایکی کوئی چار آنکھیں نہیں کر سکتا اور زنانے میں ناچ گانے سے انھیں اس قدر کی نفرت ہے کہ مجال کیا کوئی ڈومنی دہلیز کے اس پار قدم دھرنے پائے۔ نہ کہ اب سنتی ہوں طبلے پر تھاپ پڑ رہی ہے ٹھمریاں پٹے گاتے جاتے ہیں جو آتا تھا یہی کہتا آتا تھا کہ اُن کے رعاب کے آگے کوئی چوں نہیں کر سکتا ہے۔

مغلانی۔ کیا ننگ ہے نگا۔ بہن کا بھرڈالتی ہے۔

نازک ادا۔ پھر یہ کایا پلٹ اتنی جلدی کیونکر ہوئی۔

مغلانی۔ دل ہی تو ہے حضور۔ اور پھر دلہن پانے کا شوق۔

سپہر آرا۔ ہم نے مہندی لگائی تو ذرا بھی ادھر سے انکار یا تکرار کی بات نہ ہوئی۔ مسکرا کر ہاتھ دیدیا۔

نازک۔ اے تو سالیوں سے بھی کوئی اتنی بے رخی کرتا ہے۔

مغلانی۔ یہ نہ کہیے حضور جولے ہیں۔ وہ ایک نہیں مانتے ساچق مانجھا وہاں اس کا ذکر ہی نہیں۔ مرزا تقی نے کہا کیا خاص شرح کے مطابق شرعی نکاح پڑھوا لیا۔

بہار النسا۔ ہماری رائے ہے کہ جس میں ان کا جی راضی ہو وہ کریں۔

سپہر ے۔ مگر واہ رے آزاد۔ کتنا فوں پورا پورا بنا ہا ہے۔

مغلانی۔ سپہ گری کو ان کے نام سے عزت اور شرف ہے۔

نازک۔ تلوار کے منہ لڑنا انہیں سورماؤں کا کام ہے۔

مغلانی۔ ہم سے در ایک عورتیں کہتی نہیں کہ حسن آرا کو جُل دے کر خدا نخواستہ چلے گئے مگر تم نے کہدیا تھا کہ آئیں اور بیچ کھیت آئیں۔ ہزاروں لاکھوں میں آئیں۔ ایسے مرد لوگ

وعدہ خلاف ہوا کرتے ہیں۔ قولِ مرداں جانِ دارد۔

سپہر۔ اتنے دنوں میں دو مرتبہ باجی جان کا نصیب اعدا دور از حال بڑا برا حال ہوا۔ ایک مرتبہ تو آزاد کو خواب میں دیکھا۔ جب اماں جان کو ان کی بیکلی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے ان کو سمجھانا شروع کیا۔

کون کہتا ہے تم نہ پیار کرو شوق سے جان تک نثار کرو
باغ کی سیر کو ذرا جاؤ گل و بلبل سے دل کو بہلاؤ

نازک۔ ہم کو اس حال کی پہلے ذرا خبر نہ تھی بہن۔

بہار النسا۔ اور ہم سمجھ گئے تھے کہ اس میں کچھ بجوگ پڑا ہے۔

سپہر۔ بس بس بس۔ زیادہ نہ کچھ کہیے گا۔ ہو بھو!۔

بہار۔ اے اے باری کا ذکر نہیں کرتی۔ دوسری دفعہ کا تذکرہ ہے بہن۔

سپہر۔ ثریا بیگم کا حال ہم نے کچھ کچھ سنا تھا۔ اڑتی سی خبر پائی تھی۔ مگر باجی جان سے سارا حال بیان نہیں کیا۔

بہار۔ اس مالزادی کا ہمارے سامنے ذکر نہ کیا کرو۔

نازک۔ (دانتوں تلے انگلی دبا کر) ایسا نہ کہو بہن۔

جانی بیگم۔ ایسی پاکدامن عورت ہے کہ اس کا سا ہونا محال ہے۔

نازک۔ یہ لوگ خدا جانے کیا سمجھتے ہیں ثریا بیگم کو۔

بہار۔ اے ہے سچ کہنا۔ ستر چوہے کھا کے بی حج کو چلی۔

نازک۔ فلک آواروں کی طرح دربدر اور شہر بشہر گھومی بیچاری۔

بہار۔ بھلا ایسی ہرجائی کا کس کو یقین آئے گا۔

سپہر۔ بہن زمانہ ایسا نازک گذرتا ہے۔ اور گناہ اس قدر سا بڑھتا جاتا ہے کہ اب ذرا سی باتوں میں کلیجہ دہل جاتا ہے۔ اور یوں تو جس کا دل صاف ہے اس کو کسی کا ڈر نہیں۔ سب سے نڈر ہے۔

اتنے میں ایک غفس سے ایک بیگم صاحبہ اتریں اور مع خواصوں کے حسن آرا بیگم کے دیکھنے کے لیے آئیں تو جانی بیگم اور نازک ادا میں باہم اشارے ہونے لگے۔ بیگم صاحبہ ان خواتین سے ملیں جن سے جان پہچان تھی۔ مگر حسن آرا کی بہنوں میں کسی نے ان کو نہ پہچانا کہ یہ کون ہیں۔

بیگم۔ ہم نے لا ابھی کے ذرا دلہن کو دیکھ آئیں۔
روح افزا۔ اچھی طرح شگفتہ ہو کر بیٹھئے۔ یوں آئیے۔
بیگم۔ میں بہت اچھی بیٹھی ہوں تکلف کیا ہے۔
نازک۔ یہاں تم کو ہمارے اور بھائی بیگم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
بیگم۔ نہیں۔ کیوں۔ خورشید محل نہیں ہیں؟
نازک۔ کیا یہ پہچانتی ہیں۔ اچھا کون ہیں یہ؟
خورشید محل۔ ہم سے پوچھتی ہو۔ ہمارے تو پڑوس میں رہتی ہیں۔ ہم اُن کے زیر سایہ رہتے ہیں۔
روح۔ ہم نے بھی کبھی شاید نہیں دیکھا تھا۔
بیگم۔ میں تو ایک بار حسن آرا سے مل چکی ہوں۔
سپہر۔ (غور سے دیکھ کر) اور ہم سے بھی۔
بیگم۔ ہاں تم سے بھی ملی تھی مگر بتائیں گے نہیں۔
سپہر۔ کب ملے تھے اللہ کس مکان میں تھے۔
بیگم۔ (بات بنا کر) میں مذاق کرتی تھی۔
نازک۔ نہ اب تم نے بات بنائی ہے بہن۔
بیگم۔ اے لو چہ خوش۔ بگڑنا بنانا کیا معنی۔ میں خاصکر اس وجہ سے آئی کہ دیکھوں حسن آرا بیگم کیسی ہیں جن کی اللہ کی عنایت سے اس قدر شہرت ہے۔
روح۔ سو دور کے ڈھول سہانی کی مثل ہے۔
بیگم۔ اے نہیں۔ اللہ رکھے ماشا اللہ جس قدر تعریف حُسن سنی تھی۔ اس سے دہ چند پایا۔ اور ہم نے دولھا کو بھی دیکھا پروردگار کی قدرت نظر آتی ہے۔
نازک۔ کیا ہم سے زیادہ خوبصورت ہیں۔
اس لطیفے اور سوال پر بڑا قہقہہ پڑا۔
بیگم۔ تمہارا تو مثل نہیں ہے۔ دنیا کے پردے پر۔
نازک۔ بھلا دولھا سے آپ سے بات چیت ہوئی تھی۔
بیگم۔ بات چیت آپ سے ہوئی ہوگی۔ میں نے تو ایک دفعہ راہ میں دیکھا تھا۔ میں چلمنوں سے دیکھتی تھی تو ایک مہری نے کہا حضور شہزادے بھی ہیں۔

نازک۔ بھلا دوسرا نکاح بھی منظور کرتے ہیں وہ۔

بیگم۔ اب یہ نواب سے کوئی جا کے پوچھے۔

نازک۔ تم ہی دریافت کر دو بہن۔ اللہ کا واسطہ۔

بیگم۔ اگر منظور ہو دوسرا نکاح تو پھر کیا۔؟

نازک۔ پھر کیا تم کو اس سے کیا مطلب ابھی سے۔

بیگم۔ ہم کو نہیں معلوم تو بالکل بیباک ہو۔

نازک۔ اللہ جانتا ہے میں ساری قلعی کھول دوں گی پھر۔

روح۔ آخر دوسرے نکاح کے لیے کون تجویز ہے۔

نازک۔ ہم خود اپنا پیغام کریں گے۔ تجویز ہی کیسی۔

روح۔ بس حد ہو گئی نازک ادا بہن۔ افوہ۔

نازک۔ ہماری بہن بھی بچی ہوئی ہیں شاید کیوں۔

بیگم۔ دانتوں کے تلے انگلی دبالی ہائیں!

اصل میں سب کی سب سمجھ گئیں دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے ورنہ جس وقت نازک ادا بیگم نے کہا کہ قلعی کھل جائے گی۔ اس وقت انھوں نے دانتوں کے تلے انگلی کیوں دبائی اور خوف کیوں ظاہر ہونے لگا نازک ادا نے کہا۔ مگر بہن استقلال کو تم نے ہاتھ سے دیدیا۔ بیگم نے اس شعر کو ترجمانِ دل کہا۔

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

نازک۔ یہ سچ مگر۔ خیر۔ جو ہوا اچھا ہی ہوا اور بہن مصلحت بھی یہی تھی۔

گیتی آرا۔ اب تو پہیلیوں میں باتیں ہونے لگیں۔

نازک۔ یہ باتیں ہر کسی کی سمجھ میں نہ آئیں گی۔ دل لگی بازی نہیں ہے۔ یہ بھی وہی ہوا کہ کاتا اور لے دوڑی۔ ذرا عقل چاہیئے۔

گیتی۔ کچھ گول گول باتیں ہو رہی ہیں اس وقت۔

نازک۔ یہ اشارے ہیں۔ بس ہمراز داں سمجھتا ہے۔

ع۔ کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی پوچھے تو کیا پوچھے۔

جو راز سے واقف وہ سمجھ جائے۔

جانی۔ کیا اچھا شعر پڑھا ہے بالکل حسب حال۔

روح افزا۔ ذرا بہن پھر تو وہ شعر پڑھ دینا۔

بیگم۔ (بعد حسرت دل آہ کھینچکر)

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

اس شعر کا مکرر سننا تھا کہ دلہن تاڑ گئی سوچا کہ یا الٰہی آزاد کے ذکر میں نازک ادا نے یہ کیوں اس بیگم سے کہا کہ (بہن استقلال کو تم نے ہاتھ سے دے دیا۔) اور اس کے جواب میں بیگم نے کہا۔

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا

سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو ثریا بیگم یہی ہے۔ کنکھیوں سے دیکھا اور گردن پھیر کر اشارے سے سپہر آرا کو بلا کر یوں ہمکلام ہوئیں

حسن۔ ان کو پہچانا۔ سوچو تو یہ کون ہیں۔

سپہر۔ اے باجی تم تو پہیلیاں بجھواتی ہو۔

حسن۔ تم ایسی طبیعت دار اور ابتک نہ سمجھ سکیں۔

سپہر۔ تو کوئی اڑتی چڑیا تو پکڑ نہیں سکتا۔

حسن۔ اس شعر سے طبیعت دار آدمی صاف مطلب سمجھ جائے گا۔

سپہر۔ اخاہ (بیگم کی طرف دیکھ کر) اب سمجھ گئی۔

حسن۔ ہے عورت حسین اور شوخ و تشنگ بھی ہے۔

سپہر۔ ہاں ہو۔ تمہارے مقابلہ میں ٹھہر سکتی ہے۔

حسن۔ سچ کہنا کس قدر جلد سمجھ گئی ہوں۔ ہے کہ نہیں۔

سپہر۔ اس میں کیا شک ہے ثریا بیگم اور اللہ رکھی اور مس پالین اور جوگن اور شبو جان یہی ہیں۔

حسن۔ یہ ہی ہیں آزاد کی عاشق زار بھی ہیں۔

سپہر۔ یہ ہم تم سے کب ملیں تھیں بھلا۔ کیوں باجی۔

حسن۔ اللہ کو علم ہے اللہ رکھے بنکے ان کے فرشتے نہ آنے پاتے جوگن کے بھیس میں کوئی ان کو بھٹکنے نہ دیتا۔ مس پالین کا نام بھی ہم نے نہیں سنا۔ شبو جان کا یہاں کیا کام۔

سپہر۔ شاید مہری وہری بن کے گزر ہوا ہو۔

حسن۔ ہم کو ان کا آنا کھٹکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔

سپہر۔ نہیں باجی جان اب وہ جوش کہاں۔

حسن۔ ان کی پاکدامنی تو اس کی مقتضی تھی۔ کہ آزاد کا نام سن لیتیں تو وہاں سے ہٹ جاتیں نہ کہ ایسے مقام پر آنا۔

سپہر۔ اے ہے اُن سے یہاں تک آیا کیونکر گیا۔
حسن۔ دوسری ہوتو اس کے دل میں بیقراری ہو جائے اور ایسی ہجرت سے منزلوں بھاگے۔ دل میں ایک ہول سا پیدا ہو کہ جو ہماری بغل میں سونا اور جس کی بغل میں ہم سوتے وہ اب دوسرے کا ہوا۔
حسن۔ پھر اب اس کو ہم کیا کریں۔ جو سب کی صلاح ہو تو اماں جان کو اطلاع دے دو اور دولھا بھائی سے کہدو کہ ان تک بھی خبر ہو جائے۔
سپہر۔ بہن ایسا نہ ہو کہ کوئی گل کھلے۔ ہاں۔!!!
سپہر آرا نے بہار النسا سے مشورہ کیا اور کہا کہ باجی یہ جو بیگم ابھی آئی ہیں ان کو پہچانا۔ بہار النسا نے ان کو از سرتا پا دیکھا۔ اور کہا ہم نے ان کو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا اللہ جانے کیا نام ہے۔ کسی اور سے پوچھو۔ انھوں نے جھک کر کان میں کہا ثریا بیگم یہی ہیں تب تو بہار النسا کے کان کھڑے ہوئے اور غور سے نظر ڈالکر بولیں۔ ماشاء اللہ کیا قبول صورت عورت ہے۔ ایسی نمکین بھی کم دیکھنے میں آئیں۔
سپہر۔ باجی کو خوف ہے کہ مبادا کوئی گل کھلائیں۔
بہار گل کیسا کھلائیں گی اب تو ان کا نکاح ہو گیا۔
سپہر۔ اے ہے باجی نکاح پر نہ جانا۔ یہ وہ کھلاڑ ہیں کہ گھونگھٹ کی آڑ میں شکار کھیلیں۔
بہار۔ اے بہن کیوں بیچاری کو بدنام کرتی ہو۔
سپہر۔ اے لوچہ خوش۔ بدنامی کی ایک ہی کہی! کیا بڑی نیک نام ہیں کوئی پیشہ کوئی کرم ان سے نہ چھوٹا اور اب تک آپ کے نزدیک پاکدامن ہی بنی ہوئی ہیں۔
بہار۔ حسن آرا کو سمجھادو کہ از برائے خدا طبیعت کو کلفت نہ کرو نہ دلی سے بیٹھی رہو۔
سپہر۔ لگاوٹ بازی میں ان کی دھوم ہے بہن۔
بہار۔ ہم جب اُس ڈھب پر آنے بھی دیں۔
سپہر۔ وہ اشاروں ہی سے سارا مطلب نکال لیں گی۔
بہار۔ اوئی۔ تو بہو بیٹی کا ہے کو ہیں مالزادیوں کے بھی کان کاٹے۔ کیا باہر نکل جائیں گی یا دولھا کو چمٹ جائے گی۔
سپہر۔ اچھا پھر جو رائے ہو۔ ہر چہ باداباد۔
بہار۔ کیا بری ڈاہ ہے اب دلھن کے گھر میں کھپ گئی۔ کہ ایسا نہ ہو آزاد کے دل کو مسخر کرے۔

سپہر۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ حسن آرا کے مقابل میں آزاد کسی کو چاہیں کوئی سونے کی بن کے آئی تو کیا ہوتا ہے۔

بہار۔ بس تو سپہر کا ہے کا غم ہے۔ خدانخواستہ۔

اتنے میں سپہر آرا نے ان سے پوچھا اے بہن ہم نے تمہیں پہچانا نہیں۔ معاف کرنا، مسکرا کر جواب دیا ہمارا نام ثریا بیگم ہے۔ سپہر آرا ان سے باتیں کرنے لگی۔ تاکہ ان کو ذرا بھی نہ معلوم ہو کہ یہاں ان کے رازدانوں کے سوا کوئی اور بھی اللہ رکھی اور جوگن اور مس پالین کے حالات سے واقف ہے۔ ثریا بیگم اُن سے بڑی تپاک کے ساتھ ملیں اور کہا ہم نے کئی بار چاہا کہ تم سے ملیں۔ مگر اب تک اتفاق نہ ہوا انھوں نے اخلاق اور لطف کے ساتھ جواب دیا۔

نازک ادا بیگم نے باتوں باتوں میں ثریا بیگم سے تخلیے میں پوچھا کہ بہن یہ عقدہ آج تک نہ کھلا کہ تم پادری کے ہاں کیوں گئیں اور وہاں سے کیوں نکل آئیں۔ ثریا بیگم نے کہا بہن اس ذکر مذکور سے رنج ہوتا ہے جو ہوا سو ہوا اب اس کا گھڑی گھڑی تذکرہ کرنا فضول ہے۔ لیکن جب انھوں نے اصرار کیا تو انھوں نے کہا۔ بات یہ ہوئی کہ پادری بیچارے نے رحم کھا کر اور بیکسی کی حالت دیکھ کر مجھے اپنے یہاں جگہ دی اور جس طرح کوئی خاص اپنے بیٹوں سے پیش آتا ہے اس طرح مجھ سے پیش آئے۔ مجھے پڑھایا لکھایا۔ مگر ہر روز دو تین گھنٹے تلقین کرتے تھے کہ تم عیسائی ہو جاؤ اور یہ یہاں منظور نہیں۔ میں ہنس کے ٹال دیا کرتی تھی۔ ایک روز پادری صاحب تو چلے گئے کسی کام کو تو ان کا بھتیجا جو فوج میں لفٹنٹ ہے ان کے ہاں آیا پوچھا کہاں گئے ہیں۔ میں نے کہا گاڑی پر سوار ہو کر ابھی باہر گئے ہیں۔ اے بس اتنا سننا تھا کہ اپنے بمبو کارٹ سے برانڈی شراب کی بوتل لایا ایک گلاس منگوایا اور سوڈے کے ساتھ تین گلاس یکے بعد دیگرے پیے جب آنکھوں میں لال لال ڈورے آئے اور نشے میں خوب جھکا تو میری طرف توجہ ہوئی کہا مس پالین ایک قطرہ تم بھی پیو۔ میں مسکرا کر چپ ہو رہی وہ سمجھا الخاموشی نیم راضی، میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ مرد میں عورت، وہ شہ زور میں نازک بدن۔ مردوے سے کیونکر جیت پاؤں۔ سوچی کہ یا الٰہی کیا کروں کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی۔ ہاتھا پائی کروں تو کس برتے پر تتا پانی۔ اس دیوے میں بیچاری بھلا کیا جیت پاتی! اچھا خاصا جوان تو مقابلہ نہ کر سکتا میں کس شمار و قطار میں ہوں۔ میں نے کہا لفٹنٹ صاحب تم فوج کے عہدے دار تلوار کے منہ لڑنے والے مجھ دبلی پتلی لڑکی سے دھینگا مشتی کرو تو اس میں تمہاری سُبکی ہے یا نہیں ہاتھ چھوڑ دو

دور دور سے باتیں کرو۔ اس کے جواب میں کہا اچھا ہمارا کہنا مانو گی سچ کہوں اس وقت میں تھر تھر کانپنے لگی۔ کہ خدا جانے کیا اینڈی بینڈی بات کہے، ماننے کی ہو یا نہ ماننے کی۔ میں کچھ کہنے کو تھی مگر مارے ڈر کے زبان سے ادا نہ کر سکی۔ اتنے میں وہ موا سنڈ اکھڑا ہو کے کہنے لگا اب تو ہم بے برانڈی پلائے نہیں رہتے۔ ہے ہے۔

ع۔ سالو تو لہو نہیں بدن میں

خون خشک ہو گیا۔ اب کروں تو کیا کروں۔ سوچی کہ ثریا بیگم اگر کسی کو پکارتی ہے تو یہ اس وقت مار ہی ڈالے گا اور بے عزت کرنے پر تو تلا ہوا ہی ہے۔ رسوائی کی رسوائی ہو گی اور جگت ہنسائی کی ہنسائی مفت میں بدنام ہو گی۔ اب اس نے وہ بھرا ہوا گلاس خود پی لیا۔ پینا تھا کہ نشہ اور بھی تیز ہوا اور جھپٹا جھپٹی پر آمادہ ہو گیا۔ میں بے تحاشا دوڑ کر بھاگی اسنے جھپٹ کے گودیں اٹھا لیا۔ وہ کشیدہ قامت جوان بلند بالا میں دھان پان۔ اس طرح مجبوری سے جانا پڑا جیسے چوہے کو بلی دبالے جاتی ہے۔ کمرے میں چھوڑ کے کہا۔ سنو مس پالین۔ تم عیسائی ہو جاؤ تو ہم شادی کرلیں۔ میری کیفیت کہ لب خشک منہ خشک، زبان خشک نالوں میں کانٹے پڑے ہوئے اور رنگ فق کہ یا خدا آج کیونکر عزت بچے گی اور کیا ہو گا۔ وہ تو نشے میں چور تھا ہی۔ بس اب کیا کروں۔ مگر عزت آبرو کا بچانے والا اللہ ہے۔

اتنے میں پادری صاحب آن پڑے بس اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ اس کو تو کیا کہتے جب برابر کا لڑکا یا بھتیجا یا بھانجا کمانا دھمانا ہو تو بڑا بوڑھا چشم پوشی کر جاتا ہے۔ مگر جب وہ بھاگ گیا تو میرے پاس آکے یوں گفتگو کی۔

پادری۔ مس پالین۔ اب تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔

میں۔ پادری صاحب اس میں میرا قصور۔

پادری۔ میں نے خود دیکھا کہ تم اور وہ ہاتھا پائی کرتے تھے۔

میں۔ وہ چاہتے تھے کہ زبردستی برانڈی پلائیں۔

پادری۔ نہیں نہیں۔ تم کو ہم نیک عورت سمجھتے تھے۔

میں۔ پوری سرگذشت سنیے پھر رائے قائم کیجے۔

پادری۔ اب تم ہماری نظروں سے گر گئیں بس۔

میں۔ میری شومی طالع۔ بدنصیبی مگر پادری۔

پادری۔ اس وقت سے کل تک تم اپنا بندوبست کرلو۔

بہن۔ (روکر) میں آپ کی کمال شکر گذار ہوں۔

پادری۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری پرورش کی۔ مگر خیر۔ ایسا دھوکا کبھی نہ کھایا تھا میرا بھتیجا بڑا جوان صالح ہے دوسرے روز میں نے پادری صاحب کو صورت نہیں دکھائی۔ اور بھاگ آئی۔ مگر پاک پروردگار کا ہزار ہزار شکر ہے کہ عصمت بچا کے آئی۔ صدقے اس کی کرہ بھی کے۔

یہ باتیں ہو تی ہی تھیں ایک مہری نے جو سمدھیانے کی طرف گئی تھی کہا حضور وہاں تو بہت سے صاحب لوگ اس وقت جمع ہیں اور بڑے جشن ہو رہے ہیں ؎

خیال شیشہ اے ساقی ہے دل پر
نظر اب خواب میں آتے ہیں ساغر

پلادے ساغرِ گل میں مجھے بھول
کہ جائے خارش خارِ محسن بھول

خطِ ساغر سے ہوں مضمون پُرنور
ضیا سے ہر ورق ہو صفحۂ نور

شعاع مہر ہو ہر سطر روشن
دکھائے ہر ورق گلشن کا جوبن

طبیعت دخترِ رز سے پھنسی ہے
وصال اب اُس کا وجہ زندگی ہے

درِ میخانہ کیوں مدت سے بند
کھلے اب ساقیا تا دل ہو خرسند

گریباں گیر عشق دخترِ رز ہے
بھلا دامن کشی عاشق سے تا کے

نظر ہے محتسب کی آستیں پر
نہ ہو کس طرح دل جامے سے باہر

درِ میخانہ سے پردہ اٹھا دے
بغل میں دخترِ رز جلد ہی سُلا دے

بڑی بیگم صاف ستھری مگر سادی پوشاک زیب بدن کئے ہوئے مصروف اہتمام تھیں اور بات بات پر کہتی تھیں کہ اللہ آج تو بہت تھکی اب میرا یہ سن تھوڑا ہی ہے کہ اس قدر چکر لگاؤں۔ باغ سے کوٹھی پر اور کوٹھی سے باغ میں۔ کبھی بارہ دری میں۔ کبھی شہ نشیں میں مگر اللہ اس دوڑ دھوپ کا انجام بخیر کرے۔ اُستانی جی ساتھ ساتھ ہاں میں ہاں ملاتیں اور آمین کہتی جاتی تھیں۔

بڑی بیگم۔ اُستانی جی اللہ گواہ ہے آج بہت شل ہو گئی۔

اُستانی۔ پھر ہوا ہی چاہو، اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر

مغلانی ۔ جناب فاطمہ کی قسم یہ فقط حضور کی خوش اقبالی ہے ورنہ دوسرا ہو تو بیٹھ جائے۔
محلدار ۔ اے توبہ ہمس کے پانی تو پیے نہیں ۔
مغلانی ۔ اور بوا بے اپنے دیکھے بھالے کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ سو کا ہے سے۔ وجہ یہ کہ ہم لوگ تو اپنے عقل اور بساط کے موافق کیا چاہیں ۔
محلدار ۔ اب صبح سے شام اور شام سے صبح تک پھرنا ہنسی ٹھٹھا تھوڑا ہی ہے ۔
سپہر آرا ۔ ایسا نہ ہو خدانخواستہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہو جائے گی۔ آپ کیوں اسقدر تکلیف کرتی ہیں ۔
محلدار ۔ اے ہاں حضور ہم لوگ کس کے لیے ہیں ۔
بڑی بیگم ۔ اب ان دو تین دن تو نہ بولو پھر دیکھا جائے گا۔ اس کے بعد پھر کرنا ہی کیا ہے۔
اُستانی ۔ یہ کیوں سلامتی سے پوتوں پوتیوں نواسوں نواسیوں کی تقریبیں کیجیے گا۔ یہ کیسی باتیں کرتی ہو بی ۔
بڑی بیگم ۔ اب زندگی کا کون ٹھکانا ہے ۔
اُستانی ۔ مگر دنیا باامید قائم ۔ کون مشکل بات ہے ۔
بڑی بیگم ۔ اب تو دعا یہ ہے کہ اس تقریب سعید کے بعد آخرت کے لیے توشہ جمع کروں، جو جو فرض ہے ادا ہو جائے ۔ خیر یہ باتیں تو ہوا ہی کریں گی۔ ذرا میاں الماس کو تو باہر سے بلاؤ۔ میاں الماس علی خاں آئے۔ بیگم صاحب نے کہا اب برات وہاں سے روانہ ہونے والی ہے۔ کل سامان لیس رہے۔ خرچ کا کچھ خیال نہ کرنا۔ یہ روپیہ بچا رکھنے کے واسطے نہیں ہے ۔ خوب دل کھول کے صرف کرو۔ مگر ذرا کسی نے حرف رکھا اور میں نے تم سے مواخذہ کیا۔ خبردار جو ذرا بھی کسی بات میں ہیٹی ہو۔ میاں الماس نے عرض کیا۔ اے حضور کیا مجال، جتنے منتظم ہیں سب شاہی کے وقت کے کوئی مقرب نصیر الدین حیدر مبرور ہے۔ کوئی معتمد امجد علی شاہ مغفور غازی محی الدین حیدر اور نصیر الدین حیدر اور کل شاہوں اور وزیروں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ شہزادوں کی شادیوں کے انتظام کئے ہیں۔ ہیٹی کے کیا معنی سارا زمانہ کہتا ہے کہ یہ شادی بھی یادگار رہے گی حق تعالیٰ دولہا دلھن کی عمر میں برکت دے۔
سالہا سال کے بعد یہ انتظام ہوا ہے اور ادھر بھی بڑی دھوم سے ثروت کا انتظام ہے۔ نواب مرزا جان محمد کا انتظام ہے۔ پھر بھلا کون اس پر معترض ہو سکتا ہے۔ سُنا ہے دور دور سے طایفے بلوائے گئے ہیں اور کئی دن سے برابر ہر وقت جلسہ رہتا ہے حکم دیجیے

تو جاؤں اور کل امور کی پھر نگرانی کر لوں۔

آداب عرض کر کے میاں الماس باہر آتے اور بارہ دری کو از سر نو سجایا اور جو شے بے قرینہ تھی اس کو قرینے سے لگایا اور ایک رونا دوڑایا کہ دیکھو وہاں برات سجی جاتی ہے یا نہیں۔ اس نے آن کے بیان کیا خداوند مارے بھیڑ کے پھاٹک پر گذر محال ہے۔ آدمی پر آدمی لوٹ پڑا ہے اس قدر دھکم دھکا ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ کتی تماشہ بین کچل گئے ہاتھی اور گھوڑے اور سانڈنیاں اور پالکی اور ہوادار اور زنانہ دار اور سکھپال اور بہلی کلسے اور بوچے اور فنس اور رتھ اور بگھیاں اور خاص بردار اور چوبدار اور عصا بردار اور نقیب اور علم بردار اور برقنداز اور سپاہی اور گوروں کا رسالہ اور باجے والوں کے غول اور شہنائی نواز ہیں کہ عقل کام نہیں کرتی۔ سنا برات چکر کھا کے آئیگی اور ابھی بڑی دیر ہے لاکھوں آدمی برات دیکھنے کے مشتاق ہیں۔

خیر اب نوشے کے ہاں کا حال سنیے کہ برات کے روز وقت فرح بخش میں دولہا کو بیگم صاحب نے محل سرا میں بلوایا۔ ماں بہنوں نے خوشی خوشی نہلایا۔ ہری ہری دوب شاداب و خوب منگوائی ایک سہن چاول اور دودھ لائی حسب رواج روپ درشن کی رسم ادا ہوئی ہے عیش و عشرت دوبالا ہوئی ہے۔ سلیپوں کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ڈالا گیا اور ماں نے کہا بیٹا سسکی نہ لینا۔ کپڑے سے بدن پوچھا اور زنانے میں پردہ ہوا، اعزہ و اقربا شادان و فرحاں آئے۔ خلعت بیش بہا لائے بہنوئی نے سہرا باندھا۔ بمزوں نے خلعت پہنایا۔ بڑی بوڑھیوں نے بلائیں لیں اور تہہ دل سے دعائیں دیں۔ دولہا باہر مردانے میں آیا محفل رقص و سرود نے خوب رنگ جمایا۔

زہرہ در رقص بصد ناز و طرب زیں شادی
چرخ خم گشتہ بہ تسلیم مبارکباد دی

محل سرا میں تمام شب ناچ ہوا کیا۔ خواتین عالی مرتبت نے میراثیوں کو بھرپور انعام دیا۔ سمدھنوں کی چوٹیاں گندھیں ہر ہفت آرائش سے مزین ہوئیں۔ بیش بہا فوق البھڑک جوڑے زیب بدن کیے زیور پہنا۔ مشاطگان کامل فن نے جوبن کو دوبالا کیا اور نکھر نکھر کر کے آراستہ ہوئیں۔

اب برات کے جلوس میمنت مانوس کا حال سنیے کہ آدھی رات سے شہزادگان گردوں مدار اور نوابان جم اقتدار اور امرا۔ دربان اور مہاجنانِ والا شان کے ہاں سے جلوس آنے لگا اور دو بجے تک اس قدر کثرت ہوئی کہ دو رویہ بازار میں دور تک تل رکھنے کی جگہ نہ رہی شانے سے شانہ چھلتا

تھا۔ ہوانک کو وقت سے راستہ ملتا تھا۔ کہیں فیلان فلک شکوہ رشک کوہ۔ مکنا اور ایک دنتا اور کنجل۔ دل بادل۔ گنگا جمنی اور ریعہ پہلے سنہری ہودج زرنگار۔ فیلبانان تجربہ کار سلیقہ شعار۔ کہیں مہاجنوں کے پری جھم گھوڑے۔ افراس ہنر بر سکار ادھر تا مدان اور ہوادار۔ ادھر باجوں والوں کے غول، اور خاص بردار۔

کتنے بلوچے تھے ساتھ نادرکار
کچھ ہوادار بھی صبا رفتار

وہ مغرق تمام پالکیاں
رشک برج قمر وہ پالکیاں

انگریزی باجے وہ بجتے ہوئے
فیلی نقارے بھی گرجتے ہوئے

دلربا یہ صدائے نوبت تھی
دل عالم کو جس سے فرحت تھی۔

کتنے شہنا نواز حور نژاد
سب بجاتے ہوئے مبارکباد

اتنے میں خاص بھی جلوس آیا
کچھ عجب لطف اس نے دکھلایا

جیسے باغ جہاں میں آتی بہار
کھل گیا ایک تختۂ گلزار

وہ پری زاد برچھیوں والے
جن کے قربان چلے جگر بھالے

برق انداز باندازتمام
بھالے والے پری رخ و گلفام!

خاص بردار سب پری پیکر
خاصیاں نور کی وہ کاندھوں پر

سینگیں دے ساز سب مرصع کار
برق چقماق قہر توڑے دار

آگے آگے نقیب کی للکار
باادب با ملاحظہ ہشیار

ہو فزوں عمر و دولت و اقبال
دوست خوش ہوں حسود رہیں پامال

بعد ازیں بانکیوں کے غول کے غول
تیز رو اور سبک خرام منجھول!

قد و قامت میں ایک ایک گنجل
پشتہ تھا جن کے آگے دل بادل

چال مانند کوہ گردوں تھی
مسک ایک ایک کی شفق گوں تھی

کارچوبی وہ مخملی جھولیں
رستے وہ جن میں برسوں دل جھولے

وہ طلائی مکٹ مرصع کار
چاند و سورج کی مستکوں پہ بہار

چوڑے دانتوں پہ یوں تھی جلوہ فگن
جیسے گوری کلائی میں کنگن!

فیل بانوں کی تھی غضب کی نکھار
بر میں ایک ایک کے قبا زرتار

سر پہ چیرے بندھے ہوتے گلنار
طرے اور گوشوارے نادرکار

وہ جواہر نگار کجبا کہیں
حسن میں یادگار کجبا کہیں

تاروں کی چھاؤں میں آزاد کی برات بڑے کروفر کے ساتھ روانہ اور عازم محل عشرت منزل جانانہ ہوئی۔ جب چوک میں اس عظمت شاہانہ اور سطوت خسروانہ سے برات آئی تو تماشائیوں نے جو بصد شوق منتظر کھڑے تھے گویا منہ مانگی مراد پائی۔

یوں سواری جو چوک میں آئی
محو حیرت ہوئے تماشائی

سب کے آگے نشان کا عرش شکوہ ہاتھی جھومتا ہوا جاتا تھا۔ نشان عظمت تو امان عجب شان دکھاتا تھا۔ ہاتھی کے سامنے قدم قدم پر آتشبازی کے انار چھوٹتے جاتے تھے۔ جو ضیا ریں مہر عالم افروز کو شرماتے تھے۔ بو منزلوں دور تھی گندھک مثل کبریت احمر کافور تھی۔ ادھر ادھر کمروں پر بارہ بارہ چودہ چودہ برس کے رنیے نکھر نکھر کے محو دید حیرت تھی کہ کہ الٰہی برات ہے یا روز عید۔ ایک ایک سے ہمکلام ہو کر کہتی تھی باجی اٹھو نشان کا ہاتھی آتا ہے۔ اے بوا دیکھو ہزارہ چھوٹتا جاتا ہے۔ مہتاب کی روشنی سے ماہ تاباں کا رنگ فق تھا۔ چرخی کی آن بان سے چرخ زنگاری کا کلیجہ شق تھا۔ تماش بین اور جوانان رنگین چوک کے کمروں کو تکتے تھے۔ ادھر عباسی عباسی رنگ کا ڈوپٹہ اوڑھے انداز دلبرانہ سے کھڑی برات کا جلوس دیکھتی تھیں۔ اُدھر ہزاروں عاشقان زار دکان سے اُن کے جوبن کے مزے لوٹتے تھے۔ کوئی کمرہ ایسا نہ تھا جس پر دو چار حوران طرح دار سولہ سنگار کر کے برات دیکھنے نہ آئی ہوں۔

رنڈیاں جا بجا جو تھیں استاد
مل کے گانے لگیں مبارکباد

کمرے پٹے پڑتے تھے۔ تماشائی جگہ کے لیے باہم لڑتے تھے۔ شوقین آدمیوں نے آدھا چوک کرائے پر لے لیا تھا اور صرف ایک لمحہ کے لیے زر کثیر دیا تھا۔ مہاجنوں کے طاؤس دُم اور آہو سم گھوڑے زیور سے لدے ہوئے چھم چھم کرتے جھوم جھوم کے شوخی کے ساتھ قدم دھرتے جاتے تھے۔ اِدھر اُدھر وہ سپاہی حفاظت کرتے آتے تھے۔ جس وقت گوروں کا باجا چوک میں پہنچا اور انھوں نے ہنیڈ بجائی لوگ سمجھے کہ آسمان سے فرشتے باجا بجاتے اتر آئے۔ وہ مست کرنے والی آواز وہ صدائے دلکش، خوش آیند و دلنواز، کبھی تلنگوں کی کمپنیاں رپ رپ کرتی آئیں۔ کبھی جھنڈی برادروں نے طرح طرح کی رنگ برنگ جھنڈیاں دکھائیں۔ شہنائی نواز نے اس خوبی

د خوش اسلوبی سے شہنائی بجائی کہ میاں غوثی تک کی روح وجد میں آئی۔

اتنے میں دگلے والی پلٹن کے کیدان میاں خواجہ بدیع الزماں صاحب من بدیعا بدیع بالقابہ نے انتظام شروع کیا۔

خو جی۔ او شہنائی والو منھ نہ پھیلاؤ بہت۔

لوگ۔ آیئے آیئے بس آپ ہی کی کسر تھی۔

خو جی۔ او داہین طرف کا شہنائی والا بازو۔

لوگ۔ کوئی آپ کی سنتا ہی نہیں خواجہ صاحب بہادر۔

خو۔ ہم ان کا بازو توڑے گا۔ میاں بہت منھ نہ پھیلاؤ یہ عیب ہے۔ غوثی کو ہم نے اس کے رسالے تباد یئے مگر یہ نوسیکھے لوگ ان نکات کو کیا جانیں۔

لوگ۔ خواجہ صاحب کچھ فرمائش تو کیجئے ان سے۔

خو۔ اچھا۔ واللہ وہ سماں باندھو کہ باید وشاید۔ کرجوا ہیں درد اٹھی۔ سکاسے کہوں ننذی موری رام۔ کرجوا ہیں درد اٹھی۔ سوتی تھی ہیں اپنے منڈل ہیں رے۔ اچانک چونک پڑی۔ مورے رام کرجوا ہیں درد اٹھی۔ کیوں کیا چیز ہے۔ خاص بھیرویں اور سنیئے۔

جو بنوا ہو چادر نادینو سانتھ۔ جوبن رت جات سبھیں مکھ۔ مورت رے۔ گدرکوؤ نہ پوچھے بات جو بنوا ہو چادر نادینو ساتھ۔

خدا بخشے صنم یہ کہہ کے اُن کو یاد کرتے ہیں
یہ مشتِ خاک تیری راہ میں برباد کرتے ہیں

لوگ۔ سبحان اللہ شعر کو اچھی اصلاح دی واللہ۔

خو۔ من بدیعا بدیع خالی خولی شاعر نے۔ نثر ہم میگوید دور قوالی گوے سبقت از باربد نا ہید بردہ شدام کہ گفتہ اند علم در سینہ کہ در سفینہ۔

لوگ۔ مگر شہنائی والے اب تک آپ کا حکم نہیں مانتے۔

خو۔ نابابا۔ حکم تو مانیں اور نہ مانیں تو میں نکال دوں۔ مگر بات اس میں یہ ہے کہ مجبور ہیں۔ ایک شے سے آگاہ ہی نہیں۔ اور واللہ نوشاہ۔ اور ہم آج بدرجہ اتم خوش و خرم اور مسرور واکرم ہیں۔

راوی۔ اے سبحان اللہ قافیہ پیمائی آپ پر ختم ہے۔

خو۔ ذرا مجھ آنے میں دیر ہوئی اور سب ابتر۔

لوگ۔ اور خواجہ صاحب آپ گدھے پر سوار نہ ہوئے۔

خو۔ من بدیع بدیعا اس قابل بھی نہیں ہے۔

افیمی۔ واہ رے انکسار حضور کیا عاجزی ہے۔

خو۔ میں بدیع بدیعا اپنے کو قابل تعریف بھی نہیں سمجھتا کیونکہ ذرہ بیقرار ہوں۔

اتنے میں ایک شخص نے از راہ مذاق خواجہ صاحب کے قریب جا کر ذرا شانے کا اشارہ کیا تو خوجی کسی قدر لڑکھڑائے اور ان کے چیلے افیمی بھائیوں نے اس پر قہر کی نظر ڈالی۔

ایک۔ (اینڈ کر) میاں کیا آنکھوں کے اندھے ہو۔

دوسرا۔ (بگڑ کر) اینٹ کی عینک لگاؤ میاں۔

تیسرا۔ اور جو وہ بھی دھکا دیتے تو کیسی ہوتی۔

چوتھا۔ ہوتی کیسی۔ منھ کے بھل میاں گرے ہوتے۔

پانچواں۔ (بگڑ کر) گرے ہوتے! ہو نھ! یہ نہیں کہتے کہ انجر پنجر سب الگ ہو جاتے۔ ہونھ

خو۔ ارے بھئی اب اس سے کیا واسطہ ہے۔ ہم کسی سے لڑتے جھگڑتے تھوڑا ہی ہیں۔ مگر ہاں طیش میں آ کر، اگر کوئی قیدی ہم سے بولے تو جہاں کا ہے وہیں پہنچا دیں۔ اتنی قرولیاں بھونکی ہوں کہ یاد کرے اور بدن سے خون کے شرّاٹے بہیں، یا اگر شیر بچہ پاس ہو تو رہے اور خون نہ دے، اجی غرور کے ساتھ۔

منم رستم داستان بے گمان

منم خواجۂ خواجگانِ جہاں

اور جو لوگ منکسر مزاج ہیں اُن کے ساتھ۔

منم بندہ خواجہ بدیع الزماں

حقیر زماں احقر احقراں

لوگ۔ ایک ذرا سے اشارے ہی تو آپ نے لڑکھنی کھائی، اور زعم یہ کہ رستم داستان ہیں اور خون نہ نکلنے رہے اور چنیں اور چناں، سب زبانی داخلہ۔!

ایک طرار عورت نے چوک کے ایک کمرے سے آوازہ کیا دمیاں خوجی کہاں ہیں، اے یہ موا بونا ان ننھے ننھے ہاتھ پاؤں پر اس قدر اتراتا ہے خدا کی شان۔ مرد تو مرد، میں عورت ہوں مگر یہ دعویٰ ہے کہ اگر ذرا پھونک ماروں تو سنز لڑھکیاں کھائے خواجہ صاحب نے

کمرے پر نظر کر کے کہا میں تم کو بچہ سمجھتا ہوں۔ واللہ اس پر سامعین نے قہقہہ لگایا اور اس شوخ طرار نے ان کو انگلیوں پر نچایا۔

اخاہ! میرے ابا جان قبر سے اٹھ آئے برسوں کے بعد آج صورت دکھائی ہے۔ میں تمھاری لڑکی روز ترستی تھی کہ یا خدا مجھے ابا کی صورت دکھا بارے شکر ہے کہ برسوں کے بعد آج ابا جان کو آنکھوں دیکھا۔ اماں کہا کرتی تھیں کہ تمھارے ابا کے ذرا ذرا سے ہاتھ پاؤں تھے مگر خدا کی شان جب کسی کی طرف نگاہ قہر آلود ڈالی تھرا اٹھا جس کو تان کے تھپڑ لگایا بیٹھ گیا۔ اور اسی طرح کی تیکھی چتون ان کی بھی تھی۔ خواجہ صاحب نے یہ تو سنتے ہی فوراً کمرے پر چڑھ گئے۔ اس سے کہا بیٹا۔ تمھاری ماں کی روح کی قسم مجھے خیال بھی نہ تھا۔ اب آج سے تم ہماری بیٹی اور ہم تمھارے باپ۔ یہ کہہ کر خواجہ بدیع الزماں حماقت نشان کمرے سے اترے اور آپ جانیے عقل مجسم تو تھے ہی سوچے کہ اب اگر آزاد کبھی آ گئے تو ہم بھی اکڑ کے کہیں گے کہ اس قدر حسین حسین عورتیں یا نو بیں ہم پر عاشق تھیں کہ ہر گلی کوچے میں ایک ایک اس شخص کی لڑکی موجود ہے اور اس خوبرو نوعمر کو دکھا کر کہوں گا! دیکھیے گا جس کی لڑکی اس درجہ خوبصورت ہو وہ خود کیسی گل بدن نہ ہوگی)، راہ میں حضرت دو ایک مقام پر روئے بھی کہ ان کی بیوی یعنی اس بیسوا کی ماں نے انتقال کیا اور خوجی کو رنج مفارقت دے گئیں۔ جس جس نے یہ حال سنا مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گیا کہ عقل مند ہو تو ایسا اور فہمیدہ ہو تو اتنا کہ ایک مال زادی کے ابا جان بن بیٹھے۔ مجھ چھپا کے نانا ایسے ہی لوگ کہلاتے ہیں۔

نوشاہ فریدوں کر خاقان کلاہ ذی مرتبت و ثریا جاہ حسن میں غیرت مہر وماہ گلگوں قبا باد رفتار ضرغام شکار پر بصد طنطنہ خسروی و دبدبہ شاہی سوار ان پڑی جمائے کمال شہسواری دکھاتا جاتا تھا اور شبدیز سبک خیز ایک ایک گام پر نوجوان کے مزاج کی طرح بل کھاتا تھا اور آگے آگے نقیب باادب پکارتا آتا تھا۔ باملاحظہ باادب دور باش سامعین خوش حاضرین بشاشت کہ آزاد پاشا کی برات ہے۔ اجادو کا کارخانہ سراسر طلسمات ہے اللہ رے لطافت اف رے جوبن۔ برات ہے یا دلھن پیچھے پیچھے پانچ چھ سو پیر بنجارا کا درباری تھدا جھولیاں لیے ہوئے ساتھ نچھاور کرنے والوں کی طرف ہجولیوں پر ہاتھ چھجے پر سے کمھار نے کھلونوں کی ڈالی دکھائی اور ساز سرخ وسفید سے چھت بھر پور پائی۔ بانکی ترچھی سبز رنگ کپڑوں نے شفق مکان پر دکانیں لگائیں اور اشرفیوں کی اس قدر بوچھار ہوئی کہ ایک ایک نے دس دس اشرفیاں پائیں۔ بیوہ ضعیفہ خاتون نے

نے دعائیں دیں۔ دُلھن کا سہاگ برقرار۔ دولھا سلامت حق تعالیٰ کرے جین جاگیں بٹیا ہوا انھوں نے بھی جیب و دامن بھرے طوائفوں نے پشتواز یں پہن کر کمروں ہی پر سے مبارکبادی گائی۔ اور پھیر وہیں کی دُھن ہیں۔ ع۔

ہمیشہ دلبر سنجان مبارک باشد

کی ہر کمرے سے آواز آئی طوائفوں کے کمروں پر زرِ سرخ و سفید کی اس درجہ بوچھار ہوئی کہ بحرو کان ایک ایک کمرے پر نثار ہوئی

خو۔ جی۔ اس کمرے پر بھی ایک ہاتھ اِدھر اُدھر۔

لوگ۔ کیا کوئی اور آپ کی پیدا ہوئیں۔

خو۔ اجی خدا جانے کس کس کو فیض بخشا ہے۔

لوگ۔ خواجہ صاحب تم تو اشرفیاں لوٹو۔

خو۔ ہماری ہی دولت ہم ہی لٹائیں اور ہم ہی لوٹیں۔ واہ کیا انصاف ہے۔ ارے یہ سب ہماری ہی تو ساختہ و پرداختہ ہے آزاد ہمارے برات ہماری دولت ہماری ثروت ہماری اور ہم ہی لوٹیں۔

الغرض ناروں کی چھاؤں میں برات اس دھوم سے دُلھن کے خانۂ سعادت کاشانہ کے قریب پہنچی۔ عجب سہانا سماں تھا ہر در و دیوار نور فشاں تھا۔ ے

شگفتہ گل من سب جامے سے باہر
بچھا ہے فرش سبزے کا زمیں پر

چمن میں بلبلوں کے غول سے ہیں
مثال جام مستی میں بھرے ہیں

عروسانِ چمن کا ہے عجب حال
ہر اک جا پر بچھا پھولوں کا ہے جال

صبوحی دے کہ ہوں مخمور ساقی
طبیعت کس سے ہے چور ساقی

نہ کیوں ساقی سے ہوں دست و گریباں
کہ وہ دامنگیر ہے فصل گلستاں

پلا دے اب آتش رنگ کا جام
قلم منقار قفس کا کرے کام

گریباں گیر عشق دختِ رز ہے
بھلا دامن کشی عاشق سے تا کے

پڑی ہو جو شرابوں میں مے ناب
پلا دے ساقیا اب دل ہے بیتاب

پلا ساقی مے الفت جو ہو لال
لکھوں اک عاشق و معشوق کا حال

صراحی کی طرح گردن اٹھائے
قلم سے اب صدائے قلقل آئے

بنے ہر شعر موج بادۂ ناب خطِ ساغر بنے ہر سطر خوش آب
بلا ساقی مجھے مے پڑھ کے افسوں نشیلے ہوں خط ساغر کے مضموں
دکھائے دخت رز اپنا یہ اعجاز صریر کلک ہو بلبل کی آواز
پری مضمون ہو اڑنے میں چالاک
جیسے کاگ بوتل کا ہو صد چاک

ادھر دُلھن کے ہاں اطلاع آئی کہ برات قریب آگئی۔

مغلانی۔ حضور دیکھیے گا کس ٹھٹے کی برات ہے۔

مہری۔ وہ برات تو ہمیں اچھی طرح یاد نہیں۔

مغلانی۔ بس یا ولیعہد کی برات تھی یا یہ دیکھنے میں آئی

مہری۔ اے ہے کیا ننھی بنی جاتی ہیں۔ اے ہے۔

ددا۔ اے ہاں ابھی تو کوئی بارہ ہی برس کی ہیں۔

مہری۔ بلکن اس سے بھی اور کم ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش اللہ جھوٹ نہ بلائے ملکہ کو گودیوں میں کھلایا ہوگا مگر ولیعہد کی برات نہیں یاد ہے۔

مغلانی۔ اب زبردستی سے قبولوایا چاہتی ہو۔ اللہ جانتا ہے ہم کو نہیں یاد ہے اس میں جھوٹ بولنے سے ہم کو کیا مل جاتا۔

جب آزاد فرخ نہاد کی برات عروس بہ ہزار غیرت خوبان نوشاد کے ایوان عرش نشان عظمت توامان کے عالیشان پھاٹک پر پہنچی اس زور کے باجے بجے کہ گوش فلک کر ہو گئے اور انگریزی باجے نے وہ سماں باندھا کہ برنا۔ دپیر سب وجد کرتے تھے۔ گوروں نے اپنا کمال دکھایا اور بھر پور انعام پایا۔ دولھا کو دروازے کے قریب لائے اور دلھن کا حمام کیا ہوا پانی زیں طوطی پر کے سموں کے تلے ڈالا۔ بعد ازاں روغن زرد اور شکر ملا کے گھوڑے کے پاؤں میں لگایا اور نوشاہ ثریا جاہ خاقان کلاہ بصد آن بان محلسرا میں آیا۔ دولھا کی دو بہنیں حور وش برق کردار رشک پری چہرہ خان فرخار بصد انداز معشوقانہ دولھا پر دوپٹے کے آنچل ڈالے ہوئے دولھا کو اندر لائیں۔

دلھن کی طرف سے عورتیں ایک بیڑا ہر قدم پر ڈالتی جاتی تھیں اور یہ کلام زبان پر لاتی تھیں۔ دگلاب پانی گلاب پانی، اس وقت بیگمات عصمت سماعت اور مخدرات کا ہجوم اور

محل کی چہلیں اور دھوم خوشی کی شادیانے طرب و انبساط ہر طرف افراح و نشاط ہی کی گرم بازاری تھی کوئی تماہم چہل اور دل لگی کرتی تھی کوئی محو دیدار تھی۔ گو کل شہزادیاں والا دودمان اور خاتون عالی خاندان اور مخدرات عفت سمات خصوصاً نوجوان اور شوخ مزاج بانو یان قمر طلعت مہر لقا و کم عمر بہار طبع خواتین جادو جمال مہر سیما اس نیر سپہر سروری اور مہر مشتر فشاں برتر ہی ندروا دوج رعنائی طوطی نو بہار برنائی یعنی نوشاہ ذی جاہ فلک بارگاہ کو بصد شوق چھپ چھپ کے پردے سے دیکھتی ہیں۔ مگر ایک کو سب سے زیادہ اشتیاق دید تھا اور اس کے لیے یہ دن بہتر از روز عید تھا۔ یہ پری بصد نشان دلبری بڑے شوق اور غایت ذوق سے اُن جوان رعنا کے حسن عالم افروز پر نظر ڈالتی تھی۔ یہ بلبل شاخسار جمال زہرہ تمثال ہمجولی سے یوں زمزمہ سنج بیان ہوئی۔

بیگم۔ بہن اس وقت خوشی اور رنج توام ہیں۔

ہمجولی۔ اے اوئی۔ رنج کا نام نہ لو بہن! واہ

بیگم۔ سچ کہتے ہیں بہن، اس وقت غم و شادی توام ہیں۔

ہمجولی۔ اب وہی باتیں کروگی کہ بڑی بیگم نکلوا دیں۔

بیگم۔ وہ کیا نکلوا دیں گی میں خود چلی جاتی ہوں+

ہمجولی۔ اے آخرش کچھ تو بیٹھے بٹھائے یہ کیا سوجھی ہے۔

بیگم۔ بہن تم ہمارے درد دل کا حال کیا جانو۔

ہمجولی۔ اوئی!۔ آخر درد دل کا سبب کیا ہے؟

بیگم۔ (آبدیدہ ہو کر) ہمارا قلب اس وقت الٹا جاتا ہے۔

ہمجولی۔ (علیحدہ لیجاکر) بہن ہم جانتے ہیں تم سے اور آزاد سے ملاقات تھی۔ کبھی راہ و رسم ضرور تھی۔ ہم ایک نہ مانیں گے۔

بیگم۔ میں کچھ کہہ نہیں سکتی میرے دل کا کیا حال ہے۔ بس ناگفتہ بہ۔ اب یہاں سے کیا بہانہ کر کے جاؤں۔

ادھر تو یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں ادھر نیا گل کھلا یعنی لینے دو چار کم سن جواز بس چمن طبع رنگین مزاج بلکہ کھلاڑ عورتیں تھیں دولھا کو جو دیکھا تو دیکھتے ہی ہزار جان سے بلبل شیدا کی طرح اُس گل رخسار حسن پر عاشق و فریفتہ ہو گئیں اور یہ خیال کر کے کہ اب تو آزاد کا نکاح حسن آرا کے

کے ساتھ ہو گیا اور موقع نہ رہا از بس بیقرار ہوئیں۔

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی
کوئی بلبلاتی سی پھرنے لگی کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی
کوئی سر پہ رکھ ہاتھ دلگیر ہو گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال طمانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال
کوئی رکھ کے زیر زنخداں چھڑی
رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی

مگر یہ سب محل سرائے فراخ کے گوشوں میں جا جا کے خفیہ چھپ کر روئی تھیں تاکہ بڑی بیگم برا نہ مانیں کہ آج عین خوشی کے دن انھوں نے گریہ وزاری شروع کی۔ پھر رسوائی اور جگت ہنسائی کا بھی خیال تھا کہ کوئی سن پائے گا تو بناتے گا کہ واہ بیوی واہ۔ کیا جلدی سے پرائے مردوے پہ پھسل پڑیں۔ بہو بیٹیوں کا یہی شعار ہے۔ پاس پڑوس کی عورتیں طعنہ دیں گی کہ اوئی! اس بیسوا پن پر شیطان کی پھٹکار۔ ذرا پاس ناموس نہیں۔ سچ ہے۔ اگر عورت کے منھ پر ناک نہ ہو تو خدا جانے وہ کیا کر گذرے نوج کوئی بہو بیٹی ایسی ہو۔

ناظرین غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ جن بیگم صاحب نے اپنی ہمجولی سے اظہار تعشق آزاد کیا تھا وہ ثریا بیگم ہیں۔

الغرض جب آزاد اندر آئے تو منڈھے کے تلے اس چوکی پر کھڑے کیے گئے جس پر دلھن نہائی تھی۔ دلھن کے پاجامے کا کلاوہ ڈومنیا لیکر دوڑیں اور دولھا کے گلے میں کلاوہ ڈال کر دونوں سرے لیے اور یہ گانا شروع کیا۔

ہریالا ڈورے ڈامیاں چھوڑ آئے کوئی آئے۔
ہزار ڈورے ڈامیاں چھوڑ آئے کوئی آئے۔ چھوڑ آئے
تیری میّا چھوڑ آئے تیری بھینا جسے چاہ گھیرتی رہے۔
اور ڈورے ڈامیا چھوڑ آئے کوئی آئے

میراثنیں جب ڈام چکیں تو ان کو زر کثیر انعام دیا۔ ایک ایک ڈومنی نے گوہر مقصود سے جیب و دامن بھر لیا۔ گو انعام پر انعام اور اشرفیوں پر اشرفیاں دی جاتی تھیں مگر میراثنیں کب مانتی تھیں یک بولی اے حضور آج ہی کا دن تو جھگڑنے کا ہے۔ دوسری نے کہا جب بے لڑے جھگڑے

نہ ملے نہ۔ تیسری نے جواب دیا اس سے کہیں ہم لوگوں کا پیٹ بھرنا ہے۔ اے آج تو ہم اس قدر زر سرخ لیں گے کہ سات نہیں بلکہ ساٹھ پیڑھی تک لکھ پتی کروڑ پتی بنے رہیں گے۔

اس کے بعد پھر انہوں نے دلھن کے اُبٹن کا جو مانجھے کے دن سے رکھا ہوا تھا ایک بھیڑ اور ایک شیر بنایا اور چاندی کے چراغ روشن کر کے ڈومنی دولہا کے پاس لے گئی اور کہا کہیے یہ شیر۔ میں بھیڑ۔ دولہا بھیڑ دلھن شیر۔ پہلے تو میاں آزاد خوب ہنسے اور کہا واہ ہم تو نہ کہتے مگر وہ کب مانتی تھیں اُس وقت کی چہل قابل دید تھی۔

آزاد۔ اچھا صاحب ہم شیر وہ بھیڑ۔ بس؟

ڈومنی۔ اے واہ یہ تو اچھے دولہا آتے ہیں۔ آپ بھیڑ وہ شیر۔

آزاد۔ اچھا صاحب یوں سہی آپ بھیڑ وہ شیر۔ اس پر بڑا فرمائشی قہقہہ پڑا اور عرصے تک سب ہنسا کیے۔

ڈومنی۔ اے حضور کہیے یہ شیر میں بھیڑ۔ یوں کہیے۔

دوسری۔ آہستہ سے، یہ تو اچھے دولھا ہیں کیا مزے مزے کی باتیں کر رہے ہیں۔ اے واہ۔

نازک ادا۔ دولھا بڑے فقرے باز معلوم ہوتے ہیں۔

جانی بیگم۔ اور جب جوتی چرائی جائے گی تب کیا کریں گے۔

نازک۔ جب بھی یہی نخرے بازیاں کریں گے

جانی۔ چل چکیں۔ نخرے بازیاں کریں گے۔

نازک۔ اور جب غلام بنائے جائیں گے تب کیا کہیں گے۔

جانی۔ اے یہ کہیں اور ان کے پیر کہیں۔ کسی کی صاحبزادی بیاہ کے لیجانا کیا دل لگی ہے؟

مبارک۔ معلوم ہو گیا۔ یہ یہاں سے راضی ہو کے جائیں گے۔

نازک۔ ہاں میرے دل کی بات کہی بھیڑ بننے ہی یہ نخرے۔

الغرض بہزار وقت آزاد نے کہا، میں بھیڑ۔ یہ شیر۔

جانی۔ دولھا کی طرف والیوں سے دلھن کے ابا جان ہیں۔

دوسری۔ یہ تمہاری طرف والیوں کے میاں ہیں۔ پہچان لو۔

ہمجولیاں باہم چہلیں کرتی تھیں خوشی اور شادمانی کا دم بھرتی تھیں۔ قہقہے پر قہقہے پڑتے تھے کھلی جاتی تھیں۔

وہ آپس کی خوش دل لگی وہ ٹھٹھول   سہیلے سلونے وہ میٹھے سے بول
بجانا عجب ناز سے تالیاں   سُہانی وہ دینا عجب گالیاں
وہ آپس میں کہنا کہ یاں پر تو آؤ
خوشی کی مری جان رسمیں مناؤ

اس کے بعد نوشاہ فلک بارگاہ اُس مقام عشرت انجام میں گئے۔ جہاں عروس پری رو نسترن بدن بڑے ٹھسے اور جوبن سے سوہا سنگار کرکے متمکن تھی۔ آزاد والا نثراد نے کنکھیوں سے ادھر اُدھر دیکھا تو نور کا عالم نظر آیا۔ ؎

لگا واں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر
درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر

جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں   عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں
عجب صورتیں اور طرفہ محل   چلا دیکھتے ہی دل اُس کا نکل
نظر آئی واں چاندنی کی بہار   کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
مغرق زمیں پر تمامی کا فرش   جھلک جس کی لے فرش سے تا بعرش
سنہرے رُپہلے ہوں جیسے ورق
زمیں کا طبق آسماں کا طبق

الغرض جب بیچ کے در سے دُولہا دُلھن کے کمرے میں جو خود دُلھن کی طرح سجا سجایا تھا بلائے گئے اور پردے کے پاس وہاں بٹھائے گئے تو دُلھن کے داہنے ہاتھ میں تل شکری رکھی گئی اور دولھا کو چٹائی۔ اُس دستِ بوسہ فریب سے جو دولھا نے شکرا ور تل کھایا تو آبِ حیات کا مزہ پایا۔ شکر چاشنی بخشِ کام جان۔ رشک آب حیوان۔ تل خالِ رخسار خوبانِ پستہ وہاں۔ اسی تل شکری کی آرزو میں آزاد کی روح برسوں سے ترس رہی تھی۔ اور اسی کے ذائقہ جان بخش کی تمنا میں جنگ کی تلخ کامی سہی تھی۔ دولھا جامے میں پھولے نہیں سماتا تھا۔ اور پردہ حائل کو دیکھ دیکھ کر زیر لب ڈرتے ڈرتے مسکراتا اور زبانِ حال سے یہ شعر سُناتا۔

طالب نظارہ ام پردہ برافگن زرخ
پیش صفِ راستاں شعبدہ بازی مکن

آزاد کا دل اس وقت اس قدر بے قرار تھا کہ جی چاہتا تھا کہ پردے ہٹا کے معشوقۂ گل بدن کا جمال مشاہدہ کریں، اور اُس حور فریب کے نظارۂ حسن سے آنکھوں کو نور بخشیں۔ عشق کو دعائیں دیتے تھے جس کی بدولت یہ روزِ سعید نصیب ہوا کہ وصل نا ظورۂ طاؤس زیب ہوا۔

اے خوشا بخت اے خوشا تقدیر　　دولت عشق ہے عجب اکسیر
اس میں وہ لذتیں اٹھاتے ہیں　　خط زمانے کے بھول جاتے ہیں
صدقے اس رنج پر ہزار آرام　　نامور ہو جو اس میں ہو بدنام

اس کی تکلیف میں وہ راحت ہے
کیا کسی عیش کی حقیقت ہے

سب رسوم فرحت لزوم ادا ہو چکیں تو دولھا کی بہنیں اُسی طرح پر آنچل ڈال کر اس خورشید مشرقستان جلال، اور مشرقستانِ خورشید جمال کو دروازے تک لائیں۔ اُدھر نوشتہ محفل عشرت منزل میں گیا۔ ادھر ڈومنیوں نے با آواز بلند گالیاں سُنائیں۔

دکھا پھر جام کا منھ ہم کو ساقی　　کہ راحت سے کٹے یہ عمر باقی
ابھی اُنڈا ہوا ہے بحر فکرت　　برابر ہے وہی جوشِ طبیعت
وہ مے ہو رنگ جس مے کا گلنار　　وہ ساغر ہو طلائی جس میں ہو کار
اٹھانا تو ابھی کنٹر نہ ساغر　　پلائے جا ہمیں ساقی برابر
کدھر خم ہے کہاں ساقی سبو ہے　　پلا پھر کچھ کہ جوشش آرزو ہے
چھکا دے خوب اے ساقی چھکا دے　　طلب جیسی کروں ویسی پلا دے
کرم کر اے مرے ساقی کرم کر　　پلا دو چار ساغر پھر برابر
نہ آنے پائے تا لب نام بادہ　　کہ ہو ساقی عنایت جام بادہ
رہے ہر دور میں ساقی ترا دور　　پلا اس سے نشیلی تو مجھے اور
نہیں ساقی یہ ہنگام توقف　　پلا ہو جس طرح کی بے تکلف
غنیمت ہے بہار زندگانی　　کہاں پھر ہم کہاں یہ مہربانی
اجازت تو اگر دیتا ہے ساقی　　کہ رکھنا آرزوئے دل نہ باقی
تو پھر اس کے سوا کیا التجا ہے　　یہی مطلب یہی بس مدعا ہے
کہ جوش ہمت عالی میں آکر　　کلید قفل میخانہ عطا کر

درِ میخانہ ساقی جلد وا کر پذیرا اتنی عرض مدعا کر

سرور آنکھوں میں گردش میں قلم ہو

نیا آغاز مطلب یوں رقم ہو

جب خورشید ہمایوں جاوید صبح محفل سپہر پر مسند آرائے روزگار ہوا، اور سورۂ نور چہرۂ پُر نور روزِ سبد دم کرنا آشکار ہوا۔ بیاضِ سحر کا شیرازۂ رشتہ، تار شعاعی سے بندھا، اور پیشانی عروس کو نور تجلّی افشاں سے منور کیا۔ حروفِ سطور بیاضِ خطوطِ مہر سے روشن۔ رخسارِ گلزار اثر شگفتگی آثارِ عروس، نور علیٰ نور سے مبدہن۔

آئینہ گری طبیعت سے آئینہ سخن کو روشن کرتا تھا، اور صیقل وجلا سے بھرتا تھا۔ نفس طبع کو خیالِ سر سخندانی۔ کلک گوہر سلک کو تصور انجم افشانی۔ جب دولھا محفل مینو مشاکل میں آیا، تو سب نے سروقد تعظیم کی۔ دولھا مسند پر متمکن ہوا۔ اور ادھر ناچ گانا شروع ہوا۔ ایک طرف زہرہ طبعان ماہ جبیں، لشکری میں مصروف ایک سمت لولیانِ نرگس چشم عشوہ بازی میں مصروف؛

مُطرب از جوشِ نغمۂ دل کش

عود زہرہ فگند بر آتش

پہلے لولیانِ شہر آشوب بلا سے دل وجان، سیم ساق، غنچہ دہان نے بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی، اور چھیڑ چھاڑ سے اہل محفل کو مسرور کیا۔ بعد ازاں ایک زن نوجوان بلائے بے درماں، دلربائی اور کج ادائی میں مشہور انام عباسی نام، بصد ناز و اندازِ گراں بہا پشواز پہن کر بن ٹھن کر آئی۔ اس زاہد فریب کے آتے ہی محفل ارم تزئین غنچۂ گل کی طرح کھلکھلائی۔ لطف صحبت دو چند ہوا۔ ہر گوشۂ انجمن سے آوازہ تحسین بلند ہوا۔ نازک آوازی پر صورت باربدی نثار۔ گلے بازی سے لحن داؤدی آشکار۔ تان سین شاگردی کا دم بھرتا۔ بیجو نایک سنتا تو وجد کرتا۔ وہ صوتِ دل کش و روح افزا اور نغماتِ دلکشا کر تمام حاضرین کی زبان پر آوازۂ آفرین تھا۔ اور ہر سمت شور تحسین۔ ایک نواب صاحب نے جو بی عباسی پر ریجھے ہوئے تھے۔ یوں مذاق شروع کیا۔

نواب۔ بی عباسی صاحب۔ آپ تو ایسی خوش گلو ہیں۔ واللہ کہ آپ کی تعریف ہی کرنا فضول ہے۔ بالکل فضول۔

عباسی۔ کوئی کبھی تعریف کرے تو خیر عطائی اناڑی نے تعریف کی تو کیا۔

نواب۔ اللہ رے غرور۔ اے صاحب ہم تو خود تعریف کرتے ہیں۔

عباسی۔ شانِ خدا آپ بھی اتنے ہوئے۔ اے تیری قدرت بھلا یہ بھاگ کا وقت ہے۔ یا دھناسری کا۔

نواب۔ یہ کسی ڈھاڑھی بچے سے پوچھو جاکے۔

عباسی۔ (ہنس کر) اے لو اور سنو۔ جو علم موسیقی کے نکات سمجھے وہ ڈھاڑھی بچہ کہلائے۔ اس عقل کے صدقے اے واہ امیر نہیں تجلا ہے۔ جو دو باتیں نہ جانتا ہوگانا اور پکانا۔ چاہے خود گلے سے نہ کرے مگر سمجھے تو۔ وہ رئیس نہیں جو یہ نہ سمجھے۔ پھر گنوار اور شہر والوں میں فرق کیا رہا۔ اور جو کھائے گا اچھا وہ پکائے گا بھی اچھا۔ آپ کے سے دو ایک گھامڑ رئیس شہر میں اور رہوں تو تمام شہر بس جائے۔

نواب۔ ع۔ لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی۔ ہماری تو یہ فرمائش ہے اگر مزاج میں آئے تو بسم اللہ ورنہ اختیار ہے۔

عباسی۔ سنیئے بسروچشم۔ یہ کیا بات ہے۔

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی
رُکے نہ بانٹھ ابھی ہے رگ گلو باقی

جو ایک رات بھی سویا وہ گل گلے مل کر
تو بھینی بھینی مہینوں رہی ہے بو باقی

ہمارے پھول اٹھا کے وہ بولا غنچہ دہن
ابھی تلک ہے محبت کی اس میں بو باقی

فنا ہے سب کے لیے مجھ پہ کچھ نہیں موقوف
یہ رشک ہے کہ اکیلا رہے گا تو باقی

کنوئیں میں جب کہ گرے آہ حضرت یوسفؑ
رہی نہ عشق مجازی کی آبرو باقی

جو اس زمانہ میں رہ جائے آبرو باقی

نواب۔ یہاں یہ سب سے زیادہ مقدم شے ہے۔

عباسی۔ مگر حیاداروں کے لیے۔ بگڑے بازوں کو کیا۔

حاضرین۔ (اس زور سے قہقہہ پڑا کہ نواب صاحب جھینپ گئے)

عباسی۔ اب کچھ اور ارشاد فرمائیے حضور (ہنس کر) یہ چہرے کا رنگ کیوں فق ہوگیا۔

حاضرین۔ آپ سے نواب صاحب بہادر بہت ڈرتے ہیں

نواب۔ جی ہاں حرام زادے سے سبھی ڈرا کرتے ہیں۔

عباسی۔ اے ہے یہ جبھی آپ اپنے ابا جان سے اس قدر ڈرتے ہیں۔

حاضرین۔ (اور زور سے قہقہہ لگا کر) کیا کہی ہے۔ واللہ کیا کہی ہے بی عباسی کے سامنے آپ کی زبان بند ہو جاتی ہے ساری شیخی رکھی رہتی ہے۔

عباسی۔ اب زیادہ نہ چھپائیے۔ کیوں نواب آج کل کوئی مقدمہ عدالت میں دائر ہے۔ یا نہیں۔

الغرض دیر تک محفل رقص آراستہ رہی۔

وہ غضب چھیڑ چھاڑ سازوں کی — خوش صدائیں وہ نے نوازوں کی

وہ گلے نور کے وہ نور کے سُر — گوش زہرہ سنے وہ دور کے سُر

دل کش و دلربا وہ ہر فقرا — نے میں ڈوبا ہوا وہ ہر فقرا

ہر صدا سے یہ صاف پیدا تھا — اُتر آئی ہے چرخ سے زہرا

پیچدار ایک ایک فقرہ تھا — صاف تصویر زلف پیچ تھا

مثل بلبل وہ گل نوازن تھی — کوکنے میں برنگ ارغن تھی

ے کا پُتلا تھی وہ سراپا ناز

جس سے ہو ہوش بار ہُد پرواز

دلھن کو سات سُہاگنوں نے مل کر اس طرح سنوارا تھا کہ آتش حُسن دو چند بھڑک اٹھی۔ جب کنگھی چوٹی سنوار ہی مانگ نکالی تو معلوم ہوا کہ قلب شب سے صبح صادق نکل آئی۔ مشاطۂ چابک دست یہ شعر زبان پر لائی

ہو دسترس ہمارا جو مکھڑے پہ یار کے

صدقے کروں میں چاند فلک سے اتار کے

بوا فرحت افزا ددا جان بخش سے مخاطب ہو کر یوں ہم کلام ہوئیں۔

فرحت افزا۔ تم کو خدا کی قسم ہے۔ میں اپنی ایڑی چوٹی دیکھوں ایسی سُہانی موہنی صورت۔ اور ایسی بھاونی دل پسند مورت کبھی دیکھی نہ سُنی۔

جان بخش۔ اللہ رکھے کیا بھاونی مورت ہے: ؎

وسواس ہے کچھ دل میں ہمارے کئی دن سے

صدقے نہیں تم پر سے اتارے کئی دن سے

محلدار۔ نیسوں کلام کی قسم بندی اندھی ہو جائے۔ روزی نصیب نہ ہو جو جھوٹ کہتی ہوں یہ صورتیں خواب میں بھی نہیں دیکھنے میں آئیں۔

جان بخش۔ بڑی روٹی اٹھاتی ہوں جو اس شہر میں کوئی دوسری اس شکل کی اور نکلے۔

فرحت۔ اے اس میں کیا فرق ہے در در ماری پھروں جو ذری بھی اس میں جھوٹ ہو، کہ پرسوں سکینہ بیگم اپنے منہ سے کہتی تھیں کہ اگر ہم سے بڑھ کے حُسن ہے تو حُسن آرا بیگم کا۔

جان بخش۔ یہ حُسنِ خداداد ہے۔ اللہ کی دین میں کس کا اجارہ ہے۔

محلدار۔ بارے اللہ نے اتنی جھنجھٹ کے بعد یہ دن دکھایا یہ عالم عیش تقدیر سے نظر آتا ہے اور یہ دور دور احسن تدبیر سے ظہور پاتا ہے

جان۔ اللہ مبارک کرے دندن سامان شادی بڑھے۔

فرحت۔ دوست شاد دشمن نامراد۔

جان۔ زیور کو ان کے جسم کے سبب سے رونق ہوتی ہے۔

فرحت۔ اور کیا یہ زیور کی محتاج ہیں بھلا۔ ؎

کب خوبرو کو ہوتی ہے زیور کی احتیاج
ہر عضو عضو اس کا ہے ہر حسن نو کا تاج

چاند ٹیکی اس چمک دمک سے زیب دیتی تھی۔ جیسے چاند کے پاس سُہیل نمایاں۔ یا بدر کے مقابل مشتری جلوہ کناں پیچ و تاب۔ زلف پر تاب رسن گردن آفتاب۔ ؎

روئے بنما تا دگر زاہد نخواند الصلوٰۃ
زلف بنما تا دگر راہب نگوید الصلیب

زنخ۔ ساوہ غبغب آویختہ مگر لاغر سینہ ایمختہ الہی یہ سینہ ہے یا چشمۂ زرینہ یا سیم گنجینہ لب رنگیں سے شورش اٹھاتی تھی دل خستگان زار کے زخم جگر پر نمک چھڑکاتی تھی۔ تبسم و خندہ کہ لب شکر ریز سے نمود ہوا اُس کے مقابل میں قند فرسودہ تھا قد و قامت خرامندہ سرو و شمشاد قیامت محشر کی بنیاد۔ زیور نے اور بھی آفت ڈھائی۔ پھبن کی آگ دہ چند بھڑکائی۔ بجلیاں بجلی گراتی تھیں ستم ڈھاتی تھیں۔ جگنی اور دھکدکی ڈھولنا اور تلکڑی زیب گردن و گلو۔ جوشن اور نورتن آرایش میں ہم پہلو۔

اب نکاح کی رسم شروع ہوئی۔ قاضی صاحب اندر آئے اور دو گواہوں کو ساتھ لائے اس کے بعد دریافت کیا گیا کہ آزاد پاشا کے ساتھ نکاح منظور ہے۔ الخ۔

دُلھن نے فرط حیا سے جواب نہ دیا اور گردن نیوڑھا کر سر جھکا کر چپ چاپ بیٹھی رہی۔

بڑی بیگم۔ اے بیٹی کہو خدا کا واسطہ۔

روح افزا۔ حسن آرا بولو بہن۔ دیر کیوں کرتی ہو۔

نازک ادا۔ بولو حسن آرا۔ بس تم ہاں کہدو۔

جانی بیگم۔ (آہستہ سے) ایسی ہی تو بڑی شرمیلی ہیں۔

نازک۔ اے بیٹی اب کاہے کو دیر لگاتی ہو۔ خواہی نخواہی۔

قاضی۔ آپ سمجھائیے۔ ان کی بہنیں سمجھائیں۔

جانی۔ (آہستہ سے) بجروں پر سیر کر چکیں۔ ہوا کھا چکیں اور اب اس وقت یہ نخرے بگھارتی ہیں۔

نازک۔ از برائے خدا بہن اس وقت نہ شرماؤ انھیں۔

جانی۔ نہیں اللہ جانتا ہے ہمیں یہ نخرے بازی نہیں بھاتی۔ ایک آنکھ خواہی نخواہی اپنے تئیں بنانا۔

بڑی۔ بیٹی از برائے خدا کہدو سمجھاتے ہیں۔

الغرض بڑی کوشش اور اصرار اور فہمایش کے بعد حسن آرا نے نہایت نازک آواز سے (ہوں) کہا۔

بڑی۔ لیجئے دُلہن نے ہنکاری بھری۔

قاضی۔ ہم نے آواز نہیں سُنی تم نے سُن لیا۔

بڑی۔ ہاں ہم نے سُن لیا۔ بہت سے گواہ ہیں۔

قاضی نور اللہ صاحب مع گواہوں کے باہر آئے۔ ناچ رنگ موقوف ہوا۔ دولھا کے شملے پر سہرا باندھا۔ خطبہ پڑھا۔ دولھا سے ایجاب و قبول کرایا۔

آزاد۔ جی ہاں قبول کیا۔

قاضی۔ یوں کہیے قبول کیا ہم نے۔

آزاد۔ (مسکرا کر) قبول کیا ہم نے۔

قاضی صاحب تشریف لے گئے۔ اور محفل میں طائفوں نے مل کر مبارک بادی گائی۔ ع

ہمیشہ دلبر سبحان مبارک باشد

شربت پلائی کے بعد دولھا رسم کرنے کے لیے اندر بلایا گیا۔ سر پر آنچل ڈالے ہوئے بہنیں لائیں مسند بیٹھی بہا پر بٹھائے گئے بعد ازاں عروسِ رشک ماہ غیرتِ مہر یوسف تھا پری چہرہ کو بہنوں نے لا کر اسی مسند پر بٹھایا۔ اس وقت کے جوبن کا حال حیطۂ تحریر سے خارج ہے۔ اور حیز تقریر سے باہر۔ وہ چشم جادو اور اس پر سُرے کی تحریر۔ کافر مست کے ہاتھ میں بوہنہ شمشیر رخسار۔ گل نثار۔ زلف چلیپا سیہ مار کنچے دار۔

گیسوئے دوآسا کمند انداز رسن باز۔ در پردہ جنگ ساز غالیہ رنگ، عمر دراز۔ مانگ کے دونوں جانب بال بال موتی پروئے ہوئے معلوم ہوتا تھا فلک پر ستارے درخشاں ہیں مثل کہکشاں یا شب ابر سیاہ میں برق جہندہ شرر فشاں بسّی دھڑی کے ساتھ پان کے لکھوٹے نے وہ رنگ جمایا کہ معلوم ہوتا تھا

دامن شب آج شفق کے ہاتھ آیا۔

وہ جب کر چکی ماہ سارا سنگار ہوئے مہر و مہ جان و دل سے نثار

ہوئی حُسن کی سارے عالم میں دھوم فلک نے لیے دست مشاطہ چوم

دلھن بیٹھنے ہی کو تھی کہ روح افزا اور گیتی آرا نے کہا بہن جوتی تو چھواؤ دُلھن سمٹی سمٹائی سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑی رہی۔

جانی۔ واہ یہ تو خود بھیٹر بن گئیں اُس وقت۔

سپہر آرا۔ حیا مانع ہے۔ آخر حیا بھی تو کوئی شے ہے۔

نازک۔ اے جوتی شانے پر چھوا دو بہن۔ واہ۔

استانی۔ اگلے وقتوں میں تو سر پر پڑتی تھی۔

نازک۔ اس جوتی کا مزہ کوئی مردوں کے دل سے پوچھے۔

جانی۔ اے جوتی خورے کے جوتی لگا دو بہن۔

جب دُلھن نے ذرا جنبش نہ کی نو بہار النسا نے ہاتھ بڑھا کر دلھن کے داہنے پاؤں کی جوتی دولھا کے شانے پر چھوا دی۔ میراثنوں نے کہا اب دولھا کا ہاتھ دلھن کے پیٹھ پر رکھوایئے۔ آزاد نے بادلِ شاد معشوقہ پری زاد کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ ساچق کے دن کا سہاگ پڑا آیا۔ سات سہاگنوں نے چاندی کی کھرل میں سرمہ ساکر کے ایک چھوٹی زرنگار پیالی میں رکھا۔ اور چھیل چھبیلا ناگر موتھا کیوڑا گلاب عطرِ سہاگ اور اشرفیاں رکھ کر دولھا کو دیا۔ دولھا نے صندل کی ٹکیا سے مانگ بھری۔ اس وقت حسن آرا کا رخسار نورانی شعلۂ طور تھا اور ہر خط پیشانی شعلۂ نور۔ سامنے جماعت مطربان خوش گلو شہر کی ڈومنیاں خوبرو عنبر مو۔ گانے میں طاق۔ حسن میں پری زاد۔ بار بد و نگیسا کی استاد۔ کوئی گاتی تھی کوئی ناچنے کے لیے کھڑی تھی۔ کنگری گویا مسلسل موتیوں کی لڑی تھی۔ ڈومنیوں نے گانا شروع کیا۔ نگ پیسوں جونری پیسوں بھرا کٹورا تجا۔ ہریالے بنے بھرا کٹورا تجا۔ بنرا لاڈا لاڈلا۔ اے نادان سب کچھ جانے لاڈلا و حضرت بی بی کی بتیاں جو شو آوے تجا۔

حیدری ڈومنی جو سب سے زیادہ خوبرو تھی، اس نے اصرار کیا کہ دولھا دُلھن کی طرف مخاطب ہو کر کہیں کہ (نیرا بُرا ہو نگاری میری نادان بنو۔ ڈولی کے ساتھ چلوں گا۔)

نازک۔ اور پاپوشیں جھاڑ جھاڑ کے دھروں گا۔

جانی۔ اور صراحی ہاتھ میں لے چلوں گا اور چاندنی چوک ڈولی کے ساتھ جاؤں گا۔

ڈومنی۔ تیرے بابا کا لیا۔ گھوڑے نخاس میں لیا۔ کھوٹے داموں سے لیا۔ میری نادان بنو کہیئے یہ دونوں

ٹونے میری آنکھوں سے لگیں۔

آزاد۔ اے کیوں نہیں ضرور کہوں گا۔

نازک۔ اے واہ اچھا رنگ لائے۔

جانی۔ رنڈیوں کے نخرے بہت سیکھے ہیں۔

راوی۔ اس فقرہ پر اس قدر قہقہہ پڑا کہ میاں آزاد گو ازبس طرّار اور حاضر جواب تھے۔ مگر بہت ہی شرمائے۔

ڈومنی۔ اے حضور فرمائیے۔ یہ دونوں ٹونے میری آنکھوں سے لگیں۔ کہنا تو پڑے گا۔

ٹونا میرا سلونا۔ آنوانوری مان ٹونا۔ اتوار منگل کا ٹونا بمجبوری تمام دولہا نے کہا یہ ٹونے میری آنکھوں سے لگیں۔

لاڈلی بیگم بصد ناز و امتیاز اکیس پان کا بیڑا لائی۔ اور نوشاہ کو گلوری کھلائی۔ پہلے منہ تک بیڑا لا کر ہٹایا اور بہکایا۔ آزاد کو للا آزاد تھے ہی مسکرا کر بولے ہم کو ڈھکانا کیا۔ سر تو رنگ جمانا کیا۔ چکنی چکنی باتوں سے بھاتی ہو۔ رنگ جماتی ہو۔ ہم نے جان نثاری میں خیر خواہانہ بیڑا اٹھایا تھا۔

نوہاتی بیگم نے اور مصری خانم نے رومیں رومیں سے نوبات چنوائی اور دولہا کی روح وجد میں آئی دُلھن نے منہ مانگی مراد پائی۔ اس کے بعد سپہر آرا سہاگا لائی اور دولہا کے کان کی لو پکڑ کر جھک کے کہا کہو۔ سونے میں سہاگا موتیوں میں دھاگا۔ اور بنے کا جی بنی سے لاگا۔)

میراثنیں گاتی تھیں۔ سننے والوں کو وجد میں لاتی تھیں (نوباتیں چننے کا ہریالا بنرا۔ ایسا ٹونا کر دے ری رہے بن رام کا غلام ڈیوڑھی بٹھا کر سلام۔)

اس کے بعد میں رسم آرسی مصحف بصد عزو شرف ادا ہوئی۔

حیدری۔ دُلھن کی آرسی میں دولھا منہ دیکھے۔

نازک۔ اس میں حسن آرا کو عار سی آئے گی۔

دولھا اور دلھن کو سُرخ دوشالہ اُڑھایا۔ ادھر حیا اُدھر شوقِ وصل نے رنگ جمایا۔ عروس نازنیں کا سہرا ہٹایا۔ منہ پر سے ہاتھ اتارے ٹھوڑی پکڑ کر منھ سے منہ ملایا۔ بیچ میں دلھن کے زانوئے تمثال تکیہ رکھا۔

سکندر بیگم دوڑ کے آئینہ لائی۔ ان دونوں مہر و ماہ سپہر راحت اور نونہالان گلزار فرحت کے درمیان میں آئینہ رکھا۔ عکس جبیں نور آگیں عروس ناز آفریں جس پر افشاں چنی ہوئی تھی۔ اور حیا سے قطرات عرق لوح پیشانی پر نمودار تھے۔ گویا ستارے اوج فلک پر نمودار تھے۔ صاف ظاہر کہکشاں کے آثار تھے۔

اس گھڑی کا سہانا پن۔ بھینی بھینی خوشبو اُبھرا ہوا جوبن۔ مہر و ماہ ایک برج میں جلوہ گر قران زہرہ و مشتری پیش نظر۔ حیدری نے بصد شان دلبری کہا مبارک باشد آج چاند اور سورج آسمان سے زمین پر اُتر آئے دلھن نے مانگ سواری پیا ملن کی آج نیاری دلھن مانگ سنواری۔ قرآن شریف لایا گیا۔

نوباتی بیگم۔ بی بی بنو جلدی آنکھ نہ کھولنا۔

نازک۔ جب تک اپنے منہ سے غلام نہ بنیں۔

حیدری۔ کہیے بیوی میں غلام ہوں۔

آزاد۔ (مسکرا کر) بیوی میں غلام بلکہ درم ناخریدہ غلام ہوں اور غلام کیا معنی تلام کا چولام ہوں از برائے خدا منہ کھولو۔

بڑی بیگم۔ بیٹا اب تو کہوا لیا۔ اب آنکھیں کھول دو۔

حیدری۔ ایک ہی بار کے کہنے کی سند کیا۔

آزاد۔ بیوی تم پر نثار تمہارا غلام واسطے خدا کے مُنہ تو کھولو۔

نازک۔ ہمارے میاں اس قدر اصرار کرتے تو ہم۔

جانی۔ (ہنس کر) ہاں ہاں کہو۔ کیا کرتیں۔

حیدری۔ اے حضور خوشامد کیجئے دلھن کی۔

آزاد۔ اب خوشامد سے نہ مانیں گی زبردستی کے بغیر۔

نازک۔ اللہ جانتا ہے یہ تو سچ مچ آزاد ہی ہیں۔

حیدری۔ آپ جو کہتے ہیں اس کا خیال رہے دلھن کے غلام بنے رہیے گا۔

جان بخش۔ کہتے تو ہیں مگر ان مردوں کی بات میں بھدوک نہیں ہے۔ اسی سے دلھن منہ نہیں کھولتی۔

حیدری۔ یہ تو کہتے تھے کہ ہم مانجھے کے کپڑے نہ پہنیں گے۔

جان۔ بڑے بول کا سر نیچا۔ غلام تک تو بنے۔

دولھا۔ مجھے مول لو بیوی آنکھیں کھولو۔

بڑی بیگم۔ بیٹا مستی دیکھو۔ بناؤ دیکھو۔ اب کہا مانو۔

دلھن نے آنکھیں کھولیں تو دولھا کی بہنیں بولیں ہمارے بھائی سے اس قدر خوشامد کروائی تب جا کے صورت دکھائی۔ جبنی بیگم نے حرز سے مانی دم کی اور مصحف ناطق بہ نیت و اثق لا کے دولھا کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا میاں چوم کے سورۂ اخلاص نکالو کہ اللہ تعالیٰ دونوں میں اخلاص بڑھائے۔ حسن آرا اس وقت

غیرت ماہ رشک مہر حور وش پری چہرہ لباس فاخرہ سے مخلع تھی اس درجہ معطر و معنبر کہ مشام روح طبلہ عطار تھا۔ عنبر سارا خوشبو پر نثار تھا۔ آزاد اس وقت فرط مسرت اور وفور طرب سے جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ بے قرار ہوئے جاتے تھے حسن آرا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہوئے۔ لوگ سمجھاتے سمجھاتے عاری ہوئے مگر آنسو نہ تھمے۔ آزاد نے بدرجۂ مجبوری سر جھکا کر کان میں کہا۔ ایں خیر ہے! دل کو خوب مضبوط رکھو۔ ہم تم تمام عمر مزے سے زندگی بسر کریں گے۔ جو لوگ خوشی اور انتہا کی خوشی کے وقت اعتدال سے نہیں گذرتے وہ ضابط کہلاتے ہیں از برائے خدا اس وقت ذرا دل کو قابو میں رکھو ورنہ میں شادی مرگ ہو جاؤں گا۔ مجھے دیکھو دل پر کس قدر میں نے جبر کیا ورنہ واقعی فرط طرب سے میں مر ہی جاتا۔

بڑی۔ نصیب دشمناں۔ دور پار۔ گنگا گومتی پار۔

بہار النسا۔ شادی کے وقت کوئی منھ سے وہ کلمہ نکالتا ہے۔ جس کو شادی کے ساتھ مرکب کرتے ہیں۔

روح افزا۔ حسن آرا از برائے خدا بہن منھ دھو ڈالو۔

عباسی بیگم۔ حضور کہا مانیے دیکھیے بڑی بیگم صاحب اور روح افزا بیگم کھڑی گھگیا رہی ہیں۔

بہار النسا۔ اے بی جان بوا ذری تم آکے سمجھاؤ۔

سپہر آرا۔ باجی جان اچھا ایک بات تو سُن لو۔

بڑی بیگم۔ ہمیں ہول ہوتا ہے۔ ایسا نہو کہ روتے روتے۔

بہار۔ ناحق اپنے آپ کو ہلکان کرتی ہو۔ حسن آرا۔

اُستانی۔ بیٹا یہ نہیں کرتے۔ دل قابو میں رکھو۔

حیدری۔ پانی سے تر کر کے کپڑا منھ پر پھیر لے۔

استانی۔ تر کپڑے سے مُنھ پوچھ کر، حسن آرا۔

بہار۔ بہن کہنا مانو۔ ایسا بھی دل کے ہاتھ بک جانا کیا۔

اتنے میں حسن آرا کو غش آیا۔ کوئی لخلخہ لائی۔ کسی نے عرق بہار سنگھایا۔ آزاد نے بے جھجک جھک کے کان میں کہا خدا کے لیے سنبھلو۔ لوگ نام دھریں گے زود فربہی اور زود لاغری کا دھبا لگائیں گے۔ حسن آرا کو ہوش آیا۔ ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ انا جان کو نہ کوئی اطلاع دینا اس پر قہقہہ پڑا۔ اور بڑی بیگم بولیں بیٹا کتنی شادی ہو۔ تمہیں نصیب دشمناں غش آئے اور یہ بات ایسی چپ چپاتی ہو جائے کہ سنو بھی نہیں عباسی اچھی طرح منھ دھونا۔

جب دُلھن کا رُخ انور دھلا چکے اور دیکھا کہ اب عنایت ایزدی سے چاق ہے تو دولھا تے اس عروس

پری چہرہ غیرت بدر و مہر کو گود میں اٹھایا شوق نے گدگدایا مسند سے پلنگ پر بٹھایا۔ ڈومنیوں کی فرمایش اور فہمایش سے حسب رواج عروس پری تمثال جادو جمال کی مانگ کھولی تو جانی بیگم پردے سے بولی یہ

دل و جان زلف دوتا مانگے ہے

مانگ اب دیکھیے کیا مانگے ہے

بہار النسا۔ اے بہن جان وان کا ذکر نہ کرو اس وقت۔

جانی بیگم۔ یہ تو پرانا شعر ہے۔ دل و جان زلف۔

نازک ادا۔ (جانی بیگم کے منھ پر ہاتھ رکھ کر) پھر وہی اُٹھتی ہو۔

جانی۔ اس وقت جی چاہتا ہے کہ گلے لگا لوں۔

نازک۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ حسن آرا کو پیار کروں۔

جانی۔ اور ثریا بیگم پر بھی نکھار ہے۔

نازک۔ واہ ایڑی چوٹی پر واروں۔

جانی۔ کیوں کیا جوبن نہیں ہے تم سے اچھی ہے۔

نازک۔ کہیں ہو نہ ہم سے اچھی۔ جیسی سب ہیں ویسی وہ بھی ہے۔

جانی۔ دیکھو کیسی اہلی گہلی پھر رہی ہیں۔ بوٹا سا قد پتلا مُنھ۔ ملنسار اپنے دلوں سے صاف۔

نازک۔ اے ہے ملنسار! ملنسار نہ سمجھنا۔ ایک ہی اکل کھری ہے۔ بس کی گانٹھ۔ پیٹ کی ہلکی۔ ان سے کوئی بات کہو تو چاہے کیسی ہی راز کی کیوں نہ ہو۔ مجال کیا کہ گھر میں ایک ایک سے نہ کہیں۔ اور جو کہیں یہ کہہ دو کہ بہن کسی سے کہنا نہیں تو بس پھر تمام محلے میں ڈھنڈورا پٹوائیں۔

جانی۔ کیا مبارک حمل کا پاؤں نہار تی ہے۔

نازک۔ تری اندھی ہو گیا۔ اتنا بھی نہیں سوجھتا آن گنا مہینا ہے۔ دیکھ لینا لڑکا ہو گا۔

جانی۔ ایک لڑکا تو اُن کے پہلے ہوا تھا۔

نازک۔ ہاں سات مہینے کا ہو کر بچارا چل بسا۔

جانی۔ اے ہے سوکھے کا عارضہ ہوا ہو گا۔

نازک۔ نہیں سردیوں میں ٹھنڈی نکلی تھی۔

جانی۔ دولھا باہر گیا یا ابھی رسم ہو رہی ہے۔

نازک ادا اور جانی بیگم دونوں نے پردے کے پاس سے جھانک کر دیکھا۔ نازک ادا نے کہا۔

بہن بڑن بیگم نے اس شادی میں بھی وہ دھوم کی ہے کہ سارا شہر تعریف کرتا ہے یہ تقریب اور دوسری تقریب نواب امیر محل کے ہاں کی جب نواب امیر محل کی ساجزادی کی شادی ہوئی تھی تو انھوں نے بھی وہ دھوم کی تھی کہ آج تک نام ہو گیا۔ گیارہ ذی الحجہ کو دلھن کے ہاں سے مانجھا جلوس کے ساتھ گیا باجا اور جلوس اور ہلم اور برچھی خوانوں میں پینڈیاں کوئی تین من اور تین ہزار روپیہ نقد اور ایک کشتی میں منڈیل شاہی مع کلغی جڑاؤ سرپیچ۔ ایک میں کارچوبی جوڑا بہت پر زر، چاندی کی چوکی اور لوٹا۔ ایک کشتی میں کنگنا۔

مغلانی۔ حضور مجھ سے پوچھیے نہ۔ میں عرض کروں میرے تو ہاتھوں بندوبست کیا ہوا ہے۔

نازک۔ سنا کنگنے میں حضور نے ایجاد کیا تھا۔

مغلانی۔ اے حضور کنگنا خواہ بادشاہ کے یہاں کا ہوگا۔ خواہ غریبوں کے ہاں کا کارچوبی ہی ہوتا ہے۔ حضور نے کی کنگنا طلائی بنوایا تھا۔

نازک۔ یہ تو شاید یہاں بھی بندوبست ہوا تھا۔

مغلانی۔ یہاں تو تقلید ہوئی تھی نہ۔ موجد تو ہماری حضور ہی ٹھہریں ہے نہ۔ نواب امیر محل کے ہاں ایجاد ہوا۔

نازک۔ یہاں سے جو کنگنا گیا اُس پر ہیرے اور زمرد کے لڑ لگی ہوئی تھی۔

مغلانی۔ کشتیوں میں چاندی کے برتن تھے۔

مہندی بھی نواب امیر محل نے بڑی دھوم سے بھیجی تھی۔ آرائش کے تخت اور روشنی اور کشتیوں میں جوڑے پر زر دولھا کے لیے اور کارچوبی منڈیل اور جڑاؤ سرپیچ کلغی کے اور کارچوبی ہار ایک بڑا قیمتی ذو شالہ۔

نازک۔ ان کے ہاں بھی سب شہزادے آئے تھے۔

مغلانی۔ اے لونہ آنا کیا معنی۔ سب آئے تھے۔ ایک ایک شہزادہ تھا۔ جہیز میں چاندی کا نخ کلسہ اس پر طلائی ملمع، ہاتھی کسی راجہ سے بارہ ہزار کو لیا تھا۔ گنگا جمنی ہودہ تھا ایک عربی گھوڑا مع نقرئی ساز کے۔ لوٹا اور صندوقچہ اور خاصدان اور اُگالدان۔ سبوچہ سلفدان۔ آئینہ۔ پلنگ طلائی قلمدان کوئی اسباب باقی نہیں رہا تھا۔

نازک۔ انھوں نے بھی جہیز کی تیاری دھوم سے کی ہے۔

مغلانی۔ ان کے ہاں ایک ایک چیز کے دو دو تین تین عدد تھے۔ مٹی کے اسباب میں کوئی شے باقی نہیں تھی۔ پٹارا ڈول چولھا۔ توا۔ گھڑونچی۔ اوتٹوں پر دیگیں بار تھیں۔

نازک۔ بڑی بیگم نے شیشے اور چینی کے متعدد اور بیشمار برتن منگوائے ہیں اور جوڑے بھی بھاری

بھاری ہیں۔

مغلانی۔ نواب امیر محل کے ہاں سولہ جوڑے تیار ہوئے تھے چار سو سے تین ہزار تک کا۔ کوئی جوڑا چار سو سے کم نہ تھا۔ زیور تین قسم کا تھا۔ جڑاؤ الماس کا۔ جڑاؤ فیروزے کا اور سونے کا۔ اس زمانے میں ایسی دھوم کی شادی کم ہوئی ہو گی۔ اچھے اچھے شہزادے تعریف کرتے تھے۔ برات کے ساتھ کھانے کی تین سو دیگیں تھیں۔ چوتھی کے دن دولھا کے ہاں سے بڑی دھوم دھام سے چوتھی آئی۔ دس اشرفی نواب امیر محل کو بطریق نذر دیں اور حضور نے بہت بھاری خلعت عطا کیا۔ اس میں ایک ٹرابیش بہا کارچوبی دوشالہ تھا۔ بعد ازاں دولھا نے قاضی محمد اصغر علی خاں بہادر یعنی دلھن کے پدر بزرگوار کو دس اشرفیاں دکھائیں اور قاضی صاحب نے ایک ہار جڑاؤ طلائی الماس کا عطا کیا۔ دولھا شہزادے ہیں۔ محمد علی شاہ کے پوتے ہیں، اب تو رئیسوں کے زمانے کے موافق شادی بیاہ میں روک لیا ہے۔ نہیں تو آگے جب زمانہ بکام ہوتا ہے۔ ایک ایک فراش سینکڑوں کی چاندی لوٹ لیتا تھا الغرض دولھا نے سہاگ پڑے سے مصالحہ نکال کر اپنے انگوٹھے سے دلھن کی مانگ بھری اور اس رسم کی بعد مردانے میں آیا۔ رخصت کے وقت دولھا کی ماں نے ان کو اندر بلایا۔ عروس پری چہرہ کو گود میں اٹھایا اور سکھپال پر بٹھایا۔ سہ

اب آئے

ہوئی تجھ تک تو اے ساقی رسائی
اب آگے ہے مقدر آزمائی

مروت دے تو دے تیری سی ساقی
جو ہمت دے تو دے تیری سی ساقی

اٹھ اے ساقی جو بٹھلایا ہے مجھ کو
اجازت جلد دے دست کرم کو

بتا ساقی رہِ مے خانہ مجھ کو
خدا دے آب حیات خضر تجھ کو

نیا ہو ساقیا مے خانہ جاری
کہ ہو چرخ کہن کو شرمساری

گلستاں سے گیا دور خزاں دور
پھر آیا موسم گل دل ہے مسرور

ستارہ دخت رز کا نشر چمکا ہے
پری بن کر یہاں شیشے میں بھر آئے

طبیعت اپنی جب ساقی ہری ہو
گلابی مے سے جب منھ تک بھری ہو

در مے خانہ کیوں مدت سے ہے بند
کھلے اب ساقیا تا دل ہو خرسند

گریباں گیر عشق دخت رز ہے
بھلا دامن کشی عاشق سے تا کے

در میخانہ سے پردہ اٹھا دے
بغل میں دخت رز کو جلد تر دے

دعا ہے ساقیا شام و سحر یہ
تمنا ہے بدل آٹھوں پہر یہ

جہاں میں انقلاب ایسا کہیں ہو
کہ مے خانہ مرے زیرِ نگیں ہو

اللہ اللہ برسوں کے بعد آج خدا نے یہ دن دکھایا کہ آزاد فرخ نہاد عروس پری زاد کو بیاہ کر لے چلے۔

زہرہ در رقص بصد ناز و طرب زین شادی
چرخ خم گشتہ بہ تسلیم مبارک بادی

رخصت کے وقت سپہر آرا اور بڑی بیگم اور روح افزا اور بہار النسا اور اکثر مہمانوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور حُسن آرا کی آنکھیں بھی پُر نم ہو گئی تھیں۔ جب برات رخصت ہو گئی، تو ہم جولیاں باہم یوں گفتگو کرنے لگیں۔

روح افزا۔ اللہ کرے جیسی سختیاں آزاد نے اٹھائی تھیں ویسا ہی آرام پائیں۔

عباسی۔ آمین آمین۔ اور اللہ ایسا ہی کرے گا۔

جانی بیگم۔ مگر آزاد کا سا دولھا بھی کسی نے کم دیکھا ہو گا۔

مبارک محل۔ لاکھوں کنوؤں کا پانی پی چکے ہیں۔

جانی۔ اس میں کیا فرق ہے کس مزے سے کہتے تھے بیوی میں تمہارے غلام کے غلام کا چولام ہوں از برائے خدا ذری منھ کھولو۔ کسی بات میں ذرا جھجک نہیں۔

نازک۔ بڑے خوش مذاق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

سپہر آرا۔ کیسے کچھ ڈبکانے کے وقت بڑی دل لگی ہوئی۔

نازک۔ اُن سے کوئی جیت نہ پائے گا۔

جانی۔ ہماری بھی یہی رائے ہے بہن۔

سپہر آرا۔ ثریا بیگم کے آنے سے باجی جان خوش نہیں ہوئیں۔

جانی۔ بالکل نہیں۔ مگر کیا معلوم دولھا کو اُن کا آنا معلوم ہوا یا نہیں۔

سپہر۔ تم نے نہیں سُنا۔ اُن کی مہری نے جا کے دولھا کی طرف کی ایک ڈومنی سے کہا کہ اگر ہمارا پیغام کہہ دو۔ تو ہم ایک اشرفی دیں۔ وہ بولی اب اس وقت بھلا دولھا سے کوئی بات پوشیدہ طور پر کیوں کر کہہ سکتی ہوں۔ سب سن لیں گے۔ اور باجی نے اپنے کانوں سے سُنا۔

جانی۔ بہن تم کو اچھی طرح سے معلوم نہیں ہے کہ ثریا بیگم کس مرتبے کی عورت ہیں مگر دلی محبت کو کوئی کیا کرے۔

سپہر۔ امید تو نہیں ہے کہ پاکدامن ہوں۔ یا شاید۔

جانی۔ اُن سے زیادہ پاکدامن بس پھر اللہ کا نام ہے۔

سپہر۔ باجی کو تو اس نام سے نفرت ہو گئی ہے۔

جانی۔ یہ ان کی بدگمانی ہے۔ اور جہاں میاں بیوی عاشق معشوق ہوئے ہیں وہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔

سپہر آرا۔ نازک ادا بیگم نے کہا تھا کہ یہ کرسٹان بھی ہو چکی ہیں۔ پھر ایسی آوارہ ہرزہ گرد کا کون سا اعتبار ہے۔

جانی۔ اللہ نہ کرے کسی پر مصیبت پڑے۔ مگر گو برسوں اکیلی اور مطلق العنان رہیں اور چاہتیں سو کر گذرتیں۔ لیکن ہر قدم پر آبرو کا خیال تھا اور یہ اسی سے ظاہر ہے کہ آخر میں شادی کی۔

سپہر۔ (مسکرا کر) یہ کیا اچھا ثبوت دیا ہے۔

نازک۔ اس وقت ہمیں یہ ذکر ذرا نہیں بھاتا۔ ہم سوچ رہے تھے کہ اس وقت حسن آرا کے دل کا کیا حال ہوگا اور دولھا کیسے خوش ہوں گے۔ مگر آنکھوں سے پایا جاتا تھا کہ پیے ہوئے ہیں۔

جانی بیگم۔ اور انہیں یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ پیے ہوئے آدمی کی آنکھیں فلاں رنگ کی ہوتی ہیں۔

نازک ادا۔ وہ مثل نہیں سنی کہ دولھا نہیں بنے مگر براتیں تو دیکھیں ہیں۔ کتابوں میں تو پڑھا ہے کہ پی کے آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں۔ لال لال ڈورے آنکھوں میں پڑ جاتے ہیں۔

مری گردن پہ ساقی کے ہیں احسان	نہ بھولیں گے جب تک ہے جسم میں جان
بہار فصل گل آتی ہے ہر سال	نیا رنگ اپنا یہ لاتی ہے ہر سال
گلابی سے بسر ہوتے ہیں ایام	ملے رہتے ہیں لب سے پھول کے جام
لیے ہے ہاتھ میں ساقی گلابی	پلا دے بھر کے جام آفتابی
کدورت ہو دلوں کی دور باہم	شرابیں پی کے ہوں مسرور باہم

پلا ساقی مجھے اُس پھول کا جام
زباں کلک شاخ گل کا دے جام

جانی۔ تمہیں دولھا کی شکل و صورت پسند ہے بہن۔

مبارک محل۔ اور سنو پسند کی ایک ہی کہی۔ اس صورت کا دوسرا بھی پیدا ہوا ہے کوئی

نازک ادا۔ ماشاء اللہ کروڑ دو کروڑ میں ایک ہیں۔ نام خدا آغاز شباب ہے چہرے پر ریاست برستی ہے بس یہ کہہ دیا کہ حسن آرا کے لیے ایسا ہی شوہر موزوں ہے۔ اور آزاد ایسی ہی بیوی پانے کے مستحق تھے۔ اس میں جو شک کرے وہ کافر ہے۔

جانی۔ ان میں سب صفتیں موجود ہیں۔ اول تو منشی بے بدل دوسرے سپاہی بے مثل۔ تیسرے خوبصورتی میں کسی سے کم نہیں۔ چوتھے ہر علم سے واقف۔ ہر علم کے استاد اور ہر دل عزیز۔

نازک۔ چوتھی کے دن دیکھنا تاک تاک کے نشانے لگائیں گے۔

سپہر آرا۔ اس میں تو شبہ نہیں ہے اس میں بھی تیز ہیں۔

جانی۔ کون دیکھ لینا بہن اگر ہاری نہ بولیں تو جب ہی کہنا' وہ اگر تیز ہیں تو ہم بھی کم نہیں۔

نازک۔ بس دو ہی تو ہیں۔ ہم اور تم۔

سپہر۔ اتاں جان کو یہ ڈنگا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

نازک۔ اے بہن اُس وقت کوئی روکے' چاہے کوئی غل مچائے، ہم کسی کی نہ سنیں گے۔

روح افزا۔ (دروازہ کھول کر) امی جان آج بڑی خوش ہیں۔ کہتی تھیں کہ بس اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ اب بالکل سبکدوش ہو گئی ہوں۔ استانی جی سے باتیں ہو رہی ہیں۔ دولھا کا جوڑا دیکھا آنکھ نہیں ٹھہرتی ہے بڑی لاگت آئی ہے۔ ابھی امی جان کے دل کے موافق نہیں ہے۔ کسی نہ کسی تدبیر سے اور روپیہ ضرور خرچ کریں گی۔ اب ان کے بقول ان کو طمع کس کی ہے۔

پلا ساقی مئے دوشینہ ہم کو ۔۔۔ کہ تا ہو برہمی سوزِ اَلم کو
جھکے مینا صُراحی پھر صدا دے ۔۔۔ مزے کچھ اور عرض مدعا دے
شبو ہوں جبہہ سا بالائے ساغر ۔۔۔ کف ہر رند میں ہو پائے ساغر
نیا شیشہ، نیا خم، اور بھر لا ۔۔۔ ارادہ دیکھ پھر میری ہوس کا
یہاں تک دے کہ مے مہکے دہن سے ۔۔۔ برابر کیف اُبلے ہر سخن سے
کہ آنکھیں کیف مستی سے ہوں لبریز ۔۔۔ زباں ہو جانب مطلب گہر ریز
ادھر بھی اب تو ساقی مہربانی ۔۔۔ کہ ہے اُمڈا ہوا جوشِ جوانی
نگاہیں دیکھتی ہیں روئے ساغر ۔۔۔ بہکتی ہے توجہ سوئے ساغر
غنیمت ہے دمِ مستی جو آئے ۔۔۔ کہ مینا بی ذرا جوبن دکھائے

سرور افزا مزاجِ گفتگو ہو
بیاں یوں التماسِ آرزو ہو

جب برات دولھا کے گھر واپس گئی آزاد فرس پری زاد سے اترے۔ سکھپال مہریاں ڈیوڑھی میں لیں۔ دولھا کی بہنیں آئیں۔ دروازہ بند کر لیا۔ آزاد نے عروسِ نسرین بدن غنچہ دہن کو سکھپال سے اتارا۔

گود میں اٹھایا۔ پہلے بہنوں نے کئی منٹ تک دروازہ بند رکھا۔ جب خاطر خواہ نیگ پا چکیں دروازہ کھول دیا عروس مہ وش بارہ دری میں آئی۔ اس کے دوپٹے پر دولہا سے نماز پڑھوائی۔ پھر آئی۔ دولہا نے سات بار اپنے ہاتھ سے چٹائی۔ بڑی بوڑھیوں نے رونمائی دی۔ ؎

طبیعت پھر ہوئی مے کی طلب گار
کہاں ہے محسن رندان سرشار

کدھر ہے صاحب خم مالک جام
کدھر ہے یار مے نوشان بدنام

ملا ساقی لب مینا دہن سے
کہ وقت گفتگو ہے انجمن سے

طبیعت کے ہیں ساقی پھر اشارے
کہ ہوں اس پردے والے کے نظارے

کدھر ہے اے مرے ساقی کدھر ہے
کہ ساماں اور ہی پیش نظر ہے

سنبھل ہاں پھر سنبھل قربان ساقی
کہ ہم پھر ہیں ترے مہمان ساقی

نہ نکلے منہ سے کچھ جز اس کے لا جام
نظر آنے لگیں مستی کے آرام

دکھا ساقی ہمیں پھر مے کا جوبن
اسی مقبول خاطر شے کا جوبن

مئے گلگوں کا دم بھرتی ہے ساقی
ہوس اٹکھیلیاں کرتی ہے ساقی

آزاد فرخ نہاد نے قطع منازل، وطی مراحل صد ہا سختیوں و انواع و اقسام کے مصائب کے بعد خدا خدا کر کے یہ روز سعید دیکھا۔ کہ حسن آرا سی حور وش کو بیاہ لائے۔ دولہا دلہن دونوں کا بحرِ جوش طغیانی پر تھا دونوں فرط طرب سے جامے میں نہیں سماتے تھے۔ باغ باغ ہوئے جاتے تھے۔ دفور نشاط و غایت انبساط سے دونوں کی آنکھیں اشک بار، دونوں چشم درراہ انتظار، یا خدا کہیں جلد لیلیٰ مشکیں پرند شب جلوہ گر ہو، سریر عرش پر اجلاس بانوے قمر ہو۔ آغوش لبریز گلہائے مراد ہو۔ ادھر دولہا ادھر عروس پری زاد ہو۔ آزاد پاشا نے حمام کیا، اور لباس فاخرہ زیب بدن کر کے دیوان خانے میں آئے۔ احباب بذلہ سنج، مرنجان مرنج، نے مذاق کرنا شروع کیا۔ عرصہ دراز تک چہل پہل رہی، اور ادھر بارہ دری میں بیگمات شوخ طبع کچھ اور ہی فکر میں تھیں۔

مہ لقا۔ اتنا دق کرنا کہ پانوں پڑنے کی نوبت آئے۔

گلشن آرا۔ وہ تو خدا ہی نے کہا لات تو ہونے دو۔

مغلانی۔ اے نہیں کاہے کے واسطے عیش میں خلل ڈالے کوئی۔ برسوں پاپڑ بیلے ہیں دولہا نے۔

گلشن۔ تم میں تو بی مغلانی اب گرمی نہیں رہی ہے۔ تم تو سو برس سے کچھ اوپر ہی اوپر ہوگی۔ تم کو ہماری

باتوں میں کیا دخل ہے۔

مغلانی۔ دیکھ لیجئے گا جو چھیڑیں گی وہی پچھتائیں گی۔

مہ لقا۔ خیر آپ کی بلا سے۔ ہم بھگت لیں گے۔

بی جان۔ آج کا دن تو دق کرنے کا ہے ہی۔

مہ لقا۔ کسی دروازے کی چول بودی ہو تو دل لگی ہے۔

گلشن۔ کمرے کے دروازے کی کنڈی ڈھیلی رہے، مگر یہ اس طرح کارروائی ہو کہ دولھا کانوں کان نہ سننے پائیں۔ ایسا نہ ہو پہلے سے کچھ بندوبست کر لیں۔

مہ لقا۔ بی مغلانی سے قسم لو کہ کسی سے ذکر نہ کریں۔

اب سنیے کہ لطیفن شہر کی دو مشاطگان پرفن نے جو اس پیشے میں کمال رکھتی تھیں۔ ڈلھن کو اس لطافت سے سنوارا کہ کل حاضرین وناظرین ——— ، اور کل بیگمات و مخدرات عش عش کرتی تھیں۔ اور اب سب متفق الرائے تھیں کہ جیسے کدیور جہاں آفرین نے لفظ کن سے دنیا کو نمودار کیا اور ما فیہا کو آشکار کیا۔ حسن آرا کی سی حسینہ وجمیلہ برق کردار، حور نژاد، رو کش خوبانِ نوشاد، خلق میں خلق نہیں ہوئی۔

ایک۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ کیا شکل وصورت ہے۔

دوسری۔ اللہ رکھے اس حسن کی کوئی دوسری دکھا تو دے۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ

تیسری۔ اسی صورت نے تو دولھا کو روم بھیجا تھا۔

چوتھی۔ اس ملک بن تو ان کا جواب نہیں ہے بہن۔

پانچویں۔ مگر اللہ جانتا ہے اگر جواب دینے والا کوئی ہے تو دولھا ہیں۔ مردوں میں۔ عورتوں میں یہ۔

الغرض دولھا دلھن دونوں کی مراد دلی بر آئی یعنی عائل روز نے کوچ کی ٹھہرائی، جب عروس جہاں افروز مہر خلوت کدۂ مغرب اور حجلۂ آرام میں متمکن ہوئی۔ خاتون صدر آرائے انجمن انجم یعنی ماہ سراپا رفاہ نے سریر مینا کار سپہر پر جلوس فرما کر مسند نور تمامی آفاق پر بچھائی۔ لیلائے لیل نے بخوبترین وجہ جلوہ گری فرمائی۔ آزاد فرخ نہاد خلعت مملوکانہ خوش قماش سے مخلع اور انواع واقسام کے عطر وخوشبو سے معنبر ہوئے، اور اُدھر وہ جادو جمال، پری تمثال، سحر مثال یعنی عروسِ زلیخا لقا حسن آرا بیگم ہفت آرائش سے مزین اور اعلیٰ پیرایش سے مشتین ہوئیں۔ کوئی بولی۔ عورت کیا مجسم نور ہے۔ کسی نے کہا بہن یہ تو جنت کی حور ہے۔ الٰہی یہ رخسار تاباں ہے یا قمر ہے۔ عارض جاناں ہے یا نگار خانہ سحر ہے

نگار خانۂ صبح است ایں نہ رخسار ست   نگاہ کن ورق سادہ چہ پر کار ست

گوڈھی سر جھکائے گردن نیوہڑائے بیٹھی تھی، مگر اس سکوت میں بھی عجب ادا تھی۔

نگاہ مست تو آں را کہ مستفید کند

ہزار پیر خرابات را مُرید کند!

جانی بیگم نے نازک ادا سے کہا۔ بہن جی چاہتا ہے گلے لپیٹ کے سینکڑوں چھیاں لو۔ پھر جب ہم عورتوں کا یہ حال ہے تو مردوں کا حال ظاہر ہے۔

آزاد دست بدعا تھے کہ یا خدا کہیں جلد آفتاب پردۂ خفا میں منہ چھپائے۔ عروسِ ماہ سریر پر جلوہ فرمائے، بحرِ طرب انبساط کا جوش ہو۔ آزاد شاد محبوب مطلوب سے ہم آغوش ہو۔ شب عروسی کا حال لکھتے ہوئے قلم کی باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ ہر در و دیوار سے مبارکباد کی صدائیں آتی ہیں۔

اللہ اللہ آج کیا سماں عرصۂ گیتی رشکِ باغ جناں ہے۔ جوش پر حسن بہار، صحن گلشن قدرتِ پروردگار، گلوں کا جوش، بلبلوں کا خروش، ہواؤں میں لطافت، پھولوں میں طراوت، نہریں جاری، بندوں پر لطفِ باری، سبزہ و گل کا وفور، فیض نامیہ سے عالم معمور، بلبلوں کی صدا، معجزۂ عیسوی سے زیادہ۔ پھولوں کی خوشبو جان بخشنے کو آمادہ، طاؤس نگارین صحن گلشن میں خوش خرام۔ سبزۂ زمردیں طائرروح کے لیے دام۔ دستِ چنار طلب ساغر میں دراز۔ شقائق میں ساقی کا انداز، شبنم کے موتیوں سے گوشِ گل کو آرائش۔ بارانِ رحمت سے نباتات کو افزائش۔ موروں کی بہجت انگیز صدا۔ شاہدانِ چمن کی رنگین ادا۔ نرگس کی آنکھ، چشم بد دور، گلاب پر شبنم نورٌ علیٰ نور۔ گل کے نازک کرشمے، آب صاف کے لبریز چشمے، غنچوں کا چٹکنا۔ پھولوں کا مہکنا، آتش گل کی گرمی۔ بادِ شمال کی نرمی، چار طرف عالم آب۔ دوش فلک پر بارانِ سحاب، گل کو وہ ابتہاج کہ جامے میں نہ سمایا۔ لالہ ایسا مست کہ دستار کا ہوش نہ آیا۔ سوسن کی یہ مستی کہ کس زبان سے بیان کروں۔ نرگس کا خمار آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ کیا عیاں کروں۔ شاہدان چمن کا نور ماشاءاللہ چشم بد دور۔ خاک میں خاصیت اکسیر، پانی میں آب حیات کی تاثیر۔ آب شبنم کا طغیان۔ آتش گل کا طوفان بلبلوں کی صفیر۔ اہتزاز بخش پرتاثیر، حوض مصفا۔ آئینۂ قدرت پروردگار۔ دامن صبا عکس ریاحین سے گلزار صورت دیوار نے تیور سنبھالے۔ طائر تصویر نے بال و پر نکالے۔ موتیا کی خوشبو سے مُردوں میں جان آئی۔ شاخ کہن پھل پھول لائی۔ لطف ہوا نے اعجاز عیسوی دکھایا۔ آہن دلوں کو موم بنایا۔ نرگس کو خدا چشم بد سے بچائے۔ سوسن کو زبان پر نہ چڑھائے۔ سورج مکھی آفتاب پر چشمک زن۔ صحن چمن اس کے پرتو سے روشن۔ سبزے کے عکس سے کون و مکاں ہرا بھرا۔ نہروں کو دریائے اخضر کہیے تو بجا۔ دیدۂ دامِ صیاد لطافت ہوا سے نرگس پر چشمک زن۔ چوب قفس نزاکت و نرمی سے رشک افزائے

شاخ یاسمن، کاتب قدرت نے نرگس کے قلم سے خطِ گلزار لکھا۔ باغبان بہار نے نافرمان کو مہر داغ لالہ سے مزین کیا۔

عالم میں ایسی شگفتگی آئی کہ دشمنوں کے دل میں گرہ نہ پائی۔ ہر شجر پر گمان نخل طور، صحن گلشن عالم نور مشتاقوں کی زبان پر ارنی کا فسانہ۔ برگ گل کے لبوں پر لن ترانی کا ترانہ۔

جام لالہ بادۂ شبنم سے لبریز۔ آتشِ گل آتش موسیٰ سے تیز۔ کمال پر عروج بہار، خزاں کے دل میں حسرت کا خار، گناہگاروں کے نامے دھوئے گئے۔ سیہ کار سفید رو ہو گئے۔ زلفِ سنبل کا شہرہ ختن میں۔ گوہر شبنم کا چرچا عدن میں۔ زاغ سیاہ طاؤس گون، بوم شوم ہمائے ہمایوں فتور، عالم کہن گیا۔ خارستان نسترن زار بن گیا۔

ادھر لیلائے مشکیں پرندِ شب، بزم فلک میں جلوہ گستر ہوئی۔ اُدھر پیشکاران قانون داں اور خواصانِ باادب نے دولہا دُلھن کی یکجائی کا اہتمام کیا۔ عروس گل رخسار نَدرو رفتار کو کہ ہر صفت آراستہ سے مزین تھی۔ چاندی کی پلنگڑی پر سُلایا۔ آزاد شیر دل شیر مرد کو بلوایا۔ گل رعنا کو عندلیب شیدا کے سپرد کیا۔ اور اپنا اپنا راستہ لیا۔ جب دولہا کو تنہائی میں چھوڑا تو حیا اور شرم نے مُنہ موڑا۔ اُدھر بانویان نوخیز و گل بدن، تاک جھانک کرتی تھی۔ عیش و نشاط کا دم بھرتی تھیں۔ آزاد کو اُس وقت نشۂ بادۂ جوش نے ایسا مست کر دیا کہ تاک جھانک کی پروانہ کی۔ مگر دُلھن نے کئی بار آہستہ سے ہاتھ جھٹک کر آنکھوں کے اشارے سے منع کیا کہ عجلت کا نتیجہ پشیمانی ہے۔ کہ تعجیل کار شیطانی ہے۔ ان کا اصرار، ان کا انکار، ادھر شوق کی افزائش، ادھر حیا کی فہمائش، دولھا کا بے تابانہ ہاتھ بڑھانا، دلھن کا ہاتھ اور منہ کے اشارے سے سمجھانا۔

الغرض عجب مزے کی بات تھی۔ زیادہ کیا لکھیں۔ پردے کی بات تھی۔ چوتھی کے دن عروسِ رنگین ادا حسن آرا بیگم کا چھوٹا چچازاد بھائی۔ دلھن کو لینے آیا۔ چوتھی بھی بڑی دھوم دھام اور کروفر سے آئی تھی۔ بیس پچیس فیل کوہ رفعت۔ اسپ تیز گام، عقاب ہیئت۔ جلدیں اقتراح مانوس۔ جب چوتھی آئی دولھا والوں کی طرف سے میراثنوں نے گالیاں دیں۔ دلھن کے بھائی کے آگے چوبھار کھا گیا۔ اس نے ڈومنیوں کو نیگ بخشا۔ بھرپور انعام دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حسن آرا بیگم میکے تشریف لے گئیں۔ جانی بیگم اور نازک ادا بیگم اور ان کی بہنوں روح افزا اور سپہر آرا اور بہار النسا اور جہاں آرا اور گیتی آرا اور جہانوں اور بیگمات نے ان کے آنے سے دلی خوشی ظاہر کی۔ دیر تک چہل پہل رہی۔ بعد ازاں دلہن نے حمام کیا اور مشاطگان ذہین نے سنوارا دس بجے آزاد فرخ نہاد سسرال آئے۔ بہنیں، ممانیاں وغیرہ ہمراہ تھیں۔ خوانوں میں منقش کے

گیند اور پھولوں کے گیند آئے۔ حسن آرا کے دست نازک پر کھیر رکھی اور دولھا سے کہا چاٹ لو۔ جیسے ہی آزاد نے منہ بڑھایا نازک ادا نے کہ پردے کے پاس ڈہکانے کے لیے منتظر کھڑی تھیں۔ فوراً دلھن کا ہاتھ ہٹایا۔ جب کئی بار اسی طرح ڈھکایا تو بڑی دل لگی ہوئی۔ اور سمدھنیں یوں کہنے لگیں۔

مبارک محل۔ اے ہے کیسا ندیدہ دولھا ہے لوگو۔

نازک ادا۔ اس کو کھیر کبھی نصیب ہی نہ ہوئی ہے۔

جانی بیگم۔ کس لالچ سے بے چارا منہ لپکاتا ہے۔

نازک۔ آج تک کبھی کھیر کھانے کی نوبت نہیں آئی۔

جانی۔ حلوا خوردن را روئے باید۔

نازک۔ یہ منہ کھائے چولائی۔ واہ رے ندیدے۔

بہن۔ (دولھا کی) ندیدے بنتے ہو شرم نہیں آتی۔

دوسری۔ اے ہاں۔ پکڑ لو ہاتھ۔ ڈرتے کیا ہو۔

نازک۔ کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ بھیڑ بن چکے ہیں۔

جانی۔ بھلا کہیں شیروں کے مقابلے میں چل سکتی ہے۔

بہن۔ (دولھا کی) اللہ جانتا ہے ہمیں شرم آتی ہے۔

دوسری۔ اے ہاں پکڑ نہیں لیتے ہاتھ۔

دولھا نے منہ لپکا کر ہاتھ بڑھایا مگر بے سود۔

نازک۔ (قہقہہ لگا کر) شرمائے تو نہ ہو گے۔

جانی۔ (کھِل کھِلا کر) بے حیا کی بلا دور۔

مبارک۔ اب کی تو مارے شرم کے عرق عرق ہو گئے۔

دولھا نے جھلا کے ہاتھ پکڑنا چاہا مگر نازک ادا نے جلدی سے ہاتھ ہٹا لیا۔

جانی۔ لینا بالکل ہی ندیدہ ہے۔ اے ہے۔

بہن۔ (دولھا کی) اے واہ ہے تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔

جانی۔ حیادار ہوں تو شرم آئے۔ ندیدے کی طرح کھیر پر گرے پڑتے ہیں۔

بڑی بیگم۔ بس اب ڈھکا چکیں۔ زیادہ دق نہ کرو۔

اس رسم کے بعد دولھا نے سات بار پھولوں کی چھڑیاں دُلھن کے کاندھوں پر چھوائیں۔ مگر بہت ہی

آہستہ آہستہ کہ جسم نازک کو گراں نہ گذرے۔ عروس گلبدن کی نزاکت اس درجہ بڑھی تھی کہ پھولوں کی چھڑیاں بھی ناگوار نہیں۔ اس کے بعد دلھن کے ہاتھ میں چھڑیاں دیں اور نازک ادا نے خوب زور سے میاں آزاد پر ہاتھ صاف کیا اور ہنس ہنس کے دلھن کے ہاتھ سے نکالیں۔

بہن۔ (دولھا کی) کیا مفت کا بدن پایا ہے۔

دوسری۔ اس بے رحمی کے قربان۔ واہ صاحب واہ۔

نازک۔ کسی کی چاند سی بیٹی بیاہنا دل لگی نہیں ہے۔

جانی۔ اور ایسے ہی تو دولھا نازک بدن ہیں نہ۔

نازک۔ اے ہے۔ بڑے بیچارے دبلے پتلے۔ ان کے دشمن گھل گھل کے ہانتھی ہو گئے ہیں۔

اس فقرہ پر بڑا قہقہہ پڑا۔ اور دولھا کی بہن نے کہا جی ہاں سچ ہے۔ پرائے بدن پر ایسی ہی سوجھتی ہے۔ کسی پر ایک آدھ پڑے تو قدر عافیت معلوم ہو۔ خیر۔ اب پھولوں کے گیند آئے۔ بعد ازاں مقیش کے گیند سے کھیلا، اور جب ترکاری اُچھلی بڑی دھینگا مشتی ہوئی۔ نازک ادا اور جانی بیگم نے تان تان کے ترکاریاں لگائیں۔ جب آزاد نے دیکھا کہ یہ دونوں بتانِ شوخ اس زور سے ترکاری ناک تاک کے لگاتی ہیں کہ چوٹ آتی ہے، تو ان سے بھی نہ رہا گیا انھوں نے بھی پردے میں بیگن پھینکنے شروع کیے۔ کسی کی آنکھ پر پڑا۔ کوئی کھڑی ہو گئی۔ کوئی بھاگی۔ کوئی مارے گھبراہٹ کے گر پڑی۔

بڑی بیگم۔ بس بس ترکاریاں ہٹا دو۔ عباسی سنتی نہیں۔

استانی۔ اے ہے کیا ہڑ دنگا کھیل ہے اوئی۔

عباسی۔ حضور لونڈی کی تو کوئی سنتا ہی نہیں۔

بڑی۔ اے از برائے خدا نازک ادا۔ ہائیں ہائیں۔

جانی۔ دولھا کو تو ڈانٹے کوئی۔ ہم کیا کریں۔

بہن۔ (دولھا کی) پہل کس طرف سے ہوئی۔

بڑی۔ اب کسی نہ کسی کے چوٹ ضرور آئے گی۔

ڈومنی۔ حضور اس چوٹ میں ذری بھی درد نہیں ہوتا۔

استانی۔ ہٹا دو۔ ہٹا دو۔ بس اب تک اُچھل گئی۔

جانی۔ جو بات ہم چاہتے تھے وہ تو ہونے ہی نہیں پائی۔

آزاد۔ (جھلا کر) پردے کے باہر آئیے تو معلوم ہو۔

جانی - اخاہ گھول کے پی جائیں گے جیسے زور سے ترکاری تاک کے لگائی تو رخسار چپ پر پڑی۔)

آزاد - جھلا کر جواب دینے ہی کو تھے کہ یہ آواز آئی۔

اے واہ مردوے۔ عورتوں اور رسموں پر کوئی جھلاتا ہے۔ آزاد مسکرا کر بیٹھ گئے اور ترکاریاں ہٹا دی گئیں۔ اس رسم اور چہل اور ہڑ دنگے کے بعد دولھا نے دُلھن کا کنگنا کھولا۔ اور دلھن نے دولھا کا دلھن کا کنگنا سات گرہ کا تھا اور دولھا کا صرف ڈھائی گرہ کا۔ حسن آرا نے صرف برائے نام ہاتھ لگایا۔ ڈومنی نے دولھا کا کنگنا کھول دیا۔ مگر آزاد کو کسی نے مدد نہ دی۔ بڑی دقت سے دیر کے بعد کھلا۔ اس قدر سخت گرہیں پڑی ہوئی تھیں کہ کئی منٹ کا عرصہ ہوا۔ بعد ازاں سہاگ پٹرے میں دو ڈلیاں رکھیں۔ لگن میں دوب پان کا بیڑا۔ چاول۔ ڈومنی نے پھینکا اور دولھا دلھن سے کہا روکو۔ دلھن کی طرف سے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر روک لیتی تھیں۔ اور دولھا کی جانب سے خود میاں آزاد آہستہ سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔

ڈومنی - ہماری دلھن عمر بھر غالب رہیں گی۔

مبارک محل - اس میں کیا فرق ہے وہ تو ظاہر ہے۔

نازک ادا - میاں سے تو ایک مرتبہ بھی نہ روکا گیا۔

جانی - تمام عمر دُلھن کی جوتیاں سیدھی کریں گے۔

آزاد - خیر سمجھا جائے گا۔ مطلب سے مطلب ہے۔

جانی - کیا مجبوری ہے (مسکرا کر) کیا ناچاری ہے۔

دولھا - ہم تو وہ بات کرتے ہیں جس میں سب خوش ہوں۔

جانی - غلامی کی سند لکھ دو۔ وہ مطلب یہ کہ اتنا لکھ دو کہ ہم آج سے دلھن کے غلام ہوئے۔ ع

حکم جوروئیم بہ از حکم خداست
ہر چہ جوروئیم بفرماید رواست

یہ شعر اپنے ہاتھ سے لکھ دو۔

اس چہل پہل اور مذاق کے بعد دولھا باہر جانے لگے مگر جوتا ندارد۔

آزاد - (ادھر ادھر دیکھ کر) اچھی دل لگی ہے۔

روح افزا - (مسکرا کر) کیا ہے کیا۔ کچھ گھبرائے سے معلوم ہوتے ہو۔

آزاد - خیریت تو معلوم ہو گئی۔ مسکراتے ہوئے۔

نازک۔ میاں بہن کے آئے تھے یا لیے پھرتے ہو۔

بہن۔ وہ بہن کے آئے تھے یا نہیں اس سے کیا غرض ہے مگر ڈھیر دمڑی کی یا نڈسی۔

یورپین کی دعوت

چوتھی اور چالوں کے بعد میاں آزاد نے اپنے یورپین احباب کی دعوت کی۔ اسٹیشن کے معزز حکام سول و فوجی اور یورپین افسران سرکاری اور معزز جنٹلمین، رونق افروز جلسہ ہوئے۔ کھانے کے بعد اسپیچیں دیں اور آزاد پاشا کی سب نے تعریف کی۔ جس کے جواب میں آزاد نے یہ تقریر کی۔

اسپیچ

ایہا السامعین۔ ان معزز جنٹلمینوں نے جو تقریب اور تحریک جام نوشی میری تندرستی کی نسبت فرمائی ہے وہ ان الفاظ میں بیان کی جن پر مجھے فخر کرنا چاہیے۔ جس گرم جوشی اور محبت سے آپ نے جام تندرستی پیا اس سے میں اپنی نسبت خیال کرتا ہوں کہ میں معمولی طرز کا آدمی نہیں۔ بلکہ کوئی فرشتہ ہوں۔ لیکن خوشی مثل گھڑی کے ہے جس میں تمام چیزیں اس کے اس طرف کی اپنے اندازہ اصلی سے بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ آج کی میری یہ مسرت ایسی زیادہ ہے کہ اگر میں ان امور کی نسبت جو خود اپنے کانوں سے سنتا ہوں، شک کروں، تو بلا شک کفران نعمت ہے۔ علی الخصوص ایسے امور کی نسبت جو بالکل میرے حق بجانب ہیں۔ قول مشہور ہے کہ کامیابی سے بڑھ کر کوئی شے نہیں۔ الا میری حالت ایسی تھی کہ اگر ایک مرتبہ بھی ذرا چوکتا تو باعث بربادی اور خرابی کا تمام عمر کے لیے ہوتا۔ علاوہ بر آں میرے حق میں ایک امر ایسا باعث اشتعالک۔

بفحوائے مسئلہ عربی کے کہ الامر فوق الادب اس سے بڑھ کر مسلمان کے واسطے کون شے زیادہ تر باعث نیک نامی و فخر ہے کہ اپنی جوانی کے ایام بجا آوری خدمت اسلام میں صرف کرے۔ جنگ حال جو مابین روس اور روم کے تھی اس سے صرف یہی غرض نہ تھی کہ روم کا مقابلہ روس سے بلکہ اس میں اور بڑے بڑے نتائج پیچیدہ متعلق تھے۔ یعنی یہ امر ایسا تھا کہ زبردست کا مقابلہ زیردست سے آن پڑا تھا۔ ایک طاقت ور تھا اور دوسرا حق بجانب، چنانچہ میں نے اپنا کار مفوضہ اسی طرح انجام دیا جیسے کہ آپ لوگ بحالت موجودہ حیثیت میں ادا کرتے۔

آپ اس جنگ کے حالات کے جو ظلم اور زور پر مبنی تھے برابر ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور جو کچھ نتیجہ جنگ

بر روئے کار آیا وہ ویسا ہی تھا جو بیشتر سے خیال کیا جاتا تھا کہ ہوگا۔ جس صورت میں کہ نفاق باہمی اور رشوت ستانی ایک فریق میں جاری تھی۔ اور دوسرے فریق کی جانب فوج کثیرہ اور زرِ نقد بے حساب تو ملک روم کا کام آخر ہونے کے سوا اور کیا ممکن تھا۔ ہر چند کہ روم کو شکست نصیب ہوئی لیکن نہایت دقت اور نیک نامی کے ساتھ۔ میں خود ہر ایک معرکہ کارزار میں موجود تھا اور جنگ پلونا میں میں نے نامی گرامی سپہ سالار کا سکون کو نیچا دکھایا۔ اُن ہر ایک گھماسان لڑائیوں میں میرے لیے یہ امر غیر ممکن تھا کہ ایک رومی سپاہی کو دوسرے سپاہی سے امتیاز کر سکوں۔ ایسے دلیر جری سپاہی عمدہ عمدہ فوج یورپ میں بھی نہ ہوں گے۔ ایسا ممکن تھا کہ یہ آفت روم پر بوجہ مستعدی اور دلیری، سپاہیان اور غیر متعہد افسران روم کے نہ آنے پاتی۔ الّا یہ سپاہی اور غیر متعہد افسر اکیلے جو کہ نالائق جرنیلوں کی ماتحتی میں تھے روم کی بہتری کے لیے کیا کر سکتے۔ میں نے رشوت ستانی اہل روم کی نسبت بہت کچھ پڑھا اور سُنا تھا۔ لیکن جو کچھ میں نے بچشم خود وہاں جا کر دیکھا اُس سے کہیں بڑھکر خراب پایا۔ اکثر لڑائیوں میں روم کو اس سبب سے شکست ہوئی کہ جنرل بطمعِ زر روسیوں سے مل گئے۔ روسیوں نے بزور تیغ کم مگر بزور زر زیادہ فتح پائی۔ مجھ کو روم سے محبت ہے اور اسی ہمدردی کے سبب سے میں لڑا۔ اگر پھر ضرورت ہو تو میں ضرور اس کی طرف سے لڑوں۔ الّا میرا تیغ بدست ہونا، ویسا ہی ہوگا جیسا کہ کوئی شخص مرتا کیا نہ کرتا کیونکہ ایسی قوم کی مدد کرنے سے جو خود اپنے لیے کوشش اور مدد نہ کرے کیا ہو سکتا ہے۔ کانٹینٹل یورپ کے بادشاہوں نے روم کو آپس میں بانٹ لینے کے واسطے سینکڑوں حیلے پیدا کیے۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اہل روم نے خود اپنی عاداتِ کاہلی سے ان کو اس امر کے لیے شیر نہیں کر دیا ہے۔ اس سلسلۂ بیان میں کچھ تھوڑا سا اظہار نسبت مہمات ان دو بہادر انگریزوں کے بعید از انصاف نہ ہوگا۔ جنہوں نے فوج رومی میں بہت کچھ مستعدی اور قواعدِ جنگی کے انتظام میں تعمیل کی نسبت کوشش بلیغ کی ہے۔ مجھ کو معلوم ہے کہ اہلِ انگلینڈ نے رومیوں کے ساتھ جنگ حال میں بڑی ہمدردی ظاہر کی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اس وقت رات کو ایسے صاحبان انگریز کے تشریف لانے سے صاف ثابت ہے کہ کل قوم انگریزی کو رومیوں کے معاملے میں ان کے ساتھ ہمدردی اور محبت ہے۔ میرے نزدیک اس بیان کی چنداں ضرورت نہیں کہ سلطنت روم کے قیام میں خاص انگلینڈ کے اغراض متعلق ہیں۔ مجھ کو یقین ہے اور اکثر آپ لوگوں کو بھی یقین کا درجہ ہوگا کہ اغراض انگلشیہ ممالک شرقی میں بہت بڑھ کر ہیں۔ مجھ کو اس امر کا بھی یقین ہے کہ روم کا قیام یورپ میں صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ انگلینڈ سے اتحاد قائم رکھے اور اس اتحاد کو انگلستان سے اور زیادہ بڑھا دے۔ قوم انگلشیہ نے زیر دست کی حمایت کی ہے۔

القصہ پولٹیکل امور کی نسبت اسپیچ دے کر آپ کی زیادہ مغز خراشی کرنا نہیں چاہتا ہوں، ایک مرتبہ اور میں آپ صاحبوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اور میری بیوی کی نسبت دعائیہ کلمے بیان فرمائے اور اس کے معاوضہ میں اپنی تمنا اس سے زیادہ آپ کی خوش نصیبی کے لیے بیان نہیں کر سکتا کہ جن کی آپ میں سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو ان کو اپنی معشوقہ کے ساتھ وصل نصیب ہو آمین ثم آمین۔

تولد فرزند ارجمند و خجستہ خصال بہ مشکوی دولت آزاد بلند اقبال

لیا ہے صبح دم اٹھ کر ترا نام
رہے تا شام ساقی گردشِ جام

کہیں بحرِ سخاوت جوش میں آئے
کہ ساقی آرزوئے دل نکل جائے

کوئی ساغر عطا اے مہرباں کر
دل پر غم کو ساقی شادماں کر

رہا جب تک تری محفل میں ساقی
پیے جائیں یہی ہے دل میں ساقی

ہزاروں کو پلائے سینکڑوں جام
رکھ ایسے دور میں ہم کو نہ ناکام

چار مہینے تک آزاد فرخ نہاد اور حسن آرا پریزاد نے نہایت عشرت اور غایت نشاط سے زندگی بسر کی۔ اور ان کی مسرت کا گلزار رشک فرخار مقدم بہار سے شاداب و سیراب رہا دونوں نے عہد کر لیا تھا کہ صدمۂ ہجر کی باتیں زبان پر نہ لائیں گے۔ آزاد پر جو مصیبت میدان جنگ میں پڑی تھی اور رنج فرقت نے بجلیاں حسن آرا کے دل پر گرائی تھیں اس کے ذکر مذکور کی قطعی ممانعت تھی۔ آزاد پاشا کی لوگوں نے اس درجہ قدر کی کہ کئی جلسوں کے میر مجلس مقرر کیے گئے اور ایک بار امتحان یونیورسٹی میں بی۔ اے اور ایم اے کے ممتحن زبان فارسی مقرر ہوئے۔ پانچویں مہینے ان کے ہاں نخل امید کے بارآور ہونے کا زمانہ آیا۔

ساتویں مہینے گود بھری گئی۔ لال رنگا ہوا دوپٹا اور سبز ریشمی پاجامہ پنہایا۔ سوہے کپڑے میں میوے اور ترکاریاں کھوپرا اور ناریل باندھ کے بڑی جٹھانی نے حسن آرا کی گود میں پوٹلی دی۔ حسن آرا نے کھڑے ہو کر پیر پیغمبروں کو سلام کیا۔ بعد ازاں بڑی بوڑھیوں کو بندگی کی۔ جب دلھن سلام کر چکی تو پھولوں کا گہنا پنہایا گیا۔ آئینے پر زرد رنگا ہوا کپڑا رکھا۔ اور دودھ سے دیکھا کہ بیٹا ہو گا یا بیٹی۔

مُنّی۔ (بوڑھی دائی)، دیکھ لینا بیٹا ہو گا۔

پُھندن۔ اللہ نے چاہا دو بیٹے ہوں چاند سورج کی جوڑی۔

روح افزا۔ پلوٹھی کی بیٹی بھی بیٹے کے برابر ہوتی ہے۔

بہار النسا۔ بیٹی کسی اور کے ہاں ہوتی ہوگی۔

تھوڑی دیر کے بعد حسن آرا نے مسّی لگائی بناؤ سنگار کیا۔ سبز کانچ کی سات سات چوڑیاں بڑی بیگم کے حکم سے پہنائیں۔ نویں مہینے خدا کے فضل سے توام لڑکے پیدا ہوئے۔ دائیوں نے میٹھے تیل کے سات چھاپے لگائے زچہ کے کپڑے بدلے گئے۔ چھٹی کے دن ڈومنیاں آئیں۔ اندر باہر خوشیاں منائیں، زچہ کو گرم پانی سے نہلایا چوکی بچھی، دو پان رکھے گئے۔ زچہ کے پانوئں کے نیچے اشرفیاں رکھیں۔ چوک بھر اگیا۔ ناک میں نتھ پہنائی۔ زچہ کی گود میں بچہ دیا گہنا پہنایا۔ افشاں چنی گئی۔ سرِ شام زچہ اور بچوں کے سہرا باندھا اور تارے دکھلانے چلے۔ صحن میں ایک چوکی بچھی تھی۔ زچہ کی گود میں سمو چاناریل اور نترکاریاں دیں، حسن آرا نے سات تارے گنے۔ چاروں طرف کھیلیں پھینکیں۔ چاروں کونوں کو سلام کیا جب حسن آرا کمرے میں آئیں دولھا نے جو پلنگ پر متمکن تھے دلھن کو بیٹھنے نہ دیا۔ سالیوں سرہجوں سے بھرپور حق لیا اس کے بعد آزاد نے چھت پر مرگ مارا اور پلنگ پر دُلھن کے پاس بیٹھے تو حُسن آرا نے گود میں بچوں کو دیا۔ تمام شب جلسہ رہا۔

نازک ادا۔ ایک بات تو بھول ہی گئے۔ بچّوں کے کان میں آذان نہیں دلوائی۔

روح۔ اماں جان سنیں گی تو ان کو بڑا خیال ہوگا۔

نازک۔ اے اب کسی کو بلوا کے اذان دلوادو۔

عباسی۔ میں بیگم صاحب کو اطلاع دیے دیتی ہوں۔ جب آزاد پاشا کی والدہ ماجدہ کو خبر ہوئی فوراً ایک بوڑھے مولوی صاحب کو بلوایا۔ انھوں نے دونوں بچوں کے کانوں میں اذان دی۔ قند کا کوزہ اور چاول اور پانچ اشرفیاں انعام دی گئیں۔

حسن آرا۔ اب پھولوں کا گہنا بڑھایا جائے۔

روح۔ ہاں دریا بھیجو کسی کے ہاتھ۔ الغرض بڑی چہل پہل رہی۔

خاتون مہ لقا مس میڈا اور تھیا سوفکل سوسائٹی

تین برس کے ریاض شاقہ کے بعد اس عفیفہ اور خوب رو مس نے اردو اور فارسی اور سنسکرت میں اس قدر قابلیت حاصل کی کہ ان سب السنہ میں آسانی کے ساتھ عبارت لکھنے اور لکچر دینے لگیں۔ مس کلیرسا اشاعت امورِ نیک کی غرض سے کلکتے کی طرف روانہ ہوئیں اور مس میڈا بمبئی میں آئی کہ پارسی لیڈیوں سے ملیں اور دیکھیں کہ انھوں نے کس قدر ترقی کی ہے۔ یہاں جس جس کے مکان پر گئیں اور جس جس امیرزادی سے ملیں اس سے خاتون بلقیس منزلت میڈم بلوٹیسکی کی بڑی تعریف سُنی۔

لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ خاتون عالمہ اس ملک کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور انھوں نے

عزم بالجزم کرلیا ہے کہ ہندوستان کی لیڈیوں اور جنٹلمینوں کی ترقی میں ساعی بالخیر ہونگی - یہ خبر سنکر دوسرے روز میں میڈ امیڈم بلوٹیسکی کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ کی انجمن تھیاسوفی کی میں نے بہت کچھ تعریف سنی ہے اس کے ذریعہ سے جو فائدے اس قلیل زمانہ میں اہل ہند کو حاصل ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں اظہر من الشمس ہیں بنی نوع انسان اور خصوصًا اہل ہند کو اخلاق سکھانے کا عمدہ وسیلہ ہے اور سب ملکوں سے ہندوستان میں باہمی اتفاق اور محبت کی بہت ضرورت ہے - مذہب اور ملت اور قوم کا اختلاف کیا کم مضر ہندوستان کے حق میں تھا کہ اس پر طرہ یہ ہوا کہ ہر ایک مذہب میں صدہا فرقے اور ایک ایک فرقے میں بیسیوں شاخیں پیدا ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں - برہمنوں میں پچاس فرقے ہیں گوڑ اور سان کبھ اور سناڈ اور تیواری اور مصر اور سارسوت اور چوبے اور دوبے اور ان سب میں بھی شاخیں ہیں - آٹھ قنوجیا اور ۹ چوٹھے کنتھبر کے برہمن اور مرہٹا برہمنوں میں اختلاف کا پنتھوں میں سب کا حقہ ایک نہیں - ٹھاکروں میں صدہا فرقے - یا الٰہی اس کا نتیجہ صاف ہے کہ ایک کو دوسرے سے بالکل ہمدردی نہیں یا کہ آپس میں ایک دوسرے کے درپے تخریب رہتے ہیں - یہاں کے حالات سنکر اور خرابیاں بچشم خود دیکھ کر دل میں جوش میں آتا ہے اور یہی جی چاہتا ہے کہ اپنی عمر کا بقیہ حصہ ہندوستان کی اصلاح میں صرف کروں اور اگر کامیاب نہ بھی ہوں مرتے وقت یہ خیال تو اپنے ساتھ لے جاؤں کہ ایک عظیم کار خیر میں میں نے اپنی زندگی صرف کی اور گو میرے روبرو میری کوشش کا فائدہ ظاہر نہ ہوتا ہم اہل ہند کے دلوں پر عمدہ اثر چھوڑ جاؤں - اے خاتون روس مجھ ناچیز کو بھی اپنے لائق گروہ میں شامل کر لیجیے کہ آپ کی فیض محبت سے تھیاسوفی کے عالی مضامین سے واقف ہو جاؤں اور بعد ازاں اپنا ما فی الضمیر جا بجا اور لوگوں پر ظاہر کروں اور یہ بات ثابت کردوں کہ جس گروہ انسانی کو لوگ ضعیف العقل بتاتے ہیں اس میں یہی قابلیت نہیں کہ تعلیم اور تربیت کے زیور سے اپنے باطن کو آراستہ کرے بلکہ اپنی شائستگی کی روشنی سے اس گروہ کے ظلمت کدہ دل کو منور کر دے جو باوصف تاریکی اپنے کو روشن ضمیر سمجھتے ہیں - اہل یورپ کو اپنے دلوں میں یہ زعم ہے کہ ہمچو من دیگرے نیست - مگر ہندوستان کے علوم قدیم ونفیس جن سے قوائے باطنی آراستگی پاتے ہیں ان سے وہ لوگ بالکل محروم ہیں میڈم اس لیڈی کی یہ تقریر سنکر دل میں نہایت خوش ہوئیں اور بڑے لطف سے متوجہ ہو کے یوں جواب دیا - اے نوجوان بہن ہماری انجمن کی شرکت کے لیے ممکن ہے کہ مختلف خواہشیں ہندوستان کی لیڈیوں کو مائل کریں - مثلاً اگر کسی لیڈی کا شوہر یا بھائی یا اور کوئی عزیز قریب تھیاسوفی کی انجمن میں شریک ہے تو وہ لیڈی بھی

ہماری انجمن کے اندرونی حالات دریافت کرنیکی غرض سے شریک ہونے کی خواہش ظاہر کرے یا ایک محض نئی بات سمجھ کر یا اس خیال سے کہ تھیاسوفی کے حالات معلوم ہو جانے سے بہن اور لیڈیوں کے مقابلے میں زیادہ عقلمند سمجھی جاؤں گی یا وہ کشف اور کرامت دیکھنے پاؤں گی اور مثل اور بڑے بڑے بزرگوں کے خود بھی دکھانے لگوں گی جن کی قدرت صرف ہندوستان کے بعض مہاتماؤں کو حاصل ہے یا دل سے یہ تمنا ہو کہ اپنی روحانی اور اخلاقی قوتوں کو درست کر کے اپنے فرائض کو بہترین طریقے سے ادا کروں۔ اے بہن اگر تمہاری یہ آخری خواہش ہے تو خیر ورنہ اس انجمن میں شریک ہونے سے تمہارا کوئی فائدہ متصور نہیں جب تک تم اپنے دل میں یہ بخوبی سمجھ نہ لو کہ ہر ایک عمدہ بات محنت اور مشقت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس محنت اور مشقت کو بخوبی گوارا کرو۔ اس انجمن میں ہزاروں آدمی شریک ہیں مگر محض شرکت سے ان کا کوئی فائدہ متصور نہیں جب تک کہ وہ اس کے اصول پر کاربند نہ ہوں اور اپنی خراب خواہشوں اور عادات پر غالب آنیکی کوشش نہ کریں اور اپنے دل کو پاک اور صاف کر کے اوروں کو فائدہ نہ پہنچائیں۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ ہم اپنی پرانی خراب عادات کو نہیں چھوڑیں گے خود ہم کو کوئی کوشش نہ کرنی پڑے کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانی ہو۔ کوئی مہاتما ایسا معجزہ کر دے کہ جس سے ہماری خصلت خود بخود بدل جائے اور ہمارا باطن صاف اور شفاف ہو جائے۔ یہ خیال ایک امر محال ہے ہر ایک مرد و زن کو چاہیے کہ اپنی درستی اور اصلاح میں خود کوشش کرے جب تک تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہو ہم اپنی زندگی کو بہتر اور زیادہ نیک بنائیں گے تب تک ہماری انجمن میں شریک ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم دوست اور دشمن اور امیر و غریب کے ساتھ اپنا ویسا ہی برتاؤ قائم نہ رکھو رات اور دن عمدہ پوشاک اور زر و زیور کی فکر میں غرق رہو نہ اپنے چال چلن کو درست کرو اور نہ دین کے فائدے کے لیے محنت کرو تو ہماری انجمن میں شریک نہ ہو کیونکہ جب تک دنیوی برائیوں کے دھبے اپنے دل سے صاف کر ڈالنے کی کوشش نہ کرو گی تب تک اس انجمن کی شرکت سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ جو نیک مزاج اور صاف باطن لوگ ہماری انجمن میں شریک ہیں تمہاری شرکت سے ان کے ضرر کا گمان ہے۔ بعض کی خواہش ہے کہ ہماری حالت بہتر اور ہمارا اخلاق زیادہ درست ہو لیکن اس بات کے حاصل ہونے کے واسطے جو محنت درکار ہے اس کے متحمل نہیں جس طرح گنگا کے میلے میں بعض جاتری نور کے تڑکے ماگھ پوس کے مہینے میں دریا نہانے جاتے ہیں مگر سردی کے خوف سے دریا کے کنارے کچھ دیر ٹھٹکے رہتے ہیں

ادھر دل کہتا ہے کہ ثواب حاصل کرنے کا یہی وقت ہے غوطہ لگا کر اپنے جسم و جان کو پاک صاف کر لے ادھر جب سرد پانی کا خیال آتا ہے طبیعت بدل جاتی ہے اور انسان سوچتا ہے کہ خدا معلوم نہانے سے کوئی فائدہ حاصل بھی ہوگا یا نہیں اور جلدی کیا ہے کچھ دیر اور تامل کریں۔ آفتاب نکل آنے دیں دھوپ میں نہائیں گے یہاں تک کہ اسی قیل و قال میں متبرک وقت نہانے کا گذر جاتا ہے اور وہ موقع پھر ہاتھ نہیں آتا ہے۔

ہیبڈا نے میڈم کی یہ تقریر کس قدر حیرت سے سنی اور دل میں بہت خوش ہوئی۔ تھوڑی دیر تامل کر کے بصد ادب ڈرتے ڈرتے عرض کی کہ اے خاتون یہ سچ ہے کہ ہمارے دلوں میں کبھی کبھی عمدہ خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور اپنی تضیع اوقات پر افسوس ہوتا ہے مگر کیا عمدہ پوشاک اور جواہرات اور زیورات و زر ہماری روحانی اور اخلاقی ترقی کے مانع ہیں ان اشیا سے ہمارے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور بظاہر ان میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی کہ انسان سب چیزوں کو یک قلم ترک کرے اور ان کے ترک کرنے کے بعد گیروے کپڑے پہن لے۔

میڈم نے ہیبڈا کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا اور کہا کہ اے بہن روح اور اخلاق کی ترقی کے لیے کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننے کی تخصیص نہیں ہے نیک اور صاف باطن لوگ لباس سے نہیں بلکہ اپنی طبیعت اور یقین کی عمدگی سے پہچانے جاتے ہیں۔ ہماری انجمن کے یہ اصول نہیں ہیں کہ لوگ خواہ مخواہ تارک الدنیا ہو جائیں بلکہ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنی شان اور مرتبے کے موافق اپنا ظاہر درست رکھے جس سے اپنے شوہر کی نظروں میں بھلی معلوم ہو۔ غرض میرا منشا یہ ہے کہ لذائذ نفسانی میں شب و روز غرق نہ رہے ہر ایک چیز سے موافق ضرورت کے کام لے اور باقی وقت اپنے تئیں عمدہ بنانے اور روحی خوشی اور بہلانے کے اسباب زیادہ جمع کرنے میں صرف کرے۔

ہیبڈا نے نیچی نظروں سے میڈم سے یہ سوال کیا کہ آپ بالتفصیل بیان فرمائیے کہ میں کیا باتیں اختیار کروں اور کن امور سے اجتناب۔

میڈم نے کہا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اس عالم میں بہت سے اسباب خوشی کے ہیں جن سے حظ اٹھانا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن بالکل ان کی فکر میں غلطاں پیچاں ہو کر اپنی اوقات کو ضائع نہ کرو دنیوی اسباب عیش و آرام کے صرف ایک ہی حد تک کام کے ہیں۔ اس حد سے باہر ان سے نقصان ہے لیکن روحانی اور اخلاقی دولت کی خوشی لازوال ہے یہ خوشی وقت اور موت سے محدود نہیں ہے بلکہ موت کے بھی آئندہ ہر ایک قالب میں قدم قدم پر ساتھ ہے۔

میڈا نے نہایت تعجب سے پوچھا کہ یہ مرنے کے بعد کا مسلہ اور آیندہ کی خوشی کا مسلہ سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اس کو زیادہ تصریح سے بیان فرمایئے۔ میڈم نے کہا کہ صرف تمہاری ہی سمجھ میں نہیں بلکہ اور لوگوں کی سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی ہے اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔

میڈم۔ ہاں بہت لوگ ایسے بھی ہیں جو اس محدود زندگی کے دائرہ کے باہر کچھ نہیں سمجھتے۔ ہر چہار طرف ان کو تیرہ و تار یک دکھائی دیتا ہے۔ اس تماشہ گاہ عالم میں چند سال لوالہوسی میں بسر کرتے ہیں اور آیندہ بجز قبر یا چتا کے اور کچھ نہیں سوجھتا ہے۔ پسماندوں کو معلوم ہوتا ہے کہ بس زندگی ختم ہوگئی مگر جو چل بسے دراصل چند روز کے لیے تمہارے ہاں مہمان تھے ایک مقام پر سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے مقام پر بھی بڑا سفر صعب ان کو درپیش ہے۔ تم کو کیا معلوم اس دنیا میں جو نیک و بد افعال ان سے سرزد ہوئے ہیں ان کا توشہ ان کے آیندہ سفر میں ہمراہ رہتا ہے ہم سب مسافر ہیں چند روز یہاں بھی مقیم ہیں جب یہاں سے ہمارا کوچ ہوگا ہماری نیکی اور بدی ہمارے ساتھ ہوگی ہم میں سے جو محض اس دنیا کے لذائذ پر مٹتے ہیں اور مثل بہایم کے میلان ان کا ہے مرنے کے بعد بھی وہ تعلق ان کو باقی رہتا ہے اگر یہ تعلق زیادہ کثیف ہے تو ترقی کے عوض متنزل ہوتا ہے اور ایسے مسافر ہمیشہ کے واسطے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ نیچر کی عدالت میں بے انصافی کا نام نہیں کمی اور بیشی کا کچھ کام نہیں نیکی کا عوض نیکی اور بدی کا عوض بدی ہے۔ پس جو نیچر کی سیڑھی پر چڑھنے کو مستعد اور تیار نہیں ہوتے نیچے گرتے ہیں۔ گرتے گرتے تحت الثریٰ کو چلے جاتے ہیں۔ برخلاف ایسے لوگوں کے جن کے خیالات لطیف اور خواہشیں پاک و صاف ہیں اپنی روحانی ترقی ہمیشہ مدنظر رکھتے ہیں اور جب اس جسم ظاہر کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں تو نہایت اطمینان اور خوشی سے باقی سفر کو طے کرتے ہیں۔

میڈا۔ آپ کی تقریر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اپنے افعال بد کی مکافات میں تحت الثریٰ کو چلے جاتے ہیں اور بہت سے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔

میڈم۔ نہیں انسان کی زندگی میں نیک و بد اس طرح باہم آمیز ہیں کہ فرشتے اور شیطان بھی کل نیکی اور کل بدی کو علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے ہیں۔ عذاب کے تحت الثریٰ کو وہ لوگ جاتے ہیں جن میں نیکی کا جزو باقی نہیں رہتا اور جسم کی تکلیف سے وہی نجات پاتے ہیں جو مجسم خیر ہو جاتے ہیں۔ باقی اور لوگ موافق اپنے اپنے افعال کے نتائج یعنی آواگون کے مدارج باسانی اور جلد یا بدقت طے کرتے ہیں۔ ہر ایک نیک کام کا پھل آیندہ نیچر کے قواعد کے موافق

کسی نہ کسی وقت ضرور ملنا ہے ہر ایک فعل بد کا نتیجہ مثل کانٹے کے کھٹکنا یا مثل سانپ کے ڈستا ہے۔ یاد رکھو کہ اس عالم کے بحر زخار میں ہماری موجودہ زندگانی مثل ایک روز کے سفر بحری کے ہے اس سفر کی مصیبتیں اور آفتیں ہر ایک کا کام نہیں کہ بہ آسانی چل کر بیڑا پار کر لے جائے۔ گو ہر ایک کے اختیار میں ہے کہ اپنی کوشش اور سعی یعنی اپنے نیک افعال اور کردار کے ذریعہ سے باسانی سفر طے کرتا چلا جائے۔

مبتدا۔ پھر کیا کوئی مجنون ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو آنکھ بند کر کے ضائع کر دے اور عمر جاودانی کے واسطے تیار نہ ہو۔ افسوس بلکہ صد ہزار افسوس ہے۔

مبدم۔ سمجھنا شرط ہے جس کے ذہن میں یہ بات بخوبی آ جائے کہ میں کیا ہوں مجھے کیا کرنا چاہیئے اور جواب کام اور دنیا کا تماشا دیکھتا ہوا سیدھا جاتا ہوا ادھر ادھر دائیں بائیں نہ مڑے وہ راہ راست میں ایک خصلت کے جواہر بٹورتا ہوا مراحل طے کر لے گا۔

مبتدا۔ اس میں تو کسی قدر خود غرضی کی بو آتی ہے ہر ایک کو محض اپنے ذاتی فائدے کی ترغیب ہے۔ اوروں کا فائدہ اس سے کیوں کر ہو گا۔

مبدم۔ خاوند۔ ماں۔ باپ۔ اولاد اور عزیز و اقارب۔ دوست آشنا ان سب پر تمہارے افعال کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور پہنچتا ہے جو تم سے زیادہ قریب ہیں ان کی قسمت کا حصہ تمہارے اختیار میں ہے۔ ماں کا اثر اس کے بچوں پر کیا زبردست ہوتا ہے۔ بچے ابتدا میں اپنی ماں ہی کی تقلید کرتے ہیں پس اگر ماں عقلمند اور نیک ہو ممکن نہیں کہ اس کے بچے نیک اور عقیل نہ ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اپنی ذاتی بھلائی کے سوا ہم اوروں کے نیک بنانے کے ذمہ دار ہیں ہم سب کا نفع اور نقصان ایک دوسرے سے بالکل خلط ملط ہے۔

مبتدا۔ اس صورت میں تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص محض اپنی کوشش سے بالکل صاف و پاک اور ہمہ تن نیکی ہو سکے۔

مبدم۔ بیشک جب تک روح اس جسم کثیف میں قید ہے اس کی کثافت سے بالکل صاف و پاک تو نہیں ہو سکتی تاہم خلقی فرق مراتب ایسے پائے جاتے ہیں کہ بعض میں ابتدا ہی سے نیک خصائل کی طرف میلان خاطر ہوتا ہے۔ بعض کی طبیعت برعکس اس کے بدی ہی کی طرف جاتی ہے۔ الا اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ہر ایک ہم میں سے موجودہ حالت سے بہتر ہو سکتا ہے۔ مشکلات کا پہاڑ کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو رفتہ رفتہ استقلال سے ہم اس کی چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔

کوئی کہہ تو دے کہ میں نے سہولت سے بالا ستقلال کوشش کی اور باوجود اس کوشش کے کسی قدر کامیابی بھی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ مشکلات بھی جیسی بظاہر سخت معلوم ہوتی ہیں دراصل ایسی سخت نہیں ہیں۔ کسی عظیم الشان تعمیر کو دیکھو کہ ابتدا میں اس کا بنانا کیسا دشوار معلوم ہوا ہوگا۔ مگر جب کاریگروں نے ایک ایک اینٹ جمانا شروع کردی اور مالک مکان نے قصد کرلیا کہ اسکو پورا کریں کچھ عرصہ میں نہایت لق و دق عمارت بنکر تیار ہوگئی دل نہ ہارنا چاہیئے جس کام کے کرنے کو دل میں ٹھان لو تو بہت سی مشکلیں تو اس کی فوراً آسان نظر آتی ہیں۔ یہ بہت جلد تم خود اپنے دل میں کہوگے کہ ہم نہایت پست ہمت تھے کہ اس بات کو اتنا مشکل سمجھتے تھے۔

مَیبڈا۔ اچھا پھر کریں کیا ہم۔

میڈم۔ ہر ایک آدمی کے دل پر نیک و بد کی تمیز کا نقش ہے۔ تم کو واعظ کی صرف اس قدر ضرورت ہے کہ وہ نیکی اور بدی کے نتائج سے تم کو وقتاً فوقتاً آگاہ کرتا رہے۔ تم بخوبی آگاہ ہو جاؤ تب تمہارا دل خود تمہارا معلّم ہوگا۔ کون اپنے عیب نہیں جانتا۔ ان عیوب سستی، فضولی، لالچ غصّہ۔ غرور حسد وغیرہ کو حتی الوسع روکو اپنے دل میں نہ آنے دو۔

میڈم۔ بدی کا ثمر بدی اور نیکی کا ثمر نیکی ہے جو تمہارے افسر اور مالک ہیں سچے دل سے انکی خدمت اور اطاعت کرو۔ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے نوکر تمہاری خدمت کریں۔ اگر تم افسر یا حاکم ہو تو اپنے ماتحتوں سے حلم و بردباری سے پیش آؤ۔ بعض نوکر جھوٹ بولتے ہیں بعض خیانت کرتے ہیں اسی طرح اور بد افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اپنے فرائض سے غافل رہتے ہیں ان لوگوں کی حالت افسوس کے قابل ہے ان کی بدی کے پھل ان کو ضرور ملیں گے اس بات کی کوشش کرو کہ وہ بھی مثل تمہارے واقف ہو جائیں۔ بلکہ اپنے نیک چلن کی نظیر سے ثابت کردو کہ ایمانداری صفائی اور سچائی سے کام کرنا یہاں خوشی اور آیندہ بہتری کا باعث ہے۔

مَیبڈا۔ اس ملک کے لوگوں میں تعصب اور توہمات بہت ہیں۔ بعض اوقات ہنسی آتی ہے کبھی افسوس ہوتا ہے۔

میڈم۔ مگر ان کا تمسخر اور ان سے نفرت جائز نہیں ہے۔ اب بوجہ جہالت کے ان کی اصلی حالت نہ معلوم ہو تو کسی الا کسی زمانے میں یہ علامات بعض روحانی باتیں یاد دلاتی نہیں کسی کا دل دکھانا اچھا نہیں ہے۔

میڈا۔ ہندوؤں کو دیکھتی ہوں کہ پتھر کی مورتوں پر چانول کے دانے اور پھول چڑھاتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس رسم سے ان کی کیا اصلی غرض ہے۔

میڈم۔ چانول کے دانوں سے نیک بات اور نیک کام مراد ہیں۔ جس طرح چانول کے دانے چھڑکتے ہیں اسی طرح ہر شخص چاہے کہ اپنی نیکی چاروں طرف چھڑکا دے۔ پھولوں سے یہ غرض ہے کہ ہمارے دل نیکی اور محبت کی خوشبو سے نزدیک و دور سب کے مشام جان معطر کریں۔ اس طرح ہر ایک مذہبی رسم سے کوئی نہ کوئی عمدہ بات مراد ہے۔ جو نیک نیتی اور سچے دل سے ان رسوم کو ادا کرتا ہے۔ بیشک اچھا اجر پائے گا۔ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کی بہت راہیں ہوتی ہیں جاہل سے جاہل بھی اگر چڑھنے کی راہ دل سے ڈھونڈے ضرور پائے گا گو جلد نہ پائے۔ اگر تم کو زیادہ لیاقت ہے تو رفتہ رفتہ اوروں کو بھی بتاؤ۔ محض نفرت اور اظہار لیاقت سے فائدہ نہیں بلکہ نقصان متصور ہے۔

میڈا۔ میں تو سنتی تھی کہ ہندوستانی شراب نہیں پیتے ہیں مگر یہاں آکر دیکھا تو بہت لوگ بر ملا پیتے ہیں۔

میڈم۔ ہاں اب یہ عیب زیادہ پھیلتا جا رہا ہے۔ مذہب کی قید کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کمی کے عوض کوئی عمدہ تو طریقہ اخلاق کا سکھایا نہیں جاتا۔

میڈا۔ سوائے معمولی نقصانات کے کوئی اور بھی نقصان شراب سے ایسا پیدا ہوتا ہے جس سے میں نہ واقف ہوں۔

میڈم۔ یہ تو اب بہت لوگ جانتے ہیں کہ شراب سے غصہ اور تلون بہت بڑھ جاتا ہے۔ سوائے اس کے روحانی ترقی کا باب اس کے استعمال سے بند ہو جاتا ہے حیوانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

میڈا۔ آخر اس کے روکنے کی کیا تدبیر ہے۔

میڈم۔ جو اپنے نیک و بد کو بھی سمجھتا ہے اس کو چاہیئے کہ خود نہ پیے اور پینا ہو ترک کر دے اپنے بھائی اور اولاد اور عزیز اور دوستوں کو شراب کے استعمال سے باز رکھے۔ لعنت ملامت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ علیحدہ محبت سے سمجھا کر اس طرح سمجھانے کا موقع عورتوں کو زیادہ حاصل رہتا ہے۔ اب وقت تنگ ہے اور ہم سب کم و بیش اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں۔ بعض تو تمام عمر بے سود ضائع کر دیتے ہیں کہیں نہیں اپنے اپنے گھر میں بھی اگر ہم محبت سے

کام کریں اور سچے دل سے اپنے چاروں عزیزوں کی روحانی بہتری میں کوشش کریں تو وقت بخوبی صرف ہو سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر انسان دل سے چاہے تو باوجود موجودہ دقتوں کے صدہا طریقوں سے نیکی کر سکتا ہے۔

مَیبِڈا۔ اچھا اس سب کا نتیجہ کیا ہے۔؟

میڈم۔ اگر تم امیر و غریب ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک ذی روح سے بہ محبت پیش آؤ گے تو وہ بھی تم سے محبت کریں گے۔ اس عالم میں تم کو اور تمہارے پیارے عزیزوں کو اس کا وہ عمدہ پھل حاصل ہوگا جس کا تم کو وہم و گمان بھی نہیں ہے۔ ہاں کوشش شرط ہے۔

مَیبِڈا۔ میں عمدہ باتوں میں کوشش کر کے نیک نیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں مجھ کو اپنی انجمن تھیاسوفی کا ممبر قبول فرمائیے۔ اور مناسب ہدایات دیجیے۔

میڈم۔ اول ایک درخواست شرکت کی غرض سے ہم کو لکھو جس پر دو تھیاسوفسٹ کی شہادت ہو کہ وہ تم کو نیک چلن جانتے ہیں۔ اس سوسائٹی کے پریسیڈنٹ کے نام بعد منظوری درخواست چند علامات اور الفاظ بطور رازو شناخت کے تم کو بتائی جائے گی۔ مس مَیبِڈا کے دل پر اس تقریر نے بڑا اثر کیا۔ دوسرے روز درخواست حسب ضابطہ میڈم بلوٹیسکی کی خدمت میں بھیجی چنانچہ خاتون موصوفہ نے ان کی درخواست بطیب خاطر منظور کی۔ دوسرے ہی روز سے مختلف اخباروں میں شائع ہوا کہ مس مَیبِڈا بھی میڈم بلوٹیسکی اور کرنل آل کاٹ کی بیعت لائیں جب آزاد پاشا نے بمبئی کے ایک ایک اخبار میں پڑھا کہ میڈم بلوٹیسکی نے مس مَیبِڈا کے دل کو اپنی سحر بیانی سے مسخر کر لیا۔ اور یہ نوجوان لیڈی بطیب خاطر تھیوسوفسٹ ہو گئی تو انھوں نے مَیبِڈا کے نام ذیل کا خط بھیجا۔

مائی ڈیر مس مَیبِڈا۔ آج ایک انگریزی اخبار بمبئی کے لوکل کالم میں میں نے پڑھا کہ تم میڈم بلوٹیسکی کی بیعت لائی ہو۔ مبارک باشد مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مذہب جدید میں تم نے کون سی خوبی دیکھی جس سے اس خاتون روس کے کہنے میں آ گئیں اس میں تو شک نہیں کہ بے سمجھے بوجھے تم نے یہ مذہب اختیار کیا مگر تعجب ہے کہ مجھے اب تک تم نے اس امر کی اطلاع بھی نہ دی۔ اب بتاؤ گنجائش شکوہ سنجی ہے یا نہیں کیا واقعی تمہارے نزدیک تھیوسوفی عاقبت بخشائے گی۔ اگر ایسا ہے تو مجھے اور بھی زیادہ شکایت کا موقع ملا کہ خود تو بہشت جانے کی کوشش کرو اور مجھے محروم رکھو۔ آزاد۔

مس میڈا نے اس خط کا جواب یوں لکھا۔

میرے پیارے آزاد۔ مجھے دلی یقین ہے کہ تھیا سوفی عاقبت بخشا ئیگی اور یہ یقین حق الیقین کے درجے کو پہنچ گیا ہے باقی رہا یہ امر کہ تم کو کیوں اس نعمت سے محروم رکھا۔ سنیئے حضرت اول خویش بعدہ درویش۔ آیا ذہن شریف میں۔ اب حال سنیئے تمھاری بڑی غلط فہمی ہے کہ تم تھیا سوفی کو مذہب سمجھ بیٹھے ہو تھیا سوفی کو کسی مذہب سے بحث نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ تم اس کے ماحصل اور موضوع سے ذرا بھی واقف نہیں ہو جیسا کہ تمھاری تحریر سے ثابت ہوتا ہے اور بایں ہمہ اعتراض جمانے پر مستعد ہو گئے۔ یہ امر تمھاری دانشمندی سے بعید ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

میں پرسوں یہاں سے روانہ ہونگی اور انشاء اللہ اس کی خوبیوں کا نقشہ تمھارے لوحۂ دل پر بخوبی مرقسم کردوں گی۔

تیسرے روز مس میڈا حسب اقرار روانہ ہوئیں اور جب آزاد سے ملیں تو مصافحے کے بعد یوں گفتگو ہوئی۔

آزاد۔ (ہنس کر) آپ تھیا سوفسٹ ہیں اب۔

میڈا۔ (مسکرا کر) بیشک۔ اور میں خدا کی شکر گذار ہوں۔

آزاد۔ خدا کا شکر ادا کر یئے غرض تھیا سوفسٹ ہوئیں۔

میڈا۔ اب میں کیا کہوں۔ کتنا پچھنے کا سوال ہے۔

آزاد۔ تو یہ کہیے کہ اب آپ پر نور الٰہی نازل ہوا۔

میڈا۔ آفتاب عالم تاب سب کے لیے یکساں روشن ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اسی طرح نور الٰہی سب کے لیے یکساں فیاضی کے ساتھ تقسیم ہوا ہے مگر جو تاریک دل کے لوگ ہیں وہ اس سے فیض نہیں اٹھاتے۔ پس تمھارا یہ کہنا کہ (اب آپ پر نور الٰہی نازل ہوا ہے) اس میں اب کا لفظ کھٹکتا ہے۔

آزاد۔ اس مذہب میں کون کون عالم اور فاضل شریک ہیں۔؟

متیبڈا۔ کون مذہب؟ میں تو خط میں لکھ چکی ہوں کہ تھیا سوفی کوئی مذہب نہیں ہے۔ پس اس کے لیے آپ نے جو مذہب کا لفظ استعمال کیا یہ غلط ہے۔

آزاد۔ اب مذہب کا لفظ نہ استعمال کروں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اس میں سوائے چند آدمیوں کے جو عقل سے بہرہ نہیں رکھتے۔ کوئی ذی علم بھی شریک ہے۔

متیبڈا۔ افسوس ہے آزاد کہ تم تھیا سوفی سے بالکل ناواقف ہو۔ اس میں بڑے بڑے علمائے اجل اور فضلائے گرانمایہ اور عقلائے دہر شریک ہیں جن کی قابلیت کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں کہہ سکتی ہوں کہ فرنگ کے اکثر علما کا میلان طبع اب اس طرف ہے۔

آزاد۔ تم اس کی بھی معتقد ہو کہ مرنے کے بعد انسان کے افعال کے مطابق اس کو سزا یا جزا ملتی ہے۔

متیبڈا۔ اس کو تھیا سوفی سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔ ہاں میری رائے اگر دریافت کرتے ہو تو خوشی سے بیان کروں گی۔ میں بیشک اس کی معتقد ہوں کہ مرنے کے بعد ہمارے افعال قبیحہ کی ہم کو سخت سزا ملے گی اور افعال نیک ہم سے سرزد ہوئے ہیں تو ان کی جلد ویں ہم عمدہ صلہ پائیں گے۔

آزاد۔ اور بہشت اس امر میں تمھاری کیا رائے ہے۔

متیبڈا۔ بہشت بھی میری یہی رائے مخفی جواب ہے۔

آزاد۔ تو مذہب تھیا سوفی نے تمھاری اس رائے کو بدلا نہیں۔

متیبڈا۔ غضب خدا۔ اتنے مرتبہ سمجھا چکی ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تھیا سوفی کوئی مذہب نہیں ہے

آزاد۔ لاحول ولا قوۃ پھر چوکا۔ اب نہ کہوں گا۔

متیبڈا۔ یہی تو بڑی خرابی ہے کہ لوگ بلا غور و خوض اعتراض کر بیٹھتے ہیں اور اکثر آدمیوں کو ایک قسم کا تعصب سا ہو گیا ہے۔

آزاد۔ ہم نے سنا ہے کہ تھیا سوفی کے پیر شعبدہ باز بھی ہیں۔

متیبڈا۔ سنا ہوگا۔ ہم نے سنا تھا کہ آزاد پاشا نے ایک سائس کو قتل کر کے اس کی بیوی کے ساتھ شادی کر لی تھی۔

راوی۔ ناظرین فسانۂ آزاد اس جواب کی خوبی کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اچھا جواب دیا۔

آزاد۔ وہ تو حاسدوں نے گپ اُڑائی تھی مگر۔

میڈا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ گپ دشمنوں نے اڑائی تھی؟

آزاد۔ سارے زمانے میں مشہور ہے کہ تھیاسوفی والے روح سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے یا غلط۔

میڈا۔ اے ہے کیا اسی کو تم شعبدہ بازی سمجھے ہوئے ہو۔

آزاد۔ یہ شعبدہ نہیں تو اور کیا ہے۔ شعبدہ اور کیسا ہوتا ہے۔

میڈا۔ اگر اسی کا نام شعبدہ ہے تو پھر نیوٹن اور ہیمبولٹ اور ہرشل بھی بڑے شعبدہ باز تھے۔ جن کو حکیم اور علمائے حکمت قرار دیتے ہو۔

آزاد۔ چہ خوش کجا علم حکمت کجا تھیاسوفی۔ معقول ہم نے سنا ہے کہ لوگوں نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ اس کے بانی غیب داں ہوتے ہیں۔ کوہ ہماچل کے باشندے بمبئی کے تھیاسوفسٹ سے باتیں کرتے ہیں اور جو تھیاسوفسٹ بمبئی میں رہتے ہیں وہ کوہ ہماچل والوں سے بلا کسی وسیلے کے گفتگو کیا کرتے ہیں۔ ایک شخص کی زبانی سننے میں آیا ہے کہ جن تھیاسوفسٹ نے اپنے گروہ میں مدارج اعلیٰ حاصل کیے ہیں وہ اس فرقے کے باشندگان کوہ مذکور کے نام خط لکھ کر میز پر رکھتے ہیں اور موکل خط اٹھا کے پہاڑ پر لے جاتے ہیں۔

مس میڈا نے کہا اس میں تعجب کی کون بات ہے فرض کیجیے کہ ایک ملک میں ایسے وحشی آدمی بستے ہیں جو لکھنے پڑھنے سے بالکل ناواقف ہیں اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حروف کے ذریعے سے انسان اپنے خیال ایک دوسرے پر ظاہر کر سکتے ہیں اگر ان کے سامنے کوئی شخص کاغذ پر اپنا حال لکھ کر دوسرے کو دے اور وہ پڑھ کر بیان کرے کہ اس کا یہ مطلب ہے تو وحشی آدمیوں کو ضرور تعجب ہوگا وہ اپنے دل میں سوچے گا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے دل کی بات اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک وہ خود بیان نہ کرے اور یہ خیال صرف بولنے یا کسی قدر اشاروں کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ جس طرح آپ ان امور کو حیرت انگیز سمجھتے ہیں کہ خط میز پر رکھا اور موکل کوہ ہماچل کی چوٹی پر لے اُڑے اسی طرح وہ بھی متحیر ہوتے ہیں کہ دو آدمی چپ چاپ کھڑے ہیں نہ بولتے ہیں نہ چالتے ہیں ایک نے کاغذ پر کچھ لکیریں کھینچ دیں اور دوسرا اس کا مافی الضمیر سمجھ گیا اگر گنواروں یا وحشی آدمیوں سے مثلاً اس کو ہٹوبارڈیو یا افریقہ کے اور باشندوں سے یہ کہا جائے کہ کلکتے اور لندن میں تار کے ذریعہ سے خبریں آتی ہیں اور مہینوں کی راہ کی باتیں پہروں میں

معلوم ہو جاتی ہیں تو کبھی باور نہ کرے گا اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ تار کے کھٹکھٹانے سے لندن والے کیونکر کلکتہ والوں کی بات سمجھ سکتے ہیں۔ کوئی کروڑ دلیلیں پیش کرے وہ ایک نہ مانیں گے۔ اب مقام غور ہے کہ اگر اس زمانہ میں تار برقی نہ جاری ہوئی ہوتی اور اہل یورپ سے کہا جاتا کہ ہندوستان کے اگلے وقتوں میں اس قدر ترقی کی تھی کہ تار کے ذریعہ سے لکھنؤ کی خبر کلکتہ میں دو ڈھائی گھنٹہ کے اندر پہنچ سکتی ہے تو وہ ہرگز باور نہ کرتے اور جس طرح اور بہت سی باتوں کو غلط قرار دیتے ہیں ان باتوں کو بھی محض خیالی تصور کرتے اگر کسی شخص سے ریل کا ذکر کیا جائے جس نے کبھی ریل دیکھی ہی نہ ہو اور نہ کبھی اس کا حال سنا ہو تو ممکن نہیں کہ اس کو یقین آئے۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اس قدر تیز رو کون سواری ہو سکتی ہے۔ میری بہن مس کلیبرسا نے کسی اخبار میں مسٹر اسمتھ سیاح جہاں کی سوانح عمری میں ان کا اور حبش کے ایک وحشی کا مکالمہ پڑھا تھا سننے کے قابل ہے۔ دریا سے جالبا کے کنارے ایک مقام پر سیاح موصوف تھکے ماندے گھوڑے سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور اس فکر میں تھے کہ گاؤں میں کہیں جا کر ٹکیں اتنے میں ایک کالا بھجنگا حبشی ان کے قریب آیا اور یوں گفتگو کرنے لگا۔

حبشی۔ سفید آدمی تم یہاں کس غرض سے آئے۔

سیاح۔ میں اس غرض سے یہاں آیا ہوں کہ اس ملک میں لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں۔ اس ملک میں نہ ریل ہے نہ تار ہے آپ لوگوں کو بڑی دقت رہتی ہے۔

حبشی۔ ریل اور تار کیسی ہوتی ہے نام بھی نہیں سُنا۔

سیاح۔ ریل وہ سواری ہے جو ایک گھنٹہ میں سولہ کوس جاتی ہے اور ایک دن میں ایک سو اسی کوس۔

حبشی۔ ایک گھنٹہ میں سولہ کوس جھوٹا ہے تو۔

سیاح۔ میں بہت صحیح عرض کرتا ہوں وہ ایسی ہی تیز رو سواری ہے۔

حبشی۔ کوئی تیز گھوڑا بھی اس قدر نہیں جا سکتا۔

سیاح۔ اس میں گھوڑے تیز کا کیا کام ہے۔ بے گھوڑے اور بے ہاتھی کے چلتی ہے۔ صرف ہوا اور پانی اور آگ کے زور سے۔

حبشی۔ (گھونسا لگا کر) تم اس قابل ہو کہ قتل کیے جاؤ۔

سیاح۔ (گھبرا کر) میرا خدا جانتا ہے کہ میں سچ کہتا ہوں۔

حبشی۔ ہوا کے زور سے آدمی اتنی دور اور اتنی جلدی کبھی نہیں جا سکتا۔ تیز ہوا کے زور سے جا سکتا ہے۔ گوشت آگ کے زور سے بھونا جا سکتا ہے۔ پانی میں مچھلیاں رہتی ہیں سواری اس قدر تیز کیونکر جا سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں جو جھوٹ بولتا ہے اس کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ تمہارے ملک میں ایسی انوکھی سواری ہوتی۔ یہ بالکل جھوٹا ہے۔

مسٹر اسمتھ لکھتے ہیں کہ مجھے پھر جرات نہ ہوئی کہ تار کا حال بیان کروں۔

آزاد۔ (ہنس کر) تار کا ذکر کرتے تو اور بیٹتے۔

مس۔ فوراً مار ڈالے جاتے۔ پھر جیتے نہ بچتے۔

آزاد۔ بڑی ہنسی آتی ہے یہ ریل کا بیان کرتے ہیں وہ گھونستا تانتا ہے اور دھمکاتا ہے کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

مس۔ اس کی سمجھ میں کیونکر آتا کہ بغیر جانوروں کے کوئی سواری اس قدر تیزی کے ساتھ جا سکتی ہے۔

آزاد۔ افسوس کہ تار کا تذکرہ نہ کیا۔ بڑی دل لگی ہوتی۔

مس۔ اسی طرح تھیاسوفی کے رموز پر تم لوگ متحیر ہوتے ہو۔

آزاد۔ بہت ہی خوب چہ خوش۔ اچھی مثال دی۔

مس۔ اس میں کیا کچھ شک بھی ہے واقعی اچھی مثال ہے۔

آزاد۔ افریقہ کے حبشی اور روحوش اور ہم برابر ٹھہرے۔

مس۔ بیشک۔ جس طرح اس کو ریل کی سواری کا یقین نہیں آتا اور جس طرح وہ جھوٹ سمجھا اسی طرح تم ہماری باتوں کو کذب پر محمول کرتے ہو اور جس طرح وہ جھلایا اسی طرح تم لوگ جھلاتے ہو اور ہم لوگوں کے مہذب اور معزز شخص کا کو گالیاں دیتے ہو۔ اگر نفس کشی کر کے ریاضت کی طرف آمادہ ہو تو ان باتوں کی دل سے قدر کرو۔

آزاد۔ تم مسمریزم کی بھی معتقد ہو مس میڈا۔

مس۔ میرے نزدیک کل عقلا اس کے معتقد ہیں۔

آزاد۔ اور جو معتقد نہیں ان کو جہلا قرار دیتی ہو۔

مس۔ جو معتقد نہیں وہ دو شقوں سے خالی نہیں یا تو متعصب ہیں یا ان کی عقل کی آنکھیں بے نور ہو گئی ہیں۔

آزاد۔ خدا تم کو راہ راست پر لادے اور کیا کہوں۔

مس۔ (مسکرا کر) مجھے خدا راہ راست پر لایا اب میری دعا یہ ہے کہ خدا تم کو سیدھے دھڑے پر لگا دے۔

آزاد۔ آخر اس مذہب میں نئی کون سی بات ہے۔

مس۔ سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی مگر تم نے مذہب ہی کہا۔

آزاد۔ خطا ہوئی۔ لیکن یہ تم کیونکر باور کر سکتی ہو کہ تھیا سوفی کے ذریعے سے قلب اس قدر صفائی حاصل کرتا ہے کہ غیب کی باتیں انسان بتانے لگے۔

مس۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے اور انشاء اللہ دکھا دوں گی۔

آزاد۔ سنا ہے کہ میڈم صاحب نے ایک مرتبہ بند خط بغیر کھولے ہوئے پڑھ لیا۔ ڈاک پر کسی کا خط آیا تھا انھوں نے لفافہ پیشانی پر رکھا اور ایک ایک حرف پڑھ دیا۔

مس۔ دیکھو آزاد بے سمجھے بوجھے کسی بات پر اعتراض کرنا اور زبان ایراد کھولنا بڑا عیب ہے اس میں ذرا شبہ نہیں کہ لفافہ پیشانی پر رکھا اور کل مضمون پڑھ دیا۔ اور ایک بار نہیں ہزار بار لاکھ بار۔

آزاد۔ میڈم تم ایسا کہتی ہو تعجب ہے۔

مس۔ ہاں ہاں۔ میں ایسا کہتی ہوں۔ ہندوؤں کے علوم قدیم سب صحیح تھے اور ان علوم میں انھوں نے بڑا ملکہ پہنچایا تھا مگر جب کالی کا زمانہ آیا تو وہ علوم مفقود ہو گئے وجہ یہ کہ بلا ریاض شاقہ اور محنت کے ان کا حاصل کرنا محال تھا۔ علاوہ بریں جب تک انسان افعال قبیحہ سے کنارہ کش نہ ہو تب تک قلب کی صفائی نہیں حاصل ہوتی صفائی قلب حاصل کرنے کے بغیر ممکن نہیں کہ مسمریزم اور اکلٹ سائنس اور اس پر جوالرم وغیرہ علوم پر حاوی ہو سکے۔

آزاد۔ اب تم مسمریزم سے واقف ہو گئیں۔

مس۔ ہاں اور ابھی برابر مشق کرتی جاتی ہوں۔

آزاد۔ کیا مسمریزم ذریعۂ حصول مغفرت ہے۔

مس۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ متصور ہے کہ درد اور بیماری کی تکلیف کم ہو سکتی ہے اور ادھر انسان پر عمل ہوا ادھر دروازے کے باہر کا حال بتانا شروع کیا۔

آزاد۔ اس کا تو ہمیں حشر تک یقین نہ آئے گا۔

مس۔ میں نے تو کہہ دیا نہ کہ اگر یہ غلط ہے تو ہرشل اور نیوٹن اور کل علماء ہیئت کا قول غلط ہے

آزاد۔ کجا مسمریزم بے اصل چیز اور کجا علم ہیئت۔

مس۔ ہم کو بھی یقین نہیں کہ زمین کے باشندے اور کرۂ شمس اور ایک کرۂ قمر اور اجرام علوی کے حالات سے آگاہ ہو سکیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ لندن میں بیٹھ کر کرۂ قمر کے حالات دریافت کرے۔ عقل کبھی تسلیم نہ کرے گی کہ کرۂ آفتاب کے اندرونی امور سے انسان واقف ہو جائے۔ کجا زمین کجا آسمان۔ ان علما نے زمین اور آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔

آزاد۔ آلات کے ذریعہ سے ان کے کرّوں کا حال بآسانی دریافت ہو سکتا ہے اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے بلا آلات دریافت کر لیا تو بیشک ان کا قول اور حکما کے نزدیک قابل اعتبار نہ قرار پاتا۔

مس۔ کیا خاصی بات ہے کہ لوہے یا پیتل یا شیشے کے ذریعہ سے انسان کروڑوں میل کی چیزیں دیکھ سکے اور کوسوں کی باتیں دریافت کر لے اس کو تو آپ لوگ تسلیم کرتے ہیں اور اس کو باور نہیں کرتے کہ جس عقل نے انسان کو اس قابل کیا کہ دوربین بنا کر اجرام علوی کے حالات دریافت کرے وہ عقل اس درجہ ترقی کر سکتی ہے کہ بلا آلات انسان دل کی صفائی کے ذریعہ سے کل اشیا کا مشاہدہ کر سکے۔ افسوس۔ فرض کیجیے کہ علم ہیئت صفحۂ دنیا سے مٹ جائے اور چار سو برس کے بعد لوگوں سے کہا جائے کہ فلاں زمانے میں عالم ایسے زبردست تھے کہ علم ہیئت کے زور سے آفتاب اور قمر وغیرہ کرّوں کے حالات بتا دیتے تھے اور کل کرّوں کا قد معلوم اور کرہ عرض کو وزن کر لیا تھا تو ہرگز یقین نہ آئے وہ قہقہے لگائیں اور کہیں کہ دعویٰ بالکل پوچ ہے۔ باور ہونا محض خیال خام ہے۔

آزاد۔ اگر تم ذرا بھی غور کرو اور کتب تھیاسوفی پڑھو تو تمہارے خیالات اکثر بدل جائیں۔ میں نے تھیاسوفی کی نسبت کچھ لکھا ہے اگر سنو تو پڑھ کر سناؤں۔

آزاد۔ میں بڑی خوشی کے ساتھ سنوں گا۔

مس میڈا کا لکچر

مس کلیر سانے اپنا لکچر حرف بحرف پڑھ کر سنایا و ہو ہذا۔

ہند کی تہذیب صرف سو برس ادھر تک یورپ کی تہذیب سے بہت مختلف تھی لوگ کہیں گے کہ تہذیب تو ایک لفظ عام فہم ہے اس میں اختلاف کیسا مگر جس طرح سے زمانہ ایک ہے لیکن

شب و روز میں فرق ہے اسی طرح سے گو تہذیب لفظ عام ہے لیکن باطنی تہذیب اور ظاہری تہذیب میں صریح فرق ہے۔ ہند کے اس زمانے کا ذکر جانے دو جبکہ جہاں اہل کمال اپنی ریاضت اور صفائے باطنی کی وجہ سے سقراط اور افلاطون سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہوتے تھے اس لیے زمانہ میں بھی اس خیال سے کہ اس کرۂ زمین پہ ہماری صرف عارضی سکونت ہے اور موافق ہمارے اعمال کے بعد موت کے بدتر یا متوسط یا بہتر ہوگی۔ اہل ہند اور کل ممالک روئے زمین کی نسبت اہل ہند کی توجہ تہذیب نفس کی جانب کس قدر زیادہ تھی۔ علوم باطنی کے باہر جابجا ملتے تھے گو بعض محض دھوکہ باز اور فریبی ہوتے تھے تاہم بعض رہنمائے صادق بھی موجود تھے۔ یورپ میں بخلاف اس کے بوجوہ تہذیب ظاہری کی طرف زیادہ توجہ رہی اور نفس پرستی کا غلو بوجہ کثرت استعمال شراب کے اس قدر بڑھا کہ دل بالکل تیرہ و تار ہوگیا۔ یورپ میں جتنے نامی گرامی حکیم گذرے ہیں سب کو شراب خواری سے اجتناب رہا ہے) یہانتک کہ لفظ روح ایک لفظ بے معنی قرار دیا گیا اور موت کو پایان حیات ٹھہرا کر یہ کہا گیا کہ ع۔

اس طرف ساری خدائی ہے ادھر کچھ بھی نہیں

انگریزی عملداری اور تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ خیال اہل ہند خصوصاً نوجوان تعلیم یافتوں کے ذہن میں روز بروز جمتا گیا اور اب نفس پرستی کی تاریکی اس قدر چھا گئی کہ تہذیب باطنی کو بیوقوفی اور نفس کشی کو جنون اور مالیخولیا لوگ سمجھنے لگے۔ کہاں وہ روشن ضمیر۔ کہاں یہ تاریکی۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

کرنیل آلکاٹ اور میڈم مداوڈسکی جن کے نام نامی سے بہت لوگ واقف ہیں اہل ہند کو بیدار کر رہے ہیں چنانچہ کرنیل صاحب ہند کے سیّاح ہی خواہ ایام سرما کے دورہ میں اسی غرض سے اودھ اور ممالک مغربی اور شمالی میں آنے والے ہیں کہ خاص منشا تھیاسوفی کا یہاں کے تعلیم یافتہ اور اہل خرد پر صاف صاف ظاہر کریں اور جو توہمات بوجہ عدم واقفیت بعض صاحبوں کے ذہن میں جاگزیں ہوتے ہیں ان کو دور کریں۔

واضح ہو کہ تھیاسوفی کے دو صیغہ ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی اہل ہند کی مختلف اقوام اور مذاہب اور فرقوں میں باہمی محبت اور اتفاق اور ہند کے علوم قدیمہ کی تحقیقات اول صیغہ سے متعلق ہے۔ قانون قدرت کے اسرار کی تلاش باقاعدہ اور تکمیل قوائے باطنی دوسرے صیغہ سے متعلق ہے ہر ایک نیک خو دیندار اگر بظاہر چلن اس کا درست ہے اور اپنے

ہم جنسوں کو نفع پہنچانیکی کچھ بھی خواہش ہے وہ تھیاسوفی کے گروہ کے صیغۂ اول میں شریک ہو سکتا ہے اس شرکت میں نہ کسی چیز کے ترک کرنے اور نہ کسی خاص ریاضت کی ضرورت ہے رفتہ رفتہ جس قدر خیالات زیادہ وسیع اور خود غرضی اور نفس پرستی کم ہوتی جائے گی اسی قدر دوسرے صیغہ میں خصوصًا اس کے درجہ اعلیٰ میں کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا جب تک تہذیب نفس اور ترک لذات دنیوی اختیار نہ کرے۔ کوئی کمال بغیر ریاضت کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اسرار قدرت کا معلوم کرنا اور قوائے باطنی کی تکمیل نہایت مشکل امر ہے۔ یہاں تک کہ بعض علمائے یورپ کے نزدیک غیر ممکن ہے اس لیے وہی معدودے چند اس علم اور فن کو حاصل کر سکتے ہیں جن کی خلقی طبیعت اس جانب راغب ہو اور اس کی ریاضت شاقّہ کے متحمل ہو سکیں۔ پس بغیر دریافت حقیقت الامر کے یہ کہہ دینا کہ کرنیل صاحب یہ وعظ کرتے پھرتے ہیں کہ دنیا اور دولت بالکل ترک کر کے اور ایک لنگوٹی باندھ کر جنگل میں جا کر ریاضت کرو سراسر خلاف راست بازی اور انصاف ہے۔ حقیقت تو یوں ہے کہ کرنیل صاحب ہند کے لوگوں کو نہایت درد مندی سے اُن کے سچے نفع کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ بدلائل سمجھاتے ہیں کہ اپنے قدیم علوم اور فنوں کو جو سراسر حکمت اور دانشمندی سے مملو ہیں ایک دفتر پارینہ اور بے معنی نہ سمجھو باہمی خصوصیت کے عوض آپس میں میل جول پیدا کرو وہاں ہزاروں لاکھوں ہیں اگر کوئی علوم و فنون باطنی حاصل کرنیکی خلقی قابلیت رکھتا ہے وہ بھولا بھٹکا نہ پھرے بلکہ اپنی اس خلقی قابلیت کا فائدہ تھیاسوفی کی سوسائٹی کے ذریعہ سے ضرور حاصل کر کے اپنے ہم جنسوں کو فائدہ پہنچائے۔ نہ کہ ترک اور تجرد اختیار کرے فانی نفع آئندہ میں کمال خود غرض بن جائے۔ خود غرضی ہر ایک قسم کی تکمیل کے لیے مضر ہے۔ اور اپنی زندگی کو اپنے ہم جنسوں کے فائدے کے لیے صرف کرنا بہت مفید ہے۔

ہندوستان کے پہاڑوں پر اب بھی رشی اور منی متبرک لوگ بستے ہیں جن کی فضیلت اس قابل ہے کہ ان کا سجدہ کرے مثلاً نیلگری پہاڑ جو ملک دکن میں شرقی اور مغربی گھاٹ کے پاس واقع ہے عجب بزرگوں کا مسکن ہے۔ گر ہندی میں پہاڑ کو کہتے ہیں چونکہ یہ پہاڑ نیلگوں ہے اس لیے اس کو نیلگر پربت کہتے ہیں۔ گو آج پچاس برس سے صاحبان انگریز کی آمد و رفت اس پہاڑ پر ہے بلکہ چند مقامات کو ہندوستان مثل شملہ اور نینی تال کے بوجہ سرد ہونے آب و ہوا کے منتخب کیے گئے ہیں۔ صاحب گورنر مدراس ایام گرما اور بارش میں

اس پہاڑ پر بہ مقام اوڈا گمنڈ تشریف رکھتے ہیں۔ مگر مفصل حالات اس پہاڑ کے آج تک کسی کو دریافت نہ ہوئے۔ کتاب ایس کی جلد ۲ صفحہ ۶۱۳ مطبوعہ ۱۸۸۲ء میں ذیل کا تذکرہ دیکھنے میں آیا لہذا ہم ارباب دانش پژوہ کے ملاحظہ کے واسطے نہایت خوشی سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض قدیم روایات کا ثبوت جن کو اس زمانے کے اکثر انگریزی خواں غیر ممکن الوقوع سمجھتے ہیں۔ اس محقق تذکرا سے پایا جاتا ہے۔ پچاس برس بھی نہیں گذرے ہوں گے کہ دو انگریزوں کا شیر کے شکار کے واسطے نیلگری پربت پر گذر ہوا اتفاقاً چند عجیب و غریب آدمی نظر آئے جن کی صورت اور بات چیت ہنود سے بالکل مختلف تھی ان کی وجاہت اور شباہت سے بعض پادریوں نے قیاس کیا کہ یہ لوگ یہودیوں کی اقوام گم شدہ میں سے ہیں۔ یہ قیاس اُن کا صحیح نہیں ہے۔ بوجہ ان کی خداداد وجاہت اور حسن کے اگر تشبیہ دیں تو یہ کہنا چاہیئے کہ صورت و شکل میں یونان کے قیاسی فرشتہ اعظم سے مشابہ ہیں السان میں ان کا سا وجیہ اور شکیل آج تک تو دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس فرشتہ صفت گروہ کو ٹوڈا کہتے ہیں تعداد ان کی کسی کو معلوم نہیں۔ کسی نے ان کے لڑکوں اور لڑکیوں کو نہیں دیکھا جو بچے ان کے ساتھ رہتے ہیں وہ فرقہ ایڈاجا کے بچے ہوتے ہیں۔ یہ فرقہ گروہ ٹوڈا سے قوم اور رنگ اور بول چال میں بالکل مختلف ہے۔ بلکہ فرقہ ٹوڈا کو قابل تعظیم اور پرستش کے سمجھتا ہے دل و جان سے ان کی خدمت کرتا ہے۔ ٹوڈا طویل القامت اور رنگ و روپ میں مثل یوروپین کے ہوتے ہیں یعنی بھورے تابدار سر اور داڑھی کے بال جن میں کہ روز پیدائش سے کبھی استرا نہیں لگا۔ کبھی کسی شخص نے پانچ یا چھ آدمی سے زیادہ ان کو ایک مرتبہ ہی نہیں دیکھا۔ غیر شخص سے وہ کبھی بات نہیں کرتے ان کے بلیے اور چھپے مکانوں میں بجز ایک دروازے کے نہ کوئی جھروکا ہے اور نہ کوئی روشندان اور نہ کوئی مکان میں اُن کے اندر جانے پاتا ہے۔ ان کا مردہ یا بہت مسن آدمی کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ایام وبا میں چاروں طرف ہزارہا آدمی ہیضہ سے مرجاتے ہیں مگر فوڈا قوم کے لوگ بالکل محفوظ رہتے ہیں کبھی لکڑی تک ہاتھ میں نہیں رکھتے اور باوجود کثرت شیر اور دیگر درندوں کے کوئی جانور ان کو کسی قسم کا گزند پہنچانا تو کیسا بلکہ مویشی تک کو نہیں چھوتا۔ ٹوڈا لوگ کبھی شادی نہیں کرتے اور شمار میں تھوڑے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ نہ تو آج تک کسی کو اتفاق ان کے شمار کا ہوا اور نہ آیندہ ہوگا۔ جب اُن کے مسکن تک غیر لوگوں کا گذر ہوتا ہے وہ اور دیگر ان مقامات کو چلے جاتے ہیں۔ والدین ان کے ٹوڈا نہیں ہوتے بلکہ ایک نمائش

منتخب گروہ کے لڑکے ابتدائے سن سے واسطے ادائے خاص مذہبی فرائض کے علیحدہ کر دیے جاتے ہیں۔ خاص علامات کی وجہ سے اس گروہ میں بچپن ہی سے شناخت ٹوڈا ہو کبھی قابلیت ہو جاتی ہے۔ تین تین سال کے بعد ہر ایک ٹوڈا ایک خاص مقام میں ایک میعاد معینہ کے واسطے جاتا ہے۔ ان کے متبرک مقامات میں کسی غیر شخص کا قدم نہیں جاتا۔ گو اکثر مندر ان کے نہایت عالیشان عمارات ہیں۔ ایسی عجیب و غریب قدرت ان کو حاصل ہے کہ گروہ بڑا ان کو فرشتہ سمجھ کر ہمیشہ ان کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ ان کے راز سے آج تک کوئی واقف نہیں۔ ہند میں ایسے اور گروہ بھی جا بجا ہیں۔ چونکہ عوام الناس سے ہمیشہ علیحدہ رہتے ہیں اس لیے بہت کم لوگ ان سے واقف ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو ان کے وجود ہی سے انکار ہے۔

الغرض افسوس کہ ہندو اور مسلمان انگریزی پڑھنے کے بعد خیالات مغربی اور شائستگی کے ایسے عاشق ہو جاتے ہیں کہ اپنے مذہب کی کتب کا مطالعہ کرنا ان کو نفاق گذرتا ہے ورنہ قرآن اور وید میں کیا نہیں ہے میں دعویٰ کر کے کہتی ہوں بھگوت گیتا کو جو کہ مہا بھارت کا ایک حصہ ہے اور جس کو بیاس جی ایک متبرک رشی نے تصنیف کیا ہے اور در حقیقت میں جو کہ ایک دُر بے بہا ہے سرسری طور سے پڑھنے سے اور نیز موافق تغیرات اور ناویلات بے علموں کے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں کثیر الازدواجی جائز تھی۔ یعنی ایک مرد کی کئی بیبیاں اور چند شوہروں کی ایک مشترکہ بی بی ہوتی تھی حالانکہ موافق شاستر کے یہ بالکل ناجائز اور ممنوع اور یہ ایک عمدہ ترین رموز اور مسائل حکمت ہیں مگر اس کے سمجھنے کے لیے کوئی شخص عقل سے کام نہیں لیتا بلکہ بے علموں کا یہ خیال خام ہے کہ ایسے مسائل حکمت میں عقل سے کام لینا بھی کفر ہے۔

یہ بھی گیتا میں لکھا ہے کہ جبکہ ارجن نے تمام میدان کچھیتر کا آدمیوں سے کہ مور و ملخ سے بھی زیادہ تھے بھرا ہوا دیکھا اور اس میں دونوں طرف اپنے قریب تر اعزا اور اقربا بھی دیکھے اور یہ خیال کیا کہ جام زندگی سب کا لبریز ہو چکا ہے اور ایک دم میں حد بالا تشے بھڑکتے ہوں گے اور یہ سب عزیز چاشنی مرگ چکھیں گے تو اس کو نہایت رقت آئی اور از حد افسوس اور ناامیدی ہوئی۔ اور اس نے اپنے دل میں یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ لڑنا اور اپنے بھائیوں کے خون میں اپنا ہاتھ آلودہ کرنا خلاف انسانیت ہے بہتر یہ ہے کہ مثل جوگیوں کے اپنی بقیہ زندگی خوشی اور مسرت سے پرمیشور کی یاد میں کاٹوں لیکن بے علم لوگ دجو کہ ایک لفظ

کا بھی مطلب نہیں سمجھتے، بجائے خود یہ خیال کرتے ہیں کہ کرشن جی نے ارجن کو اس کے عمدہ ارادے سے باز رکھا۔ اہل بصیرت کے نزدیک اس کے اور ہی معنی ہیں اس سے وہی لوگ واقف ہو سکتے ہیں جو عقل سلیم سے کام لے سکتے ہیں۔ بیاس جی کی یہ مراد نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ منشا ان رموز حکمت کا یہ ہے جو ڈھشٹر سے جس کو کہ اوتار دھرم کہتے ہیں زمین مطلب ہے۔ بھیم اوتار پون یعنی باد۔ ارجن اوتار اندر یعنی آکاس یا جان سہدیو نکل اوتار اسونی کمار چونکہ اسونی کمار آفتاب کے لڑکے تھے اور آفتاب چشمۂ آتش اور باعث بارش ہے اس وجہ سے ان سے مطلب آب و آتش ہے۔

غرضکہ ان پانچ بھائیوں سے مراد پانچ تتو یعنی عناصر۔ اکاش۔ باد۔ خاک۔ آب اور آتش پانچ ہیں۔ گو اصل ہر ایک وہی مادہ ہے لیکن اسباب ان کے وجود کے مختلف ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور جدا جدا باپ سے مراد سبب مختلف ہے دروپدی اس کی بیوی سے غرض جوگ مایا یعنی خواب وخیال ہے چونکہ یہ کیفیت محض مادہ سے متعلق ہے اس لیے پانچوں بھائیوں یعنی عناصر میں یہ ایک کیفیت مشترک ہے۔ لفظ کرشن سے مراد آتما یعنی روح ہے چونکہ ہفت طبقات انسانی میں آکاس یعنی جان اور مایا اور آتما یعنی روح سے قربت ہے۔ اس لیے ارجن اور دروپدی دونوں کرشن کے عزیز قریب اور دلی دوست ہیں۔ خاندان کورو سے مراد نفسانیت اور خواہشات بدہیں جبکہ کرشن ارجن کو سمجھاتے تھے جیسا کہ اول بیان ہوا کہ سلطنت نہیں ملے گی جب تک کہ تم اپنے پیارے اعزا اور اقربا یعنی خاندان کورو کو قتل نہ کرو گے۔ اس بیان سے یہ غرض ہے کہ جب تک خواہشات انسانی کو نہ مارے گا تب تک روح کی نجات ممکن نہیں ہے کچھیتر کے میدان جنگ میں ارجن کی مایوسی اور جوش محبت اعزا سے واضع نے یہ مراد رکھی ہے کہ یوں تو لوگ اکثر کہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ نفس امارہ پر غالب ہوں لیکن موقع اور معرکے کے وقت طبیعت جوش کو دبانا اور قدیم عادات بد کو ترک کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بڑی جوانمردی کا کام ہے۔ ارجن کی رتھ سے غرض جسم انسان ہے۔ کرشن یعنی روح کو چوبان ہے رتھ میں ارجن کے بیٹھنے سے غرض جسم میں جان کا ہونا اور اس کا چلانے والا کرشن یعنی آتما ہے جب یہ پانچوں بھائی مع دروپدی کے بہشت کی طرف چلے تو سب سے پہلے دروپدی یعنی مایا غائب ہوئی اور سب سے پیچھے جو ڈھشٹر یعنی اجزائے ارضی پیچھے رہ گئے۔

خیر یہ تو پرانے زمانے کا حال ہے، میں زمانہ حال کی مثال دیتی ہوں۔ ہنود کا یہ مقولہ ہے کہ انسان تین چیزوں سے مرکب ہے۔ باد و جان۔ آتما۔ اسی سبب سے جگناتھ جی کے مندر میں تین مورتیں ہیں۔ سبدرا عورت، بلرام مرد، اور جگناتھ جی کہ جن پر کسی ذات کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور علاوہ سبدرا جی کی مورت

کے باقی دونوں بیدسنت ویا ہیں۔ جس سے یہ مراد ہے کہ اولاً ذلیل حالت میں انسان جسم ارضی اور کثیف کا محتاج ہے اور بغیر اس کے اس کی زندگی محال اور در حالت ترقی اور عظمت روحانی صرف جان اور آتما کافی ہے اس کو اس جسم کثیف کی ضرورت نہیں۔ یہ مقام ہنود میں ایسا متبرک اور مشہور ہے کہ اس کے قرب و جوار میں قومیت اور ذات کا لحاظ نہیں رہتا اور وہاں صدہا کوس سے جاتری ایک خاص تہوار پر آ کر جمع ہوتے ہیں اس روز ان تینوں دیوتاؤں کی مورت ایک رتھ میں بٹھا کر شہر میں نکالتے ہیں اور یہ ایک عام مقولہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ بھی اس جگناتھ کی جو کہ رتھ میں بیٹھتا ہے جھلک دیکھ لے گا وہ سیدھا بیکنٹھ کو سدھارے گا اس کا دوبارہ جنم نہ ہوگا اور اسی وجہ سے وہاں نہایت ہجوم ہوتا ہے لیکن اس کے معنی کوئی نہیں سمجھتا وہ یہ ہیں کہ جو شخص جگناتھ یعنی روح کو رتھ یعنی اس کے جسم خاکی میں دیکھ سکتا ہے اور نفس کشی نہیں کر سکتا ہے وہ ضرور بالضرور فائز المرام ہوگا

الغرض بوجہ جہالت کے اس خام خیالی میں جو شخص کہ اس رتھ کے نیچے کچل جائے گا اس کو نجات ہو جائے گی۔ سیکڑوں آدمی بوجہ اپنے حمق کے اپنی جان نثیر یں کھو دیتے ہیں۔ بجائے حصول مطلب اور ثواب کے وہ خود کشی کر کے گنہگار بنتے ہیں اتنی جانوں کا گناہ ان جاہل پجاریوں پر ہوتا ہے جو اس روایت کے گڑھنے والے ہیں کیونکہ یہ خود غرضی اور ذاتی فائدہ کے لیے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں حالانکہ مطلب اس دوسری بات میں یہ ہے کہ جس حالت میں جگناتھ یعنی روح رتھ یعنی جسم میں رہتی ہے یعنی وہ آدمی زندہ جاوید ہے جو اپنی خواہشات بد اور نفس امارہ پر قابض ہو جائے اور ان کو بالکل نیست و نابود کر دے تو بے شبہ اس کی کہتی ہو جائے گی۔

جس شخص کا دیدۂ بصیرت کسی قدر بھی وا ہے وہ اس مختصر بیان سے کہ مشتے نمونہ از خروارے ہی سمجھ جائے گا کہ مسائل مذہب قدیم اور اس کے اصول کیسے تھے۔ اب چند جہلا نے کس قدر ان کو تباہ اور خراب اور برباد کر دیا ہے اور دام تزویر پھیلا کر سیکڑوں کو پھانستے ہیں۔ لارڈ بیکن کا مقولہ ہے کہ کسی کا مطلق نہ ماننا بدرجہا بہتر ہے اس سے کہ اس کو مانے اور اس کی نسبت ایسی لغو باتیں بیان کرے کہ اس کی تضحیک ہو۔ ہر فرد بشر کو چاہیے کہ تعصب کو ہرگز کام میں نہ لائے کیونکہ یہ بھی ہر ایک کو گمراہ کرتا ہے اور اس سے بھی انسان کی فہم اور رائے سالم میں خلل اور نقصان عظیم واقع ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذہب کے مقلدوں سے نہایت دشمنی اور تعصب کرتے ہیں یہاں تک کہ دنگا اور فساد پر نوبت آتی ہے جیسا کہ ابھی تھوڑا

زمانہ ہوا کہ ملتان میں ہوا تھا بالفعل سلیم ہیا ہو رہا ہے اس سے بجز نقصان کے اور کیا حاصل ہوتا ہے۔ لیکن۔

دولت ہمہ از اتفاق خیزد ہے
بے دولتی از اتفاق خیزد ہے

بس اب تو اچھی نہیں ایسا عادی کرنا چاہیے کہ ہر چیز تو ہر سمت اور پہلو سے بغیر کسی تعصب کے دیکھے اور اپنے مذہب کے ان عمدہ ترین اصول پر چلے جن سے اور لوگوں کا نقصان نہ ہو اور کسی سے لفاید رشتہ نہ رکھے کیونکہ۔ ع

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند

جو لوگ اس راہ راست پر چلتے ہیں انہیں کو فلاح ابدی حاصل ہوتی ہے اور وہی تمام دنیا میں نیک نام ہوتے ہیں اور عقبیٰ میں نیک انجام۔

خیر بہتیرے تو بمبئی اور بنارس لنکا میں اور کلکتہ کے عمائد اس جلسہ علمی اور سچے بھی خواہ ہند میں شریک ہونا فخر سمجھتے ہیں مگر اب اس درجہ دن دونی رات چوگنی ترقی جلسہ خیر طلب ہند کو حاسئی کرنیل الکاٹ کی کوشش لیاقتی کی وجہ سے ہو رہی ہے کہ ہند کے تاریک ترین حصوں یعنی مدراس میں بھی لوگوں کی توجہ ہونے لگی۔ یہاں کے ہندوستانی عمائد نے بھی نہایت تعظیم و تکریم سے کرنیل الکاٹ صاحب اور خاتون بلاوٹسکی کا خیر مقدم پڑھ کر سنایا۔ ایک آنریبل مسلمان جنٹلمین سی ایس آئی ممبر کونسل قانونی نے اپنے ہاتھ سے پھولوں کے ہار پہنائے اور حسب درخواست رؤسائے شہر صاحب ممدوح نے تھیاسوفی کے متعلق ایک پُر تاثیر مضمون زبانی تمام جلسہ میں سنایا۔ ایک آنریبل صاحب بہادر ممبر کونسل قانون اس جلسہ کے صدر نشین تھے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

مذہب اور قانون ساز کونسل کے ممبر کی تقریر

مذہب ایک نہایت عظیم حقیقت والا مراد ہے بجز و خلقت انسانی ہے لفس الامر ہر ایک قدیم مذہب کا عمدہ ہے اور جو تو ہمات اور ابا دا مخصوص ہوتے ہیں وہ منتسب اہل مذاہب اور اُن کے مخالفین کی کج فہمیوں کے نتائج ہیں۔ علوم ان تو ہمات کے خس و خاشاک کو قدیم مذاہب کی اراہ راست سے دور کر رہے ہیں بس علوم تو ہر ایک راست مذہب کا دوست

اور معین سمجھنا چاہیئے - علوم امر حق دریافت کرتے ہیں اور حق ہی بنیاد ہر ایک سچے مذہب کی ہے۔ ہر ایک قدیم مذہب میں اول یہ بات مسلم ہے کہ جسم انسان میں ایک غیر مادی شئے بھی ہے۔ دوم یہ غیر مادی شئے بعد موت کے قایم رہے گی۔ سوم جتنی چیزیں عالم میں ہیں ان سب کی بنیاد غیر محدود سبب اول پر ہے۔ چہارم اس غیر مادی شئے اور غیر محدود سبب اول میں ایک خاص تعلق ہے۔ اب علماء اور متکلمین دونوں کو اس بات پر اتفاق ہے کہ کل ذوی الارواح میں درجہ ادنیٰ سے درجہ اعلیٰ کی طرف ترقی ہے انسان کا امر حق میں کوشش کرنا باعث اس کی روحانی ترقی کا ہے۔ نفس ناطقہ تفتیش امر حق بذریعہ حواس ظاہری کرتا ہے اس لیے امر حق اس کو ایسا ہی نظر آتا ہے جیسے میلے شیشے میں دن کی روشنی یا رات کے ستارے نظر آتے ہیں اسلیے امر حق بالکل صاف صاف نہیں معلوم ہوتا ہے۔

حواس ظاہری سے محض مادی چیزیں دریافت ہوتی ہیں مذہب بوجہ غیر مادی ہونے کے عقل سے متعلق ہے۔ جو لوگ اس روحانی قوت کو اپنے میں قوی نہیں رکھتے ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مذہب امر حق ہے ان کے نزدیک مذہب بھی محض عادت یا کیفیت دلی ہے۔ بہ نظر موجودہ حالت ہر ایک مذہب کی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کوئی گروہ ٹھیک ٹھیک راہ راست پر چلتا ہو کیونکہ راہ راست میں ایک دوسرے سے تخالف اور عناد کہاں۔ جو گروہ خود راہ راست پر چلنے کا دعویٰ دار گروہ دیگر کو جو کسی قدر گمراہ ہیں بہ نظر افسوس اور ترحم دیکھے گا نہ کہ مدعیانہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امور مذہبی میں لوگ غیر ضروری کو ضروری اور نہ ہونے کو حقیقت الامر سمجھ بیٹھے ہیں متکلمین کے جھگڑوں سے ذرا الگ ہو کر اس گروہ فرشتہ سیرت پر نظر ڈالیے جو اپنے قوائے روحانی کی تکمیل میں مصروف ہیں گو ابتدا میں ان کا مذہب ظاہری کچھ ہو لیکن اب بوجہ صفائی نفس کے ان میں آپس میں صلح اتفاق اور برادرانہ محبت ہے جس کے سبب سے ان کے اصول مذہبی ہمیشہ زندہ اور مضبوط رہتے ہیں۔ یہ لوگ درخت انسانی کے پھول ہیں۔ اور کل نوع انسانی سے برادرانہ برتاؤ رکھتے ہیں۔ دبستان محسن فانی ملاحظہ فرمایئے جس میں بارہ مختلف مذہبوں کے درویشوں کا ذکر ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ تحقیقات علوم جدید نے کل مذہبوں کے دفتر پارینہ کو بیک قلم دریا میں غرق کرا دیا۔ لیکن ہم کو اس قول سے مطلق اتفاق نہیں ہے ہمارے نزدیک راستی علوم جدیدہ اور راستی مذاہب قدیمہ دو مختلف راستیاں نہیں ہیں یہ بات ثابت کرنا جلسہ تھیاسوفی کا کام ہے لیکن ہم علوم جدیدہ کی راہ میں بھی مثل اندھوں کے چلنا پسند نہیں کرتے غلطی سے ہمیشہ نقصان ہے خواہ وہ غلطی علوم کی ہو خواہ مذہب کی۔

میرے نزدیک علم سے غرض نیچر کے کل حقائق جاننا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو انسان ہی کی نسبت دیکھیے کہ بجز افعال حواس ظاہری اور بجز جسم انسان کے ہم کو اس کے قوائے روحانی کا کیا علم ہے علاوہ جسم و روح کے اور ایک قوت ہیں یعنی درمیان ان دونوں کے ہے جس سے بہت کم لوگ واقف ہیں انسان ہیں سوائے اس حصہ کے جو کہ جلا دیا یا دفن کر دیا جاتا ہے۔ کچھ اور بھی ہے حکمائے طبیعی محض مادہ کے قائل ہیں۔ مگر حکمائے ہند کے نزدیک انسان میں سات مختلف طبقات ہیں۔ اصطلاحات ان کی ہندی میں ہیں۔

۱۔ ستھول شریر۔ اور جیو۔ کامروپ۔ منار برھی۔ آتما۔ نمبر چار انسان کی خلقت اوسط ہے۔ بعض اسی کو انسان کا ہمزاد یا بھوت یا دوسری صورت کہتے ہیں۔

اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ یہ دوسری صورت ذی شعور ہے یا غیر ذی شعور مادی ہے یا مجرد اور علمی ثبوت اس کے وجود کا ہے یا نہیں۔ جواب۔ یہ مادی ہے اور لطافت اور کثافت اسکی موقوف ہے۔ ہوا اور آکاس کی کیفیت پر کبھی بوجہ زیادہ لطافت کے نظر تو نہیں آتی مگر وجود اس کا صدا وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کبھی اور طرح مثل بھاپ کے دکھائی دیتا ہے۔ کبھی بالکل صاف جسم قابل لمس معلوم ہوتا ہے۔ مردوں کا کامروپ کبھی صرف دکھائی دیتا ہے۔ کبھی بولتا ہے اور شعور ظاہر کرتا ہے۔ اس قسم کے پانچ سو یا اس سے زیادہ ہیں خود میں نے اور بہت سے لوگوں نے امریکہ میں دیکھے ہیں۔ پھر نظر کا دھوکا نہیں تھا بلکہ اصول علمی سے بخوبی جانچ کر لی تھی۔ یہ بھوت خود انسان نہیں ہوتا بلکہ مردوں کی روحانی صورت ہیں اجزائے مادی ہیں اس کی طاقت کا ایک حصہ باقی رہ گیا ہے۔ زندگی میں بھی ریاضت کیش انسان اس کامروپ یا دنیاوی روپ کو اپنی مستقل اور مضبوط مرضی سے اپنے جسم سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ شنکر اچاریہ کا حال جس نے پڑھا ہے اس کو معلوم ہوگا کہ اپنے جسم کو اپنے شاگردوں کے پاس بے حس و حرکت رکھ کر آپ ایک راجہ کی لاش میں گیا اور کئی ہفتے تک اس کو زندہ رکھا۔ جنگ رام اور راون میں اگست مُنی عین معرکہ میں موجود تھے اور جسم ان کا صدہا کوس پر کوہ نیلگری پر تھا۔ پاتنجل کا یوگ شاستر ملاحظہ کیجیے کہ یوگ کے کاملین میں سے ہر ایک کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے۔ خود میں شہادت اس بات کی دیتا ہوں کہ کئی آدمیوں کے ذی شعور میعادی روپ کو میں نے ان کے جسم سے صدہا کوس کے فاصلہ پر دیکھا ہے۔ یہ امر قانون قدرت کے خلاف نہیں بلکہ عین اصول سے ہے۔ جب میں مذہب ہنود یا بودھ یا زردشت کی طرف سے گفتگو کرتا ہوں۔ میری بحث کو آپ اندھے اعتقاد پر مبنی نہ سمجھیے

ہو خوبیاں ان مذاہب کی ہیں بیان کرتا ہوں میں خوب جانتا ہوں کہ وہ اصول علمی اور عقلی پر مبنی ہیں۔ ہفت طبقات انسانی میں استھول شریر یعنی جسم ظاہری نہایت کثیف اور شخلخل ہے۔ اس کے خلا میں ایک شریر ہے اس شریر کے خلا میں جیو۔ اسی طرح سے آتما تک جو انسان کی آخری قوت ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شے آتما نہیں ہے مگر خود آتما کو بیان نہیں کر سکتے۔ ہیں۔ جب کوئی جوگی دیدہ و دانستہ کامروپ کو اپنے جسم سے علیحدہ کرتا ہے تو اس میں من اور بدھی اور آتما داخل رہتے ہیں۔ جیو اور لنگ شریر جسم ظاہری میں رہ جاتے ہیں چونکہ بمقابلہ جسم ظاہری کے کامروپ نہایت لطیف ہوتا ہے اس لیے اس کی قوت نقل و حرکت و حواس بہت تیز ہو جاتی ہے جو چیزیں مثل دیوار وغیرہ کے کہ جسم ظاہری کو روکتے ہیں کامروپ کو نہیں روک سکتے ہیں کیونکہ کثیف شے کے مسامات میں سے کامروپ کے لطیف اجزا بلا تکلف گذر جاتے ہیں۔

جسم سے علیحدہ ہو کر کامروپ مثل خیال اور وہم کے تیز رو ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس کے جوگی کو یہ بھی اختیار ہے کہ تصور کو جمائے جہاں چاہے اپنے بغیر ذی شعور تصویر دکھا دے۔ جس کا جی چاہے اپنی ذات میں یہ کیفیت آزمائے مگر اصول کے تحت موافق تعلیم و ریاضت شرط ہے۔ علم اس کا خاص کسی گروہ یا فرقہ کے واسطے مخصوص نہیں ہے مثل دیگر علوم کے ہر ایک اس کو حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ اس میں قابلیت علم حاصل کرنے کی بھی ہو۔ اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ مثل دیگر علوم کے علم جوگ کے اصول بھی کیوں نہیں مشتہر کیے جاتے ہیں ایسے ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر شاگرد مجہول بھی ہو تو ہوشیار ہے استاد علوم طبیعی کے اصول ذہن نشین کر سکتا ہے لیکن علم جوگ کا حاصل کرنا محض طالب علم کی ریاضت پر موقوف ہے کہ خود اپنے قوائے روحانی کو ظاہر کر کے ترقی دے۔ استاد اور دوست اور عزیز دوسرے میں ان اوصافی قوتوں کو نہ ظاہر کر سکتا نہ دے سکتا ہے۔ بلکہ یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ تم اپنی ریاضت سے خواہ مخواہ کامیاب ہو۔ جس طرح سے بغیر اصلی قابلیت کے ہر ایک شخص محض ریاضت اور محنت سے زبان دان اور عالم اور شاعر اور فلسفی نہیں ہو سکتا بلکہ باوجود قابلیت کے ہر شخص کسی علم طبیعی کا کامل نہیں ہو سکتا۔ علم روحانی تو اور بھی زیادہ مشکل ہے اسی وجہ سے کروڑوں آدمیوں میں صرف ایک دو شخص علم روحانی میں کامل ہوتے ہیں اور ایسے کاملین انسان نہیں بلکہ فرشتہ سمجھے جاتے ہیں۔

بعض صاحب خیال فرماتے ہیں کہ تھیوز آفیکل سوسائٹی کوئی جادو کا کلب یا اسکول ہے کہ دس روپیہ دینے سے جس کا جی چاہے ایک روز میں کامل بن جائے۔ جو لوگ محض عجائب بینی کی نظر سے

سوسائٹی میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے بہتر ہے کہ نہ شریک ہوں۔ اس سوسائٹی میں ایسے لوگ درکار ہیں جن کا پہلا سوال یہ ہے کہ سوسائٹی میں شرکت سے ان کا کیا فائدہ ہے بلکہ وہ خود کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں وہ لوگ درکار ہیں جو اپنے ملک کو نفع پہنچانے کی غرض سے قومی عداوت اور مذہبی تعصب کو اسی طرح سے الگ کر دے جس طرح کوئی میلے اور بوسیدہ کپڑے کو اتار کر پھینک دیتا ہے۔

وغیرہ وغیرہ۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ مبادی روپ کا وجود ہے اور یہ جسم سے جدا بھی ہو سکتا ہے تو ترکیب اس سے جدا کرنے کی کیا ہے۔ جواب مبادی روپ کو جسم سے علیحدہ کرنے کے قصد سے مرضی کی قوت کو بالاستقلال جمانا۔ بعض میں یہ استقلال خلقی ہوتا ہے اور اکثر کسبی۔ چونکہ مبادی روپ مادی ہے اس لیے غیر فانی نہیں ہے۔ یہ مرتبہ صرف آتما کے واسطے ہے اور جب تک اجزائے مادی شریک ہیں تب تک نجات مکتی بردان وغیرہ حاصل نہیں ہو سکتا ہے اگر یہ مرتبہ کمال اس زندگی میں ممکن نہیں تو آئندہ کسی اور زندگی میں کسی دوسرے عالم میں حاصل ہو جائے گا۔ ہاں جس قدر رابطہ سے علیحدگی اور روحانیت کی طرف توجہ زیادہ ہو گی اسی قدر جلد نجات حاصل ہو گی۔ جو عالم اور فاضل ہیں وہ یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ انسان دفعتہً پیدا ہو جاتا ہے بلکہ دور عالم میں بیشمار تغیرات کے بعد یہ مرتبہ پاتا ہے۔ پس اسی قیاس پر یہ سمجھنا چاہیے کہ جو قوت انسان کو اس حالت میں لائی ہے وہی طاقت اس کو بلند تر مراتب پر پہنچائے گی۔ اور جس قدر تصفیہ ہوتا جائے گا اسی قدر جدید اور حیرت انگیز قوی کا اظہار اور نمو اور کمال حاصل ہوتا جائے گا حتیٰ کہ بعد تصفیہ کامل یعنی جبکہ محض آتما صاف اور پاک باقی رہ جائے گی۔ وہ مرتبہ حاصل ہو جائے گا جس کو بعض نجات اور بعض مکتی وغیرہ کہتے ہیں۔

آزاد۔ ہاں آپ کے اس بیان سے میرے اکثر شکوک رفع ہو گئے۔

ہیبت ڈا۔ اگر دل لگا کے سنو تو تم بھی تھیاسوفسٹ ہو جاؤ۔

آزاد۔ خیر مگر لوگ اس کو جادو اور سحر پر محمول کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ سب ساحر ہیں۔

مس کلیرسا نے سنجیدگی اور متانت سے اس کا یوں جواب دیا۔ کہ عوام کے نزدیک سحر اور کرامات کی تعریف یہ ہے کہ کسی ایسی بات کا ظہور میں آنا جو قانون قدرت کے خلاف ہو غرضکہ جو بات جس کے ذہن میں نہیں آتی اس کو عوام سحر کہتے ہیں اگر وہ کسی ادنیٰ درجہ کے خود غرض آدمی سے سرزد ہو تو اس کو سحر کہتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے بے غرض یا خیر خواہ آدمی سے ظہور میں آئے تو کرامات

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ خیال عوام الناس کا کہاں تک صحیح ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے کام کو دیکھ کر جو اس کی سمجھ میں نہ آئے اور نہ قبل اس کے اس کے سننے میں آیا ہو۔ یہ کہے کہ یہ خلاف قانون قدرت ہے گو وہ ایسی باتیں پیشتر سے فرض کر لیتا ہے کہ جس کا کوئی ہرگز دعویٰ نہیں کر سکتا ہے اور جس پر خداوند کریم ہی حاوی ہے اوّل تو اس کہنے سے اس کا یہ منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص تمام قوانین قدرت سے واقف ہے کیونکہ اگر وہ واقف نہ ہوتا تو وہ کس طرح سے یہ بات فرض کر لیتا کہ فلاں بات قانون قدرت کے خلاف وقوع میں آئی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہے یا کرامات ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ آیا یہ بات ممکن ہے کہ انسان تمام قوانین قدرت کو جانے جب خدا کی ذات غیر محدود ہے اور اس کے قوانین بھی اندازہ و گمان میں نہیں آ سکتے ہیں تو انسان جو ایک محدود چیز ہے کیونکہ اس وسیع کائنات کے سب قوانین قدرت کو جان سکتا ہے۔ علاوہ اس کے جبکہ ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ خدا کی قدرت لا انتہا ہے اور انسان کے احاطہ فہم میں نہیں آ سکتی اور بعد اس کے پھر یہ کہیں کہ فلاں بات قانون قدرت کے خلاف ہوئی اس میں اجتماع ضدّین واقع ہوتا ہے ایک چیز کو ہم غیر محدود کہتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے باہر واقع ہوئی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر محدود نہیں ہے۔

اب دوسری بات یہ ہے کہ جو کوئی بات ایسی واقع ہو جو پیشتر کبھی واقع نہ ہوئی ہو یا یہ کہ اس کے وقوع کی کیفیت تاریخ سے دریافت نہ ہوئی ہو وہ داخل سحر یا کرامات ہے۔ اس خیال میں بہت غلطی ہے۔ تاریخ سے صاف ثابت ہے کہ بعض سوانحات ایسے ایسے واقع ہوئے ہیں کہ جو پھر دوبارہ سینکڑوں برس کے بعد فصل کے ظہور میں آئے۔ تو کیا وہ کسی طرح سے قانون قدرت کے خلاف ہیں۔ ہرگز نہیں، البتہ بہت شاذ ظہور میں آتے ہیں۔ اب اگر اسی وجہ سے وہ داخل سحر یا کرامات ہیں کہ وہ شاذ و نادر وقوع میں آتے ہیں تو پھر زلزلہ کا آنا۔ بڑے بڑے اولوں کا پڑنا دم دار ستاروں کا نکلنا یہ سب داخل کرامات ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ خداوند کریم کے قوانین مثل قوانین نوع انسان کے نہیں ہیں کہ آج کے روز تو جاری ہوتے اور کل منسوخ ہو گئے۔ انسان تو بوجہ محدود ہونے اپنی عقل اور علم کے اپنے کاموں کے سب نتائج نہیں دیکھ سکتا ہے، جب کسی بات کے حصول یا دفیعہ میں اس کی کوئی تدبیر قاصر ہوتی ہے اس وقت وہ مجبور ہوتا ہے، اس بات پر کہ دوسری تدبیر کرے اور بوجہ اپنے ذاتی نقص کے کبھی اس بات میں کامیاب نہیں ہوتا کہ کوئی ایسا قانون بنائے جو تمام دنیا

کے واسطے کافی ہو اور جس کو بھی منسوخ کرنے کی ضرورت نہ ہو، برخلاف اس کے خداوند کریم نے جو تمام سامان بخشا ہے ۔

این ہمہ داد نہاں در نظر شمس چیست

وہ قانون بنا دیتے ہیں کہ جن کے منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جن کے ذریعہ سے تمام کام دنیا کے نکل سکتے ہیں ان قوانین کو ازل سے ابد تک قیام ہے اور انسان کی کیا مجال جو ان کے خلاف کوئی کام کر سکے جن لوگوں کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سحر کرتے ہیں یا کرامات یعنی ایسی باتیں ان سے ظہور میں آتی تھیں یا آتی ہیں جو قانونِ قدرت کے خلاف ہیں۔ اگر وہ ادنیٰ درجہ کے خود غرض یا بدنیت لوگ ہیں تو خیر مگر اعلیٰ درجہ کے مقدس لوگوں کی نسبت ایسا کہنا کہ یہ بات قانونِ قدرت کے خلاف ہے ایک عظیم غلطی بلکہ گناہ ہے کیونکہ اس دنیا میں مقدس لوگوں کا ہی سب سے اوّل مقصد رہا ہے کہ موافق قانونِ قدرت کے کام کریں، عوام کو بھی ایسے ہی کاموں کی طرف رغبت دلائیں جو قانونِ قدرت کے مطابق ہوں۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ جن عجیب باتوں کا ذکر اکثر مشہور ہے، آیا وہ صحیح ہیں یا نہیں اور اگر صحیح ہیں تو کس طرح پر یہ بات ظاہر ہے کہ بعض باتیں جو چند آدمی جانتے ہیں اور ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں زمانہ گذشتہ میں جو مقدس لوگوں کی بابت یہ کہا ہے کہ وہ صاحب کرامات تھے، اس کی اصلیت یوں ہی معلوم ہوتی ہے کہ فرض کیا کہ کسی مقدس کو چند اصول کسی قسم کی بات کرنے کے معلوم ہوتے جو کہ عوام الناس نہ جانتے تھے اور جبکہ وہ بات ظہور میں آتی تو اس کو عوام لوگ بوجہ اس کے عجیب و غریب ہونے کے خلاف قانونِ قدرت کے سمجھتے لیکن جو کہ اس راز سے واقف تھے ان کے نزدیک کوئی بات دشوار نہ تھی۔ کوئی بات جو کہ عوام کے نزدیک عجیب ہے، وہ دوسرے کو بالکل آسان اور موافق قانونِ قدرت کے معلوم ہوتی ہیں مثلاً اگر دشتِ افریقہ سے ایک وحشی آدمی لائیں اور اس کو ریل کی سڑک کے پاس کھڑا کریں اور ایک شخص انجن پر سوار ہو کر تمام ریل کو تیزی سے چلائے تو کیا یہ بات اس کو عجیب نہ معلوم ہوگی بلکہ اگر دیکھا جاتے تو شاید ایسی عجیب اور غریب بات تو شاید کبھی دنیا میں نہ ہوئی ہوگی مگر کیا حقیقت میں یہ بات خلافِ قانونِ قدرت کے ہے، ہرگز نہیں۔ جو لوگ اس کے اصول سے واقف ہیں، اُن کے نزدیک ریل چلانے میں کسی ایسی بات کی ضرورت نہیں ہے جو خلاف قانونِ قدرت کے ہو۔

مسمریزم ایک عمل ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان کو اپنی قوتِ برقی پر طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور اس قوت کا اثر دوسرے شخص پر وہ شخص پیدا کر سکتا ہے یعنی صرف دیکھنے سے دوسرے شخص کو بے ہوش کر سکتا ہے۔ صرف اشارے سے بہت سے مرض رفع کر سکتا ہے اور لوگوں سے بڑے بڑے راز جو وہ اپنے ہوش میں کبھی نہ کہتے دریافت کر سکتا ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا عجیب بات ہوگی کہ دیکھتے ہی کسی کو بے ہوش کر دینا اور اس قسم کی باتیں وقوع میں لانا مگر جو لوگ اس کے اصول سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں علم سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ پانی کا کام بجھانا ہے لیکن اگر کسی مقام پر پانی میں پڑنے سے کوئی چیز جلنے لگے تو کیسا تعجب ہو گا مگر ایسی چیزیں موجود ہیں جو پانی میں جلنے لگتی ہیں مثلاً فاسفورس کو جب پانی میں ڈالتے ہیں تو پانی کا آکسیجن اس میں لگتا ہے اور وہ جلنے لگتا ہے۔ جو شخص اس اصول سے ناواقف ہو اس کے نزدیک یہ امر بھی عجیب ہونا چاہئے جب وہ اپنی لاعلمی سے اس جز کی خاصیت کو نہ جانے گا تو وہ اس کو خلافِ قانونِ قدرت خیال کرے گا۔ پس انسان کو چاہئے کہ جب کوئی بات معرض پڑے تو اس کی اصلیت دریافت کرنے کی کوشش کرے نہ یہ کہ جو بات اپنی عقل اور علم سے بڑھی ہوئی دیکھے اس کو خلافِ قانونِ قدرت خیال کرے بہرحال انسان کو یہ انگریزی مسئلہ یاد رکھنا چاہئے کہ (نالج از پاور) یعنے علم میں ہر طرح کی قدرت ہے اور میسمریزم بھی ایک علم ہے۔

مس میڈم نے ایک روز بڑے بڑے علما اور حکما اور فصحا اور بلغائی جماعت میں اپنی سوسائٹی کی نسبت سلیس اردو میں بفصاحت تمام یوں تقریر کی:-

واضح ہو کہ اس سوسائٹی کی بنا امریکہ میں سنہ ۱۸۷۵ء میں پڑی اور اصلی مقاصد اس کے افکار کے مندرجہ ذیل ہیں مقصدِ اولیٰ کہ نوعِ انسان کے دور کرنے کے لئے ایک مرکز محبت قائم ہونا چاہئے۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ہر فرد بشر عموماً اپنے ہم جنس سے بھائی اور عین مانِ جائے کی طرح سے برتاؤ برتے کچھ رحم نہ دل میں لائے کیونکہ یہ برا نہیں۔ میری اور اس کی قوم جدا۔ میں گورا یہ کالا۔ مقصدِ ثانی، آریہ اور مشرقی علوم کو ترقی دینا ان کے مذاہب اور علوم اور ان کے اہم نتائج پر غور کرنا مقصدِ ثالث، عقدہ رازِ فطرت (نیچر) حل کرنا اور خود انسان کے روحانی پر جس سے وہ مخفی ہے خوض کرنا و انسان جو کہ اپنی نوع سے انس صادق اور محبت دلی رکھے۔ جو ذات اور قوم کے تعصب کو جو سدِ راہ ترقی انسان ہو رہے ہیں دل سے دور کرنا چاہتے ہیں اور وہ جو عالم میں راستی اور صداقت کے دل سے خواہاں ہیں اور جہاں کہیں راستی ہو اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ حکما خواہ مشرقی ہوں خواہ مغربی جن کو ہند سے الفت ہے جن کی عین تمنا ہو کہ ہند دنیا میں دینی اور دنیوی عروج حاصل کرے اور سوسائٹی نوگ ہوں یا کے سب اپنا شمار لذائذ اور عیش و عشرت پر لات مارتے ہیں اور روحانی خوشی اور علم علوم کے لمعہ کے حد سے زیادہ آرزومند ہیں جو دنیا کی ظلمات روحانی روشنی کے حاصل کرنے کے مستعد اور آرزومند ہیں ان سب سے سوسائٹی کو استمداد ہے۔ سوسائٹی مذکورہ بالا کوئی خاص دین یا یقین نہیں رکھتی اس خاص قوم کی پابند نہیں رہتی بلکہ برعکس اس کے ہر ملت کے بانی اور رہنما کو توقیر سے شامل کرتی ہے صرف اس جرم سے علیحدہ ہے کہ ہر ایک اپنے مذہب اور یقین کو راست سمجھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر مذہب

والا بس اتنا متحمل ضرور ہے کہ کسی کے عقیدے کی توہین نہ کرے۔ اس سوسائٹی میں وہ لوگ بھی ممبر ہو سکتے ہیں کہ جن کو حب نوع انسانی ہے، جن کو اس کی روحانی ترقیات کا مذاق ہے اور نیز وہ جو مشرقی فلسفہ کو راست سمجھتے ہیں، اتنا کہ اسکے عوض میں عمر صرف کرتے ہیں اور ان مذہبی علوم پر حاذق ہونے کے لئے اسے ذریعہ اور راہ سمجھتے ہیں۔

جو سوسائٹی میں داخل ہونا چاہے اس کو لازم ہے کہ کم از کم دو ممبروں کی بہ نسبت اپنے نیک چال چلن کی شہادت بہم پہنچائے اور وعدہ حتمی کرے کہ وہ علامات اور اشارات جن سے ممبر ایک دوسرے کو شناخت کر سکتے ہیں ہرگز افشاں نہ کروں گا اور ان معاملات کو جن سے سوسائٹی اس کو مطلع کرے بنظر اعتماد کلی کبھی ظاہر نہ کرے۔

ذکور اور اناث دونوں اس سوسائٹی کے ممبر ہو سکتے ہیں۔ انگریزی دانی کی قید کوئی امر ضروری نہیں ہے۔

وہ لوگ جو ہیڈ کوارٹر یعنی صدر سے دور رہتے ہیں اور ایک سوسائٹی کی شاخ بنا چاہیں تو ان کو لازم ہے کہ وہ درخواست اپنی پریسیڈنٹ کو بھیجیں جو بعد ملاحظہ ضوابط سوسائٹی کے ان کو اختیار شاخ قائم کرنے کی اجازت دے گا مگر اس کے لئے ضروری ہو گا کہ کوئی ممبر وہاں جا کر ابتدائی تعلیم حاصل کر آئے، ہاں اگر شاخ بڑی ہو گی تو خود کوئی نہ کوئی ممبر سوسائٹی کا واسطے قائم کرنے اور تعلیم شاخ کے بھیجا جائے گا۔

سوسائٹی کے تین درجے ہیں۔ دو درجے اعلیٰ جن کے قواعد لکھنا ضروری نہیں ہیں جو صرف عام ممبر ہونا چاہتا ہے اس کے لئے وہ ذمہ داری اور جوابدہی ضرور نہیں ہے جو کہ دو درجہ اعلیٰ کے ممبروں سے متعلق ہے۔

درجہ سوم میں بہت ہوشیار لوگ شامل ہیں اور اس کا ممبر جب سوسائٹی منعقد ہو، شریک سوسائٹی ہو سکتا ہے حسب الایماء پریسیڈنٹ معاملات سوسائٹی سے آگاہی بھی ہو سکتی ہے۔ کتب خانہ کو سوسائٹی کے بھی دیکھ سکتا ہے بروقت داخلہ کے دس روپیہ لیا جائے گا۔ یہ روپیہ حسب الایماء پریسیڈنٹ کے سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل میں صرف کیا جائے گا۔ اگر زیادہ بچ رہے گا تو اور کسی کار خیر میں صرف ہو گا۔ درجہ سوم میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ۱۔ منتظم ۲۔ اہل مراسلہ۔ ۳۔ معزز۔ اہل مراسلہ وہ لوگ ہوں گے جو ذی مقدور اور ذی علم ہیں اور جو سوسائٹی کے موافق، ہر قسم کی اطلاع اور خبر دے سکتے ہیں اور معزز وہ جو سوسائٹی کے علم کو بڑھا دیں اور جن سے نرے کار خیر نمایاں ہوں۔ وہ ممبر جو بوجوہ کامل اپنا تعلق سوسائٹی سے عام پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ اس کو اس امر کے کرنے پر اختیار ہے اور پریسیڈنٹ کو کوئی مجاز نہیں ہے کہ وہ اسم ان لوگوں کو بتائے جو سوسائٹی میں داخل ہوں۔ اگر کوئی ممبر بہ سبب جرم سرکاری کے سزایاب ہو تو بعد تحقیقات کے اگر فی الحقیقت وہ مجرم پایا جائے گا تو وہ سوسائٹی سے خارج کیا جائے گا اور نہیں تو نہیں۔

ذیل کے مجمع اس سوسائٹی میں داخل ہیں۔ بنارس کے پنڈتوں کا جلسہ علمی۔ جس میں پنڈت رام مصر شاستری معلم فلسفہ متعلق بنارس کالج ممبر مجلس ہیں۔ بنارس کی سنسکرت سبھا جس میں بابو دیو شاستری ممبر مجلس اور پنڈت

بال شاستری نائب ممبر مجلس ہیں۔ ہندو سبھا قائم کردہ شنکر ما صاحب بی۔ اے نائب ریاست کوچین۔ علاوہ ان کے اور بہت سی شاخیں ہندوستان اور یورپ اور امریکہ اور لنکا اور دیگر جزائر میں قائم ہو چکیں ہیں۔ اس شہر لکھنؤ میں بھی بار اول شاخ اس سوسائٹی کی قائم ہو چکی ہے۔ اکثر لائق لوگ نہایت سرگرمی سے اس نیک کام میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک مہینے کے اندر ہی اندر بڑے لائق لائق تربیت یافتہ نوجوان ناسی اور بزرگوار وں نے اس سوسائٹی کی ممبری اختیار کی اور مس ہنیڈا اپرانڈ یا خیاسوفی کل سوسائٹی کی پریسیڈنٹ مقرر ہوئیں۔ ان کی مساعی جمیلہ نے یہ رنگ اثر جمایا کہ انگریزی خواں کے دل سے رندیت کا خیال باطل مٹایا۔ بڑے بڑے مشہور مرتد اور ملحدان کے لکچروں کے اثر سے راہ عرفان کے جویا ہوئے کچھ دن کے بعد مس ہنیڈا جزیرہ سیلون یعنی اور جزیرہ لنکا کے ہزاروں باشندے قوم سنگھالیز نہایت تعظیم سے پیش آئے اور مختلف طریقوں سے اظہار اپنی خوشی کا کیا۔ دو مہینے کے عرصہ میں آٹھ شاخیں اس سوسائٹی کی مختلف مقامات میں قائم ہو گئیں۔ وقت رخصت کے معززین نے اصرار کیا۔ حسب وعدہ اپریل ۱۸۸۱ء میں پھر گئیں اور اس مرتبہ نصف دسمبر ۱۸۸۱ء تک وہیں رہیں۔ اس عرصہ ۲۱۲ دن میں ساٹھ تقریریں مختلف اسکولوں اور کالجوں وغیرہ میں کیں۔ چند کتب مفید مذہب قوم سنگھالیز ترجمہ اور تصنیف کر کے تقسیم کیں اور واسطے قائم کرنے اس کے مذہبی اسکول کے سترہ ہزار روپیہ فراہم کر کے اسکول قائم کیا۔ اس جزیرہ کے عیسائی اسکولوں میں ۰۰۰ ۲۷ جو لنکا کے طلباء تعلیم پاتے تھے، ان میں سے قریب ہزار آدمی کے اب جدید اسکول میں اپنے قدیم مذہب اور اخلاق کے اصول کے موافق تعلیم پاتے ہیں۔ اگر روپیہ کافی ہو تو اور سب بھی اسی طرح تعلیم پا سکتے ہیں۔ کیا ہندوستان میں جو لوگ محض انگریزی تعلیم سے ناراضی ظاہر کرتے ہیں مثل مدرستہ العلوم علی گڑھ کے اپنی کوشش سے مدرسے اور کالج قائم نہیں کر سکتے۔ کلکتہ، مدراس اور لنکا میں دورہ کرتے ہوتے کرنیل صاحب کا قصد ہے کہ ہندوستان کے ہر ایک احاطے میں اسی قسم کی کوشش کی جائے۔ بہی خواہان ہند اگر اس کارخیر میں محض دامے درمے قدمے کوشش پر اکتفا نہ کریں بلکہ بجائے خود وہ عمدہ عمدہ طریقے سوچ رکھیں کہ جس سے ترقی ہند زیادہ تر منصور ہے تو نہایت عمدہ بات ہے۔ کرنیل صاحب کا منشا ہے کہ جس قدر روپیہ جمع ہو ایک حصہ اس کا ہند کے قدیم علوم و فنون اور فلسفہ کی ترقی میں صرف ہو۔ قدیم سنسکرت کتابوں میں بغیر سمجھے برزبان کر لینا مفید مطلب نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے پنڈتوں کا اخلاق عوام الناس کے اخلاق سے اکثر بہتر نظر نہیں آتا۔ ہاں اگر مغربی علوم و فنون کے ساتھ مشرقی علوم کو جو شخص خوب سمجھے گا قدیم حکمائے ہند کی عظمت اس کی نظر میں روز افزوں ہوگی اور عوام بھی ایسے شخص کو نالائق نہ جانیں گے۔ جس طرح زمانہ قدیم مصر اور یونان کے علماء ہند کے حکماء کی خدمت گزاری کیا کرتے تھے، اسی طرح اب بھی ممکن ہے کہ علمائے مغربی علوم باطنی میں اہل ہند سے سبق لیں اور کالجوں کے نو آموز طفل مکتب پاتنجل جی رشی کے

علم نصیفیۃ باطنی کو بہتر بن علوم سے سمجھیں۔ واضح ہو کہ جو کچھ روپیہ جمع ہوگا کوئی متنفس اس کل یا جز روپیہ کا مستحق یا مالک نہیں سمجھا جائے گا بلکہ چند معزز اور لائق ہندوستانی اس کے امانت دار اور منتظم مقرر ہوں گے اور مفصل طور اس کی بذریعہ دستاویزات قانونی کے ہوگی۔ کرنیل صاحب کا ارادہ ہے کہ شہر بشہر اور گاؤں گاؤں جا کر بیان کریں کہ قدیم زمانہ میں یہ ہندوستان کیا تھا اور باتفاقِ کوشش سے اب پھر کس قدر فروغ ممکن ہے۔ ایک روپیہ سے لے کر لاکھ روپیہ تک جو دے گا بخوشی لے لیا جائے گا۔ لنکا میں تو جو لوگ کم مقدور تھے انہوں نے ایک روپیہ چار قسطوں میں دیا اور جنہوں نے دو روپے سے زیادہ دیا ان کا نام ایک دیسی اخبار میں برابر چھاپ دیا گیا۔ زر وصول شدہ دس ہزار روپے فی صدی منافع پر لگایا جائے گا۔ نصف منافع تعلیم میں چہارم کتب و رسالجات مفید کے چھاپنے میں، اور چہارم دیگر متفرقات عمدہ کارہائے مفید عام ہند میں صرف ہوگا۔ بعض بہی خواہ ہند نے مختلف عمدہ رائیں نسبت فروغ دینے ملک کے دی ہیں۔

آنریبل محمد آزاد پاشا

آزاد فرخ نہاد کے مضامین دلکش اور نادر نادر علمی اور پولیٹیکل اور سوشل اور ظریفانہ آرٹیکل ہندوستان کے نامی اخبارات اردو و انگریزی اور لندن کے بڑے بڑے مشہور صحائف میں شد و مد کے ساتھ درج ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے خیالات پاکیزہ اور رائے صائب، صاحب سیکریٹری آف اسٹیٹ ہند اور وزرائے انگلستان نے تسلیم کی اور حضور گورنر جنرل بہادر نے بطیب خاطر ان کو لیجس لیٹو کونسل ہندوستان کا ممبر مقرر کیا۔ آزاد پاشا نے لیجس لیٹو کونسل کی ممبری بڑی مسرت دلی سے منظور کی اور دل میں ٹھان لی کہ کمال حزم و احتیاط سے مختلف امور پولیٹیکل کی نسبت رائے زنی کریں گے اور کسی امر میں تعصب یا جلب منفعت ذاتی کو دخل نہ دیں گے جب آزاد پاشا کی ممبری کی خبر مشہور ہوئی تو اخبارات انگریزی و اردو نے اہل ہند کو مبارک باد دی چنانچہ بعض مشہور مشہور اخباروں کی رائے کا لب و لباب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۱۔ گورنمنٹ گزٹ مطبوعہ ۱۶۔ اہ حال سے منکشف ہوا کہ محمد آزاد پاشا لیجس لیٹو کونسل ہند کے ممبر مقرر ہوتے ہیں۔ یہ صاحب اس قدر نامور اور مشہور و معروف ہیں کہ ان کے صفاتِ حمیدہ کی تعریف لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ ہمیں یقین واثق ہے کہ آزاد پاشا اپنی اعلیٰ درجہ کی قابلیت سے اپنے ہم وطنوں کو فائدہ کثیر پہنچائیں گے اور ملک کی سرسبزی اور بہبود کا خیال ہر دم مدنظر رکھیں گے۔

۲۔ عرصہ دراز سے ہماری دلی خواہش تھی کہ ہمارے ملک کے الیق اور ذی لیاقت بزرگوار محمد آزاد پاشا جن کو ہند کا فخر و افتخار کہنا مبالغے سے معرا ہے کا صاحب گورنر جنرل قلمرو ہند کی لیجس لیٹو کونسل کا ممبر مقرر ہوں۔ شکر ہے کہ ہماری آرزو تے دلی بر آئی اور گذشتہ پرچہ گزٹ آف انڈیا میں ہم نے بکمال مسرت پڑھا کہ حضور گورنر جنرل با اجلاس

کونسل نے بطیب خاطر آزاد پاشا کو ممبر کونسل مذکور مقرر فرمایا ہے۔ اس میں اصلاً شک نہیں کہ بہت قریب ہے جب ہم سنیں گے کہ مسٹر آزاد نے لیجس لیٹو کونسل میں فوائد اہل ہند کے لئے مسودہ پیش کیا۔

۲۔ یوں تو اور وسیع اور آباد جزیرہ نما میں کروروں آدمی بستے ہیں اور بہ فحوائے فضلنا بعضکم علی بعض۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے لیکن جہاں تک قابلیت اور بسالت اور ہمدردی اور حب الوطنی اور آزادی اور رزانت خیالات متعلق ہے۔ یہ دعویٰ کر کے کہہ سکتے ہیں کہ اپر انڈیا میں محمد آزاد پاشا اپنی آپ ہی نظیر ہیں۔ ایسے ہی علم دوست اور خوش تدبیر اور عالی دماغ بزرگواروں سے امید ہے کہ یہ ملک دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا۔ جب سے ہم نے سنا ہے کہ اس فخر ہند جنٹلمین کو گورنمنٹ ہند نے لیجس لیٹو کونسل ہندوستان کی ممبری پر نامزد کیا ہے، ہماری روح کو کئی مسرت اور دلی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ بیشک اور بلاشبہ آپ کی ذات سے ہم کو پوری پوری امید ہے کہ بہت جلد مفید عام مسودہ قانون پیش کئے جائیں گے اور چونکہ جناب باری نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی قابلیت اور دور اندیشی کے زیور سے متجلی کیا ہے، ممکن ہے کہ آپ کی فکر متبتن فوائد ملک کے ساتھ وہ کرے جو ابر بہار زراعت کے ساتھ کرتا ہے۔ ہم دلی شوق سے منتظر ہیں کہ دیکھیں آزاد پاشا کس قسم کی اسپیچیں دیتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسا جنٹلمین کوئی کم ہوگا کہ صاحب السیف والقلم ہو جو تحریر اور تقریر دونوں میں عدیم النظیر ہو اور جس کی جادو بیانی سامعین کے دل پر مقناطیس کا اثر پہونچاتے۔

ہم اپنے کل ہم وطنوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ مسٹر ممدوح ہماری کونسل واضع آئین و قوانین کے ممبر مقرر ہوئے آج کا مبارک دن ہندوستان کی تاریخ میں یادگار کے قابل ہے کہ اس ملک کے باکمال اور ذی علم محمد آزاد پاشا کو جن کی قابلیت کا دور دور تک شہرہ ہے، صاحب دیسرائے وگورنر جنرل کشور ہند نے مجلس واضع میں قوانین ہند میں شامل فرمایا اور ممبری کا اعزاز بخشا۔ حضور معزی الیہ نے اس تقرری سے کل اہل ہند کو مرہون عنایت، بے پایاں اور رہین منت بیکراں فرمایا، جو فوائد لاتعد و غیر محدود اس ذکی الطبع اور بلند خیال بزرگ کی تقرری سے حاصل ہوں گے ان سے ہم اور ہمارے کل وطن بخوبی واقف ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مسٹر آزاد نے اعلیٰ درجے کی تعلیم انگریزی اور عربی اور فارسی میں پائی ہے اور سائنس میں مدارج اعلیٰ حاصل کئے ہیں۔ ہم نے ان صاحب کے کئی مضمون اخبارناموں کے ذریعہ سے شائع کئے ہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس آسانی سے شستہ زبان، انگریزی میں مسٹر آزاد اپنے خیالات ظاہر کر سکتے ہیں غالباً ممالک مغربی و شمالی و پنجاب میں کوئی ہندی ان کا نقطہ مقابل نہیں ہے۔ ان کے کئی آرٹیکلوں پر اکثر لایق فایق یوروپین کو دھوکا ہوا تھا کہ کسی انگریز کے لکھے ہوئے ہیں اور جب ان کو معلوم ہوا کہ ایک ہندوستانی جنٹلمین ان کے مصنف ہیں تو سخت حیرت ہوئی۔ آزاد پاشا کے خیالات شائستہ اکثر رسالجات لندن میں بھی اشاعت پاتے ہیں اور حال میں جو مضمون رسالہ نین ٹینتھ سنچوری میں آپ نے

زراعت ہندوستان کی نسبت درج کیا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آزاد پاشا نے ہند کے مختلف ملکوں کی بخوبی سیر کی ہے اور مزارعین کی حالت پر کامل غور کیا ہے۔ اس کے علاوہ سررشتۂ تعلیم کے بارے میں جو آزادانہ رائے ایک رسالہ لندن میں آپ نے بہ کمال فصاحت و بلاغت ظاہر کی تھی وہ آپ کی قابلیت پر دال ہے۔ پس ایسے ہندی کا مجلسِ واضع قوانین میں شریک ہونا فال فرخ ہے۔ اگر ایسے ہی ایسے لائق اور ذی علم اور واقف کار آدمی شریک لیجس لیٹو کونسل ہوں تو ممکن نہیں کہ اس ملک میں دو چند زیادہ فائدہ نہ پہنچے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے کل ہمعصر اس تقرری سے بدرجۂ غایت محفوظ ہوئے ہیں اور جس اخبار یا جس صحیفے کو کھولیے اس میں ان کی نسبت بھی درج ہوگا جو ہم نے لکھا ہے۔ کوئی اخبار مبارک باد دیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ آزاد پاشا سے ممبری کو اعزاز حاصل ہوا، کسی کی رائے ہے کہ اس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی ان کے علم و فضل کا مداح ہے، کوئی ان کی قابلیت کا ثنا خواں، کوئی ان کی ہمدردی کی تعریف میں عذب البیان اور کوئی حب الوطنی کی توصیف میں رطب اللسان ہے۔

محمد آزاد پاشا نے لیجس لیٹو کونسل میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان کے ان اردو اخباروں کی طرف گورنمنٹ کو توجہ کرنی چاہیے جن کے ذریعہ سے فحش کی اشاعت ہوتی ہے۔ پہلے ایک اردو میں مضمون ذیل درج کیا اور بعد ازاں ہندوستان کے نامی گرامی اخبارات انگریزی میں اس مضمون کی تائید کی وہ مضمون یہ ہے :-

فحش خبروں اور طنز یہ مزاح میں فرق

خاطر خطیر جاد و طبعان نکتہ شناس، و بمنزلہ سنجانِ لطائف اساس پر مخفی و محتجب نہ رہے کہ لغت میں مزاح کے معنی ہیں خوش طبعی کرنا اور اصطلاح میں ایراد مقولاتِ لطیفہ و استعمالِ نقلیاتِ ظریفہ بہ پابندی آداب تہذیب کو کہتے ہیں۔ چنانچہ بہت غایت طبیب و انتہائے تہذیب مزاح کو مطائبات و مباسطات بھی کہتے ہیں۔ استعمال اس کا از قسم سجایائے رضیہ و شمائل مرضیہ قرار دیا گیا ہے۔ محافل سلاطین عظام و مجالس مقدسہ انبیائے کرام علیہم السلام میں جائز رکھا گیا تھا۔ پس انقیاد آداب تہذیب سے ثابت ہے کہ جو مزاح آدابِ تہذیب سے معرا اور فحوشات سے محلیٰ ہے، وہ مزاح نہیں ہے بلکہ بے باکی و مسخرگی و ہزل ہے۔ استحباب مزاح از روئے احادیث صحیحہ و روایات معتبرہ ثابت و متحقق ہے کہ حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد اطہار و ازواجِ مطہرات و اصحاب کبار کے ساتھ مزاح فرمایا کرتے تھے اور اصحاب رضوان اللہ علیہم بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ بے تکلف مطائبہ کیا کرتے

تھے۔ اور گردِ کدورت و ملال ان کے آئینہ خاطر مبارک سے بذریعہ مزاح رفع دفع کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مقدس میں شاعران خوش بیاں اور راویان شیریں زبان اشعار آبدار و داستانہائے فرحت آثار عرض کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم متوجہ ہو کے سماعت فرمایا کرتے تھے۔ راوی معتبر عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے بیشتر حضرت رسول صلعم سے مزاح کی ہو اور جمیع خلائق سے آنحضرت صلعم متبسم تر اور خوشنحو تر تھے، دانایان روزگار و واقفان اسرار نے آں جناب کے کلام لطافت انضمام کو بسبب ہونے فقرہ ہائے قل و دل کے جواہر الکلم تعبیر کیا ہے۔ ایک بوالعجبی یہ تھی کہ ایک ایک حرف اُن جناب کے کلام کا حق حق ہوتا تھا۔ کذب کو مطلق اس میں دخل نہیں ایک روز بعض صحابہ کبار نے عرض کیا کہ یا حضرت اس قدر مزاح اپنے مقلدین اور تابعین کے ساتھ کرنا مناسب منصب نبوت کے نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انی لا اقول الا حقاً یعنی بدرستیکہ میں نہیں کہتا ہوں مگر سخن راست پس اس قول جمیل رسول رب جلیل سے صاف ہویدا عیاں ہے کہ جس خوش طبعی میں فحش اور دروغ ہو وہ مزاح نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ شانہ مزاح کو دوست رکھتا ہے اور مزاح سے مواخذہ نہیں کرتا ہے اور نیز فرمایا کہ وائے اوس شخص پر جو کلام دروغ کہہ کے آدمیوں کو ہنساتا ہے اور دو مرتبہ فرمایا وائے وائے۔ اس حدیث سے بھی بوجہ اولیٰ ثبوت ہوا کہ مزاح اس خوش طبعی پر صادق آئے گا جس میں دروغ و فحش دونوں نہ ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ کا دوست رکھنا معلوم اور یہ جو حدیث نبوی صلعم میں وارد ہوا ہے کہ برادران مومن کے ساتھ مزاح اور مجادلہ نہ کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مزاح میں اسقدر مبالغہ نہ کرو کہ موجب رنجش و مجادلہ کا ہو اور مطایبہ و مزاح کو اپنا شیوہ و شعار نہ کرنا چاہیئے۔ اسلیئے کہ خندہ بسیار و مضاحکہ بہ تکرار موجب سختی دل و غفلت کا ہے پس جس حالت میں کہ مزاح حد اعتدال سے گذر جاتی ہے تو نفرت پیدا کرتی ہے اور باعث عصیان ہوتی ہے۔ لہٰذا مزاح بدرجۂ اعتدال جائز بلکہ مستحب ہے تاکہ باعث تفریح و انبساط قلوب ہوتے و نیز حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ ہر مومن مزاح دوست اور شیریں سخن ہوتا ہے اور منافق ترش رو چین بابرو شیخ فریدالدین متخلص بہ عطار فرماتے ہیں کہ:-

چو عیسیٰ باش خندان و شگفتہ
کہ خر باشد ترش روی و گرفتہ

لطیفہ

لطیفہ فرمودۂ آنحضرت صلعم۔ ایک روز ایک عورت آپ کی خدمت سراپا سعادت میں حاضر ہوئی اور دست بستہ عرض کی کہ یا حضرت میرے شوہر کو آپ سے کچھ ضرورت ہے اور حاضری سے بوجہ علالت کے وہ قاصر ہے لہٰذا وہ اس امر کا طالب

ہے کہ آپ اس کے مکان ہی پر قدم رنجہ فرمائیں تو اپنی ضرورت وہ آپ کی خدمت میں بالمشافہ عرض کرے۔ آنحضرت صلعم اس وقت بشاش تھے، فرمایا کہ تیرا شوہر وہی شخص ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اس نے کہا واللہ یا حضرت میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ذرہ بھی نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم متبسّم ہوتے اور اصحاب سے مخاطب ہو کے فرمایا کہ کیوں صاحبو اس وقت اس عورت کا خیال کدھر ہے۔ بھلا کوئی آنکھ ایسی بھی ہوتی ہے جس میں سفیدی نہ ہو۔ اصحاب تو ہنسنے لگے اور وہ عورت اپنی حماقت سے نادم ہوتی۔

دوسرا لطیفہ

ایک روز آنحضرت صلعم نے جناب علی مرتضیٰ کو بسبب کسی ضرورت کے ان کی دولت سرا پر تلاش کرایا مگر وہاں ان جناب کو نہ پایا۔ آنحضرت صلعم نے خادموں کو ارشاد فرمایا کہ جابجا جاؤ اور علی کو تلاش کر کے میرے پاس جلد لاؤ۔ بنا بر تعمیل ارشاد چند خادم پے در پے روانہ ہوتے۔ جابجا کوچہ بکوچہ جناب علی مرتضیٰ کو تلاش کرنے لگے مگر کہیں سراغ آنجناب کا نہ پایا۔ بالآخر ایک خادم کو دریافت ہوا کہ وہ جناب مسجد میں ہیں، وہ خادم وہاں گیا تو دیکھا کہ جناب سرتاج الاولیاء علی مرتضیٰ صحن مسجد میں بستر خاک پر کروٹ سے اس طرح لیٹے استراحت فرما رہے ہیں کہ ایک رخسار ان جناب کا آلودہ بخاک ہے۔ یہ خبر اس خادم نے بجنسہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پہنچائی۔ اس خبر کے سنتے ہی سرورِ عالم معًا استادہ ہو گئے اور ہمراہ اس خادم کے اُس مسجد میں تشریف لے گئے جس کے صحن میں جناب علی مرتضیٰ فرشِ خاک پر بلا تکلف آلودہ خواب تھے۔ آہستہ آہستہ جا کے بالیں پر بیٹھ گئے اور سر مبارک ان جناب کا اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کے اپنے زانوئے اقدس پر رکھا اور خاک ان کے رخسار سے پاک کر کے دو دفعہ مزاحًا فرمایا۔ قم یا اباتراب، قم یا اباتراب۔ اُس روز سے ابوتراب جناب علی مرتضیٰ کا لقب ہوا۔

اقوال حکمائے فلاسفہ نسبت مزاح

حکماء نے فرمایا ہے کہ مزاح داروئے نافع واسطے دفع کلفت قلب کے ہے چنانچہ کسی شاعر حقیقت ماہر کا قول منظوم ہے کہ: ؎

سخن خوش بہ نزد مردِ حکیم　　بہتر آید ز بخشش زر و سیم

ایک دوسرے حکیم کا قول ہے کہ خوش طبعی دوا ہے واسطے ازالہ مرض عداوت کے دل دشمناں سے: ؎

لطفِ سخن از سینہ گرد کیں بہ برد　　زبان لطف زا بردے خشم چین برد

اور مثالیں

کجے ہست کلام خوش کہ گویند از ان

چنداں کہ کرم نمود درویش نشد

چونکہ سلاطین عالی وقار و سرداران ذی اقتدار کے مطمح نظر ہمیشہ یہ امر رہتا ہے کہ امورات دینی و دنیوی ہمیشہ ان کے ہاتھ سے بروجہ احسن و حُسن انتظام و انتساق کے انجام ہوئیں اور طبیعت میں کلفت اور کدورت کو دخل مطلق نہ ہو۔ لہذا حکمائے دانش اور قدمائے اس گروہ نے اوقاتِ شبان روزی بمنظر انصرام مہمات و اصلاح طبیعت و انبساط قلوب اس ہنج پر کی ہے کہ ایک وقتِ خاص پر طاعت و عبادتِ الہٰی میں صرف ہونا چاہیے۔ وہ وقت صبح صادق کا ہے۔ اس لئے کہ بعد راحت و استراحت چند ساعت و قتِ شب جو اس ظاہری و باطنی انسان کے وقت صبح آلائش اضطرار و کثافت انتشار سے پاک اور مبرا ہوتے ہیں۔ توجہ خاطر الی اللہ اکبر اقوائے پا یہ کہنا چاہیئے کہ نفس انسانی اس وقت مشاغل سے فارغ ہوتا ہے اور روح اور دل علائق سے خالی۔ چنانچہ ناقلانِ سعادت آثار و راویان صداقت شعار نے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام نے جبرئیل امین ملک مقرب رب العالمین سے پوچھا کہ عبادت خدائے یکتا اور بیگانہ کے واسطے کونسا وقت موزوں و مناسب و فاضل تر ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ زیادہ علم تو اس بارے میں مجھے حاصل نہیں مگر اس قدر معلوم ہے کہ ہنگام سحر عرش اعظم الہٰی میں کیفیت وجد اور اہتزاز کی پیدا ہوتی ہے اور زمرۂ روحانیات میں شورش و ولولہ پایا جاتا ہے درہائے فیض و فتوح اس وقت کشادہ ہو جاتے ہیں اور عاشقانِ درگاہ شاہد حقیقی کی زبان پر اس وقت خاصا نالہ و آہ ہوتا ہے۔ عابدوں کی زبان پر کلمۂ استغفار کسی عارف باللہ کا کلام منظوم مطابق مضمون ہے: ؎

چشم صاحب دولتان بیدار باشد صبحدم　　عاشقانِ را نالہائے زار باشد صبحدم

بر دا بردار و سعادت ہر سحر از رخ دلے　　آن تواند دید کو بیدار باشد صبحدم

کتب معتبرہ میں سبب مشک نافہ پیدا ہونے کا اس طرح مرقوم ہے کہ آہوان بیابانِ چین مدت چالیس روز تک گیاہ ناپاک کھانے سے مجتنب رہتے ہیں۔ قدرتی خاشاک پاک کھا کھا کے بسر کرتے ہیں۔ بعد گذر جانے چالیسویں شب کے اکتالیسویں شب کی صبح کو مشرق کی طرف منہ کر کے منتظر رہتے ہیں۔ جس وقت کہ صبح صادق ہونے لگتی ہے، اور بادِ نسیم سحری چلنا شروع ہوتی ہے اس وقت آہو منہ کھول کر اس نسیم عطر بار فرحت و برکت و نثار کو منہ سے پینا شروع کرتے ہیں۔ وہ ہوائے مبارک دمِ شکم میں ان کے قدرت خدائے عزوجل سے، ادھر ان کے حلق سے اترتی جاتی ہے ادھر خون ان کے جسم کا ناف میں جمع ہو کے منجمد ہوتا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک قلیل ہی عرصے میں خون ان کا مقامِ ناف میں جمع ہو کے خاصیت و برکت بادِ سحری سے مشک ہو جاتا ہے۔ جس کی شہرت تمام ربع مسکون

میں ہے اور قدر و قیمت اس کی معروف و مشہور، خواجہ عطار اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

ازانِ دم مشک بیپا پدیدار | وزانِ دم گردش خلقے خریدار
چو خون نے مشک گردد از دمِ پاک | بود ممکن کہ روحانی شودِ خاک
بلے چون نورِ حق درجانِ در آید | تنت خاکی برنگِ جان بر آید

اگر تو کیمیا سازی چنین ساز

و لے این کیمیا در راہ دین باز

اور کچھ اوقات مذاکرۂ علوم و کسب و فضائل میں صرف ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ تحصیل علوم و کسب فضائل واسطے تکمیل خلقت انسانی کے لازم ہے۔ حکماء نے انسان بے علم کو مردہ بے جان کہا ہے۔ دیگر فوائد تحصیل علوم کے صدہا کتابوں میں، مفصل تحریر ہیں۔ اگر واقفیت مدنظر ہو۔ یلیرجع الیہ دیگر، بعض اوقات معاملات دنیاوی میں بسر کرنا مناسب ہے۔ مثل سیاستِ مدن و سیاست منزل وغیرہ کہ یہ بھی ضروریات سے ہے۔

دیگر۔ کسی قدر وقت صید و شکار و گلگشت گلزار میں صرف کرنا حکما کی رائے میں عین مصلحت ہے کہ یہ بھی عبث دفیعہ رنج و آلام کا صفحۂ خاطر سے ہوتا ہے۔

بعد ازاں کسی قدر سماع سرود دلفریب و صحبت معشوقان و غارت کناں صبر و شکیب میں مشغول رہنا نیز چشم و گوش کو متلذذ کرتا ہے اور تفریح بخش خاطر ہوتا ہے۔ پس ازانِ چند ساعت ہمدمان بے رنج و ندیمان بذلہ سنج سے اختلاط رکھنا انسب ہے۔ اس لئے کہ واسطے ازالۂ مرض کلفت کے کلامِ خوش بہتر از ہزار دوائی ہے چنانچہ کلامِ حقیقت انضمام شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی موئد مضمون ہٰذا ہے: ؎

نظر کردم بچشم عقل و تدبیر | ندیدم بہ زخاموشی قضائے
و گویم لب بہ بند و دیدہ بر دوز | ولیکن ہر مقامے را مقامے
زمانے بحث علم و درس تنزیل | کہ باشد نفس انسان را کمالے
زمانے شعر و شطرنج و لطائف | کہ خاطر را ابود دفع ملالے

خدا ہست آنکہ ذات بے مثالش

نہ گردد ہرگز از حالے بحالے

اس تمہید کے بعد آزاد نے اُن اخباروں کے نام لکھے اور اکثر فحش فقروں کی نقل کی ــــ جب بخوبی معلوم ہو گیا کہ ہندوستان کے کل حکام بالا دست کی نظرِ انور سے اُن کے مضامین نسبت اشاراتِ فحش گذرے اور سب کو توجہ ہوئی کہ انسداد فحش میں ساعی ہوں تو لیجس لیٹو کونسل میں بہ مسودہ قانون پیش کیا۔

مسودۂ قانون

کچھ عرصے سے اس ملک میں پنچ کے نام سے چند اخبار جاری ہوئے ہیں۔ جن کے ذریعہ سے ہندوستانیوں کے اخلاق میں فتور پڑنے کا احتمال ہے۔ چونکہ آج کل اکثر اخباروں میں یہ بحث پیش ہے۔ لہذا ہم کو مناسب معلوم ہوا کہ ہم بھی آنریبل جنٹلمینوں کو اس کی طرف مخاطب کریں، ان حضرات کی بیہودہ تحریروں سے ہندوستان کو انتہا سے زیادہ نقصان پہونچتا ہے۔ مسخرے گالیاں بکنے، اور رئیسوں کو برا بھلا کہنے اور کلمات فحش و نا ملائم کو اپنا جوہر سمجھتے ہیں۔ (تمسخر ان کی کائنات ہے) ایک دوست کا یہ قول ہمیں از بس پسند آیا۔ ہندوستان کے ثقات متین اور مہذب بزرگوار ان مسخروں کے نام سے نفرت کرتے ہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ جو تہذیب اشاعت علوم غربیہ اور خیالات مغربی کے ذریعہ سے ہمارے ہم وطن حاصل کرتے ہیں، اس کو ان مسخروں کے شہدہ پن سے کمال ضرر پہونچے گا۔ پس لازم آیا کہ رعایا اور گورنمنٹ دونوں ان کی تحریر کے مضار بیشمار کو میزان خرد میں تولیں۔ اور دیکھیں کہ ان کے مضامین بیہودہ سے اخلاق پر کتنا اثر پڑتا ہے۔ ان کی فحش تحریرات سے کس درجہ بد تہذیبی پھیلتی ہے۔ ان مسخروں کا یہ شیوہ ہے کہ جس کسی کو اپنے سے افضل اور اشراف پایا اس کی ہجو کرنے لگے۔ اس کو برا بھلا کہا اور اپنی بیہودہ تحریر کے ذریعے سے اس کا خاکہ اڑایا۔ گالیا دینا، کوسنا، سخت الفاظ لکھنا، بد تہذیبی کی باتیں درج کرنا، اُن کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ ان مسخروں کی روٹیاں اسی مسخرے پن سے چلتی ہیں۔ حاصل عمر یہی ہے۔ تمسخر اور فحش بکنے کو ان شریر النفس آدمیوں نے اپنا پیشہ مقرر کر لیا ہے۔ ع روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر۔ اس کے سوا عمر بھر کوئی اور کام ہی نہ کیا۔

ان مسخروں کی فحش تحریروں کا بہت خراب اثر پہونچتا ہے۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ گورنمنٹ ایسے بے تکے آدمیوں اور مسخروں اور فحش بکنے والوں کی خبر لے، ورنہ اور بھی خراب اثر ہوگا۔ ان مسخروں کو بجز اس کے اور کوئی کام ہی نہیں کہ بھونڈی باتوں کو خاص مذاق سمجھیں، اور مہینے میں تین چار امیروں اور رئیسوں اور مہذب اور متین آدمیوں کو بے نقط سنائیں۔ سنجیدہ ثقات کے پردۂ گوش کو ان کے الفاظ فحش سے صدمہ پہونچتا ہے۔ وہ ایسی ضرخرف تحریروں کا پڑھنا داخلِ گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں اور ان مسخروں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں، ان کے نام پر لاحول پڑھتے ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ بعض شہدے یا لچے یا وہ لوگ جو تہذیب اور متانت سے محض ناواقف ہیں، ایسی تحریروں کو پڑھ کر خوش ہوں۔ لیکن متین بزرگوار تو ہمیشہ اُن سے منزلوں دور رہیں گے۔ اور سمجھ جائیں گے کہ جن مسخروں کی تحریر سے بد تہذیبی کی بو آئے۔

اور جو شرفا کی نسبت کلماتِ ناملایم لکھیں وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی تحریر پر کوئی شریف زادہ نظر ڈالے۔

ہم دعویٰ کر کے کہتے ہیں اور انشاء اللہ اپنے دعوے کو ثابت کر دیں گے کہ ہندوستان کے کالجوں اور مدارس اور مکاتب سے جس قدر فایدہ اہل ہند کو ہوتا ہے اس سے زیادہ نقصان ان مسخروں کی قابل نفرت تحریروں سے پہونچیگا۔ اور اسی سبب سے ہماری یہ رائے ہے کہ گورنمنٹ ان کی آنکھیں کھول دے اور ان کو ایسا سبق دے کہ عمر بھر نہ بھولیں۔ اہل ہند پر فرض ہے کہ ایسے مسخروں کی سرپرستی اور حمایت سے کنارہ کش ہوں۔ سرپرستی اُن کی کرنی چاہیئے جو اس لایق ہے اور جس شخص کی نسبت یہ امر مسلم الثبوت ہو کہ اس کو سوائے گالیاں دینے اور فحش بکنے، اور شریفوں کے دھمکانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس سے قوم کو انتہا سے زیادہ نفرت کرنی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ان مسخروں کی منترت انگیز تحریریں ستم ڈھائیں گی اور ملک پر ان کی بیہودگی کا اثر بہت ہی خراب ہوگا۔

ان مسخروں نے اپنے پیٹ پالنے کا آسان طریقہ نکالا ہے کہ شریفوں کو گالیاں دینا شروع کیا۔ اگر اُن کے کل مضامین پر نظر ڈالی جائے تو صاف ظاہر ہو کہ ایک حصّے سے زیادہ مضمون قابل لحاظ و غور گورنمنٹ ہے۔ جن میں سوائے باتوں اور گالیوں کے اور کچھ بھی نہیں۔ وجہ یہ کہ یہ مسخرے کچھ پڑھے لکھے تو ہیں نہیں کہ ان کی تحریر سے لیاقت یا علمیت کا ثبوت ہو۔ اور پیٹ کسی نہ کسی طرح پالا ہی چاہیں۔ اب لکھیں تو کیا لکھیں سب سے آسان طریقہ یہ نکالا کہ گالیاں بکنے لگے۔ متین اور مہذب لوگ اور ثقات مقدس اور تربیت یافتہ صافی مذاق نہ پڑھیں نہ سہی۔ شہدے اور لچے تو تعریف کریں گے۔ پھر ظاہر ہے کہ ان کے کلام کو وہی پسند کریں گے اور وہی داد دیں گے۔ ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ متین آدمیوں کی ہماری نسبت کیا رائے ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ثقات مہذب ان کو کبھی اچھا نہ کہیں گے لہٰذا وہ اسی بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اُن کے فن کے لوگ انھیں اچھا کہیں اور انہیں کی بدولت ان کی روٹیاں چلتی ہیں۔ یا اُن لوگوں کے طفیل میں جو۔ ع۔

دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

پر عمل کرتے ہیں۔

ناظرین با تمکین خوب سمجھتے ہیں کہ تحریر چاہے جس قسم کی ہو اپنا اثر ضرور دکھائے گی۔ اخبار کا خاص منشا یہ ہے کہ عمدہ عمدہ مضامین سے ناظرین کو خوش کرے۔ اور اس کے ذریعہ سے ملک فائدہ اٹھائے اور جبکہ اخبار خاص اس منشا سے جاری کیا گیا کہ فی صدی نوے مضمونوں میں گالیاں ہوں۔ اور بھنگیڑ خانے کی اصطلاحوں کو ترقی دی جائے۔ اور اشارہ اور کنایہ میں وہ وہ بیہودہ الفاظ لکھے جائیں

جن سے شرفا کو نفرت ہے۔ تو فرمائیے ایسے اخبار کا اثر کیسا ہوگا۔ جس طرح کتب اخلاق سے فواید بے شمار لوگوں نے حاصل کیے، نیک وبد میں تمیز کرنے لگے۔ داب وآداب سیکھا۔ نفس امارہ پر نفس مطمئنہ غالب آیا۔ بدی خیرباد کہہ کر سدھاری۔ خیالات متین ہوئے۔ رائے رزین ہوئی۔ اسی طرح فحش مضامین سے یہ اثر ناظرین کے دلوں پر ضرور ہوگا کہ اُن کا مذاق بھی بھونڈا ہوجائے۔ اور وہ بھی اُسی ڈھرے پر چلنے لگیں اور مسلک یاوہ گوئی کے سالک ہوں۔ جس مضمون میں دلیل اور حجت اور برہان سے واسطہ ہی نہ رکھا جائے اور جس کے ایک ایک لفظ سے رذالت کی بو آئے اُس کا نتیجہ پر ظاہر ہے ظریف وہ جو تہذیب ومتانت کے ساتھ مزاح کا برتاؤ کرے جس کی تحریر اور تقریر سے سنجیدگی مترشح ہو۔ جس سے عمدہ عمدہ نتائج نکلیں، اور جو اُدھار کھائے بیٹھا ہو کہ ہم سوائے فحش کلمات اور خیالات کے کوئی کلمہ زبان قلم پر نہ لائیں گے۔ اس کو کوئی ذی عقل ظریف نہ کہے گا۔ بلکہ یہ سمجھے گا کہ پیر بخارا کے چھٹے ہوئے شہدوں میں سے یہ بھی ہیں۔ شہدے اچھے اچھے رئیسوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ مگر ان شہدوں کی تحریروں سے جو اثر بد پڑتا ہے وہ ان شہدوں کے شہدے پن سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔ متین اور مہذب اخبار نویس اس قسم کے فحش بکنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے ہیں کہ ان کی بھونڈی روش کی تقلید کریں۔ بلکہ ان کے خیالات فاسد اور مضامین نفرت انگیز سے منزلوں دور رہتے ہیں۔ خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے ہم وطن اس بلا سے جلد نجات پائیں۔ تاکہ اخلاق کی درستی اور تہذیب وشائستگی کی اشاعت ہو۔

انھیں خوب معلوم ہے کہ تیرھویں صدی کے جعفر زٹلی اپنے ملک کے دشمن ہیں اور اپنی مفسدہ آمیز اور مزخرف تحریروں سے اہل وطن کو بھونڈا مذاق سکھاتے ہیں جو اُن کے حق میں زہر کی خاصیت رکھتا ہے ان کی سرپرستی کرنا فحش کو ترقی دینا ہے اور فحش کو ترقی دینا ملک کے حق میں کانٹے بونا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ کوئی نیک نفس خیرخواہ وطن یہ نہ چاہے گا کہ وہ اپنے پیارے ہم وطنوں کو خراب حالت میں دیکھے۔ پس ثابت ہوگیا کہ تیرھویں صدی کے جعفر زٹلی اپنے وطن کے عدو ہیں۔ اور اُن کے افعال سے نفرت کرنا اہل ہند کے فرائض میں سے ہے۔

ہم پوچھتے ہیں آخر ان کی تحریر نے ملک کو کونسا فائدہ پہونچایا، یا کس قسم کا فائدہ پہونچ سکتا ہے یا کس طرح کی منفعت کی امید ہوسکتی ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ۔

ہاتھیوں سے گنے کھانا رئیس زادوں اور شریفوں کو گالیاں سنانا، خاکہ اڑانا، ہجو کرنا اور با ایں ہمہ خیرخواہی ملک کا دم بھرنا۔ ع۔

ایں خیال است ومحال ست وجنوں

مگر الحمد للہ کہ ان جعفر زٹلیوں کی قلعی کھل گئی۔ کاغذ کی ناؤ چلائے نہ چل سکی، اب اکثر بزرگواروں پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اُن حضرات کا منشا ترقی ملکی نہیں، بلکہ صرف یہ مقصد ہے کہ اوروں کو گالیاں دیں۔ دنیا بھر میں فحش پھیلائیں اور اترائیں کہ۔

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

مگر مُنہ دھو رکھیں۔ اب انھوں نے اپنے حسد اور بغض اور مضامین فحش آگیں سے خود ہی ثابت کر دیا کہ وہ اس لائق نہیں کہ مہذب آدمی ان کو منہ لگائیں۔ اس سبب سے اب روز بروز اُن کی کساد بازاری ہوتی جاتی ہے۔ اب وہ فقط لکیر پیٹ رہے ہیں۔ وہ لاکھ اپنے اڑھائی چاول پکائیں، مہذب آدمی اور معزز و تربیت یافتہ بزرگواروں کے طبقہ میں ان کی دال نہ گلے گی۔ کیا مجال۔ مرد دانا ان کے جال میں پھنسیں گے۔ ان کی کوشش بالکل بیکار جائے گی۔ اتنے ہی دنوں میں اُن پر ظاہر ہوگیا کہ ان کی بھونڈی روش سے اصحاب بالغ خرد کی طبیعت نفور ہے، اور کچھ دن میں وہ اپنی لغو تحریروں پر خود کف افسوس ملیں گے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ساری خدائی ان کے نام پر لاحول پڑھتی ہے۔

ہماری مہذب گورنمنٹ ان کی طرف ضرور متوجہ ہوگی اور ان سے باز پرس ہوگی وہ وقت اب دور نہیں ہے جب گورنمنٹ کے اراکین بانوقیر ان کی فحش تحریرات کو غور اور تعمق سے پڑھکر نتیجہ نکالیں گے کہ اگر چندے وہ اپنی کوشش میں جو ضرر رساں ہے کامیاب ہوئے تو بد اخلاقی ہندوستان میں ہاتھ پاؤں نکالے گی۔ ممکن نہیں کہ اس امر میں پہلو تہی ہو۔

قانون آزادی اخبار اچھا ہو یا بُرا لیکن ہمارے علم و یقین میں ایسے قانون کی اشد ضرورت ہے۔ جس کی رو سے فحش کی گرم بازاری سرد ہو جائے اور جو بد تہذیبی کا ڈھنگ تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں نے ایجاد کیا ہے اس کا ڈربا پھونک دیا جائے۔

اگر ذرا بھی غور کیا جائے تو ہماری رائے قابل تسلیم قرار پائے۔ مہذب ملکوں میں اخبارات کی اشاعت اس غرض سے ہوتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے خیالات رعایا گورنمنٹ پر ظاہر ہوں۔ اور گورنمنٹ کے مقاصد کی رعایا اطلاع پائے۔ مختلف اُمور پولٹیکل و سوشیل پر بحث ہو۔ علما اور فضلا اور کملا اس بحث میں شریک ہوں اور ہر پہلو سے امور ملکی و اخلاقی کے حسن و قبح کو اپنے اپنے خیالات کے مطابق ثابت کریں۔ تہذیب کو ترقی دیں، شائستگی کے نور سے ناظرین کے دلوں کو منور کریں۔ رسوم بد کو آڑے ہاتھوں لیں نہ یہ کہ اس کے برعکس صرف حسد اور بغض کے سبب سے آج اس کو بتائیں کل اس کا خاکہ اُڑائیں اور اس قسم کے کلمات نا ملائم سے مضمون کو مملو کریں۔ جن کے پڑھنے اور سُننے سے بجز نقصان

ذرا بھی فائدہ متصور نہ ہو۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے اخباروں کی روک گورنمنٹ کیوں نہ کرے گی۔ جو خاص منشاء اخبار ہے وہ ان کے ذریعہ سے حاصل ہونا محال ہے بلکہ اس کے برخلاف بد تہذیبی کو دن دونی رات چوگنی ترقی دیتے ہیں۔

پس افسوس کا مقام ہے کہ ایسی مہذب گورنمنٹ کی عملداری میں یہ جعفر زٹلی اس درجہ دائرہ اعتدال سے قدم بڑھاتے پائیں اور سرزنش سے محفوظ رہیں۔

ہم دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ کوئی مہذب گورنمنٹ اس قسم کی تحریروں کی اشاعت کو پسند نہ کرے گی۔ اور نہ جائز رکھے گی۔ یہ وہ تحریریں ہیں جو تہذیب کی جان کے ساتھ موت کا کام کرتی ہیں۔ اشاعتِ تعلیم سے گورنمنٹ کو یہی مقصود ہے کہ رعایا مہذب ہو۔ اور نورِ علوم غربیہ سے اہل ہند کے ظلمت کدۂ دل منور ہو جائیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ یہ غیر مہذب حضرات اپنی کوشش اور فاسد خیالات سے مہذبوں کو غیر مہذب اور شایستہ آدمیوں کو بد کردار کرنے میں سعی مؤفور کر رہے ہیں۔ پس لازم ہے کہ اُن سے مؤاخذہ کیا جائے۔ ہمیں اس امر خاص میں ابھی بہت کچھ لکھنا ہے اور اگر فرصت ملی تو ہم اپنے دعوے کو جلد ثابت کریں گے کہ تیرھویں صدی کے جعفر زٹلی اپنے ملک کے تباہ اور غیر مہذب کرنے میں حتی الوسع کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔

انگلستان کے ایک ڈمسٹک میگزین میں لکھا ہے کہ چوتھا رکن سلطنت بعض ناہنجار اور نالایق آدمیوں کے سبب سے بدنام ہو جاتا ہے۔ یہ وہ شریر النفس خبیث ہیں جن سے ملک اور قوم کو کسی قسم کا فایدہ پہونچنے کی امید نہیں۔ جن کی گھٹی میں مسخرہ پن لُچاپن پڑا تھا۔ جن کے حرکات سکنات قول فعل تحریر تقریر سب سے مترشح ہے کہ وہ شریف نہیں۔ جس کی خوبو رذالت پر ہو ظاہر ہے وہ شہدوں اور کمینے مسخروں کی طرح شرفا کو گالیاں دیکر خوش ہوتے ہیں۔ ڈمسٹک میگزین کی اس رائے زرین سے ہمیں اتفاق ہے اور کوئی ذی خرد جو طبع سلیم سے بہرہ کافی رکھتا ہے اس سے اختلاف رائے نہ ظاہر کرے گا۔

واضح ہو کہ چوتھا رکن سلطنت اخباروں سے مراد ہے۔ اول رکن سلطنت ملکہ معظمہ یا شہنشاہ یا بادشاہ جو کوئی صاحب تاج و تخت ہو۔ دوسرا رکن سلطنت ہوس آف لارڈز۔ تیسرا رکن سلطنت ہوس آف کامنز۔ چوتھا رکن سلطنت اخبار۔ پس ضروری امر ہے کہ اخبار کا انتظام ایسے لایق وفایق آدمیوں کے سپرد ہو۔ جو متین اور مہذب اور تربیت یافتہ ہیں۔ یہ نہیں کہ ہر فرد بشر ایک کل پتھر کے برتنے پر شریف زادوں کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ کل پتھر پاتے ہی عقل پر پتھر پڑ گئے۔ اور جب کسی کو دولت میں ثروت میں عظمت میں لیاقت میں، اپنے سے اشرف و افضل پایا۔ اس کو بے نقط سُنائیں۔ اس پاجی پن کا انجام بہت

بُرا ہوتا ہے یوں تو اس سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں کہ جس کو انسان اپنے سے بہتر دیکھے اس کو گالیاں دینے لگے، لیکن پیچھے سے ان مسخروں کو اس کا خمیازہ کھینچنا پڑے گا۔ اور قوم ان کے نام سے اس درجہ نفرت کرے گی کہ ان کے کشکول گدائی میں صبح سے شام تک ایک جھنجھی کوڑی بھی نظر نہ آوے گی۔ اور مسخرہ پن سب دم کے دم میں نکل جائے گا۔ جو شے درجہ اعتدال سے تجاوز کرتی ہے اس کا انجام بخیر نہیں نظر آتا۔ ان شریر النفس مسخروں کی شرارت اور ان کا کمینہ دایرہ اعتدال سے تجاوز کرتا جاتا ہے لیکن اُن عقل کے اندھوں کی آنکھیں تو ہیں ہی نہیں کہ وہ انجام بینی کر سکیں۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد اپنی ناہنجاریوں کا ایسا خمیازہ اٹھائیں گے کہ تمام عمر روئیں۔

جب کبھی کسی مہذب اور متین اڈیٹر کو جو فن وقائع نگاری کے اصول سے کما حقہٗ واقف رکھتا ہے ان ناہنجار، مدعیان فردوں منش مسخروں سے پالا پڑتا ہے تو اس کی عجیب حالت ہوتی ہے۔ اگر وہ بھی ان مسخروں کی طرح گالیاں بکے اور ان کو بُرا بھلا کہے، تو وقایع نگار اور اہل الرائے اور ناظرین اخبار اپنے اپنے دلوں میں کہنے لگیں کہ لیجیے یہ بھی فحش بکنے لگے۔ اور اگر خاموش رہیں تو تابکے۔ وہ خوب واقف ہیں کہ رمز و کنایہ میں یا کھلم کھلا گالیاں بکنا پاجیوں اور شہدوں کا کام ہے۔ اگر وہ بھی گالیاں بکیں تو اہل آبرو ان کی اس حرکت پر خوش نہ ہوں گے۔ اس اصول معقول پر نظر ڈال کر وہ لوگ حتی الوسع خاموش ہو رہتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ لیجیے ہمارے مقابل میں خاموش رہے۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ ان سے بحث کرنا اور ان کو مخاطب کرنا اور ان سے جھگڑنا شرفا اپنی وضع کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ان مدعیان تہذیب کا ٹھیک بنانا کون مشکل بات ہے۔ اب کچھ دن سے یہ بدتہذیب بہت سر چڑھتے ہیں۔ جس کا انجام یہی ہوتا ہے کہ یہ بھیک کا ٹھیکرا بھی ان کے ہاتھ سے جائے گا۔

دو دونی فطرت حضرات کا سرمایۂ ناز اور ان کی ساری کائنات بس یہی مسخرہ پن ہے۔ نام اس مسخرگی کی بدولت پیدا کیا ہے۔ روٹیاں اسی مسخرے پن کے طفیل میں چلتی ہیں۔ علمی بحث پولٹیکل معاملات۔ سوشیل امور سے اُن کو کوئی واسطہ نہیں۔ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی عمدہ بات جس سے ملک کا فائدہ متصور ہے۔ ان کے قلم سے نکلی ہو۔ جب لکھے تو اپنی شرافت کے مطابق فحش بھکڑ مزخرف مضامین ہی لکھے، اور اب تو وہ سوچ لیے نہ کہ۔ ع۔

روٹی تو کما کھائے کسی طرح مچھندر

پڑھے لکھے خاک نہیں بٹیر بازوں کی اصطلاحیں نوک زبان ہیں بس وہی لکھا چاہیں، تمام عمر کبھی نوکری نہ ملی۔ جب جوتیاں چٹخانے لگے تو یہ سوجھی کہ آؤ بھئی مسخرے پن کی دکان کھولیں۔ اور فحش بکیں لوگ کچھ نہ کچھ

دے ہی نکلیں گے۔

کوئی مضمون پڑھیے ممکن نہیں کہ فحش سے مبّرا ہو تو وجہ کیا عمر بھر نولڑا بٹیر یا شہدوں لچّوں کی صحبت میں رہے ان کو مادّہ کہاں اور معلوم کیا کہ مضمون نویسی کسے کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو اس سے بڑھ کر کوئی مزاح نہیں جو جہلا نے اکبر اور بیربل کی طرف منسوب کیا ہے کہ بیربل نے یوں کہا اور اکبر نے اس کا جواب وہ دیا۔ صافی مذاق ہو تو سمجھیں کہ مزاح ہے کیا شے اللہ اللہ شان خدا یہ مسخرے مدعیان تہذیب وخرد اور اپنے کو وقایع نگار سمجھیں جو آزادی گورنمنٹ نے اخبار کو عطا کی ہے اس کے یہ مسخرے حیائی دشمن ہیں۔ اور جو ماحصل اشاعت اخبارات کا ہے اس کے برعکس ان مسخروں کے شہدہ پن کی تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

ان مسخروں کی تحریر کو شاید مسخرے ہی پسند بھی کرتے ہیں، ورنہ کوئی ثقہ اور دور اندیش اور بالغ فرد آدمی ان کے مضامین سُنکر بجز۔ لاحول کے اور کچھ نہ کہے گا۔ تیرھویں صدی میں ان جعفرزٹلیوں کا خروج تاریخی بات قابل یادگار ہے اور جب کبھی وقایع نگاروں کو اس صدی کے مسخروں اور جعفر زٹلیوں کے حالات لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ تو ان مسخروں کی تحریر سے ان کو کافی مدد ملے گی۔ لیکن وہ وقت اب بہت ہی قریب ہے کہ ان بدتہذیب مسخروں کی تحریروں کی نسبت کوئی حکم من جانب گورنمنٹ شرف نفاذ پائے۔ اور ان حشرات الارض کی قرار واقعی سزا ہو جائے۔ حاشا ہم صرف اس وجہ سے نہیں لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایسا ہونا چاہیے۔ بلکہ ہمیں یقین واثق ہے کہ ایسا ضرور ہوگا اور بالضرور ہوگا۔ ورنہ انتہا کی بدتہذیبی ان سفلوں کے ذریعہ سے ملک ہندوستان میں پھیلے گی۔ جس طرح شہدوں کا طبقہ شاہی میں رئیسوں اور امیروں اور عمائد کو چن چن کر گالیاں دیتا تھا اور وہ صرف اس وجہ سے خاموش رہتے تھے۔ کہ ان کمینے شہدوں کے منھ کون لگے۔ اسی طرح تیرھویں صدی کے جعفر زٹلی بھی روٴسا، نامداران و امرائے عماید کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ یہ نئی گرھنت کے شہدے اپنے اسلاف پرانے شہدوں کی طرح خوب جانتے ہیں کہ روٴسا ان کے منہ نہ لگیں گے ان سے مخاطب ہونا اپنی شان کے خلاف سمجھیں گے۔ ان کو برا کہنا تک ہی ایسا متصور کریں گے جیسا کہ چھوٹے آدمی اور بازاری شہدے کو برا کہنا۔ بہ ایں ہمہ، اور بھی بررتے ہیں۔ کہ ہم ایسے اور اس غرور اور حماقت اور نخوت سے ان کی رفتہ رفتہ قرار واقعی تنبیہ ہو جاتی ہے ان کی نا ہنجاریاں اُن کو خود ذلیل اور خوار کر دیتی ہیں۔

مگر شکر کا مقام ہے کہ ان نابکار مسخروں سے اب قوم نفرت کرنے لگی۔ اور لوگ خوب سمجھ گئے کہ یہ ان کا کاسۂ گدائی ہے جس کے ذریعے سے وہ صرف اپنا پیٹ پالنا چاہتے ہیں ان کا منشا بس یہی ہے کہ

مسخرہ پن کرکے امیروں کا منہ چڑھا دیں۔ فائدہ ملکی درکنار ان کے ذریعہ مضار بے شمار پہونچتے ہیں۔ لہذا ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا لازم ہے۔ اگلے وقتوں کے لوگ جب کبھی تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں کی تحریرات فحش اور مضامین خلاف تہذیب پڑھتے ہیں تو ان کو نکتہ چینی کا خوب موقع ملتا ہے وہ پوچھتے ہیں کہ نئی روشنی نے اخباروں کی اشاعت کیا اسی غرض سے جائز رکھی ہے کہ اس قدر بد تہذیبی ملک میں پھیلے۔ ایسی شائستہ گورنمنٹ کے عہد میں ایسے بد تہذیب لوگوں کی جو فحش کو تمغائے شرافت سمجھیں ضرور تنبیہ ہونی چاہیئے ورنہ ان کی مزخرف تحریرات کا بڑا خراب اثر ہوگا۔ اوائل میں انگلستان کے اخباروں کی بھی یہی کیفیت تھی۔ سترہ صدی کے اخبارات اور حال کے اخبارات انگلستان میں زمین و آسمان کا فرق ہے اُس زمانے میں وہ اخبار بھی تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں کی طرح گالیاں بکتے تھے۔ واہیات تصویریں اُن میں چھپتی تھیں۔ اور رؤسا اور امراء کی ہجو کرنے کو ذریعۂ افتخار تصور کرتے تھے تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں نے یہ شیوہ اختیار کیا ہے کہ جب عمدہ عمدہ اور چیدہ چیدہ مضامین لکھنے کی اپنے میں لیاقت نہ دیکھی تو اخبار کو لوگوں کی ہجو اور الحش الافاحش سے بھرنا شروع کیا۔

لیکن اس شائستہ گورنمنٹ کی عملداری میں بہت جلد ایسے بد وضع اور ناہنجار اخبار نویسوں کی خدمت مناسب کر دی جائے گی۔ ان جعفر زٹلیوں نے یہ شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ جس رئیس کو باعزاز اور باوقار دیکھا اس کی نسبت کہنا شروع کیا کہ ہمارے حاسد ہیں اب ذی خرد لوگ سوچتے ہیں کہ ان میاں کے پلے ٹوٹکا ہے نہیں۔ ان کی حیثیت ہی کیا ہے کہ رؤسا اور امراء اُن کے حاسد ہوں یہ کس چیز میں افضل اور اشرف ہیں کہ اپنے کو محسود قرار دیتے ہیں ناظرین قہقہے اڑاتے ہیں کہ اللہ اللہ آپ بھی اتنے ہوئے کہ رؤسا، آپ کے حاسد ہوئے شانِ خدا ان مدعیان عقل کو شیطان نے پٹی پڑھا دی کہ مشہور و معروف بزرگواروں کو اپنا حاسد کہو تو تمہاری وقعت اور آبرو کے جھنڈے گڑ جائیں۔ اس زعم میں انھوں نے قلم اٹھایا ہے صفحے کے صفحے دھر گھسیٹے کہ ہمارے حاسد ہیں۔ ہمارے حاسد ہیں۔ مگر عاقلاں خود میدانند۔

نقل ہے کہ ایک بزاز نے جو گاڑھا ڈھونڈھنے کر دن بھر صبح سے شام تک ادھر اُدھر پھیری دیتا تھا کہ ایک عالیشان کوٹھی لب سڑک دیکھی۔ پوچھا اس کوٹھی میں کیا بکتا ہے۔ لوگوں نے کہا کپڑے کی تجارت ہوتی ہے۔ گٹھری پھینک کر تاجر کو گالیاں دینے لگا دو چار راہرو اس کو سمجھانے لگے کہ بھئی تم خواہ مخواہ کسی کو گالیاں کیوں دیتے ہو۔ گاڑھے ڈھونڈنے والے نے کہا واہ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے اس سوداگر کو ہم سے حسد ہے سامعین نے قہقہہ لگایا اور کہا اے تیری قدرت آپ اور اس عظیم الشان

تاجر نامدار کے حسود ہیں دو تھان کاندھے پر رکھ لیے صبح سے شام تک زمین کے گز بنے تب کہیں چھ ٹکے پیسے ہاتھ آئے۔ اور زعم یہ کہ اس عالیشان کوٹھی کا مالک حضرت کا حاسد ہے۔ ع۔

برین عقل و دانش بباید گریست

ہم کئی بار لکھ چکے ہیں اور اب پھر لکھتے ہیں کہ ایسے بھونڈے مذاق کا انجام بہت برا ہوتا ہے مگر ہاں اس میں شک نہیں کہ تحریر کے ذریعہ سے انسان جواب اسی کو دیتا ہے جس کو مخاطب صحیح سمجھتا ہے ورنہ سکوت اختیار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی اخبار کا موضوع اور ماحصل یہی قرار پایا کہ فحش بکو اور بجز گالیوں کے اور کچھ نہ لکھو تو اس سے مخاطب ہونا اہل وضع کی آبرو کے خلاف ہے۔

نقل ہے کہ ایک عالم کے پاس ایک شخص گیا اور جاکر بیان کیا کہ میں آپ سے بحث کرنے آیا ہوں یا تو عمامۂ فضیلت میرے سر پر رکھ دیجئے یا مجھے قائل کیجئے۔ عالم موصوف نے کہا مجھے علمیت کا زعم نہیں اور نہ میں آ۔۔۔ کو بحث کے لائق سمجھتا ہوں لیکن آپ کو جو کچھ فرمانا ہے آپ فرمائیں۔ حضرت نے کہا کہ خدا نے آنکھیں کیوں بنائیں عالم نے مسکرا کے جواب دیا تاکہ باصرے کے ذریعہ سے انسان اشیا کو دیکھ سکے۔ فرمایا بغیر آنکھوں کے بصارت ممکن نہ تھی۔ عالم نے کہا نہیں اس پر وہ بہت جھلائے اور جھلاکر فرمایا کہ آپ جھک مارتے ہیں۔ عالم نے کہا حضرت عمامہ فضیلت حاضر ہے۔ اور واقعی آپ ہی کے سر مبارک کے قابل ہے آپ نے اس وقت ایسی عمدہ دلیل پیش کی کہ جی خوش ہو گیا۔ اگر ہزار دلیلیں بھی آپ پیش کرتے تو میں سب کی تردید کر دیتا یہ ایک دلیل جو آپ نے بہت زور دیکر پیش کی (کہ آپ جھک مارتے ہیں) اس سے بہتر دلیل ہو ہی نہیں سکتی۔ ماحصل اس تحریر کا یہ کہ جب انسان دلیل سے ہار جاتا ہے اور جب کسی طور پر اپنے دعویٰ کا ثبوت نہیں دے سکتا تو گالیاں بکنے لگتا ہے اہل خرد خود ہی سمجھ جاتے ہیں کہ بس اب اس شخص نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا اور ظاہر کر دیا کہ اب اس کے پاس اگر کوئی دلیل اپنے کلام کی صداقت کے ثبوت میں ہے تو یہی ہے کہ برہان اور حجت و دلیل سے واسطہ ہی نہ رکھے۔ اور فحش بکنے لگے۔

مسخروں اور سفلوں کا تو پیشہ ہی یہ ہے کہ گالیاں دیں فحش بکیں پھکڑ لڑیں الفاظ فحش کو جوہر وقائع نگاری سمجھیں حسد اور بغض کی آگ میں جل بھن کے خاک ہو جائیں۔ وہ اپنے اس پیشے پر اتراتے ہیں اور چونکہ اس فحش اور بدتہذیبی پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے لہٰذا وہ دون کی لیتے ہیں کہ ہم یوں لکھتے ہیں ہم جب قلم اٹھاتے ہیں مضمون کے مضمون بدتہذیبی اور فحش سے مملو کر دیتے ہیں۔ لیکن متین اور سنجیدہ وقائع نگار خاموش ہو رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے بھی ایسا ہی کیا

تو اُن میں اور ہم میں باقی کیا رہ جائے گا۔ ہم کو بھی لوگ انھیں کی طرح بُرا سمجھیں گے جب دس پانچ اسی طرح خاموش ہو رہے تو مسخرے سفلے اور بھی اترائے اور سمجھے کہ بس اتنی دنیا ہے لیکن اس کا نتیجہ ان کے ساتھ وہ کرے گا جو مرگ جان کے ساتھ کرتی ہے۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ جس طرح عوام الناس ان شہدوں کی تحریرات مزخرف کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اسی طرح اراکین سلطنت بھی ان کے مضامین فحش سے آگاہ ہو کر کچھ نہ کچھ تدارک ضرور کریں گے۔ خدا نہ کرے کہ ان جعفر زٹلیوں کی تحریر کا اثر اور اخبارات ہندوستان پر پڑے اور وہ بھی ان کا تتبع کرنے لگیں اس میں شک نہیں کہ اگر تیرھویں صدی کے جعفر زٹلی اپنی کوشش میں کچھ دن اور کامیاب ہوئے تو اُن کے خیالات اور ناشائستہ طرز تحریر کا اثر بہت ہی خراب ہوگا۔ لہذا ضروری امر ہے کہ ان کے کان کھول دیئے جائیں اور درجہ اعتدال سے آگے قدم نہ بڑھانے پائیں۔

انگلستان میں رفتہ رفتہ اخباروں کے نقص دور ہوتے گئے۔ مگر واہ رے ہندوستان یہاں اتنے عرصے کے بعد ان جعفر زٹلیوں نے فحش تحریر سے اخبار کا نام بدنام کرنا شروع کیا۔ افسوس صد افسوس ۱۶۸۵ء سے انگلستان کے اخباروں نے رفتہ رفتہ خوب ترقی کی لیکن اس ملک میں تیرھویں صدی کے جعفر زٹلی اپنے ملک کی ترقی کو تنزل سے مبدل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خدا اور ہم کہ تیرھویں صدی کے جعفر زٹلیوں کی نسبت جو بحث ہم نے پیش کی ہے وہ سچی ہمدردی کے سبب سے لکھی گئی کہ ہمارا اصلی منشا اس کی اشاعت سے یہ تھا کہ ہمارے پیارے وطن ہندوستان کے ظریفانہ اخبار حضیض مسخرگی سے اوج مزاج کی طرف بلند پروازی کریں۔ ہمارے ملک کے ظریفانہ اخبار ہمارے ہم پیشہ نہیں۔ وہ اور مسلک کے سالک ہیں اور ہم اور مسلک کے ظریفانہ اخباروں کو باہم کد و کاوش کسی قسم کی ہو تو ہو۔ سے

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

اور بقول مرزا نوشہ غالب دہلوی۔ ع

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

آنریبل ممبروں کو خوب سمجھنا چاہیے کہ اس مسودہ قانون کے پیش کرنے سے ہمارا اصلی مقصد یہی تھا کہ ظریفانہ اخباروں کی اشاعت خانہ برانداز اخلاق نہ ہو۔ ظریفانہ اخبار اگر اپنے فرائض کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کریں تو ہماری مسرت کا باعث ہے۔ مگر جو ڈھرا انھوں نے

اختیار کیا ہے وہ واقعی خالی از خطر نہیں۔ یا یوں کہیں کہ جس طرز پر مزاح کے اخباروں کی اشاعت ہوئی ہے اس سے فایدہ درکنار نقصان کثیر منصور ہے۔ اور خوف ہے کہ اگر ان اخباروں نے اپنی حالت کو درست نہ کیا اور شاہراہ واقفیت وآگہی سے بھٹکتے رہے تو ان کی اشاعت سے اخلاق کی کساد بازاری ہوگی اور مسخرہ پن دن دونی رات چوگنی ترقی اور رونق پائے گا۔

جب ہم اپنے ملک کے ظریفانہ اخباروں کو انگلستان کے ظریفانہ اخباروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو زمین اور آسمان کا فرق پاتے ہیں شاید کوئی صاحب اعتراض جمائیں کہ کجا ہندوستان کجا انگلستان۔ وہ کان علم وفضل ہے یہاں جہالت اور ضعیف الاعتقادی نے البتہ پاؤں پھیلائے ہیں پھر ہندوستان اور انگلستان کا مقابلہ یعنی چہ۔ یہ سچ مگر ہمارا منشا کچھ اور ہی ہے جس کو ہم صاف صاف طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ہمارے ملک کے ظریفانہ اخبار ان کی طرح اعلیٰ درجے کے پولیٹیکل آرٹکل مزاح کے پیرائے میں نہ لکھ سکیں تو مقام استعجاب نہیں۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ولایت کے ظریفانہ پرچے ظرافت کا سچا برتاؤ کرتے ہیں، اور خوب سمجھتے ہیں کہ ظرافت کسے کہتے ہیں برعکس اس کے ہمارے ملک کے ظریفانہ اخبار کے ہاتھ بک گئے ہیں۔ یہ ظرافت کو مسخرہ پن سمجھ بیٹھے ہیں پر ظاہر ہے کہ مسخرہ پن کے مضمون فروغ باز اور بے حیائی اور خانہ برانداز اخلاق مشہور ہیں اگر ہندوستان کے اخبارات ظریفانہ ظرافت کو سمجھیں اور اس کے مطابق لکھیں اور عملدرآمد کریں تو چشم ما روشن دل ما شاد — بہاں اس میں شک نہیں کہ انگلستان کے ظریفانہ اخباروں کے مقابلہ کے لیے عمرے باید۔ مگر ان کا تتبع تو کریں یہ نہیں کہ وہ تو ظریفانہ خیالات ظاہر کریں اور یہ مسخرے بننے کی کوشش کریں۔ اب شاید کوئی صاحب غلبۂ ذکاوت سے فرمائیں کہ ہندوستان کے ظریفانہ اخباروں کی اشاعت کو بہت ہی قلیل زمانہ ہوا ہے۔ رفتہ رفتہ ترقی کریں گے۔ ابھی تو ابتدا ہے۔ گو ابھی مسخرے ہی سہی مگر آیندہ پکے ظریف ہو جائیں گے۔

اس خیال سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔ مسخرہ کبھی ظریف نہیں ہو سکتا۔ ظریف اگر مرکز اعتدال سے تجاوز کرے تو مسخرہ ہو جائے۔ مگر مسخرہ ہو کر پھر ظریف ہونا محال ہے۔ مسخرہ پن نے طبیعت میں دخل پایا تو پھر ظرافت جو ایک اعلیٰ درجے کی صفت ہے انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی تو افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے بعض اخباروں نے ظرافت کے مسلک ہی کو چھوڑ دیا۔ مسخرہ پن میں اگر ترقی کی بھی تو کیا بد سے بدتر ہو گئے۔

اب سُنیے کہ ہمارے ملک کے ان اخباروں نے جو اپنے کو ظریف مشہور کرتے ہیں بعض نے یہ شیوہ

اختیار کیا ہے کہ ادھر اخبار جاری کیا اُدھر اعانت کے طالب ہوئے اور جب اعانت نہ ملی تو گالیاں دینے لگے۔ جیسے خاص چھٹے ہوئے شہدے ہوتے ہیں یا مُرچڑے۔ ہم اس کا تحریری ثبوت دے سکتے ہیں۔

ایک بے فکرے سائیں راستے میں صدا کرتے جاتے ہیں کہ ایک پیسہ لیں گے اور ایک گالی دیں گے یار لوگوں کی دو گھڑی کی دل لگی ایک پیسہ جیب سے نکال کر کھٹ سے پھینک دیا۔ سائیں نے پیسہ اٹھایا اور کہا بولو کس کو گالی دیں۔ زید۔ بکر۔ خالد۔ جس کو کہیے گالیاں دیں۔ بس بعینہٖ اُس سائیں کی سی کیفیت ہمارے ملک کے بعض اخباروں کی بھی کہ ایک پیسہ لیں گے اور ایک گالی دیں گے اب فرمائیے ایسے پست خیالات کے آدمیوں سے کیوں کر یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے اخبار کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں کو فائدہ پہونچائیں گے۔

یہ مسخرے اخبار سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بُری بھلی تصویر اور فحش اور پھکڑ اور مسخرے پن کے سوا ہمارا اور کوئی کام نہیں مگر ایسے اخبارات کے فرایض کا پورا پورا ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ مسخرہ پن کی دو چار باتوں کو ان اخباروں نے جوہر سمجھ لیا ہے مثلاً ایک سطر لکھی اور قہ قہ قہ قہ قہ۔ خی خی خی خی خی۔ خو خو خو خو خو خو۔ قہو قہو قہو قہو قہو قہو۔ قاہ قاہ قاہ قاہ قاہ قاہ۔ اہا ہا ہا۔ اہو ہو ہو ہو۔ بار بار لکھنا شروع کیا یہ قہو اور خی خی اور خو خو۔

ان حضرات کے نزدیک بڑی دل لگی کی بات ہے اور سُنیے اجی مسٹر مولوی پنڈت، قاضی، مفتی، حکیم، کپتان، میجر، کرنل ہنچ صاحب بہادر بے بہادر کے سی ایس آئی جی سی ایس آئی۔

یہ بھی اعلیٰ درجے کی ظرافت ہے مولوی مفتی پنڈت حکیم کرنل الم غلم۔ یہ وہ ماشاء اللہ۔

دلی عداوت شروع ہو گئی۔ ممکن ہے کہ کوئی اخبار بہت سے اخبار کے مبادلے کو اپنے نقصان کا باعث سمجھے۔ یہ فرض نہیں ہے کہ ہر ایک اخبار سے مبادلہ کیا جائے۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص لیڈز کے صوبہ میں ایک ماہواری پرچہ شائع کرے تو کچھ فرض نہیں ہے کہ ٹامز اور ڈین ٹینتھ سنچوری اور پالمال بجٹ وغیرہ اخبار اُس سے ضرور ہی مبادلہ کریں۔ لیکن یہاں یہ کیفیت ہے کہ اگر مبادلہ ہو تو خیر ورنہ دشمن بن بیٹھے۔ اب اخبار چاہے کیسا ہی نامی اور دل رُبا اور مشہور کیوں نہ ہو وہ جب لکھیں گے خلاف ہی لکھیں گے۔

لندن کے ظریفانہ اخبار ہر سوسائٹی اور کتب خانے اور علمی انجمنوں میں اور اخباروں کی طرح میز پر چُنے رہتے ہیں کہ فرائض ضروری و منصبی کے بعد انسان ان کے مضامین سے دو گھڑی دل بہلائے کیونکہ انسان کے نیچر میں داخل ہے کہ محنت اور مشقت کے بعد کوئی چیز اس کے دل بہلانے اور غم غلط کرنے

کے لیے ضرور ہو۔ اَن پڑھ جاہل گنوار تمام دن کی محنت کے بعد آلھا گاتے ہیں۔ اس سے اپنا دل بہلاتے ہیں
یا بے سروپا کہانیاں کہتے ہیں کہ ایک بادشاہزادہ ایک بادشاہزادی کے عشق میں پہاڑ سے کود پڑا۔ اور مرگیا۔
اور بادشاہزادی نے ایک جادوگر کو بلوایا اور اس نے مردے کو زندہ کردیا۔ کوئی چوسر اور شطرنج اور گنجفے
سے دل بہلاتا ہے۔ کسی مقام پر قہقہے اور چہچہے ہوتے ہیں۔ پست خیالات کے بدوضع آدمی ضلع جگت
گالی پھکڑ سے دل بہلاتے ہیں مگر جو بزرگوار صنم لطیف و رعنا یعنی کتب علمی، یا انشار یا نظم و نثر کے شائق ہیں
یا اخبارات دیار و امصار کے اُن کو دن بھر کی مشقت کے بعد اگر کتاب نہ ملے یا اخبارات نہ ملیں تو طبیعت
گھبرانے لگی۔ ظریفانہ اخباروں کی دلبستگی کا باعث ہوتا ہے اور اس کے پڑھنے سے ناظرین کے دل خوش
ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کے ظریفانہ اخبار اگر دس بدوضع آدمیوں کو جو سچی خوشی سے
واقف نہیں خوش کرتے ہیں۔ تو ہزار فہمیدہ و متین اور صافی مذاق بزرگواروں کا دل دکھاتے ہیں بجز
طعن و تشنیع اور ہجو اور مذمت اور فحش کے ان سے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

ہم کو افسوس ہے کہ مبادا مسخرگی اور فحش اور بے حیائی ان اخباروں کے ذریعہ سے اس درجہ کو
پہونچ جائے کہ ہمارے ملک کی تہذیب اور شائستگی اور خیالات کا انھیں کی رو سے اندازہ کیا جائے۔
اور ہندوستانی جو اہل یورپ کی نظروں سے گرے ہوے ہیں ان حضرات کی فحش تحریروں سے اور بھی حقیر و
ذلیل ہو جائیں۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جو فحش مضمون ہمارے ملک کے بعض مسخرے اخباروں میں لکھے جاتے
ہیں اگر ان کا دسواں حصہ فحش بھی کسی انگریزی اخبار میں درج ہو تو اس اخبار کی بکری کم ہو جائے۔ منتنہری
اس کی خریداری سے کنارہ کش ہوں۔ اور تمام ملک کے اخبار اُس فحش بکنے والے اخبار کو نظر حقارت سے دیکھیں۔

مگر ہندوستان میں چونکہ ظریفانہ اخبار ایک نئی چیز ہے لہذا بعض مسخرے یہ مشہور کرکے اپنے کو بری
کرتے ہیں کہ یورپ میں بھی تو پنچ اخبار ہیں۔ حالانکہ وہاں کے پنچ اخبار بھولے سے بھی فحش کلمہ زبان قلم پر نہیں
لاتے۔ کیونکہ وہ ظریف ہیں۔ وہ مسخرے یا پاجی یا بدوضع یا بازاری آدمی نہیں ہیں کہ گالیوں کو اپنے اخبار کی
ترقی کا باعث قرار دیں۔

آخر میں ہم صدق دل سے اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے علم و یقین میں ہمارا ملک ابھی اس قابل
نہیں کہ ظریفانہ اخباروں کی اشاعت سے ترقی پائیں۔ ابھی ہم لوگوں نے علم و فضل و شائستگی میں وہ درجہ نہیں حاصل
کیا ہے۔ جو اہل یورپ نے حاصل کیا ہے۔ اگر ایسے اخباروں کے طرز اشاعت نے ترقی پائی تو خوف ہے
کہ مبادا ناظرین اخبار کا مذاق خراب ہو جائے، اور پھر خوخو اور قہو قہو اور لغویات اور مسخرگی کے سوا

اور کسی قسم کے مضامین کو پڑھنے کو جی نہ چاہے کچھ شک نہیں کہ مسخرگی ان اخباروں کے ذریعے سے ترقی پائے گی تو پھر ناظرین کو وہ مضامین پسند ہی نہ آئیں گے جو متانت کے ساتھ لکھے گئے ہوں پھر وہ جستجو کریں گے کہ فحش مضمون کہاں چھپتے ہیں پھر وہ اُن آرٹیکلوں کو ہرگز مطالعہ میں نہ لائیں گے جن میں گالی اور پھکڑ نہیں اس امر کی طرف ہمارے اہل وطن خصوصاً حضرات رفارمر اور متین بزرگواروں کو ضرور متوجہ ہونا چاہیے، ورنہ ملک کے اخلاق پر مسخرگی اور فحش کا بڑا خراب اثر پڑے گا۔

ہم نے اب تک بہت طرح دی مگر اب تاب ضبط نہیں۔ ہم اب تلے بیٹھے ہیں کہ اس فحش کا انسداد کریں۔ اور گورنمنٹ کو اس کی اطلاع دیں۔ بس اس قدر لکھنا کافی ہے۔ ہم ان شہدوں کا گالیاں بکنا ہندوستان کے حق میں مضر سمجھتے ہیں۔

ان اخباروں کو امراض ہیضہ وچیچک کی تشبیہ دینی چاہیے کیونکہ اور اخبار بھی ان کی تقلید پر آمادہ ہوتے ہیں اور ان کے طبائع میں بھی ولولہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی انھیں کی تتبع کریں، اور اس کا نتیجہ نہایت ہی خراب پیدا ہوتا ہے۔ ان حضرات کا قاعدہ ہے کہ جہاں کسی کو اپنے سے بہتر یا زیادہ لایق یا متمول پایا بس اس کے جانی دشمن ہوگئے اور ٹھان لی کہ جب تک اخبار جاری رہے دوسرے تیسرے اس کی نسبت ضرور کوئی نہ کوئی مضمون دھر گھسیٹیں اور اس کو مغلظ گالیاں دیں۔ شہدے، لُچے۔ اٹھائی گیرے بدمعاش بدوضع کمینے پاجی لوگ جن کو شرافت سے کوئی سروکار نہیں ہے ان کی واہی تباہی تحریر اور فواحش پڑھ کر بڑے قہقہے لگاتے ہیں اور چونکہ ان کے طبائع میں جبلی پاجی پن بھرا ہے وہ اس قسم کی تحریر سے بہت خوش ہوتے ہیں لیکن شریف زادے اور وہ اصحاب بالغ خرد جو عقل سلیم سے بہرہ وافی رکھتے ہیں ایسے پرچوں کو کبھی چھونے تک نہیں اور ان کی خریداری کو خلاف وضع اور خلاف شرافت سمجھتے ہیں۔

گورنمنٹ کو لازم ہے کہ ان اخباروں کے مضامین کا کسی لایق انگریزی داں سے ترجمہ کرا کر حکام ضلع کے پاس بھیجد یجئے اور ان سے رائے لیجائے کہ آیا اس قسم کے فحش آرٹیکلوں کی اشاعت سے رعایا کو نقصان پہنچے گا یا نہیں۔ جبکہ گورنمنٹ نے کتب فحش کی اشاعت قانوناً ناجائز قرار دی ہے تو وجہ کیا کہ اخباروں میں جو فحش درج ہوتا ہے وہ جائز رکھا جائے۔ کون نہیں جانتا کہ یہ لوگ اشاروں کنایوں میں کس قدر فحش بکتے ہیں اور مغلظ گالیاں لکھتے ہیں۔ جو جی چاہا تین چار نقطے بنا کر لکھدیا اس طرح پر.... مثلاً منسا رام کو گالیاں دینا منظور ہے تو یوں لکھیں گے منسا.... یام.... رام۔ تاکہ قانونی اعتراض اور گرفت سے بھی بچیں اور اپنے مخالف کو گالیاں بھی دیں۔ گورنمنٹ پر فرض ہے کہ اس مرض کا جلد علاج کرے۔ کیوں کہ اس کے سبب سے اخلاق کی گردن کند چھری سے ریتی جاتی ہے۔ اس کا خون ہوتا ہے جب کہ ہر فرد بشر کو

اس قدر آزادی حاصل ہے کہ جس کو چاہے بُرا بھلا کہے اور گالیاں دے تو ممکن نہیں کہ پاجی طبیعتوں کے آدمی جن کی خو کمینے پن کی ہے گالیاں دینے اور فحش بکنے میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھیں۔

لہٰذا میرے ناقص علم و یقین میں اب وہ وقت آ گیا ہے کہ گورنمنٹ اس کا پورا پورا انسداد کرے اور وہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ ایک لایق افسر جو انگریزی اور اُردو اور ہندی اور گجراتی اور بنگالی اور فارسی السنہ سے بخوبی واقف ہو اس غرض سے مقرر کیا جائے کہ وہ ان کل اخباروں کو پڑھا کرے اور جب کوئی کلمہ فحش یا کوئی لفظ خلافِ تہذیب کسی اخبار میں نظر سے گذرے تو اس قسمت کے صاحب کمشنر کو فوراً اطلاع دے، اور صاحب کمشنر خود یا کسی ماتحت افسر کے ذریعہ سے تحقیقات کر کے صاحب اخبار و نامہ نگار دونوں کو سزا دے۔ اگر فحش انتہا سے زیادہ مغلظ ہو تو سزا میں قید ضروری سمجھی جائے صرف جرمانہ پر اکتفا نہ ہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو ان پاجیوں کو اور بھی زیادہ جرأت ہو گی۔ وہ دائرۂ ادب سے کہیں زیادہ قدم باہر نکالیں گے۔

ایکٹ انسداد فحش کی اس ملک میں اسی قدر ضرورت ہے جس قدر اشاعت علوم کی ضرورت ہے ورنہ سر رشتہ تعلیم کے ذریعے سے جو اثر نیک ملک کو پہونچتا ہے وہ بے کار ہو جائے گا۔ اور ان اخباروں کے ذریعہ کج خلقی، اور بدتہذیبی دن دونی رات چوگنی ترقی پائے گی۔

ملک کے کئی سور ؤسا اور لائق فائق بزرگوار اور کئی متین اخبار اس امر میں خاکسار سے متفق الرائے ہیں اور ان کو سخت حیرت ہے کہ گورنمنٹ نے جو اخلاق اور تہذیب کی کان ہے اب تک شہدوں کی سرکوبی کیوں نہ کی۔ اور اگر اب بھی گورنمنٹ نے کچھ بندوبست نہ کیا۔ تو ان کو اور بھی استعجاب ہو گا۔ پرانے فیشن کے لوگ جو انگلش گورنمنٹ کے طرز تمدن اور سیاست مدن سے واقف نہیں ہیں۔ اور جن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اخباروں کا ماحصل اور ان کے فوائد بے شمار کیا ہیں وہ جب ان مسخروں کا کلام دیکھتے ہیں تو اخباروں سے بالکل خلاف ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایسے اخباروں کے مطالعے سے ان کے دل عموماً کل اخباروں کی طرف سے پھر گئے اور وہ رائے زنی کرتے ہیں کہ اخبار خاص اسی لیے شایع ہوئے ہیں کہ تمسخر کو ترقی دیں اور لوگوں کو مسخرہ پن سکھائیں۔ بزرگ لوگ اور ثقات متین ان پرچوں سے نوٹ کرتے ہیں اور جب کبھی یہ پرچے اتفاق سے ان کی نظر سے گذرتے ہیں تو ان کو سخت افسوس ہوتا ہے۔ یہ اخبار متانت کے دشمن۔ تہذیب کے عدو۔ اخلاق کے قاتل۔ ادب کے خصم جانی ہیں۔ اور ان کی تحریر خانہ برانداز متانت فروغ بازار بیحیائی ہے۔ جب تک گورنمنٹ ان کو سخت ترین سزا نہ دے گی۔ اور قرار واقعی مواخذہ اُن سے نہ کرے گی تب تک یہ ہرگز نہ مانیں گے اب وہ سمجھنے لگے کہ ان کے فروغ کا ذریعہ یہی ہے کہ گالیاں بکیں، اور پیٹ پالنے کے لیے مسخرہ پن کریں۔

جب یہ خیال ہوا تو ممکن نہیں کہ وہ سکوت اختیار کریں اور اُس ڈھرّے کو چھوڑیں، تاوقتیکہ حکام ضلع کی طرف سے ان پر سختی نہ کی جائے۔ ان اخباروں میں فحش کلام کے علاوہ فحش تصویریں بھی چھپتی ہیں۔ الغرض یہ گورنمنٹ پر فرض ہے کہ امور مندرجۂ ذیل پر لحاظ فرمائے۔

۱۔ ایک افسر ضرور سنسر مقرر ہو۔ مگر یورپین۔

۲۔ یا اگر ہندوستانی ہو تو لائق انگریزی داں۔

۳۔ اُردو اور فارسی اور انگریزی میں عالم ہو۔

۴۔ اگر یورپین ہو تو ضرور ہے کہ اشارے اور کنائے سے ضرور واقف ہو۔

۵۔ ایک لائق میر منشی اس کی ماتحتی میں رہے۔

۶۔ میر منشی زبان داں اور خود محنتی ہو۔

۷۔ عوام کو اجازت دی جائے کہ جب کبھی کسی اخبار میں کوئی کلمہ فحش ان کی نظر سے گذرے معاً سنسر کو اطلاع دیں، اور اس اخبار کا نام اور مضمون کی سرخی اور کالم بھی قلمبند کرے جائیں۔

۸۔ ان لوگوں کے نام ہرگز ظاہر نہ کیے جائیں۔

۹۔ سنسر فوراً وہ اخبار براہ راست صاحب کمشنر قسمت کے پاس بھیجدیں۔

۱۰۔ صاحب کمشنر خود ملاحظہ فرمائیں، اور کسی مجسٹریٹ ذی اختیار کے سپرد کریں، اور وہ اگر خود زبان داں نہیں ہیں تو کسی لائق حاکم زبان داں سے مشورہ لیں۔

۱۱۔ سزائیں کئی قسم کی مقرر کی جائیں۔ اولاً جو اخبار انتہا سے زیادہ فحش کلمے لکھیں ان کے لیے کم سے کم دو برس کی سزا اور جو اخبار کسی کی نسبت ایسے کلمات لکھیں جن سے امن وامان میں فتور پڑے اور بلوے یا جھگڑے اور فساد کا احتمال ہو۔ ان کے لیے بھی دو برس کی سزا۔ مثلاً اگر طبیعت کے برانگیختہ کرنے والے مضمون درج ہوں اور صاحب مجسٹریٹ کے نزدیک یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ راقم مضمون نے صرف مدعی کے دل دکھانے اور اس کے دل کو صدمہ پہونچانے کی غرض سے لکھا ہے اور اس جائز طور پر فائدہ عام یا فائدہ خاص متصور نہیں ہے اور علانیہ یا در پردہ کسی کو بُرا کہا ہے۔

۱۲۔ اشارے اور کنائے میں جو لوگ گالیاں دیں اُن سے بھی مواخذہ کیا جائے اور سزا دی جائے۔

۱۳۔ فحش لکھنے والا عام اس سے کہ وہ کسی کی نسبت ہو یا عام طور پر مستوجب سزا سمجھا جائے اور کوشش کی جائے کہ کوئی ایسا کلمہ ہرگز ہرگز درج اخبار نہ ہونے پائے۔

۱۴۔ تا انفصالِ مقدمہ وہ اخبار بند رہے۔

۱۵۔ بعد ازاں مجسٹریٹ کو اختیار ہے کہ چھ مہینے کی مدت تک اخبار شائع نہ ہونے پائے۔

۱۶۔ اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اخبار کے مہتمم اور نامہ نگاروں کو عبرت ہو گی اور اس کج روی سے کنارہ کش ہوں گے۔

۱۷۔ نامہ نگار اور مالک اخبار دونوں مستوجب سزا سمجھے جائیں اور دونوں سزا پائیں۔

ہم آنریبل ممبروں اور گورنمنٹ کی اطلاع اور واقفیت کے لیے عمداً دو اخباروں کی بحث ذیل میں درج کرتے ہیں گو ہم یہ نہیں چاہتے کہ اس مسودے میں کوئی ایسا کلمہ حوالۂ قلم کریں جس سے شرفا کے پردۂ گوش کو صدمہ پہونچے، مگر جب تک آنریبل جنٹلمین بخوبی ان فحش اخباروں کے حالات سے واقف نہ ہوں گے ممکن نہیں کہ انسداد فحش ہو سکے وہ مضمون یہ ہے تُو تُو ہے دھتا دھتا۔ تُو تُو ہے بھاگا ہے بھگو کی دم میں دھاگا ہے۔ دیکھا پے لونڈی کے لونڈے، اُستاد لوگ یوں بھگا دیتے ہیں اور یوں آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔ ہم سے اور مذاق۔ شہید مردوں سے دل لگی۔ بات تیرے کی۔ بچہ اب کی بولے تو کھوپڑی پلپلی کر دی جائے گی۔ مرغی کے بچے تو اور مذاق۔ بات تیری ایسی تیسی۔ اگر اب کی پھر بولنے کی جرأت ہوئی تو گھر کی خبر لوں گا۔ ماں ٹینی باپ کلنگ جس کے بچے اپنے اپنے رنگ۔ آپ کی اماں جان تو ڈومنی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ابا جان خدا جھوٹ نہ بلائے چرکٹے ہوں گے۔ اے لعنت خدا۔ ذوف ہے تیری اوقات پر اور لعنت ہے تیری ہفتاد پشت پر، ہم تیرے محسن ہیں کیونکہ تیرے باپ ہیں مگر اصل چرا خطا نہ کند۔ خدا جانے کس کا ہے۔ اپنے باپ کا تو نہیں معلوم ہوتا ہے بے تو۔ کہیں شیخ بنتا ہے۔ کہیں پٹھان اور مہنگی سمان، ہیں سید بن بیٹھا ہے۔ یہ بچھوڑے پن کی عین دلیل ہے اس کے جواب میں فریق ثانی نے یہ گرما گرم فقرے لکھے اور یوں زہر اُگلا۔ بچہ تُو تُو تمہارے باپ کا نام ہے، اور بھگو تمہارے دادا جان تھے۔ لونڈی تو تمہاری اماں جان ہیں۔ اُستاد بنے ہو۔ رنڈیوں کے استاد جی ہو گئے اب واہ بے ڈاڑھی بچے۔ شہید مردتو نہیں مگر..... شہید تو ضرور ہو۔ دیکھا۔ میاں ہی کی جوتی اور میاں ہی کا سر، اس کو کہتے ہیں۔ آگے بڑھ کر آپ لکھتے ہیں (مرغی کے بچے)، خوب بولا۔ تو اور ہمارا مقابلہ۔ دیکھ۔ یہ شعر تیرے لیے موزوں ہوا ہے۔

کڑٹینی مرغے کا بچہ کھنکتے ہی انڈا
حضور بلبل بستاں کرے نواسنجی

اور تو اپنے گھر کی خبر تو پہلے لے۔ اور یہ آج معلوم ہوا کہ آپ کی اماں ٹینی ہیں۔ اور آپ کے فرضی ابا کلنگ۔ اپنی قلعی اپنے آپ کھولنے لگے۔

کیا لُطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

تمہاری والدہ ڈومنی ہوں، یا میراثن۔ مارا چہ ازیں قصہ۔ اس کے بعد آپ نے ایک مصرع اپنی شان میں لکھا ہے کہ۔

ع اصل بد از خطا خطا نہ کند

سچ ہے واللہ سچ ہے۔ حق برزبان جاری۔

کیا سبب ہے کہا ہو قیق سے — طبیعت با کسے وفا نہ کند
جھینپ کر صاف کہدیا اس نے — اصل بد از خطا خطا نہ کند

پھر میاں ہی کی جوتی میاں (ہی) کا سر۔

اگر اسی طرح دو ایک بار اور بکے تو ہمارا جوتا اور تمہارا سر، پڑیں گے تڑا تڑ، اور پڑا پڑ۔ اب سنو کہ تمہاری والدہ سر بازار اپنے چھوٹے میاں یعنی تمہارے باپ کی شکایت میں یہ اشعار گاتی پھرتی تھی سے

وہ کہاں ساتھ سلاتے ہیں مجھے — پاس غیروں کے بُلاتے ہیں مجھے
اک پڑوسی سے لگاتے ہیں مجھے — وہ تو انگلی پہ نچاتے ہیں مجھے
ڈھونڈھ کر یار کوئی کرلے تو — قسمیں ہر روز کھلاتے ہیں مجھے
گر کوئی پوچھے کہ۔۔۔۔ ہے کہاں — تو اشارے سے بتاتے ہیں مجھے
جتنے ہیں شہر میں عیاش وہ سب — اپنے نزدیک بُلاتے ہیں مجھے
آشنا میرے بڑی چاہت سے — مژدۂ وصل سُناتے ہیں مجھے

مجھ کو نچوائیں گے محفل میں ضرور
طور اچھے نظر آتے ہیں مجھے

ایک اخبار نویس نے ان کی دیکھا دیکھی راسخ الاخبار نامی نے ایک پرچے کو گالیاں دینی شروع کیں، اور ابتدائی مضمون یوں لکھا۔

سُنا بے اُو راسخ الاخبار والے۔ بچہ تمہارے باپ دادا نوسدا بازار میں مُرغیاں اور انڈے بیچا کرتے تھے، اور تمہاری نانی اور خالہ جان اور خالو ابا روٹیاں پکانے پر نوکر تھے۔ تم دون کی لیتے ہو کہ من ہم چیزے ہم اور اللہ کی شان کہ آپ شاعری کا دعویٰ کریں۔

طغا مگی بچۂ قصد شاعری کردہ — دماغ بیہودہ پخت وخیال باطل ست

ہمارے مضمون کا سمند صرتک مارے ٹاپوں کے تمہاری گھوڑی اور لدّو ٹٹو کی کھوپڑی پلپلی کر دے گا۔

تمہاری گھوڑیا بھلا کہیں ہمارے گھوڑے کا مقابلہ کر سکتی ہے اور جس حمایت کے بھروسے بولے ہو اس کو بھی ہم نیچا دکھائیں گے۔ اونٹ جب تک پہاڑ کے نیچے نہیں آتا، تب تک بلبلایا کرتا ہے۔ سو

سمجھے تھے میرا اب کوئی سرکوب ہی نہیں
فرعون کے لیے کوئی موسیٰ نہ آئے گا

راقم تمہارا اور تمہارے باپ کا سرکوب

راسخ الاخبار کے اڈیٹر نے جو یہ گرما گرم فقرے سنے تو آگ ہو گیا۔ یا الٰہی۔ مجھ سے کون سا قصور ہوا جس کے جلد ویں انھوں نے مجھے گالیاں دیں۔ آدمی تھے مہذب۔ قہر درویش برجان درویش۔ سوچ کہ اگر جواب ترکی بہ ترکی لکھتا ہوں تو میں انھیں ناہنجار غیر مہذبوں کے زمرے میں سمجھا جاؤں گا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ سکوت اختیار کریں۔ خاموش ہو رہے تو تیسرے پرچے میں پھر اُنھیں ذات شریف نے ان کو بے وجہ بے سبب، آڑے ہاتھوں لیا اور یوں مضمون لکھا۔

... الاخبار زادہ چڑی مار، صحیفۂ نابکار، کے نامہ نگار ناہنجار نے اب کی مرتبہ ایک مضمونِ مشحون بھلے مانسوں کی پردہ دری میں لکھ مارا۔ صفحۂ قرطاس کو اپنے طالع نحس اور روئے سیاہ کی طرح سیاہ کیا ہے۔ مردود لکھتا ہے کہ اس ملک کی شریف زادیاں ضرور بالضرور علم ادب میں تعلیم پائیں تاکہ ان کے دل جو ظلمت کدہ کے رشک ہیں، نور خورشید علم سے منور ہو جائیں۔ ہات تیرے بد بخت نالایق کی ایسی تیسی۔ بھلا کوئی شریف زادہ بھی، اس امر کو ناپسند کرے گا۔ کہ اس کی بیٹی پڑھ لکھ کر ادھر اُدھر نامحرموں کے نام خطوطِ عشقیہ بھیجے۔ اگر تم اس کو اچھا سمجھتے ہو تو پہلے اپنی بیوی سے بسم اللہ کرو، اس کو چوک میں کمرہ لے دو، اور مونڈھے پر بٹھاؤ اور پڑھاؤ اے لعنت خدا۔ پھٹکار۔ پھٹکار۔ بہو بیٹیوں کا جوہر عفت اور عصمت ہے یا علم وہنر۔ کیا پڑھ لکھ کر نوکری کریں گی۔ آپ کی بیوی بڑی چربانک معلوم ہوتی ہیں اور ان کے حسن کی تعریف تو ہم نے بھی سنی ہے۔ ہمارے نام بھی پیغام آیا تھا۔

تیری بیوی سے ہے گلاب خجل — کف پا سے ہے مہتاب خجل
یار لیتے ہیں بوسے آنکھوں کے — چشم مے گوں سے ہے گلاب خجل
دیکھ کر دانت آشنا بولے — ان سے ہے گوہر خوش آب خجل

برق نادم ہے بے قراری سے
چلبلاہٹ سے ہے سراب خجل

ذرا اُن کو بھی دکھا دیجیے گا۔ جس میں پھڑک جائیں۔ اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ اُن سے خط و کتابت شروع کردیں گے۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں بس ان کے نام کے

اور ہم نے مصوّری بھی انھیں کی خاطر سے سیکھی۔ اگر وہ بن ٹھن کے بیٹھیں، اور نکھر کے سنور کے پری چہم بن کے، اکڑا ورتن کے کھنچوائیں تو ہم نے فی الفور تصویریں کھینچ دیں۔

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوّری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

اگر وہ دو ایک جلی کٹی بھی کہہ دیں تو ہم ذرا بد مزاج نہ ہوں گے۔ ان کے دشنام کی لذت کوئی ہمارے دل سے پوچھے۔

ٹیڑھی سیدھی نہ کیوں سُنے اس کی
راست قامت ہے کج ادا یہ ہے

راقم ..... الاخبار کا باپ
اور سونیلا باپ

جب اڈیٹر راسخ الاخبار نے یہ مضمون پڑھا تو اور بھی بد دماغ ہوگیا۔ قصد کیا کہ اُس شخص کو قتل کر ڈالے۔ بے سبب کھلی کھلی گالیاں دے رہا ہے۔ لطف یہ کہ گورنمنٹ ذرا ادھر متوجہ نہیں ہوتی حالانکہ یہ انتہا کا فحش ہے۔ اَلاَمَان۔ الامان۔ دو ہفتے کے بعد اس غیر مہذب نے پھر راسخ الاخبار کو گالیاں دیں۔ اور اب کی پھر فحش کلمات سے اخبار کو سیاہ کیا اور یوں لکھا۔

ہم نہ کہتے تھے کہ پچھتائیے گا
گنے ہاتھی سے اگر کھائیے گا

ہمارے عدوے سیاہ، اور دشمن بد خو، کو اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہمارے قلم کا زور کیسا ہے۔ ہماری طبع بلند کیا کچھ کرسکتی ہے۔

ہمت والا یم از کون و مکاں بہ گذشتہ است
بر فضائے لامکاں پر می زند عنقائے من

اب تو مدعیوں کا جگر مثل کباب نہ بھن رہا ہوگا۔ ہم رند مشرب وحشی مزاج مجنونوں کے منہ چڑھنا

خالہ جی کا گھر نہیں۔ ہمارا کلام ..... الاخبار والے کے لیے تازیانہ ادب ہے۔ ہم جس قدر رحم دل ہیں اُسی قدر سفاک بھی ہیں، جو ہم سے مل کے چلا ہم اُس سے دب کے چلتے ہیں۔ لیکن پاجیوں اور حرام زادوں کے ساتھ کفش و پاپوش سے پیش آتے ہیں۔ پھر اس کو یہی کہنا پڑتا ہے۔ ؎

سر کٹے پر کر نہ چور نگ اے میرے جلّاد بس
تا کجا ظلم و ستم بس اے ستم ایجاد بس

اور دیکھ لینا دو ہی دن میں رونے نہ لگو تو سہی اب ہمارے تمہارے تھوڑے ہی دنوں میں یوں مکالمہ ہونے لگے گا۔

تم۔ حضور اب کھوپڑی بالکل پلپلی ہو گئی۔
ہم۔ ابھی کیا ہے۔ ابھی نو روز اوّل ہے۔
تم۔ خدا کے لیے اپنے جوتے پر رحم کیجیے۔
ہم۔ مگر ہمارا جوتا تمہارے سر پر رحم نہ کرے گا۔
تم۔ از برائے خدا اب نہ سزا دو۔
ہم۔ موے پر سو بلکہ ہزار بلکہ لاکھ دُرّے۔
تم۔ خدا کے لیے اب چھوڑ دو۔ بس ہاری مانی۔
ہم۔ توبہ کر۔ اور ناک رگڑ۔ اور کان پکڑ۔
تم۔ (کان پکڑ کر) بس اب تو خوش ہوئے آپ۔
ہم۔ ابھی نہیں۔ ناک رگڑ اسی دم۔
تم۔ (ناک جوتے پر رگڑ کر) لیجیے بس۔
ہم۔ (کوڑا لگا کر) توبہ کر توبہ۔
تم۔ توبہ کی آج سے نہ بولوں گا۔
اگر اب کی ذرا چوں چرا کی تو مار ہی ڈالوں گا۔

ذبح کر ڈالوں گا گر اب کی تو بولا شب وصل
میں نے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا

العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ ؎

کرتے جون کوہ نہیں ہم تو سخن میں سبقت
پر وہ کچھ ہم سے سنے گا جو کہے گا ہم کو

اس مضمون کو پڑھ کر راسخ الاخبار سے مولانا کو بھی غصہ آیا اور انھوں نے تہذیب کو بالائے طاق رکھ کر ایک مضمون جہلا کے لیے لکھا۔

ولد..... ست حاسد منم آں کہ طالع من

ولد..... کش آمد چو ستارۂ یمانی

ناظرین حق بین و نصفا قرین خوب واقف ہیں کہ ہم خشک فحش سے بالکل احتراز و اجتناب کرتے تھے اور ہمیشہ ایک ایک قدم پر تہذیب کا خیال رکھتے تھے۔ ہماری دلی خواہش یہ تھی کہ ہمارا دامن اب فحش و بدزبانی سے آلودہ نہ ہو مگر اب ہم مجبور ہو گئے۔

کند تحمل بسیار مرد را بے قدر

کماں چو تن بہ کشیدن و بد کبادہ شندد

ایک بدوضع بدکردار پاجی نے آج کل ہم کو بے وجہ گالیاں دینے پر کمر باندھی ہے اور چونکہ اس کے..... میں فرق ہے اور اس کی ماں کے کئی شوہر ہیں لہذا البغوائے۔

اصل بد از خطا خطا نہ کند

وہ پاجیوں اور حرامیوں کی طرح سے بدزبانی پر آمادہ ہے لیکن۔

دہن خویش بدشنام میالا صائب

کاین زرِ قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

آخر ضبط و تحمل تا کجے۔ سکوت تا کجا۔ اول تو ہماری عادت نہیں کہ کسی کو گالی دیں۔ کیونکہ یہ شرفاء کا کام نہیں، لیکن ناظرین خود ہی منصف ہوں کہ ہم کب تک گالیاں سنیں۔ اگر اس مضمون کے بعد پھر اس پاجی نے اپنی اصلیت اور پاجی پن کے سبب سے ہمیں کچھ لکھا تو ہم زبان قلم سے کام نہ لیں گے۔ بلکہ بیشک اور بلاشبہ مثل حرف غلط اس کو صفحہ جہان سے معدوم کر دیں گے۔ ہم اس کے خون کے پیاسے ہیں، اور پکار پکار کے کہے دیتے ہیں کہ اگر کارگر نہ ہوئی تو ہم شمشیر و خنجر سے ضرور کام لیں گے۔ اور اپنا انتقام لیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ اُن لچر اخباروں کے یہ پوچ فقرے جن کے ایک ایک حرف سے پاجی پن کی بو آتی ہے۔ مجھے اس مسودہ قانون میں مصلحتاً درج کرنے پڑے ہیں۔ اگرمیں آنریبل جنٹلمینوں کے لیے صرف اس قدر کہتا ہوں کہ اس ملک کے ظریفانہ اخباروں میں ظرافت کے عوض فحش الفاظ کی بھرتی ہوتی ہے تو ان کو اس قدر صاف صاف طور پر حال نہ معلوم ہوتا۔ ممکن نہیں کہ گورنمنٹ کی مداخلت اور قانون کی توسیع کے بغیر یہ فحش بکنے والے سیدھے ڈھرے پر آسکیں۔ لہذا مجھے امید کامل ہے کہ

آنریبل ممبر مجھ سے اتفاق رائے کریں گے اور یہ مسودہ پاس ہو جائے گا۔ کیونکہ ملک کو اشد ضرورت ہے اس مسودۂ قانون کو لیجس لیٹو کونسل نے از بس پسند کیا ہے اور حضور ویسرائے گورنر جنرل بہادر نے بھی۔ آنریبل آزاد پاشا کی تائید کی۔ یہ مسودہ تین بار گورنمنٹ گزٹ میں درج ہوا۔ اور مختلف اخباروں میں اس کی تعریف چھپی۔ انگریزی اخباروں نے رائے دی کہ آزاد پاشا نے ہندوستان کی توسیع اخلاق اور انسدادِ فحش کی نسبت جو مسودۂ قانون لیجس لیٹو کونسل میں پیش کیا ہے۔ اس قابل ہے کہ اس کا ایک ایک حرف قانون میں شامل کیا جائے۔ ہمیں آج تک نہیں معلوم تھا کہ اُردو اخباروں میں اس کمینے پن کے ساتھ فحش اور گالی جائز رکھی گئی ہے۔ ہم آزاد پاشا کی رائے سے من کل الوجوہ اتفاق کرتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ حضور ویسرائے اس مسودۂ قانون پر ضرور لحاظ کریں گے۔

آنریبل ممبران لیجس لیٹو کونسل نے تو پہلے ہی اس مسودے پر صاد کیا تھا اور اخباروں کی اتفاق رائے سے اور بھی زیادہ تقویت ہوئی، اور یہ مسودۂ قانون پاس ہو کر شایع کر دیا گیا۔ اس کے چند روز بعد آزاد پاشا کو پھر معرکہ جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ جس کا حال آیندہ معلوم ہوگا۔

جنگ نامہ

زمانہ ساقیا ہے بر سرِ جنگ
نہ رکھ تو دیدۂ سوزن سے دل تنگ

صبوحی دے دل مشتاق ہیں چور
جھکی پڑتی ہے ساقی چشمِ مخمور

پلا دے پھول دل کی یہ کلی جائے
عنایت مجھ پر اے ساقی چلی جائے

رہے مجھ پر نگاہِ مہربانی
کہ ہے اُس دخترِ رز سے زندگانی

میں ہوں گا ساقیا تب تجھ سے راضی
جب ان ہاتھوں میں ہوگی ریشِ قاضی

نہیں جن شرع کا پابند ساقی
پلا دے مے جو ہو شیشے میں باقی

ہوائے سرد ہے دے ساقیا جام
ہے آبِ آتشیں سے دل کو آرام

بڑے جوبن پہ ہے فصلِ بہاری
ارے ساقی ہوا ابرِ فیض جاری

چمن میں آج لطفِ میکشی ہے
عروسانِ چمن کا دل خوشی ہے

مے گلگوں سے ہو گل رنگ ساغر
حیا سے آب ہو خونِ کبوتر

ایک روز سعید بہتر از عید آنریبل آزاد پاشا دو گھڑی دن رہے خانۂ باغ طرب و انبساط کے چشم و چراغ

دل کش و دل کشا فرح بخش و روح افزائیں صنم نازنین، گل اندام مہ جبین، شیریں ادا، نواب حُسن آرا بیگم کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتے، چمنوں میں خوشی خوشی قدم دھرتے، قہقہے اڑاتے، خراماں خراماں، اور چہان چہان سیر کرتے جاتے تھے۔ سبزانِ چمن قدم قدم پر ان دونوں کی بلائیں لینے آتے تھے۔ حسن آرا کی چشم جادو نرگس شہلا طعنہ زن تھی ستم کا جوبن غضب کی پھبن تھی۔

آزاد۔ تمہارے حسن سے خدا کی شان آشکارا ہے۔

حسن آرا۔ اے بس رہنے دو بنایا کسی اور کو کرو۔

آزاد۔ کیوں صاحب ہم بناتے ہیں۔ خیر یوں ہی سہی۔

حسن۔ کہیے تو وہ جو خود خوبرو نہ ہو۔ تم ماشاء اللہ کروڑوں میں انتخاب ہو۔

آزاد۔ ہم دیوزاد آدمی۔ ہمارا حُسن، ہماری جواں مردی، ہماری شجاعت اور ہمارا زورِ قلم ہے۔

حسن۔ ہم شریف زادیاں ہیں۔ ہمارا جوبن ہماری عفت ہے۔ ہمارا حسن ہماری عصمت ہے۔

آزاد۔ حاضر جواب ہو تو ایسا۔ خدا تمہاری عصمت برقرار رکھے۔ واقعی عورت کا زیور عورت کا حسن عفت ہی ہے۔ لاکھ بناؤ کا ایک بناؤ ہے۔

زن نیک و خوش سیرت و پارسا
کند مرد درویش را بادشاہ

حسن۔ اس میں تو شک نہیں ہے۔ پاکدامنی سے بڑھ کے اور کیا ہے مگر دل کی صفائی مقدم ہے اور اس کا نام پاکدامنی ہے۔

آزاد۔ صفائی دل اور پاکدامنی میں فرق کیا ہے کچھ نہیں صفائی قلب اور عصمت ایک چیز ہے۔

جب رات ہوئی تو آزاد اور حسن آرا باغ سے چلیں اور شب کی توصیف میں یہ اشعار آزاد کے ورد زبان تھے۔

شبے در نور چوں جوئے بہشتی	کہ راندی برگ گل بر باد گشتی
ہوا ایش بوئے گل بالیں بہ بالیں	گلش با بلبل چو لالہ نالہ رنگیں
شبے نوروز روز نو جوانی !	غبارش آب حیواں در روانی
شبے با آب و گل گل برگ و شبنم	چو طبع کود کان شاداب و بے غم

شبے کز دے ہوا نقاش چیں بود
عروس آسماں روئے زمیں بود

پرستان گل فام اور خواصانِ نازک اندام، جلوہ دار تھیں۔ سب کی سب نوخیز اور طرح دار تھیں

اور اس درجہ شیریں گفتار وطرار تھیں، کہ اگر کوئی ایک بار ہم کلام ہوتا تو بلبل شیراز کا دم بھرتا جب خنکی زیادہ ہوئی تو آزاد اور حسن آرا نے پری زاد بارہ دری کے ایک سجے سجائے کمرے میں متمکن ہو کر باہم یوں ہم کلام ہوئے۔

حسن۔ آج کی شب پر صبح بنارس بھی قربان ہو جائے۔

آزاد۔ لیلیٰ شب کہو۔ اس پر دلھن کا سانکھار ہے۔

حسن۔ اور ہوا بھی کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے اس وقت۔

آزاد۔ تمہارے لباس اور زلف چلیپا کے عطر کی خوشبو، جو ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آتی ہے، اس درجہ مست کرتی ہے کہ دل جانتا ہے اور ہوا بھی اس رُخ کی ہے۔

حسن۔ الہٰی یہ گل ہیں یا طبلہ عطار۔ یہ یاسمن و سنبل کے درخت ہیں، یا نافۂ تاتار۔ سچ تو یوں ہے کہ خوشبو بڑی مست کرنے والی چیز ہوتی ہے۔

آزاد۔ گل و یاسمن، اور گلزار و چمن کا رائحہ اس قدر روح افزا۔ کجا یہ زلفِ عنبر بار کی فتنہ گری اور مشک بیزی ہے۔

حسن۔ اور یا تمہارے عطر شجاعت کی بو باس ہے۔

آزاد۔ چاندنی نے کس جوبن سے سبزے میں کھیت کیا ہے۔

حسن۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی معشوقہ، زاہد فریب آتش زن متاع شکیب کے دھانی ڈوپٹے میں روپہلی کامدانی کی بیل بنائی ہے۔

آزاد۔ سنا ثریا بیگم اور ان کے میاں سے ٹھن گئی ہے۔

حسن۔ ہاں حسینی خانم کہتی تھی کہ مارے رنج کے طبیعت بھی کچھ ناساز ہو گئی ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ کل تک تو سنا بھلی چنگی تھیں۔

آزاد۔ یہ ان کے میاں سے کس نے جا کے واہی تباہی باتیں جڑ دیں کہ آزاد اور ثریا بیگم میں نکاح ہو چکا تھا

حسن۔ گلی کوچوں تک میں تو مشہور ہے کہ دونوں کو باہم عشق تھا۔ نواب سنجر سطوت کا شن گن پانا کون تعجب کی بات ہے۔ بھلا خیر تم ہر پھر کے اسی کا ذکر کرتے ہو اور عین لطف کے وقت اور سب مجھے رنج ہوتا ہے

آزاد۔ (پیار کر کے)، اُف فوہ۔ اللہ ری بدگمانی۔

حسن۔ بدگمانی ہو چاہے قطرب ہو، چاہے جنون ہو۔

آزاد۔ اچھا اگر ذکر کریں تو جھی کہنا۔

حسن۔ میرے کانوں میں یہ بات پہلے بھی پڑی تھی۔

آزاد۔ ہماری قسمت کا ستارہ چمک گیا کہ تم سی بیوی پائی۔ مگر تم ہم سے اس قدر بد گمان ہو یہ غضب ہے۔

حسن۔ (ناز و ادا کے ساتھ زیر لب مسکرا کر)

مزاجِ گل سے تو آگہ نہیں ہے | کہ رنگِ گل سے بھی نازک کہیں ہے
مجھے بوئے گل تر ہے گراں بار | کبھی چھوتی نہیں میں عطر زنہار

آزاد۔ تمہاری سب بہنیں ماشاء اللہ حسین اور حاضر جواب اور عفیفہ ہیں۔ مگر تم تو بس چیزے دیگری کا مصداق ہو۔

حسن۔ پولینڈ کی خوبرو اور نسترن بدن شہزادی، اس طرح تم پر ریجھی جیسے بلاتشبیہ زلیخا کا دل حضرت یوسف کی چاہ میں ڈاواں ڈول تھا۔ مس میڈا ہزار جان سے تم پر فریفتہ ہوئی۔ مس کلیر سا پروہ افسوں پڑھ کے پھونکا کہ دم بھرتی ہے۔ ثریا بیگم فرقت کے صدمے نہ سہہ سکی آخر کار جوگن ہو گئی۔ میں بے چاری بھلا حسن و جمال کا کیا دعویٰ کروں۔ کس برتے پر تتا پانی۔

آزاد۔ میں تو ان نکات شیریں کا عاشق ہوں کہ کس لطف کے ساتھ اپنے حسن گلو سوز کی تعریف کی۔ کہ جس پر ایسی ایسی گل بدن شہزادیاں اور بستہ دہن میں والہ و شیفتہ، دلدادہ و فریفتہ ہیں۔ وہ ہم پر عاشق ہو گیا نہ۔

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

(بوسہ لے کر) اس عطر کی شمیم جاں فزا نے اب ایسا مست کر دیا ہے، دل ہی جانتا ہے خدا گواہ ہے روح مزے لوٹ رہی ہے۔ لباس پر الگ نور چھٹا پڑتا ہے۔ اور زلف و جسم الگ مہکتا ہے۔ اچلبلا ہٹ ستم ڈھاتی ہے۔ ناز ہر لفظ پر قربان ہوتا ہے۔

سراپا حسن تھی وہ غیرتِ حور | کہ رخِ روشن مثال شعلۂ طور
ہوا دل باختہ حسن و ادا پر | تصدق جان سے تھا دل ربا پر
خدنگ اک دل پر وہ مژگاں نے مارا | ہوا غربالِ پہلو چھد کے سارا
دکھائے تیغ کی ابرو نے جو ہر | نظر نے صاف پھیرا دل پہ خنجر
نہیں چھپتی نگاہِ عشرت آمیز | ادھر بھی آتش الفت ہوئی تیز

جب رات خوب بھیگی، اور دونوں کی آنکھیں نیند کے مارے جھکنے لگیں تو لیٹ کر بصد نشاط و طرب سو رہے ؎

صبوحی خستگان را اے سحر خیز ۔۔۔ زخواب مستی غفلت بر انگیز
زمینا گردن مستانہ برکش ۔۔۔ بطوقِ سجدۂ پیمانہ درکش

گرفتہ صبح برکف شیشہ وجام
کشیدہ پیر میخانہ سر از بام

ادھر سپیدۂ طلعت نشانِ صبح نمودار ہوا۔ اُدھر آزاد پاشا اور حسن آرا بیگم کی آنکھ کھلی اور دونوں خواب ناز سے بیدار ہوئے، خواصوں نے منہ دھلایا اور مشاطۂ کامل فن نے سنوارا اور حسن آرا بیگم نکھر کر آزاد کے پاس آن کر بیٹھیں۔

دہاں از غنچۂ جنت نہاں تر ۔۔۔ نگاہ از تیزی مژگانِ سناں تر
خراب نرگسِ مستش پیالہ ۔۔۔ کباب عکس رویش برگ لالہ
سرِ زنجیر زلف افگندہ بردوش ۔۔۔ کہ مالدوالہ و دیوانہ راگوش
شدہ خالش سپند روئے آتش ۔۔۔ کماں ابرو و مژگاں چار ترکش

سرِ فتراک اُو زلفِ سیاہش
بجانا باز آغوشِ نگاہش

حسن۔ شب کو ہم سوئے تو پھر صبح تک آنکھ نہ کھلی۔

آزاد۔ پچھلے پہر تو آرام کرنے کی نوبت آئی۔

حسن۔ رات ہی ایسی فرح بخش و فرحناک تھی۔

آزاد۔ اور اس پر نکھار اور جوبن کا ابھار۔

حسن۔ یہ تو کوئی نئی بات نہ تھی (مسکراتی ہوئی)۔

آزاد۔ اس غرور کے صدقے اور ہے بھی صحیح۔

حسن۔ ہم مستغنی آدمی بھلا ہم کو غرور سے کیا سروکار۔

آزاد۔ حسین آدمی کو اپنے حسن کا غرور ضرور ہوتا ہے۔

حسن۔ تم کو ہوگا۔ ہم تو جانتے ہیں حسین آدمی اس قدر بے نیاز ہوتے ہیں ان کو اپنے حسن کی خبر ہی نہیں ہوتی۔

آزاد۔ اس بارے میں تم ہم سے زیادہ مستند ہو۔

حسن۔ (سر جھکا کر) جو دولھا بنے ہیں انھوں نے برائیں تو دیکھی ہیں۔ گو ہم کو اللہ نے حسن نہیں بخشا مگر سُنی سُنائی

باتوں اور تجربے سے تو کہہ سکتے ہیں۔

آزاد۔ اب ہم باہر جاتے ہیں۔ لوگ منتظر ہوں گے۔

اتنے میں ایک مہری باہر سے خط لائی آزاد نے کھولا تو یہ مضمون درج تھا' مائی ڈیر مسٹر آزاد مجھے ایک ضروری اور بہت ضروری امر کی نسبت آپ سے مشورہ کرنا ہے اگر فرصت ہو تو تشریف لائیے ورنہ میں خود آتا ہوں۔ آپ کا دوست جان گرینٹ مینجر۔

حسن۔ یہ خط کہاں سے آیا ہے۔ ثریا بیگم کے پاس سے۔؟

آزاد۔ تم خواب میں بھی چونک چونک پڑتی ہوگی۔

حسن۔ (لفافہ سونگھ کر) دیکھوں خوشبو آتی ہے یا نہیں۔

آزاد۔ (ہنس کر) یا الٰہی جنون اسی کا نام ہے۔

حسن۔ اچھا سویرے سویرے یہ خط آخر کس نے بھیجا ہے۔

آزاد۔ یہ عجیب بات ہے کہ تڑکے اگر خط آئے تو ثریا بیگم ہی کا ہو۔ یہ دو تین دن سے تم کو ثریا بیگم سے اس قدر خوف کیوں ہے۔

حسن۔ خوف۔ خوف ہمیں کاہے کو ان سے ہونے لگا بھلا۔

آزاد۔ یہ صاحب ضلع کا خط ہے مجھے بلایا ہے

یہ کہہ کر آزاد پاشا باہر جانے لگے تو بیگم صاحب نے ہزاروں قسمیں دیں کہ از برائے خدا جلد آنا۔ دیر نہ لگانا ہمیں کچھ کام ہے۔ باہر جا کر نئے کپڑے زیب بدن کیے اور گلگوں خوش خرام، تیز گام، پر سوار ہو کر صاحب ممدوح کی کوٹھی پر گئے۔ چپراسی نے اطلاع دی۔ صاحب باہر چلے آئے مصافحہ کیا اور کمرے میں گئے اور یوں ہم کلام ہوئے۔

صاحب۔ آپ کو اس وقت تکلیف تو نہیں ہوئی۔

آزاد۔ مطلق نہیں، یہ تو ہوا کھانے کا وقت ہی ہے۔

صاحب۔ سرحد کے جھگڑے کا حال تو اخباروں میں پڑھا ہوگا۔

آزاد۔ اور پڑھتا ہوں۔ بہت جی بھر بھر آتا ہے۔

صاحب۔ ہاں چلیے ہمارے نام تو حکم آیا ہے۔

آزاد۔ کیا آپ لڑائی میں شریک ہونے والے ہیں۔

صاحب۔ میرے نام تو حکم ہے کہ اگر آزاد پاشا کی خواہش ہو اُن سے کہا جائے۔ مستعد ہوں۔ ہندوستان

کے بعض مہاراجگان نامدار اور نوابانِ ذوی الاقتدار اور سرداروں نے استدعا کی ہے کہ دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح حاضر ہیں۔ اور دو ایک نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ وہ بھی شریکِ جنگ کیے جائیں گے۔

آزاد۔ میں نے تو کوئی درخواست نہیں بھیجی تھی۔

صاحب۔ آپ کی خوشی کی بات ہے مگر سوچ کر جواب دیجیے۔

آزاد۔ میں ضرور جاؤں گا۔ مجھے تو اس کا دلی شوق ہے۔

صاحب۔ پھر جائیے اور مستعد ہو رہیے۔ پرسوں کوچ ہو گا۔

آزاد۔ دیکھیے ہم ہندوستانی لوگ سرکار کے کیسے جاں نثار ہیں۔

صاحب۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ بڑے خیر خواہ۔

آزاد۔ جان اور مال دونوں سے حاضر ہیں۔ ہے کہ نہیں۔

صاحب۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہندی بڑے مطیع لوگ ہیں۔

آزاد۔ اور جس سے کہیے گا وہ آپ کی مدد کو حاضر ہو گا۔

صاحب۔ بالفعل تو بار برداری کے لیے اونٹوں کی ضرورت ہے۔

آزاد۔ یہ کون مشکل بات ہے جان تک سے دریغ نہیں۔

صاحب۔ اب سب انگریزوں کے دلوں پر اس کا نقش ہے۔

آزاد۔ جب کبھی ہم کو آزمایا کسوٹی پر کھوٹے نہ اُترے۔

صاحب۔ ہاں سوائے ایک مرتبہ کے ۱۸۵۷ء والا واقعہ۔

آزاد۔ (افسوس کر کے۔) وہ تو ایک اتفاق تھا بس۔

صاحب۔ بیشک اور اس وقت بھی ملک نے ہمارا ساتھ دیا۔

آزاد۔ واقعی ایک افسوسناک بڑا افسوس ناک واقعہ تھا۔

صاحب۔ آپ کو میں کل امور کی نسبت آج شام کو اطلاع دوں گا۔

آزاد۔ اور کسی امر کی نسبت میں اطلاع نہیں چاہتا۔ صرف نقل حکم بھیج دیجیے اور پرسوں مجھے تیار پائیے گا۔

صاحب۔ بہتر ہے۔ آپ اس زمانے کے بڑے مشہور جنرل ہیں۔

آزاد۔ آپ کی قدردانی کہ آپ مجھے اچھا سمجھتے ہیں۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں شام کو وہ بھیج دیجیے گا۔

صاحب۔ میں کل شام کو پانچ بجے آپ کی کوٹھی پر آؤں گا۔

آزاد۔ بہت اچھا میں کہیں باہر نہ جاؤں گا۔ آپ آئیے۔

صاحب۔ اگر مضائقہ نہ ہو تو شام پین کا پائینٹ کھلواؤں۔

آزاد۔ تسلیم مگر میں نے تو اب ترک کر دی ہے۔

صاحب۔ آپ اتنا لائق آدمی اور ان باتوں کو مانتا ہے۔

آزاد۔ اگر نہ مانوں تو اہل اسلام مجھ سے نفرت کرنے لگیں۔

صاحب۔ تربیت یافتہ آدمی سب شراب پیتے ہیں۔

آزاد۔ میں بھی شراب پیتا تھا مگر اب ترک کر دی۔

صاحب۔ چرٹ منگواؤں۔ چرٹ پیجیے گا کوئی ہے۔

آزاد۔ میں چُرٹ بھی نہیں پیتا حقہ پیتا ہوں۔

صاحب۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم تیچھ تواضع نہیں کر سکتے۔

آزاد۔ اس کا کچھ خیال نہ کیجیے عنایت کافی ہے۔

مصافحہ کر کے آزاد پاشا گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو اثنائے راہ میں سوچنے لگے کہ کہنے کو تو ہم کہہ آئے۔ مگر یہ خیال نہ رہا کہ حسن آرا سے تو استفسار کر لیں۔ خیر اگر منظور کریں گی تو چشم ما روشن دلِ ماشاد اور اگر نہ منظور کیا تو بھی قول جان کے ساتھ ہے۔ تلوّن سے سپاہیوں کو عار ہے مارا مار گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے ایک دوست کے ہاں گئے اور باہم ہمکلام ہوئے۔

دوست۔ ع۔ خوش آمدی علیک السلام والاکرام۔

آزاد۔ ارے یار ایک امر میں مشورہ لینے آئے ہیں۔

دوست۔ میں سُن چکا ہوں مجھ سے سُنو صاحب۔ ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد

بہ سلامت روی و باز آئی

آزاد۔ ہے نہ تمہاری رائے بھی۔ بلا رو و رعایت کہنا۔

دوست۔ ضرور جاؤ صاحب۔ یہ کیا بات ہے۔

آزاد۔ چاء، پلاؤ، دودھیا تو گھر چلیں۔ مگر جلد۔

دوست۔ چاء تیار ہے بسکٹ کے ساتھ کھائیے۔

گرما گرم چاء اور بسکٹ پی کر آزاد پاشا گھوڑے پر سوار اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر گھر کی طرف چلے۔ پہونچتے ہی گھوڑے سے اُترے اور احباب سے کہا کہ ایک ذرا معاف فرمائیے۔ میں محل سرا میں ہو لوں، ابھی آیا۔ یہ کہہ کر زنان خانے میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ حسن آرا بیگم فرش مکلف پر بیٹھی ہوئی اخبار مطالعہ کر رہی ہیں۔

حسن آرا۔ (مسکرا کر) خوب موقع پر آئے۔

آزاد۔ کیوں کیا کوئی تازہ خبر درج ہے۔

حسن۔ نہیں تازہ خبر کجا۔ اخبار میں خبر کہاں۔

آزاد۔ نہیں (مسکرا کر) یہ میرا مطلب نہ تھا۔

حسن۔ غضب کرتے ہو بعض اوقات۔ دیکھتے ہو کہ اخبار پڑھتی ہوں۔ اور پوچھتے ہو کوئی تازہ خبر ہے۔

آزاد۔ صاحب قصور ہوا۔ کچھ جرمانہ لے لو۔

حسن۔ صاحب نے کیا کہا۔ کوئی خاص کام تھا۔

آزاد۔ نہیں (مسکرا کر) بلا وجہ بُلایا تھا۔

حسن۔ خیر۔ (ہنس کر) یہ ہماری بات کا جواب تھا۔

آزاد۔ تھا جواب شافی یا نہیں۔ کیوں۔

حسن۔ دریں چہ شک آپ کی حاضر جوابی میں کیا شُبہ ہے۔

آزاد۔ ہاں۔ یعنے کچھ شک بھی ہے۔ بجا۔

حسن۔ اس وقت باتیں کرتے ہو مگر کچھ گھبرائی ہوئی سی اس کا سبب کیا ہے کوئی وجہ خاص ضرور ہے۔

آزاد۔ نہیں۔ مطلب۔

حسن۔ ایں۔ الٰہی خیر۔ ہوش میں ہو یا نہیں۔

آزاد۔ گویا ہر دم بے ہوش رہتے ہیں ایں جانب۔) ؎

ہوش کی خیر پی کے کچھ واعظ

آج رندوں سے رنگ لائے ہیں

حسن۔ تنگیں اور نمش کھاؤ گے۔ اللہ جانتا ہے تمہارا ہی انتظار تھا ہم کو تو نمش بہت بھاتی ہے۔

آزاد۔ کوئی ایسا بھی ہے جس کو نمش برف آم حلوا سوہن نہ بھاتا ہو۔

حسن آرا۔ ایسے بھی بندگان خدا ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو خربزے کے ساتھ نمک کھاتے ہیں۔

بعد فراغ طعام حسن آرا اور آزاد میں اخباروں کی مختلف خبروں کی نسبت بحث ہونے لگی۔ اتنے میں آزاد نے کہا جنگ سرحد کا حال تو سُنا ہی ہو گا۔ حسن آرا بولی ہاں پرسوں ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ جنگ چھڑ گئی۔ آزاد نے دبے دانتوں کہا (چلیں افغانستان کی بھی سیر کر آئیں۔) حسن آرا نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر بات ٹال کر پوچھا۔ اس جنگ کا کیا سبب ہے۔ آزاد نے کہا۔ والی ملک اور اس کے ایک رقیب سے چھڑ گئی۔ برٹش گورنمنٹ نے والی ملک کو کمک دی ہے۔ اور ہم بھی اب کی ذرا سیر افغانستان کو جاتے ہیں۔ جب آزاد نے یہ مژدہ مکرر سُنایا تو حسن آرا نے کہا۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے کہ تم نے یہ ذکر چھیڑا اس کے معنی کیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کہتے کیا ہو۔ اول تو افغانستان سیر و سیاحت کا مقام نہیں۔ سیر کے لیے انسان لندن جائے۔ پیرس جائے۔ مصر جائے۔ امریکا کا سفر کرے۔ کشمیر کا لطف دیکھے، یہ کابل میں کیا رکھا ہوا ہے۔ اور پھر ایسے وقت جب کہ وہاں آگ برس رہی ہے۔

اب آزاد کی عقل گم ہے کہ کس طرز سے اظہار مطلب کریں، کیونکہ حسن آرا نے پہلے ہی سے تقدم بالحفظ کیا ہے۔ اور بات کے ٹالنے کا موقع نہیں۔ پرسوں کوچ ہونے والا ہے۔ ان کی خموشی اور چہرے کے تغیر رنگ سے صاف کھل گیا کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ کسی قدر تنک کر کہا سنو صاحب یہ چبا چبا کے باتیں کرنا تو رہنے دو۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ اللہ جانتا ہے میں اب کہیں جانے نہ دوں گی۔ اس بھروسے نہ رہنا۔ مجھ سے اب صاف صاف کہہ دو از برائے خدا۔ آزاد نے کہا میں قسم کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ مگر سچ کہتا ہوں کہ قول جان کے ساتھ ہے۔ اب کی تو جانے دو۔ آیندہ تم کو چھوڑ کے کہیں نہ جاؤں گا۔ حسن آرا یہ کلام سُن کر آب دیدہ ہو گئیں۔ اور کہا خیر خدا حافظ ہے۔ اپنے دل کا حال کس سے بیان کروں کہ اس وقت دل پر کیا گذرتی ہے۔ بڑی دیر تک رویا کیں، اور گو آزاد نے بہت سمجھایا مگر دل کی بے قراری دور نہ ہوئی۔ دوسرے روز صبح کو آزاد بصد حسرت روانہ ہوئے۔ صدمۂ ہجر اور رنج مفارقت سے حسن آرا کا بُرا حال تھا۔ کئی روز تک سپہر آرا اور روح افزا اور بہار النسا اُن کے ہاں رہیں اور سمجھایا کیں۔

اب سنیے کہ آزاد پاشا نے میدانِ جنگ میں ایک طرف کے کالم کی پوری کمان کی۔ چار لڑائیاں سر کرکے مخبروں نے خبر دی کہ یہاں سے دو کوس پر ڈیڑھ سو کو افاغنہ پڑاؤ ڈالے مقیم ہیں۔ آزاد چند سوارے کر بڑھے، تو وہاں دیکھا کہ کئی ہزار آدمیوں کی جماعت ہے۔ مقابلہ ہوا۔ مگر ان کی فوج تاب مقاومت نہ لائی۔ لہٰذا یہ وہاں سے مفرور ہوئے، اور سوارانِ غنیم نے ان کا تعاقب کیا۔ ؎

بہانہ ویش کمندے حلقہ بستہ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ محرف برسمندے برنشستہ

نشستہ مست برتازی سمندے | کہ جانش بود آتش تن سپندے
سمندے ازمہ و ہفتہ رمیدہ | بروز آخر از تندی رسیدہ
زدور او تسلسل گشت پیدا | ز تمکینش تحمل گشت پیدا
صبا زیر دگل شمشاد میرفت | دو بالائے سماع بادمی رفت
نزازوے رکابش رابفرسنگ | شدہ در باد سنجی عمر پاسنگ
خودش مست و سمندش مست ورہ مست | غبار راہ را طرف کلہ بست

بہ گردوں گرد راہ او سفر شد
چومے برجا فرد آمد عرق شد

سرنگ ختلی خرام کو اُس دشت بلاخیز میں سرپٹ دوڑانے جاتے تھے کہ دفعتہً ایک سمت سے گرد اٹھی۔ انھوں نے اشہب ضرغام پیر کی باگ روکی اور غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ فوج برٹش کے چند سواران جرّار مارا مار فرس آہو شکار دوڑاتے چلے آتے ہیں۔ ایک شجر بارور کے سایے میں ضیغم طوطی پر ٹھہرالیا۔ جب وہ سوار قریب آئے تو یوں گفتگو ہوئی۔

آزاد۔ فوج کی کیا خبر ہے کچھ معلوم ہوا۔

سوار۔ پیوار۔ کوتل میں فوجیں جمع ہیں۔ اِدھر ہم اُدھر وہ۔

آزاد۔ ہم کو تو آج خداوند کارساز نے بچایا۔

سوار۔ ہم پانچ آدمیوں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں۔

آزاد۔ آؤ چلو ہم تم کو ایک سیر دکھائیں۔

سوار۔ ہم دیکھتے آتے ہیں چوبیس سر پڑے ہیں۔

آزاد۔ میں اکیلا آدمی تھا، اور چوبیس کا مقابلہ۔

سوار۔ سبحان اللہ لے سبحان اللہ۔ بس اب واپس چلیے۔

آزاد۔ میں راہ بالکل بھول گیا بھٹکتا جاتا تھا۔

آزاد پاشا ان سواروں کے ساتھ پیوار کوتل واپس گئے۔ جب برٹش فوج نے ان کو صحیح وسالم پایا تو لوگ بہت خوش ہوئے اور ان سے کہا کہ دو سو سوار آپ کی تلاش میں مختلف مقامات کو بھیجے گئے ہیں۔ یہاں تہلکہ مچا ہوا تھا کہ آزاد کو خدانخواستہ افاغنہ نے مار ڈالا۔ سب کے سب سخت افسوس میں تھے اور فوج بالکل بیدل ہو گئی تھی۔ آزاد نے کہا خدا نے بہت بچایا۔ ہم چودہ آدمی تیرہ سوار اور مین پہاڑی

کے قریب گرد آوری کیے رہے کہ دفعتًا بلندی کوہ سے ایک سِل لڑھکتی ہوئی آئی، اور اس سِل کے ساتھ اور بھی بہت سے پتھر اور کچھ چھوٹی سِلیں گریں تین آدمی تو اسی دم آخر ہو گئے اور میرے بائیں ہاتھ کا یہ حال ہے کہ میرا خدا ہی جانتا ہے اس مصیبت سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دائیں بائیں بندوق چلنے لگیں۔

یا الٰہی یک نہ شد دو شد۔ پیچھے پھر کر دیکھتے ہیں تو کوئی ستر آدمی اور سب کے سب کلے پر آن پہونچے۔ بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ بھاگیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن

کہ جاہا سپر بابد انداختن

میں اور دو سوار ایک طرف بھاگے۔ اور باقی لوگ دوسری جانب اور ادھر بھی کچھ سواروں نے اُن کا پیچھا کیا۔ اور کچھ نے ہمارا تعاقب کیا۔ ہم تین آدمیوں نے سات سواران عدو کو گرایا۔ وہ چوبیس آدمی تھے۔ ایک بھی زندہ نہ بچا۔ اب تک ان کی لاشیں پڑی ہیں۔ ہماری طرف کے دونوں سوار اس وقت مارے گئے جب افاغنہ کے سات آدمیوں کو ہم نے قتل کیا تھا۔ آخر کار صرف خاکسار بچ گیا۔ اب سنیے کہ جہاں راہ نہیں ملتی اور کہر اس کثرت سے گرتے لگا کہ الامان۔ گھوڑا پھینکتا ہوا کئی کوس نکل گیا کہ اتنے میں یہ سوار ملے۔ ورنہ خدا جانے آج کیا ہو جاتا۔

آزاد۔ ان لوگوں میں کوئی قواعد داں نہیں۔

میجر۔ ہاں مگر حالاتِ حرب اچھے اچھے موجود ہیں۔

آزاد۔ ہماری رائے ہے کہ آدھی رات کو حملہ کیا جائے۔

میجر۔ ہم کو عذر نہیں۔ ہم کو حکم ہے کہ آزاد پاشا کی رائے کے مطابق کام کرنا۔ اور آپ اللہ کی عنایت سے تجربہ کار بھی ہیں۔

آزاد۔ پھر اب تو ہماری یہی رائے ہے کہ فورًا حملہ کیا جائے۔ ممکن نہیں کہ کامیابی نہ ہو شب کو گیارہ بجے کے وقت دس ہزار سواروں نے بسر کردگی آزاد پاشا اور میجر فرائی پیوار کوتل پر حملہ کیا۔ افاغنہ کو یقین کلی تھا کہ ابھی دو تین روز تک برٹش فوج حملہ آور نہ ہوگی۔ آزاد نے یہ کارستانی کی کہ تین ہزار سوار دکن کی طرف سے قلعہ کوہ پر جہاں مقام مذکور واقع ہے روانہ کیے اور دو ہزار اس مقام پر تعینات کیے جہاں جنگل کی طرف سے بھاگ جانے کا اندیشہ تھا۔ پانچ ہزار آدمی لے کر قلعہ پر چھاپہ مارا فوج قلعہ دنا دن کی آواز سخن متحیر ہوئی۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ادھر فوج برٹش نے گولیوں کی

بوچھار کردی۔ اور ہلکی ہلکی توپیں جو ساتھ لے گئے تھے اُن سے گولے اُتارنے شروع کیے۔ افاغنہ نے اُن کا جواب دیا۔ آخر کار جب دیکھا کہ میدان غنیم کے ہاتھ رہا چاہتا ہے تو فوراً قلعہ کا پھاٹک کھول دیا اور شمشیر براں لیکر آمادۂ جنگ ہوئے۔ لیکن گولوں اور گولیوں نے دم کے دم میں تتر بتر کر دیا۔ آزاد پاشا نے اس جنگ میں بڑی نیک نامی حاصل کی۔ اور قلعدار کو جو بڑا معزز سپاہی سردار تھا۔ خود بہ نفس نفیس گرفتار کر لیا۔ دوسرے روز قلعدار موصوف نے جس کا نام شیر خان تھا آزاد کے پاس پیغام بھیجا کہ میں ملنا چاہتا ہوں آزاد نے ان کو بحراست بلوایا تو باہم یوں باتیں ہونے لگیں۔

آزاد۔ کیا کام ہے کچھ رشوت دینے کا قصد ہے۔

سردار۔ ہائے افسوس اس وقت چھُرہ پاس نہیں ہے۔

آزاد۔ ہاں ابھی تک جوش وخروش اور خم ودم وہی ہے۔

سردار۔ ہم سپاہیوں کا جوش وخروش گھٹ سکتا ہے۔

آزاد۔ اب آپ قیدی ہیں سپہ گری کجا۔

سردار۔ (دانت پیسکر) تم کو قتل نہ کروں تو پٹھان نہیں۔

آزاد۔ بالفعل تو قید رہیے آئندہ سمجھا جائے گا۔

سردار۔ اگر بڑا سپاہی ہے تو تلوار لے اور لڑ ہم سے۔

آزاد۔ لڑائی کے وقت تم نے کون بڑے جوہر دکھائے تھے۔

سردار (حملہ کرکے) ہائے ستم۔ اس کو کیوں کر قتل کروں۔

آزاد۔ (مسکرا کر) سپہ گری بہت مشکل ہے۔ خالہ جی کا گھر نہیں۔

سردار۔ خیر اب تو ہم پھنس ہی گئے۔ افسوس صد افسوس۔

آزاد۔ اب جب رہائی پاؤ گے تو ہم سے سمجھ لینا۔

سردار۔ ہم نہیں تو ہمارے بھائی بند تم کو قتل کر ڈالیں گے۔

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

آزاد۔ (خیر سمجھا جائے گا۔) اب ان کو یہاں سے لیجاؤ۔

سردار۔ (گالی دے کر) تم سیدھا جہنم میں جائے گا سور، اس فقرے پر دو سپاہی بہت بگڑے اور قریب تھا کہ سردار کو مار بیٹھیں مگر آزاد نے منع کیا، اور سردار کو پھر واپس لے گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد آزاد نے سو سواروں سے افاغنہ کے دو ہزار سپاہیوں کا مقابلہ کیا۔ اور اس جنگ میں خاص

اپنی شمشیر آبدار سے اٹھاون آدمی مقتول اور چون مجروح کیے۔ مگر آخر کار گرفتار ہو گئے۔ لوگ ان کو خوش خوش جنرل کے پاس لے گئے۔

جنرل۔ اپنی تلوار رکھ دو اور لکھ دو کہ بھاگنے کی کوشش نہ کریں گے تو خیر۔

آزاد۔ ہم صاحب السیف والقلم ہیں۔ مگر تلوار رکھ کے قلم لینا وضع کے خلاف ہے۔

جنرل۔ ابھی تک سپہ گری کا زعم نہیں گیا دل سے۔

آزاد۔ سپہ گری رگ و پے میں پیوست ہے۔

جنرل۔ خیر اب تو بالفعل قیدی ہو میاں آزاد۔

آزاد۔ یہ سپہ گری کا جوہر ہے قید سے کیا خوف ہے۔

جنرل۔ اس وقت اگر تحریری معاہدہ کر لو تو اچھے رہو۔

آزاد۔ تو پکار کے کہتے ہیں کہ ہم نکل بھاگیں گے۔

جنرل۔ ہم بھی سپاہی آدمی ہیں، ورنہ اگر کسی جاہل پٹھان کے پالے پڑے ہوتے تو اب تک قتل کر ڈالتا

آزاد۔ قتل ہوتے اور جان جانے کا کسی بزدل کو خیال ہوتا ہوگا۔ جب سپہ گری پیشہ ہے تو تلوار کے منہ مرنا عین ایمان ہے۔

جنرل۔ خیر پھر جب تک لکھ نہ دو گے ممکن نہیں کہ پوری پوری آسایش تم کو دی جائے۔

آزاد۔ اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ قتل ہو جاؤں تو بھی تحریری معاہدہ نہ کروں گا۔ تم اگر سپاہی ہو تو مجھ سے اس طرح پیش آؤ جس طرح کوئی سپاہی سے پیش آتا ہے، اور اگر ڈاکو اور لٹیرے ہو تو میں تم کو قابل خطاب نہیں سمجھتا۔

جنرل۔ خیر تم کو زمین کے فرش پر سونا ہوگا۔

آزاد۔ وہ فرش بھی نہ ہو تو ہمارا ایسا کون سا ہرج ہے۔

جنرل۔ اور کھانا بھی وہ نہ ملے گا جو ہم جنرل کھاتے ہیں۔

آزاد۔ افسوس ہے کہ جہلا میں آن کے ہم پھنسے ہیں۔

جنرل داؤد خان یہ تقریر کر کے اپنے خیمے میں گئے۔ اہتمام بلیغ کیا گیا تھا کہ آزاد پاشا کسی طرح سے نکلنے نہ پائیں۔ افاغنہ شمشیر برہنہ کیے ہوئے چوطرفہ پہرے دینے لگے۔ کہ اتنے میں ایک پٹھان آہستہ آہستہ اُن کے قریب آیا اور مصافحہ کر کے اُن سے یوں باتیں شروع کیں۔

پٹھان۔ آپ کے سرہانے پر میرا پہرا ہے آج۔

آزاد۔ ہاں پھر مطالب کہیے۔ پہرا ہے تو کیا۔
پٹھان۔ میں ایک مژدۂ طرب انگیز سنانے آیا ہوں۔
آزاد۔ (مسکرا کر) میں سمجھ گیا مژدۂ قتل۔
پٹھان۔ نا۔ جنرل داؤد خاں بڑا سپاہی آدمی ہے۔
آزاد۔ مگر تم لوگ تو جاہل ہو۔
پٹھان۔ خدا اور خدا کا رسول گواہ ہے کہ سب لوگوں کو تم سے ہمدردی ہے مگر تمہارے سبب سے ہماری فوج کے اس قدر آدمی مقتول ہوئے ہیں کہ بعض اوقات ہم کو مطلق ہمدردی نہیں رہتی، جی بے اختیار چاہتا ہے کہ تم کو فوراً قتل ہی کر ڈالیں، مگر تمہاری میں رہائی کی فکر میں آیا ہوں۔
آزاد۔ میں سچ بولنے کو اپنا ایمان سمجھتا ہوں۔

راست میگویم و یزداں نہ پسند و جز راست۔ مجھے تمہارے قول و فعل کا اعتبار نہیں ہے۔ تم لوگ عموماً ان پڑھے ہوتے ہو۔ اور کذب کو بُرا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ خوش ہو۔ ہاں دو چار۔ اخوند یہاں ایسے ہیں کہ ان کو میں مقدس تصور کرتا ہوں اور مولویوں کے ذریعہ سے کوئی خبر ملے یا کوئی پیغام آئے تو فوراً باور کر لوں۔
پٹھان۔ اس شہر کی ایک رئیس زادی کا پیغام ہے۔
آزاد۔ میں عورتوں کا پیغام نہیں سُننا چاہتا ہوں۔
پٹھان۔ خدا جانے آپ کس قماش کے آزاد آدمی ہیں۔
آزاد۔ اچھا پیغام تو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایئے۔
پٹھان۔ آپ کی رہائی ان کے ذریعہ سے ممکن ہے اور بآسانی مگر دو شرطیں ہیں۔
آزاد۔ اگر وہ منکوحہ ہیں تو کوئی ایسی شرط منظور نہیں کر سکتا جو خلاف شرع ہے۔
پٹھان۔ استغفر اللہ۔ اگر ہم سے وہ اس طرح کا پیغام کہتی تو ہم پہلے ہی اس کا سر قلم کر ڈالتے
آزاد۔ ہاں تو بسم اللہ فرمایئے میں بخوشی سنوں گا۔
پٹھان۔ ایک امیر زادی نے جو عفیفہ مگر رنگین مزاج ہیں۔ تم کو اس حالت میں دیکھا تھا جب تم لڑ رہے تھے۔ اور پھر بعد گرفتاری بھی دیکھا وہ تم پر عاشق ہو گئی ہیں۔ اور ان کی خواہش ہے کہ تم کو صدمہ نہ پہونچے۔ شر آفات سے مصئون رہو۔ ان کے امکان میں یہ ہے کہ بذریعہ رشوت تم کو آزاد کرا دیں، اور تم فوراً رہا ہو جاؤ مگر دو شرطیں ہیں۔

اولاً۔ بعد رہائی انگلش کی طرف سے جنگ میں شریک نہ ہو۔
ثانیاً۔ ان کی فوج کے کل امور سے اطلاع دے دو۔
آزاد۔ دونوں شرطیں منظوری کے قابل نہیں ہیں۔
پٹھان۔ پھر تم بھی رہا ہونے کے قابل نہیں ہو۔
آزاد۔ بھلا اس کا کیا ثبوت ہے کہ میں جو شرط کروں گا پوری ہی ہوگی کہ میں ان سے اقرار کر جاؤں اور پھر شریکِ فوجِ برٹش ہوں۔
پٹھان۔ یہ ممکن نہیں ہے وہ خوب جانتی ہیں کہ سپاہی اپنے قول کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔
آزاد۔ مجھے شرط اول کی تعمیل میں عذر ہے۔
پٹھان۔ اچھا تو ایمان کی رو سے بتا دو کہ انگریزوں کا کیا مقصد ہے، اور ان کے پاس کس قدر فوج ہے۔ اور اُن کا اصلی منشار کیا ہے۔
آزاد۔ ان کا اصلی منشا یہ ہے کہ کابل کو غارت کر دیں۔
پٹھان۔ اس کے دفیعے کی تدبیر بتا سکتے ہو تاکہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ اور دونوں کا مطلب حاصل ہو جائے۔
آزاد۔ بہتر ترکیب یہ ہے کہ ہم کو اس دعوے پر رہا کر دو کہ دونوں سلطنتوں کے درمیان میں صفائی کرا دیں گے۔
پٹھان۔ بسم اللہ بسم اللہ ہم اس کا جواب صبح کو دیں گے۔
دوسرے روز صبح کو اُس پٹھان نے موقع نہ پایا کہ اُس امیرزادی کے جواب سے آزاد کو اطلاع دیتا مگر جن اشاروں سے سمجھایا کہ معاملہ سب ٹھیک ہے۔
اس روز پھر جنرل داؤد خاں اُن کے پاس آئے، اور باہر ہی سے گفتگو کی۔ مگر آزاد نے اُسی طرح مرداد جواب دیا۔
جنرل۔ اب برٹش گورنمنٹ سے اور ہم سے معاملہ ہو رہا ہے۔
آزاد۔ معاملہ ہو رہا ہے یا جنگ ہو رہی ہے۔
جنرل۔ جنگ موقوف اب اس امر کا فیصلہ ہو رہا ہے کہ اگر جنرل داؤد خاں یعنی خاکسار آزاد پاشا کو رہا کر دیں، اور چھوڑ دیں۔ تم خیریت اور صحت کے ساتھ فوج برٹش میں داخل ہو جاؤ تو جنگ بالکل

موقوف ہو جاوے۔ اور پُرانے عہد نامے کے مطابق کماحقہ عمل میں آئے۔

آزاد۔ افسوس صد افسوس۔ مگر ہمیں اُمید نہیں۔

جنرل۔ افسوس تم سپاہی نہیں ہو۔ ہرگز سپاہی نہیں ہو۔

آزاد۔ اب سپاہی تو ایسے ہیں کہ تمہارا ہی دل جانتا ہوگا۔ اپنے منھ میاں مٹھو بننا ہماری وضع کے خلاف ہے۔

جنرل۔ سپاہی کبھی سپاہی کی بات کو جھوٹ نہیں سمجھتا۔

آزاد۔ تو جب ہم تم کو سپاہی سمجھتے ہوں۔

جنرل۔ (مسکرا کر) اچھا خیر۔ اس کا جواب دیا جائے گا۔

آزاد۔ اگر کچھ ہرج نہ ہو تو ہم اخبار منگوایا کریں۔

جنرل۔ بجا اخبار منگوایا کرو۔ اور اخباروں میں یہاں کی خبریں بھی بھیجا کرو۔

آزاد۔ افسوس کہ جنگ کا کچھ حال ہی نہیں معلوم ہوتا۔

جنرل۔ حال یہ ہے کہ جن لوگوں کی گردن پر چھری پھیری ہے۔ وہ ان کے بال بچے سب کے سب دعائیں دیا کرتے ہیں۔

آزاد۔ جنگ میں ہم نے کسی پر آج تک ظلم نہیں کیا۔

جنرل۔ تم سے زیادہ ظالم کوئی شاید ہی ہوگا۔

آزاد۔ اگر ہم نے ظلم کیا تو خود بھگت لیں گے۔

جنرل۔ تم کیا بھگتو گے ہم البتہ تم کو تلوار کے گھاٹ اُتاریں گے۔ ہزاروں عورتیں تمہارے سبب سے بیوہ ہوئیں۔ اور ہزاروں بچے یتیم ہوگئے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا۔ مگر خیر فہمیدہ خواہد شد۔ سمجھا جائے گا۔

شام کو اسی پٹھان نے میاں آزاد سے آن کے کہا کہ آج اُس طرف کے پہرے پر جس قدر جوان ہیں اُن سب کو امیرزادی نے زر کثیر دیا ہے۔ اب آپ مستعد ہیں جس وقت موقع ملا ہم آپ کو اطلاع دیں گے یہ کہہ کر پٹھان چلا گیا۔ اور دس بجے کے وقت ایک پہرے والے نے آن کر کہا۔ بسم اللہ اب تشریف لے چلیے آزاد نے کہا میری اس قدر اور بھی خواہش ہے کہ ایک تلوار مجھے مل جائے تھوڑی دیر میں انھیں پہرے والوں نے جو امیرزادی کے طرفدار تھے ایک ولایتی تلوار، اور بندوق اور سنگین ان کو دی اور آزاد مسلح ہو کر روانہ ہوئے۔ پہرے والے تو گٹھے ہوئے تھے ہی۔ روکنے کے عوض سب کے سب ساتھ ہوئے، اور

آزاد کو پہلے امیرزادی کے پاس لے گئے۔

آزاد۔ (ادب کے ساتھ سلام کر کے خاموش)

امیرزادی۔ محمد آزاد۔ یہ تمہاری صورت زیبا نے اس وقت رہائی دلوائی۔ ہو قسمت کے دھنی۔

آزاد۔ (امیرزادی کو از سرتا پا دیکھ کر سکوت کیا)

امیرزادی۔ یہ خاموشی اور گھبراہٹ اور سکوت کیسا ہے۔

آزاد۔ سوچتا ہوں کہ اپنی صورت زیبا کا شکریہ ادا کروں یا تمہاری عنایت کا کہ اس زندان بلا سے رہا ہوا۔

امیرزادی۔ (آہ سرد کھینچکر) اگر رسوائی کا خیال نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ضرور شادی کر لیتی کیونکہ تم بھی باایمان مسلمان ہو۔

آزاد۔ شادی میں رسوائی کا خیال بعنی چہ۔ مگر ہاں چونکہ میری شادی ہوگئی ہے اور میں دو بیویاں نہیں چاہتا لہذا مجبوری اور افسوس ہے۔ اگر مجھے اجازت دو تو دست مبارک کا بوسہ لوں۔

امیرزادی۔ (ہاتھ دیکر) کیا مضایقہ ہے مگر یاد رکھنا اب زیادہ خوں ریزی نہ ہونے پائے۔

آزاد۔ اب تو مجھے آزاد ہی کیجیے تو بہتر ہے۔

امیرزادی۔ جاؤ خدا حافظ و ناصر ہے۔

آزاد پاشا کو ایک گھوڑا دیا گیا، اور راہ خدا پر چھوڑ دیے گئے۔ یہ بیچارے حیران و پریشان، اس شب یلدا اور میدان جنون راہ میں چلے جاتے تھے۔ ہر چند انہوں نے اس امیرزادی سے باصرار کہا کہ دو سوار میرے ہمراہ بھیجے تاکہ ٹھیک ٹھیک راستہ بتادیں، مگر اس نے کہا ہم یہ امر منظور نہیں کر سکتے۔ تین گھنٹے کامل راستہ ناپا کیے۔ دو گانوں اثنائے راہ میں ملے ایک میں تو سناٹا پڑا ہوا تھا۔ دوسرے گانوں میں چند آدمی باہم باتیں کرتے تھے اگر آزاد رہا ہوئے تو امیر کابل، اور برٹش گورنمنٹ دونوں کو مجبور ہو کر غنیم کا کہنا ماننا پڑے گا۔ آزاد نے ان سے راستہ پوچھا۔ انہوں نے کہا اگر پیوار کوتل جاؤ تو اس جنگل کو پار کرنا پڑے گا۔ اور اگر امیر کابل کی خیمہ گاہ جانا چاہو تو یہاں سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور سامنے چند سواروں کا پڑاؤ ہے۔ اس خبر نے ان کو کمال مسرور و محظوظ کیا۔ اور فوراً سواروں کے پڑاؤ کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ قریب پہونچے تو ٹوکے گئے۔ انھوں نے کہا ہم ہیں آزاد پاشا جو سوار پہرا دے رہے تھے فرط طرب سے ان کے قریب آئے۔ اور کہا آپ کی گرفتاری کے سبب سے یہاں کل اُمور تہ و بالا ہوگئے تھے۔ اب آپ دیر نہ کیجیے فوراً خیمہ گاہ امیر پر چلیے۔ دس سواران ان کے ہمراہ رکاب

گئے اور نور کے تڑکے خیمہ گاہ امیر پر داخل ہوئے۔ امیر کابل اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جب نماز سے فراغت پائی تو لوگوں نے محمد آزاد کی اطلاع دی۔ سنتے ہی باغ باغ ہو گئے اور آزاد پاشا کو گلے لگا کر کہا خوب آئے یہاں کل معاملہ تلپٹ ہو گیا تھا۔ بڑی خیریت گذری۔ ورنہ خدا جانے کیا کیا شرطیں قبول کرنی پڑتیں۔ اب آپ اپنی پوری سرگذشت بیان کیجیے۔ آزاد نے کہا میں چاہتا ہوں کہ پہلے حمام کروں بعد ازاں کچھ کھانا کھاؤں تو دل جمعی کے ساتھ کل حالات عرض کروں۔ مگر اس قدر اطلاع دیجیے کہ جنگ کا کیا رنگ ہے۔ امیر کابل نے کہا بہتر ہے۔ آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھیں تو گفتگو ہو گی۔

بعد فراغ حمام آزاد پاشا نے کھانا نوش جان فرمایا اور یوں گفتگو کی۔

یہ تو آپ کو بخوبی معلوم ہی ہے کہ فریب کے سبب سے میں گرفتار ہو گیا تھا۔ جنرل داؤد خاں نامی ایک سردار نے کہ حضرت یار خاں کا عزیز ہے مجھ سے کہا کہ اگر تلوار ہم کو دو اور ایک کاغذ پر لکھ دو کہ تم اس قید خانے سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو گے تو ہم اس قدر سختی کے ساتھ پیش نہ آئیں، میں نے کہا تلوار حاضر ہے۔ جب قید ہوئے تو تلوار کیسی۔ مگر کوئی تحریری معاہدہ میں نہیں کرنا چاہتا۔ حسن اتفاق سے دوسرے روز پہرے والے نے مجھے مژدۂ طرب انگیز سنایا اس کے بعد آزاد نے پوری داستان بیان کی۔ اور وہ اس کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ اسی روز کل افواج برٹش اور سپاہ کابل کو اطلاع دی گئی کہ آزاد پاشا مع الخیر والعافیت قید خانہ غنیم سے مردانہ وار نکل آئے۔ اب امیر کابل کے خیمے میں مزے سے دندنا رہے ہیں۔

جب غنیم کو معلوم ہوا کہ آزاد پاشا باایں ہمہ حفاظت و نگرانی قید سے بھاگ گئے تو سخت افسوس کیا اور حضرت یار خاں جو باغیوں کا سرغنہ تھا سر پیٹ لیا کہ افسوس ہمارے ہی آدمیوں نے اور معتمدوں نے ہم سے مکر و دغا کھیلی اور ہمارے ایسے قیدی کو رہائی دے دی۔ جس کی قید سے ہم سخت ترین شرطوں پر برٹش اور امیر کابل سے اپنی مرضی کے مطابق دستخط کرا لیتے۔ ہم نے پہلے یہ حکم جاری کیا کہ داؤد خان جس کو خاص اس کام کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا قتل کیا جائے۔ اور جو جو سپاہی پہرے پر تھے وہ کھڑے چنوا دیے جائیں۔ داؤد خاں یہ خبر سن کر مع چند سپاہیوں کے روپوش اور مفرور ہو گیا۔ اور پہرے کے جوان تو پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

ادھر آزاد پاشا نے حسب مشورۂ امیر، یہ کارروائی کی کہ ایک ہزار برٹش اور تین ہزار کابلی سوار اور چھ توپیں لے کر حضرت یار خاں پر تاخت لائے۔ وہ گھبرایا ہوا تو تھا ہی جب اس نے اس یورش کی خبر سنی تو اور بھی گھبرا گیا اور اپنے اسسٹنٹ سے یوں مشورہ کرنے لگا۔

حضرت۔ افسوس کہ اس داؤد نے ہم کو کہیں کا نہ رکھا۔
اسسٹنٹ۔ وہ تو جو ہوا سو ہوا۔ اب کیا رائے ہے۔
حضرت۔ آزاد بلا کا جنرل ہے۔ ایسا ویسا نہیں ہے۔
اسسٹنٹ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سے مقابلہ کرنا مشکل ہے۔
حضرت۔ جس شخص نے روسیوں کے ناک میں دم کر دیا۔
اسسٹنٹ۔ اور کیسے کیسے معرکے سر کیے کہ الاماں الاماں۔
حضرت۔ پھر اب۔ ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔
اسسٹنٹ۔ اب بجز اس کے اور کیا چارہ ہے کہ آزاد ہوں چاہے کوئی ہو برابر مقابلہ کیا جائے۔
حضرت۔ آزاد کے نام سے لوگ کانپتے ہیں۔
اسسٹنٹ۔ اس میں کیا فرق ہے وہ ایسا ہی جنرل ہے۔
حضرت۔ ہم کچھ اس بات کا خوف نہیں کرتے کہ ہماری جان جائے گی۔ لاحول ولاقوۃ۔ جان کیا مال ہے اور ہم جان کیا سمجھتے ہیں۔ مگر خیال یہ ہے کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ قواعد دان ہے۔
اسسٹنٹ۔ مجھ پر اب کچھ ہو۔ خدا مالک و ناصر ہے۔ جنرل آزاد بسر کردگی۔ سواران گردن کش۔ حضرت یار خاں کے مقام قیام پر دفعتاً دھر دھمکے اور یہاں ابھی تک مشورہ ہی ہو رہا تھا جب طلائے کے سواروں نے مارا مار ان کو اطلاع دی کہ آزاد پاشا سواران تہمتن صف شکن لیے ہوئے گلے پر آن پہونچے تو یہاں اس درجہ کھل بلی مچی کہ ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور ساری شیخی بھول گئے۔
جنرل۔ اب قرین مصلحت یہی ہے کہ جان دے دیں۔
اسسٹنٹ۔ یہ جیتے جی گرفتار ہونا افغان کا کام نہیں ہے۔
جنرل۔ پھر جو کچھ انتظام ہو سکے معاً فکر کر کے مقابلہ ہو۔
اسسٹنٹ۔ اب فکر کیا خاک ہونا ہے۔ بس ع

دست بگیر د سر شمشیر تیز۔

جنرل۔ پھر بسم اللہ تلوار سوت کے گھس پڑیئے۔
اسسٹنٹ۔ اس وقت ستر جوان روئین تن ساتھ ہیں۔
جنرل۔ اور ادھر ہزاروں سواروں کی بھیڑ۔
اسسٹنٹ۔ ع۔ اُس طرف ساری خدائی ہے ادھر کچھ بھی نہیں۔

جنرل۔ یار اگر مصلحت ہو بھاگ چلیں۔ اور جان بچائیں۔

اسسٹنٹ۔ ہاں ہے تو مصلحت یہی۔ ورنہ بوجھ کے جان دینا کون عقل کی بات ہے سو

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن

کہ جاہا سپر باید انداختن

مگر افسوس ہے کہ ہم نے آزاد کو قتل کر ڈالا۔

جنرل۔ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کار خود باید زد۔

اسسٹنٹ۔ اور میں نے آپ سے عرض کیا تھا مگر آپ نے ہرگز نہ مانا۔

جنرل۔ گو... کی آواز آ کے بند ہو گئی یہ کیا۔

اسسٹنٹ۔ قلعہ دار سے کہلا بھیجا تھا نہ کہ ذرا توقف کریں تو غالباً صلح کر لیں گے۔

جنرل۔ اوہ تو شاید کوچہ گریز بھی بند ہے۔

تنے میں ایک آدمی نے اطلاع دی کہ قلعہ چو طرفہ سے گھر گیا۔ اب بھاگنے کا رستہ بھی نہیں ہے مگر اس وقت دو سو آدمی کا لڑنے بھڑنے والے موجود ہیں۔ جو جان دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اس وقت آزاد نے کمال شجاعت دکھائی۔ اور بسالت کی خوب داد دی، یعنی یہاں تک کہ قلعہ کے ارد گرد کی فوجِ غنیم منتشر ہو گئی۔ اور میدان انھیں کے ہاتھ رہا۔ اس فتح نے غنیم کی قلیا تمام کر دی چھٹے روز حکم آیا کہ آزاد پاشا واپس آئیں اور حضور گورنر جنرل با جلاس کونسل نے منجانب تاجدار انگلستان ان کو شجاعت الدولہ بہادر جنگ آور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب عطا فرمایا ہے۔

جس روز واپس آئے ان کے گھر میں اس قدر چہل پہل تھی کہ خارج از حیطۂ تحریر۔

اختتام داستان

جب جنگ افغان سے آزاد پاشا واپس آئے تو حسن آرا بیگم نے مسجدوں میں گھی کے چراغ جلائے خوشی کے شادیانے بجائے۔ آزاد پاشا نے جنگ کے حالات اور اپنی بسالت کی داستان چھیڑی تو انھوں نے کہا ہر روز مختلف اخباروں میں جنگ کے حالات پڑھتی تھی۔ اپنے بچوں سے اپنا دل خوش کرتی تھی۔ خدا سے دعا مانگتی تھی کہ یا باری تعالیٰ آپ کی بھی عزت رکھ لے۔ خدا نے سن لی اس کی کریمی کے صدقے آزاد کی واپسی کے جشن جا بجا منعقد ہوئے پہلی شب حسن آرا نے اپنے ہاں رت جگا کیا۔ دوسری شب کو بڑی بیگم کے ہاں رت جگا ہوا۔ تین سال تک آزاد فرخ نہاد کے ہندوستان کی ترقی میں تہ دل سے

کوشش کی۔ سررشتہ تعلیم کو نئے طرز پر قائم کیا۔ کورس کی کتابیں بدلیں۔ یونیورسٹی کے قواعد میں ان کی تجویز سے بڑا تغیر و تبدل ہوا۔ مختلف اخباروں اُردو و انگریزی میں ان کے دلچسپ و چیدہ مضامین طبع ہونے لگے۔ اور انھیں نے دو چار عمدہ عمدہ آرٹکل ولایت کے صحیفوں میں بھی بھیجے ہیں۔ الغرض تین سال تک آزاد اور حُسن آرا نے خوش دلی سے زندگی بسر کی۔ اور اس کے بعد آزاد نے سیر و سیاحت کے شوق میں لندن کا سفر اختیار کیا۔ چھ مہینے پارس اور ایک سال لندن میں رہے، اور اس عرصہ میں یورپ کے اور مقاموں کی بھی سیر کی جب ہندوستان واپس آئے تو اس امر میں بہت زور دیکر سعی بلیغ کی کہ ہندوستان میں کپڑے اور کاغذ کے کارخانے قائم ہوں۔ ہندوستان کے نامی گرامی اخباروں میں انھوں نے مختلف پیرائے اور ہر پہلو سے ثابت کر دیا کہ جب تک کلوں کے ذریعہ سے صناعی کو ترقی نہ دی جائے گی۔ ممکن نہیں کہ ہندوستان ترقی، دولت اور سرسبزی اور مرفہ حالی میں یورپ کے کسی شایستہ ملک کا مقابلہ کر سکے۔ کیا مجال۔

ان کی تحریروں اور فصاحت بیانی کا اس درجہ اظہار کہ اکثر اولوالعزم بزرگواروں نے اس طرف توجہ کی اور پاشا کی تجویز کے مطابق ڈنکن کمپنی کے مشہور کارخانے سے کاغذ کی کل منگوائی۔ چوں کہ پیپر مل کے تجویز کے آزاد پاشا بانی مبانی اور خود حصہ دار تھے لہذا ان کے نام سے اکثر رؤسا و حکام اور امرائے عالی مقام، اور والیان ملک اور عہدہ داران سرکاری شریک ہوئے۔ اتفاق سے پہلے سال اس مل نے کماحقہٗ ترقی نہیں کی۔ جس کے سبب سے بعض پست ہمت آدمی تہ دل سے ملول ہوئے اور غل مچانا شروع کیا کہ مل کے کوڑے کر کے رسدی حساب سے حصہ داروں کو دیا جائے۔ اور فوراً اونے پونے پر فروخت ہو جائے۔ آزاد پاشا نے مع چند چنیدہ اور برگزیدہ احباب کے اس رائے سے اختلاف ظاہر کیا اور بکمال سرگرمی دو سال کی محنت میں ساری خدائی کو دکھا دیا کہ عالی ہمم اور مستقل مزاج آدمی جو تجارت کے امور اہم سے واقف ہیں۔ ان کارخانوں کو کیوں کر چلا سکتے ہیں۔ اگر آزاد نے استقلال مزاج ظاہر نہ کیا ہوتا تو مل کی حالت تباہ ہو جاتی۔ جس وقت کارخانے کی حالت کسی قدر نازک ہو گئی تھی تو مخالفوں نے بات کا تبنگڑ، سوئی کا بھالا، اور تنکے کا پہاڑ بنا دیا تھا۔ کوئی کہتا تھا روپیہ ناتجربہ کاری کے سبب سے ضائع کیا گیا۔ کسی کی رائے تھی، کہ نیلام کر دیا جائے۔ مگر آزاد نے کسی کی رائے کو دخل نہ دینے دیا۔ اور آخر کار اس کارخانہ کو ایسا چمکایا کہ باید و شاید۔ جب اس مل نے کماحقہٗ ترقی کی اور حصہ داروں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ تو ہندوستان کے کئی مقاموں پر کارخانہ کھولا گیا۔ اور چونکہ اب ملک ان کارخانوں کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اس کاٹن مل نے بہت جلد ترقی کی۔ تخمینے سے منکشف ہوا کہ چار

سال میں ان کارخانوں کے ذریعہ سے اس قدر فائدہ عظیم ہوا اور ملک کی عسرت اس درجہ دور ہوئی کہ اس کے عشر عشیر کا بھی لوگوں کو گمان نہ تھا۔ اول ہزاروں آدمی جو بالکل مارے مارے پھرتے تھے نوکر ہوگئے۔ دوسرے یہ فائدہ ہوا کہ اکثر اشیاء جو پھینک دی جاتی ہیں ان کی بکری ہونے لگی۔ تیسرے ان کارخانوں کے ذریعہ سے اور کپڑا ارزاں ملنے لگا۔ چوتھے ہزاروں اہل قلم نے نوکریاں پائیں۔

قصہ مختصر جو لوگ اوائل میں آزاد سے مختلف الرائے تھے اور جن کا قول تھا کہ یہ کارخانے ہرگز فروغ نہ پائیں گے اور نہ ترقی پکڑیں گے اور نہ ان کے ذریعہ سے ملک کو کوئی فائدہ پہونچے گا وہ سب آزاد کا دم بھرنے لگے۔ اور بصد عجز معترف ہوئے کہ ان کی رائے بالکل غلط تھی۔

آزاد پاشا نے ہندوستان کے ہر ایک بڑے اور مشہور شہر میں دورہ کیا اور وہاں ترقی ملکی کے لیے انجمنیں و محفلیں از سر نو قائم کیں۔

اس کے بعد آزاد نے حفظان صحت کی طرف توجہ کی اور ویکسینیشن بل یعنی ٹیکہ لگانے کا مسودہ قانون، ان کی جادو بیانی سے ایکٹ ہوگیا۔ ہر شہر میں میونسپلٹی عمدہ اصول سے قائم ہوئی اور جابجا آبِ شیریں کے آرٹیشل کنویں بنوائے گئے۔ پنساریوں کی ادویہ کا بندوبست مناسب کیا کہ عمدہ عمدہ دوائیں بہم پہونچیں۔ تاکہ مریض کا نقصان اور اطبا کی بدنامی نہ ہو۔ الغرض عرصۂ دراز تک آزاد نے اپنے وقتِ گراں مایہ کا بہت بڑا حصہ انھیں امور نیک میں صرف کیا۔ اور اپنے تجربۂ ذاتی، اور اعلیٰ درجہ کی قابلیت سے ملک کو فائدۂ کثیر پہونچایا۔

جب ان کے دونوں صاحبزادے فضلِ خدا سے چودہ چودہ برس کے ہوئے تو دونوں کو لندن بھیجا، تاکہ وہاں تعلیم پاکر دولت علم سے مالا مال ہو جائیں۔ یہ دونوں ہونہار لڑکے امتحان میں نہایت کامیابی کے ساتھ پاس ہوئے، ایک بیرسٹر اور سی۔ ایس۔ اور دوسرا صرف سی۔ ایس کا خطاب پاکر ولایت سے واپس آئے۔

اس عرصہ میں حسن آرا نے اپنے گھر پر ایک مدرسہ تعلیم نسواں جاری کیا۔ جس میں اکثر شریف زادیاں پڑھنے اور سینا سیکھنے کے لیے آتی تھیں۔ حسن آرا نے مس میڈا کی نگرانی میں یہ مدرسہ فیض بخش جاری کیا تھا اور چونکہ خود نواب زادی اور خاندان شاہی سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کے چال چلن کی نسبت لوگوں کی عمدہ رائے تھی؛ اور ان کی پاک دامنی کی قسم کھائی جاتی تھی۔ لہذا کسی کو ذرا عذر نہ ہوا کہ اس مدرسہ میں اپنی لڑکیوں کو نہ بھیجیں جو حسن آرا کے نام سے قائم ہوا تھا اور جس میں حسن آرا خود انتظام کرتی تھیں۔

جب دونوں لڑکے دنیا میں بخوبی کامیاب اور مستفیض بمرام ہوئے، اور آزاد اور حسن آرا تے اپنے دل کے ارمان نکال لیے تو اطمینان کمال کے ساتھ زندگی بسر کی اور دنیا کے جھگڑوں سے مطلق واسطہ اور تعلق نہ رکھا آزاد پاشا کی کوئی تمنائے دلی ایسی نہ تھی جو بر نہ آئی ہو۔ علم وفضل میں یکتائے روزگار، ہندوستان کے فخر افتخار، نثر میں منشی بے بدل۔ بلاغت نشان۔ نظم میں شاعر لاثانی سحر بیان السنۂ انگریزی و فرانسیسی میں طاق، عربی و فارسی میں شہرہ آفاق اس کے علاوہ اصول نیک اور فنون سپہ گری میں برق تھے پھر مدبر ایسے کہ کونسل واضع آئین وقوانین میں نام کیا۔ اس کے علاوہ بیوی ملی تو حسن ظاہری اور جمالِ مُبین کے ساتھ زیورِ حسن باطن سے بھی آراستہ، اور اولاد خدا نے دی تو ہونہار بلند اقبال۔ الغرض آزاد نے لڑکپن سے بڑھاپے تک عیش و عشرت اور نیک نامی کے ساتھ زندگی بسر کی اور فرطِ ہمدردی سے ہم وطنوں کی ترقی میں ہمیشہ رسامی رہے۔

فرہنگ فسانۂ آزاد

فسانۂ آزاد، الفاظ و محاورات اور ضرب الامثال کا خزانہ ہے۔ اس میں عربی، فارسی سنسکرت، ترکی، انگریزی اور بعض دوسری زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن زیادہ تعداد ان الفاظ کی ہے جو عربی اور فارسی سے اردو میں شامل ہوئے ہیں۔ ایسے تمام الفاظ مستند لغات میں مل جاتے ہیں۔ یہ مختصر فرہنگ صرف ان الفاظ پر مشتمل ہے جو عام طور پر کم استعمال ہوتے ہیں یا متروک ہو چکے ہیں۔ ایسے الفاظ کو معانی کے ساتھ فرہنگ کی صورت میں شامل کیا جا رہا ہے تاکہ پڑھنے والے اہلِ ذوق حسبِ ضرورت استفادہ کر سکیں : اور ان کو ضخیم لغات کی ورق گردانی کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ لیکن ماہرین زبان و ادب کے لیے فرہنگ کی چنداں ضرورت نہیں۔

عربی محاورات اور امثال کے علاوہ مذہبی کتابوں کے کچھ مکمل اور نامکمل جملے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ بعض کئی کئی بار آئے ہیں ان کو بھی فرہنگ کے ساتھ مع معانی شامل کر دیا ہے۔ جن مشہور عالموں، ادیبوں اور شاعروں کا ذکر آیا ہے۔ ان کا مختصر تعارف بھی ضروری تھا۔ اسی طرح لکھنؤ کی جن قدیم عمارتوں اور محلّوں کے نام کتاب میں آتے ہیں ان کے متعلق اختصار کے ساتھ تاریخی کتابوں کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

فرہنگ کی تدوین میں، نور اللغات، جامع اللغات، فرہنگ عامرہ اور مہذب اللغات سے مدد لی گئی ہے۔ اشخاص کے تعارف کے سلسلہ میں اردو فارسی کی مستند ادبی تاریخوں اور تذکروں کو پیش نظر رکھا ہے۔ عمارات کا تعارف، تاریخ سلاطین اودھ (از کمال الدین حسینی) اور تاریخ اودھ (از نجم الغنی) نادر الوجود (از منشی نولکشور) اور تاریخ فرح بخش وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ اور ان کی موجودہ حالت کے متعلق اپنا چشم دید حال لکھا ہے۔ تفصیلات کے لیے مذکورہ کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

امیر حسن نورانی

(الف)

آب بقا۔ وہ پانی جس کو پینے والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔
آب حیات۔ مشہور ہے کہ دنیا میں کسی جگہ ایسا چشمہ ہے۔
آب حیوان۔ سکندر ذوالقرنین
آب خضر اس چشمہ پر حضرت خضر پیغمبر کے ساتھ گیا تھا لیکن آب حیات اس لیے نہیں پیا کہ اس کے پینے کے بعد جسم کی طاقت زائل ہو جاتی اور پینے والا زندہ رہتا ہے مگر بے حس وحرکت۔ چاروں لفظ ہم معنی ہیں
آب زلال۔ میٹھا اور ٹھنڈا پانی۔ زلال سفید رنگ کا کیڑا ہوتا ہے جو برف میں رہتا ہے اس کو دبا کر نچوڑنے سے جو پانی نکلتا ہے ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے۔
آب رفتہ۔ وہ پانی جو بہہ گیا ہو۔
آب اسود۔ سیاہ پانی۔ مراد شراب
آب شورہ۔ کھٹا پانی۔ جو، املی، امچور اور ہڑ کو ملا کر بناتے ہیں بہت ہاضم ہوتا ہے۔ کچا آم بھون کر بھی بنایا جاتا ہے۔
آب کاری۔ شراب بنانے کا کاروبار
آبِ رَواں۔ ایک قسم کا باریک کپڑا ململ کی طرح۔ بہتا پانی۔
آب گیر۔ جوہڑ۔ پوکھر۔ تالاب
آب دار۔ چمکدار۔ پانی رکھنے کی جگہ
آب ریز۔ پانی کا برتن۔ لوٹا
آبنوس۔ ایک درخت جس کی لکڑی سیاہ اور مضبوط ہوتی ہے۔
ابداع۔ پیدا کرنا۔ ظاہر کرنا۔
ابرن۔ زیور۔ گہنا
ابریق۔ صراحی۔ لوٹا۔
اَبْرہ۔ دوہرے کپڑے کا اوپر والا کپڑا
اُپَسنا۔ سڑنا بد ذائقہ ہونا کھٹا ہونا
ابعادِ ثلاثہ۔ تین دوریاں۔ لمبائی۔ گہرائی بلندی۔
اَبْلق۔ دورنگا سیاہ وسفید رنگ کا گھوڑا۔
اُبہت۔ بزرگی۔ رونق
آپا دھاپی۔ خود غرضی۔ تنہا خوری
اُپجنا۔ ظاہر ہونا۔ اُگنا۔

آتش زیرپا۔ بے قرار۔ بے چین
آتو ماما۔ استانی۔ لڑکیوں کی اتالیق
آتش کا پرکالہ۔ انگارا۔ لوکا۔ آگ کا ٹکڑا۔
آتشین رخ۔ سرخ رنگ چہرہ۔ نور کا پتلا
آتما۔ روح۔ دم۔ نفس
آثیم۔ گنہگار
اِثمد۔ سرمہ کا پتھر
آٹھوں گانٹھ کمیت۔ چالاک۔ تیز۔ کمیت گھوڑا تیز اور چالاک ہوتا ہے
آٹھوں کا میلہ۔ ہندوؤں کا مشہور تہوار جو لکھنؤ میں بہت دھوم سے منایا جاتا ہے۔
اٹیرن۔ لکڑی کی چرخی جس پر کاتا ہوا سوت لپیٹا جاتا ہے۔
اٹیرنا۔ سوت لپیٹنا۔
اِجارہ۔ دعویٰ۔ قبضہ اختیار۔
اجتہاد۔ نئی بات نکالنے کی کوشش کرنا
اجاج۔ کڑوا۔ کھاری
آجِل۔ دیر کرنے والا
اِجبار۔ زبردستی کرنا جبر کرنا۔
اچھوتی۔ بغیر چھوئی ہوئی بعض شاہان اودھ کے محلوں میں کنواری لڑکیاں نذر و نیاز کرنے کے لیے رکھی جاتی تھیں ان کو اچھوتی کہتے تھے۔
اچپلاہٹ۔ طراری۔ شوخی۔

اَحَدِی۔ تیر انداز سپاہی جو ملازم ہوتے تھے مگر اپنے گھروں میں رہتے تھے حسب ضرورت بلائے جاتے تھے اکبر بادشاہ نے یہ عہدہ قایم کیا تھا۔
اِحدیّت۔ یکتائی۔ ایک ہونا
اِحتراق۔ سوزش۔ جلا ہوا ہونا
اِحتفال۔ جلسہ۔ محفل۔
احتکار۔ گراں فروشی کے لیے غلّہ وغیرہ روکنا
اَحفاد۔ بیٹے۔ پوتے۔ نواسے
اَحیاناً۔ اتفاقاً
اِحتیال۔ حیلہ بازی۔ بہانہ کرنا۔
اِحتضار۔ حاضر ہونا۔ موت کا سامنا کرنا۔
اَخذ۔ لینا۔ پکڑنا
اَخضر۔ بہت سرسبز و شاداب۔ گہرا سبز رنگ۔
اَخگر۔ چنگاری
آخوند۔ معلّم۔ استاد
اخلاطِ اربعہ۔ صفرا۔ خون۔ بلغم۔ سودا
آدیس۔ فقیروں اور جوگیوں کا سلام و پیغام
اِدراج۔ جمع دُرج۔ موتی اور زیور رکھنے کی ڈبیہ۔
اَدماتی۔ بیہودہ عورت۔ آوارہ
اَدرَھی۔ ایک قسم کا باریک قیمتی کپڑا
اَدَبُوڑی۔ موٹا چمڑا
اَدخنہ۔ دُخان کی جمع دھواں

اَدْوَات ۔ آلات
اَدْھَم ۔ مشکی گھوڑا سیاہی مائل
اَذُوقہ ۔ نان نفقہ روٹی کپڑا
اِذخار ۔ جمع کرنا ذخیرہ کرنا
اَرث ۔ وراثت
آرسی ۔ آئینہ
آرسی مصحف ۔ دولہا اور دلہن کو شادی
کے بعد قرآن شریف اور آئینہ دکھانے
کی رسم
اَرغنُون ۔ ایک قسم کا باجا جو افلاطون نے
ایجاد کیا تھا۔
اَرمَلہ ۔ بے شوہر کی عورت
ارابہ ۔ وہ گاڑی جس میں بھینسا جوتا جاتا ہے
ارگجا ۔ پھول اور عطر وغیرہ جو فاتحہ پڑھنے
والے کے پاس رکھے جاتے ہیں ۔
اُریب ۔ آڑا، ترچھا
اِرَم ۔ شداد نامی بادشاہ کی بنائی ہوئی
بہشت
اَرسطُو ۔ مشہور یونانی عالم و فلسفی کا نام
جس کا حضرت عیسٰی سے ۳۲۲ سال قبل
انتقال ہوا تھا
اَرژنگ ۔ چین کا ماہر نقاش جو قدیم
زمانہ میں تھا
اُرغوانی ۔ سرخ یا نارنجی رنگ
اَریب ۔ عقلمند، بڑا فاضل

اِرتعاش ۔ کپکپاہٹ لرزش
اَزرَق ۔ نیلا نیلی آنکھ والا نیل گوں۔
اَزہَر ۔ کلی روشن
اَرشد ۔ بہت ہدایت پایا ہوا۔
آڑی مار ۔ دغاباز
آزرم ۔ لڑائی
آسیا ۔ چکی
اسپند ۔ کالا دانہ ۔ جو نظر اتارنے کے لیے
جلایا جاتا ہے۔
اِستخارہ ۔ بھلائی طلب کرنا ۔ نیک شگون
کے لیے خاص طریقہ پر فال دیکھنا۔
اِسترخا ۔ جسم کا ڈھیلا ہونا
اِستفراغ ۔ قے ہونا۔
اِسم بامسمّیٰ ۔ جیسا نام ویسا کام
اَسوار ۔ سوار کی جمع ہے۔
اَشعہ ۔ شعاعیں ۔ شعا کی جمع ہے۔
اَشہب ۔ سیاہ و سفید گھوڑا
اِشتباہ ۔ مشابہ ہونا۔
اِشتات ۔ پراگندہ کرنا
اَشجع ۔ بہت بہادر
اشراقی ۔ قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ تھا جس
کے کچھ خاص عقائد تھے۔
اَشعری ۔ علماء اسلام کے ایک خاص گروہ
کا نام ہے۔
اُشلک لگانا ۔ تہمت لگانا
اُشغلہ ۔ طوفان اٹھانا ۔ فتنہ کرنا۔

اشلوک ۔ نظم ۔ بند ۔ قول

اصالتاً ۔ بلاواسطہ ۔ براہ راست

اصغا ۔ سننا

اصلاً ۔ قطعی ۔ بالکل قطعی

آصف خانی ۔ ایک قسم کا لباس

آصیل ۔ ماما ۔ وفادار ملازمہ

اضحوکہ ۔ وہ چیز یا شخص جس کو دیکھ کر لوگ ہنسیں

اضطرار ۔ بے اختیار ہونا ۔ عاجز ہونا

اضعاف ۔ دوگنا کرنا ۔ کمزور ہونا

اضحیٰ ۔ قربانی

اصطرلاب ۔ ستاروں کا پتہ لگانے والا آلہ

اطناب ۔ طول دینا ۔ بڑھا کر پیش کرنا

اطلس ۔ صاف آسمان ۔ ایک قسم کا ریشمی کپڑا

اطاق ۔ کمرہ

اطفاء آگ بجھانا

اطراد ۔ ہانکنا چلانا

اطریفل مشہور یونانی دوا ۔ جو کئی دواؤں سے مرکب ہوتی ہے ۔

اعتاق ۔ غلام کو آزاد کرنا

اعتصام ۔ پکڑنا چنگل مارنا ۔ پرہیزگاری

اعجاز ۔ عاجز کرنا

اعوج ۔ ٹیڑھا

اعور ۔ کانا ۔

اعراب ۔ بدو ۔ عرب کے دیہاتی باشندے

اعقاب ۔ پس ماندگان ۔ مرنے والے کے بعد باقی رہنے والے اعزا و اقربا

اعمیٰ ۔ اندھا ۔

اعیان ۔ جمع عین ۔ چشمے ۔ امراء

اغماض ۔ چشم پوشی کرنا ۔ نظر انداز کرنا

اغوا ۔ ابھارنا ۔ بہکانا

افاضہ ۔ فیض پہنچانا

افتاد ۔ ڈھنگ ۔ عادت ۔ اتفاق ۔

افراسیاب ۔ توران کے مشہور بادشاہ کا نام

افعی ۔ کالا سانپ ۔ زہریلا

افشاندہ ۔ چھڑکا ہوا ۔ جھاڑا ہوا

افشردہ ۔ نچوڑا ہوا

افگار ۔ زخمی ۔ زخم

افلاطون ۔ یونان کا مشہور عالم و فلسفی

اقصیٰ ۔ بہت دور

اقلیدس ۔ علم ہندسہ جیومیٹری

اقبح ۔ بہت برا ۔ بدصورت

اقتران ۔ نزدیک ہونا ۔

اقدس ۔ بہت پاکیزہ

اقلاع ۔ اکھڑنا

اقلیم ۔ کرہ زمین کا ایک حصہ ۔ کل زمین

کو قدیم عالموں نے سات حصّوں میں
تقسیم کیا تھا۔ ان کو ہفت اقلیم کہا
جاتا ہے۔
اِکّا تنہا۔ یکّہ (ایک قسم کی سواری) شمع دان
اِکتارا۔ ایک قسم کا ساز۔ کپڑے کی ایک
قسم۔
اکاسِرہ۔ کسریٰ کی جمع۔ ایران کے مشہور
شاہی خاندان کے بادشاہوں کا
لقب۔
اِکّل کھرا۔ خود غرض۔ بے مروّت
آکھر۔ چوپاؤں کے رہنے کی جگہ
اکلیل۔ تاج۔ جڑاؤ عصا
اَکید۔ مضبوط۔ استوار۔
اگرئی۔ وہ رنگ جو گہرے شمشی رنگ سے
ملتا ہے۔
اُلاغ۔ وہ گھوڑا جس سے ڈاک لانے
اور لے جانے کا کام لیتے ہیں۔
اَلمعیٰ۔ دانش ور۔ بڑا فاضل
اُلوہیّت۔ خدائی
اَلم نشرح۔ کھل کر بیان کرنا۔ قرآن
کی ایک سورہ کا نام ہے۔
اَلپاکا۔ ایک قسم کا دبیز کپڑا
آلسی۔ کاہلی۔ سستی
العطش۔ پیاس
الجوع۔ بھوک

اُلوپ انجن۔ وہ سرمہ جس کو لگا کر آدمی
دوسروں کو نظر نہ آئے۔
اَلیٹھ۔ جھگڑا۔ روک۔ کام میں بلاوجہ نقص
نکالنا۔
اُلش اَلیٹ۔ کسی بزرگ کا جھوٹا کھانا۔
آگے کا اٹھا ہوا کھانا۔
اَمصار۔ جمع مصر۔ شہر۔
امعان۔ گہری نظر ڈالنا۔ گہرا سوچنا۔
اُمّ العوارض۔ بیماریوں کی جڑ۔ اصل بیماری
اَمارج۔ نشانہ۔
اَلآن۔ ابھی اس وقت۔
اُلاہنا۔ گلہ۔ شکایت۔
الابلا بکواس۔ ٹال مٹول
اِلتیام۔ زخم بھرنا۔ زخم اچھا ہونا۔
اِنتما۔ بڑھنا۔ پھولنا
انٹاغفیل۔ افیون کے نشے میں بری طرح مدہوش ہو جانا۔
انفعال۔ شرمندہ ہونا۔ ندامت
اَنتیاں۔ کان میں پہننے کا زیور
انڈوا۔ ایک قسم کا لباس۔ جو بانس کے حلقے
پر پچکا گوٹا لگا کر بناتے ہیں اور مرد
اور عورتیں بازو پر باندھتیں ہیں اور
سرے پر باندھتیں ہیں۔
اَنیق۔ خوب۔ عجیب
ہنکس۔ لوہے کا چابک جس سے ہاتھی
ہانکا جاتا ہے۔

اَنْبَاز۔ شریک
اَنَابِیبِ شَعْرِی۔ بال کی جڑیں۔
اِنْفَاق۔ خرچ کرنا۔
اِنْصِرَام۔ پورا ہونا۔ آخر ہونا۔
اَنُوٹھی۔ انوکھی
آواگون۔ بار بار جنم لینا
اولوالالباب۔ عقل مند۔ بلند دماغ دانشور
اوگی۔ لمبا چابک
اُوکھلی۔ ہاون۔ وہ گہرا گڑھا یا ظرف جس میں اناج ڈال کر کوٹتے ہیں
اُوپچی۔ پانچوں ہتھیاروں سے مسلح سپاہی
اُولَاغ۔ گدھا
اُوقچہ۔ پلنگ کی عمدہ سفید چادر جس کے حاشیے پر کارچوبی یا کلابتوں کا کام بنا ہو یہ چادر پلنگ پوش کے نیچے بچھائی جاتی ہے اور اس کا کنارا نیچے لٹکتا ہے۔
آویزہ دار پازیب۔ وہ پیر کا زیور جس میں گھنگرو لگے ہوں۔
آوان۔ شان۔ دولت مندی۔ چھب
اودھ اخبار لکھنؤ۔ اردو کا مشہور اخبار جو ۱۸۵۸ء میں منشی نول کشور نے جاری کیا تھا۔ اس اخبار میں فسانہ آزاد ۱۸۷۸ء ۱۸۸۰ء تک قسط وار شائع ہوا۔ رتن ناتھ سرشار اخبار کے اڈیٹر بھی تھے یہ اخبار ۱۹۵۰ء میں بند ہوگیا۔
اَہَالِی مَوَالِی۔ گھر والے۔ نوکر چاکر
آہنگ۔ ارادہ۔ آواز۔ راگ
ایاغ۔ پیالہ
اِیزد۔ خدا تعالیٰ
اِیمَن۔ وہ راگ جو رات کے پہلے پہر گایا جاتا ہے۔

ب

باٹ۔ راستہ
بادلا۔ بادلہ ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور سنہرے روپہلے تاروں سے بنا جاتا ہے۔ زربفت
بادِیہ۔ تانبے کا بڑا پیالہ۔ جنگل
بابُل۔ بغداد کے قریب ایک پرانا شہر جو دریا فرات کے کنارے آباد تھا۔ اب مٹ چکا
باد پا۔ ہوا کی رفتار سے دوڑنے والا گھوڑا
باج۔ زمین کا محصول۔
باربُد۔ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کا درباری گانے والا۔
بدگُہر۔ بد اصل۔ جس کے حسب نسب کا پتہ نہ ہو
بارہ باٹ کرنا۔ تتر بتر کرنا

بارشی برزوق ۔ ترکی میں ایک قبیلہ کا نام

باگھ ۔ شیر

باقر خانی ۔ ایک قسم کی روٹی جو میدہ ، گھی اور دودھ کی ملاوٹ سے بنائی جاتی ہے ۔ یہ عہد شاہ جہاں میں الہ آباد کے حاکم باقر خاں نے ایجاد کی تھی ۔

بالا بتانا ۔ ٹالنا ۔

بالمیک ۔ رامائن کا مصنف ۔ مشہور ہندی شاعر

بالے میاں ۔ سید سالار مسعود غازی کا مختصر و مشہور نام جن کا مزار بہرائچ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

بانات ۔ بغیر بناوٹ کا کپڑا ۔ اونی ۔ جو ریشم اور اون کو جما کر بنایا جاتا ہے ۔

بانک ۔ برچھا ۔ ایک جنگی فن جس میں دشمن کا مقابلہ چھریوں سے کیا جاتا ہے ۔

بانکا ۔ البیلا ۔ وضع دار ۔ ٹیڑھی ٹوپی لگانے والا ۔

بجرا ۔ چھوٹی ، ہلکی کشتی جو تفریح کے لیے ہوتی ہے اور سوار خود چلاتا ہے ۔

بخورات ۔ خوشبو دار چیزیں ۔ لوبان ۔ عود وغیرہ

برزخ ۔ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ ۔

برزن کوچہ ۔ گلی ۔

بروگ ۔ تفرقہ ۔ جدائی ۔ علیحدگی ۔

بجوگ ۔ جدائی ۔ حادثہ

بروگی ۔ ہجر کا مارا ۔ فراق کا صدمہ اٹھانے والا ۔

بضاعت ۔ پونجی

بکل مارنا ۔ خاص طریقہ پر چادر یا رضائی جسم پر لپیٹنا جس سے سارا جسم چھپ جاتے ۔

بگڑے باڑ ۔ تڈر ۔ بے باک ۔

بھنگر خانہ ۔ بھنگ پینے کی جگہ

بانکڑی ۔ سنہرے روپہلے تاروں کا بنا ہوا فیتہ جو عورتوں کے بباس میں ٹانکا جاتا ہے ۔

بچھوا ۔ ایک خاص طرح کا چھلا جو پاؤں کے انگوٹھے میں پہنا جاتا ہے ۔

برہا ۔ ایک گیت جو دیہاتی محبوب کی جدائی کے غم میں گاتے ہیں ۔

بری یا ساچق ۔ شادی سے پہلے دولہا کی طرف سے کپڑے ، زیور اور مٹھائی جو دولہن کے گھر بھیجے جاتے ہیں اس رسم کو کہتے ہیں ۔

بساط ۔ وہ خاص کپڑا جس پر خانے بنے ہوتے ہیں اور اس پر مہرے رکھ شطرنج کھیلتے ہیں ۔

بطلیموس ۔ مشہور یونانی حکیم اور فلسفی کا

نام ہے جس کی کتاب مجسطی بہت مشہور ہے

بکاوَل ۔ باورچی

بکاوَلی ۔ ایک قسم کی پلیٹ ۔ تشتری

بُقراط ۔ مشہور یونانی عالم اور حکیم فنِ طب کی بنیاد اسی نے رکھی تھی۔

بُقچہ ۔ کپڑوں گٹھری

بلگرام ۔ اتر پردیش کے ضلع ہردوئی میں واقع مشہور قصبہ جہاں متعدد ممتاز عالم، شاعر اور فنکار پیدا ہوئے تھے

بِلّی لوٹن ۔ وہ گھاس جس کی خوشبو سے بلیاں بہت خوش ہوتی ہیں ۔ اس کو بال چھڑ بھی کہتے ہیں ۔

بنوٹ ۔ لڑائی کا ایک فن ۔ جن میں ایک رومال لے کر اس میں تانبے کا پیسہ باندھا جاتا ہے اور اس کو خاص طریقہ پر پھر کر دشمن پر وار کرتے ہیں اور دشمن کی تلوار یا دیگر ہتھیار گرا دیتے ہیں اور اس کو ایسی چوٹ لگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے ۔ قدیم زمانہ میں اس کا بہت چلن تھا۔

بوٹی پلانا ۔ بھنگ کی پتی گھوٹ کر پلانا۔

بھاٹ ۔ ایک قبیلہ جس کے افراد نسب نامے زبانی یاد رکھتے ہیں اور سناتے ہیں۔

بھاگ ۔ ایک راگ کا نام ہے جو سات سروں میں گایا جاتا ہے۔

بانڈی ۔ لاٹھی ۔ ڈنڈا ۔ ایک قسم کا لباس بھی ہوتا ہے۔

بھان متی ۔ راجہ بھان کی بیٹی کا نام ہے جس کو راکشش اٹھا کر لے گئے تھے۔

بھج بند ۔ بازو پر باندھنے والا ایک زیور

بہزاد ۔ بہت مشہور مصور اور نقاش تھا۔ یہ ایران کے بادشاہ، عباس صفوی کے زمانہ میں موجود تھا۔

بہنگی ۔ ایک بانس یا لکڑی جس کے دونوں کناروں پر بوجھ اٹھانے کے لیے رسیاں بندھی ہوتی ہیں ۔ اور مزدور اس کو شانے پر رکھ کر اٹھاتا ہے۔

بھیرویں ۔ ایک راگ کا نام ہے جو صبح کے وقت گایا جاتا ہے۔

بدو فطرت ۔ پیدائش کی ابتدا۔

بغلی ڈوبنا کشتی کا ایک داؤں

بزِ اخفش ۔ عربی قواعد کا ماہر اخفش اپنی بکری کو علم نحو پڑھاتا تھا۔ جب بکری کسی وجہ سے سر ہلاتی تو اخفش سمجھتا تھا کہ اب وہ اس کی بات سمجھ گئی ہے۔ اس موقع پر کہتے ہیں جب کوئی بغیر سوچے سمجھے ہاں یا نہیں کر دے۔

بنت العنب ۔ انگور کی بیٹی ۔ شراب

بردِ یمانی ۔ ملک یمن کی بنی ہوئی چادر

قدیم زمانے میں بمن کی چادریں بہت مشہور تھیں۔

بُردہ فروش۔ غلاموں کی خرید و فروخت کرنے والا۔

بِرُوگَن۔ جدائی کی تکلیف میں مبتلا ہونے والی۔

بلم باعور۔ بنی اسرائیل کا ایک عابد جو خدا کی بارگاہ سے مردود قرار پایا تھا

بَنی وَبَنا۔ دولہن اور دولہا۔

بُوَق۔ جنگی باجا۔

بوڑھی برچھی۔ بلم

بہلیا۔ چڑیوں کا شکار کرنے والا، پکڑنے والا۔

بھبوکا۔ نہایت سرخ۔ روشن۔ خوبصورت

بھبوکا ہونا۔ غصہ میں بھر جانا۔ آگ بگولا ہونا۔

بیرق۔ چھوٹے چھوٹے جھنڈے۔



پاتال۔ زمین کا سب سے نیچے کا حصہ

پاٹھا۔ ہاتھی کا بچہ

پاڑ۔ درخت یا کسی اونچے محفوظ مقام پر لکڑی سے بنایا ہوا مچان۔ جو شکار کے لیے عارضی طور پر بنایا جاتا ہے۔

پاڑھا۔ ہرن کے مشابہ ایک جنگلی چوپایہ بارہ سنگھے کی ایک قسم

پالٹ کا ہاتھ۔ لاٹھی یا ڈنڈے سے لڑتے وقت مخالف کے پاؤں پر چوٹ لگانا

پالی۔ مرغوں اور بیٹروں کی لڑائی کی جگہ۔ پالتو جانوروں کی لڑائی کا اکھاڑا۔

پانسہ۔ چھ پہل ہڈی کا ٹکڑا جس پر نقطے پڑے ہوتے ہیں اس کو چوسر کے کھلاڑی باری باری پھینکتے ہیں۔

پاتُر۔ کسبی بیسوا۔

پالان۔ اونٹ اور گدھے کی پیٹھ پر رکھنے والی کاٹھی۔

پالٹ۔ پٹہ بازی۔ وہ چوٹ جو حریف کے پاؤں پر لگاتے ہیں۔

پانچ اِندری۔ حواس خمسہ۔ چکھنا سونگھنا دیکھنا۔ سننا۔ چھونا

پلاش۔ ٹاٹ۔

پاکھر۔ لوہے کا لباس۔ تاروں سے بنی جالی جو جنگ کے وقت گھوڑے کو پہناتے ہیں۔

پرند۔ ریشم۔

پکھاوج۔ ایک قسم کی لمبی ڈھولک۔ طبلہ نما ڈھولک۔

پونگی۔ تونبی کا باجا جو سپیرے بجاتے ہیں

بھاندی۔ گنے کا گٹھا

پکھاولی۔ چمڑے کا مشکیزہ

پوکھر۔ تالاب

پتھر کلا۔ توڑے دار بندوق جو چقماق کے ذریعہ آگ لگا کر چلائی جاتی ہے

پٹوا۔ زیورات اور بٹوے میں ڈوری ڈالنے والا ایک پیشہ ہے۔

پدرود کرنا۔ رخصت کرنا۔ رخصت ہونا

پدمنی۔ عورتوں کی ایک قسم جو سب سے بہتر مانی جاتی ہے۔

پرکٹ قینچ۔ وہ پرندہ جس کے پر کاٹ دیے جائیں۔ خاص طور پر کبوتر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پکھراج پری۔ امانت لکھنوی کے ڈرامہ اندر سبھا میں شامل ایک کردار

پنڈا۔ حقہ پینے والے چلم کے اندر شیرا ملا تمباکو رکھتے ہیں۔ اس پر توا رکھتے ہیں اور اوپر آگ رکھی جاتی ہے۔ اس تمباکو کی ٹکیہ کو پنڈا کہتے ہیں۔

پوبارہ۔ چوسر کھیلنے والا جب پانسا پھینکے اور دو پانسے چھ چھ نقطے والے گریں اور ایک پانسہ ایک نقطہ والا آئے تو اس کو پوبارہ کہتے ہیں۔ یہ بڑی جیت ہوتی ہے۔

پونڈا۔ گنے کی ایک قسم جس کا رنگ سیاہ وسفید ہوتا ہے اور بہت موٹا ہوتا ہے۔

پچھل پائی۔ چڑیل۔ ڈائن۔ جس کے پاؤں الٹے ہوں۔

پیچوان۔ حقہ کی ایک قسم جس کی نئے لمبی اور لوچدار ہوتی ہے، اور لپیٹ کر رکھا جاتا ہے۔

پیشواز۔ عورتوں کا ایک گھیر دار لباس

پیر فرتوت۔ بوڑھا۔ کھوسٹ۔

پیر زال۔ بہت بوڑھی عورت

پیل۔ شطرنج کا ایک مہرہ۔ اس کو پیلہ بھی کہتے ہیں۔

پیزار۔ جوتی۔



تابش۔ گرمی۔ حرارت۔ چمک

تارُخ۔ سَر

تارکشی۔ سونے چاندی کے تاروں کو کھینچ کر لمبا کرنا۔

تازی۔ عربی اسپ تازی۔ عربی گھوڑا

تام جھام۔ پالکی۔ ایک خاص قسم کی سواری اس کو تامدان بھی کہتے ہیں۔

تباین۔ دو چیزوں کے درمیان فرق

تشتو تھمبو۔ روک تھام بیچ بچاؤ

تاتار۔ چینی ترکستان کا ایک علاقہ جہاں چنگیز خاں اور ہلاکو خاں پیدا ہوئے تھے تاتار کا مشکی ہرن بھی مشہور ہے۔

تجرید۔ عریانی علیحدگی

تحریف۔ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف رکھنا ردو بدل کرنا جس سے مضمون بدل جائے۔

تصدیع۔ درد سر۔ تکلیف۔ دکھ

تعب۔ تکلیف۔ رنج

ترّاقے کی۔ چمکدار۔ بھڑکیلی

ترہی۔ نفیری کے ساتھ کا ایک ساز جو نفیری کے ساتھ سے ملانے کے لیے بجاتے ہیں

تعدّی۔ تجاوز کرنا۔ جبر اور سختی کرنا

تعلیق۔ لٹکانا۔ معلق کرنا۔ حاشیہ لگانا

تعمیہ۔ پوشیدہ رکھنا۔ چھپانا

تعویق۔ ڈھیل۔ تساہل

تغار۔ مٹی کا کونڈا۔

تنبورہ۔ ایک قسم کا باجا جس میں ستار کی طرح تار لگے ہوتے ہیں

تنقیہ۔ کسی چیز کو زوائد سے پاک صاف کرنا

تُنکنا۔ بگڑنا۔ ناراض ہونا

توأم۔ جڑواں۔ ایک ساتھ پیدا ہونے والے بچّے

تھانگ۔ چوروں کا ٹھکانا۔ مسکن

تہدید۔ دھمکی دینا

تقدم بالزمان۔ وقت اور زمانہ میں آگے ہونا۔

تقدم بالشرف۔ بزرگی اور عزت میں آگے ہونا

تشئید مبانی۔ بنیادیں مضبوط کرنا۔

تدرو۔ ایک خوبصورت پرندہ جس کو ممولا کہا جاتا ہے۔

تال۔ علم موسیقی میں گانے کا ایک وزن

تبرید۔ طبیبوں کی اصطلاح میں ان ٹھنڈی دواؤں کو کہتے ہیں جو جلاب کے بعد طاقت کے لیے دی جاتی ہے

تپ مزمن۔ وہ بخار جو زیادہ عرصہ تک رہے اور کسی وقت بھی نہ اترے۔

تختِ رواں۔ وہ سواری جو تخت کی طرح ہوتی ہے۔ اور بادشاہ اور امیر اس پر بیٹھ کر سیر کرتے ہیں۔

تختِ طاؤس۔ مور کی شکل کا وہ خوبصورت جڑاؤ تخت جو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا تھا اور اس پر بیٹھ کر دربار کرتا تھا اس کے بنانے میں چھ کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ یہ تخت نادر شاہ درانی اس وقت اپنے ساتھ ایران لے گیا تھا جب اس نے محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں دہلی پر حملہ کیا تھا یہ تخت لال قلعہ میں دربار شاہی کے اندر رہتا تھا۔

تخرجہ۔ حروفِ ابجد سے مادۂ تاریخ نکالتے وقت جب کچھ عدد بڑھ رہے ہوں تو اتنے ہی عددوں کے

کسی لفظ یا حرف کو اس میں سے نکال
کر مطلوب عدد حاصل کرنا۔

تسنیم ۔ جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔

تکل ۔ پتنگ کی ایک قسم جس میں دو کانپ
اور ایک ٹھڈا ہوتا ہے

تمامی ۔ سنہرے اور روپہلے تاروں سے
بنا ہوا ایک قسم کا دھاری دار ریشمی
کپڑا۔

توڑا ۔ سونے یا چاندی کی زنجیر جو ہاتھ یا
پاؤں میں پہنی جاتی ہے۔ ایک قسم کا
زیور

توغل ۔ کمال حاصل کرنا۔ دھن سمانا

توقیع ۔ خط پر مہر لگانا نشان لگانا غصہ
کا فرمان۔

تورہ ۔ مختلف کھانوں کا خوان جو امیروں
کی شادی کے موقع پر کچھ دن قبل
تقسیم کرتے تھے

تورہ پوش ۔ خوان پوش

توسن ۔ گھوڑا

توشہ خانہ ۔ رئیسوں اور بادشاہوں
کے مکان کا وہ کمرہ جس میں ان کے
لباس اور ہر طرح کے کپڑے رکھے
جاتے ہیں۔

تال کٹورا ۔ لکھنؤ میں تعزیئے دفن کرنے کا
مقام جو وہاں کا ایک محلہ ہے۔

تُوم ڈالنا ۔ عاجز کرنا ٹکڑے ٹکڑے کرنا

تناسخ ۔ ایک صورت سے دوسری صورت
میں بدل کر آنا جس کو ہندو مذہب
میں آواگون کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ
ہے کہ انسان مرنے کے بعد کسی
دوسری شکل میں دوبارہ جنم لیتا ہے

تقطیع ۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ علم عروض کے
مقررہ وزنوں پر شعر کو تولنا پرکھنا۔
اس کو وزن یا پیمانے بحر کہتے ہیں۔

تنکی ۔ ایک قسم کی بہت باریک روٹی

تغار ۔ مٹی کا تھال۔ وہ گڑھا جس میں گارا
بناتے ہیں۔

تعویق ۔ بازرکھنا۔ ڈھیل دینا۔ حیلہ کرنا

تطاول ۔ دست درازی کرنا۔ ظلم کرنا

تصدیع ۔ تصدیعہ ۔ دردسر دینا۔
تکلیف دینا۔

تربینی ۔ تین دریاؤں کے سنگم کی جگہ۔
الہ آباد شہر سے متصل اس جگہ کو کہا
جاتا ہے جہاں دریا گنگا اور جمنا اور
سرسوتی یکجا ہوتے ہیں۔ سرسوتی
زیر زمین مانا جاتا ہے جو نظر نہیں آتا
جیسا کہ ہندوؤں کا مذہبی عقیدہ ہے

تھل ۔ جگہ۔ مقام۔ شہر کے رہنے کی جگہ

تل شکری ۔ ایک قسم کی مٹھائی جو تل اور شکر
ملا کر بناتے ہیں اور اس میں میوے

بھی ملائے جاتے ہیں ۔

ٹ

ٹاٹ بافی ۔ ایک قسم کا جوتا جس پر کلا تبو کا کام بنا ہوا ہوتا ہے ۔
ٹِکلی ۔ پیشانی (ماتھا) کا ایک زیور
ٹِلّوا ۔ خوشامدی
ٹِمّا ۔ ٹھگنا ۔ چھوٹے قد والا ۔
ٹوڑی ۔ ایک راگ کا نام ہے ۔ ایک قسم کی بیڑ
ٹلنکار ۔ کمان چلنے کی جھنکار ۔ حیرت
ٹانک ۔ چار ماشہ کا وزن
ٹُک ۔ ذرا ۔
ٹیکا ۔ ماتھے کا ایک زیور جس کی ڈوری یا زنجیر سر پر باندھی جاتی ہے اور ٹیکا ماتھے پر رہتا ہے ہندی میں کسی کتاب کی شرح کو بھی ٹیکا کہتے ہیں ۔
ٹیمز ۔ انگلستان کی راجدھانی لندن میں بہنے والا مشہور دریا ۔
ٹانگھن ۔ پہاڑی ٹٹو ۔ چھوٹے قد کا ٹٹو ۔ پیگو شہر کا ٹانگھن مشہور ہے ۔
ٹلپیش ۔ وسیلہ ۔ سہارا ۔ دعوی
ٹپّا ۔ ایک راگ کا نام ۔ دادرا ۔ خیال
ٹیاں کوڑی ۔ زرد رنگ کی چھوٹی کوڑی
ٹیٹوا ۔ گردن گلا

ث

ثانیہ ۔ پل ۔ سکنڈ
ثالث بالخیر ۔ انصاف سے فیصلہ کرنے وا
ثَبات ۔ قیام ۔ مضبوطی ۔ ثابت قدمی ۔
ثاقِب ۔ روشن
ثَرٰی ۔ نرم مٹی ۔ سیلی زمین
ثُریّا ۔ پروین ۔ وہ چھ ستارے جو پاس پاس ہوتے ہیں
ثُعبان ۔ اژدھا
ثقبہ ۔ سوراخ
ثمین ۔ قیمتی ۔ انمول
ثیبہ ۔ بیاہی عورت

ج

جانِ عالم ۔ اودھ کے آخری بادشاہ واجد علی کا عوامی لقب ۔
جامِ جہاں نما ۔ ایران کے بادشاہ جمشید
جامِ جمشید ۔ کو یونان کے حکماء نے علم نجوم کی مدد
جامِ جم ۔ اور حساب سے ایک ایسا پیالہ بنا کر دیا تھا جس کے اندر دیکھنے سے آنے والے زمانے کے حالات معلوم ہو جاتے تھے ۔ تینوں نام ایک ہی معنی میں

استعمال ہوتے ہیں۔

جالینوس۔ مشہور یونانی فلسفی اور علم طب کا ماہر۔

جاچک۔ جھانجھ بجانے والا

جادہ۔ پتلا راستہ۔ لیکھ

جاگرن۔ شب بیداری۔ خدائی رات

جاروب۔ جھاڑو

جامہ وار۔ ایک قسم کا پھول دار اونی کپڑا۔ اونی چادر

جائس۔ مشہور قصبہ جو ضلع رائے بریلی (اتر پردیش) میں واقع ہے اور ملک محمد مصنف پدماوت کا وطن ہے۔

جپ جی۔ سکھوں کی مذہبی کتاب۔ جو منظوم مناجات ہے۔

جٹادھاری۔ لمبے بالوں والا۔ گیسو دراز

جدی۔ بکرا۔ ایک آسمانی برج کا نام ہے جسکی شکل بکرے جیسی ہوتی ہے۔

جرِ ثقیل۔ بھاری وزن اٹھانا۔ اس فن کو بھی کہتے ہیں جس کے ذریعہ بھاری وزن اٹھانے کے آلات بنائے جاتے ہیں

جرس۔ گھنٹہ گھڑیال

جریب۔ ایک پیمانہ جس سے زمین ناپی جاتی ہے۔ چاندی کا خول چڑھا ہوا ڈنڈا جو بادشاہوں اور امیروں کے چوبدار رکھتے تھے۔

جریدہ۔ تن تنہا۔ اکیلا

جرعہ نوش۔ گھونٹ گھونٹ پینے والا۔

جرأت۔ بزرگی۔ مضبوطی۔ فوجی

جزِ لاینفک۔ کسی چیز کا وہ حصہ جو اس سے علیحدہ نہ ہو سکے۔

جزر۔ بھاٹا۔

جزیہ۔ وہ ٹیکس جو اسلامی حکومت میں دوسرے مذہب والوں پر لگایا جاتا ہے۔ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کے باعث لگاتے ہیں

جعفری۔ ایک قسم کا زرد پھول۔ گیندے کی طرح

جفت۔ جوڑا۔ وہ عدد جو دو پر تقسیم ہو جائے۔

جگت بازی۔ بذلہ سنجی۔ لطیفہ گوئی۔

جلوت۔ باہر سب کے سامنے

جل ترنگ۔ ایک قسم کا باجا جو پیتل کی دو کٹوریوں یا اور برتنوں میں پانی بھر کر دو لکڑی سے بجایا جاتا ہے۔

جلودار۔ مصاحب۔ ہمراہی

جل بانک۔ پانی کا کھیل۔ پانی میں کھیلنے والا ایک کھیل

جلب کھینچنا حاصل کرنا۔

جنتر منتر۔ بازی گری۔ نظر بندی مکاری

جَوشَن ۔ لوہے کا بنا ہوا خاص لباس جو بازوؤں پر پہنتے ہیں ۔ یہ جنگی لباس جنگ کے وقت حفاظت کے لیے پہنا جاتا ہے ۔

جَوّ ۔ فضا ۔ زمین اور آسمان کا درمیانی خلا

جُو ۔ ندی ۔ چشمہ

جوئے شیر ۔ دودھ کی نہر ۔ فرہاد نے اپنی محبوبہ شیریں کی فرمایش پر پہاڑ کھود کر نہر نکالنے کی ناکام کوشش میں اپنی جان دے دی تھی ۔ ایک تیشہ کی اپنی لگائی چوٹ سے ہلاک ہو گیا تھا دونوں ایران کے باشندے تھے ۔

جُوگیا ۔ ایک راگنی کا نام ہے

جَوّاد ۔ سخی ۔ شہسوار

جَودَت ۔ تیزی ۔ ذہانت تیز رفتار

جَوارِش ۔ ایک مرکب دوا ۔ ہاضم اور مقوی

جَوف ۔ پیٹ ۔ کھوکھلی

جُوق ۔ گروہ ۔ جھنڈ

جھمکڑا ۔ خوبصورتی ۔ حسین چہرہ کی جھلک

جھپان ۔ ایک قسم کی سواری جو فینس کی طرح ہوتی تھی عموماً عورتوں کے لیے بنائی گئی تھی

جہانگیریاں ۔ کلائی میں پہننے کا ایک جڑاؤ زیور جو چوڑیوں کی وضع ہوتا ہے

جیحون ۔ ملک عراق میں ایک دریا ہے ۔

جیغہ ۔ ایک جڑاؤ زیور جو پگڑی میں باندھا جاتا ہے

جیوڑا ۔ یہ جی کی تصغیر ہے ۔ دل ۔ جان ۔ زندگی ۔ روح ۔ محبوب

جیوڑا نکلنا ۔ دل پریشان ہونا

جَیش لشکر ۔ فوج

جیگھڑ ۔ پانی کا گھڑا

جیہڑ ۔ ایک زیور کا نام ہے

جیوٹ ۔ بہادر



چابک خرام ۔ تیز رفتار

چار آئینہ ۔ ایک قسم کی زرہ جو جنگ میں سینہ کی حفاظت کے لیے پہنتے ہیں ۔

چار دانگ ۔ چاروں سمت

چاہِ ذقن ۔ ٹھوڑی کا گڑھا

چاہِ زنخ ٹھوڑی کا گڑھا ۔

چاکی کا ہاتھ ۔ پٹہ بازی کی اصطلاح میں وہ چوٹ جو مخالف کے سر پر گٹکا گھما کر لگاتے ہیں ۔

چاہِ بابل ۔ زمانہ قدیم میں عراق کا شہر بابل مشہور تھا جہاں ایک کنویں میں دو فرشتے الٹے لٹکے ہوئے ہیں ۔ جو آزمائش کے لیے انسانی شکل میں زمین پر آئے تھے ایک کا نام ہاروت دوسرے

کا ماروت ہے۔
چاہِ نخشب۔ وہ کنواں جس سے ابن مقنع
کا بنایا ہوا مصنوعی چاند نکلتا تھا
نخشب ترکستان کے ایک شہر کا
نام ہے۔
چار چشم۔ طوطا چشم۔ بے مروت
چپڑ قناتیا۔ کمینہ۔ خوشامدی
چپقلش۔ لڑائی جھگڑا تکرار
چڈاگل خیرو۔ مسخرہ، احمق ایک قسم کا
سرخ پھول جس کا اوپر کا حصہ چڈے
کے سر کی شکل کا ہوتا ہے
چرِ تر۔ چالاکی
چرِ بانک۔ چالاک عیار
چشم زخم۔ نظر بد
چشم زدن۔ پلک جھپکنا۔ دم بھر بہت
جلد۔
چغتائی۔ مغل قوم کے ایک قبیلہ کا نام ہے
چکارا۔ ہرن کی ایک قسم جو بہت خوبصورت
اور تیز رفتار ہوتا ہے۔
چک منڈی۔ لکھنؤ میں قریش برادری
کا ایک مشہور محلہ جو وسط شہر میں واقع
ہے۔
چگل۔ چلم میں رکھنے کی گنگی
چم خم۔ چمک دمک۔ چلت پھرت
چمپا کلی۔ گلے میں پہننے کا ایک زیور جس میں
چمیلی کی کلیاں سونے یا چاندی کی بنی
پروئی ہوئی ہوتی ہیں۔
چمرخ۔ وہ گول جھلا سا جس کے اندر
تکلا گھومتا ہے دبلے پتلے شخص کو بھی
کہتے ہیں۔
چک پھیریاں۔ گول دائرہ بنا کر اس میں
پھرنا بھرانا
چل چتے۔ چل دور ہو۔ دور ہٹ
چلیپا۔ سولی۔ صلیب۔ زلف سے تشبیہ دیتے
ہیں۔
چکوا چکوی۔ سرخاب کا جوڑا۔ جب نر دریا
کے اس کنارے پر ہوتا ہے تو مادہ
اس کنارے پر دونوں ایک دوسرے
کو آواز دیتے اور پکارتے رہتے
ہیں
چندن ہار۔ گلے میں پہننے کا ایک زیور
چنڈاول۔ سنتری چوکیدار
چنگیر۔ پھول رکھنے کا برتن۔ گل دان
چنڈال۔ کمینہ۔ نیچ
چنور۔ مورچھل۔
چونڈا۔ بالوں کا گچھا جو عورتیں سر پر
باندھتی ہیں اس کو جوڑا بھی کہتے ہیں
چونچال۔ ہوشیار۔ چالاک۔
چورنگ کرنا۔ تلوار کی ایسی ضرب جس سے
شکار کے چاروں پیر کٹ جائیں۔

چھلا مِہرِی۔ ایک قسم کا کھیل جس میں ایک چھلا مٹی میں چھپا دیا جاتا ہے اور دو جگہ مٹی کے ڈھیر لگاتے ہیں۔ پھر دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ چھلا کس ڈھیر میں ہے۔

چھپکا۔ ایک زیور کا نام ہے جو سر پر لگایا جاتا ہے

چہرۂ شاہی۔ وہ سکّہ جس پر بادشاہ یا ملکہ کی تصویر ہو۔

چھاگل۔ پاؤں میں پہننے کا ایک زیور

چھٹکا۔ وہ لال کپڑا یا چادر جو فنس یا سکھپال کے اوپر ڈالی جاتی ہے۔

چہرا پرداز۔ مصور۔ نقاش۔

چھلاوا۔ بھوت۔ پریت

ح

حارّ۔ حرارت رکھنے والا

حاشا۔ ہرگز نہیں۔ پناہ

حبش۔ افریقہ کا ایک ملک جہاں کے باشندے سیاہ رنگ ہوتے ہیں اور حبشی کہلاتے ہیں

حبیب لبیب۔ عقل مند دوست

حجر اسود۔ وہ سیاہ پتھر جو حرم کعبہ میں نصب ہے اور مسلمانوں میں متبرک سمجھا جاتا ہے۔

حذر۔ پرہیز۔ بچنا۔ احتیاط کرنا

حِرز۔ تعویذ۔

حریف۔ ہم پیشہ۔ مقابل۔ باہم مخالف

حزیں۔ تخلص ہے شیخ علی حزیں کا فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ بنارس میں سکونت اختیار کی تھی۔

حسنین۔ مراد حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ

حشری۔ وہ گھوڑا جو دوسرے گھوڑوں کے ساتھ مل کر نہ رہے۔

حشرات الارض۔ کیڑے مکوڑے

حصیر۔ بوریا۔ چٹائی

حضارت۔ تازگی۔ شادابی۔ سرسبزی

حضیض۔ پستی۔ نشیب

حیص بیص۔ شور غوغا۔ کشمکش۔ بحث تکرار

حظ۔ حصہ۔ نصیب۔ لطف۔

حفظ ماتقدم۔ پہلے سے حفاظت کا انتظام کرنا

حُلّہ۔ زیور۔ پوشاک

حلاوت آگین۔ مٹھاس سے بھرا ہوا۔

حلیف۔ ہم عہد۔ ہم قسم دوست ساتھی

حلاج۔ نداف۔ یہ لقب ہے حضرت حسین بن منصور کا جن کو انا الحق

(میں خدا ہوں۔) کہنے کے جرم میں
سولی پر لٹکایا گیا تھا۔

حَمِیم۔ گرم پانی۔ رشتہ دار۔ یگانہ
حَنجرہ۔ حلق۔ گلو۔ نرخرہ
حَنظَل۔ اندرائن۔ ایک تیز ترش پھل
جس کو توڑنے سے اس طرح آنسو
نکلتے ہیں جیسے پیاز کاٹتے ہیں۔
حَنیف۔ مذہب میں سچا دینِ ابراہیم
علیہ السّلام کو ماننے والا۔ اسلام
کو دینِ حنیف کہتے ہیں
حنّان۔ رحمت والا بخشش والا
حِینِ حیات۔ زندگی کا زمانہ۔ زندگی بھر۔
حِین۔ وقت زمانہ

خ

خَاتُونِ جنّت۔ حضرت فاطمہ کا لقب
جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی
بیٹی تھیں۔
خَاص بَردار۔ وہ ملازم یا سپاہی جو
بادشاہوں اور امیروں کی سواری
کے آگے مسلّح چلتے تھے۔
خَاتَم۔ انگوٹھی۔ ختم کرنے والا۔
خَاوَر۔ مشرق۔
خَال خَال۔ کم کم۔ تھوڑے تھوڑے
خَالِصَہ۔ جو خالص ہو۔ کسی سے ملا نہ ہو

خام پارہ۔ ناتجربہ کار۔ کچا ٹکڑا
خارا شگاف۔ پتھر توڑنے والا اوزار
خانہ بر انداز۔ خانہ بدوش۔ جس کا کوئی
گھر نہ ہو۔ جگہ جگہ عارضی قیام بنانے
اور اٹھانے والا۔
خَبطی۔ احمق۔ بدحواس۔ ایک ہی خیال میں
محو رہنے والا۔
خُتَلی خِرام۔ ختلی گھوڑے کی چال۔ ختل
ایک مقام کا نام جہاں کے گھوڑے بہت
اچھے اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔
خرگاہ۔ بڑا خیمہ۔ بادشاہوں اور امیروں
کا خیمہ۔
خَرِیطَہ۔ تھیلی یا لفافہ جس میں بادشاہوں
اور امیروں کا شقہ (مختصر خط) بھیجا
جاتا تھا۔
خجستہ۔ مبارک۔ باعث برکت
خَجالَت۔ شرمندگی۔ پشیمانی
خَدِیوِ مِصر۔ مصر کا بادشاہ۔ خدیو مصر
کا ایک حکمران خاندان تھا۔
خِرقَہ۔ خرقہ وہ لباس جو صوفی اور درویش
پہنتے ہیں۔ اس کو گدڑی کہا جاتا ہے۔
خُردہ گیری۔ عیب جوئی۔ نکتہ چینی۔
خُرطُوم۔ ہاتھی کی سونڈ۔ افریقہ کے ملک

سوڈان کے ایک بڑے شہر کا نام بھی ہے۔

خُسُوف۔ چاند گرہن

خَشُوع۔ ڈرنا۔ گڑگڑانا

خِضَر۔ ایک پیغمبر کا نام جو حضرت موسیٰ کے ہم عصر تھے۔ ان کو دائمی زندگی ملی ہے۔ وہ راہ بھولنے والوں کو راستہ بتاتے ہیں۔

خضوع۔ عاجزی۔ انکساری

خَطا و خُتَن خِطا ملکِ چین کا ایک شہر ہے جو قدیم زمانہ میں اپنی خوبصورتی اور تجارت کے لیے مشہور تھا۔ ختن شمالی مغربی چین کا وہ مشہور شہر جہاں کی مشک دنیا بھر میں مشہور رہی ہے۔ وہاں کے مشکی ہرن کا ذکر شعراء نے اپنے اشعار میں بہت کیا ہے۔

خطیر۔ بہت قیمتی۔ بہت زیادہ

خَلخال۔ جھانجن۔ پازیب پاؤں کے زیور

خلا ملا۔ خالی اور بھرا ہوا۔ مراد خلوت اور جلوت کا شریک

خَلجان۔ فکر۔ خلش۔ کھٹکا

خَلوَتی۔ تنہائی پسند

خمول۔ گمنام ہونا

خَم و چم۔ ناز و ادا۔ چال کی لچک

خنگ۔ سفید گھوڑا

خُنیاگر۔ گانے والا

خواجہ تاش۔ کسی بادشاہ یا امیر کے دو ملازم آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔

خَواصی۔ خدمت گزاری۔ بادشاہ کا خاص ملازم۔ خدمت گزار۔

خونابہ۔ خون کے آنسو۔ پانی ملا ہوا خون

خَیل۔ گروہ۔ خاندان۔ قبیلہ۔ گھوڑوں کا گلہ

خِیوا چینی ترکستان کا ایک قدیم شہر جو اب روس کے مقبوضہ علاقہ میں شامل ہے

خَیلا۔ احمق۔ لغو۔ بیہودہ۔ وہ عورت جس کے جسم پر بہت سے تل ہوں۔

خیزران۔ بید۔ چابک

خیّاط۔ درزی

خیط ابیض۔ صبح کی سفیدی

خیّاطِ ازل۔ اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔

د

دارا۔ قدیم ایران کا بادشاہ جس کو یونان کے حکمراں سکندر بادشاہ نے ایران پر حملہ کرکے شکست دی تھی۔

داب۔ ڈھنگ۔ طرز

دارالشفا۔ اسپتال۔ لکھنؤ کی ایک مشہور شاہی عمارت جس میں شفا خانہ تھا۔ اب اس کو منہدم کرکے اسمبلی کے اراکین کی رہائش گاہ تعمیر کی گئی ہے۔

دارُ التناکل کِل ۔ جھگڑا تکرار۔ قصہ قضیہ

دارُ الحرب (لڑائی کا گھر یا ملک) وہ ملک
جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض
انجام دینے کی آزادی حاصل نہ ہو

دارُ الضرب ۔ٹکسال ۔ جہاں سکے
ڈھالے جاتے ہیں

دامنی دمکے ۔ اوڑھنی چمکے

دانگ ۔ سمت ۔ جانب ۔ چھ رتی کا وزن

داد وستد ۔ لین دین

دائم الخمر ۔ ہمیشہ شراب کے نشہ میں
مست رہنے والا پابندی سے شراب
پینے والا ۔

دائن ۔ قرض دینے والا ۔

داعیہ ۔ دعویٰ کرنے والی عورت ۔ ارادہ

دبیر ۔ منشی ۔ انشا پرداز

دبیرِ فلک ۔ عطارد ستارہ

دباغ ۔ رنگ ساز ۔ رنگنے والا ۔

دجلہ ۔ ملکِ عراق میں مشہور دریا ہے
جو شہر بغداد کے درمیان سے ہوکر
گزرتا ہے ۔

دجل ۔ جھوٹ ۔ فریب

دخل ۔ آمدنی ۔ قبضہ

دُخترِ رَز ۔ (انگور کی بیٹی) شراب

دُرِّ یتیم ۔ وہ موتی جو سیپ میں تنہا پیدا ہوتا
ہے ۔ وہ بڑا اور بہت چمکدار ہوتا ہے

دُرِ خوش آب ۔ بہت چمکدار موتی

دُرد ۔ تلچھٹ

دُرشنی ہنڈی ۔ جس ہنڈی کا روپیہ اس
کو پیش کرتے ہی مل جائے ۔

دَرَک ۔ عقل ۔ تمیز ۔ سمجھ ۔

دِرَنگ ۔ دیر ۔ وقفہ

دخترِ تاک ۔ شراب ۔ تاک انگور کی بیل کو
کہتے ہیں ۔

دُرِّ عدن ۔ عدن کے سمندر کا موتی جو
بہت اچھا ہوتا ہے ۔ عدن عرب کا
ایک ساحلی شہر ہے ۔

دریوزہ گر ۔ بھکاری ۔ مانگنے والا

درّہ دانیال ۔ جنوبی یورپ اور مغربی
ایشیا کے درمیان سمندری راستہ
جس کو تاریخی حیثیت حاصل ہے ۔

درماندہ ۔ مجبور ۔ عاجز ۔

دَریغا ۔ اے افسوس ۔ ہائے افسوس

دِرّہ ۔ چمڑے کا چابک

دُزدیدہ ۔ چرایا ہوا ۔ نظر بچا کر دیکھنا ۔

دِساوَر ۔ پردیس ۔ دوسرا علاقہ

دَستبُرد ۔ خیانت ۔ غلبہ ۔ بیجا تصرّف

دَغدغہ ۔ خوف ۔ اندیشہ ۔ تشویش

دَف ۔ ڈفلی ۔ ایک قسم کی ڈھولک

دُکرڑی ۔ ایک قسم کی گاڑی ۔ دو گھوڑوں
کی بگی ۔

دقیانوسی ۔ بہت پرانا ۔ زمانہ قدیم ہیں
عرب کے ایک بادشاہ کا نام جس کے
عہد میں اس کے ظلم اور خدا بیزاری
سے تنگ آکر اللہ کے کچھ نیک بندے
پہاڑ کے ایک غار میں روپوش ہو کر
سو گئے تھے جو بہت طویل عرصہ
کے بعد ایک بار بیدار ہوئے تھے
لیکن حالات ناساز گار دیکھ کر دوبارہ
غار میں جا سوئے ان کو اصحاب کہف
(غار والے ساتھی) کہتے ہیں قرآن
مجید میں اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر
ہے ۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہے ۔
دِل رِیش ۔ غم زدہ ۔ زخمی دل والا
دَلق ۔ گدڑی ۔ پشمینہ کا لباس
دُون ۔ کمینہ ۔ کم ہمت ۔
دُودمان ۔ خاندان
دُود افگن ۔ چمنی ۔ دھواں پھینکنے والی
نلکی ۔
دُوسار ۔ آر پار ۔
دُہل ۔ ڈھول ۔
دَھک دَھکی ۔ گلے میں پہننے کا ایک زیور
جو سینہ پر لٹکتا رہتا ہے ۔
دِیدہ دھوئی ۔ بے شرم ۔ ڈھیٹ ۔
دِیزہ گھوڑا ۔ خچر ۔
دِیہیم ۔ تاج ۔

دَیوث ۔ بے حیا ۔ بے عزت ۔
دُگلا ۔ روئی دار لبادہ ۔ انگرکھا ۔
دُلدُل ۔ وہ سیاہی مائل سفید گھوڑا جو
کسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کی نظر کیا تھا ۔ اور آپ نے حضرت
علی کو دے دیا تھا ۔
دُلک ۔ رگڑ ۔ تصادم ۔ دھمک
دُلکی ۔ گھوڑے کی تیز چال جو پویہ سے
کم ہوتی ہے ۔ دُلکنا دلکی چال چلنا
دُلمہ ۔ ایک قسم کا سالن ۔ پنیر ۔
دَمُ الاَخوَین ۔ سرخ رنگ کا گوند جو کپڑے
رنگنے میں، استعمال ہوتا ہے ۔
دَم دَھاگا ۔ فریب ۔ جھانسا ۔
دَمادَم ۔ پے در پے ۔ متواتر
دَمدمہ ۔ مصنوعی قلعہ ۔ جو اصل قلعہ
کے آگے بنایا جاتا ہے ۔
دَمڑ کا دَمڑک ۔ چمڑے کا گول ٹکڑا جو
تکلے میں لگاتے ہیں ۔
دَوال ۔ رکاب کا تسمہ ۔ مشک کا تسمہ ۔
دُوت ۔ قاصد ۔ ایلچی ۔
دَھونسا ۔ بڑا نقارہ ۔
دِھیرج ۔ مضبوطی ۔ مستعدی ۔

ڈ

ڈانک۔ سنہرہ یا روپہلا کاغذ یا پنّی جو نگینہ کے نیچے چمک بڑھانے کے لیے رکھ دیا جاتا ہے۔

ڈاب۔ ایک قسم کی لمبی گھاس جس سے چٹائی بُنی جاتی ہے۔ کچّا ناریل

ڈانگ۔ چھلانگ۔ اونچی پہاڑی

ڈار۔ قطار

ڈاہ۔ جلن۔ عداوت

ڈابر۔ جھیل۔ تالاب

ڈانڈی۔ ایک قسم کی ڈولی جس پر آدمی بیٹھ کر سفر کرتے تھے اور مزدور اس کو اٹھا کر چلتے ہیں۔

ڈب۔ قابو۔ قبضہ

ڈمرو۔ ایک قسم کا باجا۔ ڈگڈگی

ڈھولنا۔ ایک زیور کا نام

ذ

ذات الجنب۔ پہلو کا درد۔ پسلی کا درد

ذقن۔ ٹھوڑی۔

ذقند۔ چھلانگ

ذکاوت۔ تیز فہمی۔ دانائی۔ زود حسی

ذوالفقار۔ حضرت علی کی تلوار کا نام

ذیل۔ دامن کے نیچے کا حصہ۔

ذِمّی۔ اسلامی حکومت کا غیر مسلم باشندہ

ذمیم۔ بری چیز۔ قابلِ برائی۔ خرابی۔

ذنب۔ گناہ۔

ر

راتِب۔ روزمرّہ کی خوراک

راج ہنس۔ شاہی خاندان

راس لیلا۔ کرشن جی اور گوپیوں کا کھیل

راسخ۔ مضبوط۔ پائیدار

راندہ۔ نکالا ہوا۔ رد کیا ہوا۔

راوٹی۔ چھوٹا تمبو۔ چھولداری بالاخانہ

راول۔ سردار۔ جوگی۔

رائحہ۔ بو باس۔ خوشبو

رامشگری۔ گانا۔ راگ الاپنا

راغ۔ جنگل۔ سبزہ زار۔ پہاڑ کا دامن۔

رُبع مسکوں۔ دنیا کا چوتھائی حصہ

رجعت قہقری۔ الٹے قدم پھرنا۔

رجھانا۔ خوش کرنا۔

رِدا۔ چادر۔

ردیف۔ جو گھوڑ سوار کے پیچھے سوار ہو۔ غزل میں قافیہ کے بعد جو لفظ بار بار آئے۔ رضاعی۔ دودھ شریک بھائی۔

رطل۔ شراب کا جام۔

رعنا۔ وضع دار۔ خوبصورت

رفق۔ نرمی

رقت ۔ نرمی ۔ رونا گڑگڑانا

رکاب دار ۔ عمدہ باورچی ۔ کھانا لگانے والا ۔

رکیک ۔ کمزور حقیر

رکوع ۔ جھکاؤ ۔ جھکنا ۔ نماز میں سجدہ سے قبل گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر جھکنا

رم ۔ بھاگنا ۔ وحشت جدائی

رمل ۔ ایک فن کا نام ہے ۔ جس میں ہندسوں کے ذریعہ غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں ۔ کہتے ہیں یہ فن حضرت دانیال پیغمبر نے ایجاد کیا تھا ۔ عربی میں رمل ریت کو کہتے ہیں ۔ ابتدا میں ہند سے ریت ہی پر لکھے اور مٹائے جاتے تھے ۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا اس علم کا جاننے والا رمّال کہلاتا ہے ۔

رمز ۔ اشارہ ۔ بھید ۔

رمق ۔ رہی سہی جان ۔ بقیہ جان ۔

رمنا ۔ جنگل ۔ گھومنا پھرنا ۔

رن ۔ جنگ ۔ صف بندی ۔

روبکار ۔ سامنا کرنا ۔ پیش ہونا ۔ وہ قبالہ جو حاکم کے سامنے لکھا جائے

روح اللہ ۔ حضرت عیسیٰ پیغمبر کا لقب ہے ۔

رودبار ۔ پانی کا وہ حصہ جو دو سمندروں کو ملائے ۔

روسنا ۔ خفا ہونا ۔ ناراض ہونا

روشن چوکی ۔ چار آدمیوں کا گروہ جو دولہا یا بادشاہ کی سواری کے ساتھ نفیری اور طبلہ وغیرہ بجاتا ہوا چلتا ہے اور وہ چوکی جس پر تاشہ بجانے والے بیٹھتے ہیں ۔

روتنا ۔ ہرکارہ ۔ وہ ملازم جو عورتوں کے کام کاج کے لیے ملازم ہوتے ہیں اور ہر وقت دروازے پر حاضر رہتے ہیں

رودِ نیل ۔ ملک مصر کا مشہور دریا ۔

روئیں تن ۔ طاقت ور ۔ فولادی جسم والا

روزن ۔ سوراخ ۔ جھروکہ ۔

روح القدس ۔ لقب حضرت جبرئیل (فرشتہ) کا

ریش دراز ۔ لمبی داڑھی والا

ریش خند ۔ ہنسی ٹھٹھا ۔ مسخرہ پن ۔

ریحان ۔ ایک خوشبو دار پودا ۔ بنفشہ

ریش مخضب ۔ رنگین داڑھی ۔ خضاب لگی داڑھی

رین ۔ رات ۔

ز

زادبوم ۔ جائے پیدائش ۔ وطن

زاغ ۔ کوا

زال ۔ بڑھیا ۔ رستم کے باپ کا نام

زارنالی ۔ بے قراری ۔ خوب گریہ کرنا

زائچہ ۔ جنم پتری

زائیدہ ۔ جنا ہوا ۔ پیدا ہوا ۔

زبرجد ۔ زمرد ۔ سبز رنگ کا قیمتی پتھر

زبُون ۔ عاجز ۔ ضعیف ۔

زُبانہ ۔ شعلہ ۔ آگ کی لپیٹ ۔

زُحَل ۔ ایک ستارہ جو منحوس سمجھا جاتا ہے اس کو سنیچر کہتے ہیں ۔

زبیب خشک انگور ۔

زُجاج ۔ شیشہ ۔ قندیل ۔

زرتشت یا زردشت ۔ ایک ایرانی رہنما جس نے قدیم زمانہ میں آتش پرستی کی بنیاد ڈالی تھی ۔ ان کے پیرو آتش پرست ہیں ۔ اب یہ پارسی کہلاتے ہیں ۔

زمہریر ۔ سخت سردی ۔ کرۂ ہوا کا سرد حصّہ

زنبور ۔ بھڑ ۔ لوہے کا ایک اوزار جس سے کسی چیز کو پکڑ کر اٹھاتے ہیں جیسے برتن وغیرہ

زندیق ۔ جو سیدھی راہ سے بھٹک جائے خدا پر ظاہر میں ایمان لائے مگر دل سے منکر ہو ۔

زنگی ۔ حبشی

زنخ ۔ ٹھوڑی

زنجبیل ۔ سونٹھ ۔ جنت کی ایک نہر کا نام ہے ۔

زنبیل ۔ جھولی ۔ جس میں ہر طرح کی بہت سی چیزیں سما جائیں ۔

زہرہ ۔ پتہ ۔ حوصلہ ۔

زہرہ آب ہونا ۔ ہمت پست ہونا خوفزدہ ہونا

زیرپائی ۔ زنانہ جوتی ۔

زیرکی ۔ دانائی ۔

زیرانداز ۔ نیچے بچھانے کا کپڑا ۔



ژاژخا ۔ بکواس کرنے والا

ژرف ۔ گہرا ۔ غور و فکر

ژولیدہ ۔ الجھا ہوا ۔

ژندہ ۔ گدڑی ۔ پیوند لگا کپڑا

ژنگ ۔ مشہور مصور و نقاش مانی کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ہے ۔

ژند ۔ اژ دشت کی کتاب کا نام ہے جس نے مذہب آتش پرستی کا قائم کیا تھا

"س"

ساعی ۔ چغل خور ۔

ساقی ۔ حقہ پلانے والی

سامی ۔ بلند مرتبہ

سانحہ ۔ حادثہ ۔ غم انگیز واقعہ

سانٹے پر سانٹا لگانا ۔ چابک پر چابک مارنا ۔ سانٹا ہاتھی کو ہانکنے کی لکڑی کو کہتے ہیں ۔

سارنگ ۔ ایک قسم کا راگ ۔

ساحری۔ حضرت موسیٰ کا ہم عصر مشہور
جادوگر جس نے گائے بچھڑا بنا کر
اس میں جان ڈالی تھی۔

ساشلیٹ۔ کپڑے کی ایک قسم۔

سبک پویہ۔ ہلکی چال۔

سبز بخت۔ خوش نصیب

سبزی اڑانا۔ بھنگ پینا۔

سبوکش۔ شراب کا جام پینے والا شرابی

ساچق۔ مہندی لگانے کی رسم۔ وہ
رسم جو دولہا کی جانب سے شادی
کے قبل ادا کی جاتی ہے۔ جس میں
آرائش وغیرہ کا سامان دولہن کے
گھر لے جاتے ہیں۔

سپاٹ ہونا۔ ہموار ہونا۔ صاف ہونا۔ کودنا
پھاندنا۔

سجایہ مرضیہ۔ پسندیدہ عادات۔

سحبان۔ عرب کا مشہور خطیب مقرر۔

سحاب نوال۔ ابر کی طرح بخشش کرنے
والا بہت سخی۔

سداد۔ مضبوطی۔ نیک کردار۔ سچائی۔

سرکہ جبیں۔ غصہ ور۔ ترش رو۔

سروہی۔ ایک قسم کا خنجر۔ چھوٹی تلوار۔

سرنگ۔ سیاہی مائل رنگ کا گھوڑا۔

سربالٹ کا ہاتھ۔ کشتی لڑنے کا ایک
داؤں۔

سروِ چراغاں۔ لکڑی کے ٹکڑوں سے
سرو کے درخت کی شکل بناتے ہیں
اور اس کی شاخوں پر چراغ روشن
کرتے ہیں اس کو سرو چراغاں کہتے ہیں

سراپردہ۔ اونچی قنات۔ خاص قسم کا اونچا
اور قیمتی پردہ جو بادشاہوں اور وزیروں
کے محلوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سراچہ۔ چھوٹا خیمہ۔

سرپیچ۔ صافہ۔ پگڑی

(1) سلسبیل۔ جنت کی ایک نہر کا نام

سلخ۔ کھال کھینچنا۔ چاند کی آخری تاریخ
وہ دن جس کی شام کو چاند دیکھا جائے

سلک گوہر۔ موتیوں کی لڑی۔

سمندِ آہو شکار۔ وہ گھوڑا جو تیز رفتاری
کے باعث ہرن کا شکار کرنے والے
کو کامیاب کرتا ہے۔

سمن اندام۔ چمبیلی جیسا نرم اور گورا بدن۔

سمک۔ مچھلی۔

سمو المکان۔ اونچے مرتبہ والا۔ بلند مقام
والا۔

سنگر۔ چھوٹا نیزہ۔

سنجاب۔ خاکی رنگ کی خوبصورت گلہری۔

(2) سکھپال۔ ایک قسم کی پالکی جس میں رئیسوں
کی عورتیں سوار ہوتی تھیں۔ جس کی
کھال سے ایک قسم کا قیمتی خوشنما لباس

بنتا ہے۔ کپڑے کی ایک قسم۔
سَنگتَرَیں۔ میوہ فروخت کرنے والیاں۔
سَنجَر صَولَت۔ سلطان سنجر جیسے دبدبہ والا۔ بہادر
سنبلہ۔ سُنبُل۔ گیہوں اور جو وغیرہ کی بالی جس سے زلفوں کو تشبیہ دیتے ہیں
سَوں۔ قسم۔ جیسے خدا سوں۔ خدا کی قسم
سُورۂ قَدر۔ قرآن شریف کی ایک سورہ کا نام ہے۔ جس میں رمضان شریف کی ایک بہت برکت والی رات کا ذکر ہے جس کو شبِ قدر کہتے ہیں
سُوفار۔ تیر پچھلا سرا۔
سُوہا۔ باریک قسم کا ریشمی یا سوتی سرخ رنگ کا کپڑا۔
سُوز خوانی۔ سوز پڑھنا۔ سوز نظم کی ایک قسم ہے۔ جو شہدائے کربلا کے غم میں خاص مقررہ انداز میں پڑھی جاتی ہے۔
سَوسَن۔ چمیلی۔
سیم۔ چاندی۔
سیم غبغب۔ چاندی جیسی ٹھوڑی خوبصورت گوری ٹھوڑی
سینگڑے۔ سینگ کے بنے ہوئے باجے۔
سِیم تن۔ گورا بدن۔

سیم ساق۔ گوری پنڈلی۔
سَیل۔ سیلاب۔
سِیاق۔ علم حساب۔ حساب کتاب
سِیاق سَباق۔ پچھلا، اگلا۔ شروع آخر
سِیدھیان سنانا۔ گالیاں دینا
سِیلیاں۔ گردن میں پہننے کا ایک زیور
سِیس پھول۔ سر کا ایک زیور جو بالوں کی چوٹی میں لگایا جاتا ہے۔
سُیُوف۔ تلواریں۔ سیف کی جمع ہے۔
سِیمرغ۔ ایک بہت بڑا پرندہ جس کا ذکر کہانیوں اور پرانی روایتوں میں ملتا ہے مگر اس کے وجود کا پتہ نہیں۔

ش

شامِ اودھ۔ لکھنؤ کی شام جو اپنی رنگا رنگ دلچسپیوں کے باعث مشہور تھی۔ نوابین اور شاہان اودھ کے زمانہ میں شام کو بازاروں کی سجاوٹ اور تفریحات کی رنگارنگی نہایت دلکش تھی۔ جو آج تک مشہور ہے۔
شاہنامہ۔ ایران کے بلند شاعر فردوسی کی تصنیف، جو قدیم ایران کی منظوم تاریخ ہے۔ فردوسی نے یہ تاریخ سلطان محمود غزنوی کی فرمایش

پر منظوم کی تھی اس میں ساٹھ ہزار اشعار ہیں۔

شبدیز۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا جو مشکی کہلاتا ہے۔ اور وہ گھوڑا جو خسرو بادشاہ نے پرویز کو دیا تھا۔

شتت شملہم۔ (خدا کرے) ان کا گروہ بکھر جائے۔ تتر بتر ہو جائے۔

شجیع۔ بہت بہادر۔

شبیہ۔ ہم شکل۔

شجرِ طوبیٰ۔ بہشت کے ایک درخت کا نام۔ طوبیٰ کے معنی خوش خبری۔

شحنہ۔ کوتوال۔

شُدّھ۔ پاک خالص (ہندی)

شُر غاٹا نکھن۔ وہ گھوڑا جو پورا بادامی رنگ کا ہو۔

شِعار۔ طریقہ۔ طرزِ عمل۔ چلن

شغال۔ گیدڑ

شُفتَل۔ بدکردار۔ آوارہ

شق القمر۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ روایت ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی ایک انگلی کے اشارہ پر چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ یہ آپ کا نمایاں معجزہ سمجھا جاتا ہے۔

شُقّہ۔ بادشاہی فرمان والی تحریر رقعہ۔

شکرم۔ ایک قسم کی سواری۔ بگھی فٹن جسے انگریزوں نے رائج کیا۔

شگرف۔ عمدہ۔ اچھا۔ مضبوط۔

شلک۔ بندوق اور توپ داغنے کی آواز۔

شلنگے بھرنا۔ چھلانگ لگانا۔ اچھلنا

شمس بازغہ۔ روشن سورج۔ علم ہیئت اور فلسفہ کی ایک عربی کتاب کا نام ہے جو بہت مشہور ہے قدیم نصابِ تعلیم میں شامل ہے۔

شِمر۔ وہ شخص جس نے میدانِ کربلا کی جنگ میں حضرت امام حسین رضؓ کا سر مبارک تن سے جدا کیا تھا۔

شماتت۔ دوسروں کی تکلیف پر خوش ہونا۔

شنیع۔ بہت برا۔ گالی گلوج۔

شنجرف۔ گہرے سرخ رنگ نرم پتھر جو دواؤں میں استعمال ہوتا ہے

شیمہ۔ خصلت۔ عادت

شہر شملہ۔ اندھیر نگری۔

شہلا۔ سرخ اور سیاہ آنکھ والا۔ نرگس کی ایک قسم

شیر افگن۔ شیر کو پچھاڑنے والا بادشاہ جہاں گیر کی بیگم ملکہ نور جہاں کے پہلے شوہر کا نام ہے جو بہت بہادر تھا اور اس نے مقابلہ پر ایک شیر

کو مار ڈالا تھا۔

شیخ الرئیس۔ مشہور عالم اور طبیب حکیم بوعلی ابن سینا کا لقب ہے۔

شیخ سدو۔ ایک فرضی بزرگ یا جن جس کی عقیدت مند عورتیں بہت زیادہ ہیں۔ اس کی قبر امروہہ ضلع مراداباد میں زیارت گاہ عام ہے۔ اس کے نام کا بکرا بطور منت ذبح کیا جاتا ہے۔

شیدی لندھور۔ ایک مشہور حبشی کا نام ہے۔

شیون۔ رنج و افسوس

"ص"

صاد کرنا۔ پسند کرنا۔

صاعقہ۔ کڑک بجلی چمکنے کی تیز آواز۔

صارم۔ تیز کاٹنے والی تلوار۔ بہادر آدمی۔

صبّاغ۔ رنگ ریز۔ کپڑے رنگنے والا۔

صبیّہ۔ نابالغ لڑکی۔

صبوحی۔ صبح کو پینے والی شراب۔

صحنک۔ رکابی۔ طباق۔ کسی برتن میں کھانے کی چیزیں رکھ کر حضرت بی بی فاطمہ کی نذر دلاتے ہیں۔ اور پاک دامن عورتیں وہ کھانا کھاتی ہیں۔ بعض جگہ یہ رسم اب بھی جاری ہے۔

صرفہ۔ فائدہ

صخرہ۔ چٹان۔

صرع۔ مرگی کی بیماری۔

صریر۔ قلم چلنے کی آواز

صحوا۔ مولا۔ جو ایک خوبصورت چڑیا ہے

صعود۔ اوپر چڑھنا۔ ابھارنا

صفدر۔ بہادر شیر

صلبی۔ پشتینی۔ حقیقی نسل کا ہونا۔

صلابت۔ ٹھوس ہونا۔ سختی

صلواتیں سنانا۔ برا بھلا کہنا۔ ملامت کرنا۔

صمصام۔ شمشیر

صمیم۔ خالص۔ تہہ دل سے۔ مغز۔

صُم۔ بہرہ

صوت۔ آواز

صوف۔ پشمینہ۔ اون

صولت۔ رعب۔ دبدبہ۔ حملہ۔

صہبا۔ شراب۔

صیت۔ شہرت۔

صیغہ۔ سانچہ۔ محکمہ۔ فعل کی مختلف صورتوں کو صیغہ کہتے ہیں۔

صیانت۔ حفاظت۔ دیکھ بھال۔

صیرفی۔ صرّاف۔ حیلہ گر۔ پرکھنے والا۔

صَیف۔ گرمی کا موسم۔
صَیہُونِیت۔ یہودیت۔ یہودیوں کی عالمی تحریک کا نام۔

"ض"

ضَاحِک۔ ہنسنے والا۔
ضُحیٰ۔ چاشت کا وقت۔
ضِرغَام۔ زبردست شیر۔ درندہ
ضَغطہ۔ تنگی۔ سختی۔ دباؤ
ضَرِیح۔ قبر۔
ضَیف۔ مہمان
ضَیغَم۔ پھاڑ کھانے والا شیر
ضَیق۔ تنگ۔
ضیق النفس۔ بیماری کا نام۔ سانس کا تنگی کے ساتھ آنا جانا۔ جسے دمہ کہتے ہیں۔

"ط"

طَالِع۔ قسمت۔ نصیب۔ طلوع ہونے والا۔
طَارَم۔ لکڑی کا مکان۔ بالاخانہ۔
طَاس۔ طشت۔ لگن۔ بڑا تھال۔
طَاغُوت۔ شیطان۔
طائفہ۔ گروہ۔ آدمیوں کی ٹولی۔
طَالِع شناس۔ نجومی۔ قسمت کا حال بتانے والا۔
طَاب ثراہ۔ اس کی قبر کی مٹی نرم و خوشگوار رہے۔
طَاقِ کسریٰ۔ نوشیرواں بادشاہ کا محل
طَبخ۔ پکانا۔
طَبَّاع۔ تیز طبیعت
طِبِّ اکبر۔ طب کی ایک کتاب کا نام ہے جس کے مصنف حکیم محمد اکبر ارزانی تھے۔
طَبلہ عطار۔ عطر فروش کا وہ ڈبہ یا خاص ظرف جس میں عطر رکھتا ہے۔
طبل۔ بڑا ڈھول۔
طُرفہ۔ انوکھی بات۔ انوکھی چیز۔
طُرفۃ العین۔ پلک جھپکنے کا وقفہ۔
طُرگوش۔ ترکی ٹوپی۔
طُعم۔ لذت۔ ذائقہ۔
طُغیان۔ سرکشی۔ بغاوت۔
طُغرا۔ ایک قسم کا خاص نشان بطور نام یا عبارت مختصر جگہ لکھنا۔ زیادہ الفاظ کو کم سے کم حروف میں خوبصورتی سے لکھنا۔ آرائش کے لیے ایسے طغرے مکان کے اندر لگائے جاتے ہیں۔ خطِ طغرا۔ خوشنویسی کی ایک قسم ہے۔

طِفلس ۔ ملک قفقاز کا قدیم دارالحکومت
طَلاقت ۔ تیز زبانی ۔
طَلعت ۔ دیدار ۔ روشنی
طَلایہ ۔ فوج کا وہ دستہ جو رات
" کو شہر کی حفاظت کے لیے گشت
کرے ۔
طَنّاز ۔ شوخ ۔ ناز و انداز دکھانے
والا
طَنطَنہ ۔ نقارہ کی آواز
طَنبورہ ۔ چھ تاروں کا ستار
طُوری ۔ بٹیر کی ایک قسم جو لڑائی جاتی ہو
طُوبیٰ ۔ بہشت کا ایک پھل دار درخت
طُومار ۔ کاغذ کا گٹھا
طَیران ۔ اڑنا ۔ اڑانا

"ظ"

ظَبی ۔ ہرن ۔
ظلمات ۔ اندھیرے ۔ ایک سمندر کا
" نام جس کو بحرِ اٹلانٹک کہتے ہیں ۔
" اس مقام کو بھی کہا جاتا ہے
جہاں آبِ حیات کا چشمہ ہے ۔
ظَلُوم ۔ بہت بڑا ظالم ۔
ظَن ۔ گمان ۔ خیال ۔
ظِما ۔ پیاس ۔ تشنگی ۔

ظِہری ۔ پشت والی چیز ۔
ظہر ۔ پیٹھ ۔

"ع"

عاج ۔ ہاتھی دانت
عاجِل ۔ جلدی کرنے والا ۔
موجود چیز
عار ۔ شرم ۔ حیا ۔
عارِض ۔ گال ۔ رُخسار ۔
عاری ۔ ننگا ۔ برہنہ ۔ خالی
عاشُورہ ۔ ماہِ محرم کی دسویں
" تاریخ ۔ حضرت
امام حسین کی شہادت کا دن
عاطِفت ۔ سرپرستی ۔ حمایت ۔
مہربانی ۔
عاق ۔ باپ سے سرکشی کرنے
والا ۔
عالی گہر ۔ معزز خاندان ۔
" اونچی ذات والا
عدُول ۔ نافرمانی ۔ حکم کے
" خلاف کرنا ۔
عَدَن ۔ عرب کا ایک مشہور شہر
جو ملک یمن میں شامل ہے
اور ساحل سمندر پر واقع

" ہے۔ وہاں کے موتی بہت مشہور
" ہیں۔ دُرِّ عدن۔ کو شاعروں
" اور نثر نگاروں نے بطور تشبیہہ
" استعمال کیا ہے۔
عَدِیمُ التَّشبِیہ ۔ جس کے مثل کوئی نہ ہو۔
" جس کا کوئی ساجھے دار
نہ ہو
عُذُوبَت ۔ مٹھاس۔
عَزَازِیل ۔ شیطان۔
عُزلَت ۔ گوشہ نشینی۔
عَزل ۔ ہٹانا۔ جگہ سے اتارنا۔
" مرتبہ گھٹانا
عَرُوض ۔ وزنِ شعر کا علم۔ یہ فن خلیل
" ابن احمد نے ایجاد کیا تھا۔ تاکہ
" اشعار کے وزن کی جانچ کی جاسکے
" اس کے لئے جو وزن مقرر ہیں
" ان کو بحرین کہتے ہیں۔ اصل بحرین
" ۱۸ ہیں ان کی مدد سے چند اور
" بحرین بنائی گئی ہیں۔
عَربَدہ جو ۔ لڑاکا۔ لڑائی کے لئے بہانے
ڈھونڈنے والا۔
عَرَق گِیر ۔ وہ آلہ یا ظرف جس میں
دواؤں کا عرق کشید کیا جاتا ہے
عَسکَر ۔ فوج۔ لشکر
عُشرِ عَشِیر ۔ دسواں حصہ۔ تھوڑا سا

عِشقِ پیچاں ۔ ایک بیل دار پودا،
" جس کی بیل درختوں اور دیواروں
" پر چڑھ جاتی ہے۔
عَصَافِیر ۔ گوریا چڑیاں۔ عُصفُور کی
جمع ہے۔
عُطَارِد ۔ ایک ستارہ جو منشی فلک
" کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں علم و فضل
" اس کے متعلق ہے۔
عَطَش ۔ پیاس۔
عُطَارِد قَلَم ۔ بہترین لکھنے والا۔
عَظِیمُ اللہ فانی حقہ ۔ ایک قسم کا
" حقہ جو اپنے موجد کے نام سے
مشہور ہے۔
عِفرِیت ۔ بھوت۔ پریت۔ دیو
عَفِیفَہ ۔ پاک دامن۔
عَقرَب ۔ بچھو۔
عَقِیم ۔ بانجھ۔
عقیقِ یمن ۔ عرب کے ملک یمن کا
" یاقوت۔ جو قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔
عَلَف ۔ گھاس۔ چارہ۔
علمِ لَدُنّی ۔ خداداد علم
عَلَی التَّوَاتُر ۔ مسلسل۔ لگاتار۔
عَلّامی ۔ بہت علم والا۔ علامہ بھی
کہتے ہیں۔
عَلَائِم ۔ نشان۔ علامتیں۔ (اسباب)

عَمّارِی ۔ ہودج ۔ اونٹ پر رکھنے
〃 کے لیئے ایک طرح کی بند ڈول
〃 سی بنا دیتے ہیں جس میں سواریاں
بیٹھتی ہیں
عُمُق ۔ گہرائی ۔
عُمُود ۔ ستون ۔
عَمَّ نَوالُہٗ ۔ اس کی بخشش عام ہے ۔
عَمرو عیّار ۔ ایک چالاک شخص کا نام
〃 جو بڑا فریب کار اور جادوگر تھا ۔
〃 یہ فرضی نام داستان امیر حمزہ
〃 کے مصنفوں نے خوب استعمال
〃 کیا ہے ۔ اس کی زنبیل یعنی جھولا
مشہور تھا جس میں چھوٹی بڑی
〃 بے شمار چیزیں سما جاتی تھیں
عُمرانیات ۔ قدیم زمانہ کے علوم
عُنصُر ۔ جڑ ۔ بنیاد ۔
عُنفُوان ۔ آغاز ۔ ابتدائی زمانہ ۔
اٹھتی جوانی ۔
عَنقا ۔ لمبی گردن کا ایک فرضی پرندہ
〃 جب کسی بے وجود چیز کا ذکر ہو
〃 تو یہ نام استعمال کیا جاتا ہے کمیاب
عَنبَر ۔ ایک قسم کی خوشبو ، جو ایک بحری
〃 جانور کے جسم سے حاصل ہوتی ہے ۔
عُود ۔ ایک خوشبودار درخت کی لکڑی
〃 جس کو جلانے سے خوشبودار دھواں

نکلتا ہے ۔
عَینُ الکَمال ۔ نظر بد ۔
عَیاذاً بِاللہ ۔ خدا کی پناہ ۔

”غ“

غالیہ مُو ۔ خوشبودار ، سیاہ
〃 بالوں والا ۔
غاشیہ بردار ۔ فرماں بردار ۔
غازہ ۔ ایک خوشبودار سفوف جو
〃 چہرہ پر ملا جاتا ہے ۔
غالیہ رِیز ۔ خوشبو بکھیرنے والا ۔
〃 پھیلانے والا ۔
غَبغَب ۔ ٹھوڑی ۔
غَچّا کھانا ۔ دھوکہ کھانا ۔
غَتْ رَبُود ۔ غائب ہونا ، ختم ہونا
غُرّہ ۔ چاند کے مہینے کی پہلی تاریخ ۔
غُرفش ۔ بحث تکرار ۔ غصہ کی
〃 باتیں ۔
غِربال ۔ چھلنی ۔
غُرفہ ۔ کھڑکی ۔ جھروکہ ۔
غِزال ۔ ہرن ۔
غصب ۔ چھین لینا ۔ دوسرے کی
چیز جبراً لے لینا ۔
غَضنفَر ۔ شیر درندہ ۔

غضِ بَصَر۔ چشم پوشی کرنا۔
غِل۔ غش۔ کدورت کھوٹ
غمّاز۔ چغل خور۔
غنّہ۔ جس کی آواز ناک سے نکلے۔
غوث۔ فریاد رس۔ بڑا بزرگ۔
" اولیاء اللہ کا ایک عہدہ۔
غوامض۔ گہری قابل غور باتیں۔
" راز کی باتیں۔ مشکل مسائل
غوری۔ تانبہ کی گہری پلیٹ یا پیالہ
غوّاص۔ غوطہ لگانے والا۔
غیر ذالک۔ اس کے سوا۔ علاوہ۔
غیر منقولہ۔ جس کو منتقل نہ کیا جاسکے۔

"ف"

فاش۔ ظاہر۔ آشکار۔
فارق۔ جدائی ڈالنے والا۔ فرق
" کرنے والا۔
فاتر۔ خراب۔ سست
فاقد۔ گم کرنے والا۔ کھونے والا۔
فاقع۔ گہرا پیلا رنگ۔
فائق۔ بہتر۔ بلند ہونے والا۔
فاسخ۔ توڑنے والا۔ ختم کرنے والا۔
فانوس۔ ایک قسم کا شمع دان جو لٹکا
" دیا جاتا ہے۔

فتادگی۔ گرا پن۔ گرا ہوا ہونا۔
" کم ہمت ہونا۔
فتراک۔ چلّا شکار بند۔
فدوی۔ قربان ہونے والا۔
عاجز۔ ناچیز۔
فرزانہ۔ عقل مند۔ دانشور۔
فرس۔ گھوڑا۔
فرسخ۔ تین میل کے برابر فاصلہ۔
فرسنگ۔ " "
فرسا۔ پرانا ہونے والا۔ گھٹنے
" والا۔
فرہنگ۔ عقل۔ بزرگی۔ لغت کی کتاب۔
فراوان۔ بہت زیادہ۔
فرتوت۔ بہت بوڑھا۔
فرزین۔ شطرنج کا ایک مہرہ جو فرزیں
" کہلاتا ہے۔
فرات۔ عراق عرب کے ایک دریا کا
نام ہے۔
فریدالدّہر۔ زمانہ بھر میں یکتا۔
فریدون۔ ایران کا مشہور بادشاہ تھا۔
فری میسن۔ قدیم انگلستان میں ایک
" پراسرار گروہ تھا جس کے ممبر
" کسی کو اپنا مسلک نہیں بتاتے
" تھے۔ اشاروں سے اپنے
" گروہ کے افراد کو پہچانتے تھے۔

〃 وہ اشارے وہی لوگ سمجھتے
〃 تھے۔ دنیا کے دوسرے ملکوں
میں بھی اس کا کچھ اثر پہونچا۔
〃 ہندوستان میں بھی اس کی
شہرت ہوئی۔

فرخ نہاد ۔ مبارک ذات والا۔
عالی نسب

فرع ۔ شاخ۔ ڈالی

فرط ۔ زیادتی

فخیم ۔ بزرگ۔ بڑی چیز۔

فسحت ۔ کشادگی۔ فراغت

فش ۔ بے نتیجہ بات۔

فضیحت ۔ رسوائی۔ بدنامی۔

فغفور ۔ چین کے ایک قدیم بادشاہی
〃 خاندان کا لقب۔ اس خاندان
〃 کا ہر بادشاہ چین کہلاتا تھا

فق ۔ حیران۔ پریشان۔

فقدان ۔ گم ہونا۔ کم یاب ہونا۔

فقید ۔ بے مثل۔ نایاب۔

فکاہت ۔ خوش طبعی بذلہ سنجی

فلک سیر ۔ ایک نشیلی دوا۔ افیون
〃 کو بھی کہتے ہیں۔

فنجان ۔ چھوٹی پیالی، چھوٹا پیالہ
جس میں قہوہ وغیرہ پیا جاتا ہو۔

فوطہ دار ۔ خزانچی۔ نقد روپیہ رکھنے والا۔

فیل ۔ مکر و فریب۔

فیل پا ۔ پاؤں سوجنے کی بیماری۔

فلک الافلاک ۔ سب آسمانوں
〃 سے بڑا اور بلند آسمان، ساتواں
〃 آسمان۔

"ق"

قاقم ۔ ایک جانور کا نام ہے جس
کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے
〃 اور اس سے عمدہ لباس بنتا ہے۔
〃 یہ پہاڑی جانور بہت کمیاب
〃 ہوتا ہے

قال و قیل ۔ باہمی گفتگو جس میں
بحث مباحثہ کی صورت ہو۔

قابوچی ۔ خود غرض۔ مطلبی۔ دربان۔

قبا ۔ امیروں کا خاص لباس جو لمبا
〃 اور گھیر دار ہوتا ہے۔ جس طرح
〃 عبا۔

قابیل ۔ حضرت آدم کے دوسرے
بیٹے کا نام۔

قارون ۔ ایک بہت دولت مند
〃 بادشاہ تھا مشہور ہے کہ اس کے
〃 خزانوں کی کنجیاں چالیس اونٹوں
پر لادی جاتی تھیں۔ قارون کا خزانہ

"ضرب المثل بن گیا ہے۔

قاہرہ۔ ملک مصر کا دارالسلطنت

قُبّہ۔ گول گنبد نما عمارت۔ برج۔

قدغن۔ روک۔ ممانعت۔

قدّوس۔ بہت پاکیزہ۔

قِدوہ۔ رہنما۔ سرگروہ۔ منتخب۔

قرابہ۔ صراحی۔ شراب رکھنے کا ظرف۔

قرابین۔ ایک قسم کی چھوٹی بندوق۔

قُرمُز۔ قُرمُزی۔ سرخ۔ ارغوانی رنگ۔

قرن۔ سو سال۔ صدی۔ ستاروں کا ملنا۔

قرنا۔ قرنائی۔ بانسری۔ نرسنگا

" سینگ کا بنا ہوا بگل۔

قعر۔ گہرائی۔ غار۔ گڑھا۔

قراول۔ سنتری۔ بندوقچی۔

قُرص۔ ٹکیہ۔ چٹکی۔

قرمساق۔ کمینہ۔ بھڑوا۔

قرۃ العین۔ آنکھ کی ٹھنڈک۔ مذہب

" بابی کی ایک رہنما خاتون کا نام بھی

" ہے۔

قسطاس۔ ترازو۔

قشون۔ لشکر۔ فوج کا دستہ۔

قضاکار۔ اتفاقاً۔

قطامہ۔ کٹنی۔ حشہ عورت۔

قطرب۔ مرگی کا مرض جنوں کی ایک قسم۔

قطاع الطریق۔ رہزن۔ ڈاکو۔ لٹیرے۔

قفس عنصری۔ مراد انسان کا جسم

" جس کے اندر روح قید ہے۔

قلماقنی۔ وہ عورت جو مسلح ہو کر

" بادشاہوں اور امیروں کے

" محلوں میں پہرہ دیتی ہے۔

قلابہ۔ مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔

قلیان۔ حقہ۔

قلب ساز۔ جعلی سکہ اور سونا چاندی

" بنانے والا۔

قلاجنگ۔ پہلوانی کا ایک خاص

" داؤں۔

قماش۔ ڈھنگ۔ گنجفہ کی ایک

" بازی۔

قُم۔ لفظی معنی "اُٹھ کھڑا ہو۔

" ایران کے ایک مشہور شہر کا

" نام ہے جو علماء کا مرکز ہے

قنات۔ چاروں طرف کا پردہ۔

قنوج۔ اودھ کا مشہور مردم خیز

" قصبہ جو ضلع ہردوئی (اترپردیش)

" میں واقع ہے زمانہ قدیم میں

" علماء اور فنکاروں کا مرکز تھا۔

قوز۔ وہ فیتہ جو کپڑوں کے حاشیہ

" پر لگاتے ہیں۔

قوارہ۔ ٹکڑا۔ پارچہ۔

قیراط۔ ایک وزن کا نام۔ اونس کا چوبیسواں حصہ

"ک"

کاسک ۔ روس کے مشرقی علاقہ
،، کی ایک قوم کا نام ہے۔
کاکل ۔ زلف۔ لمبے بال۔
کارچوب ۔ سونے یا چاندی کے
،، تاروں سے کپڑوں پر پھول
،، اور بیل بوٹے بنانے کی لکڑیاں یا اوزار
کاواک ۔ خالی۔ کھوکھلی چیز۔
کالم ۔ فوج کا ایک دستہ۔ صفحے کے
،، دو حصے۔
کامروپ ۔ آسام کا ایک علاقہ جو
،، جادوگروں کا مرکز تھا۔ یہاں
،، کے جادوگر مشہور ہیں۔
کاوا دینا ۔ گھوڑے کو چکر دینا۔
کایر ۔ بزدل۔ مغلوب۔
کایا ۔ شکل جسم۔ روپ۔
کاکریزی ۔ سرخی مائل سیاہ رنگ
،، بینجنی رنگ۔
کاسد ۔ کھوٹا۔ ناقص۔ بے قدر
کارچوبی ۔ زردوزی۔ سونے
،، کے تاروں کا کام۔
کاسب ۔ کمانے والا۔
کاری ۔ گہرا۔ سخت۔

کافہ ۔ گروہ۔ بھیڑ۔
کانڈ ۔ باب حصہ
کائیاں ۔ دغاباز۔ چالاک۔
کالبد ۔ ڈھانچہ۔ جسم۔
کبریت ۔ گندھک۔
کبک ۔ چکور (ایک پرندہ)۔
کپوت ۔ نافرمان بیٹا۔
کتارا ۔ گنے کی ایک قسم۔ اٹلی کا
،، پھل۔
کتان ۔ باریک ریشمی کپڑا جو بہت
،، نازک ہوتا ہے۔ السی اور سن
،، سے بنا جاتا ہے اور چاندنی کی روشنی
،، پڑتے ہی پھٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ
،، مشہور ہے۔
کتھک ۔ گویا۔ ناچنے والا۔ ناچ
،، کی ایک قسم۔
کحل الجواہر ۔ وہ سرمہ جس میں موتی
،، شامل ہوں۔
کڈھب ۔ بے ڈھنگ۔ بے طور۔
کرن پھول ۔ کانوں میں پہننے کا
،، ایک زیور۔
کرم پیلہ ۔ ریشم بنانے والا کیڑا۔
کرّوبی ۔ فرشتہ۔
کرمک شب تاب ۔ جگنو۔
کرگس ۔ گدھ۔

کژدم ۔ بچھو ۔
کستوری ۔ مشک ۔ جو مشکی ہرن
〃 کی ناف سے نکلتی ہے ۔
کسبی ۔ بیسوا ۔ آوارہ ۔
کسم ۔ زعفران ۔
ککرنی ۔ کمہارن ۔
کششِ انابیبِ شعری ۔ وہ کشش
〃 جس سے رقیق (پتلی) چیز اپنی
〃 ہموار سطح سے اوپر چڑھ جاتی ہے
کشف ۔ کھولنا ۔
کفاف ۔ وظیفہ ۔ روزینہ ۔ معاش
کفشگر ۔ جوتے بنانے والا ۔
کفران ۔ ناشکری ۔
کفش دوز ۔ موچی ۔
کفیل ۔ ذمہ دار ۔ دوسرے کا کام
خود کرنے والا ۔
ککڑ والا ۔ بازار میں حقہ پلانے والا
کالبدر فی النجوم ۔ جیسے چودھویں
〃 تاریخ کا چاند ، ستاروں کے
〃 درمیان نظر آئے ۔
کلپانا ۔ غمگین کرنا ۔ ستانا ۔
کلپنا ۔ زور زور سے رونا ۔
کلتھی ۔ سیاہ رنگ کا ایک اناج ۔
کلاونت ۔ گویا ۔
کلجگ ۔ برا زمانہ ۔

کلنک ۔ الزام ۔ بدنامی ۔
کلاغ ۔ کوّا ۔
کلال ۔ کمہار ۔
کلوخ اندازی ۔ پتھر پھینکنا ۔
〃 ڈھیلے مارنا ۔
کمپاس ۔ زمین ناپنے کا آلہ ۔
کمیت ۔ سرخ رنگ کا گھوڑا ۔
کماینبغی ۔ جیسا کہ چاہیئے ۔
کمانچہ ۔ سارنگی جیسا ایک ساز ۔
کمبری ۔ وہ گھوڑا جو چڑھائی پر نہ
〃 چڑھ سکے ۔
کنہہ ۔ حقیقت ۔ اصلیت ۔ گہرائی ۔
کنچنی ۔ رنڈی ۔ کسبی ۔
کناری ۔ چوڑا گوٹا ۔
کنعان ۔ ملک شام کا قدیم شہر جہاں
〃 حضرت یعقوب پیغمبر رہتے تھے ۔
〃 ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ
〃 حسن و جمال میں ممتاز تھے جن کو
〃 ان کے سوتیلے بھائیوں نے کنوئیں
〃 میں ڈال دیا تھا ۔ ان کو ماہِ کنعان
بھی کہتے ہیں ۔
کورنش ۔ آداب بجا لانا ۔ تعظیم کرنا ۔
کوس ۔ نقارہ ۔
کوتل ۔ وہ گھوڑا جس کو سجا بنا کر
〃 امرا کی سواری کے ساتھ لیجاتے ہیں

کوکا۔ دائی کا بیٹا۔ اتالیق۔
کوکھ جلی۔ بانجھ۔
کوردہ۔ چھوٹا گاؤں۔ پُروا۔
کوچے۔ وہ پٹھا جو پاؤں کے پیچھے
" اور ایڑی کے اوپر ہوتا ہے۔
" اگر وہ کٹ جائے تو چلنا مشکل
ہوتا ہے۔
کوہ کن۔ پہاڑ کھودنے والا۔
" مراد فرہاد ہے جو شیریں پر
" عاشق تھا اور اس کے حکم سے
" پہاڑ کھود کر نہر نکالنے کی کوشش
" میں اپنے ہی تیشہ سے ہلاک ہوگیا
" تفصیل لفظ جوئے شیر کی
تشریح میں لکھی گئی ہے۔
کوہ نور۔ مشہور ہیرا۔ جو راجہ بکرما
" جیت کو ملا تھا۔ اُس سے
" مالوہ کے کسی راجہ کے ہاتھ لگا،
" جس سے ہمایوں بادشاہ کو ملا۔
" اکبر اور جہاں گیر کے خزانہ میں
" رہا۔ شاہ ...
" میں جڑ ...
" میں رہا۔ محمد ...
" میں نادر شاہ درانی نے دہلی پر
" حملہ کیا اور محمد شاہ سے کوہ نور
" چھین لیا اور ساتھ افغانستان لے گیا۔
" شاہ شجاع کے ذریعہ یہ
" مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ
" آیا اس سے انگریزوں نے
" حاصل کر کے انگلستان پہونچا
" دیا جو وہاں کے شاہی تاج
" میں جڑ اگیا۔ اب ملکہ برطانیہ
" کے تاج کی زینت ہے۔
کوہِ قاف۔ بحرِ کیسپین اور بحرِ
" اَسود کے درمیان ایک پہاڑ
" ہے جس کے شمال میں آرمینیا
" آذر بائیجان اور جارجیا واقع
" ہیں یہاں کی عورتیں بہت
" خوبصورت مشہور ہیں۔ پرانی
" عوامی کہانیوں میں کوہِ قاف
" کی پریوں کا بہت ذکر آتا ہے
کہروا۔ صبح کا تاج۔
کہولت۔ ادھیڑ عمر ہونا۔ بالوں کا
" کھچڑی ہونا۔
کیتکی۔ ایک پھول کا نام ہے
کید۔ مکر۔ فریب۔

"گ"

گاب۔ گودا۔ مغز۔
گات۔ وضع۔ ڈھنگ۔

گاج ۔ غصہ۔ گرج۔
گاج پڑے ۔ آفت آئے۔ مصیبت پڑے۔
گاذُر ۔ دھوبی۔
گاؤ زمین ۔ وہ گائے جس کے لئے
" مشہور ہے کہ اس کے سینگوں پر
" زمین کا بوجھ ہے۔
گاؤدی ۔ احمق ۔ بیوقوف۔
گِٹکری ۔ وہ پیچدار آواز جو گانے
" والوں کے گلے سے نکلتی ہے۔
گُٹکا ۔ چھوٹی کتاب۔ بڑی کتاب کا
" خلاصہ ۔ایک طلسمی گولی جس کو منھ
" میں رکھ کر اڑ جاتے ہیں یہ عوامی
" روایت ہے
گرِیبان کرنا ۔ تپاک ظاہر کرنا۔
گاڑھی بُوٹی چڑھانا ۔ زیادہ بھنگ
پی جانا۔
گُدڑی ۔ شام کا بازار ۔ وہ بازار
" جو شام کو لگتا ہے۔
گزَلک ۔ قلم تراش ۔ وہ چاقو جس کی
نوک مڑی ہوئی ہوتی ہے۔
گُرگ ۔ بھیڑیا۔
گُل کھلانا ۔ فساد کھڑا کرنا۔ انوکھا
کام کرنا۔
گُل چلا ۔ بندوق کی گولی نشانے
" پر لگانے والا۔

گُل بکاوَلی ۔ ایک پھول کا نام ہے۔
" ایک پری کا نام جس کا قصہ
بہت مشہور ہے
گُلزارِ نسیم ۔ نسیم لکھنوی کی لکھی ہوئی
مثنوی کا نام ہے۔ جس میں
" گل بکاولی کا قصہ نظم کیا ہے۔ اردو
کی مشہور اور مقبول مثنوی ہے
گُلخن ۔ انگیٹھی۔
گُلِ سَرسَبد ۔ ممتاز ۔ چُنا ہوا پھول
گُلبانگ ۔ خوشی کا شور وغل
گُل اَندام ۔ پھول جیسے نرم وخوبصورت
جسم والا۔
گُلدُم ۔ بلبل۔ ایک سرخ رنگ
کی چڑیا۔
گُل دینا ۔ پھانسی دینا۔
گُل ڈاب کرنا ۔ کسی کا مال چھین لینا۔
گُل ڈانگ ۔ خونخوار شکاری کتا
جو بہت قوی ہوتا ہے۔
گُلخچ ۔ باہمی تکرار۔ رنجش کی
" باتیں۔
گوت ۔ خاندان قبیلہ۔
گوہگرد ۔ گندھک۔
گوہرِ شب چراغ ۔ بہت شفاف
اور چمکدار یاقوت جو اندھیرے
میں دھکتے کوئلے کی طرح چمکتا ہے۔

گوکھرُو۔ مڑا ہوا گوٹا۔ لچکا۔
گوپامَو۔ ایک مشہور تاریخی قصبہ جہاں
" بڑے بڑے عالم و فاضل
" پیدا ہوئے۔ وہاں کے لوگ بددماغ
" اور مغرور مشہور تھے یہ قصبہ ضلع
" ہردوئی (اتر پردیش) میں واقع ہے
گھور۔ گہرا رنگ ڈراونی گرج۔
گیتی۔ دنیا۔ عالم۔
گیدی۔ بزدل۔ احمق۔ لالچی۔
گیہان۔ دنیا۔ جہان۔
گیاہ۔ گھاس۔
گیانی۔ عالم۔ عقل مند۔

"ل"

لآلی۔ موتی۔
لابُد۔ ضروری۔
لابہ۔ خوشامد۔ چاپلوسی۔
لاجَرم۔ ضرور۔ خواہ مخواہ۔
لاجورد۔ نیلے رنگ کا ایک قیمتی پتھر۔
لاریب۔ بے شک۔ بلا شبہ۔
لات۔ ایک بت کا نام جو اسلام
" سے پہلے کعبہ کے اندر رکھا ہوا تھا۔
لاطائل۔ فضول۔ بے فائدہ۔
لامِس۔ چھونے والا۔
لامع۔ روشن۔ چمکنے والا۔
لاینفک۔ جدا نہ ہونے والا۔
لاہی۔ ایک دبیز قسم کا ریشمی کپڑا
" گلبدن کی طرح۔
لبیب۔ عقل مند۔
لبیک۔ حاضر ہوں میں (پکار کا جواب ہے)۔
لُترے۔ چغل خور۔ ادھر کی ادھر لگانے
" والے۔
لٹکن۔ کان کا ایک زیور۔ کرن پھول۔
لُجّہ۔ بھنور۔ تھاہ۔
لحم خوک۔ خنزیر کا گوشت
لخلخہ۔ ایک خوشبو دار مرکب جو سونگھنے
" کے لئے بنایا جاتا ہے۔ بیہوشی کی
" حالت میں سنگھانے سے
" ہوش آجاتا ہے۔
لحیم۔ موٹا تازہ۔
لعبت۔ گڑیا۔
لف ونشر۔ لپٹا ہوا اور کھلا ہوا۔
" فن بلاغت کی ایک اصطلاح ہے۔
لگد۔ لات۔ ٹھوکر
لن ترانی۔ "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ
" سکتے" یہ آیت قرآنی کا ایک جز
" ہے۔ جب حضرت موسیٰ نے کوہ طور
" پر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش
ظاہر کی تو ان کو یہ جواب ملا تھا۔

〃 اردو میں یہ لفظ شیخی بگھارنے
〃 اور ڈینگ ہانکنے کے معنی میں
〃 استعمال ہوتا ہے۔
لَوث۔ آلودگی۔
لَوذَعِی۔ سمجھ دار۔ تیز فہم۔
لَو فرضنا۔ اگر ہم فرض کریں۔ مان لیں۔
لَوز۔ بادام۔
(۱) لَونگنا۔ چمکنا۔ تیز روشنی یا چمک
〃 ہونا۔ بجلی کا چمک کر اِدھر اُدھر
〃 نظر آنا۔
لَہیب۔ شعلہ۔
لَہنہ۔ احمق۔ گھامڑ۔
لَیتَ۔ کاش کہ۔ تمنا کرنا۔
لَیلۃُ البَدر۔ چاند کی چودھویں رات۔
لِینَت۔ نرمی۔
لَوّامہ۔ سخت ملامت کرنے والا۔
لَوذَعِی۔ تیز فہم۔ سمجھدار۔
لَئیم۔ کمینہ۔

"م"

مَآب۔ لوٹنے کی جگہ۔ بازگشت۔
مَا بَقِی۔ جو باقی رہ گیا۔
مَا بہِ الاِحتیاج۔ جس چیز کی
ضرورت ہو۔

مَاثُورہ۔ نقل کیا ہوا۔ جتا دیا ہوا۔
مَاثُوم۔ گنہگار۔
مَاجِد۔ بزرگ مردِ بزرگوار۔
مَاخُوذ۔ گرفتار۔ پکڑا ہوا۔
مَار گزیدہ۔ سانپ کا ڈسا ہوا۔
مَارُوت۔ ایک فرشتہ کا نام۔
مَالَا یُطَاق۔ جس چیز کی طاقت نہ ہو
〃 ناقابل برداشت بوجھ۔
مَالَا یَنحَل۔ ناقابلِ حل۔
مَال زَادِی۔ کُٹنی۔ طوائف۔
مَا مَضیٰ۔ جو گزر چکا۔
مَامَن۔ امن کی جگہ۔
مَامُون۔ محفوظ۔
مَاویٰ۔ واپسی کی جگہ۔ مکان۔ ٹھکانا۔
مَاہِ نخشب۔ حکیم ابن مقنع کا بنایا ہوا۔
〃 مصنوعی چاند۔ تفصیل "چ" کے
〃 تحت لکھی گئی ہے۔
مَاہی مَراتِب۔ وہ اعزازی نشان
〃 جو بادشاہوں کی سواری کے
〃 آگے ہاتھیوں پر چلا کرتے تھے۔
مَاجُور۔ اجرت پایا ہوا۔ بدلہ پانے
والا۔
مُبَارِز۔ فوج میں سے بڑھ کر
لڑنے والا جنگجو۔
مُبَذِّل۔ زیادہ خرچ کرنے والا۔

مُتَخَاصِم ۔ باہم دشمنی کرنا۔ آپس میں
لڑنے والے ۔
مُتَخَیَّلَہ ۔ خیال میں لایا ہوا۔ خیال کی جگہ ۔
متعہ ۔ کچھ مدت کے لیے کسی عورت
سے نکاح کر لینا۔ یہ طریقہ شیعہ مسلک میں
جائز ہے ۔
مُتَرَشِّح ۔ ٹپکنے والا ۔ ظاہر ۔ عیاں
مُتَرَقِّب ۔ انتظار کرنے والا ۔
مُتَصَدِّی ۔ آگے آنے والا ۔ خدمت
گار ۔ پیشکار عربی زبان کا
مشہور شاعر جس نے نبوت کا
دعویٰ کیا تھا اس نے سنہ ۹۶۰ء میں
وفات پائی۔
مَثَاب ۔ لوٹنے کی جگہ ۔ ٹھکانہ ۔
مِثقَال ۔ ساڑھے چار ماشہ وزن ۔
مُجَاوِرَت ۔ ہمسائیگی ۔ پڑوسی ہونا۔
مُجرِئی ۔ سلام کرنے والا ۔ تعظیم دینے
والا ۔
محبس ۔ قید خانہ ۔ پنجرہ ۔
مُحَاذِی ۔ روبرو ہونے والا ۔
مَحَافَہ ۔ ڈولی ۔ فنس ۔ پردہ دار
سواری ۔
مُحَرَّم ۔ انگیا جو سینہ پر پہنی جاتی ہے ۔
مخضب ۔ رنگا ہوا ۔ خضاب لگا ہوا ۔
مُخَدَّرات ۔ شریف پردہ نشین
خواتین ۔

مُخَنَّث ۔ خواجہ سرا ۔ ہجڑا ۔
مُخَیَّم ۔ خیمہ لگانے کی جگہ ۔
مَخمَصَہ ۔ بھوک ۔ اضطراب بڑھانے
والا غم ۔
مُدَاوِمَت ۔ ہمیشگی ۔
مَدخُولَہ ۔ گھر ڈالی عورت ۔
مُدَقِّق ۔ باریک بیں ۔ گہری نظر
سے جانچنے والا ۔ باریک نکتہ پیدا
کرنے والا ۔
مُدَوَّر ۔ گول ۔ گرداگرد گھیرا ہوا ۔
مُذنِب ۔ گنہگار ۔
مُذَہَّب ۔ سنہرا ۔ سونے کا بنا ہوا ۔
مُرچنگ ۔ سہ شاخہ برچھے کی شکل کا
تار والا چھوٹا باجا جس کی آواز
بہت سریلی ہوتی ہے ۔
مُتَرادِف ۔ ہم معنی الفاظ ۔
مرگ چھالا ۔ ہرن کی بالوں سمیت
کھال ۔ جس کو بچھا کر جوگی پوجا
کرتے ہیں ۔
مرزبوم ۔ جنم بھومی جائے ولادت
مرغولہ ۔ دھوئیں کا چھلا ۔ بالوں کا
گھونگر ۔
مرگِ مفاجات ۔ ناگہانی موت ۔
مرغولہ مو ۔ گھونگریالے بال والے ۔
مَرام مقصد ۔
مَروی ۔ روایت کیا ہوا ۔ بیان کیا ہوا ۔

مُرتاض ۔ ریاضت کرنے والا محنت
" کرنے والا۔
مِرّیخ ۔ ایک مشہور ستارہ ہے۔
مَرکُوز ۔ جمایا ہوا۔ گڑا ہوا۔ ایک
" چیز پر نظر جمانا۔
مُرَوَّق ۔ صاف کی ہوئی چیز۔ خاص
" طور سے سیال چیزوں کے لیئے
" استعمال ہوتا ہے۔ جیسے پانی۔
" شراب۔ وغیرہ۔
مُزَخرَف ۔ جھوٹی بات کو سچا کر دکھانا۔
مُستاصِل ۔ جڑ سے اکھاڑنے والا۔
مُستَدعی ۔ خواہش مند۔ چاہنے والا۔
مسٹ مارنا ۔ مکر کرنا۔ اپنے عیب
" یا غلطی چھپانے کے لیئے خاموش
" ہوکر پڑے رہنا۔
مُستَشرِق ۔ یورپ کا وہ عالم جو
" مشرقی علوم میں مہارت حاصل
" کرے۔
مُشتری خِصال ۔ اچھی عادتوں
" والا۔ مشتری ایک مشہور ستارہ
" ہے جس کے اثرات علم نجوم کے
" مطابق اسامی عادات واطوار
" پر اچھے مرتب ہوتے ہیں۔
مَشہَد ۔ شہادت کی جگہ۔ ایران کا
مشہور شہر جہاں امام موسیٰ رضا کا مدفن ہے۔

مُشک گنج ۔ شہر لکھنؤ کے مرکزی
" حصہ میں ایک محلہ کا نام ہے۔
" جہاں نوابی عہد میں سقے زیادہ
" آباد تھے۔
مُشَبَّک ۔ وہ کھڑکی یا روشن دان
" جس میں باریک سوراخ ہو یا
" جالی لگی ہو۔
مُصحَف ۔ کتاب۔ آسمانی کتاب کو
" کہتے ہیں قرآن شریف کے لیئے
" بھی مستعمل ہے۔
مِصر کے مینار ۔ ان کو اہرام کہا
" جاتا ہے یہ قدیم مصری بادشاہوں
" کے مقبرے ہیں۔ جن کے اندر ان
" کی لاشیں مسالے لگاکر محفوظ
" رکھی گئی ہیں اور ساتھ ہی مال و زر
" بھی۔ یہ بہت مضبوط پتھر کے اونچے
" میناروں کی شکل کے بنے ہیں۔
مَصؤن ۔ محفوظ۔
مَصَاف ۔ جنگ
مِضراب ۔ لوہے کا وہ تار جو تکونا
" ہوتا ہے، جس سے ستار بجاتے ہیں۔
مَضیٰ مَا مَضیٰ ۔ جو ہوا سو ہوا۔
مُضغہ ۔ ٹکڑا۔ لوتھڑا۔ نوالہ بھر چیز۔
مَطرُوح ۔ حقیر۔ ناپسندیدہ۔ پھینکا ہوا۔

مَطرُود ۔ نکالا ہوا ۔
مَطلَعِ الفَجر ۔ صبح ہونے کا وقت ۔
صبح سویرے ۔
مُطلَقُ العِنَان ۔ آزاد ۔ بے لگام
" کسی کی رائے نہ ماننے والا ۔
مَطَائبات ۔ تفریحات ۔ مہذب
" تفریح ۔
مُعَرا ۔ ننگا ۔ خالی ۔
مَعمُورہ ۔ آباد ۔ بھرا ہوا ۔
مَعدِن ۔ زمین کی کان ۔
مَغار ۔ غار ۔ پہاڑ کی کھوہ ۔
مُغبچہ ۔ آتش پرست کا بیٹا ۔
مَغاک ۔ غار ۔ گڑھا ۔
مُفاوضہ ۔ مشورہ کرنا ۔ بات کہنا ۔
مُقابہ ۔ وہ صندوقچہ یا ڈبیہ جس
میں عورتیں سنگار کا سامان
" رکھتی ہیں ۔
مُقیش ۔ سونے یا چاندی کے تاروں
" سے بنی بیل ۔ چوڑی جھالر ۔
" جو لباس میں لگائی جاتی ہے ۔
مُقعَر ۔ گہری جگہ ۔ گڑھا ۔
مُقارِنت ۔ اکٹھا ہونا ۔
مَکتُون ۔ چھپا ہوا ۔ پوشیدہ رکھا ہوا ۔
مَکائد ۔ مکر و فریب ۔
مُکافات ۔ پاداش ۔ برائی کی سزا

مِلح ۔ نمک ۔
مَلکُوتی صِفات ۔ اچھی عادتوں والا ۔
فرشتوں جیسی خصلتوں والا ۔
مُنکَر نکیر ۔ دو فرشتے جو مرنے کے بعد
" قبر میں سوال و جواب کے لیے
" آتے ہیں ۔
مَنال ۔ جائداد ۔ دولت ۔
مَندرے ۔ کاغذ کے حلقے جو کان
پگڑی ۔ دستار میں پہنے جاتے ہیں ۔
مَنجِیرا ۔ پیتل کی جوڑے منہ کی
" کٹوری کا جوڑا جن کو آپس
" میں ٹکرا کر باجے کی طرح بجاتے ہیں ۔
مُوباف ۔ بالوں کو لپیٹنے کا کپڑا
" یا فیتہ ۔
مَہزُول ۔ لاغر ۔ دبلا پتلا ۔
مَہزُوم ۔ شکست کھایا ہوا ۔
مِینُو ۔ بہشت ۔
مَیمَنہ ۔ دایاں حصہ ۔ فوج کا دایاں
" بازو ۔
مَیسَرہ ۔ بایاں حصہ ۔ فوج کا بایاں
" بازو ۔
مِیر بخشی ۔ زمانہ شاہی میں تنخواہ
" تقسیم کرنے والا ۔ عہدہ دار

∴∴∴ ۰ ∴∴∴

"ن"

نابکار ۔ بدکردار ۔ بے کار ۔

نابلد ۔ پردیسی ۔ انجان ۔

نالکی ۔ لمبی آرام کرسی کے طرز پر بنی ہوئی تام جھام کی سواری جس کو کہار اُٹھاتے تھے ۔

ناہج راہ چلنے والا ۔ کشادہ راہ پیدا کرنے والا ۔

ناسُفتہ ۔ بغیر بیدھا ہوا ۔ بغیر پرویا ہوا موتی ۔

ناسُوت ۔ دنیا ۔ عالمِ اجسام ۔

ناشکیب ۔ بے صبر ۔

ناصب ۔ گاڑنے والا ۔ نصب کرنے والا ۔

ناظُورہ ۔ نگہبان ۔ مالی ۔

نافرجام ۔ بدانجام

ناقُور ۔ قرنا باجا ۔ سنکھ

ناقُوس ۔ سنکھ عبادت کا گھنٹہ جو صبح کو بجایا جاتا ہے ۔

نامُساعدت ۔ ناموافقت ۔

ناوک ۔ چھوٹا تیر ۔

ناہید ۔ زُہرہ ستارے کا دوسرا نام ۔ یہ ستارہ حسن و جمال سے منسوب ہے ۔

نبیل ۔ بزرگ ۔ خوبصورت ۔

نجابت ۔ بزرگی ۔ اچھے نسب والا ہونا ۔

نخچیر ۔ شکار ۔

نخل ۔ کھجور کا درخت ۔

نخّاس ۔ دلاّل ۔ لکھنؤ کا مشہور گزری بازار ۔

نِرت ۔ بھاؤ ۔ انداز ۔

نردُبان ۔ زینہ سیڑھی ۔

نسطُور ۔ آتش پرستوں کا رہنما ۔

نسترن ۔ ایک بڑے سفید پھول کا پودا ۔

نسیمِ عنبر شمیم ۔ عنبر کی مہک لیے ہوئے صبح کی ہوا

نیاّ منیاّ ۔ بھولا بسرا ۔

نضارت ۔ تازگی ۔ شادابی ۔

نفخ ۔ پھونکنا ۔ ہوا بھرنا

نفیر ۔ بانسری کی آواز ۔

نُقرہ خنگ ۔ گھوڑے کی ایک اعلیٰ قسم ۔

نکیرین ۔ مُنکر اور نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں جو مرنے والے سے قبر میں سوالات کرتے ہیں اور جواب مانگتے ہیں ۔

نمط ۔ روش ۔ طرح ۔

نمیقہ ۔ تحریر ۔ خط ۔ رقعہ ۔

نمیم ۔ چغل خور ۔ غلام ۔

نمش ۔ دودھ کی مصنوعی جھاگ جو سردی
" کے موسم میں دودھ میں مصری ملا کر
" رات کو شبنم میں رکھ دیتے ہیں
" صبح اس کو اچھالتے ہیں تو گاڑھا
" ذائقہ دار جھاگ بن جاتا ہے اس
کو کھاتے ہیں
نہنگ ۔ گھڑیال ۔ مگرمچھ ۔
نہلیں ۔ بھاؤ ۔ انداز
نورتن ۔ بازو کا جڑاؤ زیور ۔
" نو جواہرات کو بھی کہتے ہیں وہ
" یہ ہیں ۔ لعل ۔ موتی ۔ پکھراج
" مونگا ۔ لاجورد ۔ نیلم ۔ ہیرا
" لعقوت ۔ فیروزہ ۔
نیم روز ۔ دوپہر ۔
نیوشہ ۔ کان میں ڈالی ہوئی بات ۔
نیرنگ باز ۔ مکار ۔ فریبی ۔ جادوگر ۔
نیرو ۔ طاقت ۔ کس بل ۔
نیستا ۔ نرکل کا جنگل ۔
نیمچہ ۔ چھوٹی تلوار ۔
نی غم دزد نی غم کالا ۔ نہ چور کا ڈر
" نہ سامان کا غم

"و"

واثق ۔ معتبر ۔ مضبوط ۔
واجب الوجود ۔ وجود کے لائق ۔
" جس کا وجود لازمی ہو مراد
" خدا تعالیٰ ۔
وارستگی ۔ فارغ البالی ۔ آزادی ۔
وارفتگی ۔ پشیمانی ۔ بے خبری ۔
" نڈھال پن ۔
وارفتہ ۔ کھویا ہوا ۔ مدہوش ۔
واژگوں ۔ اوندھا ۔ منحوس ۔
واسوختہ ۔ بیزار ۔ کڑھا ہوا ۔
واعیہ ۔ نگہبان ۔ حفاظت کرنے والا ۔
وامق ۔ دوست رکھنے والا ۔ ایک
" مشہور عاشق کا نام جو عذرا نامی
" خاتون سے محبت کرتا تھا اُن کی
" داستانِ محبت بہت مشہور ہے ۔
وہب ۔ عطا کرنے والا ۔ بخشنے والا ۔
ورع ۔ پرہیزگاری ۔
وسیم ۔ خوبصورت ۔ نشان لگا ہوا ۔
وش ۔ مانند ۔ نظیر ۔
وضوح ۔ آشکارا ۔ ثبوت
وقاحت ۔ بے حیائی ۔ بے ادبی ۔
وہبی ۔ بخشی ہوئی چیز ۔
واجب الانقیاد ۔ جس کی فرمانبرداری
" ضروری ہو ۔
وَیراگی ۔ تارک دنیا ۔
" گوشہ نشین فقیر ۔

"ھ ۔ ہ"

ہاتِف ۔ آواز دینے والا۔ غیب کی آواز

ہارُوت ۔ ایک فرشتہ کا نام جو انسانی شکل میں اپنے دوسرے ساتھی ماروت کے ساتھ خدا کے حکم سے دنیا میں آزمائش کے لیئے آئے تھے تاکہ دیکھیں دنیا کی رنگینی کس طرح انسان کو گمراہ کرتی ہے۔ مگر وہ خود دنیا میں آکر گناہ کے مرتکب ہوئے تو ان کو سزا ملی۔

ہالِک ۔ قتل کرنے والا۔ ہلاک کرنے والا۔

ہالہ ۔ دائرہ۔ چاند کے گرد روشنی کا دائرہ۔

ہامُون ۔ جنگل ۔ ریگستان ۔

ہذیان ۔ بیماری کی مدہوشی میں بڑبڑانا۔

ہَراوَل ۔ فوج کا وہ دستہ جو آگے چلتا ہے۔

ہرج مرج ۔ فتنہ فساد۔ گڑبڑ۔ مصیبتیں۔

ہرزہ گو ۔ بکواس کرنے والا۔ بیہودہ بکنے والا۔

ہِزبَر ۔ چیتا۔ شیر۔

ہڑونگی ۔ جھگڑالو۔ شور غل کرنے والا۔

ہفت خوان ۔ رستم پہلوان جب کاؤس کی حمایت میں لڑنے کے لیئے مازندران جارہا تھا تو راستہ میں اس کو سات خطرناک حادثات پیش آئے۔ جن سے اپنی قوت کے ذریعہ مقابلہ کرکے کامیاب رہا تھا۔ ان سات مقامات کو ہفت خوان کہا جاتا ہے یہ بھی روایت ہے کہ سات کنوئیں راستہ میں اس کے لیئے کھودے گئے تھے ساتوں سے بچ نکلا۔

ہفتِ اَقلیم ۔ دنیا کو قدیم علماء نے سات حصّوں پر تقسیم کیا تھا ہر حصّہ ایک اقلیم کہلاتا ہے مراد پوری دنیا۔

ہَلاہَل ۔ قاتل زہر، جس کا علاج نہ ہو سکے۔

ہُما ۔ ایک پرندہ کا نام۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جس کے سر پر اتفاق سے بیٹھ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے

〃 سایۂ ہما، مشہور ہے ہما فرضی
〃 نام ہے جس کا در اصل کوئی
وجود نہیں ہے۔
ہُمایُوں۔ مبارک۔
ہموارہ۔ برابر۔
ہم سنگ۔ ہم پلّہ۔
ہونق۔ حیران۔
ہوادار۔ ڈولی کی طرح ایک
〃 سواری جس کو کہار اٹھاتے
ہیں۔
ہیزم۔ خشک لکڑی۔
ہیکل۔ بڑی عمارت۔ طوق۔
〃 ہار۔ گلے کا زیور۔
ہیہات۔ کلمہ حیرت و افسوس۔
ہیم راج۔ ایک مشہور ہندوستانی
〃 پہلوان کا نام۔
ہبوب۔ ہوا چلنا۔
ہمیانی۔ روپیہ رکھنے کی چھوٹی
تھیلی جو کمر میں باندھی جاتی ہے۔
ہفت قلم۔ سات مشہور خط،
〃 فن خوشنویسی کی اصطلاح۔
〃 سات خط یہ ہیں۔
〃 ثلث۔ محقق۔ توقیع۔ ریحان
رقاع۔ نسخ۔ نستعلیق۔

”ی“

یابو۔ چھوٹا گھوڑا۔ ٹٹو۔
یاجوج ماجوج۔ ایک فسادی
〃 قوم جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے
یارانِ سرپل۔ بے تکلف اور
〃 بے فکرے دوست جو
مل بیٹھتے ہیں۔
یاسمن۔ چمیلی۔
یٰسین۔ قرآن شریف کی ایک
〃 سورہ کا نام جو عام طور پر
〃 بیماری اور حالتِ نزع
میں مریض کو سنائی جاتی ہے
یاقوتِ رقم۔ ایک ماہر خطاط
〃 کا لقب۔ اچھے خوش نویس
〃 کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔
〃 یعقوت مختصمی بہت مشہور
〃 خطاط تھے۔
یدِ بیضا۔ (سفید چمکدار ہاتھ)
〃 حضرت موسیٰ کا جلا ہوا ہاتھ
〃 جس کو بغل میں ڈال کر نکالتے
〃 تھے تو وہ روشن ہوجاتا تھا
〃 خوبصورتی اور خوبصورت
〃 چیزوں سے تشبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

یدِ طُولیٰ ۔ مہارت ۔ کمال ۔
یراق ۔ سامان ۔ ہتھیار ۔
یسار ۔ بائیں سمت ۔ بایاں ۔ بد
قسمت ۔
یاوَل ۔ چوبدار ۔ پہرہ دار
یل ۔ پہلوان ۔
یلدا ۔ سال کی سب سے زیادہ
" اندھیری رات ۔
یُوز باشی ۔ سو سپاہیوں کا
" سردار ۔ یہ ترکی فوج کا عہدہ
" ہے ۔

یجُروید ۔ ہندو مذہب کی چار مستند
" کتابوں میں سے تیسری
" کتاب کا نام ہے ۔
یابِس ۔ روکھا سوکھا ۔ خشک ۔
یمین ۔ دایاں ۔ دائیں طرف ۔
یبوست ۔ خشکی ۔
یرغا ۔ گھوڑا ۔ یلغار ۔
یدِ طولیٰ ۔ مہارت ۔ کمال حاصل ہونا
یاقوتی ۔ طاقت کی ایک یونانی دوا
" جس میں یاقوت بھی شامل
" ہوتا ہے ۔

عربی ضرب الامثال و محاورات

عربی	اردو ترجمہ
اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ۔	انتظار کرنے کی تکلیف موت کی تکلیف سے زیادہ سخت ہے۔
اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ۔	نیک بخت وہ ہے جو غیروں سے نصیحت حاصل کرے۔
اَظْھَرُ مِنَ الشَّمْسِ	آفتاب سے زیادہ روشن۔
اِحْفَظِ النَّاسَ یَحْفَظْکَ اللّٰہُ	لوگوں کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا
اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ	کوشش کرنا میرا کام ہے اور اس کام کا نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،	بیشک ہم اللہ کے لئے ہیں اور یقیناً اسی کی طرف لوٹیں گے۔
اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ	حکم کی تعمیل ادب و تعظیم پر مقدم ہے۔
اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ،	بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا، بھلائی کرنے والے کی طرح ہے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ	سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

عربی	اردو ترجمہ
اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ رِجْسٌ	بیشک شراب اور قمار بازی نجس و ناپاک ہیں۔
اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا	ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔
اَلتَّاخِيْرُ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالتَّاجِيْلُ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔	تاخیر کرنا اللہ تعالی کی طرف سے اور جلدی کرنا شیطان کا کام ہے یعنی اللہ تعالی موقع اور مہلت دیتا ہے اور شیطان جلدی کراتا ہے۔ تاکہ کام خراب ہو۔
اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَتِكَ۔	تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں موجود ہے۔
اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔	میں اللہ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں
اَنْتَ شَيْخٌ اَوْ سَيِّدٌ	تم شیخ ہو یا سید ہو
اَلْمَشْهُوْرُ كَالشَّمْسِ فِيْ نِصْفِ النَّهَارِ	(وہ) ایسا مشہور کہ جیسا دوپہر کا سورج۔
اَلْعَاقِلُ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ	عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے
بَلَغْنَا الْمُرَادَ۔ وَزَالَ الْعِنَادُ	ہم اپنی مراد پاگئے اور عداوت ختم ہوگئی۔
بَيِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا	بیان کرو اور اجر حاصل کرو
جَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ	اس کا ٹھکانا جنت میں بنادیا
جَعَلْنَا الشَّمْسَ ضِيَاءً	سورج کو ہم نے روشنی کے لئے بنایا۔

عربی	اردو ترجمہ
اَمَّنْ يُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْءَ۔	اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کہ جب کوئی پریشان حال اس کو پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے اور اس کی تکلیف دور فرماتا ہے۔
لَكَ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ يَا رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار سب تعریف اور شکر تیرے لئے ہے
مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ	ہم نے تجھے نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق تھا۔
لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا	ہم کو کوئی علم نہیں سوا اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔
رَاحَةُ الرُّوْحِ فِيْ قِلَّةِ الْمَنَامِ	روح کی آسودگی اور آرام کم سونے میں ہے۔
غَبَّ مَسَا قَبْلِ عِشَا	شام کے بعد عشاء (رات) سے پہلے۔
مَا اسْمُكَ؟	تمہارا نام کیا ہے؟
وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا	اور ہم نے دن حصولِ معاش کے لئے بنایا۔
اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ	لڑائی ایک دھوکہ ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشُّجَاعَ	بیشک اللہ تعالیٰ بہادر شخص کو پسند کرتا ہے۔
اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ	لوگ اپنے حکمرانوں کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

عربی	اردو ترجمہ
حماکَ اللہ عن شرِّ النوائب	اللہ تعالیٰ تم کو حادثات کے شر سے محفوظ رکھے۔
جزاکَ اللہُ فی الدارین خیرًا	اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہاں میں اچھا اجر عطا فرمائے۔
لَاحولَ ولَا قوّۃَ اِلَّا باللہِ	ساری توانائی و طاقت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے
"لَاحول"	بطور کلمہ نفرت و بیزاری استعمال ہوتا ہے۔
شرفُ الانسانِ بالکمالِ لَا بالمال	انسان کی بڑائی اور عزت اس کے علم و ہنر سے ہے نہ مال و دولت سے۔
نعوذُ باللہِ من الشیطٰنِ الرجیم	ہم شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔
مِنَ اللہِ الاِعانۃ والتوفیق	اللہ ہی کی طرف سے مدد اور توفیق حاصل ہوتی ہے۔
کُلّ طویلٌ احمقٌ	ہر لمبا آدمی احمق ہے
فاعتبروا یا اولوا الابصار	عبرت حاصل کرو اے سوجھ بوجھ رکھنے والو دانشمندو۔
الامرُ فوقَ الادب	حکم کا درجہ ادب سے بڑا ہے۔
بَرّدَ اللہُ مضجعہٗ	اللہ تعالیٰ اس کی آخری آرام گاہ کو ٹھنڈا کرے۔
اِنّی لَا اقولُ اِلَّا حقًّا	میں سچ کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا ہوں۔
التائبُ مِنَ الدُنیا کمن لاذنبَ لہٗ	جو دنیا سے توبہ کرلیتا ہے وہ اس شخص جیسا ہوجاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔

اردو ترجمہ	عربی
علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے چین تک جانا پڑے۔	اُطلبُوا العِلمَ ولَو کانَ بالصِّین
ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر	فضّلنا بعضَھُم علیٰ بعضٍ
صبر خوش حالی کی کنجی ہے	اَلصّبرُ مِفتاحُ الفرَج۔
بیشک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔	اِنَّ اللہَ مَعَ الصّابِرِین۔
جب شامت آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔	اِذا جاءَ القضاءُ عَمِیَ البَصَر
صبح کو پینے والی شراب لاؤ جیو اے سرمست رہنے والو۔	ھاتِ الصَّبُوحَ حَیّوا یا اَیُّھا السّکاریٰ
چہرہ کی سیاہی دنیا میں اور قلب کی سیاہی آخرت میں (بری ہوتی ہے)	سَوادُ الوَجہِ فِی الدُّنیا وَ سَوادُ القَلبِ فِی العُقبیٰ۔
اللہ تعالیٰ اس کو قیامت تک زندہ رکھے۔	عمّرَہُ اللہُ اِلیٰ یومِ النّشورِ
وہ اپنے کمالات کی بدولت بلندی پر پہونچا۔ (یہ شیخ سعدی کے ایک عربی کا قطعہ کا پہلا مصرع ہے)	بلغَ العُلیٰ بِکمالِہٖ
اگر ہم اس بات کو تسلیم کرلیں۔ فرض کرلیں۔	لو فرضنا ذالک
خوش بخت وہ ہے جو اپنے مخالف سے سبق حاصل کرے۔	اَلسّعیدُ مَن وُعِظَ بِغیرِہٖ

تعارف اشخاص

(جن کا ذکر فسانہ آزاد میں کیا گیا ہے)

ابنِ سینا۔ حکیم بوعلی، ابن سینا مشہور طبیب، عالم اور فلسفی تھے، یونانی طریقہ علاج کو ترقی دی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ فنِ طب پر ان کی کتاب قانون بہت مشہور ہے انہوں نے ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔

ابوجہل۔ عرب کے قبیلہ قریش کا سردار، اور اسلام کا مخالف تھا۔ قرآن شریف میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

ابوالفضل۔ اکبر بادشاہ کا وزیر اور بلند پایہ عالم تھا اس کے والد شیخ مبارک اپنے زمانہ کے بڑے فاضل تھے۔ انشاء اور مکتوبات ابوالفضل فارسی کی معیاری کتابیں ہیں۔ آئینِ اکبری اس کی مشہور تصنیف ہے۔ ۱۰۱۱ ہجری میں جہانگیر کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا۔

ابوتراب۔ یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کی تھی۔

ابوظفر۔ کنیت آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ۔ متوفی ۱۸۶۲ء۔

اخفش۔ نام سعید بن سعدہ۔ متوفی ۲۲۱ ہجری ماہر نعت نویس اور عربی قواعد میں فنِ نحو کا فاضل تھا۔ اس کو قواعد سے اتنی دلچسپی تھی کہ گھر میں اپنی بکری کو مخاطب کر کے سمجھاتا تھا۔ اگر کبھی بکری عادتاً سر ہلا دیتی تو وہ خیال کرتا کہ اب سمجھ گئی پھر دوسرا مسئلہ شروع کرتا۔ اس لئے "بزِ اخفش" بطورِ مثل مشہور ہے۔ جو حماقت اور سادہ لوحی کے مفہوم میں مستعمل ہے۔

اسیر۔ نواب مظفر علی خان اسیر۔ وزیر نواب واجد علی شاہ۔ مشہور شاعر متوفی ۱۸۸۱ء

آغا میر۔ اودھ کے بادشاہ غازی الدین
" حیدر کا وزیر اعظم۔ بانی سرائے
" آغا میر لکھنؤ۔

آصف الدولہ۔ نواب وزیر
" اودھ بانی امام باڑا آصفی
" متوفی ۱۷۹۵ء

امانت۔ آغا حسن امانت شاعر و
" دیگر مصنف اندر سبھا۔

امیر خسرو۔ فارسی کے بلند پایہ شاعر
" ماہر موسیقی درویش صفت
" حضرت نظام الدین اولیا کے
" مرید اور ہم نشین خاص متوفی ۱۳۲۵ء

امرؤ القیس۔ زمانہ جاہلیت کا مشہور
" شاعر۔ اس کا قصیدہ معلقہ عربی
" ادب کا شاہکار ہے اس نے
۵۲۹ء میں وفات پائی۔

افراسیاب۔ توران کا مشہور
" بادشاہ تھا۔

التمش۔ شمس الدین التمش بادشاہ
" دہلی متوفی ۱۲۳۶ء

امجد علی شاہ۔ بادشاہ اودھ
" بانی امام باڑا حسین آباد لکھنؤ
" متوفی ۱۸۴۸ء۔

انیس۔ میر ببر علی۔ انیس بلند پایہ
" مرثیہ گو شاعر متوفی ۱۸۷۴ء۔

انشا۔ انشاء اللہ خان اردو کا
" ممتاز شاعر اور ماہر قواعد
متوفی ۱۸۱۷ء۔

انوری۔ اوحد الدین انوری
" مشہور فارسی شاعر۔ ماہر قصیدہ
" نگار متوفی ۵۸۷ ہجری

ایاز۔ سلطان محمود غزنوی کا محبوب
" اور فرمانبردار غلام۔

بابر۔ ظہیر الدین بابر ہندوستان
" میں مغلیہ حکومت کا بانی۔
" متوفی ۱۵۳۰ء

بندہ دین اور کالکا۔ دونوں
" درگا پرشاد کھنک کے بیٹے تھے فن رقص کے جملہ
اقسام کے ماہر۔ ان کا خاندان آج تک رقص میں ممتاز ہے

بلعم باعور۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا عبادت گزار
" عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے جرم میں
" مردود قرار دیا گیا تھا۔

بحر۔ شیخ امداد علی بحر۔
" شاگرد ناسخ۔ متوفی ۱۸۸۲ء

بطلیموس۔ یونان کا ممتاز فلسفی عالم
" جس کی تصنیف مجسطی
مشہور کتاب ہے۔

بقراط۔ یونان کا مشہور عالم اور
" ماہر طب۔ اس نے طب کو
" بے حد روشناس کیا۔

بھان متی۔ راجہ بھان کی بیٹی جس کو

" راکھشش اٹھالے گئے تھے
" اس کا قصہ بہت مشہور ہے۔

بیدل۔ مرزا عبدالقادر مشہور، بلند
" مرتبہ فارسی شاعر اورنگ زیب
" کے ہم عصر۔ متوفی ۱۱۲۵ھ۔

بہزاد۔ ایران کا ماہر مصور و نقاش
" ایران کے بادشاہ اسماعیل
صفوی کا ہم عصر۔

بگا بیگم۔ فن رقص کی ماہر۔ بادشاہ
" اودھ نصیرالدین حیدر کی
" درباری رقاصہ۔

تھاندھ۔ بالے میاں سید سالار مسعود
" غازی کا عوامی نام جن کا مزار بہرائچ میں
" ہے۔ ان کے نام کی چھڑیں اٹھائی
" جاتی ہیں۔

جالینوس۔ علم طب کا ماہر مشہور یونانی
فلسفی اور طبیب۔

جلال لکھنوی۔ حکیم ضامن علی خاں جلال
" اردو کے ادیب اور شاعر، فن
" قواعد و لغت نویسی میں مہارت
" رکھتے تھے۔ ۱۳۲۷ ہجری میں
" وفات پائی۔

جرأت۔ شیخ قلندر بخش جرأت
" اردو کے مشہور شاعر متوفی
" ۱۲۲۴ھ ہجری۔

حافظ شیرازی۔ خواجہ شمس الدین
" حافظ فارسی کے سب سے
" زیادہ مقبول غزل گو شاعر۔
" جن کے دیوان سے فال نکالتے
ہیں۔ متوفی ۱۳۸۹ء، مدفن شیراز۔

حسنین۔ مراد حضرت امام حسنؓ اور
" امام حسینؓ۔

حافظ نوراللہ۔ بہت مشہور اور ماہر
" خوش نویس تھے۔ ان کے شاگردوں
" کے ذریعہ اس فن کو بہت ترقی
" ہوئی۔ لکھنؤ میں قیام تھا۔

حافظ ابراہیم۔ ماہر خطاط، شاگرد
" حافظ نوراللہ۔ اودھ کے نوابی
" عہد میں تھے۔

حامد علی۔ ماہر خوش نویس۔ شاگرد
" منشی ہادی علی۔ نولکشور پریس
" سے وابستہ تھے ترجمہ الف لیلیٰ
کے مرتب۔

خاقانی۔ افضل الدین خاقانی
" شروانی فارسی کے بلند پایہ
" قصیدہ نگار شاعر متوفی ۵۶۵ھ ہجری

چھجو خاں۔ ماہر پٹے باز۔ عہد
آصف الدولہ میں اس کی بہت
" شہرت تھی۔

درد۔ خواجہ میر درد مشہور اردو شاعر
متوفی ۱۲۰۵ھ، بمقام دہلی۔

دھنیا مہری۔ مشہور کہارن جو اودھ کے بادشاہ نصیر الدین حیدر کی منظور نظر اور حکومت کے معاملات میں دخیل تھی۔ اس کی وجہ سے رسالدار فقیر محمد خان گویا کو بادشاہ کی خفگی کے باعث استعفا دینا پڑا تھا۔

رائجہ مہرا۔ کہاروں کی برادری کا سردار۔ عہد آصف الدولہ میں بہت مشہور ناچنے والا اور ایک نئے ناچ کا موجد تھا رابعہ بصری ایک ممتاز عابدہ و زاہدہ خاتون جن کا شمار اولیاء میں ہوتا ہے بصرہ کی رہنے والی تھیں ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا مزار کوہ طور پر ہے۔

رودکی۔ ابو عبداللہ نام فارسی زبان کا مشہور و ممتاز شاعر جو فارسی شاعری کا بابا آدم کہلاتا ہے متوفی ۳۲۹ھ ہجری۔

زلالی۔ حکیم زلالی خوانساری فارسی کا مثنوی گو شاعر متوفی ۱۰۲۵ھ ہجری۔

زال۔ سام کا بیٹا اور مشہور عالم پہلوان رستم کا باپ تھا۔ زال بوڑھی عورت کو بھی کہتے ہیں۔

زرتشت۔ ایک ایرانی مذہبی رہنما جس نے آتش پرستی کی بنیاد ڈالی۔ پارسی مذہب کا پیغمبر مانا جاتا ہے

سعدی شیرازی۔ شیخ مصلح الدین سعدی زبردست عالم، صوفی اور شاعر۔ ان کی تصانیف گلستان اور بوستان عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہے ۶۹۲ھ میں وفات پائی۔

سلمان ساوجی۔ فارسی کے بلند پایہ شاعر متوفی ۷۷۸ھ ہجری

سرب سکھ رائے۔ ایک باکمال خطاط تھا۔ حافظ نوراللہ کا شاگرد تھا۔

سرور۔ مرزا رجب علی بیگ مصنف فسانہ عجائب متوفی ۱۸۶۹ء

سحبان بن زائل۔ عرب کا خوش بیان مشہور مقرر۔ اسلام سے قبل گزرا ہے۔

سودا۔ مرزا محمد رفیع۔ اردو کا بلند پایہ شاعر۔ متوفی ۱۷۸۱ء

سعادت علی خاں۔ اودھ کے حکمران متوفی ۱۸۱۴ء۔

سندر جان۔ عہد آصف الدولہ کی ماہر گانے والی۔

شاہ مینا۔ ایک بزرگ اور عالم جن کا مزار لکھنؤ میں مرجع عام و خاص ہے۔ ان کی مزار پر

نوچندی جمعرات کو میلہ لگتا ہے۔

شجاع الدولہ ۔ اودھ کے دوسرے
" نواب وزیر و حکمران متوفی
۱۷۷۴ء۔

شیخ سدو ۔ ایک بزرگ
" شخصیت جو بہت مشہور ہیں۔
" امروہہ ضلع مراد آباد میں ان
" کا مزار واقع ہے۔ جس پر
" لوگ عقیدت مندی کے ساتھ
" حاضر ہوتے ہیں منتیں مانتے
" ہیں۔ ان کے نام کا بکرا ذبح
" کرتے ہیں۔ عورتیں زیادہ
" عقیدت مند ہیں۔ مگر ان کے
" متعلق کوئی مستند بات معلوم
نہیں۔

شہیدی ۔ کرامت علی۔ خوشگو
" شاعر۔ نعت گوئی میں مشہور
" شاگرد مصحفی متوفی ۱۲۵۶ھ ہجری

شوری ۔ بادشاہ نصیر الدین حیدر
" کے عہد کا گانے والا۔ جو ٹپّہ
گانے میں بہت ماہر تھا۔

شمس الدین ۔ اعجاز رقم خطاب
" تھا۔ فن تعلیق کے ماہر ایک
" بلند پایہ خوش نویس۔ شاگرد
ہادی علی اشک۔ مطبع نولکشور سے وابستہ تھے۔

صبا ۔ میر وزیر علی شاگرد آتش
" مشہور شاعر متوفی ۱۲۷۰ھ ہجری۔

طالب آملی ۔ محمد طالب نام۔
" ایران کے مقام آمل کے رہنے
" والے اور فارسی کے بلند پایہ
" شاعر تھے۔ جہانگیر بادشاہ
" کے عہد میں دربار سے ملک الشعراء
" کا خطاب پایا متوفی ۱۶۲۶ء

طوطا رام شایان ۔ فارسی
" اردو دونوں زبانوں میں ماہر
" تھا۔ اس نے منشی نولکشور کی
" فرمائش پر الف لیلیٰ کو نظم کیا
" تھا۔ جو شائع ہو چکی ہے۔

ظہوری ۔ ملا نورالدین ظہوری
" فارسی کے باکمال شاعر اور
" نثر نگار۔ دکن کے رہنے والے
" تھے "سہ نثر" انشا اور نورس
" فنِ موسیقی میں ان کی مشہور
" تصانیف میں انہوں نے ۱۰۲۵ء
" میں وفات پائی۔

ظہیر فاریابی ۔ فارسی کے مشہور
" باکمال قصیدہ گو شاعر متوفی ۱۵۹۸ء۔

عباس ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا نام تھا
" اور حضرت علیؓ کے ایک بیٹے کا نام بھی جو
" امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے تھے

عمر خیام ۔ عمر نام خیام تخلص۔ باکمال
" فلسفی ماہر نجوم اور ممتاز رباعی
" گو شاعر۔

عرفی شیرازی ۔ جمال الدین نام
" عرفی تخلص وطن شیراز فارسی
" کا باکمال شاعر۔ جہاں گیر کے دربار
" سے وابستہ تھا۔ اس نے ۱۵۹۲ء
" میں بمقام لاہور وفات پائی۔

عراقی ۔ فخرالدین نام، وطن ہمدان
" (ایران) مشہور فارسی شاعر
" متوفی سنہ ۱۲۸۹ء

عاشورن ۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ
" اودھ کے عہد کی ایک ماہر ناچنے
" والی تھی

عیشی ۔ اردو کے خوشگو شاعر
" متوفی سنہ ۱۲۴۰ ہجری۔

عطار ۔ خواجہ فریدالدین عطار۔
" باکمال درویش بلند پایہ فارسی
" شاعر۔ تذکرۃ الاولیاء کے مصنف
" متوفی سنہ ۴۲۱ ہجری۔

غازی الدین حیدر ۔ اودھ
" کے پہلے بادشاہ جنہوں نے دہلی
" کی مرکزی حکومت کی قیادت
" ترک کر کے خود مختار بادشاہی
" کا اعلان کیا۔ انہوں نے سنہ ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔

غالب ۔ مرزا اسداللہ خاں۔ فارسی
" اردو کے باکمال شاعر متوفی سنہ ۱۸۶۹ء۔

غنی ۔ غنی کشمیری فارسی کے مشہور
" شاعر متوفی سنہ ۱۶۶۶ء۔

فردوسی ۔ ابوالقاسم نام طوس
" (ایران) وطن باکمال رزمیہ شاعر
" شاہنامہ کا مصنف متوفی سنہ ۴۱۱ ہجری

فرعون ۔ قدیم مصر کے بادشاہوں کا
" ایک خاندان جس کا ہر بادشاہ
" فرعون کہلاتا تھا۔ مشہور فرعون
" وہ ہے جس کے عہد میں حضرت
" موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

فقیر محمد خان ۔ گویا تخلص۔ اودھ
" میں رسالدار تھے۔ اردو کے
" اچھے شاعر تھے۔ ان کی کتاب
" بستان الحکمت اردو نثر کی
" مشہور کتاب ہے متوفی سنہ ۱۸۵۰ء

فیثاغورث ۔ یونان کا مشہور عالم
" اور فلسفی۔ کہا جاتا ہے کہ اس
" نے سب سے پہلے ہیرا کی کا فن
" سیکھا۔

فری میشن ۔ قدیم زمانہ میں
" انگلستان کا ایک پراسرار
" گروہ جس کا الگ ایک مذہب
" و مسلک تھا جو کسی پر ظاہر نہیں

کرتے تھے۔ صرف اس گروہ کے
افراد ہی ایک دوسرے سے
واقف ہوتے تھے۔

قائم علی خاں۔ لکھنؤ کا مشہور
بھانڈ (نقال) تھا۔

عرف کریلا بھانڈ۔ عام طور پر کریلا
کے نام سے مشہور تھا وہ اودھ
کے نواب سعادت علی خان کے
عہد سے نصیر الدین حیدر کے
زمانہ تک موجود تھا اس کا کمال
یہ تھا کہ مسلسل سات گھنٹے
تک طرح طرح سے منھ بناتا
تھا۔ محرم میں شربت کی سبیل لگاتا تھا۔
ایک بار بادشاہ نصیر الدین حیدر
مع اپنی بیگم کے اس کی سبیل
پر آئے تو اس نے برجستہ کہا۔
خدا حضور کو سلامت اور
بیگم صاحبہ کو قائم رکھے۔ اس
فقرہ پر بادشاہ اور مصاحبین
پھڑک اٹھے اور اس کو انعام
سے نوازا۔

قاضی نعمت اللہ۔ باکمال خوش
نویس جو مشہور استادِ خطاطی
عبد الرشید دیلمی کے شاگرد
رشید تھے۔

قدر بلگرامی۔ غلام حسین نام وطن
بلگرام اردو کے اچھے ادیب وصحافی
خوش گو شاعر اور مرزا غالب کے
شاگرد تھے اودھ اخبار کے
ایڈیٹر رہے ۱۸۸۴ء میں وفات
پائی۔

قابیل۔ حضرت آدم کے دوسرے
بیٹے کا نام جس کو پہلے بیٹے ہابیل
نے قتل کر دیا تھا۔

قارون۔ ایک مشہور دولت مند
تھا کہا جاتا ہے کہ اس کے
خزانوں کی کنجیاں چالیس اونٹوں
پر لادی جاتی تھیں۔ حضرت
موسیٰ نے اس کو زکوٰۃ دینے
کی ہدایت کی۔ مگر وہ کسی طرح
نہ مانا۔ اس کی پاداش میں
تمام خزانوں سمیت زمین کے
اندر دھنس گیا۔ قارون کا خزانہ
اردو میں ضرب المثل کے طور پر
استعمال ہوتا ہے۔

قطب الدین ایبک۔ ہندوستان
کا مشہور بادشاہ جس نے
دہلی میں قطب مینار تعمیر کرایا تھا
اس نے ۱۲۱۰ء میں بمقام لاہور
وفات پائی۔

کالی داس۔ سنسکرت کا مشہور

،، شاعر۔ راجہ بکرماجیت کا
،، ہم عصر تھا، شکنتلا، اس کا
،، لکھا ہوا بہترین ناٹک ہے۔
،، جس کو بڑی شہرت حاصل
،، ہے۔

مانیؔ۔ ایران کا باکمال مصوّر اور
،، نقاش اس کی کتاب ارژنگ
،، مشہور ہے۔ بہرام اوّل
،، بادشاہ ایران نے اس کو
،، پیغمبری کا دعویٰ کرنے کی
،، وجہ سے قتل کرادیا تھا۔

محقق دوّانی۔ جلال الدین نام
،، ایران کا مشہور عالم۔ تاتاری
،، حکمران ہلاکو خان کا وزیر تھا اس
،، کی کتاب "اخلاقِ جلالی" بہت
،، مشہور ہے۔ متوفی ۵۲۸ھ ہجری۔

مصحفیؔ۔ غلام ہمدانی نام۔ اردو کے
،، باکمال شاعر متوفی ۱۲۴۰ھ ہجری

میر مونسؔ۔ میر انیس کے چھوٹے
،، بھائی۔ مرثیہ گوئی میں ماہر تھے۔

میر ضمیرؔ۔ لکھنؤ کے ممتاز مرثیہ گو شاعر
،، مرزا دبیر کے استاد تھے۔

منصور۔ حسین بن منصور حلاج۔
،، جن کو انا الحق کہنے کے جرم پر
،، پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔

محمد علی شاہ۔ اودھ کے بادشاہ
،، جنہوں نے حسین آباد لکھنؤ میں
،، خوبصورت امام باڑا تعمیر کرایا تھا۔
،، انہوں نے ۱۸۴۲ء میں وفات
،، پائی۔

میر حسنؔ۔ اردو کے باکمال شاعر
،، ان کی مثنویات اردو نظم کا
،، شاہکار ہیں۔ مرثیہ گوئی میں
،، بھی مہارت حاصل تھی۔ متوفی
،، ۱۷۸۶ء۔

میر سوزؔ۔ اردو کے مشہور شاعر
،، غزل گوئی میں ممتاز متوفی ۱۷۹۸ء۔

میر تقی میرؔ۔ اردو کے سب سے
،، بڑے غزل گو شاعر مانے جاتے
،، ہیں تذکرہ نگار بھی تھے غزلیات
،، کے مجدد دیوان اور متعدد
،، مثنویات یادگار ہیں ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء
،، میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

مرزا علیؔ۔ نصیر الدین حیدر کے عہد
،، میں شاہی طبیب تھے۔

مینڈو خاں۔ اودھ کی فوج میں
،، رسالدار تھے لکھنؤ میں ان کی
،، بنوائی ہوئی خوبصورت کربلائے
،، مشہور تھی جو اب مسمار ہو
،، چکی ہے۔

ممتاز محل ۔ شاہ جہاں بادشاہ کی محبوب ملکہ جس کی یادگار میں اس نے تاج محل بنوایا تھا جو ۱۶۴۸ء میں تیار ہوا۔ ممتاز محل نے ۱۶۳۱ء میں وفات پائی۔

مُنیرؔ ۔ اسماعیل حسین منیرؔ مشہور شاعر اور ادیب جن کو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شرکت کے جرم میں جزائر انڈمان میں قید کر دیا گیا تھا ۱۸۸۱ء میں وفات پائی۔

مومنؔ ۔ حکیم مومن خان دہلوی باکمال غزل گو شاعر غالب و ذوق کے ہم عصر متوفی ۱۸۵۱ء۔

نوبت رائے نظرؔ ۔ ممتاز صحافی خوشگو شاعر، خدنگ نظر، کے اڈیٹر، لکھنؤ کے ایک معزز کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ نولکشور پریس سے بھی وابستہ رہے۔ متوفی ۱۹۲۳ء

نپولین ۔ مشہور جنرل فرانس کا حکمران متوفی ۱۸۲۱ء۔

نور جہاں ۔ بادشاہ جہانگیر کی ملکہ متوفی ۱۰۵۵ھ۔

نصیر الدین حیدر ۔ اودھ کے دوسرے بادشاہ متوفی ۱۸۲۷ء۔

نادر شاہ درّانی ۔ افغانستان کا بادشاہ جس نے محمد شاہ مغل بادشاہ کے عہد میں دہلی پر حملہ کیا تھا اور تخت طاؤس اور کوہِ نور ہیرا اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

نمرود ۔ عرب کا ایک ظالم حکمران جس نے حضرت ابراہیم پیغمبر کو آگ میں ڈلوا دیا تھا۔ مگر وہ محفوظ رہے تھے۔

ناسخؔ ۔ شیخ امام بخش۔ باکمال اردو شاعر۔ جنہوں نے زبان کی اصلاح کے لیے مفید کام کیا۔ ۱۸۳۸ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔

نواب مرزا شوقؔ ۔ حکیم تصدق حسین عرف نواب مرزا مصنف مثنویات۔ زہر عشق۔ بہارِ عشق اور فریب عشق۔

(۲) **وزیرؔ** ۔ خواجہ وزیر علی شاگرد ناسخ۔ لکھنؤ کے خوشگو شاعر تھے متوفی ۱۸۵۲ء۔

(۱) **نسیمؔ** ۔ دیاشنکر نسیم لکھنوی شاگرد آتش نہایت خوش گو شاعر اور ٹکسالی زبان کے ماہر مصنف مثنوی گلزارِ نسیم۔

لکھنؤ کی عمارات

(جن کا ذکر فسانہ آزاد میں آیا ہے)

امام باڑا آصفی۔ یہ عظیم الشان عمارت قحط سالی کے زمانہ میں نواب آصف الدولہ نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کا وسیع ہال چھوٹی اینٹوں اور چونے کی ڈاٹ پر قائم ہے۔ جس میں کوئی ستون نہیں ہے۔ یہ ۱۶۷ فٹ لمبا اور ۵۲ فٹ چوڑا ہے اس کی تعمیر ۱۷۸۴ء میں کفایت اللہ نامی ماہر معمار کی نگرانی میں ہوئی۔ نقشہ بھی اسی کا بنایا ہوا تھا۔ اس میں لکڑی کا استعمال بالکل نہیں کیا گیا ہے اس کی تعمیر پر ۲۲ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اس کی چھت پر ایسے پیچ در پیچ حجرہ نما در اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا کچھ دور جانے کے بعد راستہ بھول جاتا ہے اور بہت مشکل سے واپسی کا راستہ ملتا ہے۔ اسی لئے یہ بھول بھلیاں کے نام سے مشہور ہے۔

امین آباد۔ یہ محلہ اور بازار امجد علی شاہ کے زمانہ میں ان کے وزیر امین الدولہ نے آباد کیا تھا۔ اس بازار کے وسط میں دو پارک ہیں۔ ایک کا نام امین الدولہ اور دوسرے کا امین آباد پارک ہے۔

بادشاہ باغ۔ یہ باغ بادشاہ نصیر الدین حیدر نے دریا گومتی کے کنارے محلہ حسن گنج میں تعمیر کرایا تھا۔ یہ کام راجہ بختاور سنگھ کی نگرانی میں انجام پایا تھا۔ اس پر ۳۵ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ باغ کے وسط میں سنگِ مرمر کی خوبصورت بارادری تھی جس میں سنگِ مرمر کے ۳۶ خوشنما ستون نصب تھے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد مہاراجہ رندھیر سنگھ والی کپورتھلہ نے یہ باغ ۳۵ ہزار میں خرید لیا تھا ۱۹۰۵ء میں مہاراجہ مذکور نے

کیننگ کالج کی عمارت کے لئے بطور عطیہ دے دیا تھا۔ اب اس کے سارے رقبہ میں لکھنؤ یونیورسٹی اور کالون تعلقدار کالج کی عمارات ہیں۔

بیلی گارد۔ یہ لکھنؤ کی ریذیڈنسی کا دوسرا نام ہے۔ یہ شاندار عمارت نواب سعادت علی خان نے ۱۸۰۰ء میں انگریز ریذیڈنٹ کے لئے تعمیر کرائی تھی تحریک جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے اس کے آس پاس کی عمارتوں کو ملا کر قلعہ بندی کر لی تھی۔ یہاں مجاہدین تحریک آزادی اور انگریزی فوجوں میں سخت معرکے ہوئے تھے۔ اس کا صدر دروازہ بیلی گارد کے نام سے مشہور رہتا کیوں کہ اس کی حفاظت کرنل بیلی کے سپرد تھی۔ اب پوری عمارت اسی نام سے مشہور ہے۔

تحسین کی مسجد۔ یہ بڑی اور خوبصورت مسجد محلہ چوک میں اکبری دروازہ کے قریب واقع ہے اور فرقہ شیعہ کے لئے مخصوص ہے اس کو تحسین علی خان نے تعمیر کرایا تھا۔

تالاب ٹکیت رائے۔ یہ تالاب راجہ ٹکیت رائے وزیر مقدمات دیوانی نے آصف الدولہ کے عہد میں تعمیر کرایا تھا۔ آٹھوں کا مشہور میلہ اسی تالاب کے کنارے ہوتا ہے۔ اسی نام سے اس نے ایک محلہ بھی بسایا تھا۔ جو اب بھی موجود ہے۔

تارا والی کوٹھی۔ یہ عمارت نصیر الدین حیدر نے اپنے دربار کے انگریز نجومی کرنل والکوس متوفی ۱۸۴۷ء کے مشورہ پر تعمیر کرائی تھی اس کو رصد گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا نجوم سے متعلق بہت سے آلات اس میں نصب کئے گئے تھے اور ایک قیمتی دوربین لگائی گئی تھی یہ ۱۸۵۷ء تک ٹھیک حالت میں تھی اس کے بعد مسمار ہو گئی۔

چھتر منزل۔ یہ مشہور عمارت نصیر الدین حیدر نے اپنی بیگمات کی رہائش کے لئے تعمیر کرائی تھی اسی کے متصل فرح بخش کے نام جنرل مارٹن نے ایک کوٹھی بچاس

ہزار روپیہ میں خریدی تھی۔ جس کے اوپر طلائی چھتر لگا تھا۔ یہ عمارت دریا گومتی کے کنارے واقع ہے اور اب بھی اچھی حالت میں ہے اب اس وقت حکومت ہند نے اس کے اندر ڈرگ ریسرچ انسٹیوٹ قائم کر دیا ہے۔

چولکھی۔ اس نام سے عظیم اللہ خان حجام نے ایک وسیع اور خوبصورت عمارت بنوائی تھی۔ اس کے مکمل ہونے کے بعد واجد علی شاہ اودھ کے آخری حکمران نے چار لاکھ روپیہ دے کر خرید لی۔ اس وقت سے یہ چولکھی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں بادشاہ کی بیگمات رہتی تھیں۔ بیگم حضرت محل اور شاہزادہ برجیس قدر کا قیام ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت اسی عمارت میں تھا۔ اب اس عمارت کا زیادہ حصہ مسمار ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بازار اور نئی عمارات تعمیر ہو گئی ہیں۔

حسین آباد کا امام باڑا۔ یہ خوبصورت امام باڑا محلہ حسین آباد میں امجد علی شاہ نے تعمیر کرایا تھا یہ آصف الدولہ کے امام باڑے سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اس سے متصل ایک خوبصورت مسجد بھی ہے۔

سوداگر کا امام باڑا۔ یہ مشہور امام باڑا میر باقر نامی تاجر جواہرات نے غازی الدین حیدر کے زمانہ میں تعمیر کرایا تھا اب تک اچھی حالت میں موجود ہے۔

اکبری دروازہ۔ یہ بلند اور شاندار دروازہ بادشاہ اکبر کے عہد میں اودھ کے نائب حکمراں محمود بلگرامی نے تعمیر کرایا تھا وہ صوبہ دار جواہر خان کا ماتحت تھا۔ یہ لکھنؤ کے چوک بازار کے شمالی سمت آخری سرے پر واقع ہے

بھولاناتھ کا کنواں۔ نواب وزیر سعادت علی خان کے عہد میں بھولاناتھ راجہ بخشی کے عہدہ پر فائز تھا۔ اودھ کے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ آصف الدولہ اس کے گھر جایا کرتے تھے۔ اس نے یہ بڑا کنواں رفاہ عام کے لئے تعمیر کرایا تھا جو اب تک موجود ہے۔

سرائے مینڈو خاں۔ امجد علی شاہ کے عہد میں شاہی فوج کے رسالدار مینڈو خان نے تعمیر کرائی تھی۔ اب مسمار ہو چکی ہے یہ حضرت گنج سے قریب دار الشفا کے متصل واقع تھی۔

رومی دروازہ۔ یہ نہایت بلند اور خوبصورت دروازہ امام باڑا آصف الدولہ کے قریب نواب آصف الدولہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کو ماہر معمار کفایت اللہ نے اپنے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق بنوایا تھا۔ یہ اب بھی اچھی حالت میں موجود ہے۔

دل کشا باغ۔ نواب سعادت علی خاں نے شہر سے متصل ایک شکار گاہ بنوائی تھی جس میں ہر قسم کے جانور چھوڑے گئے تھے اور بالکل اصل جنگل کا ماحول تھا اسی شکار گاہ کے قریب ایک محل اور باغ تعمیر کرایا تھا جو اب بھی موجود ہے۔

سکندر باغ۔ یہ خوبصورت اور کشادہ باغ واجد علی شاہ نے اپنی بیگم سکندر محل کے لئے تعمیر کرایا تھا اسی سے متصل وہ مقام تھا جس کو قدم رسول کہا جاتا ہے۔ سکندر باغ کو ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں نقصان پہنچا مگر زیادہ حصہ محفوظ رہا۔ اور یہ باغ اب تک موجود ہے اور اب حکومتِ ہند نے اس کو بوٹانیکل گارڈن قرار دے کر اپنی نگرانی میں لے لیا ہے۔

شاہ نجف۔ اودھ کے بادشاہ غازی الدین حیدر نے دریا گومتی کے کنارے یہ مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔ تاکہ مرنے کے بعد اسی میں دفن کئے جائیں۔ یہ عمارت حضرت علیؓ کے مزار مبارک واقع نجف اشرف (عراق) کی نقل ہے جو ۱۸۲۷ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ بادشاہ مذکور اسی مقبرہ میں دفن کئے گئے۔ یہ لکھنؤ کی خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتی ہے اور دریا گومتی کے بالکل کنارے واقع ہے۔

قدم رسول۔ غازی الدین حیدر نے ایک بہت بلند چبوترہ تعمیر کرایا تھا اور اس پر ایک حاجی کا لایا ہوا وہ متبرک پتھر نصب کرایا جس پر حضرت محمد صلعم کے قدم مبارک کا نشان بتایا جاتا تھا۔

اب یہ مقام ختم ہو چکا ہے۔ یہ
سکندر باغ کے قریب واقع تھی۔

قیصر باغ۔ یہ عظیم الشان وسیع عمارت
اودھ کے آخری بادشاہ واجد علی
شاہ نے ۱۸۴۸ء میں تعمیر کرائی
تھی اس کی تعمیر پر ۸۰ لاکھ روپیہ
صرف ہوا تھا۔ اس میں بادشاہ
کی بیگمات رہتی تھیں ۱۸۵۷ء کے
غدر میں اس کو بہت نقصان
پہنچا۔ تاہم اب بھی یہ عمارات
معمولی تعمیرات کے ساتھ موجود ہیں

کاظمین ۔ یہ خوبصورت عمارت
حضرت موسیٰ کاظم رضؓ کے مقبرہ
کی نقل ہے جس کو ایک ہندو
جگناتھ اگر وال نے تعمیر کرایا تھا
یہ امجد علی شاہ کے عہدِ حکومت
میں ۱۸۴۴ء میں تعمیر ہوا جگناتھ
نے اسلام قبول کر لیا اور اس
کا نام غلام رضا خان رکھا گیا
اس کے گنبد پر سونے کے
پتر چڑھائے گئے تھے۔

کربلا دیانت الدولہ۔ یہ بہت
خوبصورت عمارت حضرت
امام حسین رضؓ کے مقبرے کے طرز
پر نواب دیانت الدولہ نے
تعمیر کرائی تھی۔ اور اب تک
اچھی حالت میں موجود ہے۔

ملکہ زمانیہ کا امام باڑا۔ یہ وسیع
اور شاندار امام باڑا ملکۂ زمانیہ
نے تعمیر کرایا تھا جو محلہ گولا گنج میں
واقع ہے اور اب اس کا بیشتر حصہ
مسمار ہو چکا ہے اس سے متصل ایک
بڑی مسجد بھی تھی جو خستہ حالت
میں موجود ہے۔

موتی محل ۔ یہ مشہور اور خوبصورت
امام دریا گومتی کے عین ساحل پر
نواب سعادت علی خان نے تعمیر
کرائی تھی۔ اس کے قریب جو پل
ہے وہ اسی کی نسبت سے
موتی محل کا پل کہلاتا ہے۔
غازی الدین حیدر بادشاہ کی
زندگی کے آخری لمحات اسی عمارت
میں گزرے۔ اب اس عمارت
میں ۱۹۴۷ء کے بعد اچاریہ نریندر
دیو لائبریری قائم کی گئی ہے اور
حکومت کے چند دفاتر بھی ہیں۔

درگاہ حضرت عباسؓ ۔ یہ لکھنؤ میں
فرقہ شیعہ کی بہت مشہور عبادت
گاہ ہے جس کا ذکر نواب مرزا شوق
نے اپنی مثنویات میں بھی کیا ہے

اس درگاہ کا بانی مرزا قیصر بیگ نامی ایک شخص تھا کہا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ کا اصلی علم کوئی بزرگ ملک شام سے لکھنؤ لائے تھے اور اس کو ایک مقام پر زمین میں دفن کر دیا تھا۔ وہاں ایک غریب آدمی اقامت گزین ہوا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ یہاں حضرت عباس کا علم دفن ہے۔ اس نے کھود کر نکال لیا۔ مرزا قیصر بیگ نے یہ علم محلہ رستم نگر کے ایک مقام پر نصب کر دیا۔ جب اس کی شہرت ہوئی تو لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے نواب سعادت علی خان نے اس پر طلائی گنبد تعمیر کرا دیا۔ غازی الدین حیدر کے عہد میں نقارہ بجانے کا انتظام ہوا۔ اور عمارت کو وسعت دی گئی اب لوگ یہاں علم لاکر چڑھانے لگے جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے ہر نوچندی جمعرات کو یہاں زائرین کا ہجوم ہوتا۔ لوگ حصولِ مقاصد کے لئے منتیں مانگتے ہیں۔

حضرت گنج۔ یہ محلہ امجد علی شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کے قریب ایک امام باڑا بھی بنوایا تھا اسی میں وہ مدفون ہیں یہ محلہ اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ اب لکھنؤ کا سب سے زیادہ خوبصورت اور پر رونق بازار ہے۔ اس محلہ میں بڑی بڑی خوبصورت نئے طرز کی عمارتیں بن گئی ہیں۔ اسی کے قریب مبارک منزل تھی۔ جس میں نولکشور پریس قائم تھا

مارٹن کی کوٹھی۔ یہ ایک انگریز جنرل مارٹن نے تعمیر کرائی تھی جو نواب آصف الدولہ کے عہد میں مکمل ہوئی۔ مارٹن کی وفات کے بعد اس کو اسی میں دفن کیا گیا تھا ۱۸۵۷ء میں مجاہدین آزادی نے اس کی قبر کھود ڈالی تھی۔ اب اس عمارت میں لا مارٹینر کالج ہے جو انگریزوں نے اپنے بچوں اور ہندوستانی رئیسوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا۔

کوٹھی روشن الدولہ۔ یہ شاندار عمارت نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں وزیر سلطنت نواب روشن الدولہ نے تعمیر کرائی تھی اس عمارت میں دو مسجدیں

ہیں ایک قبلہ رُخ اور دوسری
اس کے برعکس محض عمارت کی
خوبصورتی بڑھانے کے لئے بنائی
گئی تھی یہ عمارت اب تک موجود
ہے اور اس میں سرکاری دفاتر
ہیں۔

وزیر باغ۔ یہ باغ لکھنؤ کے مغربی
حصہ میں وزیر اودھ نواب آغا
میر نے تیار کرایا تھا۔ جب اس
کی وزارت کا دور ختم ہوا تو
نواب وزیر نے یہ اپنی ملکہ کو
بخش دیا۔ اس باغ کی کمرکھ
بہت مشہور تھی۔ یہ باغ اور
اس سے ملحق آبادی اسی
نام سے مشہور ہے۔ باغ اپنی
اصلی حالت میں نہیں رہا کچھ
متفرق درخت بطور یادگار
اب بھی باقی ہیں۔

دارُالشفا۔ یہ شاہی اسپتال
بادشاہ نصیرالدین حیدر نے
بنوایا تھا۔ اس کی شاندار
عمارت حضرت گنج کے قریب
واقع تھی اس میں عوام کے علاج
معالجہ کا اچھا انتظام تھا۔
محمد علی شاہ نے اس کو یہاں سے
ہٹا کر چوک کے قریب منتقل
کر دیا تھا۔ پرانی عمارت کو
مسمار کر کے ۱۹۴۷ء کے بعد
اس مقام پر یو پی اسمبلی اور
کونسل کے ممبروں کی رہائش
کے لئے کئی عمارتیں تعمیر کی گئی
ہیں۔ اسی کے قریب سرائے
مینڈو خان واقع تھی۔

کمپنی باغ۔ انگریزوں نے ۱۸۵۷ء
کے بعد اپنا تسلط قائم کر کے
گول دروازہ اور امام باڑا
حسین آباد کے درمیان میں
واقع گھنی آبادی کو ختم کر کے
اس وسیع رقبہ میں ایک
باغ اور تفریح گاہ بنوائی۔ اس کا
نام ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام
پر رکھا اس میں مختلف اوقات
میں تعمیرات ہوتے رہے
اب اس کے کچھ حصے پر
عمارتیں بن گئی ہیں اور نئے
طرز کا پارک بھی بن گیا ہے۔